



حضرت مولانا شبلی عبدالعزیز
 محدث دیوبند و مفسر قرآن کے سوا
 تھے۔ آپ کے مکتب ۱۱۰۰ صفحات
 عوام و فاضلین کے لئے
 اصلاحیہ کتابیں شیعہ مذاہب کا
 کلام دینی و فہم کے ساتھ
 لغویہ علمی کا بیوز اور علمی
 معلومات کا جامع سرمایہ ہے۔

سنت کی روشنی میں

مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

مہوٲ بطر زجد

فتاویٰ عمر یسوی

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۲۶



باحتام

حاجی محمد زکی عفی عنہ برائے دارالافتاء
ناشر

سید امجد مکینی
آرٹ منزل
پاکستان چوک کراچی

عَرْضِ مُرْتَبِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسول الكرام والعاقبة للمتقين۔

اما بعد۔ فتاویٰ عزیزی مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مختلف مضامین اور فتاویٰ کا پیش بہا علمی مجموعہ ہے جو ہر زمانہ میں یکساں مفید ہے۔ اہل سنت والجماعت کے ہر طبقہ کے علما اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں اور اس سے بھی واقف ہیں کہ علمی و مذہبی دنیا میں حضرت شاہ صاحب کا مقام کیا ہے اور آپ کی دینی و علمی خدمات نے مسلمانان ہند کو کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ اسی اہمیت کی بنا پر عالیجناب حاجی محمد سعید صاحب مالک مطبع مجیدی کانپور نے تالیف فتاویٰ عزیزی فارسی کا اردو ترجمہ کروایا تھا۔ ترجمہ کرنے کی خدمت جناب مولوی عبدالواحد صاحب نولوی غازی پور موافق تحفۃ الاقواء فی فضائل انبیاء نے انجام دی ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ میں پہلی جلد کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اور یکم محرم ۱۳۲۳ھ کو جلد دوم کے ترجمے کی تکمیل ہوئی۔ ان ہر دو ترجموں کو سرور عزیزی المعروف ترجمہ فتاویٰ عزیزی کے نام سے مختم جناب حاجی محمد شفیع صاحب بن عالیجناب حاجی محمد سعید صاحب مالک مطبع مجیدی کانپور نے دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔

تالیف فتاویٰ عزیزی جو دو جلدوں پر مشتمل تھی، ایک مخلوط مجموعہ ہے۔ جس میں فقہ عقائد، تصوف اور کلام کے مضامین شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ علمی اور دینی خدمت طالبان علم و دین و متلاشیان حق کیلئے افادیت کا بہترین سرچشمہ و ماخذ ہے۔ اب اسے از سر نو ابواب و عنوانات کے تحت تقسیم کرنے کے علاوہ آسان اور عام فہم بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔ مختلف مضامین کو معنوی اعتبار سے حسب ضرورت پیرا گراف میں تقسیم کیا گیا ہے اور مضمون و موضوع کی وجہ سے پڑھنے والے کو اصل مفہوم مضمون حاصل کرنے میں جو دشواری و الجھن پیدا ہو جاتی ہے اسے دور کرنے کی سعی کر گئی ہے۔ چنانچہ مسلسل اور طویل مضامین کو پیرا گراف کی صورت دے کر سہل الحصول بنایا گیا ہے۔

سرور عزیزی المعروف اردو ترجمہ فتاویٰ عزیزی کی، دونوں جلدوں کے مضامین کو ایک جاکر کے انکو ابواب و عنوانات کے تحت لاگیا ہے۔ مغلق عبارتوں کو آسان کر دیا گیا ہے۔ اور ترجمہ کو دور حاضر کے مطابق بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ترجمہ کے اکثر الفاظ و جملوں کو اکثر مقامات پر اس طرح تبدیل کر دیا گیا ہے کہ مترجم اور حضرت شاہ صاحب کے اظہار مقصد میں کسی قسم کا فرق نہ آئے پائے اور زبان سلیس اور عام فہم ہو جائے۔ ابواب حسب ذیل قائم کئے گئے ہیں۔

باب التفسیر والتشریح۔ باب العقائد۔ باب التصوف۔ باب الخلافات۔ باب الفقہ۔

نام کتبہ — فتاویٰ عزیزی

جلد

ناشر — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

صفحات — ۶۳۲

کتابت — حافظ گلزار احمد

تعداد — ایک ہزار

پریس — ایجوکیشنل پریس کراچی

سنہ طبع — ۱۳۸۴ھ

طبع جدید — ۱۳۰۸ھ

مکمل کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب نزل پارک سٹریٹ کراچی

ہر باب میں مضامین کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ناظر کو فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہی کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے اور مطالعہ کی خواہش میں اٹا ڈھو۔ عنوانات نفس مضمون اس طرح لئے گئے ہیں کہ گویا کہ وہ نفس مضمون کا لب لباب اور اصل ترجمہ میں جہاں مضمون سے پہلے سوال موجود نہ تھا۔ بلحاظ مراد مضمون سوال مرتب کر دیا گیا ہے۔ اصل ترجمہ میں بعض جگہ مختلف ابواب کے مسلسل سوالات ہیں جن کے جوابات بھی مسلسل ہیں۔ اس ترتیب جدید میں ان سوالات کو ابواب متعلقہ میں رکھ کر قاعدہ کے مطابق سوال کے نیچے جواب رکھ دیا گیا ہے۔

اصل ترجمہ میں کئی رسالے شامل ہیں ان رسالوں کے مضامین کی فہرست نہیں ہے۔ اب اس ترتیب جدید میں ان رسالوں کے مضامین کی فہرست بھی دیدی گئی ہے تاکہ اس سے ناظر مضمون رسالہ سے ایک حد تک بہرہ انداز ہو اور اصل مضمون کے پڑھنے کا شوق بڑھے۔ اصل ترجمہ میں آیات قرآنی کے حصہ تفسیر کے عنوانات کی فہرست نہیں ہے۔ اس جدید ترتیب میں ان آیات قرآنی کے عنوانات کی فہرست بھی دیدی گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے مولوی عبدالرحمن لکھنوی کے رسالہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے بعض اقوال پر اعتراضات کی تردید لکھی ہے۔ اور بعض استفتاء کے جوابات کا رد کیا ہے۔ مترجم نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ ان مقامات کو جن کا رد کیا گیا ہے، واضح کیا جاتا۔ اس ترتیب جدید میں ان رسالوں کے ان مقامات کو خط کشیدہ کر کے واضح کر دیا گیا ہے تاکہ اعتراض اور اس کے جواب کے سمجھنے میں ناظر کو دقت نہ ہو۔ غرضیکہ مجموعی حیثیت سے اس مجموعہ کو زیادہ سے زیادہ آسان۔ عام فہم اور مفید بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح اس جدید ترتیب کے بعد فتاویٰ عزیزی کے ترجمہ کو ایک جلد میں پیش کرنے کی جو سعی حاجی محمد زکی صاحب مالک ایجوکیشن پریس واپچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی نے کی ہے۔ وہ قابل مبارکباد ہے۔ اللہ اس کو قبول فرمائے۔

احقر العباد
محمد حبیلائی - کامل نظامیہ
سرکیری ایبلس کراچی پاکستان

فہرست مضامین فتاویٰ عزیزی کامل

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۱	الحم میں وہم تعارض کی تطبیق	۱۵	باب التفسیر والتشريح
۳۳	بعض ادمیہ قرآنیہ میں رَبَّنَا اور بعض میں اَللّٰهُمَّ کی تخصیص کی وجہ۔	۱۸	وحدانیت پر مشتمل آیات قرآنیہ۔
۳۴	لفظ انشاء اللہ سے بنی اسرائیل کی کامیابی اور باوجود انشاء اللہ کہنے کے موسیٰ علیہ السلام کی ناکامی کی وجہ۔	۱۹	خبر پر ہیبت الالہام میں داخل ہے یا نہیں اس کی تحقیق۔
۳۵	انقام آیت وَإِنْ تَسْتَكْسِبُوا حَسَنَةً الْحَمْدُ یَعْلَمُونَ حَسْبُ رَبِّیْ یَعْلَمُونَ حَسْبُ رَبِّیْ آیت یَا یٰہَا النَّبِیُّ قُلْ لَا ذُوَاجِلَ الْحَمْدُ کا نزول	۲۲	آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ الْحَمْدُ کی تفسیر اور آیات وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزْمُ الْأُمُورِ تک کے مصداق کی تعیین۔
۳۷	تخیر کے بارے میں ایلا کی بابت؟	۲۳	منہاج اللہ اعلانِ نصرت کے باوجود احد میں شکست کھانے کی وجہ۔
۳۸	آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الْحَمْدُ میں تعیین مراد ایام کی تشریح۔	۲۴	آیت وَإِنْ تَصْبِهِمْ حَسَنَةً الْحَمْدُ سے انقسام نسبت خیر اللہ سے اور نسبت شر بندے سے ہو سکتا؟
۳۹	آیت وَخَشَرُیَوْمَ الْقِیَٰمَةِ اَعْمٰی میں کونسا اندھا پن مراد ہے؟	۲۵	آیت ثُمَّ اَنْشَاْنَا الْحَمْدُ میں معنی مراد قرن کی تعیین۔
۴۰	آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِیْنَ سے عمومیت نبوت نوح ۴ مستفاد ہوتی ہے۔ حالانکہ خصوصیت خاتم الانبیاء علیہ السلام سے ہے اس اشکال کا حل۔	۲۶	آیت وَمَا تَسْقُطُ مِنْ ذَرَقَةٍ الْحَمْدُ اور رطب یا بس کی علمی تحقیق۔
۴۱	لفظ یَتَّقُہُ کی مرئی تحقیق۔	۲۷	آیت کَلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ الْحَمْدُ کی بیان نوعیت عذاب پر مشتمل تفسیر۔
۴۲	ذی القربی اور یدٰی القربی میں فصل باکی حکمت۔	۲۸	ہزیمت احدا اور آیت وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۹۳	تُروکوں کی بعض نرالی رسومات۔	۱۴۱
۹۴	بارہ برج کی وجہ تسمیہ	۱۴۲
۹۵	آسمان کی حقیقت	۱۴۳
۹۶	زلزلہ کی حقیقت	۱۴۴
۹۷	ابر اور برق کی حقیقت۔	۱۴۵
۹۸	دیوار قہقہہ کی حقیقت	۱۴۶
۹۹	آیت عرض الامانت میں معنی امانت کیا ہے؟	۱۴۷
۱۰۰	تقدیر لفظ وحی باری و علی کی حکمت	۱۴۸
۱۰۱	رسالہ مولوی عبدالرحمن صاحب لکھنوی	۱۴۹
۱۰۲	لا الہ الا اللہ میں لفظ الہ کی تحقیق۔	۱۵۰
۱۰۳	رسالہ مولانا عبدالعزیز در رد رسالہ مولوی محمد	۱۵۱
۱۰۴	در تحقیق لفظ الہ۔	۱۵۲
۱۰۵	تعداد احادیث صحیح بخاری و بیان موارد۔	۱۵۳
۱۰۶	اسماء و ادیان بہ ترتیب حروف تہجی	۱۵۴
۱۰۷	حدیث ومن حسن اسلام المؤمن الخ میں ضمیر	۱۵۵
۱۰۸	یَعْنِيہ میں اختلافات۔	۱۵۶
۱۰۹	اثنا عشر امیر یا اثنا عشر خلیفہ کی توضیح	۱۵۷
۱۱۰	حافظ شیرازی کے ایک شعر کا حل	۱۵۸
۱۱۱	آنحضرت کا اصحاب کہف کو معراج میں عرض اسلام	۱۵۹
۱۱۲	اور ان کے قبول کی بابت بحث	۱۶۰
۱۱۳	باغ فک کا بیان۔	۱۶۱
۱۱۴	باغ فک سے متعلق ایک اقترا کی تردید۔	۱۶۲
۱۱۵	بعض جگہ میں نماز روزہ کا مخصوص حکم۔	۱۶۳
۱۱۶	رنگ نور روز کے معنی۔	۱۶۴
۱۱۷	توکوں کی بعض نرالی رسومات۔	۱۶۵
۱۱۸	بارہ برج کی وجہ تسمیہ	۱۶۶
۱۱۹	آسمان کی حقیقت	۱۶۷
۱۲۰	زلزلہ کی حقیقت	۱۶۸
۱۲۱	ابر اور برق کی حقیقت۔	۱۶۹
۱۲۲	دیوار قہقہہ کی حقیقت	۱۷۰
۱۲۳	آیت عرض الامانت میں معنی امانت کیا ہے؟	۱۷۱
۱۲۴	تقدیر لفظ وحی باری و علی کی حکمت	۱۷۲
۱۲۵	رسالہ مولوی عبدالرحمن صاحب لکھنوی	۱۷۳
۱۲۶	لا الہ الا اللہ میں لفظ الہ کی تحقیق۔	۱۷۴
۱۲۷	رسالہ مولانا عبدالعزیز در رد رسالہ مولوی محمد	۱۷۵
۱۲۸	در تحقیق لفظ الہ۔	۱۷۶
۱۲۹	تعداد احادیث صحیح بخاری و بیان موارد۔	۱۷۷
۱۳۰	اسماء و ادیان بہ ترتیب حروف تہجی	۱۷۸
۱۳۱	حدیث ومن حسن اسلام المؤمن الخ میں ضمیر	۱۷۹
۱۳۲	یَعْنِيہ میں اختلافات۔	۱۸۰
۱۳۳	اثنا عشر امیر یا اثنا عشر خلیفہ کی توضیح	۱۸۱
۱۳۴	حافظ شیرازی کے ایک شعر کا حل	۱۸۲
۱۳۵	آنحضرت کا اصحاب کہف کو معراج میں عرض اسلام	۱۸۳
۱۳۶	اور ان کے قبول کی بابت بحث	۱۸۴
۱۳۷	باغ فک کا بیان۔	۱۸۵
۱۳۸	باغ فک سے متعلق ایک اقترا کی تردید۔	۱۸۶
۱۳۹	بعض جگہ میں نماز روزہ کا مخصوص حکم۔	۱۸۷
۱۴۰	رنگ نور روز کے معنی۔	۱۸۸

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۴۱	خط شاہ غلام علی صاحب	۱۴۱
۱۴۲	بنام حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۲
۱۴۳	کتاب معارف القدس کے انتساب اور نوعیت	۱۴۳
۱۴۴	وحدۃ الوجود میں اختلاف فیما بین الصوفیاء و المتکلمین	۱۴۴
۱۴۵	میں کن کا اتباع کیا جائے۔	۱۴۵
۱۴۶	مہر شے کے کمال کی معرفت کس طرح ہوتی ہے۔	۱۴۶
۱۴۷	لفظ شریعت کی تقسیم جس کا ایک قسم حقیقت معرفت	۱۴۷
۱۴۸	و غیرہ ہے۔	۱۴۸
۱۴۹	کیا نزول کتب بعثت انبیاء وحدت شہودی ہی کیلئے ہیں	۱۴۹
۱۵۰	کشف وحدت الشہود کے منکر کا حکم۔	۱۵۰
۱۵۱	معرفت کے طرق مروجہ حق ہیں ان کے اصحاب بیعت	۱۵۱
۱۵۲	لینے کے بعد برکتی ناجائز۔	۱۵۲
۱۵۳	کیا اپنے عمل پر وثوق ہونے سے تمنائے موت جائز	۱۵۳
۱۵۴	ہوتی ہے؟	۱۵۴
۱۵۵	مردے پر بعد موت کیا کیا گذرتا ہے؟	۱۵۵
۱۵۶	اولیائے اللہ کے انتقال پر حضرت جبرائیل علیہ السلام	۱۵۶
۱۵۷	کی بغرض غسل و دفن تشریف آوری کا عقیدہ بلا دلیل	۱۵۷
۱۵۸	بعد دفن مردہ اس کی روح کا حال۔	۱۵۸
۱۵۹	حکماء عالم کا اتفاق ہے کہ روح فانی نہیں پھر شخصیں	۱۵۹
۱۶۰	شہداء بجیات ابدی کی کیا وجہ ہے؟	۱۶۰
۱۶۱	معاد جسمانی کی حقیقت۔	۱۶۱
۱۶۲	بعد موت ادراک انسانی باقی رہتا ہے۔	۱۶۲
۱۶۳	ادراک قبل الموت اور بعد الموت میں فرق ہے یا نہیں	۱۶۳
۱۶۴	کیا انسان بھی بعد موت جنات کے مانند آدمی کے بدن پر	۱۶۴
۱۶۵	تصرف کر سکتا ہے؟	۱۶۵
۱۴۱	اموات سے استمداد بدعت ہے۔	۱۴۱
۱۴۲	ایک صاحب کشف کا دوسرے صاحب کشف یا اہل	۱۴۲
۱۴۳	قبر سے استغاثہ ممکن ہے۔	۱۴۳
۱۴۴	زیارت قبور یا عرس کے لئے تعین تاریخ کی قباحیت	۱۴۴
۱۴۵	قبروں پر پانی پھیرنا اور پھول وغیرہ رکھنا کیسا ہے؟	۱۴۵
۱۴۶	میت کی نذر ماننا اور چادر سے قبر پوشی کا حکم۔	۱۴۶
۱۴۷	استمداد اذ اہل قبور اور بت پرستی میں قدرے فرق ہے۔	۱۴۷
۱۴۸	کسی میت صالحہ پر ولی وغیرہ ہونیکا قطعی حکم لگانا۔	۱۴۸
۱۴۹	سال کے کسی دن کو زیارت کے لئے مقرر کرنا حکم۔	۱۴۹
۱۵۰	بزرگوں اور خواجوں کی غلامی کے اقرار کی توضیح۔	۱۵۰
۱۵۱	کسی ولی یا شہید کے نام پر ذبح جانور یا کسی چیز کے	۱۵۱
۱۵۲	پکانے کا حکم۔	۱۵۲
۱۵۳	اذا تَحَيَّزْتُ فِي الْأُمُورِ الخ سے استدلال	۱۵۳
۱۵۴	استعانت کی تشریح۔	۱۵۴
۱۵۵	طواف قبر کا حکم۔	۱۵۵
۱۵۶	ارواح بزرگان سے استمداد۔	۱۵۶
۱۵۷	کسی کے منت مانے ہوئے جانور کا حکم۔	۱۵۷
۱۵۸	استعانت بالا ارواح کا حکم۔	۱۵۸
۱۵۹	نقل اموات کی حقیقت	۱۵۹
۱۶۰	تعزیر محرم کا حکم	۱۶۰
۱۶۱	مجلس تعزیر میں بہ نیت زیارت شرکت۔	۱۶۱
۱۶۲	انقطاع مجلس عزاء۔	۱۶۲
۱۶۳	عشرہ محرم میں ترک زینت۔	۱۶۳
۱۶۴	اہل تعزیر کی امداد	۱۶۴
۱۶۵	مرغیہ اور نوحہ خوانی وغیرہ	۱۶۵

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۰۵	زیارت قبور کی ترکیب -	
۱۸۸	اہل قبور سے استغاثہ کا طریقہ -	
۲۰۶	حالاتِ آئندہ کے دریافت کرنے کا استخارہ -	
۱۸۹	حفاظتِ عزت و آبرو کی ترکیب -	
۲۰۷	فرائضِ رزق کی ترکیب -	
۱۹۰	ارائے قرض کی ترکیب -	
۲۰۸	آفات و بلایات سے محفوظ رہنے کی ترکیب -	
۱۹۵	تمام آفات سے محفوظ رہنے کے لئے آیاتِ قرآنیہ -	
۲۰۹	تسخیرِ حکام کی ترکیب -	
۱۹۶	دفعِ بدخواہی کی ترکیب -	
۲۰۹	سفر کی ترکیب -	
۲۱۰	دفعِ شرمیزات دشمنِ دنیا دی -	
۲۱۰	آسیب و ہوا دور کرنے کی ترکیب -	
۱۹۸	دفن کے ساتھ مرد و عورت -	
۱۹۹	بلا مزا میراگ سنا	
۲۱۱	راگ کا شغل قبر پر -	
۲۱۲	رسالہ غنا	
۲۱۳	غنا کی حلت و حرمت کی تشریح -	
۲۱۳	بابِ اختلاف	
۲۲۰	بارہ خلفاء کے متعلق تحقیق -	
۲۲۵	اثنا عشریہ خلیفہ یا امیر کی تشریح -	
۲۲۷	خلافتِ کائنات سے ثابت ہونے کا مطلب -	
۲۲۹	تحریرِ صدیقی سے تنقیصِ شانِ غمی کا وہم -	
۲۳۰	"اَلْفُ شَهِيدٌ يَسْلُكُهَا بُوْءُ اُمِّيَّةٍ" کی تشریح -	

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۸۷	رسالہ وسیلۃ النجاة	
۲۳۱	حدیث لفظاً لَا اَرْكُمُ فَاَعْلَيْنَ کے احتمالات کی تشریح -	
۲۳۲	مسئلہ تفضیل علی رضا	
۲۳۴	حق دائر اور حق متعین کی تشریح -	
۲۳۷	کی تفضیل الشیخین برختین من کل الوجوہ ہے؟	
۲۳۸	سب حضرت علیؑ پر معاویہؓ کی تحریریں -	
۲۳۹	کی تحریریں معاویہؓ کو سب حضرت علیؑ پر تحقیق ہے؟	
۲۴۱	واقعہ اور حدیث کی پیشین گوئی میں ظاہری تخالف کا جواب -	
۲۴۲	بعض صحابہ کی حاضری میں مروان کی حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی	
۲۴۸	افشائے باز پر حضرت عائشہؓ پر عتابِ ربانی	
۲۴۹	آیت "مَا فَتَنَسِيْمُ" سے ثبوتِ متعدد کے وہم کی تردید	
۲۵۰	مروان وغیرہ کو برا کہنے میں قباحت نہیں -	
۲۵۱	خروجِ حضرت امام حسینؑ کی شرمی حیثیت -	
۲۵۲	قول حسینؑ لماویہ "اَنْتَ السَّابُّ لِعَلِيٍّ" کی تشریح -	
۲۵۳	حدیث "الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً" کی تشریح -	
۲۵۶	ظاہری کی حکایت اور برہان شاہ کے خواب کی تشریح -	
۲۶۰	برہان شاہ پر باءِ ستقلال درود کا فیصلہ	
۲۶۲	کی تحفہ اثنا عشریہ کتابِ صواعقِ موبقہ کا ترجمہ ہے؟	
۲۶۶	تمہ دلائلِ شیعہ و بیانِ حدیثِ نقلین	

باب العقائد

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۳۴	حسب نسب شرافت اور نجابت -	۳۳۴	قدوس حضرت عائشہؓ یا سب صحابہ کے ارتکاب کا وبال -
۳۳۵	تفضیل اولاد اعام آنحضرت کی تشریح -	۳۳۵	تفضیل شیخین بر علیؓ تفضلی کے بیان کی نوعیت
۳۳۶	معراج شریف کا حال روایات کی روشنی میں -	۳۳۶	فرقہ تفضیلیہ کی امامت کا مسئلہ
۳۳۷	شجرہ بیعت الرضوان -	۳۳۷	مروان وغیرہ کو برا کہنا -
۳۳۸	فرقہ ناجیہ -	۳۳۸	لا علی سے کلمہ کفر کا کہنا -
۳۳۹	گمراہ فرقوں کا بیان -	۳۳۹	امانت علم اور علماء -
۳۴۰	رکس جنوبی کی رحلت -	۳۴۰	تکفیر اہل قبلہ و اہل شہادت -
۳۴۱	حدیث افتراق امت پر اعتراض اور اس کا جواب	۳۴۱	کفار سے سوالات -
۳۴۲	عشرہ مبشرہ کے علاوہ دوسروں پر قطعی بہشتی یا	۳۴۲	کفار کی مشابہت کس میں منع ہے -
۳۴۳	دوزخی کا حکم -	۳۴۳	ماں باپ نے جس کو عاق کر دیا ہو
۳۴۴	وفات رسول (اناللہ وانا الیہ راجعون) -	۳۴۴	تلاوت قرآن بر طعام -
۳۴۵	"الْفَصْحَاءُ كُلُّهُمُ عَدُوٌّ لِّىْ" کی تشریح -	۳۴۵	استحلال الحرام واستحرام الحلال (استحلال المحرمات)
۳۴۶	"السُّرَّاءُ الْجَلِيلُ" یعنی فضیلت شیخین -	۳۴۶	دراستحرام الحلال -
۳۴۷	رفع سب صحابہ پر ایک بحث -	۳۴۷	احادیث کی رکیک تاویلات -
۳۴۸	اقتدار بالشیعہ کا مسئلہ -	۳۴۸	
۳۴۹	اختلاف احکام دوبارہ ناکشین قاسطین اور مارتن	۳۴۹	
۳۵۰	کی حکمت -	۳۵۰	باب الفقہ
۳۵۱	مسئلہ عصمت سے متعلق ایک بحث -	۳۵۱	فوائد بسم اللہ
۳۵۲	ایمان و کفر کے مسائل میں کافر کا اطلاق کس پر ہوگا؟	۳۵۲	خواص حمد لہ
۳۵۳	موجب کفر کیا ہے؟	۳۵۳	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چند جامع قواعد
۳۵۴	لزوم کفر اور انکار کفر میں فرق -	۳۵۴	بیان تاخذ مذاہب اربعہ -
۳۵۵	فضائل ایمان اہل کتاب -	۳۵۵	اختلاف علماء کا سبب
۳۵۶	خلود نار کا عذاب مطلقاً کفر کا خاصہ ہے -	۳۵۶	اصول دین کے مسائل مختلفہ کی تعداد
۳۵۷	فرقہ امامیہ کے متعلق فیصلہ -	۳۵۷	مقلد کا کسی خاص مسئلہ میں دوسرے امام کی پیروی -
۳۵۸	خوارج اور شیعیہ میں مساوات کا وہم اور اس کا ازالہ -	۳۵۸	احناف بعض مسائل میں صاحبین کی اقتدار کرتے
		۳۵۹	ہیں شافعی کی نہیں -

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۳۹	صلوۃ التسبیح کے مخاطب حضرت عباس ہیں تو حکم	۳۳۹	حقی کا بعض مسئلہ میں مذہب شافعی پر عمل درآمد -
۳۴۰	عام کیے ہوا -	۳۴۰	کیا حدیث فقہ پر عمل کرتے ہیں؟
۳۴۱	بعد نماز صبح سلام علیک کہنا -	۳۴۱	منکر حدیث کا حکم -
۳۴۲	تعیین وقت تہجد -	۳۴۲	منکر فقہ کا حکم -
۳۴۳	استقبال کعبہ برقیاس فاسد اور اس کا جواب -	۳۴۳	امام زمانہ سے مراد کیا ہے؟ اس کی تشریح -
۳۴۴	قبرستان میں نماز -	۳۴۴	مسئصوف کا مسئلہ -
۳۴۵	صلوۃ وسطے پر بحث -	۳۴۵	مسئلہ متعلقہ تجوید -
۳۴۶	عورتوں کیلئے نماز کے احکام	۳۴۶	آداب تلاوت قرآن پاک -
۳۴۷	کیا عورتوں کیلئے نماز میں کچھ خصوصی احکام ہیں؟	۳۴۷	دارالاسلام منقلب بدارا لمحہ ہو سکتا ہے؟
۳۴۸	سنن رواتب و نوافل مقررہ کے علاوہ کی نمازیں -	۳۴۸	مسائل نماز
۳۴۹	نماز تراویح کی تفصیل -	۳۴۹	عدم تجسس مؤمن کی تشریح -
۳۵۰	تراویح اور رمضان کی فضیلت	۳۵۰	تجسس کافر کی تشریح -
۳۵۱	اعمال کے ثواب میں کمی بیشی	۳۵۱	شرعی نجاست کے طبقات -
۳۵۲	کیا اعمال کے ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے؟	۳۵۲	استبراء عن البول یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرنا
۳۵۳	کیا ثواب اعمال کا بندہ مالک ہو جاتا ہے؟	۳۵۳	بچہ پر وہ عورت کے شوہر کی امامت -
۳۵۴	عبادات و اعمال کو اجرت پر دینے کا حکم -	۳۵۴	حقی کی دوسرے مذہبی امام کے پیچھے اقتدار -
۳۵۵	تعلیم قرآن پر اجارہ	۳۵۵	امامت تفضیلیہ -
۳۵۶	تراکیب نماز استسقاء کسوف اور عاشورہ وغیرہ -	۳۵۶	تعیین وقت النہر -
۳۵۷	سنن رواتب پر سختی سے پابندی -	۳۵۷	تشہد میں انگلی اٹھانا -
۳۵۸	وضو نماز جنازہ سے نماز پنجگانہ پڑھنا -	۳۵۸	کیا تشہد میں انگلی اٹھانا مسنون ہے؟
۳۵۹	مسح لمحہ کی تحدید -	۳۵۹	تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسئلہ -
۳۶۰	کبیل اور عمدہ وغیرہ پر نماز و سجدہ تلاوت وغیرہ	۳۶۰	جمہ کے لئے سلطان یا نائب سلطان کی شرط -
۳۶۱	مرض الغلات الریح یعنی ہوا نکلنے کی بیماری کا حکم -	۳۶۱	نائب سلطان ہونے کی صورت کا حکم -
۳۶۲	مسائل دعاء	۳۶۲	نماز کے لئے کھڑا ہو کر آیت و التَّحِيَّاتُ وَالْحَمْدُ
۳۶۳	دعائے انبیاء کی تاثیر -	۳۶۳	وغیرہ پڑھنے کا حکم -

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۹۵	طواف کعبہ -	۵۰۸
۵۹۶	مقام ابراہیم پر نماز -	۵۰۹
۵۱۱	دادی محض میں درود -	۵۱۱
۵۱۱	عمرہ -	۵۱۱
۵۱۱	احکام جنایات -	۵۱۱
۵۱۲	وجوب جزاء -	۵۱۲
۵۱۳	مسائل قربانی -	۵۱۳
۵۱۳	مسائل ذبیحہ -	۵۱۳
۵۱۳	نذر کا ذبیحہ -	۵۱۳
۵۱۳	معنی آیت وَمَا أَهْلَ لَیْغِیْزِ اللّٰہِ -	۵۱۳
۵۱۳	کافر کی شکار کردہ بھلی -	۵۱۳
۵۱۳	دریا کی خود مردہ بھلی -	۵۱۳
۵۱۳	مسائل نکاح -	۵۱۳
۵۱۳	ناکج سنی اور منکوحہ امامیہ کا نکاح -	۵۱۳
۵۱۳	خفنی مشکل -	۵۱۳
۵۱۳	لڑکی اپنا نکاح با اختیار خود غیر کفوس کرنے کا حکم -	۵۱۳
۵۱۳	داماد کا گھر دامادی منظور کر کے خلافت ورزی کرنے کا حکم -	۵۱۳
۵۱۳	بوقت نکاح عاقدین کو تلقین شہادتین کی حکمت -	۵۱۳
۵۱۳	حالت برہنہ میں کلام -	۵۱۳
۵۱۳	مسائل نفقہ -	۵۱۳
۵۱۳	مسائل تحریم -	۵۱۳
۵۱۳	حرمت متعہ -	۵۱۳
۵۱۳	متعہ حلال ہے یا حرام -	۵۱۳
۵۱۳	آیت صانئین الخ سے ثبوت متعہ پر استدلال -	۵۱۳

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۴۸	مسائل اجارہ	۵۴۸
۵۴۹	مسائل شفعہ	۵۴۹
۵۵۰	مسائل رشوت	۵۵۰
۵۵۰	مال رشوت سے تعمیر کردہ مکان کا حکم -	۵۵۰
۵۵۰	قرض سے مسجد کی تعمیر کی پھر رشوت سے قرضہ ادا کیا - ایسی مسجد کا حکم -	۵۵۰
۵۵۰	مسائل سود	۵۵۰
۵۵۱	دار الحرب میں سود کا مسئلہ	۵۵۱
۵۵۲	کیا مالک نصاریٰ دار الحرب ہے؟	۵۵۲
۵۵۳	کیا امام صاحب کا دار الحرب میں سود کا جائز فرمانا خلافت شرع و ائمہ تہ ہے؟	۵۵۳
۵۵۵	انگریزوں اور کفار حربی سے سود لینے کا مسئلہ -	۵۵۵
۵۵۶	ہندو کی کرانیکا کا حکم -	۵۵۶
۵۵۶	مسائل متفرقہ	۵۵۶
۵۵۹	لنگ یا پاجامہ ٹخنے سے نیچے ہونے کا حکم -	۵۵۹
۵۵۹	موچھ کا حکم -	۵۵۹
۵۵۹	کرگدن کا حکم -	۵۵۹
۵۵۹	سرخ یا معصفر کپڑے پہننے کا حکم -	۵۵۹
۵۵۹	افیون کا حکم -	۵۵۹
۵۵۹	خلمائے لکھنؤ کے ایک قانونی عبارت میں اختلاف کا فیصلہ -	۵۵۹
۵۵۹	شمر کی تعریف -	۵۵۹
۵۵۹	حصہ اور دو حدیثوں کی صحت و بطلان کے متعلق فیصلہ	۵۵۹
۵۵۹	تحقیق تعلیم انگریزی و منطق	۵۵۹
۵۵۹	انگریزوں کی لوکری -	۵۵۹

عنوانات

فروش دامن وطنی بالشبہ کا حکم
مسائل طلاق
ناشزہ عورت کو طلاق دینے کا حکم -
ایک طلاق کا حکم -
مسائل وراثت -
مسائل بیع
آدمی بیع بن سکتا ہے یا نہیں؟
غلام و کنیزک حلال کی مشرعی نہیں -
کیا امر مباح حرام کے وسیلہ بننے سے حرام ہو جاتا ہے؟
حکم بیع الوفا کیا ہے؟
بیع باہمال مشتری کا حکم -
بیع کنیز و غلام کے احکام -
بیع سلم کی ایک صورت -
مسائل رہن -
رہن زمین کی ایک صورت -
رہن باغ کی ایک صورت -
رہن زمینداری کی ایک صورت -
ارض مرہونہ کی پیداوار سے انتفاع کا حکم -
حکم اراضی مدومعاش -
مسائل ہبہ
ہبہ کن الفاظ سے منعقد ہوتا ہے؟
ہبہ کی ایک مخصوص صورت -
مسند وستان کی زمین اور زمینداری کے حکم کی تفصیل -
مسائل ہبہ -

آٹھویں آیت پارہ مذکور سورہ واقعہ میں ہے :-
وَحَنُّ أَقْرَبُ إِلَيْكُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ
یعنی اور ہم بہت نزدیک ہیں تمہاری جان کے تم سے، لیکن تم نہیں دیکھتے ہو۔

نویں آیت بھی پارہ مذکور میں ہے :-

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ

یعنی اور اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم رہو۔

دسویں آیت پارہ حم سورہ قاف میں ہے :-

وَحَنُّ أَقْرَبُ إِلَيْكُمْ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

یعنی اور ہم انسان کے بہت نزدیک ہیں جان کی رگ سے۔

گیارہویں آیت بھی پارہ مذکور میں ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

یعنی تحقیق وہ لوگ کہ بیعت کرتے ہیں آپ سے سوا اس کے دوسرا امر نہیں کہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے
اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

بارہویں آیت پارہ و مائی لا أعبد الذی میں ہے :-

أَجْعَلِ الْاِلَهَةَ الْهَادِ اِحْدًا اِنَّ هَذَا الشَّيْءَ عَجَابٌ

یعنی کفار نے کہا کہ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سب معبودوں کو ایک کر دیا تحقیق یہ ایک عجیب چیز ہے۔

تیرہویں آیت پارہ قمر سورہ میں ہے :-

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُمْ كَايْدُهُمْ وَلَا اَخْسَئِ الْاَوْسَادِ سُبَّحًا لَا اَذَى مِنْ ذَالِكَ

وَلَا اَكْثَرُ الْاَوْسَادِ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوا ج

یعنی اور نہیں ہوتا ہے مشورہ تین شخصوں میں مگر جو تھا اللہ تعالیٰ رہتا ہے اور نہ مشورہ ہوتا ہے پانچ شخصوں میں
مگر وہ چھٹا رہتا ہے اور خواہ کم لوگ ہوں یا زیادہ لوگ ہوں اللہ ان کے ساتھ ضرور رہتا ہے جہاں وہ رہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے :-

قُلْ لَا اِجْدُ فِي مَا اَدْعِي اِلَى مُعْتَمِدًا عَلٰى طَاعَةِ يَطْعَمُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنُ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

مَسْفُوْحًا اَوْ لَحْمًا خِنْزِيْرًا ذٰلِكَ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اَوْ لَعْنًا لِّلّٰهِ يَه

یعنی کہہ دیجیے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ نہیں پاتا ہوں اس میں کہ وحی نازل کی گئی ہے، ہماری طرف کہ
حرام کیا گیا جو کسی کھانے والے پر کہ کھائے اس کو مگر البتہ یہ حرام ہے کہ مردار ہو یا جاری خون ہو، یا سور کا گوشت
جو اس واسطے کہ یہ ناپاک ہے۔ یا از روئے فسق کے، کسی جانور پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ یعنی

ایسا جانور بھی حرام ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مرد حصر اضافی ہے بہ نسبت خانگی چارپایوں کے کہ ان کی
آٹھ قسم مذکورہ ہیں اور کتا اور شیر وغیرہ بھی اگرچہ حرام ہے مگر خانگی چارپایوں سے نہیں اور لوگوں کو اس سے بچت
نہ تھی۔ تو اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ خنزیر بھی بہیمۃ الانعام یعنی خانگی چارپایوں میں داخل ہے ورنہ استثناء صحیح
نہ ہوگا

جواب : خنزیر کے بارے میں اس امر میں اختلاف ہے کہ بہیمۃ الانعام یعنی خانگی چارپایوں میں داخل

ہے یا نہیں۔ تو بعض مفسرین کے نزدیک خانگی چارپایوں میں داخل ہے۔ اس واسطے کہ بہیمۃ لغت میں اس کو

کہتے ہیں بحوہ مبہم ہو۔ یہ امر ہر حیوان میں پایا جاتا ہے۔ لیکن عرف میں صرف چار پایہ کو کہتے ہیں۔ انعام یا ماخوذ ہے

نعمت سے کہ ساتھ کسرۃ نون کے ہے۔ اور انعام خانگی چار پایہ کو کہتے ہیں کہ اس کو اس غرض سے پالتے ہیں کہ اس

کا دودھ مصروف میں آئے اور اس کا بچہ ہو اور اس کا بال کام میں آئے اور اس کا گوشت کھا یا جائے اور اس

کے چمڑے سے فائدہ ہو۔ اس وجہ سے ان جانوروں کو انعام کہتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے زیادہ نعمت حاصل ہوتی ہے

اور انعام یا ماخوذ ہے نعمت سے کہ ساتھ فتح (زبر) نون کے ہے۔ لغت کے معنی میں ہے کہ اس کے معنی نرمی

بدن کے ہیں تو اس معنی کے لحاظ سے اس وجہ سے ان چارپایوں کو انعام کہتے ہیں کہ ان کے بدن میں نرمی ہوتی ہے

بجلاف وحشی چارپایوں کے کہ ان کے بدن میں خانگی چارپایوں کی مانند نرمی نہیں ہوتی ہے۔ بہر حال یہ دونوں وجوہ

خانگی خنزیر میں پائی جاتی ہیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک خانگی چارپایوں میں خنزیر داخل نہیں، اس لئے کہ عرف

میں اس کو خانگی چار پایہ نہیں کہتے ہیں۔ لیکن یہ بہیمۃ الانعام یعنی خانگی چارپایوں میں تغلیباً داخل ہے اس لئے کہ نصاریٰ

وغیرہ بعض قوم خانگی چارپایوں کی طرح خنزیر پر پلٹتے ہیں اور اس کے گوشت اور چمڑے سے اور اس کے بال اور دودھ سے

فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ بات ہمارے دیار کے دیہاتوں میں دیکھی جاتی ہے۔ جیسا کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ اصح

قول یہ ہے کہ جن سے تھا لیکن ملائکہ سے تغلیباً شمار کیا گیا۔ اس واسطے ملائکہ کو جو خطاب ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام

کو سجدہ کریں۔ تو اس خطاب میں یہ بھی داخل تھا اور بطریق استثناء متصل کے ملائکہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔ اس واسطے کہ وہ

بھی ملائکہ میں شامل تھا۔ اور تسبیح اور عبادت اور تقدیس میں ان کے ساتھ شریک تھا۔ واللہ اعلم

سوال : یہ جو آیت ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ الْوَحْيُ اَوْ اَعْتَابُ اَعْرَابِ کے وَالَّذِيْنَ مَعَهُ

ہندہ ہے اور اس کے بعد ہندہ کی خبریں ہیں اور یہ آیت صحابہ کرام کی مدح میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین نے لکھا ہے

کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے اور اَشِدُّ اَعْلٰی الْاَكْفَادِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے

اور دُحَمَّا اَبِيْنَهٗ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے اور سَوْدًا رَّجُلًا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے اور

میں ہے اور باعت بار علم اعراب کے یہ معنی محدث ہیں۔ چنانچہ بعض مخالفین نے اس تفسیر پر طعن کیا ہے۔

یہ جو آیات قرآن شریف میں ہیں :-

وَمَلٰئِكَةُ اللّٰهِ حٰمِيُوْنَ اٰبٰی لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی رِجَالِهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ج وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كِبٰرَیْ اَلْاَوْثٰ

برید و درید و شکست و بہ بست پلان راسر و سینہ و پاؤ دست!

یعنی لڑائی کے دن اس پہلوان زور مند نے تلوار اور خنجر اور گرز و کند سے کاٹا اور چاک کیا اور توڑا اور باندھا، پہلوانوں کا سر اور سینہ اور پاؤں اور ہاتھ کس طرح تعین ہوتا ہے کہ تلوار سے سر کاٹا اور خنجر سے سینہ چاک کیا اور گرز سے پاؤں توڑا اور کند سے ہاتھ باندھا۔ تو جب تک عقل کو دخل نہ دیوں یہ معنی کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ وہ عالم متحیر ہوا۔ اور سکوت کے سوا کچھ جواب نہ ہوا۔ حالانکہ اس مثال میں ہر چیز کی خصوصیت اپنے مناسب کے ساتھ حقیقتاً خصوصیت ہے یعنی اس معنی کے اعتبار سے وہ خصوصیت اس چیز کی خصوصیت ہونا ثابت ہے کہ جس میں وہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ اس کے سوا دوسرے میں وہ خصوصیت پائی نہیں جاتی ہے اور آیات مذکورہ میں اس طرح کی خصوصیت کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا ہے بلکہ ہم سب صفات کو سب حضرات میں بالاشترک جانتے ہیں۔ البتہ بعض صفات بعض بزرگوں میں غالب ہیں۔ اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ وہ صفت ان بزرگوں کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ صرف اشترک زیادہ بعید قیاس سے نہیں۔

سوال: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰلِهَ اللّٰهُ تَعَالٰی کی مدد کے اعلان کے باوجود اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست کیوں ہوئی۔

جواب: تفسیر آیت اِنَّا لَنَنْصُرُ الْاٰیۃَ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَنُعۡوۡمُ لَا نَشۡهَدُوْهُ

یعنی تحقیق کہ ہم مدد کرتے ہیں اپنے پیغمبروں کی اور مؤمنین کی دنیا کی زندگی میں اور مدد کریں گے ان لوگوں کی اس دن کہ گواہ قائم ہوں گے یعنی دنیا کی زندگی میں اس طرح مدد کرتے ہیں کہ ان کے دشمنوں کو یعنی کافروں کو ہلاک کرتے ہیں۔

اگرچہ پہلے بعض پیغمبر اور مؤمنین شہید ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ذکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں وقتاً میں آیا۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے شہید ہونے کے بعد بنی اسرائیل سے انتقام لیا۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل سے ستر ہزار آدمی قتل کئے گئے اور یہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ کسی طرح کی مدد نہ کرنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے دشمن ہلاک کئے جائیں۔ اور اس کا کلمہ یعنی اس کا دعویٰ ظاہر اور ثابت کیا جائے اور اس مدد کی منافی نہیں کہ خود وہ شخص قتل کیا جائے یا بعض وقت زخمی کیا جائے، یا مغلوب ہو جائے۔ مہیا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ منصور ہے یعنی اس کو غلبہ دیا گیا ہے۔ اگر وہ اتفاقاً کسی لڑائی میں قتل کیا جائے یا مجروح ہو جائے۔ اس واسطے کہ ایسی صورتوں میں انجام پر نظر کی جاتی ہے کہ انجام یہ ہوا کہ فلاں شخص کا غلبہ ہوا اور اس کا وہ قول غالب ہوا کہ اس نے اس کا دعویٰ اپنے گروہ میں کیا تھا۔ مولانا یعقوب اسفرائینی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور یہ اشکال دفع کیا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ بعض انبیاء و شہید ہوئے اور بعض انبیاء زخمی ہوئے اور ان کو تکلیف پہنچی تو بعض مقام میں یہ اشکال اس طرح دفع کیا ہے کہ کہا ہے کہ نبی بہ نسبت رسول کے عام ہے اور اس آیت میں خاص رسول کو مدد دینے کا ذکر ہے اور باقی انبیاء کی مدد کرنے کا ذکر نہیں۔ اس توجیہ پر نقص ہوتا ہے کہ اُحد کا واقعہ کیوں وقوع میں آیا۔ کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح

نہ ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب رسولوں میں سردار ہیں اور افضل ہیں۔

بعض مقام میں یہ اشکال اس طرح دفع کیا ہے کہ اہل عربیت سے نکل کی ہے اور اس توجیہ پر فرمایا ہے وہ توجیہ یہ ہے کہ جب فی کالفظ ظاہر ہوتا ہے تو اس سے استیعاب زمانی کی نفی مفہوم ہوتی ہے اور جب لفظی مقدر رہتا ہے تو اس سے استیعاب مفہوم ہوتا ہے اور اس کی تائید میں فقہ کا یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی عورت سے نکاح طلاق فی غلجہ کوکل کے دن طلاق ہے تو طلاق اس وقت واقع ہوگی کہ جب وہ کل کا دن گذر جائے بخلاف اس صورت کے کہ اس نے کہا نکاح طلاق غدا یعنی کل طلاق ہے تو اس صورت میں اس کی کل کے دن فجر و صبح ہوئے طلاق ہو جائیگی اس واسطے کہ نکاح طلاق فی غلجہ کوکل کے کسی حصہ میں۔ تو طلاق نہ ہوگی مگر اس وقت کہ اس دن کے سب اجزاء گذر جائیں اور انتہا طلاق غدا کے معنی یہ ہیں کہ توکل کے تمام دن میں مطلقہ ہوئی اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس دن کے پہلے حصہ میں طلاق واقع ہو جائے اور یہ فرق صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر میں اس کی ضرورت نہیں اس واسطے کہ تقریر میں جہ بالا میں مذکور ہے کہ کسی کی مدد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دشمن ہلاک کئے جائیں اور اس کا دعویٰ غالب کیا جائے اور اس توجیہ پر کوئی نقص نہیں ہوتا ہے نہ کسی رسول اور نہ کسی نبی کی حیات میں یا وفات کے بعد واقعہ میں کوئی نقص لازم آتا ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ سورہ زحرف میں آئے گا۔

فَاَمَّا نَدْعُبُ بِكَ فَاَمَّا تَدْعُبُ بِكَ الَّذِي وَعَدْنَا هُوَ فَاَمَّا تَدْعُبُ بِكَ الَّذِي وَعَدْنَا هُوَ فَاَمَّا تَدْعُبُ بِكَ الَّذِي وَعَدْنَا هُوَ

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پس اے جاہل گے ہم آپ کو تو ہم ان سے انتقام لینے والے ہیں یا دکھلائیں گے

ہم آپ کو جو ان لوگوں سے ہم نے وعدہ کیا ہے پس تحقیق کہ ہم ان لوگوں پر قادر ہیں

یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے اور بعض مقام میں یہ اشکال اس طرح دفع کیا ہے کہ کہا ہے کہ اس آیت میں جو

مذکور ہے کہ اپنے پیغمبروں کی ہم مدد کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ان کے دعویٰ قائم کر دیتے ہیں اور یہ مراد

نہیں کہ اس امر میں مدد کرتے ہیں کہ تلوار اور نیزہ میں وہ غالب رہیں۔ اس واسطے ظاہر ہے کہ یہ معنی قیاس سے بعید ہے۔

سوال: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَنُعۡوۡمُ لَا نَشۡهَدُوْهُ

اللہ سے اور شرکی نسبت بندہ سے ہونے کا مفہوم نکلتا ہے اور ملاو اعلیٰ میں خیر کے سوا شر پایا نہیں جاتا۔

جواب: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَنُعۡوۡمُ لَا نَشۡهَدُوْهُ

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہے۔ موت اور مصیبت سے وہ سب ضرور ہونے والا ہے تو اس سے محفوظ رہنے کی

تدبیر کرنے میں کچھ فائدہ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اصل علاج ان امراض نفسانیہ کا یہ ہے کہ تقدیر پر کامل

یقین رکھے تاکہ یہ کوشش کم ہو جائے کہ دنیاوی اسباب کے ذریعے سے نفع حاصل کیا جائے اور تدبیر کے ذریعے سے

نقصان دور کیا جائے اور تاکہ دل میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہو تو یہ خیال کرنے سے بدل کو شجاعت حاصل ہو

گی اور بخیل کو جو انفرادی کی توفیق ہوگی اور حسین خصلت دفع ہوگی اور عمدہ خصلت حاصل ہوگی۔ اور دنیاوی اسباب پر نظر

نہ ہوگی اور خیر و شر جو وقوع میں آئے گا اس کے باسے میں یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس کے دل میں نور

یقین غالب نہیں تو اس کا دل شک و شبہ کے وار و ہونے کی جگہ ہے اور خلق سے شکایت کرنے کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہے۔ تو جب اس کی بہتری ہوگی، مثلاً فتح حاصل ہوگی اور غنیمت کا مال ملے گا تو کہے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے جیسا کہ غزوہ بدر میں وقوع میں آیا اور جب اس کی شکست ہوگی تو کہے گا کہ یہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ میری تدبیر کی مناسبت نہ ہوئی کہ اس واقعہ میں جو امر بہتر تھا وہ نہ کیا۔ جیسا کہ غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب میں ظہور میں آیا۔ کہ منافقین کہتے تھے کہ ہر غزوہ میں معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر میں خطا ہوتی ہے۔

چنانچہ بدر میں کہتے تھے کہ نامناسب تدبیر ہوئی ہے کہ اس طرف کے لوگ کم ہیں اور اس حالت میں مقابلہ کیا جا رہا ہے اور جب فتح حاصل ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ فتح نادر طور پر حسن اتفاق سے ہو گئی ہے۔ یہی حال جنگ اُحد کا ہے کہ اُحد میں بھی منافقین کی رائے نہ تھی کہ مدینہ منورہ سے نکلیں۔ بلکہ ان کی رائے تھی کہ مدینہ منورہ میں رہیں تاکہ دشمنوں سے محفوظ رہیں تو جب شکست ہوئی تو کہنے لگے کہ ہم لوگوں کے نزدیک جو رائے بہتر تھی اس کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور معاذ اللہ اسی وجہ سے شکست ہوئی۔

منافقین غزوہ احزاب میں بھی کہتے تھے کہ ہم لوگ یہود اور قریش اور بنی اسد اور غطفان کے قبیلہ کے ساتھ ایک ہی مرتبہ کس طرح مقابلہ کریں گے اس واسطے کہ وہ لوگ بعض بعض سے مدد دیتے ہیں اور وہ لوگ مجتمع ہو کر ہم لوگوں کے ساتھ لڑائی کریں گے تو ہم لوگوں کو دقت ہوگی۔ پھر اس میں بھی آخر میں وہ لوگ ایسا ہی کہنے لگے کہ شکست نامناسب تدبیر کی وجہ سے ہوئی ہے اور ایسا خیال صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کمال یقین نہیں ہوتا ہے کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور دنیاوی اسباب کی طرف میلان رہتا ہے اور اللہ جلّ شانہ کی قدرت کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے کہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خیر اور شر اور فتح اور شکست یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہ نہایت قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور انبیاء و کرام کے کلام سے جو ثابت ہے کہ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر کی نسبت بندہ کی طرف سے ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ اس اعمت بار سے کہ بندہ کے نیک عمل اور بد عمل کی وجہ سے اس کے حق میں کوئی امر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قَالُوا اَحَلَّتْ لَنَا بِكَ وَبِصَنِّعَتِكَ مَا قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

یعنی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ منحوس پایا ہم نے تم کو اور ان لوگوں کو کہ تمہارے ساتھ ہیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری نحوست اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَلَا اِنَّكُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

یعنی آگاہ رہیں گے کہ قوم فرعون کی نحوست اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے بندہ کو نعمت ملتی ہے اس واسطے کہ اگرچہ کسی قدر زیادہ طاعت کی جائے تب بھی وہ صرف وجود کی نعمت کے صلے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی ہے۔ تو پھر اور باقی زیادہ تو

کے صلے کے لئے وہ کس طرح کافی سمجھی جائے۔ اور جو مصیبت ظہور میں آئی وہ سب عوام بندوں کی شامت اعمال کی وجہ سے ہوئی۔ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر نامناسب نہ تھی۔

ملا وہ اس کے یہ امر بھی ہے کہ رسول کوئی بادشاہ یا امیر نہیں کہ وہ ذمہ دار تدبیر کا ہو بلکہ رسول کے ذمہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرے کہ ہر واقعہ میں حکم الہی پہنچائے تو معاذ اللہ اگر رسول کی خطائے ثابت ہو تو اللہ کی خطائے ثابت ہوگی اور اللہ تعالیٰ قائم ہے اور حاضر و ناظر ہے۔ رسول کی حفاظت کرتا ہے اور مدد کرتا ہے اور جب یہ امر ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ اطاعت رسول کی امر اور ملوک کی اطاعت کی طرح نہیں اس واسطے کہ ملوک اور امر اور اطاعت صرف باعتبار مصلحت کے ضرور ہے اور اللہ اور رسول کی اطاعت بہر حال واجب ہے اور اس میں عقل کو دخل نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

مَا آصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

یعنی آپ کو جو بہتری حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہی قول فیصل اس مسئلے میں ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ سبب فاعلی خیر اور شر کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے کہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔ خیر بظہر عنایت کلیہ کے ہوتا ہے۔ اور شر بظہر اُمور جزئیہ کے ہوتا ہے اور ملا اعلیٰ میں بالکل خیر ہے۔ وہاں ہرگز شر نہیں اور یہی توحید ہے کہ شرع کی زبان اس سے تجاوز نہیں کرتی ہے اور ہر چند غور کیا جائے۔ لیکن اسباب کے قابلیت کی بحث شرع میں مناسب نہیں معلوم ہوتی ہے تو شرعاً زیادہ صحیح یہی ہے کہ کہا جائے کہ خیر کی قابلیت استعداد اصلی سے ہے کہ وہ اس فیض سے ہے کہ اس میں عباد کے فعل کو دخل نہیں اور عباد کے اختیار کا اسمیں کوئی دخل ہے اور شر کی قابلیت اس استعداد سے ہوتی ہے کہ وہ استعداد نفس میں اس وقت حادث ہوتی ہے کہ نفس میں صفات مذمومہ مکررہ ہوں۔ تو اس وقت اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ نفس نقصان اور مصیبت اور بلا اور حوادث میں مبتلا کیا جائے تاکہ ان صفات ذمیمہ سے نفس کی مصیبت ہو اور ایسا نہیں کہ رسول کے سبب سے یا کسی دوسرے کے باعث سے بلا میں کوئی مبتلا ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُصِيبُهُ مُصِيبٌ لَا يُصِيبُ حَتَّى الشُّوْكَ يَشَاكُلُهَا وَحَتَّى الشَّيْءُ الَّذِي يَنْقُطُ اِلَيْهِ سَبَبٌ وَمَا يَعْنِيَنَّ اللّٰهُ كَثِيرًا

یعنی جب کسی مسلمان کو سرج پہنچتا ہے یا کوئی سختی پہنچتی ہے حتیٰ کہ کاٹنا جو اس کے بدن میں چپتا ہے اور حتیٰ کہ تسم جو تے کا کر ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ سب صرف اس کے گناہ کے باعث ہوتا ہے اور جس قدر گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے وہ بہت زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَمَا آصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْلَمُوْا عَن كَثِيْرٍ

یعنی جو مصیبت تم لوگوں کو پہنچتی ہے وہ صرف اس سبب سے ہوتی ہے کہ تمہارے ہاتھ کسب کرتے

ہیں اور بہت گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے اور اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی آیات اور احادیث ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تاکہ معلوم ہو جائے کہ سبب فاعلی اور سبب قاعلی میں باعث باریت کے فرق ہے پہلی آیت میں لفظ عند کا اختیار فرمایا ہے کہ جو موضوع ہے واسطے حضور جسی اور معنوی کے، اور دوسری آیت میں لفظ من کا ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے منشاء اور مبداء مفہوم ہوتا ہے تو ان دونوں آیات میں اشکال نہیں۔ یہ بحث نفیس ہے اور قابل یاد رکھنے کے ہے۔

سوال: ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمًا آخَرِينَ

قرن سے کون قرن مراد ہے۔ اس میں مفسرین کا کیا اختلاف ہے۔

جواب: ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمًا آخَرِينَ

یعنی پھر یہ کیا ہم نے بعد قوم نوح کے دوسرا قرن۔ یہ تفسیر کتاب فتح العزیز سے نقل کی گئی ہے اور وہ تفسیر یہ ہے کہ متقدمین مفسرین میں باہم اختلاف ہے کہ مراد اس قرن سے کون لوگ ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس قرن سے مراد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کا معمول قرآن شریف میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی تقریباً دس مقام میں گذرا ہے اور یہ قول رد کیا گیا ہے اس طور پر کہ جو عذاب اس قصہ میں مذکور ہے، وہ عذاب ہود علیہ السلام کی قوم پر نہ ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

فَاَخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ

یعنی پہنچی ان لوگوں کو سخت آواز کہ وہ آواز حق طور پر پہنچائی گئی تھی۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مراد سخت آواز سے مطلق عذاب ہے اس واسطے کہ کسی طرح کا عذاب ہو وہ شور و فریاد سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی سورہ حجر میں بھی قوم لوط کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا ہے :-

فَاَخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ مُشْرَبِينَ

پس پکڑا سورج نکلنے کے ساتھ قوم لوط کو سخت آواز نے۔ پس کیا ہم نے اوپر اس کا نیچے اس کے اور برسیا ہم نے پتھر ان پر کہ نگر سے تھا۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس قرن سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے اس واسطے کہ سخت آواز کے عذاب میں وہی لوگ مبتلا کئے گئے تھے۔ اور قوم عاد پر یہ عذاب نہ ہوا تھا اور یہ کہنا کہ سخت آواز سے مطلق عذاب مراد ہے اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ اس سخت آواز کی تفسیر اس کے بعد کسی دوسری طرح کے عذاب کے ساتھ ہو۔ جیسے ایسی تفسیر حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں سورہ حجر میں واقع ہے اور جب مطلقاً صرف سخت آواز مذکور ہے تو اس سے متبادر ہی ہوتا ہے کہ حقیقتہً اس سے خاص سخت آواز مراد ہے مطلق عذاب مراد نہیں اور اس واسطے کہ عذاب نازل کرنے کی وجہ حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہوئی ہے چنانچہ سورہ ہود میں یہ کلام پاک گذرا ہے :-

ثُمَّ أَنْشَأْنَا فِي دَارِكُوتَ لَكَ آيَاتٍ ذَلِيلَةٍ وَعَدْنَاهُمْ عَذَابَ كَدُوبٍ

یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود سے کہا کہ فائدہ اٹھا لو اپنے گھر میں تین دن یہ وعدہ جھوٹ نہیں اور یہاں فرمایا ہے کہ :-

عَمَّا تَدُلُّ عَلَىٰ لَيْسَ بِحَقٍّ تَأْمِينٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ تھوڑی دیر کے بعد پشیمان ہو جائیں گے اور قوم عاد پر تھوڑا دفتہ بھی گئی اور ان کا گمان تھا کہ یہ رحمت ہے حتیٰ کہ ان لوگوں نے کہا هَذَا عَذَابٌ مِّنْ مَّطَرٍ نَّاسًا

یعنی یہ بادل ہے ہمارے لئے پانی برساتے گا۔

یہ سب مفسرین کے اقوال ہیں اور اس فقر کے نزدیک اخیر قول ترجیح کے قابل ہے اس واسطے کہ زیادہ بہتر اور صحیح یہ ہے کہ سخت آواز سے اس کے معنی حقیقی سمجھے جائیں۔ البتہ مجھ کو اس امر کی تحقیق میں تشویش تھی کہ اللہ کا معمول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ارشاد فرماتا ہے تو یہاں خلاف معمول کیوں ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس امر میں ایک سرعظیم سے مجھ کو آگاہ فرمایا۔ اس سر کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب قصہ شروع فرمانے سے قبل اپنا احسان ارشاد فرمایا اور اس کلام میں کہ :-

وَرَأَى الْكَافِرُ فِي الْأَنْعَامِ

وَعَلَيْكَ قَاتِلُ الْأَعْلَافِ تَحْمِلُونَهُ

پھر حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ارشاد فرمایا اور اس میں بیان فرمایا ہے کہ ان کی اُمت کو کشتی میں سوار کر دیا اور اس طوفان میں عرق کی آفت سے ان کو نجات دی پھر اس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ارشاد فرمایا اس واسطے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ گو مینزل حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے تھی کہ وہ ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا بار اٹھاتی تھی۔ تو جب ان لوگوں نے اس ناقہ کا پاؤں کاٹ ڈالا تو اپنی نجات کا وسیلہ تلف کیا تو گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہماری نعمتوں سے یہ ہے کہ ایسی کشتی کے بنانے کی تم لوگوں کو توفیق دی کہ اس پر تم لوگ سوار ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہے اور ایسا ہی ہم نے نبی چارپائے ایسے بنائے کہ وہ تمہارا بار اٹھاتے ہیں تاکہ ہمارے عذاب سے بچاؤ میں تو مجھے انبیاء علیہم السلام کے صرف حضرت نوح علیہ السلام کو بحری سواری عطا ہوئی اور حضرت صالح علیہ السلام کو بری سواری مرحمت ہوئی۔ اور اس مناسبت کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور اس مقام میں ثم کا لفظ استعمال فرمایا اور اس سے یہ اشارہ فرمایا کہ ان دونوں قرن کے درمیان میں دوسرا قرن بھی گذرا ہے یہ مقام قابل غور ہے۔

سوال: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَكْتُبُهَا

نیز اس میں رطب و یابس کے جو الفاظ آئے ہیں۔ اس کی تشریح کیا ہے؟

جواب: تفسیر قول تعالیٰ: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَكْتُبُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ

یعنی اور نہیں گرتا ہے کوئی پتہ مگر اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور نہیں گرتا ہے کوئی دانہ زمین کی تاریکی میں اور

اور یابس موجود ہے اور جو پتی زمین پر گرتی ہے وہ معدوم کے مانند ہے تو وہ رطب اور یابس میں داخل نہیں۔ اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ علیحدہ ذکر کی جائے۔

سوال: کَلَّمَائِضَجَتْ جُلُودُهُمْ بِكَ لَنُفَعَّ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ کیا عذاب سی بدن کے ذریعے ہوگا یا نفس کی تاثیر بدل دی جائے گی۔

جواب: تفسیر قولہ تعالیٰ: کَلَّمَائِضَجَتْ جُلُودُهُمْ بِكَ لَنُفَعَّ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ترجمہ: یعنی جب گل جائے گا چمڑا ان دوزخیوں کا تو بدل دیں گے ہم ان کا دوسرا چمڑا تاکہ وہ عذاب کھیں یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے۔ تفسیر فتح العزیز میں سورۃ نساء کی تفسیر میں اس آیت کے بیان میں لکھا ہے کہ جاننا چاہیے کہ نفس کی تاثیر آخرت میں اس کے سب خادموں میں قوی اور آلات میں سرایت کرے گی۔ اور طبیعت میں یہ تاثیر ہوگی کہ وہ قادر ہوگی اس پر کہ جب کسی بدن میں کچھ نقصان واقع ہو تو تا مکان جس قدر جلد ممکن ہو اس کا بدل پیدا کرے اور اس بدل کو بدن کے مشابہ بنائے تو بال اور ناخن کی حالت جو یہاں ہے یہی حالت وٹاں چمڑے کی ہوگی اور جس طرح یہاں جلد میں جب آبلہ وغیرہ نکلتا ہے تو وہ جلد فاسد ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی آخرت میں جب جلد دوزخ کی آگ سے جل کر فاسد ہو جائے گی تو اسمیں قوت جس اور ذوق کی زیادہ ہو جائے گی۔ اور اس وجہ سے وقتاً فوقتاً ان کا عذاب بڑھتا جائے گا۔

وٹاں درخت کی طبیعت کی تاثیر اس قدر زیادہ ہو جائے گی کہ یہاں جس طرح پتی گرنے کے بعد دوسری پتی جلد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وٹاں جب پھل توڑا جائے گا تو اس کے بعد دوسرا پھل جلد تیار ہو جائیگا۔ اور جس طرح یہاں درخت میں پتی زیادہ ہوتی ہے تو وٹاں بمنزلہ یہاں کے پتی کے پھل زیادہ ہوگا اور لحظہ لحظہ پر ایک پھل کے بعد دوسرا پھل لگتا جائے گا۔ اور ایسا ہی جب کسی جنتی کو لڑکے کی خواہش ہوگی تو صرف چند لحظہ میں یہ سب اُمور ہو جائیں گے کہ لطف قرار پائے گا اور پھر فوراً کا پیدا ہوگا۔ اور فوراً دودھ پی کر دودھ چھوڑے گا۔ اور ایسا ہی حال وٹاں زراعت کا بھی ہوگا۔ چنانچہ یہاں بھی بعض درندوں کی حالت دیکھی جاتی ہے بلکہ بعض انسان بھی جو ان کے مشابہ ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی غذا جلد مضم ہو جاتی ہے اور جلد جلد اس غذا سے ان کے اعضاء میں فرم جاتی ہے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اس بے ثبات دنیا میں یہ حال دیکھ کر عقل کو بھی حیرت ہوتی ہے تو پھر دار آخرت کا ذکر کیا ہے۔ کہ وٹاں کی زندگی کامل ہے اور اسی طرح وٹاں وہم و خیال کی تاثیر اس قدر زیادہ ہو جائے گی کہ جدید صورت اور لباس کا وہم و خیال جلد جلد بدلتا جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو کہ کفار پر آخرت میں ہمیشہ عذاب کیا جائے اور یہ بھی منظور ہو کہ ان کو وٹاں کی کیفیت زیادہ محسوس ہو۔ تو یہ اس صورت میں ممکن نہیں کہ طبیعت کی یہی تاثیر کہ یہاں ہے وٹاں بھی باقی ہے۔ بلکہ ضرور ہوگا کہ وٹاں طبیعت نہایت قوی کر دی جائے تاکہ وٹاں انسان بے تامل زقوم کھائے اور جب دوزخ میں چمڑا گل جائے تو جس قدر جلد ممکن ہو اسی زقوم کی غذا سے دوسرا چمڑا ہو جائے تاکہ جلنے کا اثر

کوئی ترجیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز ہے مگر وہ کتاب مبین میں یعنی کتاب واضح میں ہے اور قرآن متواترہ میں کج ہے اور رطب اور یابس کو جو ہے اور شاہ میرفسرین نے اس کی بھی ایک توجیہ بیان کی ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے اور فی الواقع اس توجیہ کے موافق تسقط کے معنی سب معطوفات میں بخوبی نہیں ملتے ہیں اور لَآفِي كِتَابِ مُبِين میں بھی تکلف کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ لَآفِي كِتَابِ مُبِين میں کتاب الدرامم المصنوعون فی اعراب الکتاب المکنون اس بارے میں عجیب کتاب ہے۔ اس وقت فقیر کے پاس موجود نہیں۔ اگر دستیاب ہوئی تو پھر اس کو فقیر دیکھے گا۔ اگر اس میں کوئی دوسری توجیہ لکھی ہوگی تو اس سے مطلع کرے گا اور تسقط کے معنی صحیح ہونے کے لئے صاحب بحر متنازع نے بطریق مثال کے یہ چند کلمے لکھے ہیں۔

کہ ذکر گئی ہے کوئی ترجیز مثلاً قطرات آب اور میوہ ٹائے تازہ اور برگ درختاں۔ اور ذکر گئی ہے کوئی خشک چیز مثلاً قطعات آتش اور سنگھائے کوہ اور خشک ہو کر بار درختاں وغیرہ لہٰذا مگر یہ سب چیزیں کتاب مبین میں لکھی ہیں۔

اور اس آیت کی ایک خاص توجیہ میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے کی ہے اور وہ توجیہ یہ ہے کہ: وَلَا حَبِيبَةً فِي خِلْمَاتِ الْأَذْنِ مَطْوَفٌ مِنْ دَرَقَةٍ پر نہیں بلکہ وہ ابتدائی کلام ہے۔ اور یہ عطف جملہ کا جملہ پر ہے اور حبة اور رطب اور یابس جو راکر کی وجہ سے مجبور ہے یعنی اس کا حمل درقہ کے صرف لفظ پر ہے اور اس کے معنی پر حمل نہیں اور یہ سب حقیقتاً مرفوع ہے اس بنا پر کہ لَآفِي كِتَابِ مُبِين کا اسم ہے تو اس صورت میں اس آیت کے معنی وہی ہونے جو قرآن غیر متواترہ کے اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ہیں کہ قرآن غیر متواترہ میں حبة اور رطب اور یابس کو رفع ہے اور اس توجیہ کی بناء پر تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس امر میں کہ سقوط کے معنی اتنے معطوفات میں اعتبار کیا جائے اور کہا جائے کہ لَآفِي كِتَابِ مُبِين بدل ہے استثناء اولیٰ سے اور اس توجیہ کی بناء پر سیاق نظم نہایت عمدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے توجیہ دریافت کرنے کی مجھ کو توفیق مرحمت فرمائی۔

البتہ اس توجیہ میں ایک نکتہ ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اس کا باعث کیا ہے کہ اس مقام میں عبارت میں تفتش ہے کہ بعد دَرَقَةٍ مَطْوَفٌ مِنْ دَرَقَةٍ کے لَآفِي كِتَابِ مُبِين ارشاد فرمایا ہے اور ان امور کے بعد کتاب مبین ارشاد فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ پتی کا گزنا اس کے نمو کے بعد۔ یا ہے کہ گویا عدم بعد وجود کے ہے اور دانہ کہ زمین کی تاریکی میں گرتا ہے اور رطب و یابس کہ زمین کی تاریکی میں ہوتا ہے یہ سب اُمور موجودہ سے ہیں اور علم کا لفظ موجود اور معدوم دونوں کو شامل ہے۔ بخلاف کتاب مبین کے کہ وہ امور موجودہ کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق دیتا ہے اور اس بنا پر رطب و یابس کا ذکر نہایت مناسب ہے۔ بعد ذکر پتی کے کہ زمین پر گرتی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ پتی بھی رطب و یابس میں داخل ہے۔ اس واسطے کہ وہ بھی یا رطب ہوگی یا یابس ہوگی۔ تو پتی کے ذکر کے بعد رطب اور یابس کا ذکر اس واسطے ہوا کہ مراد رطب و یابس سے وہ ہے کہ جو رطب

گوشت اور اعصاب پر ایسا نہ پہنچے کہ جسم باقی نہ رہے بلکہ ضرور ہے کہ اصل جسم باقی رہے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے اور تکلیف زیادہ محسوس ہو۔ اس واسطے کہ نئی جلد میں جس کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔

اب یہ جانتا چاہیے کہ عذاب بالذات رُوح پر ہوگا اور ایسا ہی آرام بھی رُوح پر ہوگا۔ اور بدن صرف بمنزلہ آلہ کے ہوگا کہ اس کے ذریعے سے رُوح پر عذاب ہوگا اور ایسا ہی آرام بھی رُوح کو ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ بدن کو گنہگار کی رُوح کے ساتھ خصوصیت ہو اور اس امر کے لئے ضروری ہے کہ یا جس بدن سے گناہ صادر ہوتا ہے۔ تو اس بدن کے ذریعے سے عذاب بھی کیا جائے یا اس بدن کے ذریعے سے عذاب کیا جائے کہ وہ بدن گنہگار کی رُوح کی تاثیر سے پیدا ہو۔ اور اگر یہ شرط کی جائے کہ وہی بدن عذاب کے لئے باقی رہے کہ جس بدن سے گناہ صادر ہوتا ہے تو اس بدن سے مقصود حقیقی بدن یعنی نسیم ہوگا نہ خاص یہ بدن مَقْصُود ہوگا۔ اس واسطے کہ یہ بدن بمنزلہ لباس اور شکل کے ہے۔ اور جس کو یہ خدشہ ہے کہ جس جلد سے گناہ صادر ہوتا ہے۔ جب وہ جلد گل جائے گی۔ اور اس کے عوض دوسری جلد تیار ہوگی کہ اس سے گناہ صادر نہ ہوا ہوگا۔ تو وہ جلد عذاب میں کیوں مبتلا کی جائے گی۔ تو کیا اس شخص کے کان میں یہ بات نہ پہنچی ہے کہ متواتر احادیث میں مذکور ہے کہ کافر کا بدن آخرت میں جیل احد کے مانند بڑھا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے گوشت اور جلد کے درمیان میں اس قدر دن کی راہ کا فاصلہ ہوگا اور بھی اس کے علاوہ ایسے مذکور ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا بدن وہاں بہت بڑا کر دیا جائے گا۔ تو وہ شخص جس کو یہ خدشہ ہے اس بارہ میں کیا کہے گا کہ ان زائد اجزاء سے گناہ صادر نہ ہوا ہوگا تو وہ کیوں عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

اس امر کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ مثلاً کسی چور نے اس وقت چوری کی کہ وہ لاغر تھا اور پھر جب وہ فربہ ہوا تو اس وقت وہ گرفتار ہوا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو وہ چور کہے کہ میرے ان اجزاء کو کیوں سزا دی گئی کہ یہ چوری کرنے کے بعد ہوئے۔ ایسا ہی بے چارہ پیشخص جس کو خطرہ ہوا ہے۔ جانتا ہے کہ انسان سے مراد صرف جسم ہے اور اس نے تعذیب اور تنعیم کا حال نہ سمجھا۔ پھر یہاں ایک دوسرا سر بھی ہے کہ نہایت پاکیزہ ہے۔ اجمالی طور پر اس کی طرف بھی اشارہ کرنا ضرور ہے تو وہ سر بیان کرتا ہوں۔

انسان کے اعضاء سے جلد وہ چیز ہے کہ ظاہر ہے اور سب بدن پر مشتمل ہے اور اس کا حال ایسا ہے کہ جس طرح سب مخلوقات میں انسان ہے کہ وہ مظہر ہے اور جامع ہے سب اسماء اور صفات کے لئے۔ اور یہ اس طرح ثابت ہے کہ ہر عضو مظہر کسی جہت کا ہے جہات رُوح سے کہ رُوح کی وہ جہت اس عضو میں ہے۔ جیسے آنکھ اور سر ہے تو جب منظور ہو کہ رُوح پر جسمانی عذاب کیا جائے تو اس کی کوئی دوسری سبیل اس سے زیادہ آسان اور مناسب نہیں کہ آگ اس عضو پر مسلط کی جائے کہ وہ اخیر قائم مقام رُوح کا ہے اور مال اس کے فیوض کا ہے اور منتہی رُوح کی تدبیرات کا ہے۔ اور وہ عضو جامع رُوح کے جہات کا ہے تو اس صورت میں گویا آگ رُوح پر بلا واسطہ مسلط ہوگی اور جلد کے سوا اور جو دوسرا عضو ہے تو وہ یا مشتمل غیر ظاہر ہے جیسے

روح حیوانی اور خون ہے۔ اور یا وہ عضو ظاہر غیر مشتمل ہے جیسے اکثر اعضاء میں اور جلد میں بہ نسبت اور اعضاء کے یہ خصوصیت ہے کہ اس میں یہ دونوں جہت پائی جاتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعذیب کی بنا اور اک اور احساس پر ہے کہ کیفیت متضادہ محسوس ہو اور یہ قوت جلد میں زیادہ ہے۔ بلکہ علم طب میں ثابت کیا گیا ہے کہ فی الواقع اصل میں جس کی قوت صرف جلد میں ہے اور باقی اعضاء کا جس جلد کے ذریعے سے ہے اس واسطے کہ جلد اعصاب کے لئے حائل ہے اور اعصاب کے ذریعے سے جس ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

سوال: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ هـ مَفْهُومِ آیت کے تحت جنگ احد میں جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست نہ ہونا تھی، پھر تطبیق کیا ہے۔

جواب: تفسیر قول تعالیٰ: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ هـ اِنَّهُمْ كَانُوا يُدْعَوْنَ اِلٰی سَبْقَتِهِمْ یعنی تحقیق کہ ہمارا کلمہ پہلے ہی صادر ہوا ہے۔ ہمارے بندگان مرسلین کے حق میں کہ ان کی مدد کی جائے گی۔

یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے۔ اس کی تفسیر سورۃ الفصحت کی تفسیر میں، تفسیر فتح العزیز میں یہ مذکور ہے کہ اگر یہ خدشہ گزرے کہ متواتر طور پر سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست ہوئی۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اکثر دوسرے صحابہ بھی شہید ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور دندان مبارک شہید ہوئے۔ اور سر مبارک پر خود تھا وہ توڑا گیا اور چہرہ مبارک ایسا مجروح ہوا کہ اس سے خون جاری ہوا۔

اور اسی طرح خندق کے واقعہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی پہنچی حتیٰ کہ اہل اسلام پر اس وقت نہایت تردید آیا اور ضیق میں مبتلا ہوئے۔ یہ واقعات متواتر طور پر ثابت ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْصُورٌ بِالْغَيْبِ یعنی رُعب کے ذریعے سے مجھ کو مدد دی گئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ تَوَحَّجْتُ خَاتَمَ مَنْصُورٍ یعنی متوجہ ہو جاؤ، جدھر جاؤ اس واسطے کہ تم منصور ہو۔ یعنی تمہاری مدد کی جائے گی۔ تو ان واقعات میں اور ان احادیث میں تطبیق کی کیا ضرورت ہے۔ جواب میں اس کے کہتا ہوں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض آثار ظاہر تھے اور بعض آثار پوشیدہ تھے۔ نبوت اور رسالت کے آثار ظاہر تھے۔ اور ملک اور سلطنت کے آثار پوشیدہ تھے کہ وہ آثار ظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے ان لوگوں میں تھے اور ان کے دل میں دنیا کی محبت زیادہ تھی اور ریاست کی خواہش بہت تھی۔

اور دنیا کی محبت اور ریاست کی خواہش کے لوازم سے ہے کہ رسالت کا انکار ہو اور رسول کے ساتھ فزاح کی جائے اگر وہ لوگ عزوات میں قتل کر دیئے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں ایسا شخص باقی نہ رہتا۔ کہ ریاست اور ملک اور سلطنت کا حامل ہوتا یعنی اس مادہ کا کوئی شخص باقی نہ رہتا۔ ایسے لوگوں سے یوسفیان اور بعض مشرکین تھے۔ وہ لوگ ہمیشہ ریاست اور سلطنت میں مصروف تھے ایسے لوگوں سے بنی عبد مناف سے آنحضرت کے جد بھی تھے۔ تو ان لوگوں کا غلبہ گویا بمنزلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کے ہوا۔

یہ اس قبیل سے ہے کہ کسی شخص کا کوئی وصف اس کے کسی وصف پر غالب ہوا اور یہ بمنزلہ مخالف کے غلبہ کے نہیں۔ چنانچہ جو لوگ جنگ احد اور غزوہ خندق میں تھے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج اور ملک اور سلطنت کے متعلق امور میں نہایت دخل تھا۔ ابوسفیان کی اولاد سے معاویہ اور یزید نے ملک شام فتح کیا اور اس کے بلاد میں داخل ہوئے۔ حتیٰ کہ معاویہ نے روم سے لڑائی کی اور ان کا ملک فتح کیا۔ اور عکرمہ بن ابی جہل نے روم اور فارس کے جہاد میں نہایت کوشش اور جانفشانی کی اور خالد بن ولید تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا فوج کے امیر الامراء تھے۔ اور یہ امر اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا۔ اور اسلام سے مشرف نہ ہوا۔ جہاد میں اور اسلام کی فتح میں اس سے کوئی عمدہ کام نہ ہوا تو وہ ہمیشہ ذلیل اور مغلوب رہا اور اسی حال میں مر گیا چنانچہ ابو جہل اور امیہ بن خلف کی یہی حالت ہوئی اور حضرت حمزہؓ کی شہادت اس قبیل سے ہے کہ جو واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنی امیہ کی جانب سے بنی ہاشم کے حق میں وقوع میں آیا اور باوجود اس کے یہ امر دنیاوی جزا کے اعتبار پر ہوا کہ اس کو شیخ اکبر نے فتوحات میں ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ دنیاوی جزا اکثر احکام میں دینی جزا کے خلاف ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ:-

حضرت حمزہؓ نے جب شراب حرام نہ ہوئی تھی۔ اس وقت شراب پی اور دوناقتے حضرت علیؓ اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے جہیز میں ملے تھے کہ طعام ولیمہ کے مصروف میں آئیں۔ تو حضرت حمزہؓ نے اس نشہ کی حالت میں ان دونوں ناقول کا دل اور کلیجہ نکال لیا اور اس کے بارے میں جو کچھ پاتا تھا وہ کیا۔ تو اس کی دنیاوی جزا، میں جنگ اُحد میں یہ واقعہ ہوا کہ آپ شہید ہوئے لیکن چونکہ آپ کی شہادت خالصاً نہ ہوئی۔ اس وجہ سے آپ اجر جمیل اور ثنائے جزیل کے مستحق ہوئے اور یہی حالت دنیاوی جزا کی ہے کہ جب وہ جزا خالصاً نہ وقوع میں آئے۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور رحمت ہوتی ہے اور دنیا کی ترقی ہوتی ہے۔ بخلاف آخری جزا کے کہ وہ ان سب امور میں دنیاوی جزا کے خلاف ہے۔ تو یہ مضمون ہم چاہتے ہیں۔ اور یہ اسرارِ اہل سے ظاہر نہ کئے جائیں اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی سر تھا کہ نبوت کی خلافت کا زمانہ گزر جانے کے بعد ملک اور سلطنت پر بنی اُمیہ کا غلبہ ہوا اور باوجود ان کے ظلم اور ان کی بدعت کے اس میں سلطنت باقی رہی اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مناسب تفصیل سورہ زُحرف کی تفسیر میں ذکر کر دو گا۔

حاصل کلام یہ کہ جن لوگوں کا غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان واقعات میں ہوا۔ وہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اور لشکر سے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک اور سلطنت کے حامل تھے لیکن وہ لوگ اس وقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ اور ابھی نبوت اور رسالت کا اقرار نہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ

جب اسلام کے کمال کا زمانہ آیا اور نبوت کے ساتھ ملک اور سلطنت کا شمول ہوا۔ اور یہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوا تو اس وقت وہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک بھی ثابت ہوا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر اور محب ہیں اور ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو رواج دینے میں نہایت کوشش اور جانفشانی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملکت اور سلطنت بڑھانے میں قصداً کوشش اور جانفشانی کی اور جو لوگ سابق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر اور جان نثار تھے۔ اور جو لوگ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر ہوئے۔ دونوں طرح کے لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ کو سابق سے ایک ہی طور پر معلوم تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُتَفَقِدِينَ مِنْكُمْ وَكَانُوا عَلَيْنَا الْمُسْتَاخِيرِينَ

یعنی ہم نے ان لوگوں کو بھی جانا جو تم لوگوں سے سابق میں ہوئے اور ان لوگوں کو بھی جانا جو آخر میں ہوئے یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے تو ان لوگوں نے سابق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کیا تو اس وقت جیسا کہ فرمود پر مذکور ہوا وہ لوگ عذاب میں مبتلا نہ کئے گئے۔ اس واسطے کہ وہ لوگ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر اور ناصریں سے تھے اور اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت اور مملکت قائم رکھیں گے۔ و اللہ اعلم

سوال: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ الہ قرآنی دعاؤں میں لفظ رَبَّنَا ہی استعمال ہوا ہے۔ کیا رب کا لفظ جمیع صفات باری پر مشتمل ہے۔ بعض دعاؤں میں اللہم کا لفظ ہے اس کی خصوصیت کیا ہے؟

جواب: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ یعنی اے پروردگار دے ہم کو دنیا میں بہتری۔ تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ اگر یہ خیال ہو کہ کیا سر ہے اس امر میں کہ قرآن شریف میں جس قدر دعا ہے۔ سب کے شروع میں رَبَّنَا ہے۔ صرف بعض دعا ہے کہ اس کے شروع میں رَبَّنَا نہیں مثلاً قُلِ اللَّهُمَّ مَا لَكَ الْمَلِكِ اور اِذَا قَالُوا لِلَّهِ هَاتِ هَٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ اور قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ اور اس سے بظنی عباد کی تعلیم مقصود ہے۔ ورنہ اصل میں جو دعا مستقل طور پر قرآن شریف میں ہے اس کے شروع میں ضرور رَبَّنَا کا لفظ ہے۔ دوسرے لفظ نہیں۔ چنانچہ یہ امر اس شخص پر مخفی نہیں کہ جس نے اس امر کی جستجو کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں سر یہ ہے کہ کسی اسم کے ساتھ ندا کی جائے۔ مقصود بالنداء اللہ تعالیٰ کے اسماء سے وہی اسم ہوتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والے کی معرفت ہوتی ہے اور اس کے نزدیک اسمائے الہیہ سے وہی اسم بمنزلہ رب کے ہوتا ہے تو دعا کرنے والا جب کسی نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو وہی واقعہ اللہ تعالیٰ کو اس اسم کے ساتھ پکارتا ہے کہ وہاں تک اس کی معرفت ہوتی ہے۔ چنانچہ مرصعین جب کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھ کو شفا دے تو وہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ اے شافی مجھ کو شفا دے اور ایسا ہی مسکین جب کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھ کو

حضرت علیہ السلام سے کہا سَتَجِدُنِي اِنْشَاءَ اللّٰهِ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

یعنی قریب ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابرین سے پائیں گے اور باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انشاء اللہ کہا۔ مگر ان کی مراد پوری نہ ہوئی یعنی صبر نہ کر سکے۔

جواب : مدارک التنزیل میں جو یہ حدیث لکھی ہے وہ صحیح ہے اور خاطر مبارک میں جو حدیث گذر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ بقابل اپنے معلم کے کہا تھا یعنی بقابل حضرت خضر کے کہا تھا اور

حضرت خضر علیہ السلام باعتبار علم لدنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس وقت معلوم تھے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام نے تاکید فرمایا۔ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ حَبْرٌ اَوْ اَيْدِيٌّ تَحْقِيْقُ کہ آپ ہرگز میرے ساتھ رہنے

میں صبر نہ کر سکیں گے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قول کے خلاف اور فرمانبرواری کے منافی کہا کہ سَتَجِدُنِي اِنْشَاءَ اللّٰهِ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ یعنی قریب ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابرین سے

پائیں گے تو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے استاد اور معلم کے خلاف کہا اور اس قول میں انشاء اللہ فرمایا۔ اس واسطے اس کا اثر مترتب نہ ہوا اور اس کی برکت میسر نہ ہوئی یعنی آپ کی مراد حاصل نہ ہوئی۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابتداء انشاء اللہ نہ فرمایا تاکہ اس کی تاثیر ہوئی۔ بلکہ حضرت خضر علیہ السلام کے تاکید کلام کی رو میں فرمایا۔ اس وجہ سے اس کی برکت موعود کا اثر نہ ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا

ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ کی توجہ دو پیغمبروں کے کلام کی جانب ہوئی۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کے کلام میں صبر کی نفی تھی اور عریت کے قاعدے کے موافق وہ کلام تاکید تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے

انشاء کے لئے صبر کا ثبوت ہوتا تھا۔ اور وہ کلام مشیت الہی کے ساتھ مقید تھا اور صبر کی نفی کی صورت میں حضرت خضر علیہ السلام کی تکذیب نہ ہوتی تھی تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صبر کی نفی ارجح ثابت ہوئی۔

حدیث مذکور سے جو مضمون مفہوم ہوتا ہے وہ اس صورت کی ہے کہ جس کلام میں انشاء اللہ مذکور ہو وہ معارض اس کلام کا نہ ہو کہ قطعاً صدق ہو۔ مثلاً کوئی کہے کہ انشاء اللہ قیامت نہ ہوگی۔ یا یہ کہے کہ انشاء اللہ البواب کی مغفرت ہو جائے گی۔ اور انشاء اللہ دجال نہ آئے گا۔ تو ان صورتوں میں انشاء اللہ کہنا لغو ہے اور لغو کا

کچھ اثر نہیں۔

سوال : اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا وَاِنْ تُصِيبُوا دَسْتَكُمْ لَا يَفْرَحُوا بِهَا تَسُؤْهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ میں تسوہم کی آیت کے ختم پر

بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ یا بِنَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ہے۔

جواب : فرمایا اللہ تعالیٰ نے :- اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا وَاِنْ تُصِيبُوا دَسْتَكُمْ لَا يَفْرَحُوا بِهَا تَسُؤْهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ

یعنی اگر چاہا یعنی خدا نے تو البتہ راہ پانے والے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں تفسیر مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ اگر وہ لوگ انشاء اللہ نہ کہتے تو ہرگز اس طرح کی گائے کا پتہ ان لوگوں کو معلوم نہ ہوتا تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ کہنے سے ضرور مراد پوری ہوتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت

روزی سے۔ تو وہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ اے رزاق مجھ کو روزی دے، اور اسی طرح کی اور بھی صورتیں ہیں اور ہر نبی، ولی اور عارف اور محتاج کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ تو نہرو ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لئے دعاء میں ایک اسم یعنی ربنا اختیار فرمایا۔ اس امر مختلف کے لئے یہ عنوان ہوا۔ بخلاف آنحضرت کے کہ آنحضرت نے

علیہ وسلم کو معرفت میں کمال ہے اور اسمائے الہی کی سیر میں تبحر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بصارت اس اسم تک ہے کہ وہ جامع ہے واسطے جمیع صفات کے اور شامل ہے جمیع اعدا بات کو تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کے لفظ سے پکارتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ اسم دلالت کرتا ہے اس حقیقت پر کہ وہ جامع ہے واسطے جمیع اسماء اور صفات کے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے جو دعاء اپنے حق میں کی۔ یا اپنی امت کے لئے فرمایا اس میں یہی اسم ذکر کیا اس واسطے کہ سب عرفاء کی معرفت اس اسم میں مندرج ہے اس سے وہ سر ظاہر ہوا جو اس کلام پاک میں ہے۔ قُلِ اللّٰهُ مَالِكُ

الْمُلْكِ۔

اس واسطے کہ یہ دعاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عارف کامل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اقصیٰ غایات تک پہنچتی ہے اور اس سے وہ سبھی معلوم ہوتا

ہے جو اس امر میں ہے کہ حضرت علیہ السلام نے مادہ نازل ہونے کے لئے دعاء کی تو اس کے شروع میں اللہم اور ربنا دونوں میں تو اللہم باعتبار اپنی معرفت تامہ کے کہا اور ربنا باعتبار حواریین کی معرفت کے کہا

کہ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مادہ نازل فرمائے اور ان لوگوں کی معرفت کامل نہ تھی۔ ورنہ مادہ نازل ہونے کے لئے سوال نہ کرتے۔

کفار نے جو کہا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ تَوَّانَ كَايَہ قول جہالت کے باعث سے تھا۔ اور اس وجہ سے بطور استہزاء کے یہ حکایت ان لوگوں کی بیان کی گئی ہے اس واسطے کہ کفار

نے اس دعاء کے شروع میں اللہم کہا اور دو امر متضاد یعنی طلب فعل اور ترک ایک ہی وقت میں چاہا۔ اس واسطے کہ مقتضی اس اسم کا جامع ہے۔ درمیان حق اور اس باطل کے کہ اس کے لئے کوئی مانع ہو۔ جو کہ

اس مانع کی وجہ سے وہ باطل ظہور میں نہ آئے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابق میں اس کے فرمایا۔ دَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَكَانَتْ فِتْنَةٌ لِّیْهِمْ

یعنی اور ایسا نہ ہو گا کہ اللہ ان لوگوں پر عذاب کرے۔ اس حال میں کہ آپ ان لوگوں میں موجود ہیں تو یہ مضمون بغور سمجھنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ دقیق مقام ہے۔

سوال : وَاِنْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ فَلَهُتَدُنَّ یعنی نبی اسرائیل نے گائے کو ذبح کرنے کے معاملہ میں کہا اور تحقیق ہم نے اگر چاہا یعنی خدا نے تو البتہ راہ پانے والے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں تفسیر مدارک التنزیل میں

لکھا ہے کہ اگر وہ لوگ انشاء اللہ نہ کہتے تو ہرگز اس طرح کی گائے کا پتہ ان لوگوں کو معلوم نہ ہوتا تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ کہنے سے ضرور مراد پوری ہوتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت

سبکی قراءۃ سب پر مقدم ہے اور ایسا ہی ابو جعفر کی قرأت بھی ہے اور یہ قول بتا بعت کتاب اللطائف کے کہا گیا ہے اور یہی میری مراد اصل کے لفظ سے ہے تو اگر چار قراء کی موافقت کسی فارسی نے کی ہے تو اس قراءۃ کے بعد میں نے کہا ہے کہ مثلاً حسن نے ان لوگوں کی موافقت کی ہے اور اگر ان کی مخالفت کی ہے تو وہاں میں نے کہا ہے کہ مثلاً یہ حسن سے اس طرح روایت ہے۔ یہ مضمون کتاب مذکور کے مقدمہ کی عبارت کا ہے تو یہ سب جو ہم نے صاحب التحاف کا کلام نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عتبہ کی وہ قراءۃ ہے کہ اس پر چودہ قراء کا اتفاق ہے مگر حسن بصری کا اتفاق ایک روایت میں نہیں اور مطوعی نے جو اعمش سے روایت کی ہے تو اس روایت میں اعمش کا بھی اتفاق نہیں دیکھی ہیں۔ نشر اور طبیبۃ البشر اور اس کی شرح شافعی اور اس کی شرح کر ابن قاصح کی ہے اور اس کی شرح کہ ملاً علی قاری رح کی ہے اور اس کی دوسری بعض شروح تو اس لفظ میں ان کتابوں میں اختلاف کا ذکر نہیں یہ قوی دلیل اس کی ہے کہ یہاں تَعْمَلُونَ کی قراءۃ شاذ ہے اور قراء عشرہ کی قراءت سے خارج ہے تو قراء سبعہ کا کیا ذکر ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شرفا وغیرہ حفاظ کا اتفاق اس پر ہے۔ یہاں تَعْمَلُونَ ہے اور وہ مصاحف جو قراء سبعہ کے سامنے رکھے گئے ہیں وہ بھی میں نے دیکھے لیکن کسی میں یہاں تَعْمَلُونَ نہ پایا۔ بیضاوی کی عبارت سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تَعْمَلُونَ قراءۃ متواترہ ہے لیکن ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کشاف سے منقول ہے اور بلا شک صاحب کشاف کو اس مقام میں وہم ہو گیا ہے۔ اور اسی پر بیضاوی نے اعتماد کیا ہے اور اس سے نقل کیا ہے۔ امام رازی صاحب تفسیر کبیر نے دونوں قراءۃ ذکر کی ہیں اور عتبہ کی قراءت پہلے ذکر کی ہے تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عتبہ کی قراءۃ متواترہ ہے۔ مگر تفسیر کبیر میں یہ مذکور نہیں کہ یہ دونوں قراءتیں کس کس قاری کی ہیں اور ایسا ہی صاحب بشر نے عتبہ کی قراءۃ سے جو ثابت ہے۔ اس کی تفسیر لکھی ہے اور خطاب کے ساتھ جو قراءۃ ہے اس سے لغز نہیں کیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ وہم کی نسبت صاحب کشاف کی طرف کرنا بہتر ہے۔ اس سے کہ ان ائمہ کی تحقیق میں شبہ کیا جائے کہ ان حضرات نے اپنی عمر اس فن میں بسر کی اور وہ اس فن کے اہل ہیں اور صاحب کشاف اس فن کے اہل سے نہیں ہیں۔ یہ وہ مضمون ہے کہ خود کہا ہے اور اپنے قلم سے لکھا۔ فقیر عبدالعزیز دہلوی عمری عفا اللہ عنہ نے۔ والسلام

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ إِهْزَئِيَةً تَخْشَوْنَ كَسَادَ مَا كُنْتُمْ تَكْسِبْنَ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ بَعْدَ مَا كُنْتُمْ تُكَفِّرُونَ كَذِبًا
شان نزول کیا ہے۔ اس وقت کشتی ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ إِهْزَئِيَةً تَخْشَوْنَ كَسَادَ مَا كُنْتُمْ تَكْسِبْنَ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ بَعْدَ مَا كُنْتُمْ تُكَفِّرُونَ كَذِبًا (الاحزاب)

یعنی اگر تم لوگوں کی بہتری ہوتی ہے تو کفار کو بڑا معلوم ہوتا ہے اور اگر تمہاری بُرائی ہوتی ہے تو وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور اگر تم لوگ صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان لوگوں کے مکر سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ تحقیق کہ اللہ تعالیٰ جو وہ لوگ کرتے ہیں اس پر محیط ہے۔

اس آیت میں یہاں تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ قراء سبعہ کی قرأت میں ہے کہ ان کی قرأت بالاتفاق سب روایات میں متواتر ہے اور ان ہی کے قول کے موافق مجملہ دس قراء کے باقی تین قراء کا بھی قول ہے۔ وہ تین قراء وہ ہیں کہ ان کی قراءۃ کے متواتر ہونے میں علماء میں اختلاف ہے۔

اصح یہ ہے کہ ان کی قراءۃ بھی محققین قراءۃ کے نزدیک متواتر ہے اور وہ تین قراء یہ ہیں۔ ابو جعفر زید بن قعقاع اور یعقوب بن اسحاق حضرمی اور خلف بن ہشام بن زرارہ اور ان ہی قراء کی موافقت ان قراء نے بھی کی ہے کہ ان کے بارے میں اس امت کا اتفاق ہے کہ ان کی قرأت شاذ ہے۔ جیسے کہ یہ قراء ہیں۔ ابن مجہل محمد بن عبد الرحمن بن ابی اسحاق بن مبارک حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یعنی یہاں تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ پڑھا ہے اور ان سے شجاع بن ابی نصر لمی اور دوری نے روایت کی ہے اور ایسا ہی اعمش سلیمان بن مہزن کوئی نے بھی پڑھا ہے اور ان سے صرف حسن بن سعید مطوعی نے یہ روایت کی ہے التحاف فضلاً البشر بالقرامة الاربع عشر۔ قراءۃ اور روایات کی تیضج میں ایک معتبر کتاب ہے ۸۲۸ھ میں تالیف ہوئی۔ اور اس کتاب کے مصنف نے اس کی تالیف کے وقت اس فن کی سب کتابوں کو دیکھا مثلاً کتاب البشر فی قراءۃ العشر اور طبیبۃ النشر اور تقریب النشر اور یہ تینوں کتابیں شیخ حافظ العصر الوائیم شمس الدین محمد بن محمد بن علی بن یوسف جوری علیہ الرحمۃ کی ہیں۔ اور ایسا ہی التحاف کے مؤلف نے اس وقت یہ کتابیں بھی دیکھیں۔ یعنی شرح الطیبہ امام ابوالقاسم عقیلی کی جو مشہور نویری ہیں اور کتاب لطائف علامہ محقق شہاب احمد بن محمد بن ابوبکر قسطلان شامی صحیح بخاری کی کتاب مذکور میں یعنی التحاف میں لکھا ہے کہ حسن اور مطوعی سے روایت کی ہے کہ:-

بما تعملون محیط خطاب کے ساتھ ہے اور یا یہ التفات ہے یا قل اہم یہاں مقدر ہے۔ یہ التحاف کی عبارت کا ترجمہ ہے اور یہی امر فریش الحروف میں سورہ ال عمران کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ باعتبار تواتر اور عدم تواتر کے قراءۃ کی تین قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے کہ اس کے تواتر پر اتفاق ہے۔ اور وہ قراء سبعہ کی قرأت ہے اور قراء سبعہ مشہور ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے کہ اس کے تواتر میں اختلاف ہے اور اصح اور مذہب مختار یہ ہے کہ وہ قراءۃ بھی متواتر ہے۔ چنانچہ اوپر مذکور ہوا ہے اور وہ تین قراء کی قرأت ہے کہ قراء سبعہ کے بعد ہوئے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے کہ اس کے شاذ ہونے پر اتفاق ہے اور وہ باقی چار قراء کی قرأت ہے۔ تو قراء

امریہ -

اول امر یہ ہے کہ حافظ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قصہ کی روایت سے ایک راوی ہیں۔ اور مدینہ منورہ میں بفتح مکہ کے آئے۔ مگر اس میں یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اکثر بطور ارسال کے بھی صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی طور پر معراج اور بدر وغیرہ کے قصہ کی روایت کی ہے۔ تو کیا عجیب ہے کہ یہ قصہ بھی بطور ارسال کے روایت کیا ہو۔ اور صحابی کی حدیث مرسل حجت ہے دوسرا امر یہ ہے کہ ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم کی تفسیر میں اس قصہ کی روایت میں یہ وارد ہے اور وہ روایت قتادہ اور حسن رضی اللہ عنہما سے ہے کہ اس وقت یعنی تخییر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نویں تھیں۔ پانچ قریش سے تھیں۔ یعنی حضرت عائشہ اور حفصہ اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان اور سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ بنت ابی امیہ۔ اور ان کے علاوہ اور ازواج بھی نکاح میں تھیں۔ یعنی حضرت صفینہ بنت حنی خنیسہ یہ اور میمونہ بنت حارث ہلالیہ اور زینب بنت جحش اسدیہ اور حضرت جویریہ بنت حارث کہ بنی مصطلق سے تھیں۔ اور تخییر کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اور اس کے بعد پھر اور ازواج کو۔ یہ قصہ طویل حدیث میں مذکور ہے اور بلاشبہ ان ازواج کا اجتماع سب سے پہلے ہوا اور سب سے پہلے تخییر کا قصہ نہ ہوا۔ اس واسطے کہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہدہ میں ہوئی اور اس پر بھی مورخین کا اتفاق ہے کہ تخییر کا واقعہ ان کی وفات کے بعد ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ تخییر کا قصہ سب سے پہلے ہوا۔

تیسرا امر یہ ہے کہ ابوبکر نقاش نے اس آیت تخییر کی شان نزول ذکر کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقش پردہ طلب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حلہ میاں بہ طلب کیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے محظ کپڑا اور یمن کی چادر طلب کی اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سحلی کپڑا طلب کیا اور ایسا ازواج مطہرات میں سے ہر ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز طلب کی سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہ آپ نے کچھ طلب نہ کیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان سب ازواج مطہرات کا اجتماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو گیا۔ تب تخییر کا واقعہ وقوع میں آیا۔ اس وجہ سے کچھ بات مشاہیر اہل سیر کے نزدیک ثابت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

یہ جو سوال میں مذکور ہے کہ اس کے معارض وہ روایت ہے کہ ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن شداد کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخییر کے واقعہ کے بعد حضرت ام حبیبہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح کیا۔ الخ

شاید یہ کلام اس شخص کے کلام سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے۔ وہ ابن ابی شیبہ کی روایت اس طرح ہے :-

یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے کہیے کہ اگر تم دنیا کی زندگانی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو فائدہ پہنچاؤں اور رخصت کروں تم کو بہتر رخصت کرنے کے طور پر۔ حافظ عسقلانی نے کہا ہے کہ تخییر کی آیت سب سے پہلے کے اوائل میں نازل ہوئی اور دیباچی کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول معتبر ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ امر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ فتح مکہ کے بعد ہوا اور حافظ ابو الفضل عراقی عتبہ کے نزدیک ثابت ہے کہ تخییر کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے ساتھ ایلا کیا تھا۔ اور اس کے معارض وہ روایت ہے کہ ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن شداد کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ مضمون اس روایت کا ہے اور ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ کے ساتھ سب سے پہلے نکاح کیا اور حضرت ام رضی اللہ عنہا کے ساتھ عمرہ قضا میں سب سے پہلے نکاح کیا اور ایسا ہی جب خیبر سے رجوع فرمایا تو سب میں پیغمبر کے ساتھ نکاح کیا۔ تو اب علماء کے نزدیک راجح کیا ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ :-

إِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ عَنْ قَدْرٍ فَجَحِشَتْ سَائِلَةٌ
وَالَى مِنْ شَيْبَانٍ شَهْدًا فَجَلَسَ فِي مَشْرَبَةٍ لَهُ فَإِنَّ امْحَابَةَ يُعَوِّذُهُ فَصَلَّى بِهِنَّ
جَالِسًا وَهَمَّ فَنَامَ الخ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پٹلی خراش آگیا اور آپ نے ازواج کے ساتھ ایک مہینہ کے لئے ایلا کیا اور آپ اپنے بالا خانے پر تشریف رکھتے تھے اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب عیادت کے لئے آتے تھے تو آنحضرت ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور وہ لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔

یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔ اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گرے میں گرے تھے۔ چنانچہ یہی ایک جماعت نے ابن حبان سے نقل کیا ہے اور ایلا کا قصہ شہدہ میں ہوا تھا۔ چنانچہ یہی اہل سیر کے نزدیک ثابت ہے تو ان دونوں قول میں تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے مگر ایک صورت ہے کہ کہا جائے کہ اس طرح تطبیق دونوں قول میں ہو سکتی ہے کہ دوم تہ ایسا واقعہ ہوا کہ آنحضرت اپنے بالا خانے پر تشریف رکھتے تھے اور وہاں اصحاب جاتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور وہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے تو گھوڑے سے گرنے کا واقعہ اور ایلا کا قصہ دونوں دو مرتبہ ہوا اور سب سے پہلے ہوا اور ایسا نہیں کہ دونوں واقعے ایک ہی مرتبہ وقوع میں آئے ہوں۔

جواب : ان علماء نے جو کھا ہے کہ تخییر اور ایلا کا قصہ سب سے پہلے ہوا۔ تو اس کے متعلق

أَخْبَرَ نَاعِبَهُ اللَّهُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ أَوْ فِي قَوْلِهِ تَنَالَى
وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ قَالَ ذَلِكَ لَوْ طَلَقَهُنَّ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَنْتَبِذَهُنَّ
وَقَدْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَبَّرُ مَا يَشَاءُ بَعْدَ مَا تَزَلَّتْ وَتَحْتَهُ تَشَعُّ
نَسْوَةٍ وَتَذَوُّجٌ بَعْدَهُ أَمْ حَبِيبَتُهُ وَجُوبِي رَحْمَةً مِنْهُ أَنْتَهَى بِإِعْظَامِهِ.

ترجمہ: یعنی خبر دی مجھ کو عبد اللہ نے اور انہوں نے روایت کی اسرائیل سے اور انہوں نے روایت کی
کی سدی سے اور سدی نے روایت کی عبد اللہ بن شداد سے اس آیت کی تفسیر میں وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَّ مِنْ
مِنْ أَزْوَاجٍ کہ کہا عبد اللہ بن شداد نے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات
سے کسی کو طلاق دیوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال نہیں کہ اس کے عوض دوسرا نکاح کریں۔
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جس عورت کے ساتھ چاہتے تھے نکاح کرتے
تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تو ازواج مطہرات تھیں۔ اور اس کے بعد حضرت ام حبیبہ
اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح کیا۔

علماء نے کہا ہے کہ اس روایت میں غور کرنا چاہیے تاکہ مطلب ظاہر ہو جائے اور معارضہ اور فساد دفع
ہو جائے۔ روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ دَسْتَوُجٌ جملہ حالیہ ہے اور قد کا لفظ مقدر ہے اور یہ جملہ
معلوف ہے وَتَحْتَهُ تَشَعُّ پر کہ وہ بھی جملہ حالیہ ہے۔ اس واسطے کہ تو ازواج مطہرات کا آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ایک وقت میں ہونا محقق نہیں ہوتا ہے۔ بسبب ہونے ان دونوں ازواج مطہرات
کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں۔ چنانچہ یہ امر مخفی نہیں۔ زید بن ارقم کی جو روایت سوال میں مذکور
ہے تو اگر یہ آپ اکھیں کہ وہ کس کتاب میں ہے تو وہ کتاب یہاں دیکھی جائے لیکن یہ قول نہایت معارض ہے
ان علماء کے قول سے کہ ان کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ:-

تخیر کا قصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس آیت تخیر کے موافق اختیار دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم پر لازم
ہے کہ عجلت کرو۔ اس وقت تک کہ اپنے والدین سے اجازت لے لو۔ یعنی اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ یعنی اپنے والدین
بارہ میں اپنی رائے ظاہر کرنا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس وقت تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ یعنی اپنے والدین
سے مشورہ کر کے اپنی رائے ظاہر کرنا اور اس میں شبہ نہیں کہ ام رومان شہیدہ یا شہیدہ ہجری میں فوت ہوئیں
جیسا کہ استیعاب وغیرہ کتب صحابہ میں مذکور ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ تخیر کا واقعہ ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات
کے قبل ہوا۔ اس کا جواب قسطلانی نے یہ دیا ہے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات شہیدہ میں نہ ہوئی اور قسطلانی
نے حتی شہادۃ ام رومان کے بیان میں کہا کہ اس سے ظاہر طور پر اس کا قول رد ہو جاتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ
ام رومان کی وفات شہیدہ میں ہوئی۔ اس واسطے کہ تخیر کا واقعہ شہیدہ میں ہوا۔ یہ مضمون قسطلانی کے قول

کا ہے اور آپ جیسے جید علماء پر مخفی نہیں کہ یہ رد اولی نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے اس واسطے کہ ام رومان
کی وفات شہیدہ میں ہوئی۔ اور اس کے خلاف کسی نے نقل کیا نہیں ہے۔ بلکہ واقعی سے منقول ہے کہ اگر ثابت
ہو کہ ام رومان کی وفات شہیدہ کے قبل ہوئی تو اس سے لازم آتا ہے کہ تخیر کا واقعہ شہیدہ میں ہوا اور یہ
کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی۔ اور قریظہ اور نصیر ربیعہ حاصل ہوئی۔ تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات نے گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے نفاس اور ذخائر
میں تو ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھیں اور کہا کہ:-

یا رسول اللہ کسری اور قیصر کی لڑکیاں زیور اور حلقہ یعنی عمدہ کپڑا پہنتی ہیں اور ہمارے فاقے اور تنگی کی جو
حالت ہے وہ ظاہر ہے کہ آپ ملاحظہ فرماتے ہیں اور اس کے بعد اور بھی یہ قصہ ہے اور اس وجہ سے
نظم قرآن کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے کہ قرآن شریف میں اس تخیر کے واقعے کا ذکر بعد ذکر فتح قریظہ
کے ہے کہ فتح قریظہ کا ذکر اس آیت میں ہے۔ وَأَوْرَثَكُمَا ذُرِّيَّتَهُمَا وَأَمْوَالَهُمَا يُعْنِي اللَّهُ تَعَالَى
نے مالک کر دیا تم لوگوں کو ان کفار کی زمین اور ان کے دیا اور اموال کا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے اشکالات و فاقے کی تاریخ میں بہت ہیں اور نہایت مشکل ہیں چنانچہ
یہ سیر کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور علماء نے جو تطبیق کے وجوہ ذکر کئے ہیں۔ منجملہ ان وجوہ
کے اکثر وجوہ درست نہیں اور اللہ کے لئے صاحب سیرۃ شامیہ کی ٹیپی ہے کہ روایات مختلفہ کی تطبیق میں نہایت
کوشش اور جانفشانی کی ہے۔ اور وہ روایات سے غافل نہ رہے۔ فی الحال وہ کتاب یہاں موجود نہیں۔ اگر
آپ کے شہر میں مل جائے تو یہ مقام اس میں دیکھنا چاہیے۔ اس سے تشفی ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سے گرنے کی جو حدیث ہے تو اس میں کچھ اشکال نہیں
اس واسطے کہ احتمال ہے کہ دو مرتبہ گھوڑے سے گرنے کا اتفاق ہوا ہو۔ ایک مرتبہ شہیدہ میں اور دوسری
مرتبہ جب ایلام کا واقعہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم

ایک دوسرا قصہ بھی ہے کہ وہ ایلام کے قصہ کے مشابہ ہے۔ جو یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی
روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس وقت جبکہ حضرت عمر
حج سے واپس تشریف لے آئے۔ ان دونوں ازواج مطہرات کا حال کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے محبت کی تھی۔ یہ قصہ طویل ہے۔ صحیحین وغیرہ میں مذکور ہے اور اس روایت میں ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو چند دن کے لئے ترک فرمایا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنارہ کشی کی اور اپنے بالا خانے پر بیٹھے اور لوگوں میں مشہور ہوا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دی ہے۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالا خانے پر جاویں اور یہ قصہ طویل

ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ واقعہ سمرہ میں ہوا اس واسطے کہ اس واقعہ کی روایت کے شروع میں ہے کہ اس وقت ملوک غسان سے ایک بادشاہ کے آنے کا خوف ہم لوگوں کو تھا۔ یہ اس واسطے خبر معلوم ہوئی کہ وہ ہم لوگوں کی طرف آنا چاہتا ہے تو ہم لوگوں کا دل اس کے خوف سے ہولناک تھا کہ ناگاہ میرے یا انصاری نے دروازہ کھٹو نکالا کہ آج ایک امر وقوع میں آیا ہے۔ میں نے کہا کیا غسانی آیا ہے؟ تو کہا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک امر عظیم الشان وقوع میں آیا ہے۔ پھر آخر قصہ تک اس روایت میں مذکور ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ غسانی کی آمد کا خوف سمرہ میں ہوا تھا۔ اس کے قبل یہ خوف نہ ہوا تھا۔ لیکن صحاح میں یہ مذکور نہیں کہ یہی واقعہ ایلام کا تھا۔ اور تخرییر کی آیت اس کے بعد نازل ہوئی۔ البتہ مسند عبد بن حمید اور صحیح مسلم اور تفسیر ابن مردویہ میں اس قصہ کے آخر میں ہے کہ:-

راوی کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آپ بالاعانے پر صرف ۲۹ انتیس دن رونق افروز رہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ مضمون اس روایت کا ہے کہ اسمیں یہ قصہ مذکور ہے اگر بعض روایت کو دہم نہ ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ایلام تھا اور اس بناء پر تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ سابق ایلام اس وقت ہوا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم گھوڑے سے گرے تھے اور یہ واقعہ سمرہ میں ہوا تھا۔ اس وقت حضرت ام رومان زندہ تھیں اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو جبکہ یہ اور حضرت جویریہ کے ساتھ نکاح کیا اور اس کے بعد تخرییر کی آیت نازل ہوئی اور اس ایلام کا سبب یہ ہوا تھا کہ ازواج مطہرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مال اور دنیا طلب کی تھی اور یہ ایلام ام رومان کی وفات کے بعد ہوا تھا کہ اس وقت فوازع مطہرات کا اجتماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پاس ہو گیا تھا۔

یہ ایلام اس وقت نہ ہوا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم گھوڑے سے گرے تھے اور شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے تخرییر کی آیت اس ایلام کے بعد بھی سنائی تھی۔ تو اس سے بعض لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ تخرییر کا واقعہ سمرہ میں ہوا تھا۔ بلکہ روایت کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم جدید نکاح فرماتے تھے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حضور میں ازواج مطہرات جمع ہوتی تھیں۔ تو تخرییر کی آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے تاکہ زوجہ مطہرہ جبکہ کو تبلیغ ہو جائے اور سابق کی ازواج مطہرات کو تاکید ہو جائے۔ اس بیان سے وہ اشکال بھی دفع ہو جاتا ہے جو صحاح کی دو روایتوں میں ہے کہ ایک روایت ابن شہاب کے طریق سے ہے کہ روایت ہے عروہ بن زبیر اور انہوں نے روایت کی حضرت عائشہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی باقی سب ازواج مطہرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متابعت کی۔ اس امر میں کہ سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

کو اختیار کیا اور ازواج مطہرات سے کسی نے دنیا اختیار نہ کی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فاطمہ بنت خضاک بن سفیان کلانی کران کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے شہرہ میں نکاح کیا انہوں نے دنیا اختیار کی تو ان کے عقل جاتی رہی اور بے محل بات کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں شقی ہوں اور ایسا ہی یہ خبر روایت کی ابن سعد نے عمر بن سعید سے اور انہوں نے روایت کی اپنے باپ سے اور انہوں نے روایت کی اپنے دادا سے۔ مگر انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنی قوم کو اختیار کیا تو پھر وہ کہتی تھیں کہ میں شقی ہوں۔

یہ جواب اس سوال کا ہے۔ اس وقت بحالت انتشار حواس و اختلال حفظ و ادراک اس قدر میں لکھ سکا اور اس میں اور نکات باقی ہیں کہ آپ جیسے علماء پر مخفی نہیں سلمکم اللہ تعالیٰ وابقامکم والسلام اؤلاواخرا

سوال: وَهَذَا الَّذِي حَكَّتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ۔ الخ ایام سے مراد دنیا کے دن ہیں یا بمعنی بدعات میں استعمال ہوا ہے۔

جواب: وَهَذَا الَّذِي حَكَّتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ الخ

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ اس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کئے۔ ان ایام سے وہ ایام مراد نہیں کہ ان ایام میں حضرت آدم علیہ السلام بعد عصر کے پیدا کئے گئے تاکہ یہ ضرورت ہو کہ کہا جائے کہ ایام سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور کے یعنی اس جہان کے ایام مراد ہیں بلکہ ایام سے مراد بدعات ہیں۔ یعنی چھ دفعہ کر کے پیدا کئے گئے۔ چنانچہ ان بدعات کی تفصیل سورہ سجدہ میں مذکور ہے اور تفسیر فتح العزیز میں اس کی شرح کامل طور پر مذکور ہوئی ہے۔ اس وقت حواس درست نہیں اس وجہ سے ممکن نہیں کہ وہ دقیق مسودہ سے نقل کی جائے۔ یہ جو حدیث ہے۔ خَلَوْتَ الثُّبَّةَ يَوْمَ الثَّابِتِ الخ یعنی تربت کو شبہ کے دن پیدا کیا۔ آخر حدیث تک تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہ اشیاء ان ایام پیدا کی گئیں۔ اور آسمان اور زمین پیدا کرنے کے بہت زمانے کے بعد یہ اشیاء پیدا کی گئیں یہ جو فرمایا کہ کیشنبہ کو بنا نا شروع کیا اور شنبہ کو اس سے فراغت حاصل ہوئی تو اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں ایسا اتفاق ہوا۔ یہ مراد نہیں کہ امور ارضیہ کے پیدا کرنے میں ایسا اتفاق ہوا۔ اور تربت سے مراد اس حدیث میں ارض نہیں۔ بلکہ اس قدر زمین مراد ہے کہ وہ زراعت اور نباتات کے قابل ہے اور زمین پیدا کرنے کے بہت دنوں کے بعد چھٹے علیحدہ مقرر کیا گیا اور یہ حدیث اگرچہ صحیح مسلم میں ہے مگر ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دل میں خدشہ ہے دوسری یہ حدیث بخاری میں ہے:

كُنْتُ سَمِعَ الَّذِي يَسْمَعُ فِي وَبَعَةِ الَّذِي يَبْصُرُ الخ یعنی میں اس کا گویا کان تھا کہ اس سے وہ سناتا ہے اور بمنزل اس کی آنکھ کے تھا کہ اس سے وہ دیکھتا ہے۔

سوال: وَخَشَرُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْلَىٰ الخ اندھا پن سے مراد ظاہری اندھا پن ہے یا باطنی؟

جواب: وَخَشَرُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْلَىٰ
یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا تو قیامت کے دن اس کو

ہم اندھا اٹھائیں گے۔

اس آیت کی نہایت قوی توجیہ یہی ہے کہ نابینائی سے مراد ظاہری نابینائی ہے لیکن وہ ظاہری نابینائی شج اور مثال باطنی نابینائی کی ہوگی مگر دنیا میں اس شخص میں تھی۔ اور آخرت میں حقائق کے معانی اور صورت کا شج صورتاً سب اور اشباح تشاکلہ میں ہوگا تو باطنی نابینائی کہ دنیا میں تھی۔ آخرت میں ظاہری نابینائی کہ صورت میں ظاہر ہوگی۔ وہ لوگ اپنے کراہدہ پائیں گے تو پوچھیں گے کہ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَفَدَّ كُنْتُ بِصِيْرًا یعنی میں پروردگار تو نے مجھ کو اندھا کیوں اٹھایا۔ یعنی یہ ظاہری نابینائی کیوں ہے اور دنیا میں تو مجھ میں ظاہری بینائی تھی یعنی قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کا اعادہ ہوتا ہے تو سابق میں وہ چیز جیسی رہتی ہے اسی طرح اس کا اعادہ بھی ہوتا ہے۔ ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم میں مطلقاً باطنی بینائی نہ تھی۔ بلکہ تم ایسا ہی ہماری آیات میں غور کرنے کے بارے میں دل کے نابینا تھے۔ تو وہ باطنی نابینائی یہاں ظاہری نابینائی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ اس واسطے کہ یہاں باطنی امور کا ظہور صورتاً ہرہ میں ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ اعمیٰ سے مراد بصیرت میں حیرت ہوتا ہے تو یہ مراد سیاق کلام کے خلاف ہوتی ہے اس واسطے کہ وَفَدَّ كُنْتُ بِصِيْرًا اس کے ساتھ چپاں نہیں ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ ہے:-

وَكَذَٰلِكَ اَنْتَ لَكَ اَيَاتُنَا فَتَنِيْهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْشَىٰ
یعنی اللہ تعالیٰ فرمایا گا اور اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئیں تو تم ان کو بھول گئے اور ایسا ہی آج تم بھلائیے جاتے ہو۔

تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شخص دنیا میں جاہل تھا یا قصد اجہالت کا کام کرتا تھا۔ اگر آخرت میں بھی صرف اسی طرح جاہل اٹھایا جائے تو اس کی سزا کیا ہوگی۔ اور اس کے فعل پر ضرر کیا مرتب ہوگا۔

اس کلام کے سیاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس پاداش میں آخرت میں اس کی سزا یہ ہوگی۔ اب یہ بیان کرتا ہوں کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اعمیٰ سے مراد اس آیت میں ظاہری نابینائی ہے تو اس آیت اور دوسری آیات میں مخالفت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ آیت ہے:-

اَسْمِعْ بِمِثْرٍ وَّابْصِرْ يَوْمَ يَأْتُوْنَا لَكِنِ الظَّالِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ مُضْلَلٍ مُّبِيْنٍ
یعنی کیا خوب سنتے ہوں گے اور کیا خوب دیکھتے ہوں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن ظالم آج کے دن ظاہر گمراہی میں ہیں۔ اور اس کے مانند اور جو آیات ہیں۔ اگرچہ یہ آیت اکثر آیات کے موافق بھی ہے مثلاً: وَخَشَرُوْهُمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلٰی دُخُوْنِهِمْ غَمِيًْا وَبَلَاً وَصُمًّا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور ہم

اٹھائیں گے ان لوگوں کو یعنی کفار کو قیامت کے دن ان کے منہ پر اٹھائیں گے اور دیکھیں گے گنہگار دوزخ کو اور اللہ تعالیٰ نے

یعنی منہ میں گنہگار قیامت دوزخ کا فروختہ ہونا اور چلانا اور

یعنی پکاریں گے منکرین قیامت کے ہلاکت کو تو حضرت ابن عباس

اور گئے اور ہرے کس طرح ہوں گے۔ تو حضرت ابن عباس

گئے کہ اس سے ان کو خوشی ہو اور کوئی غدر نہ بیان کر سکیں گے اور

خوشی ہو۔ اس تعارض حقیقی کا جواب یہ ہے کہ ابتداء حشر میں ان لوگوں کی صورت کی مانند ہوگی۔ کہ کوئی امر حق نہ دیکھیں گے اور نہ کہیں

تقریبی تجلی کے حضور میں جائیں گے اور کامل طور پر پردہ اٹھ جائے

آئے گی اور اسی تجلی کا ذکر اللہ کے اس کلام پاک میں ہے۔ یَوْمَ

کھڑے ہوں گے لوگ رب العالمین کے حضور میں۔ یہی ذکر

وَاشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورٍ رَبِّيْهَا وَذُفِعَ الْكِتَابُ وَحُجَّتِ الْاَرْضُ

کی زمین اپنے پروردگار کے نور سے اور رکھا جائیگا نامہ اعمال

تخلیق کی طرف ان آیات کے لفظ میں ارشاد ہے کہ تَخْشَرُوْهُمُ

غَمِيًْا وَبَلَاً وَصُمًّا یعنی مراد یہ ہے کہ علمی وغیرہ کی حالت میں

بَعْدَ دَابَّصِرْ يَوْمَ يَأْتُوْنَا اس میں مذکور ہے کہ جس دن ہمارے

دیکھتے ہوں گے۔ یعنی ابتداء حشر میں یہ لوگ اندھے، گونگے اور

حضور میں جائیں گے تو اس وقت دیکھنے سننے لگیں گے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمْ اِلٰہًا فَيَنْبِیْا نُوْحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ

گئے تھے اور ہر زمانہ کے لئے تو پھر آنحضرت صلی اللہ

سوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ

کو اولاد کو باقی رہنے والے؟ جمہور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر

لوفان میں عرق ہو گئے اور جن لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام

اور کسی کی نسل سے کوئی باقی نہ رہا۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام

اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں اور

ہول نہیں بھیجا ہے اور تمام حجت نہیں کر لیتا ہے کسی پر غ

برائے گناہ افتراء کا کیا۔

یہ آیت سورۃ نسا میں ہے اور اسی سورۃ کے اخیر میں اس آیت کے آخر میں ہے فَقَدْ ضَلَّ مَلَلًا
بَعِيدًا پس تحقیق کہ نہایت گمراہ ہوا تو اس اسلوب کے تغیر میں نکتہ یہ ہے کہ پہلی آیت یہود کے قصہ کے بیان
میں وارد ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے تخریفات کی تھیں اور کہا - اِنْتَرَاءَ عَلٰی اللّٰہِ اور کہا عَزَّیْزٌ رَّابُّنِ اللّٰہِ یعنی عزیزِ ربنا
افتراء کا ہے تو مناسب ہوا کہ اس آیت کے آخر میں افتراءِ عظیم کا ذکر ہوا۔ اور دوسری آیت عرب اور بت پرستوں
کے قصہ کے سیاق میں وارد ہوئی کہ ان لوگوں نے کتاب سے استدلال نہ کیا۔ اور بت پرستش کی تو مناسب
ہوا کہ اس آیت کے آخر میں ضلال بعید ذکر کیا جائے۔ اس واسطے کہ ان لوگوں نے حق اور کتاب کا خیال نہ کیا اور
گمراہ ہوئے اور یہ بھی وجہ ہے کہ دوسری آیت کے قبل یہ کلام پاک ہے۔ وَمَا يَصْلُحُ لَكُمْ اَلَا اَنْفُسُكُمْ یعنی اور
وہ لوگ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جان کو تو مناسب ہوا کہ ان کے قصے کے آخر میں گمراہی کا بیان
کیا جائے۔

سوال : فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّقَهُ اس میں نکتہ کیا ہے ؟

جواب : قوله تعالى : فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّقَهُ یعنی پس ابراہیم علیہ السلام
کی قوم سے بعض ایمان لائے اور بعض اس سے باز رہے۔

یہ آیت سورۃ نسا میں ہے۔ تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ تغابن کے شروع میں فرمایا ہے -
فَمِنْكُمْ كَاذِبٌ وَمِنْكُمْ سَوَّامٌ یعنی بعض تم لوگوں میں سے کافر ہوئے اور بعض تم لوگوں میں سے
تو سورۃ نسا میں مؤمن کا ذکر کافر کے ذکر سے پہلے فرمایا ہے اور سورۃ تغابن میں کافر کا ذکر مؤمن کے ذکر سے
پہلے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ نسا میں اس آیت کے قبل یہ کلام پاک ہے۔ فَقَدْ
اٰتَيْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ یعنی تحقیق کہ دی ہم نے ال ابراہیم کو کتاب اور حکمت۔
اصل یہ ہے کہ ایمان اور کفر ان لوگوں کا دوسرے کی ترغیب سے ہوا۔ اور سورۃ تغابن کی آیت
مشرکین قریش کی عصمت کے بیان میں ہے اور ان کا کفر اصلی تھا اور ان میں سے بعض نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کو قبول کیا اور وہ اسلام سے مشرف ہوئے تو دونوں مقامات میں جو امر
اصل تھا۔ وہ مقدم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بعض احکام میں قرآن شریف سے ظاہر کوئی ایسا امر مفہوم ہوتا ہے کہ متواتر احادیث
سے ثابت ہے کہ وہ ظاہر امر متروک ہے۔ مثلاً حَتّٰی تَشْكَلَ دُجَاعِيْنَ کَالِیْسَ حَتّٰی کہ نکاح کر لیوے
وہ عورت مطلقہ کسی دوسرے شوہر سے تو اس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صرف دوسرے شخص سے
نکاح کر لینے سے عورت مطلقہ کہ جس کو تین طلاق اس کے شوہر نے دی ہوں اس شوہر کے لئے حلال
ہو جاتی ہے اور یہ شرط نہیں کہ دوسرا شوہر وطنی بھی کرے۔ چنانچہ یہی حکم سعید بن مسیب کے نزدیک ثابت

ہے۔ اور متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ وطنی شرط ہے اور ضلّ اللہ کلام یہ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ - یعنی : اور جس نے قتل کیا مؤمر
غلام آزاد کرے اور مقتول کے اہل کو دیّت دے تو اس آیت
کے مال میں واجب ہوتی ہے۔ عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی۔ جو
پر تنک کرنا عذر نہیں اور یہ خطائے اجتہادی ہرگز معاف
میں نہیں ہے اور جب ایسے محل میں خطا واقع ہو کہ وہ اجتہاد
مجتہد کے حق میں اور نہ غیر مجتہد کے حق میں ایسی خطا قابل عذر
کی بحث میں لکھا ہے۔ سورۃ الصافات

سوال : وَجَعَلُوا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ اَلَمَ
ہے وَجَعَلُوا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ سَبَاطًا وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنَّ
يَصْغُونَ یعنی تحقیق کہ کفار نے اپنے گمان میں قرار دیا درمیان
البتہ تحقیق کہ جانتے ہیں جنات کہ وہ لوگ ضرور حاضر کئے جائیں
کہ بیان کرتے ہیں "مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ چنہ سے مراد
جواب : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : وَمَا وَجَعْنَا

کوئی مگر اس کے لئے ایک مقام معلوم ہے ابرج یہ ہے کہ یہ قی
چند مقام میں واقع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
ہوتے مگر آپ کے پروردگار کے حکم سے اور بالاتفاق ثابت
اور یہ امر کہ چنہ سے مراد ملائکہ ہیں نہایت بعید ہے اور ایک
میں ایسی آیات میں ربط اور مناسبت ثابت کی ہے۔ اور
سوال : اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَةَ اٰمَانَتِ الْاَمَانَةِ
جواب : قوله تعالى : اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَةَ

امانت سے مراد یا تکلیف اور ثواب و عقاب کا
طبیعت کے مقتضاء کے خلاف کی جائے یا مراد شرع کے
ذکر سے غیر کو معلوم نہیں ہو سکتے ہیں۔ جیسے وضو اور روز
سے منقول ہے اور یا امانت سے متصف ہونا ہے ساتھ
میں اختیار کیا ہے یا مراد خلافت اور ریاست ہے اور یہ
اول شق پر اعتراض ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کے

اس کلام پاک سے رو کیا گیا ہے۔ مَا نَزَّلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ یعنی اور نازل کی ہم نے آپ کے پاس کتاب اور یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے بھی رو کیا گیا ہے اِمَّا نُنَزِّلُهَا نَزْلًا عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَعَلْنَا الْقُرْآنَ اِيْمَانًا لِّاُولٰٓئِشْرُوْعِ دُنْ مِّنْ سَاطِئِہٖ اِسْ چيز کے کہ نازل کیا گیا ہے ان لوگوں پر کہ وہ لوگ ايمان لائے اور اس کی تحقیق یہ ہے جو کہ میں نے اپنے شیخ اور استاذ قدس اللہ سرہ سے تفسیر پڑھنے کے وقت حاصل کی تھی اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

وحی کا نزول اور وقوع جہاں ہو صرف بطریق استعلاء کے ہوتا ہے خواہ پیغمبر پر نازل ہو یا پیغمبر کے ذریعہ سے امت کے پاس پہنچے لیکن وحی جب اشیائے منزلہ سے اعتبار کی جاتی ہے جیسا پانی نازل کیا گیا ہو اور مکینہ کے نازل کی گئی تو وحی کی تعدیت علی کے ساتھ ہوتی ہے اور اسی وجہ سے لفظ نزول کا استعمال بصورت متعدی ہونے کے قرآن شریف میں اور عرب عربہ کے کلام میں صرف علی کے ساتھ ہوا ہے۔ البتہ وحی میں ایک دوسرے اعتبار کا بھی لحاظ ہے کہ وہ نزول کے علاوہ ہے اور وہ اعتبار یہ ہے کہ وحی کلام ہے کہ سمجھایا گیا ہے اور اس کا القاد سامع کے مدد میں ہوا ہے اور اس اعتبار سے وحی میں یہ امر پایا جاتا ہے کہ اس کا وصول اور انتہاء مخاطب تک ہوتا ہے۔ چاہے جو مخاطب ہو۔ جیسا خطوط کا وصول اس کے پاس ہوتا ہے جس کے پاس وہ خطوط پہنچائے جاتے ہیں تو اس اعتبار سے وحی کی تعدیہ الی کے لفظ کے ساتھ ہوتی ہے۔ خواہ نبی کے حق میں مستعمل ہو، خواہ امت کے حق میں مستعمل ہو۔

کلام مجید میں تحقیق اور متبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام میں یہ ملحوظ ہے کہ وحی نعمتوں سے ایک نعمت ہے آسمان سے زمین پر پہنچتی ہے۔ جس طرح اور سب نعمتیں پہنچتی ہیں اور اس مقام میں نعمتوں کا بیان ہے یا ان نعمتوں پر حمد کرنے کا بیان ہے۔ تو وہاں اول اہمیت بار زیادہ مناسب سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ ظاہر لغت کے موافق ہے اور جس مقام میں یہ ملحوظ ہے کہ وحی علم ہے اور وحی سامعین کے مدد میں پہنچتی ہے جس طرح خطوط اور کتابیں اور رسالہ اور ہدیہ اور تحفہ وغیرہ چیزیں پہنچتی ہیں اور جس مقام میں تعلیم، تہذیب اور تکمیل قوت علمیہ کی مقصود ہے۔ تو وہاں اعتبار ثانی زیادہ مناسب سمجھا گیا ہے۔ واللہ اعلم واختم۔

رسالہ مولوی عبدالرحمن صاحب لکھنوی

سوال: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں لفظ الہی کی تحقیق کیا ہے لفظ نکرہ مشترک معنوی ہے یا مشترک لفظی؟
جواب: جاننا چاہیے کہ اگر علامہ نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی اور اس کی تحقیق بیان کرنے میں

قرآن آیت میں انسان کی تخصیص کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسان نے امانت قبول کی۔ بلکہ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ نے امانت قبول نہ کی اور ان سے علیحدہ ہو کر انسان نے امانت قبول کر لی۔ ممکن ہے کہ انسان کے قبل غیر نے بھی مثلاً جن نے امانت قبول کی ہو۔ اس جواب میں یہ شبہ ہوتا ہے اس مقام کا مقتضی یہ ہے کہ تخصیص مطلق مراد ہو۔ اس واسطے کہ یہ یا مقام مدح ہے یا مقام ذم کا ہے اور کوئی ان تینوں میں سے کسی ایک کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ انسان عام ہے جنات سے اس واسطے کہ جن بھی انسان ناری ہے۔ اس جواب میں یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ یہ قرآن کے الفاظ کے خلاف ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ اصلاً احکام شرعیہ کی تکلیف انسان نے قبول کی اور جنات کو یا انسان کے لئے بمنزلہ قالب کے ہوئے اس وجہ سے تبعاً وہ بھی مکلف ہو گئے تو عالم ارواح میں پینصیب اصلاً انسان کو حاصل ہوا۔ چند مقامات میں اس تفسیر میں میں نے ذکر کیا ہے کہ جنات کی نسبت انسان کے ساتھ ایسی ہے کہ جیسی نسبت قالب کی نزول کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا جیسی نسبت جزئیت کی بلکہ معمورہ کے ساتھ ہے۔ اور جنات کا وجود بطور توطیہ اور تہید کے ہوا۔ انسان کے وجود کے لئے اس لحاظ سے کہ اول فکر آخر عمل ہے۔ انسان کا وجود باعتبار زمانہ کے مؤخر ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت انسان کے ساتھ پہلے متعلق ہوتی اور اس وجہ سے انسان نے اس بارہ میں یعنی احکام شرعیہ کی تعمیل میں زیادہ کوشش کی۔ یہ مضمون تفسیر فتح العزیز میں سورۃ ال عمران کی تفسیر میں قُلْ اَمَّا يٰۤاَيُّهَا اللّٰهُ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰیكَ مِنْ بَيِّنٰتٍ کے بیان میں مذکور ہے۔ فتح العزیز کے مستودع سے یہاں نقل کیا گیا۔

سوال: تعدیہ لفظ وحی بہ الی وعملے کی تشریح کیا ہے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ وحی آسمان سے نازل ہوتی ہے اور رسول کے پاس پہنچتی ہے تو وحی میں دو امر پائے گئے۔ ایک آسمان سے نازل ہونا اور دوسرے پہنچنا پیغمبر کے پاس۔

امراول مقتضی استعلاء کے لئے ہے۔ اس واسطے کہی باعتبار امراول کے وحی کے لفظ کی تعدیہ لفظ علی کے ساتھ ہوتی ہے امر ثانی مقتضی تہا کیلئے ہے تو باعتبار ثانی کے کہی کے لفظ کی تعدیہ لفظ الی کے ساتھ ہوتی ہے اور قرآن شریف میں دونوں طور پر لفظ وحی مستعمل ہوا ہے تو باعتبار امراول کے اس سورۃ ال عمران میں مستعمل ہوا ہے اور باعتبار ثانی کے سورۃ بقرہ میں مستعمل ہوا ہے۔ اب اس میں کلام ہے کہ کیا وجہ ہے کہ کسی سورت میں امراول کا اعتبار ہوا ہے اور کسی سورت میں امر ثانی کا لحاظ ہوا ہے۔ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کلام سورۃ بقرہ میں قالوا کے تحت آیا ہے اور یہاں یعنی سورۃ ال عمران میں قل کے ماتحت میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کے پاس وحی بطریق استعلاء کے آتی ہے۔ اور امانت کے پاس بطریق انتہاء کے آتی ہے۔ اس واسطے کہ امانت کے پاس وحی بواسطہ رسول کے پہنچتی ہے اور خاص ان پر بطور استعلاء کے نازل نہیں ہوتی۔ تو ہر مقام میں وہاں کے موقع کے مناسب اعتبار کیا گیا۔ یہ قول اللہ

سے کر نکرہ ہے۔ جمع اصنام میں اور قرینہ اس کے لئے پہلی آیت میں تشبیہ اور جمعیت ہے۔ اس واسطے کہ کثرت صرف معبود ممکن میں پائی جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے معلوم ہوتا ہے۔

فَاَوَدَّ عَلٰی قَوْمٍ يَّكْفُرُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يُؤَيِّسُ لِحٰجِلِ الْهٰكِمَا لِهٰمْ اِلَهَةٌۭ ۙ

پس آئے بنی اسرائیل کے لوگ ایک قوم کے پاس کہ وہ اپنے بتوں کی عبادت میں مصروف تھے۔ اور اس پر قائم تھے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ بنا دیجیے ہمارے لئے بھی معبود، جیسے ان کے لئے یعنی کفار کے لئے معبود ہیں اور قرینہ اس کے لئے دوسری آیت میں یہ ہے کہ جب جمع مضاف ہوتا ہے تو دلالت کرتا ہے کثرت اور عموم پر اور عموم صرف ممکن معبود میں پایا جاتا ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے

اَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْهٰذَا اَحَدًا

یعنی کفار کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے تو اس آیت میں لفظ الہ جو جمع ہے اس سے مراد اصنام ہیں اور قرینہ اس کے لئے جمع ہونا ہے اور لفظ الہ کہ نکرو واحد ہے۔ مراد اس سے اللہ تعالیٰ ہے اور قرینہ اس کے لئے یہ ہے کہ لفظ الہ کا موصوف ہے ساتھ وحدت کے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے لوگوں کے قول میں ہے کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔

تَعْبُدُ الْهٰكِمَ وَالْهٰ اَبَآئِكَ الْهٰذَا اَحَدًا

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے لوگوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ ہم عباد کرتے رہیں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء کے معبود کی کہ سب کا ایک ہی معبود ہے۔

دوسری فاش غلطی علماء اکابر سے یہ ہوئی ہے کہ کہا ہے کہ لاکھ خبر مقدسہ ہے اور لفظ موجود کا یا لفظ ممکن کا مقدر ہے اور اصل عبارت یہ ہے۔

لَا اِلٰهَ مَوْجُوْدٌ اَوْ مُمْكِنٌ اِلَّا اللّٰهُ

اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مقدر کرنا افعال عامہ کا کہ وجود اور امکان اور ثبوت اور کون ہے مختص ہے ساتھ ظرف کے اور ساتھ اس کے کہ مشابہ ظرف کے ہو اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ظرف میں وسعت ہوتی ہے تو بہتر ہے کہ اس میں بھی وسعت ہو۔ جو اس کے ساتھ متعلق ہو اور وسعت صرف افعال علیا میں ہے۔ اور یہ جو وہم کیا جاتا ہے کہ لفظ موجود کا مقدر ہے۔ اس قول میں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یہ وہم صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ اس عبارت کی تقدیر یہ ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بلکہ اس عبارت کی تقدیر یہ ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَوْ عِنْدَ عَزَّوَجَلَّ عَزَّوَجَلَّ اس واسطے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ موجود رہتے تو اپنے گھر میں یا کسی دوسری جگہ موجود رہتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود نہ رہتے تو اس صورت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلاف شرع حکم دینے کی وجہ سے ہلاک ہوتے اور یہ ظاہر ہے تو جس شخص نے

دو امر میں فاش غلطی کی ہے۔ اول امر یہ ہے کہ الہ کا لفظ جو کہ نکرہ ہے اس کی تحقیق میں کہا ہے مشترک معنوی ہے اور اس سے مراد مستحق ہے یا معبود برحق ہے۔ یا واجب ہے۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں بلکہ الہ کا لفظ جو کہ نکرہ ہے۔ مشترک لفظی ہے۔ کبھی اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ جب اس امر کے لئے کوئی قرینہ ہو اور کبھی اس کا اطلاق معبود ممکن پر ہوتا ہے۔ جب اس امر کے لئے کوئی قرینہ ہو اور ان دو معنی میں کبھی بلا قرینہ کے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص دعویٰ کرے کہ الہ کا لفظ ان دونوں معنی میں کبھی بلا قرینہ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اس پر لازم ہے کہ ثابت کرے اور قرینہ پائے جانے کی صورت میں قرینہ کا استعمال کیا جانا اس لفظ کا ان دونوں معنی میں دلیل اشتراک لفظی کی ہے۔ تو اطلاق کیا جانا لفظ الہ کا جو کہ نکرہ ہے۔ اللہ جل شانہ پر اللہ تعالیٰ کے قول سے ثابت ہے چنانچہ یہی امر اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں ہے

تَعْبُدُ الْهٰكِمَ وَالْهٰ اَبَآئِكَ اِنَّكُمْ كُنتُمْ تَكْفُرُوْنَ

اس آیت قرینہ یہ ہے کہ لفظ الہ کا مضاف ہے طرف مخاطب نبی کے اور یہ بھی قرینہ ہے کہ لفظ الہ کا موصوف ہے ساتھ وحدت کے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ اِلٰهُ كُنٰی الْاَرْضِ اِلٰهُ

یعنی اور وہی اللہ آسمان میں بھی معبود برحق ہے اور زمین پر بھی معبود برحق ہے اور یہی امر اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک میں بھی ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝

یعنی کہیے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ پناہ مانگتا ہوں میں اس کی درگاہ میں کہ پروردگار لوگوں کا ہے۔ اور معبود لوگوں کا ہے۔ اور بادشاہ یعنی مالک لوگوں کا ہے اور معبود لوگوں کا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا اس طرح کا اور بھی قول ہے اس کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور لفظ الہ کا کہ نکرہ ہے معبود ممکن پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مجملہ اس کے یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے۔

يَا مُوسٰى اَجْعَلِ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ اِلٰهَةٌۭ ۙ

یعنی بنی اسرائیل نے کہا کہ "اے موسیٰ قرار دیجیے ہمارے واسطے معبود جس طرح کہ ان لوگوں کے لئے معبود ہیں" ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے۔

لَا تَدْرِيْٓ الْيَقِيْنُ كَمَا تَدْرِيْٓ وَذٰٓلَ سَوَآءٌ وَّلَا يَنْفَعُ وَّلَا يَضُرُّ وَاَنْتَ تَكْفُرُ ۙ

حضرت نوح علیہ السلام کے وقت کے کفار نے اپنی قوم کے جاہلوں سے کہا کہ "نہ چھوڑ دینے معبودوں کو اور نہ چھوڑو اور نہ چھوڑو سوا کے اور نہ تیغوت اور تیغوت اور تشرکوت" یہ سب ان کے بتوں کے نام تھے تو مراد لفظ الہ سے کہ نکرہ مفرد ہے۔ صنف ہے اور مراد لفظ الہ

کی یہ ہے لَاسَيِّفَتٌ سَيِّفَانِ ذُو الْقَعَارِ وَعَيْنُهُ الْاَذْلُ الْفَقَارِ اور تقدیر لَالِہِ الْاَلٰہِ الْاَعْلٰی کی یہ ہے
لَا اِلٰهَ عِندَ اللّٰہِ اِلَّا اللّٰہُ اور تقدیر لَالِہِ الْاَلٰہِ الْاَعْلٰی کی یہ ہے لَا اِلٰهَ عِندَ اللّٰہِ الْاَعْلٰی اور تقدیر لَالِہِ
اِلَّا اَنْتَ کی یہ ہے لَا اِلٰهَ عِندَ اللّٰہِ الْاَعْلٰی اِلَّا اَنْتَ اور تقدیر لَالِہِ الْاَلٰہِ الْاَعْلٰی کی یہ ہے لَا اِلٰهَ عِندَ اللّٰہِ الْاَعْلٰی
اَنَا

اور اس کے لئے قرینہ مخاطب کا سابق گمان ہے اس واسطے کہ یہ سب امثلہ مذکورہ قصر کے قبیل سے
ہیں اور قصر کے جس قدر اقسام ہیں وہ سب مخاطب کے سابق گمان کو اس سے دفع کرتے ہیں تو امثلہ مذکورہ سے
پہلی مثال اس مخاطب سے کہی جائے گی کہ اس کو گمان ہو کہ خیر و طرح کا ہے بمجملہ اس کے ایک طرح کا خیر
مخاطب میں پایا جاتا ہے اور دوسری کا خیر کسی غیر میں پایا جاتا ہے اور ایسا ہی دوسری مثال اس مخاطب سے
کہی جائے گی کہ اس کو گمان ہو کہ طیر و طیر ہیں۔ ایک طیر مخاطب کا اور دوسرا طیر غیر کا ہے۔ اور ایسا ہی تیسری مثال
اس مخاطب سے کہی جائے گی کہ اس کو گمان ہو کہ فنی دو ہیں۔ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرا غیر ہے اور ایسا
ہی چوتھی مثال اس مخاطب سے کہی جائے گی کہ اس کو گمان ہو کہ سیف دو ہیں ایک ذوالفقار ہے اور دوسری
سیف اس کے علاوہ ہے اور ایسی باقی چار مثالیں اس مخاطب سے کہی جائیں گی کہ اس کو گمان ہو کہ اللہ کے سوا
اور بھی معبود ہیں تو اس کا گمان اس طرح رد کیا جائے گا کہ اس سے کہا جائے گا کہ خبر و غیر امثلہ مذکورہ میں
جو دوسرے میں گمان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ صرف ایک امر میں مقصور ہے یعنی مختصر ہے اور اس کا یہ گمان
اس طرح دفع کیا جائے گا کہ سابق کی چار مثالوں میں اس سے کہا جائے کہ خیر اور طیر اور فنی اور سیف
صرف اول میں مقصور ہے یعنی مختصر ہے اور اس معنی کی تعبیر جن عبارتوں سے کی جائے گی۔ وہ عبارتیں یہ ہیں:-

لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ اور لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ اور لَا سَيِّفَ إِلَّا سَيِّفُكَ
اور باقی چار مثالوں میں کہا جائے گا کہ معبود کی صفت صرف ثانی میں یعنی اللہ میں مقصور ہے یعنی مختصر
ہے اور اس معنی کی تعبیر جن عبارتوں میں کی جائے گی وہ عبارتیں یہ ہیں:-

لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ اور لَا اِلٰهَ إِلَّا اَنْتَ اور لَا اِلٰهَ إِلَّا اَنَا
اور بلیغ خیر کے نزدیک باطل ہے کہ موجود یا ممکن کا لفظ ان سب مثالوں میں مقرر کیا جائے۔ اس
واسطے کہ اس کے لئے کوئی قرینہ نہیں۔ بلکہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بعض امثلہ میں بلیغ
حمیر کی ظاہر رائے میں صحیح معلوم ہوتا ہے کہ موجود یا اس کے مثل کوئی دوسرا لفظ مقرر ہے اور وہ بعض امثلہ میں
ہیں۔

لَا اَنْتَ مَوْجُودٌ اِلَّا عَلٰی اور لَا سَيِّفَ مَوْجُودٌ اِلَّا ذُو الْقَعَارِ اور یہ بطور مبالغہ کہا جاتا ہے
اور لَا خَيْرَ مَوْجِدًا اِلَّا طَيْرُكَ اور لَا طَيْرَ مَوْجُودًا اِلَّا طَيْرُكَ تو بلیغ حمیر کی رائے قابل اعتبار نہیں
اس واسطے کہ کوئی قرینہ نہیں کہ اس سے ثابت ہو کہ موجود یا ممکن کا لفظ مقرر ہے۔

لفظ موجود کا یا لفظ ممکن کا ان عبارتوں میں اور اس طرح کی دوسری عبارتوں میں مقرر کیا ہے۔ ان الفاظ کے بعد
نزدہ طرف ہیں اور نہ وہ مشابہ طرف کے ہیں تو وہ شخص بلیغ حمیر ہے۔ یعنی ناقص العقل ہے۔ بلیغ خیر نہیں یعنی
عقل اور علوم سے واقف نہیں اور وہ عبارتیں یہ ہیں۔

لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ اور لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ اور لَا سَيِّفَ إِلَّا سَيِّفُكَ اور لَا اِلٰهَ إِلَّا اَنَا
اِلَّا ذُو الْقَعَارِ اور لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ اور لَا اِلٰهَ إِلَّا اَنْتَ اور لَا اِلٰهَ إِلَّا اَنَا

اس واسطے کہ بلیغ خیر حذف کے بائے میں قرینے کی طرف نظر کرتا ہے اور معنی کے فی الواقع
صحیح ہونے کا خیال کرتا ہے اور کوئی قرینہ نہیں کہ اس سے معلوم ہو کہ لفظ موجود کا یا لفظ ممکن کا ان مثالوں
میں مقرر ہے اور ملا جامی علیہ الرحمۃ نے جو کافیر کی شرح میں لکھا ہے۔

يُحَدِّثُ حَدَثًا كَثِيرًا اِذَا كَانَ الْخَبْرُ عَامًا كَالْمَوْجُودِ وَالْحَاصِلُ لِدَلَالَةِ الثَّنِيِّ بَعْدَ الْاَوَّلِ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اِی لَا اِلٰهَ مَوْجُودٌ اِلَّا اللّٰہُ۔

یعنی لاکھ خبر اکثر حذف کر دیجاتی ہے جب خبر عام ہو۔ جیسے لفظ موجود اور حاصل کا اس واسطے کہ
خود نفی اس خبر پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ ہے یعنی نہیں ہے کوئی معبود موجود سوا اللہ کے یہ
مضمون شرح جامی کی عبارت مذکورہ کا ہے تو یہ باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ لَا کا مضمون
ہے اس لئے کہ اس خبر کی نفی ہو۔ اس کے اسم سے جیسے باقی سب کلمات نفی کے ہیں کہ لیس اور ما ولا مشبہ لیس
اور ان وغیرہ ہے تو یہ کلمات سب اس لئے وضع کئے گئے ہیں کہ ان کے بعد دو لفظ ہوں اور لفظ ثانی کی
نفی لفظ اول سے ہو۔ خواہ خبر عام یا خاص ہو، اور خواہ خبر محذوف ہو یا مذکور ہو۔ اور اس کے علاوہ کوئی امر نہ لفظ
سے لاکھ مضمون نہیں ہوتا ہے کہ اس کی خبر عام ہو یا خاص ہو۔ تو عام ہونا یا خاص ہونا خبر منفی کا نہ مدلول مبالغہ
ہے لفظ لَا کا اور نہ جزر معنی ہے اس کا اور نہ لازم ہے اس کے لئے اور نہ اس کا مدلول عقلی ہے اور نہ مدلول لفظی
ہے تو اس کا کچھ مطلب نہیں کہ کلمہ لَا کا دلالت کرتا ہے عموم منفی پر یا خصوص منفی پر، البتہ اگر کلمہ لَا کا وضع کیا گیا ہو
واسطے نفی وجود کے قرینہ عموم منفی پر دلالت کرتا اور حالانکہ فی الواقع یہ صحیح نہیں۔ اس مقام میں یہ بھی حد
ہوتا ہے کہ اگر بالفرض ملا جامی کا یہ قول صحیح بھی ہو کہ نفی دلالت کرتی ہے خبر عام پر تو مناسب تھا کہ اس طرح کہا جاتا
وَيَحْدِثُ حَدَثًا اِی اس طرح کہا جاتا وَيَحْدِثُ اَبَدًا اس واسطے کہ اگر یہ صحیح کیا جائے کہ کلمہ لَا کا دلالت کرتا ہے۔
منفی پر جیسا گمان ان کا ہے تو ذکر کرنا خبر کا اس کے بعد لغو ہے۔ تو چاہیے کہ واجب ہو کہ لاکھ خبر حذف کی جائے۔
تو بلیغ خیر کے نزدیک ان امثلہ کی تقدیر اس طرح ہے کہ تقدیر:-

لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ اِنْ خَيْرُكَ وَخَيْرُ عَيْنِكَ اِلَّا خَيْرُكَ اور تقدیر
لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ اِنْ طَيْرُكَ وَطَيْرُ عَيْنِكَ اِلَّا طَيْرُكَ اور تقدیر
لَا سَيِّفَ إِلَّا سَيِّفُكَ اِنْ سَيِّفُكَ اِلَّا سَيِّفُكَ اور تقدیر لَا سَيِّفَ إِلَّا ذُو الْقَعَارِ

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ جو کہ نکرہ ہے اس سے مراد مستحق ہے یا مؤثر ہے یا معبود برحق ہے یا اسی طرح کا اور کوئی امر مراد ہے بطریق عموم مجاز جیسے اکابر علماء نے گمان کیا ہے تو یہ مجاز ہوگا اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اور ایسا ہی اگر یہ کہا جائے کہ اللہ سے مراد مستحق ہے یا اس کے مانند کوئی دوسرا امر ہے تو اس کی تردید اس قول سے ہوتی ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور ایسی ہی اگر اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتی کہ اللہ نکرہ ہے اس کے معنی مستحق ہیں۔ تو لا الہ الا اللہ کے مقام میں لا غیر بالہ ہوتا۔ یعنی نہیں ہے کوئی دوسرا کہ مستحق ہو معبود ہونے کا یا اس طرح کی کسی دوسری صفت کے قابل ہو اور ایسا ہی وارد ہوتا ہے۔ مَا لَكُمْ مِنْ غَيْرِ اللَّهِ کے بدلے مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ کے یہ چند مقام میں قرآن شریف میں وارد ہے اور دوسرے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے تیرے اور اس میں نفی غیریت کی ہے۔ البتہ کثیرہ سے اس واسطے کہ نکرہ میاق میں نفی کے واقع ہے اور ایسا نہیں کہ اس میں نفی الوہیت کی ہو غیر سے اکابر علماء نے اس سے گمان کیا ہے اور ایسا ہی یہ امر کہ مراد اللہ سے کہ لا الہ الا اللہ میں ہے مستحق ہے۔ یا اسی طرح کے کوئی دوسرے معنی مراد ہیں۔ اس کی تردید اس کلام پاک سے ہوتی ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا یعنی اگر ہوتے آسمان اور زمین میں معبود سوائے اللہ کے، البتہ یہ دونوں فاسد ہو جاتے اور جو تردید کی یہ ہے کہ یہ آیت دلیل ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی اور مقصود اس سے نفی منازرت الہ ممکنہ موجود کی ہے۔ اور لزوم فساد کا اوپر تقدیر وجود منازرت کے ہے۔ تو واجب ہوا کہ مراد ہو جمع منکر غیر محصور سے کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ اصنام ممکن معبود جیسا مدلول میں مراد ہے اور اس میں قرینہ کثرت ہے تاکہ دلیل مدلول کے مطابق ہو۔ اس واسطے کہ اگر مراد مدلول میں مستحق ہو۔ یا معبود برحق ہو منکر سے کہ مدلول اور دلیل دونوں میں تو لازم ہوگا۔ اہل ہونا مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں تو صحیح ہوگا استناد دلیل میں بھی اور یہ سب اکابر علماء کے مذہب کے خلاف ہے اس واسطے کہ لا اللہ کہ دلیل میں ہے بالاتفاق ان سب اکابر علماء کے نزدیک معنی میں غیر اللہ کے ہے اور اگر اللہ سے مراد دلیل میں مستحق ہو اور مدلول میں نہ ہو یا بالعکس ہو تو تقریب صحیح نہ ہوگی اس واسطے کہ دلیل مطابق مدلول کے نہ ہوگی۔ تو لازم آئے گا کذب لا الہ الا اللہ کا بصورت مقدمہ کہنے وجود کے اور یہ ظاہر ہے، خلاصہ ہمارے کلام کا یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ لا الہ الا اللہ میں موجود کا لفظ مقدم ہے اور تقدیر عبادت کی یہ ہے لا الہ الا اللہ موجود الا اللہ تو وہ محدود و لازم آئیں گے یا کذب کلام میں اللہ تعالیٰ کے بالظہور ہونا اس کلام کا لغو یا اللہ من ذلک اس واسطے کہ اللہ سے نکرہ ہے اگر اس میں تاویل نہ کریں یعنی مراد

دوسرا امر وہ ہے کہ لفظاً متعدد ہے جیسے **يَا اِلَهَ عَلِيٌّ** ہے۔ اس واسطے کہ اس کے لئے قرینہ مخاطب کا گمان کرنا ہے جیسا باقی سب مستثنیٰ مفرغ میں ہے لیکن لاکھ خبر ذکر کرنا تو مستثنیٰ مفرغ اور ظرف اور شبہ ظرف کے بغیر تو یہ قلیل ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **لَا اِلَهَ اَعَزُّكَ** یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے۔ اور جیسے دعائے شریانی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول منقول ہے **لَا شَيْءٌ عَزَمَ شَيْءٌ** کوئی چیز میرے ماتہ نہیں۔ اور جیسے مداح کا قول قصیدہ میں ہے **لَا طَبِيبَ يَعْدِلُ** شریاحۃ اعظمۃ تو جائز نہیں کہ موجود یا اس طرح کا کوئی دوسرا لفظ مقدر کیا جائے کسی کلام میں سوا ظرف اور شبہ ظرف کے ہوا اور جس کو جواز کا دعویٰ ہو تو چاہیے کہ فصحاء کے اقوال سے کوئی قول دکھائے کہ نہ ظرف ہوا اور نہ شبہ ظرف اور اس میں موجود یا ممکن لفظ مقدر ہو تو **لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ** میں مراد اللہ سے جو کہ

کہ وہ علم لغت اور لام کے ساتھ وضع کیا گیا ہو جیسے احسن اور العباس کا لفظ ہے۔
حاصل کلام جس نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ لفظ مشترک لفظی ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس بارے میں نص صریح
ارباب لغت کا ثابت کرے۔

اشتراک لفظی ثابت نہیں ہوتا ہے۔

قوله: يُطْلَقُ مَرَّةً عَلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ بِقَرِينَةٍ

یعنی لفظ اللہ کا کبھی اطلاق کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جب اس کے لئے کوئی قرینہ ہو الجہ اس سے اشتراک
لفظی ثابت نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ منقولات عرفیہ بھی ایسے ہی ہیں۔

قوله: دَلِيلٌ يَسْتَعْمَلُ فِي كَلَامٍ مَعْنَاهُ أَصْلًا وَلَا قَرِينَةً

یعنی لفظ اللہ کا ان دونوں معنی میں کبھی بلا قرینہ کے استعمال نہیں کیا جاتا ہے اگر اس سے مراد عموم مشترک ہے
لفظ اللہ کے دونوں معنوں میں۔ تو اس میں علماء اصول میں باہم اختلاف ہے۔ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک یہ جائز ہے
اور وہ لوگ عموم مشترک کے قائل ہیں اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ لفظ اللہ کا اپنے دونوں معنی میں بلا قرینہ کے ہتھا
نہیں کیا جاتا ہے۔ تو باوجود اس کے کہ یہ اس رسالہ کی عبارت کے خلاف ہے۔ اشتراک لفظی پر دلالت نہیں
ہے۔ اس واسطے کہ یہ منقولات عرفیہ عامہ میں بھی جائز ہے۔

اللہ کے اشتراک معنوی کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

قوله: فَنَسِيَ عَمِّي فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ

یہ جو شخص دعویٰ کرے کہ اللہ کا لفظ ان دونوں معنی میں کبھی بلا قرینہ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے تو اس
پر لازم ہے کہ ثابت کرے کہ اگر اس دعویٰ سے مراد اشتراک معنوی کا دعویٰ ہے تو لغت کی سب کتابوں میں لگا
ہے۔ چاہیے کہ لغت کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اور عیاں را چہ بیان اور یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ بیان کرنا
اس پر واجب ہوتا ہے جو اصل کے خلاف دعویٰ کرے تو جو شخص اشتراک لفظی کا دعویٰ کرتا ہے اس
کا دعویٰ خلاف اصل ہے۔ اس پر لازم ہے کہ یہ دعویٰ ثابت کرے اور ایسا نہیں کہ جو شخص اشتراک معنوی کا
دعویٰ کرے کہ وہی اصل ہے اس پر لازم ہو کہ یہ دعویٰ ثابت کرے۔

قوله: وَالْإِسْتِعْمَالُ بِالْقَرِينَةِ فِي كَلِمَةٍ لَيْسَ بِالِإِشْتِرَاكِ اللَّفْظِيِّ

یعنی اور استعمال کیا جانا بصورت پائے جانے قرینے کے ان دونوں معنی میں دلیل اشتراک لفظ
کی ہے۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ منقولات عرفیہ بھی ایسے ہی ہیں۔ بلکہ اصطلاحیات بھی اسی طرح کے ہیں۔

لفظ اللہ سے اس مقام میں مراد خاص باری تعالیٰ ہے

قوله: فَاطْلَانِ الْمَكُونِ عَلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ

یعنی اطلاق ہونا لفظ اللہ کا کہ نکرہ ہے اللہ جل شانہ پر۔ اللہ تعالیٰ کے قول سے ثابت ہے۔
جاننا چاہیے کہ اضافت اسم جنس کی طرف کسی شئی کے دلالت کرتی ہے۔ اس جنس کی تخصیص پر
تو خصوص اضافت سے مستفاد ہوتا ہے اور مضاف اپنے اصلی معنی پر باقی رہتا ہے جیسا غلام زید میں ہے
تو چونکہ مضاف ہوا ہے لفظ اللہ کا اس مقام میں مخاطب کی طرف اس وجہ سے اس سے مفہوم ہوتا ہے
کہ لفظ اللہ سے اس مقام میں مراد خاص ذات باری تعالیٰ کی ہے۔ اور ایسا نہیں کہ لفظ اللہ کا ابتداء موصوح ہوا
ہے واسطے باری تعالیٰ کے، ورنہ لازم آئے گا کہ رب اور خالق اور معبود اور مقصود اور اس طرح کے اور جو
الفاظ میں کہ مضاف ہوتے ہیں طرف ضمیر متکلم اور مخاطب مجزئ کے، مشترکات لفظیہ سے ہیں۔ جیسے یہ قول ہے
رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ اور وَاللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اور اس طرح کا اور بھی قول ہے لیکن یہ جو
قول ہے الْهَادِ أَحَدًا تو اس میں لفظ اللہ کی نکارت باقی ہے یعنی نکرہ ہے اور حال واقع ہے اس
قول سے الْهَاتِكِ وَاللَّهِ أَبَايَاكَ اور اللہ کا وصف کہ واحد ہے اس مقام میں صرف اس واسطے ذکر
کیا گیا ہے تاکہ مضاف الیہ کے متعدد ہونے سے یہ وہم نہ ہو کہ مضاف بھی متعدد ہے تو اس سے کس طرح
ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کا مستعمل ہے ذات میں حق تعالیٰ کے بطریق اشتراک لفظی کے۔

بعض مقامات میں لفظ اللہ معنی و عام میں مستعمل ہے۔

قوله: وَكَذَلِكَ أَتَى قَوْلُهُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ

یعنی اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے۔ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ
یعنی وہی اللہ ہے کہ وہی آسمان میں بھی معبود ہے اور وہی زمین پر بھی معبود ہے۔ ظاہر ہے کہ لفظ اللہ کا اس
مقام میں مستعمل ہے معنی عام میں یعنی اس سے مراد معبود ہے۔ اور اللہ کا حمل جو معروف موصول پر ہے
کہ اس قول میں ہے۔ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ یعنی اللہ کی ذات وہ ہے کہ وہی آسمان میں بھی معبود ہے۔
اور وہی زمین پر بھی معبود ہے تو اس مقام میں لفظ اللہ کا حمل معروف موصول پر صرف اس وجہ سے ہوا ہے
کہ معلوم ہو کہ اگرچہ اللہ کے سوا دوسری چیزیں ہیں کہ ان کی عبادت یعنی ان کی پرستش کی جاتی ہے لیکن ان کی پرستش صرف زمین پر کی جاتی ہے۔ آسمان
میں نہیں تو تخصیص اس مقام میں مستفاد ہوتی ہے صرف ضمیر سے کہ راجع ہے حق تعالیٰ کی طرف اور وہ ضمیر
ہو کی ہے اور موصول اور اس کے صلہ سے اور ایسا نہیں کہ تخصیص مستفاد ہوتی ہو۔ لفظ اللہ سے ورنہ حمل
لغو ہو جائے گا۔ اور یہ کلام گویا بمنزلہ اس کلام کے ہو جائے گا۔ وَفِي السَّمَاءِ وَهُوَ الَّذِي فِي الْأَرْضِ وَهُوَ۔

تخصیص صرف اضافت سے مستفاد ہوتی ہے۔

قوله : وَكَذَلِكَ أَفِي قَوْلِهِ : قُلْ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ النَّاسَ ه مَلَائِكَةُ النَّاسِ ه

یعنی کہ جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنا ہوا کہ لوگوں کی درگاہ میں کہ لوگوں کا پروردگار ہے اور لوگوں کا اداکار یعنی مالک ہے اور لوگوں کا معبود ہے۔ یہ تقریر مندرجہ بالا سے واضح ہوا کہ تخصیص اس طرح کے اطلاق میں صرف اضافت سے مستفاد ہوتی ہے، نہ وضع خالص سے اور اگر اللہ الناس سے ثابت ہو کہ لفظ اللہ کا موضوع ہے واسطہ ذات حق تعالیٰ کے تو یہ ثابت ہوگا کہ لفظ رب کا بھی ایسا ہی ہے اور لفظ ملک کا بھی ایسا ہی ہے تو چاہیے کہ وہ اس کا قائل ہو کہ ان سب اسماء میں اشتراک لفظی ہے۔

بعض امثلہ سے اس امر کا اشتہاد درست نہیں کہ لفظ اللہ کا اطلاق معبود ممکن پر ہوتا ہے

قوله : وَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْمُشْكِكُ عَلَى الْمَعْبُودِ الْمُشْكِكُ الْفَخ

یعنی اور لفظ اللہ کا نکرہ ہے معبود ممکن پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ تنقید معبود کے ساتھ ممکن مفہوم میں اس کے نکرہ ہے غیر مسلم ہے اگرچہ وہ فی الواقع ممکن ہو واسطے کہ کبھی کوئی شیء فی الواقع موصوف ہوتی ہے کسی صفت کے ساتھ لیکن اس کا لفظ اس صفت پر دلالت نہیں کرتا ہے اگرچہ بجا اس مقام کی خصوصیت کے اور باعتبار دلیل کے وہ لفظ اس صفت پر دلالت کرتا ہو جیسے یہ قول ہے۔ جَكَفَى رَجُلٌ يَعْنِي أَيَا مِيرَے پاس مرد تو اس کلام کا جوڑ ہے اس کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رجل سے اس مقام میں خاص وہ شخص مراد ہے کہ اس میں آنے کی قدرت ہو یعنی وہ شخص مثلاً نہایت صغیر نہیں اور وہ شخص ایسا نہ ہو کہ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ہوں اور حرکت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اور ایسا ہی اس کلام کا قائل جب ہند میں ہوگا تو اس کلام کے مقام کے قرینہ سے مفہوم ہوگا کہ جو شخص ہے وہ رومی نہیں اور نہ زنگی ہے تو یہ قائل یعنی معترض سمجھتا ہے کہ دونوں امر ایک ہیں۔ یعنی قید کسی کلام میں نظر کسی دلیل کے معلوم ہوتا ہو یا اس مقام کے قرینہ سے مفہوم ہوتا ہو اور قید کہ لفظ کے مفہوم میں ہو یہ ایک ہی امر ہیں اور حالانکہ ایسا نہیں تو اب معلوم ہوا کہ اس کا اجتہاد کرنا امثلہ مذکورہ سے صحیح نہیں۔

مدلول الہی کیلئے اس میں قائل سے فاش غلطی ہوتی ہے۔ نفی وجود یا متعلق وجود

کے ساتھ متعین ہوتی ہے۔ عام، مطلق، خواص اور مقید کا فرق

قوله : فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْمُشْكِكُ الْفَخ

یعنی مراد لفظ اللہ سے کہ نکرہ مفرد ہے منہم ہے اور مراد لفظ اللہ سے کہ نکرہ جمع ہے اصنام ہیں:

مسلم ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ لفظ اللہ کا نکرہ ہے مفرد ہو یا جمع ہو۔ اس لفظ کا مدلول کیا ہے؟ اور اس میں کلام نہیں کہ مراد اللہ کے لفظ سے بجا اس کے مقام کے قرینہ کے یا باعتبار دلیل کے کیا ہے اور بہر حال یہ جو کلام پاک ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِلّٰهِ حُكْمٌ اور اس قائل نے یعنی معترض نے اس کلام کو ان امثلہ میں ذکر کیا ہے جو اس کے نزدیک اس امر کی مثالیں ہیں کہ لفظ اللہ کا نکرہ ہے اس میں واقع ہے تو یہ اس قائل سے فاش غلطی ہوتی ہے اس واسطے کہ الہیتکم میں الہی اضافت ہے ضمیر مخاطب کی طرف اور اضافت معرفہ کی طرف اقویٰ ہے مجملہ اسباب تعریف کے تو کس طرح لفظ اللہ کا الہیتکم میں نکرہ ہو سکتا ہے۔

قوله : فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْمُشْكِكُ الْفَخ

یعنی لفظ اللہ کا جمع ہے اس سے مراد اصنام ہیں۔ اس کی غلطی بھی ظاہر ہے۔ اس واسطے کہ لفظ اللہ کا اس قول میں ہے أَجْعَلُ الْاِلٰهَةَ مَعْرُوفٌ ہے۔ یعنی معرفہ ہے اس واسطے کہ اس پر لام عہد خارجی کا ہے تو وہ نکرہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

قوله : يَخْتَصُّ بِالْفَرْقِ وَشَبَّهَ

یعنی مقدر کرنا افعال عامہ کا وجود اور امکان اور ثبوت اور کون ہے مختص ہے ساتھ ظرف کے اور اللہ اس کے مشابہ ظرف کے ہو۔ یہ امر خبر میں لا کے کہ واسطے نفی جنس کے ہو غیر مسلم ہے اللہ لائے نفی جنس کی خبر اکثر عام طور پر حذف کی جاتی ہے۔ نحو ظرف ہو نحو مشابہ ظرف کا ہو نحو ظرف ہو اور نہ مشابہ ظرف کا ہو چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ اَللّٰهُ لَا خَيْرَ الْاَخِيَرِ الْاَخِيَرِ یعنی نہیں خیر ہے سوا اس کے کہ خیر البتہ آخرت کا خیر ہے۔ اور بعض روایات میں وارد ہے۔ لَا عَيْشَ الْاَعْيَشِ الْاَعْيَشِ یعنی نہیں زندگی ہے سوا اس کے کہ زندگی البتہ آخرت کی زندگی ہے اور ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کافیہ کی شرح میں لکھا ہے:- وَصَحَّفَتْ خَيْرًا لَّهٗ هَذَا حَدَّثَنَا كَثِيرٌ اِذَا كَانَ الْخَيْرُ مَعًا مَّا كَانَ الْوُجُودَ وَالْحَاجِلَ لِدَلَالَةِ الشَّيْءِ عَلَيْهِ نَحْوُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. لَا اِلٰهَ مَوْجُودٌ اِلَّا اللّٰهُ اُنْشِطِ

یعنی اور اگر اس لام کی خبر حذف کی جاتی ہے۔ جب خبر عام ہو جیسے لفظ وجود اور حاصل کا ہے۔ اس واسطے کہ خود نفی اس خبر عام پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے لا الہ الا اللہ ہے۔ یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے یعنی اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ مضمون شرح جامی کی عبارت میں مذکور ہے اور اس امر کی وجہ کہ یہ خبر کیوں حذف کی جاتی ہے جب عام ہوتی ہے تو اس وجہ کی طرف ملا جامی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ وہ قول یہ ہے لَدَلَالَةِ الشَّيْءِ عَلَيْهِ۔ اس واسطے کہ جب یہ لائے نفی جنس پر دلالت کرتا ہے اور نفی ماہیت کے ساتھ اس حیثیت سے کہ وہ ماہیت ماہیت ہے۔ متعلق نہیں ہوتی ہے خصوصاً ان لوگوں کے نزدیک کہ کجبل مولف کے قائل ہیں کہ یہی مذہب جہور کا ہے۔ بلکہ نفی صرف وجود کے ساتھ متعلق ہوتی ہے یا اس چیز

کے ساتھ متعلق ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ وجود کی تعبیر کی جاتی ہے۔ جیسے کون اور حصول کا لفظ ہے۔
 قولہ: وَمَا يَتَّقُهُ الْمَلِكُ

یعنی اور یہ جو وہم کیا جاتا ہے کہ لفظ موجود کا مقدر ہے اس قول میں کَوْلَا عَلَيَّ لَهْلَكْتَ عَمْرُومَ تو یہ وہم صحیح نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ فعل عام خارج نہیں ہو جاتا ہے۔ فعل عام ہونے سے کہ ظرف زمان یا ظرف مکان وغیرہ کے ساتھ مقید ہو۔ بلکہ نہایت امر یہ ہے کہ وہ فعل عام مطلق نہیں رہتا ہے بلکہ مقید ہو جاتا ہے اور فعل خاص وہ ہے کہ اس کا مدلول نوع خاص ہو۔ انواع فعل سے جیسے قیام اور قعود اور اکر و شرب اور نوم اور سلوۃ اور صوم ہے۔ خواہ مطلق ہو خواہ مقید ہو ساتھ زمان یا مکان کے۔ اور اس قائل نے یعنی معترض نے فرق نہ سمجھا ہے درمیان عام اور مطلق کے اور درمیان خاص اور مقید کے تو اس کا یہ جو قول ہے۔ بَلْ لَوْلَا عَلَيَّ مَا حَاصِرُ الْوَقْتِ یہ دلیل ہے اس امر کے لئے کہ اس نے قرار کیا اس مقام میں کہ جہاں سے بھاگا۔ اس واسطے کہ حضور بھی فعل عام ہے اسی طرح کہ جیسے حصول اور کون فعل عام ہے اگرچہ مقید ہو وقت معمود میں یا مکان معمود میں ساتھ عندی یا عند عمر کے۔

قولہ: اذْكَوْكَ اَنْ عَمِيَتْ مَوْجُوْدًا فِي بَيْتِهِ

اس واسطے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اگر موجود رہتے اپنے مکان میں، الخ۔ اس قول سے صرف یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ لفظ حضور کا مقید ہو جاتا ہے ساتھ زمان اور مکان کے اور یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ حضور فعل خاص ہو جاتا ہے۔ اور حاصل کلام یہ کہ فعل عام کہ مثلاً وجود اور حضور اور حصول اور کون اور وقوع اور تحقیق ہے۔ بسبب تقييد کے فعل خاص نہیں ہو جاتا ہے بلکہ فعل خاص اس کو کہتے ہیں کہ دلالت کرے کسی خاص نوع کے فعل پر جیسے قیام اور قعود ہے۔ البتہ اگر کہا جاوے کہ تقدیر اس عبارت کی یہ ہے۔ لَوْلَا عَلَيَّ مَا حَاصِرُ الْوَقْتِ اَوْ اَكْلُ اَوْ شَرْبُ اَوْ نَوْمُ تو اس صورت پر مقدر فعل خاص ہوگا۔

افعال عام مقدر کئے جائیں تو قرینہ کی ضرورت نہیں نفی منفی پر بطور دلالت التزامی دلالت کرتی ہے۔

قولہ: يَنْفَلِكُ فِي الْحَذَفِ إِلَى الْعَرِيشَةِ وَصِحَّةِ الْمَعْنَى فِي الْوَلَايَةِ

یعنی اس واسطے کہ بلیغ خیر حذف کے بالے میں قرینہ کی طرف نظر کرتا ہے اور معنی کے فی الخ صحیح ہونے کا خیال کرتا ہے۔ ضرورت قرینہ کی صرف اس صورت میں ہوتی ہے کہ افعال خاتمہ مقدر کئے جائیں اور جس صورت میں افعال خاتمہ مقدر کئے جائیں تو ضرورت قرینہ کی نہیں۔ اس واسطے کہ احتیاج کل

کی واسطے خبر کے کافی ہے۔ اس امر کے باعث ہونے کے لئے کہ خبر مقدر کی جائے اور فعل عام کافی ہے۔ کلام کی خبر ہو تو اگر فعل خاص مقدر کیا جائے تو البتہ اس وقت ضرورت قرینہ کی ہوگی۔

قولہ: لَا مَازَادَ عَلَيْكَ

یعنی اور اس کے علاوہ اور کوئی امر زائد لفظ سے لار کے مفہوم نہیں ہوتا ہے۔ تقریر مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ خبر عام کا مقدر کرنا کافی ہے اس امر کے لئے کہ نفی صحیح ہو جائے تو یہ ضرورت کرنفی کے لئے خبر ہونی چاہیے اس سے رفع ہو جاتی ہے کہ خبر عام مقدر کی جائے اور ضرورت دوسرے قرینہ کی کرنفی کے علاوہ ہو۔ صرف اس صورت میں ہوتی ہے کہ فعل خاص مقدر کیا جائے نہ اس صورت میں کہ فعل عام مقدر کیا جائے اس واسطے کہ نفی کا مفہوم صادق ہو جاتا ہے فعل عام کے مقدر کرنے سے۔

قولہ: لَيْسَ مَدْلُوكًا مَطْلُوبًا لَهَا

یعنی عام ہونا یا خاص ہونا خبر منفی کا نہ مدلول مطابقی ہے لفظ لا کا اور نہ جزو معنی ہے اس کا تقریر مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ نفی دلالت کرتی ہے منفی پر بطور دلالت التزامی کے۔ جیسے ضرب دلالت کرتا ہے اس پر کہ کوئی مضروب ہوگا۔ اور جیسے فقہار نے کہا ہے کہ اگر کسی نے کہا اَعْتَقْتُ عَبْدَكَ یعنی آزاد کرے تو میری طرف سے اپنا غلام، تو یہ قول التزامی اس پر دلالت کرے گا کہ اس قول کے قائل نے مالک کو کیا اس قول کے مخاطب کو اس غلام کا۔ البتہ چونکہ نفی متعلق نہیں ہوتی ہے۔ مگر وجود کے ساتھ یا شبہ وجود کے ساتھ اور ایسا نہیں کہ نفی ذات کے ساتھ متعلق ہوتی ہو تو اس وجہ سے یہ امر قرار پایا کہ وجود یا شبہ وجود کا مقدر کیا جائے۔ تاکہ کلام صحیح ہو تو مقدر کرنا وجود یا شبہ وجود کا کہ افعال عام سے ہیں۔ صراحت بیان ہے اس مدلول التزامی کا۔

قولہ: نَعَمْ لَوْ وُضِعَتْ كَلِمَةُ لَا

یعنی البتہ اگر کلام لا وضع کیا گیا ہوتا واسطے نفی وجود کے تو بلا قرینہ عموم منفی پر دلالت کرتا۔ ظاہر ہے کہ کلام لا کا موضوع ہے واسطے نفی کے تو نفی مالا لازم ہے اس کے لئے یعنی اس کے لئے لازم ہے کہ جب وہ مذکور ہو تو کسی چیز کی نفی اس کے ذریعے سے کی جائے۔ اور مقدر کرنے سے وہ چیز منفی متعین ہو جاتی ہے جیسے کلمہ ضربت کا دلالت کرتا ہے التزامی ماضی مضروب ما پر، یعنی کلمہ ضربت کا جب استعمال جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مضروب ہے اور مثلاً جب زید ذکر کیا جائے اور کہا جائے۔ مَرَبْتُ زَيْدًا تو وہ مدلول التزامی متعین ہو جائے گا اور اگر مطلقاً اس مدلول التزامی کو ذکر کریں تو صرف اس کا بیان ہوگا وہ متعین نہ ہوگا۔ جیسے کہیں ضربت مضروباً اور اکلت ماکولاً اور مخرجت مشروباً البتہ اگر مقدر خاص ہو تو اس صورت میں مدلول التزامی متعین ہو جائے گا۔ تو اس وقت قرینہ کی ضرورت ہوگی۔

قوله: اذْكَرَكَانَ فِي كَلِمَةٍ لَا دَلَالَهَ عَلَى الشَّيْءِ الْمَعْنَى

نزدیک معنی الاخیر کے یہ ہوں گے کہ میں ساکت ہوں حکم کرنے سے تیرے خیر کے بارے میں تعدیاً وعدہ کا اور ایسے ہی معنی اس کے بعد کی مثالوں میں بھی ہوں گے اور یہ معنی بھی فاسد ہیں۔

قوله: وَلَا إِلَهَ غَيْرُ اللَّهِ إِلَّا اللَّهُ

یعنی اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے مگر اللہ تو اللہ استثناء کا حکم سابق سے یعنی نفی غیریت سے تو اللہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سوا اللہ کے ہے۔ اور یہی معنی اس کے بھی ہوں گے جو اس کے بعد ہے اور اس معنی کا بطلان اور فساد ظاہر ہے اس واسطے کہ کسی چیز کا سوا اپنی ذات کے ہونا بامقہر باطل ہے۔ اس کا بطلان طفل صغیر پر بھی ظاہر ہے۔

قوله: سُبْحَانَ اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے۔ کیا وجہ ہے کہ معترض نے اس مقام میں اس طرح لفظ مقدر نہ کیا کہ جیسے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں مقدر کیا ہے باوجودیکہ دونوں جملوں کی ایک ہی ترکیب ہے۔ تو صحیح یہ ہے کہ یہ قصر افراد سے ہے۔ اس واسطے کہ مشرکین اللہ کے معبود ہونے کی نفی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ شرکت کے قائل تھے۔

قوله: هُوَ التَّعَدُّ الْفَعْلِي الْمَعْنَى

یعنی وہ تعدد فعلی ہے۔ الخ اس قول میں خلل یہ ہے کہ مقدر کرنے سے بالاللہ وبعینہ کے معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے کہ حکم مستثنیٰ کا خلاف ہوتا ہے اس حکم کے کہ مستثنیٰ منہ میں ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَبِعَيْنِهِ لَا بِاللَّهِ تو اس معنی کے اعتبار سے لازم آتا ہے کہ اللہ الہ ہوا اور نہ غیر الہ کا ہو۔ جیسے قول یہ ہے۔ لَا رَجُلَ إِلَّا الرَّجُلُ او غیریہ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی فاسد ہیں۔

قوله: فَتَلِيلٌ

یعنی لا کے خبر ذکر کرنا بدون مستثنیٰ مفرغ اور ظرف اور شبہ ظرف کے قلیل ہے تو جب ذکر کرنا خبر کا قلیل ہو تو اس سے ثابت ہوا کہ۔

اکثر خبر حذف کی جاتی ہے۔ تو اس سے ہم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے تو ہم اس میں کلام

قوله: وَمَنْ يَدْعِي الْجَعَاذَ الْهَمْ

یعنی اور جس کو جواز کا دعویٰ ہو تو جہانیت کے فساد کے اقوال سے کوئی قول دکھلائے کہ نہ ظرف ہواؤ نہ شبہ ظرف ہو اور اس میں موجود یا ممکن کا لفظ مقدر ہو۔ عرب میں مثل مشہور ہے لَا هَمَّ إِلَّا هَمُّ الدِّينِ وَلَا فَحْشَ إِلَّا فَحْشُ الْعَيْنِ۔ یعنی نہیں ہے کوئی رنج سوا رنج دین کے اور نہیں ہے کوئی درد سوا درد آنکھ کے تو مقدر

یعنی اس واسطے کہ اگر یہ صحیح کہا جائے کہ کلمہ لا کا دلالت کرتا ہے منہی پر الخ تقریر متذکرہ بالا سے معلوم ہوا کہ مدلول التزامی اکثر صراحتہ عرب کے کلام میں مذکور ہوتا ہے اور صرف دلالت التزامی پر اکتفا نہیں کیا جاتا ہے۔ تو اس کا ذکر لغو نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے ذکر سے تصریح ہوگی اس امر کی التزاماً معلوم ہوا۔ خصوصاً جب اس کے ذکر سے مقصود ہو کہ نفی میں جو احتمالات ہیں ان میں سے کوئی ایک احتمال متعین ہو جائے اور اس مقام میں ایسا ہی ہے۔ اس واسطے کہ نفی متعلق ہوتی ہے ذات کے ساتھ ان لوگوں کے نزدیک کہ قائل ہیں جعل بیط کے۔ تو کلمہ لا کا کہ نفی جنس کے لئے ہے۔ مبہم ہوا اس واسطے کہ اس میں احتمال ہے کہ نفی ذات کے لئے ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے ذریعے نفی وجود کا کیا گیا ہو ذات سے تو جب فعل عام مقدر کیا جائے گا۔ تو یہ متعین ہو جائے گا کہ اس کے ذریعے سے نفی وجود کا یا نفی شبہ وجود کا کیا گیا ہے ذات سے۔ اور کبھی اس غرض سے فعل عام ذکر کیا جاتا ہے کہ تا عام فعل معلوم ہو جیسے یہی غرض اکثر ماکول کے کہنے سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ یا یہ غرض ہوتی ہے کہ خاص فعل مخاطب پر محض ہے۔ اور حاصل کلام یہ کہ یہ دلیل اگر کافی ہو، ثابت کرنے کے لئے کہ فعل عام کا مقدر کرنا لغو ہے تو اس سے لازم آئے گا۔ کہ مفعول مطلق کا ذکر کرنا بعد ذکر کرنے فعل کے محض لغو ہے۔ جیسے ضربت ضرباً اور اس طرح کا اور کلام ہے اور حالانکہ ایسا کلام فصحاء کے کلام میں واقع ہے۔ بلکہ ایسا کلام فصحاء کا خالق کے کلام میں بھی واقع ہے۔

قوله: لَا خَيْرَ خَيْرَانِ خَيْرُكَ وَخَيْرُ غَيْرِكَ الْآخِرُ

یعنی نہیں خیر ہے دو خیر، خیر تیرا اور خیر غیر کا مگر خیر تیرا ظاہر ہے۔ کہ یہ قول الاخیر اس وقت مجموعہ حمد کا ہوگا یعنی مجموعہ اسم اور خبر کا ہوگا تو اس کے معنی یہ ہونے کہ نہیں ہونے خیر کہ دو خیر ہو۔ خیر تیرا اور خیر غیر کا مگر خیر تیرا یعنی تیرا خیر دو خیر ہے تیرا خیر اور غیر کا خیر اس واسطے کہ ظاہر ہے کہ حرف استثناء کے قبل حکم یہ ہے کہ تعدد خیر کی نفی ہے تو مستثنیٰ اس کے خلاف حکم ہوگا۔ یعنی اس میں یہ حکم ہوگا کہ تعدد خیر کا ثابت ہے اور یہ معنی عجیب ہیں۔ اس کا فاسد ہونا ظاہر ہے اور اس صورت میں معنی الاطیر کے یہ ہوں گے کہ تیرا طیر دو طیر ہیں تیرا طیر ہے اور غیر کا طیر ہے اور ایسا ہی یہ جو قول ہے۔ لَا تَخْشَى رَجُلَانِ عَلَى وَغَيْرِكَ الْآخِرُ۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت علی رضی عنہ دو رجل ہیں حضرت علی رضی عنہ اور ایک دوسرا شخص کہ آپ کے سوا ہے۔ اور ایسا ہی اس مثال کے معنی بھی کہے جائیں گے۔ جو اس مثال کے بعد ہے۔ ذو الفقار ووسیع ہیں۔ ایک فلفلہ کریں۔ ہے اور دوسری سیف اس کے سوا ہے اور یہ معنی اس کے نزدیک ہوں گے جو اس امر کا قائل ہے کہ

جو حکم مستثنیٰ منہ میں ہوتا ہے اس کے خلاف حکم مستثنیٰ میں ہوتا ہے۔

اور یہی مذہب راجح ہے۔ لیکن جو اس امر کا قائل ہے کہ مستثنیٰ میں کچھ حکم نہیں ہوتا ہے تو اس کے

مقام میں لاغیر بالہ ہوتا۔ یعنی نہیں ہے کوئی دوسرا کہ مستحق ہو معبود ہونے کا یا اس طرح کی کسی دوسری صفت کے قابل ہو۔ لا الہ الا اللہ کے بدلے میں لاغیر بالہ اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ جب لاغیر بالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ معبود برحق اللہ ہے۔ جیسے یہ امر اللہ لا الہ الا اللہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ لا الہ الا اللہ سے ثابت ہوتا ہے کہ معبود برحق اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا معبود برحق نہیں۔ بخلاف اس قول کے کہ لاغیر بالہ ہے۔ اس واسطے کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جو چیزیں ہیں منجملہ ان کے کوئی معبود برحق نہیں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ معبود برحق ہے اور حال آنکہ مقصود اصلی یہی ہے۔ تو لا الہ الا اللہ کے بدلے میں لاغیر بالہ اس طرح ہو سکتا ہے۔

قوله: قَدْ رَدَّ مَا لَكُمْ مِنْ غَيْرِ الْهَيْئَةِ الْغ

یعنی اور ایسا ہی وارد ہوتا ہے مَا لَكُمْ مِنْ غَيْرِ الْهَيْئَةِ الْغ بدلے میں مَا لَكُمْ مِنْ غَيْرِ الْهَيْئَةِ الْغ کے قائل کہ اس کلام میں خلل ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ اول وجہ یہ ہے کہ کلمہ مِنْ استغراقیہ کا صرف نکرہ پر نفی میں زیادہ کیا جاتا ہے تاکہ اس استغراق کی تائید ہو کہ نکرہ سے مفہوم ہوتا ہے اور غیرہ میں غیر کا لفظ معرّفہ ہے اس واسطے کہ ضمیر کی طرف مضاف ہے تو جائز نہیں کہ اس پر مِنْ کا کلمہ زیادہ کیا جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تاکید ہو جائے۔ جب کوئی پیغمبر کہے یَا قَوْمِ مَا لَكُمْ مِنَ الْهَيْئَةِ یعنی اے میری قوم کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے تو ایسے مقام میں مناسب ہے۔ پہلے غیر کے معبود برحق ہونے کی نفی کی جائے۔ اور پھر ثابت کیا جائے کہ معبود برحق ہونا منحصر ہے ذات میں حق تعالیٰ کے یعنی صرف اسی کی ذات معبود برحق ہے اور اگر یہ کہا جائے مَا لَكُمْ مِنَ الْهَيْئَةِ الْغ تو یہ معلوم ہوتا کہ اس کلام سے مقصود بالذات یہ ہے کہ صرف حق تعالیٰ اس امر کے لئے مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ اور اگرچہ کمال دونوں صورتوں کا ایک ہے لیکن رعایت سیاق کلام کی بلفظ کے نزدیک لازم ہے۔

قوله: وَهَيْئَةُ الْغَيْرِ نَفِيَّ الْإِلَهِيَّةِ الْكَثِيرَةِ

یعنی اور اس میں نفی غیریت کی ہے الہیہ کثیرہ سے۔ لفظ غیر کا حدیث میں واقع ہے بعد لا الہ اور غیر کی خبر مقدر ہے اور غیر یہ ہے۔ مستحق للعبادة تو تقدیر عبارت کی یہ ہوئی لَا إِلَهَ غَيْرُكَ مستحق للعبادة اور غرض اس کلام سے یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا مستحق نہیں۔ کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اگر کہا جائے کہ لفظ غیر کا استثناء کے لئے ہے تو یہ ترکیب مثل اس ترکیب کے ہوگی کہ عرب کے قول میں ہے کہ وہ اوپر مذکور ہو ہے اور وہ قول یہ ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُمُ الْذِينَ یعنی کوئی سوا ان کے نہیں سوا ان کے اور اس سے مراد کمال کی نفی ہے۔ یعنی جس قدر دین کا رنج کمال ہوتا ہے۔ یعنی اس سے نہایت رنج ہوتا ہے ایسا کوئی دوسرا رنج نہیں

قوله: وَدَوَّجُهُ التَّكْذِيبُ أَنَّ الْآيَةَ الْمَذْكُورَةَ الْغ

اس مثل میں لفظ موجود کا ہے اور وجود کی نفی سے مراد کمال کی نفی ہے تو عرب وغیرہ کے کلام میں یہ امر متداول طور پر پایا گیا۔ تو اگر یہ قائل یعنی معترض کہے کہ ہم موجود لفظ کا مقدر نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ کمال کا لفظ اس معنی کا کوئی دوسرا لفظ مقدر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ۔

جائز نہیں کہ فعل خاص بلا قرینہ مقدر کیا جائے۔

اور باوجود اس کے یہ نفس لازم آئے گا کہ مبالغہ کر ایسے کلام میں مقصود ہوتا ہے حاصل نہ ہوگا سوا کے کہ موجود یا اس معنی کا کوئی دوسرا لفظ مقدر کیا جائے اور افعال خاصہ کے مقدر کرنے سے مبالغہ حاصل نہ ہو

قوله: فَهَوَّجْتَ زَلَاةً مِنَ الْقَرِينَةِ عَلَيْهِ

یعنی تو یہ مجاز ہے اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔ قرینہ اس مقام میں یہ ہے کہ اس سے یعنی لا الہ الا اللہ سے مقصود یہ ہے کہ معبود برحق کی توحید کا اعتقاد ثابت ہو۔ اور کسی دوسرے امر کا اعتقاد ثابت ہو اس سے مقصود نہیں۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معبود برحق کی توحید نہ ہونے کے بارے میں صرف اس پر اکتفا فرماتے تھے کہ اس کلمہ کا کوئی شخص اقرار کرے اور کسی دوسرے امر کے بارے میں توحید ثابت ہونے کی غرض سے اس کا اعتقاد دریافت نہ فرماتے تھے۔ اور اللہ کے لئے مستحق اور مؤثر اور معبود برحق اگرچہ باجمت بار لفت کے معنی مجازی ہیں۔ لیکن یہ معنی شروع میں اس کلمہ کی حقیقت اصطلاحیہ ہے۔ جیسے صلوٰۃ اور صوم اور زکوٰۃ اور نکاح اور طلاق وغیرہ کا لفظ ہے۔

قوله: يَكْذِبُهُ صَرَاحَةً لَا إِلَهَ غَيْرُكَ

یعنی ایسا ہے اگر یہ کہا جائے کہ الہے مراد مستحق ہے یا اس کے مانند کوئی دوسرا امر ہے تو اس تردید اس قول سے ہوتی ہے۔ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ اس تردید کا وہم اس وقت ہوتا ہے جب لفظ الا کا لَا إِلَهَ غَيْرُكَ میں ہے، مطلق ہو۔ لیکن جب وہ مقید ہو کسی وصف یا کسی حال کے ساتھ، جیسا کہ اس قول میں ہے۔ لَا إِلَهَ حَقًّا غَيْرُكَ تو ہرگز اس تردید کا وہم نہ ہوگا۔ اور وصف کے مقدر ہونے کے لئے قرینہ آیات ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے۔ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ یعنی کفار پرستش کرتے ہیں وہ کی کہ وہ اللہ نہیں ہے۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ یعنی نہ سجدو آفتاب اور مہتاب کو۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ یعنی بتیں کہ جن لوگوں نے گوسالہ کو اختیار کیا اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے اجْعَلْ لَنَا الْفُتَاكَ كَمَا لَهَا اَيْهَةً یعنی بنی اسرائیل نے کہا۔ کہ اے موسیٰ قرار دیجیے ہمارے لئے معبود جیسے ان کے لئے یعنی کفار کے لئے معبود ہیں اور اس طرح کا اور بھی قول ہے۔

قوله: تَوَدَّ يَدُلُّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا غَيْرَ بِالْه

یعنی اور ایسا ہی اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مراد ہوتی کہ الہ نکرہ ہے۔ اس کے معنی مستحق ہیں تو لا الہ الا اللہ کے

یعنی اور وجہ کذب کی یعنی وجہ تردید کی یہ ہے کہ آیت مذکورہ دلیل ہے۔ لا الہ الا اللہ کی۔ سخن آیت مذکورہ یعنی
 كَانَ فِيْهِمَا الْاِلٰهَ الْاِلٰهَ لَفَسَدًا دلیل ہے اس آیت کی کہ آیت مذکورہ کے قبل بلا فصل واقع ہے۔ اَمْ لَكُمْ
 الْاِلٰهَةُ مِنَ الْاَرْضِ هُوَ مَبْشُرُونَ یعنی کیا مقرر کئے ہیں انہوں نے یعنی کفار نے معبود زمین سے کہ وہ مردوں کو زندہ
 ہوں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کا نہ اس کے قبل مذکور ہے اور نہ اس کے بعد اس کا کلمہ کا ذکر ہے۔ تو قائل نے یعنی محض نے جو
 مذکورہ کو دلیل اس کلمہ کی قرار دی ہے تو اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ اس نے سیاق اور سباق کلام میں غور نہ کیا۔ تو مقصود اس
 سے یہ ہے ان لوگوں کا گمان باطل ہو جائے کہ وہ قائل ہیں اس امر کے کہ آسمان اور زمین میں چند مدبر یعنی تدبیر کرنے والے ہیں
 واسطے کہ جب ایک شہر میں چند رئیس ہوتے ہیں تو معمول ہے کہ ضرور وہاں فساد ہوتا ہے۔ البتہ اس صورت میں فساد
 ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کا تابع ہو۔ اور اس صورت میں وہ لوگ مستقل طور پر رئیس نہ ہوں گے اور اس بنا پر ان کا یہ
 بھی چند کوشش قرار پایا۔ اس واسطے کہ قائل کے باقی کلام کی بھی بنا دہی پر ہے کہ یہ آیت کلمہ لا الہ الا اللہ پر دلالت کرتی ہے
 حالانکہ فی الواقع یہ صحیح نہیں اور معنی تدبیر اور تصرف کے مستفاد ہوتے ہیں۔ فی کے لفظ سے کہ آیت مذکورہ میں سے اس
 کلفت کی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے کہ مثلاً جب کہتے ہیں لیس فی البلاد۔ یعنی شہر میں امیر نہیں یا کہتے
 خلائی حکمران فی بلدہ کذا یعنی فلاں شخص حاکم ہے فلاں شہر میں تو ایسے مقام میں فی کے لفظ سے معنی تدبیر اور تصرف
 کے مفہوم ہوتے ہیں۔

قوله: وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ مَعْنَى مَعَايِدِ الْاِلٰهَةِ الْمُتَكِنَةِ الْمَوْجُودَةِ الْغ
 یعنی اور مقصود اس سے نفی منافرت آہم ممکنہ موجودہ کی ہے اس قول میں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مقصود ہو تو
 دلیل پر نقص وارد ہوگا۔ اس واسطے کہ فساد عین ہونے کی صورت میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ تقابل۔
 امر اور ملوک کے مشاہدہ ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ قائل کے گہر
 یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے منافرت نہیں بلکہ قائل کے نزدیک یہ لوگ عین اللہ تعالیٰ ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ تو
 فساد کی وجہ یہ ہے؟ اور اگر عین ہونا مخصوص ہو صرف اصنام کے بارے میں اور اصنام کے سوا کسی دوز
 میں مثلاً جن اور انس وغیرہ کے بارے میں یہ حکم نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

الانکرہ سے مراد مستحق عبادت یا معبود برحق

یا واجب ایجابے تو اس پر کوئی ذمہ نہیں آتا۔

قوله: لَوْ جِئَ الْاِلٰهَةُ الْمُتَكِنَةُ الْمَعْبُودَةُ
 یعنی بسبب پائے جانے الہ کے کہ ممکن ہیں اور ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس قول سے ندول

میں کچھ نقص لازم آتا ہے اور نہ مدلول میں کچھ خدشہ ہوتا ہے۔ جب الہ سے انکرہ ہے مراد وہ ہو کہ مستحق
 عبادت کا ہے یا اس سے مراد معبود برحق ہو یا واجب ہو۔ اس واسطے کہ یہ الہ متعدد کہ ممکن ہیں۔ فی الواقع
 یہ نہ واجب ہیں اور نہ مستحق عبادت کے ہیں اور نہ معبود برحق ہیں۔ تو اس صورت میں مطلوب اور اس
 کی دلیل میں کذب کس طرح لازم آئے گا۔

قوله: لَعَدَمِ التَّمَانَعِ بَيْنَ الْمُتَكِنِ وَالْوَجَابِ

یعنی اس واسطے کہ ممکن اور واجب تعالیٰ میں تمناع نہیں۔ اس قول میں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ تمناع
 تمناع کا ان لوگوں کے نزدیک ثابت ہے جو اس کے قائل ہیں کہ مؤثر ہونا اور مدبر ہونا منحصر ہے ذات میں باری
 تعالیٰ کے، لیکن جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ چند مدبر اور مؤثر ہیں۔ خواہ واجب ہو وہی خواہ ممکن ہوں تو ان
 کے نزدیک تمناع کا انتفاء ثابت نہ ہوگا۔ اور مقصود ان لوگوں کو الزام دینا ہے جو انحصار کی نفی کرتے ہیں اور
 ان لوگوں کو الزام دینا مقصود نہیں جو انحصار کے معتقد ہیں تو ان قیود کا لغو ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

قوله: يَكْفِي عَلَى الشَّادِثِ دَلِيلُ السَّادِثِ

یعنی بصورت تاویل مذکور کے صرف اس قدر کافی ہے کہ لو کان معہ الہ لَفَسَدًا تاویل
 اس کے لئے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی میں قیود مذکورہ کے ہونے کا قائل نہیں بلکہ اور سب سے
 قیود مذکورہ کی نفی کرتا ہے لیکن مشرکین اس امر کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور سب سے قیود
 مذکورہ کی نفی ثابت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی تاثیر اور تدبیر کے قائل ہیں خصوصاً جو کفار
 یزدان اور اہل من کے قائل ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے خلق اور لفظ تدبیر کے بھی قائل
 ہیں۔

قوله: لَوْ كَانَ مَعَهُ الْاِلٰهَ لَفَسَدًا

یعنی اگر ہوتا ساتھ اللہ تعالیٰ کے دوسرے خدا تو آسمان اور زمین میں فساد لازم آتا۔ ہم تسلیم کرتے
 ہیں کہ اس سے شرک کی نفی ہو جاتی ہے لیکن اس کے نزدیک شرک کی نفی ہوتی ہے کہ وہ قائل ہو اس کا
 کائنات کے ساتھ ایک دوسرا خدا ہے جیسے وہ لوگ ہیں کہ یزدان اور اہل من کے قائل ہیں۔ اور لیکن تحقیق یہ ہے
 کہ مفرد اور جمع اس مقام میں دونوں برابر ہیں۔ اس واسطے کہ الہ کا لفظ نکرہ ہے اور نکرہ عام ہوتا ہے تو اس
 کی نفی سے مفرد اور جمع دونوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ لیکن اکثر اہل شرک اس امر کے قائل ہیں کہ الہ متعدد ہیں۔
 اور سب مدبر اور مؤثر ہیں۔ آسمان اور عناصر میں تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حمد کا لفظ ارشاد فرمایا تاکہ ان
 کا مذہب صراحتہ باطل ہو جائے اور جب جمع کے بعد ان کی دلیل قائم ہوئی تو انہی قائل اس امر کے لئے
 کافی ہے کہ وہی دلیل مفرد میں بھی جاری کی جائے۔ تَعَدُّ الْكُتَابِ وَاللَّهِ اَعْلَمُ بِالشَّوَابِ

الحمد للہ کہ یہ کتاب یعنی سرور عزیزی ترجمہ فتاویٰ عزیزی عزم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو حق تعالیٰ کی

توفیق سے انجام کو پہنچی، اور یہ ترجمہ فقیر محمد عبد الواجد نولوی غارم پوری مولفہ ستغفۃ اللاتقیاء فی فضائل سید الانبیاء نے لکھا ہے اور یہ ترجمہ حسب ارشاد ہمہ فیض سدا پاک جناب فیض مآب مولوی حاجی محمد سعید صاحب کان پوری عم فیضہ کے لکھا گیا ہے اور اس کا حق تالیف بھی بحق حاجی صاحب موصوف بذریعہ جبرٹری محفوظ ہے امید ہے کہ جو صاحب یہ کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ مترجم اور جناب ممدوح کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں اور اللہ جل شانہ یہ کتاب قبول فرمائے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ هُوَ حَسْبِيَ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ وَرَدِّيَاتِهِ أَجْمَعِينَ ه وَاجُودَ عَوَانَا
أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

احادیث مبارکہ

جامع صحیح بخاری میں کل کتنی حدیثیں ہیں اور کس کس

بیان میں ان کی تعداد کیا ہے؟

سوال : جامع صحیح بخاری میں کل کتنی حدیثیں ہیں اور کس کس بیان میں، ان کی تعداد کیا ہے؟
جواب : تعداد حدیث جامع صحیح بخاری۔ ابو محمد حمودی نے کہا ہے کہ حدیث جامع صحیح بخاری میں حسب تفصیل ذیل ہے :-

بدنہ دمی، پانچ حدیث۔ ایمان، پچاس احادیث۔ علم، پچھتر احادیث۔ وضو، ایک سو نو احادیث
غسل جنابت، تینتالیس احادیث۔ حیض، سات احادیث، تیمم، پندرہ احادیث۔ فرض نماز۔ دو احادیث
نماز کے متعلق کپڑے کا حکم، اثنالیس احادیث۔ قبلہ، تیرہ احادیث۔ مسجد، چھتر احادیث۔ سترہ نمازیں
قیس احادیث۔ اوقات نمازیں، پچھتر احادیث۔ اذان، اٹھائیس احادیث۔ فضیلت نماز اور جماعت کی، پچیس
احادیث۔ امامت، چالیس احادیث۔ اقامت صفوف، اٹھارہ احادیث۔ افتتاح نماز، بیس احادیث۔
حدیث قرآن، تیس احادیث، رکوع اور سجود اور تشہد، باون احادیث۔ قضاء نماز، سترہ احادیث۔ پرہیز کرنا
کھانے سے لہسن کے، پانچ احادیث۔ نمازیں عورت اور لڑکوں کے بائے میں احکام، پندرہ احادیث۔ نماز
جمہر، پنیسٹھ احادیث۔ صلوٰۃ الخوف، چھ احادیث۔ عیدین، چالیس احادیث۔ وتر، پندرہ احادیث
استسقاء، پنیس احادیث، کسوف، پچیس احادیث۔ حدیث سجود قرآن، چودہ احادیث۔ قصر نماز
چھتیس احادیث۔ استنارہ، آٹھ احادیث۔ ترغیب قیام لیل کے بائے میں، اکتالیس احادیث۔ نوافل، سولہ
احادیث۔ نماز مسجد مکہ معظمہ میں، نو احادیث۔ عمل نمازیں، چھبیس احادیث۔ سہو، چودہ احادیث۔ بخارہ، ایک
سو چوں احادیث، وجوب رکوٰۃ، ایک سو تیرہ احادیث، صدقہ فطر، دس احادیث۔ حج، دو سو چالیس

اسمائے راویان بہ ترکیب حروف تہجی

حرف الف: جملہ روایات مرفوعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ۱۲۲ و ابی بن کعب ۱۶۴ و اغرب بن یسار مزی جہنی ۳ و اسامہ بن زید ۱۲۸ و انس بن مالک ۲۲۸۲ و ابوسعید ساعدی ۲۸ و ابوامامہ باہلی ۲۵۰۲ و ابوالیوب انصاری ۱۵۵ و ابوبردہ بن براء ۴۱ و ابوجریہ سلمیٰ ۱۳۶ و ابوبشر انصاری ۴ و ابونصر غفاری ۱۲ و ابوبکر ثقفی ۱۳۲ و ابوطالبہ خثنی ۴۰ و ابوجمید ساعدی ۲۶ و ابودرداء ۱۴۹ و ابودریہ ۲۸۱ و ابورافع ۸ و ابوسفیانہ ۱۱۷۰ و ابوشریح خزاعی ۲۰ و ابوطحہ ۲۵ و ابوعبیس عبدالرحمن بن حبیرہ ۵ و ابونعیدہ بن جراح ۱۳ و ابوقحادہ ۱۷۰ و ابومالک اشعری ۲۷ و ابومرشد خثنی ۲ و ابومسعود ۱۲ و ابوموسیٰ اشعری ۳۶۰ و ابوقادہ البستی ۵۳۷۴ و ام سلمہ ۳۷۸ و ام حبیبہ ۶۵ و ام الدرداء ۵ و ام خرام ۷ و ام خالد ۷ و ام اکھینی ۸ و ام سلیم ۱۳ و ام قیس بنت محسن ۲۳ و ام عطیہ ۴۸ و ام الفضل ۳۰ و اسماء بنت ابوبکر ۵۸ و اسماء بنت عمیس ۶۰۔

حرف الباء: براد بن عازب ۳۵۔ بریدہ بن حبیب ۱۸۷۔

حرف التاء: تیم داری ۱۸۔

حرف الثاء: ثابت بن ضحاک ۱۴ و ثوبان ۱۲۸۔

حرف جیم: جابر بن عبد اللہ ۱۵۴۰ جابر بن سمرہ ۱۲۶ و جبیر بن مطعم ۶۰ و جریر بن عبد اللہ ۱۰۰ و جندب بن عبد اللہ ۴۳ و جویریہ بنت حارث ۷ و جدامہ بنت وہب الاسدیہ ۲۔

حرف الحاء: حارث بن وہب ۳ اور بعض کے نزدیک ۶ حکیم خرام ۴۰ حمزہ عمر سلمیٰ ۹ حنظلہ بن ربیع ۲ حفصہ بنت عمر ۶۔

حرف الخاء: خباب بن ارت ۳۲ خولہ بنت حکیم ۱۵ خولہ بنت سمر انصاریہ ۲۔

حرف الذال والذال: اس میں کوئی راوی نہیں ہے۔

حرف الزاء: رافع بن خدیج ۲۸ ربیع بنت مسعود ۲۱۔

حرف الزاء زیرین: زید بن ارقم ۷ زید بن ثابت ۷۲ زید بن خالد ۸۱ زینب بنت جحش ۱۱ زینب بنت ابی سلمہ ۸ زینب بنت ابی معاویہ ۸۔

حرف السین: سترہ بن معبد ۱۹ سعد بن ابی وقاص ۲۷ سعید بن زید ۴۸ سفیان بن ابی زہیر ۵ سلمان

احادیث - عمرہ، بتیس احادیث - احصار، چالیس احادیث - جزاء صید، چالیس احادیث، روایات چھیاسٹھ احادیث - لیلۃ القدر، دس احادیث - قیام رمضان، چھ احادیث، اعتکاف، بیس احادیث - بیع، ایک سو اکانوے احادیث - سلم، انیس احادیث - شفعہ تین احادیث - اجارہ، چوبیس احادیث - کفالت، آٹھ احادیث، وکالت، سترہ احادیث - مزارعہ اور مترب، انیس احادیث - استقراض، ادا دیون، پچیس احادیث - اشخاص، تیرہ احادیث - ملازمت، دو احادیث - لفظ، پندرہ احادیث - مظالم اور غصب، اکتالیس احادیث - شرکت، بہتر احادیث - رہن، نو احادیث، عتق، اکتالیس احادیث - مکاتب، چھ احادیث - چہرہ، انہتر احادیث - شہادت، اٹھاون احادیث - صلح، بائیس احادیث - چوبیس احادیث - وصایا، اکتالیس احادیث - جہاد اور کسیر، دوسو پچیس احادیث - بقیہ الیضا بایس احادیث - فرض خمس، اٹھاون احادیث - جزیرہ اور مواعیت، ترسٹھ احادیث - بدو خلق، دوسو دو احادیث - اور مغازی، چار سو اٹھائیس احادیث - جزاء آخر مغازی، ایک سو اترتیس احادیث - تفسیر یا تفسیر چالیس احادیث - فضائل قرآن حکیم، ایکاسی احادیث - نکاح اور طلاق، دوسو چالیس احادیث - نفقات، بائیس احادیث - الطعمہ، ستر احادیث - حقیقہ، گیارہ احادیث - صید اور ذبايح اور اضاحی، تیس احادیث - اشربہ، پندرہ احادیث - طب، ثنائوے احادیث - مرضی، اکتالیس احادیث - لباس، ایک سو بیس احادیث - کوار دوسو چھپن احادیث - استیذان، ستر احادیث - دعوت، چھتر احادیث - دعوات، تیس احادیث - رفاق، ایک سو احادیث - حوض، سولہ احادیث - صفت جنت اور نارکی، ستاون احادیث - قدر، نو احادیث - ایمان اور نذور، اکتیس احادیث - کفارہ ایمان، پندرہ احادیث - فرائض، پینتالیس احادیث - ما تیس احادیث - محاربون، باون احادیث - دیت، چون احادیث - استتابہ مرتدین، بیس احادیث - اگرہ، تیرہ احادیث - ترک میل - تیس احادیث - تعبیر، ساٹھ احادیث - فتن، اسی احادیث - احکام احادیث - امانی، بائیس احادیث - اجازت، خبر واحد، انیس احادیث - اعتصام، چھیانوے احادیث - توحید اور عظمت اللہ تعالیٰ کی اور اس طرح کی اور امور ایک سو ستر احادیث - جملہ سات ہزار دوسو پچتر احادیث - وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَزَلًا وَاَبَدًا وَاَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَاصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

فارسی ۶۰ سلیمان بن مرد بن جون ۱۵ سلم بن اکوع ۷۷ سمرہ بن جندب ۲۳

سہل بن حنیف ۴۰ سہل بن ساعد ساعدی ۱۸۸

شداد بن اوس ۵۰ شریہ بن سويد ۲۴

صعب بن حاتمہ ۱۶ صفیہ بنت حنی ۱۰

اس میں کوئی نہیں ہے۔

عمرہ ۵۳۷ عثمان بن ۱۴۶ علی بن ۶۸۶ عابد بن عمرو مزنہ ۸ عاصم بن ربیعہ بن مالک

عبد اللہ بن عباس بن ۱۶۶۰ عبد اللہ بن جعفر بن ۲۵ عبد اللہ بن مسعود ۸۴۸

عبد اللہ بن عمر ۲۶۳۰ عبد اللہ بن عمر ۷۰ عبد اللہ بن زبیر بن ۳۳۰ عبد اللہ بن ابی ذر

عبد اللہ بن سلام ۲۵ عبد اللہ بن زید بن عاصم ۲۸ عبد اللہ بن مفضل ۴۳

عبد اللہ بن سحر ۱۷ عبد اللہ بن سحر ۱۷ عبد الرحمن بن عوف ۷۵ عبد الرحمن بن

ابی بکر ۸ عبد الرحمن بن سمرہ بن ۱۴ عباس بن عبد المطلب ۳۵ عبادة بن صامت ۱۸۱

عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب ۸ عثمان بن ابی العاص ۲۹ عدی بن

عدی بن عمرہ ۱۰ عرفجہ بن شریح ۷ عقبہ بن عامر ۵ عقبہ بن حارث ۷

بن یاسر ۱۸۰ عمرو بن عاص ۱۰۹ عمرو بن عبسہ ۳۸ عمرو بن عوف ۶۲ عمرو بن

ابی سلمہ ۱۲ عمارہ بن رویہ ۹ عوف بن مالک ۶۷ عیاض بن جمارہ ۳۰

عائشہ بن ۲۲۱۰

اسمیں کوئی حرف نہیں۔

فضالہ بن عبید ۵۰ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ فاطمہ بنت قیس بن ۳۴

قبیصہ بن حارث ۶ قتادہ بن نعمان ۷

کعب بن عجرہ ۴۷ کعب بن مالک ۸۰

اسمیں کوئی نہیں ہے۔

مالک بن معصمہ ۵ مالک بن نجہ ۲۷ مجاشع بن مسعود ۵ مروان بن حکم ۶۳

بن محزمہ ۳۰ مستور و فہری ۷ مسیب بن حزن ۷ معاذ بن جبل ۵۷ معاویہ بن

بن ابی سفیان ۱۳۳ معمر بن عبد اللہ، معیقہ بن یسار ۳۴ معجن بن یزید ۵ مغیرہ

بن شعبہ ۱۳۶ مقداد بن اسود ۴۲ مقداد بن معدی کرب ۴۷ میمونہ ۷۶

نعمان بن بشیر ۱۱۳ نواس بن سمان ۷

واثلہ بن اسقع بن ۵۶ وائل بن حجر ۷۱

حرف الثین :

حرف الصاد :

حرف الضاد :

حرف العین :

حرف الغین :

حرف الفاء :

حرف القاف :

حرف الکاف :

حرف اللام :

حرف المیم :

حرف النون :

حرف واو :

ہشام بن حکیم ۶ ہشام بن عمرو انصاری بخاری ۹

یعقوب بن امیہ ۲۸

اور صحیح بخاری میں ۷۲۷۵ سات ہزار دو سو پچتر حدیث ہے اور بعض علماء نے کہا ہے

کہ مکرر حدیث صحیح بخاری میں علیحدہ کر دینے سے چار ہزار حدیث باقی رہتی ہیں اور صحیح مسلم میں بارہ ہزار حدیث

ہیں۔ اور کتاب مشرق میں دو ہزار دو سو چھیالیس حدیث ہیں۔ یہ شرح مشارق سے نقل کیا گیا ہے اور اس کا نام

کا ندونی ہے اور وہ تصنیف سعید محمد بن مسعود کا زرونی کی ہے۔

سوال : حدیث شریف میں ہے : **مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ أَنْ لَا يَقْنِئَ بِعَيْنِ إِنْسَانٍ**

کے اسلام کی خوبی سے ہے ترک کرنا اس چیز کا کہ اس کے حق میں عیب ہو۔ مشکوٰۃ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا

ہے کہ ضمیر مرفوع ممکن کی کہ یعنی میں ہے مرفوع کی طرف راجع ہے اور ضمیر منصوب متصل ماکیطوف راجع ہے

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام سے اس کا عکس مفہوم ہوتا ہے۔

جواب : اس حدیث میں دونوں وجہ ممکن ہیں لیکن ظاہر بقا در وجہ ثانی ہے جو کہ ملا علی قاری رحمہ

اللہ نے لکھی ہے۔ البتہ اس میں جو کلام ہے۔ **عَنْ يَافِعٍ يُفَعِّدُ دِينَهُ** اور کام میں آنے کے معنی میں۔ قدیم لغت میں

مستعمل نہیں بلکہ قصد اور ارادہ اور اہتمام کے معنی میں مستعمل ہے جو شیخ عبدالحی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لغت کے اعتباراً

سے زیادہ قوی ہے اگرچہ فہم سے بعید ہے اور ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کے ترجمہ میں مجاز کے ارتکاب کی ضرورت ہے

اور یہ بھی ثابت ہے کہ عنایت اور اس کی اسناد افعال اور اقوال کی طرف قدیم زمانہ میں رائج نہ تھی۔

جواب ۲ : اس حدیث کی شرح میں جو اختلافات ہیں جو اختلافات ہے کہ شیخ عبدالحی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے

کہ ضمیر مرفوع مرفوع کی طرف راجع ہے اور ضمیر منصوب موصولہ کی طرف راجع ہے اور ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اس کے

برعکس کہا ہے تو اس اختلاف کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ لفظ یعنی کے معنی پر سحاط کیا جائے کہ اگر مشق عنایت

سے ہے کہ معنی میں قصد کے ہے تو شیخ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ بہتر ہے۔ اس واسطے کہ قصد کرنے والا شخص

ہوتا ہے۔ فعل نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر یعنی معنی میں یَفَعِّدُ کے ہے کہ مصدر میں مجاز کا اعتبار کیا گیا ہے یا مشتق

ہے معنی یعنی عنایت ہے جو متعدی ہے اور عنایت کے معنی یہاں یہ ہیں رنج اور غم میں ڈالنا اور اس ضمیر سے مراد ہم ہے تو شیخ ملا علی قاری

علیہ الرحمۃ کی توجیہ زیادہ بہتر ہے اس واسطے کہ نافع فعل ہوتا ہے۔ جو شخص کو نفع پہنچا تا ہے۔ اور اس کے

برعکس نہیں ہوتا ہے۔

یہ امر کہ باعث بار معنی کے وجہ اخیر بہتر ہے تو اس کی تین وجہیں ہیں۔ اول وجہ یہ ہے کہ ملا ہی ہم اور

نافع نہیں اور باوجود اس کے وہ مقصود ضرور ہوتا ہے تو ضرور ہوا کہ لایقصدہ میں تخصیص کی جائے یعنی نہ قصد

کے اس کا انسان اپنی منفعت کی غرض سے۔ اور نہ قصد کرے اس کا انسان بطور اہتمام کے کہ نہیں ہے مقصود یہ ہے

کہ اس طرح کے افعال ترک کئے جانا چاہیئے۔ جو افعال کہ مثلاً ایسے ہیں کہ انسان فکر کرنے کے وقت زمین پر نقطہ کا

نشان بنا ہے یا اس طرح کے اور جو افعال ہیں تو ایسے افعال کے بارہ میں یہ بھی وارد نہیں تو اگر کہا جائے کہ ضرور ہوا کہ نفع میں بھی تخصیص کی جائے اس واسطے کہ دل بہلانا اور سرور حاصل کرنا بھی نفع میں داخل ہے تو اس طرح تخصیص کی جائے کہ ملاہی کا نفع غیر مشرب ہوتا ہے اور اس کا قصد غیر متعبد نہیں ہوتا ہے بلکہ اسمیں مال ختم ہوتا ہے۔ اور اجاب کی تداویٰ ہوتی ہے اور اشغال دین ترک کئے جاتے ہیں۔ دوسری وجہ وہ ہے کہ شیخ عبدالحی نے شرح عربی میں وجہ ثانی بیان کی ہے اور سید جمال الدین نے بھی اسی طرف میلان کیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مذموم اور عبث فعل کو لایعنی کہتے ہیں اور مشکوٰۃ شریف میں لقمان حکیم سے مروی ہے۔ شَرِکَتْ مَا لَا یَعْنِیْ یعنی ترک کیا میں نے فعل عبث کو، حصن حصین میں حفظ قرآن شرط کی، عام میں وارد ہے مَا لَیْکَ مَا لَا یَعْنِیْ یعنی لے پروردگار تو مجھ پر رحم فرما کہ ہم کو فعل عبث کی تکلیف نہ دی جائے۔ تو ان دونوں مقامات میں ملا علی قاری کی توجیہ تین ہے۔ اور پہلی توجیہ ناممکن ہے۔

سوال: اِشَاعَشْرَ امِیْنًا یا اِشَاعَشْرَ خَلِیْفَۃَ کی توضیح کیا ہے۔

جواب: جاننا چاہیے کہ حدیث شریف میں ہے اِشَاعَشْرَ امِیْنًا اور بعض حدیث میں ہے اِشَاعَشْرَ خَلِیْفَۃَ تو اس سے بارہ کے عدد کے سوا اور کوئی تخصیص اور تعین ثابت نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے اس حدیث کے اخیر میں ہے کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی یہ سب ائمہ قریش سے ہوں گے۔ تو اس کی طرف سناٹا کرنے سے فاطمہ اور علویہ اور ہاشمیہ کے وارثہ سے خارج ہوں گے۔ اس سے ذہن دُور دُور چلا جاتا ہے۔ اس حال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب تحفہ نے باب اول کے حاشیہ منہبہ میں اِنَّ الَّذِیْنَ قَرَّبُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانَوْا شَیْئًا الْاٰیۃ کی آیت کے بیان میں لکھا ہے کہ حدیث متفق علیہ ہے۔ لَا یُخَالِ هٰذِهِ الدِّیْنُ قَائِمًا مَّا دَلَّعُ اِشَاعَشْرَ خَلِیْفَۃَ یعنی یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس وقت تک کہ اس امت کے ولی امر بارہ خلیفہ ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے اَمِیْنًا کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یہ سب خلیفہ یا امیر قریش سے ہوں گے۔ امامیہ اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بارہ ائمہ کی امامت ثابت ہے۔ اس استدلال میں اکثر وجوہ خلل ہے۔

اول وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا کمال ائمہ منطبق نہیں ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ولایت سے صرف ائمہ کا جہان میں وجود ہونا مراد لیا جائے اور اس کا سناٹا نہ ہو کہ امت اور دین کے امور میں امر و نہی اور حل و عقد میں ان کو کچھ دخل بھی ہو تو یہ مراد عورت اور لغت اور عقل کے خلاف ہے۔ اس مراد کی بنیاد پر حدیث کے معنی درست نہیں ہوتے ہیں کہ صرف ان کے وجود سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قائم نہ رہے۔ امامیہ کا خیال ہے کہ نفوذ باللہ من ذالک غیر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کے انتقال فرماتے ہی سب صحابہ کرام مرتد ہو گئے اور قرآن مجید میں تحریف کی اور دین کے امور کو نہایت متغیر کر دیا۔ وضو میں مسح کرنے کی جگہ پاؤں کا دھنا مروج کیا۔ نماز کی ہدایت اور شکل بالکل مسح کر دی، اور صرف اپنی رائے سے قرار دیا کہ موزہ پر مسح کرنا جائز ہے۔

خمس موقوف کر دیا اور اذان میں سحی علیٰ خید العمل کو موقوف کر دیا اور اس کی جگہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ السَّوْمِ قائم کیا۔ سنت میں تراویح بڑھا دی۔ جب امامیہ کا خیال یہ ہے کہ قرآن شریف اور نماز اور شعائر اسلام سب مبتدل اور متغیر ہو گئے تو ان کے نزدیک دین کا قیام کس طرح باقی رہا؟

اگر یہ مراد لی جائے کہ اوامر اور نواہی میں ان ائمہ کو ولایت حاصل ہوگی اور ان کا تصرف ہوگا اور شرعی امور ان کے حکم سے جاری ہوں گے جیسا کہ یہ باعتبار لغت اور عقل کے مفہوم ہوتا ہے۔ تو یہ امامیہ کے گمان کے خلاف کبھی وقوع میں نہیں آیا۔ یعنی امامیہ کے نزدیک ثابت نہیں کہ یہ بارہ ائمہ یا ان میں سے کوئی امت اور دین کے امور میں متصرف ہوئے ہوں اور ان کا امر و نہی جاری ہوا ہو۔ حالانکہ حدیث کا لفظ خصوصاً "لَا یُخَالِ" صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر ہونے والا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تو قیامت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب ان ائمہ کی ولایت منقضی ہو جائے گی تو دین کا قیام بھی منقطع ہو جائے گا تو چاہیے کہ خلفائے مذکورین قیامت کے قائم ہونے تک باقی نہ رہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوتا:۔

لَا یُخَالِ هٰذِهِ الدِّیْنُ قَائِمًا اِلٰی قِیَامِ النَّبِیَّةِ وَیَلْبِیْہُ اِلٰی ذٰلِکَ اِشَاعَشْرَ خَلِیْفَۃَ۔

یعنی ہمیشہ ہے گا یہ دین قیامت کے قائم ہونے تک اور اس امت کے ولی امر اس عرصہ میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔

امامیہ کے وہم کے موافق اخیر امام کہ صاحب زمانہ ہے۔ اگر اس کی عمر قیامت تک دراز نہ ہوگی تو فی الواقع متصور نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ کہا جائے کہ دوسرے لوگ مراد ہیں کہ جن کی بجائے کسی کی عمر اس قدر ہمیں کہ زمانہ تکلیف کا استعفا کریں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کُلُّهُمْ کے کلمہ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ امر جامع اور قدر مشترک بارہ ائمہ میں صرف قریش ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہیں ہے کہ جو ائمہ قرار دیئے گئے وہ قریش نہ تھے اگر یہی مراد ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوتا۔ کُلُّهُمْ مِنْ عَشْرَ قِیَمَ یعنی یہ سب ائمہ میری عمرت سے ہوں گے یا فرمایا ہوتا مِّنْ کُلِّہُمْ فَاَحَدٌ یعنی یہ سب ائمہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔ یا فرمایا ہوتا مِّنْ کُلِّہِ الْخَمْسِ یعنی یہ سب ائمہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے۔ یا اس طرح کا اور کوئی دوسرا کلمہ فرمایا ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ امر عام کا ذکر تعین اور امتیاز اور تخصیص کے مقام میں مناسب ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کہا جائے کہ اس بادشاہ کے قائم مقام اس کے چند اشخاص ہوں گے وہ سب بنی آدم سے ہوں گے۔ اول تو اس طرح کے کلام کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کی طرف کرنا کہ انصاف فصحاء اور ابلغ ملغاد ہیں۔ نہایت بے ادبی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کے باوجود یہ مراد عبث ہے اور پھر خیال کرنا کہ انصاف صریح ہے۔ نہایت شقاوت ہے

باغ فدک کا بیان

سوال : باغ فدک کے واقعہ میں وہی مُسَلِّمٌ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُ مِيرَاثَهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ یعنی روایت کی مسلم نے حضرت عائشہ رضی سے کہ تحقیق حضرت فاطمہ رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا اس غرض سے کہ وہ اپنی وراثت کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال متروکہ سے چاہتی تھیں اور بخاری میں ہے :-

فَغَضِبْتُ فَاطِمَةَ وَخَرَجْتُ عَنْهُ وَلَمْ أَتُكَلِّمْهُ حَتَّى مَاتَتْ
یعنی پس غصہ ہوئیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر رضہ کے یہاں سے چلی آئیں اور اپنی وفات
تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کیا اور یہ بھی بخاری میں ہے۔ مَنْ أَعْظَمَهَا أَعْظَمَنِي یعنی فرمایا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "جس نے زخمشناک کیا حضرت فاطمہ رضہ کو تو اس نے زخمشناک کیا مجھ کو" یعنی جس نے ان کو
رنجیدہ کیا اس نے مجھ کو رنجیدہ کیا۔ اور حدیث میں ہے :-

وَرَوَى مُسْلِمٌ عَنْ صُورَ أَنَّهُ قَالَ لِعَلِيٍّ تَعَبَسَ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ فَرَأَيْتُمَا يَنْفِي
أَبَا بَكْرٍ كَاذِبًا وَأَنَا وَغَاوِرًا أَوْ خَائِنًا وَقَالَ عُمَرُو اللَّهِ يَكْفُرُ أَنَّهُ لَصَادِقٌ وَبَارٌّ
وَلَا شَكَّ وَتَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ رَوَى أَبُو بَكْرٍ وَأَنَا فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى فِي بَكْرٍ
فَرَأَيْتُمَا كَاذِبًا وَأَنَا وَغَاوِرًا أَوْ خَائِنًا فَإِنَّ اللَّهَ نَعَمَ أَمَّا لَصَادِقٌ وَبَارٌّ وَرَأْسُ دَرَجَاتٍ
لِلْحَقِّ

یعنی روایت کی مسلم نے حضرت عمرؓ سے اور یہ حدیث طویل ہے۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ کہا حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہ کیا آپ دونوں صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت ابوبکرؓ دروغ گو اور گنہگار ہیں اور بے وفا اور خائن ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ سچے ہیں اور نیک ہیں اور راہ راست پر ہیں۔ پھر وفات ہوئی حضرت ابوبکرؓ کی۔ اور میں ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کا ہوں اور ولی ابوبکرؓ کا ہوں۔ پس کیا آپ دونوں صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ میں دروغ گو اور گنہگار اور بے وفا اور خائن ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور نیک ہوں اور راہ راست پر ہوں اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔

معارض النبوت میں روایت ہے :-

اور سخت بے وقوفی ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ حدیث میں خلیفہ امیر کا لفظ واقع ہے اور یہ حضرات کبھی
کے خلیفہ نہیں ہوئے۔ اگر حدیث میں امام کا لفظ ہوتا تو گنجائش تھی کہ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد حضرات
لیکن خلیفہ اور امیر کا لفظ واقع ہوا ہے اور خصوصاً ولایت کے ذکر کے ساتھ متصل ہے اور ولایت کا لفظ
اور مداخلت کا مراد ہے تو اس قتال کی گنجائش نہ رہی۔

سوال : حافظ شیرازی کے اس شعر کے کیا معنی ہیں؟

جنگ هفتاد و دو ملت همه را عذر بنه چوندیدند حقیقت ره افسانه زدند

جواب : اس شعرے اس کی شرح واضح ہے۔

ہم نقادوں کو فرقہ درہمت می پونیدے بے ماند
بہتر فرقہ تیری را میں دوڑتے ہیں اے بے مثل
سرشتہ حق بدست یک طائفہ الیت، درویشانہ
حق پر ایک گروہ ہے، وہ عارضین ہیں

گم کردہ ترا بہر طرف سے جویندہ گردا منند
حجم کو بھولے ہوئے ہر طرف ڈھونڈتے ہیں پریشان ہیں
باقی بہ تکلف سخن سے گویند، ایشا منند
اور باقی سب لوگ تکلف سے بات کہتے ہیں یہ بھولے ہوئے ہیں

اصحاب کہف کا بیان

سوال: قصہ اصحاب کہف کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج ان کو دعوت اسلام دی جس کو انہوں نے قبول کیا؟

جواب : اصحاب کہف کے بارے میں مذہب مشہور یہی ہے اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے کہ انہیں کہف زندہ ہیں اور امام مہدی کے زمانہ میں اٹھیں گے اور وہ لوگ امام مہدی کی مدد میں مشغول رہیں گے اور ان کے بعد ان لوگوں کی وفات ہوگی۔ لیکن صحیح دلیل اس کی روایات میں نہیں ملتی۔ اور تفسیر و غشور وغیرہ کتب تفاسیر میں اس بارہ میں روایات ضعیف لکھی ہیں اور نظم قرآنی میں بھی اس مضمون کی طرف اشارہ ہے اور یہ قصہ مؤثر ہے۔ یعنی غلط ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصحاب کہف کی دعوت کے لئے تین آدمی بھیجے تھے مجھ کو یاد آتا ہے کہ صاحب نزہۃ العشریہ اور دوسرے محدثین نے حکم دیا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے البتہ بعض روایات ضعیفہ میں وارد ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کہف کے مقام تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو دعوت اسلام دی اور ان لوگوں نے قبول کیا۔ پھر وہ لوگ سوئے ہیں اور اب تک سوئے ہیں۔ واللہ اعلم

باقی فقراء اور ساکین اور مسافرن کو دیتے تھے۔ یہ ترجمہ روایت مذکورہ کا ہے

تو یہ روایت جو حجاج الساکین اور دیگر کتب معتبرہ امامیہ میں ہے۔ صحیح ہے اور حدیث منہ عنہ
فقد اعضبتنی بھی صحیح ہے۔ لیکن جس کو لغت عرب سے کچھ واقفیت ہے۔ وہ جانتا ہے کہ باعتبار لغت عرب
کے اختصاف کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص چاہے کہ اپنے قول یا فعل سے کسی دوسرے کو غصہ دلائے۔ ظاہر ہے
کہ حضرت ابوبکر صدیق رحمہ کا ہرگز یہ قصد نہ تھا کہ حضرت فاطمہ رحمہ لال ہو۔ بلکہ حضرت ابوبکر نے صرف حدیث
کی کہ وہ حدیث تمام عشرہ مبشرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اور صرف وہ مسئلہ شرعی بیان کیا
جو اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ مَنْ أَغْضَبَهَا کے مصداق آپ نہ ہوئے توفَّقَ أَخْضَبَتْہی کی وہ حدیث
آپ کے حق میں متحقق نہ ہوئی۔ اس واسطے کہ إِذَا مَا الشَّرْطُ مَنَاتِ الشَّرْطُ یعنی جب شرط نہیں
جاتی تو شرط بھی نہیں پایا جاتا۔

دوسری روایت بھی صحیح مسلم میں ہے لیکن صحیح مسلم و دیگر کتب صحیحہ میں یہ قصہ اس طور پر مذکور ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس تھا اور اس سے حضرت خاتونِ رجا اور ازولہ
مطہرات کو خوراک اور پوشاک اور حوائج ضروریہ کا خرچ دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد بنی ہاشم میں جو صاحب
اقتیاج تھے ان کو دیتے تھے۔ اور جب حضرت عمر بن حلیف ہوئے تو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ
عنہما آپ کے یہاں آئے اور ان دونوں صاحبوں نے درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ
سوال کر دیجیے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رحمہ اس کے بارہ میں عمل کرتے رہے
آپ جس طرح عمل کرتے ہیں۔ اس کے موافق ہم لوگ اس ترکہ کے بارے میں عمل کریں تو اسی طرح حضرت
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں صاحبوں کو وہ ترکہ حوالہ کیا۔ اور کہا کہ اس کو آپ لوگ باہم تقسیم کر
اور وراثت اس میں جاری نہ کریں۔

پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت عباس رحمہ کو منظور ہوا کہ یہ ترکہ تقسیم کر لینا چاہیے۔ تو حضرت علی رحمہ
اس امر سے انکار فرمایا اور باہم منازعت بہت ہوئی۔ حتیٰ کہ حضرت علی رحمہ نے حضرت عباس رحمہ کو میدان
کر دیا۔ تو حضرت علی رحمہ کو حضرت عباس رحمہ اس معاملہ کے فیصلہ کی غرض سے حضرت عمر رحمہ کے پاس لے
اور نالش کی اور کہا :-

أَدْحَنِي مِنْ هَذَا الْأَشْهَادِ الْكَاذِبِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ

یعنی رہا فرمائیے مجھ کو گمراہی سے ان آٹھ، کاذب، غافل، خائن کے

یہی الفاظ اس روایت کے شروع میں صحیح مسلم میں موجود ہے۔ تو حضرت عمر رحمہ نے یہ معاملہ
تو حضرت علی رحمہ کی حمایت کی غرض سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اگرچہ خطاب دونوں صاحب
ساتھ تھا۔ مگر منظور صرف حضرت عباس رحمہ کو سنانا تھا کہ اگر حضرت علی رحمہ اس وجہ سے ظالم اور خائن

ظالم اور دروغ گو قرار پائے کہ اس معاملہ میں تقسیم سے منع کرتے ہیں کہ اس تقسیم سے اجراء وراثت کا لگانا
ہوتا ہے تو آپ کے اعتقاد میں حضرت ابوبکر بھی دروغ گو اور ظالم اور خائن اور غدار قرار پائیں گے اور خدا جانتا
ہے کہ حضرت ابوبکر صادق اور محسن اور راہِ راست پر تھے۔ اور حق کے پیرو تھے۔ ایسا ہی میں بھی آپ کے نزدیک
ظالم اور غدار اور خائن اور دروغ گو ہوں گا۔ اس واسطے کہ ہم سب لوگ یعنی حضرت ابوبکر رحمہ اور حضرت علی رحمہ
اور ہم اس امر میں شریک ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ تقسیم نہ کیا جائے اور اس میں وراثت کا حکم جاری
نہ کیا جائے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق اس میں حضرت ابوبکر کا عمل رجا۔ اور ہماری اور
حضرت علی کی بھی وہی ملے ہے اور جو حدیث کہ اس بارہ میں ہے۔ اس کو آپ سب صاحبان جانتے ہیں اور
وہی حدیث آپ صاحبوں کی ہے۔ تو وہ حدیث قابل تاویل و تحریف نہیں۔ ورنہ حضرت خاتونِ رجا رضی اللہ عنہا کی
تاویل نہ فرماتیں تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر رحمہ کا مقصود اس کلام سے صرف سننا تھا حضرت عباس رحمہ کو تھا۔ تاکہ
حضرت علی رحمہ کے حق میں نالش نہ کریں اور منازعت نہ کریں۔

چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ کل ترکہ حضرت علی رحمہ کے پاس رہا اور حضرت عباس رحمہ کا دخل اس میں نہ ہوا۔
پھر کچھ دنوں کے بعد مروان نے اپنے لئے وہ ترکہ لے لیا۔

عرب کے محاورہ میں ایسا کثرت ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کو کسی کلام میں شریک کرتے ہیں مگر فی الواقع منظور
ان میں سے کوئی ایک ہی آدمی رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں وارد ہے۔ يَمْشِدُ الْجَنَّةِ وَالْإِنْسِ الْعِيَاكُم
رَسُولُكُمْ يَمْشِدُ یعنی ملے جن اور آدمی کے گروہ کیا نہ آیا تم لوگوں کے پاس پیغمبر تم لوگوں میں سے

تو یہ خطاب جن اور انس دونوں کو ہوا۔ حالانکہ قوم جن سے کوئی رسول نہ ہوا بلکہ رسول صرف آدمیوں
میں سے ہوئے اور یہ بھی قرآن شریف میں ہے۔ يَخْرُجُ مِنْهَا الْكُفْرُ وَالْمَنَاجِدُ یعنی نکلتا ہے ان
دونوں طرح کے دریا سے موتی اور مونگا، اور حالانکہ موتی اور مونگا صرف دریا سے نکلتا ہے اور
دریا سے شیریں سے نہیں نکلتا اور تیسری روایت کہ معارج النبوت میں ہے تو اس کے بارہ میں کسی معتبر
کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے اس کے الفاظ بھی قدیم لغت کے خلاف ہیں۔ اور اگر وہ روایت صحیح بھی قرآن کی
جائے تو وہ مذہب امامیہ کے خلاف ہے۔ اس واسطے کہ اس روایت سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ
قریب نہ میراث تھا اور نہ بطور مہبہ کے تھا۔ بلکہ وہ قریہ بطور وقف کے تھا اہل سنت کا مذہب یہی ہے
کہ اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ سب وقف تھا۔ جب وقف کنندہ
کی وفات ہو جائے اور وقف کنندہ نے اپنی طرف سے اپنی اولاد یا عصبائے کسی کو متولی وقف کا
مقرر نہ کیا ہو تو اس وقف کی تولیت والی آفاق یعنی والی ملک کے متعلق ہوتی ہے۔ اس کے متعلق نہیں ہوتی
جس کے لئے وقف کیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے :-

وَأَنَّ كَانَ الْوَاقِفَ مِمَّا تَصَوَّفَتْهُ الْإِلَهِ مِنَ الْغَامِثِي فَإِنَّ الْغَامِثِي أَوْطَىٰ لِأَحَدٍ

یعنی اگر وقت کنندہ فوت ہو گیا ہو تو متولی ہونے کے لئے جس شخص کے بارے میں اس نے وصیت کی ہو وہ بہتر ہے قاضی سے۔ یعنی وہی شخص متولی ہوگا اور قاضی کو اس کے بارے میں دست اندازی کا اختیار نہ ہوگا تو اگر وقت کنندہ نے کسی شخص کے لئے وصیت نہ کی ہو تو اس وقت کی تولیت قاضی کی رائے پر موقوف ہے گی۔ یہ ترجمہ عالمگیری کی عبارت مذکورہ کلمے تو یہ روایت کہ معارج میں ہے اس سے اہل سنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور یہ روایت مذہب اہلیم کے خلاف ہے۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ اہل سنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک سب اہل بیت کے لئے وقف تھا۔ حضرت خاتون رنہ اور ازواج مطہرات اور بنی ہاشم جو لوگ صاحب اختیار تھے۔ یہ سب حضرات اس وقف سے مستفید ہونے کے مستحق تھے۔ اور اگر ان حضرات سے کچھ بچتا تو وہ حق دیگر فقراء اور مساکین کا تھا۔ چنانچہ ہر وقت میں یہی حکم ہے اور اس روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقف خاص حضرت خاتون رنہ کے لئے اور آپ کی ذریات کے لئے تھا۔ بہر حال جب ثابت ہو کہ وہ ترک وقف تھا تو اس کے متولی حضرت ابو بکر تھے۔ اس واسطے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی تھے۔

چنانچہ یہی مضمون خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَنَا وَلِي رَسُولِ اللَّهِ وَوَلِيَّيْ تَبَكِّيْ عِنِّيْ فِي دَلِ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ولی ہوں حضرت ابو بکر کا اہل بیت نبوی علیہم السلام اس وقف کے مصارف تھے۔ متولی نہ تھے۔

باع فک کا معاملہ اور اس کے حدود پر بحث کی تشریح

سوال و جواب : وصایت کہ مختلف فیہ ہے۔ اس صورت میں کہ وصایت سے مراد خلافت ہو۔ اس واسطے کہ بصورت وقوع اس امر کے تفسیق اور تخلفیہ تمام مہاجرین اور انصار کی لازم آتی ہے۔

سوال و جواب : دربار فک کہ اہل سنت کی کتابوں سے وراثت کے دعویٰ کے سوا اور کچھ صحیح طور پر ثابت نہیں اور صاحب مل و نخل نے شیعہ کی روایات کے موافق دونوں شق وراثت اور ہبہ کے بیان کی ہیں۔ اور جو اہل سنت کی بعض روایات میں جو کہ نہایت ضعیف ہیں۔ لفظ ہبہ کا دعویٰ میں واقع ہوا ہے۔ تو وہ بھی شیعہ کے اختلاط اور تلبیس کے قبیل سے ہے۔ معارج النبوت میں بھی اسی طرح کی روایات اخذ کر کے اس کا ترجمہ کیا ہوگا۔ فقط کلینی کی کافی میں مذکور ہے۔

لَمَّا قَدَّ ابُو الْحَسَنِ مَوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْمَهْدَى سَلَّمَ يَوْمَ الْمَطْلَعِ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا بَالُ مَطْلَعَتِنَا لَا تَرُدُّ فَقَالَ لَهُ وَمَا ذَاكَ يَا أبا الْحَسَنِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تَمَاضَعَ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ وَمَا ذَاكَ هَالِكًا يُوجِبُ عَلَيْهِ إِجْرًا وَيَكُتَابُ فَاَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآتَى الْقُرْبَى حَقَّهُ فَعَلِمَ يَدْرُسُهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمْ فَجَاعِعَ فِي ذَلِكَ جَبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَاجِعَ رَبِّهِ فَأَدْعَى اللَّهُ أَنْ أَدْعِيَ فِي ذَلِكَ الْفَاطِمَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا فَااطِمَةُ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَدْعِيَ إِلَيْكَ فَذَكَرَ فَقَالَتْ قَبِلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ اللَّهِ وَمِنْكَ فَلَمْ يَنْزِلْ وَكَانَ مَا فِيهَا حَيَوَةً رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا وَلِيَ أَبُو بَكْرٍ أَخْرَجَ عَنْهَا وَكَانَ مَا فِيهَا فَاسَلَّمَ أَنْ يَرُدَّ مَا عَلَيْهَا فَقَالَ لَهَا اشْتَرِي بِأَسْوَدَ وَأَحْمَرَ يَتَقَدَّرُ لَكَ بِخَارِطَ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَادْعِ أَمِيرَ فَشَهِدَ الْهَافِئَةُ لَهَا بِرَأْسِهَا فَجَرَّتْ وَكَانَتْ مَعَهَا فَخَلَعَهَا حَمْرًا فَقَالَ مَا هَذَا أَمْرًا يَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ قَالَتْ كِتَابُكَ كَتَبْتَنِي لِي ابْنُ أَبِي قَحَّافَةَ قَالَ أَرَيْتَنِيهِ فَأَبَتْ فَاسْتَرْعَاهُ مِنْ يَدِهِ مَا وَنَظَرَنِيهِ ثُمَّ تَقَلَّ بِرَأْسِهِ وَخَرَّعَهُ وَقَالَ لَهَا هَذَا لَكَ يُوجِبُ عَلَيْهِ أَبُولُكَ بِحِيلٍ وَلَا يَكُتَابُ فَصَنَعَ الْحَبَالُ فِي رِجَالِهَا فَقَالَ لَهُ الْمَهْدِيُّ حَتَّى هَالَى فَقَالَ هَذَا مِنْ قَابِجِلٍ أَحْمَرُهُمَا سَيِّئُ الْجَدِّ وَحَدَّثَ مِنْهَا دَوْمَةُ الْجَنْدَلُ هِيَ حِصْنٌ عَلَى نَجْمَةِ حَشْرِيَّةٍ مِنَ الدِّيْنَةِ وَحَدَّثَ مِنْهَا عَزِيدُ مِصْرَ فَقَالَ لَهُ كُلُّ هَذَا أَقَالَ نَعْمَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا كُلُّهُ مِمَّا لَكَ يُوجِبُ أَهْلُهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِيلٍ وَلَا يَكُتَابُ فَقَالَ كَثِيرٌ مِنَ النَّظَرِ فِيهِ -

یعنی جب ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام مہدی کے پاس وارد ہوئے اور ان کو دیکھی کہ لوگوں کا مظالم واپس کرتے ہیں یعنی جس کا مال ظلم سے کسی نے لے لیا ہے وہ اس کو واپس دے دیتے ہیں تو ابو الحسن نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ہم لوگوں کی چیز جو ظلم سے لے لی گئی ہے۔ اس کا حال کیا ہے کہ وہ ہم لوگوں کو واپس نہیں دے دیتے۔ تو مہدی نے کہا کہ اے ابو الحسن وہ کیا چیز ہے؟ تو ابو الحسن نے کہا کہ تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فک پر اور اس کے متصل کی زمین پر سبج دی کہ اس پر گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر حملہ نہ کیا گیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ صاحب قرابت کو اس کا حق دیکھئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہوا کہ وہ لوگ کون ہیں تو یہ امر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا اور انہوں نے اپنے پروردگار سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ فک حضرت فاطمہ رنہ کو دیکھئے تو حضرت فاطمہ رنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ اور کہا کہ اے فاطمہ رنہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم فرمایا ہے کہ میں تم کو فک

دوں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے فتبول کیا جو مجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور آپ کی طرف سے ملا۔ پھر برابر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکلاء یعنی کارپرداز اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک رہے۔ پھر جب ولی یعنی متصرف حضرت ابوبکرؓ ہوئے تو اس مقام سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکلاء یعنی کارپردازوں کو نکال دیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس حشر لائیں اور کہا کہ آپ فکرم کو واپس دے دیں تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ہمارے پاس اسود اور احمر کو لے آؤ کہ وہ تمہارے موافق شہادت دیں۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر المؤمنین اور ام ایمنؓ کو لے آئیں۔ ان دونوں حضرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے موافق شہادت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے لکھ دیا کہ فکرم کے بارے میں تعزیر نہ کیا جائے گا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہر طرف لائیں۔ اور وہ نوشتہ آپ کے پاس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے صاحبزادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیا چیز تمہارے پاس ہے تو کہا ایک نوشتہ ہے یہ میرے والد ابن ابی قحافہ نے لکھ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ نوشتہ مجھ کو دکھاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے آپ کے ہاتھ سے وہ نوشتہ کھینچ لیا۔ اور اس کو دیکھا اور اس پر ہنوک دیا اور اس کو مٹا دیا اور کہا کہ دیا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس پر تمہارے والد نے گھوڑا اور اونٹ ہمراہ لے کر حملہ نہیں کیا تھا۔ حال ہم لوگوں کی گردن میں رکھتی ہو۔

ابو الحسن سے مہدی نے کہا کہ اس کی حد مجھ سے بیان کرو تو ابو الحسن نے کہا کہ اس کے ایک جانب حد جبل اشتر ہے اور دوسرے جانب کی حد کنارہ دریائے شور ہے اور تیسرے جانب کی حد دومۃ الجناد ہے اور یہ ایک قلعہ ہے کہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کی راہ کے فاصلے پر ہے اور اس کے چوتھے جانب کی حد عریش مصر ہے۔

مہدی نے ابو الحسن سے کہا کہ کیا یہ سب ہے تو ابو الحسن نے کہا کہ ہاں یا امیر المؤمنین یہ سب ہے۔ یہ سب اس چیز سے ہے کہ وہاں کے لوگ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر گھوڑا اور اونٹ ہمراہ لے کر کیا تو مہدی نے کہا کہ بہت ہے اور یہ قابل غور ہے۔

سوال : یہ حدود اربعہ فکرم کی حد ذکر ہوئی۔ ان حدود کے درمیان کی مسافت ہندوستان کے دوسو سو کی مسافت سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وکلاء یعنی کارپرداز حضرت سیدۃ النساء علیہا السلام کے زمانہ میں جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر متصرف تھے۔ اور معلوم ہے کہ ہندوستان ملک فتح نہ ہوا تھا۔ بلکہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا۔ جواب : جو حدیث کہ کلینی سے تحریر کیا کہ صحیح ہے۔ وہ بالکل دروغ اور افتراء ہے اصل قصہ کہ اہل سنت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک دن مہدی عباسی نے امام موسیٰ کاظم سے بطریق مباسطت کہا کہ جلد

کہا کہ ہم فکرم کی بابت ہے۔ آؤ فکرم ہم تم کو واپس کر دیں تو امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ فکرم اگر اس کی سب حدود کے ساتھ ہم کو دے دو، تو قبول کرتا ہوں۔ تو مہدی نے پوچھا کہ فکرم کی حد دیکھا ہے؟ تو امام موسیٰ کاظم نے کہا کہ ایک حد اس کی سمرقند ہے اور دوسری حد افریقہ ہے اور تیسری حد کنارہ دریائے شور ہے کہ عدن کی طرف سے منہائے یمن تک ہے اور عرض ان کی یہ تھی کہ ہمارا دعویٰ تمہارے ساتھ خلافت کے بارے میں ہے صرف فکرم کے بارے میں نہیں۔ یہی قصہ ان کی روایات نے اس ترتیب کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان کی جو نہایت صحیح کتابیں ہیں ان کی حالت یہ ہے۔ فقط

سوال : جس جگہ قطب صریح ہو اور آسمان گردش اسوی ہو اور رات دن سے ہر ایک چھ میلے یا کچھ کم ہو تو اس جگہ کے لئے روزہ اور نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : یہ مسئلہ بالتخصیص منجملہ کتب فقہ کے کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ علماء سابقین نے بحث جانا کہ اس مسئلہ میں بحث کی جائے۔ اس واسطے کہ یہ جگہ یعنی عرض تسعین ایسی جگہ ہے کہ وہاں جانور نہیں رہ سکتے۔ انسان کا ذکر کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں سے آفتاب کا بعد نہایت درجہ کھلے۔ اس واسطے کہ وہاں اس قدر برودت رہتی ہے کہ وہاں کوئی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔ جاندار کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی حرارت عریزیہ باقی رہے۔ وہاں غلبہ برودت سے حرارت عریزیہ باقی نہیں رہ سکتی۔ تو علماء سابقین نے جانا کہ وہاں کے بارہ میں نماز، روزہ کے حکم میں بحث کرنا عجیب ہے۔

لیکن کلام اللہ میں اس جگہ کے بارے میں حکم ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ آفتاب جب اپنی حرکت خاصہ سے بروج شمالیہ میں آتا ہے۔ یعنی برج حمل سے آخر سنبلہ تک جس قدر بروج ہیں۔ ان میں آفتاب جب تک رہتا ہے تو اس جگہ سے یعنی عرض تسعین سے رات اور دن جس قدر وقت میں پورا ہوتا ہے۔ یعنی ۲۲ چوبیس گھنٹہ میں آفتاب غروب ہوتا اور فلک الافلاک کی حرکت سے ہر روز یعنی چوبیس گھنٹہ میں ایک مدار کو قطع کرتا ہے۔ بالفرض اگر وہاں لوگ ہوں تو ان لوگوں کو چاہیے کہ ہر دن کے مدار کے دو حصہ کریں۔ ایک حصہ کو روزا اعتبار کریں اور اس میں تین نماز ادا کریں۔ یعنی فجر اور ظہر اور عصر کی نماز پڑھیں۔ اور مطابق وقت ہر نماز کے اس نصف مدار کو تقسیم کریں اور ہر نماز اس کے وقت میں ادا کریں۔ اور مدار کے دوسرے نصف کو رات اعتبار کریں۔ اس میں پہلے مغرب ادا کریں اور اس نصف مدار کے ایک ربع کے بعد جب آفتاب جائے تو اس کے بعد عشاء اور وتر کی نماز ادا کریں۔ جب تک آفتاب مدارات شمالیہ میں ہے اور اس جگہ سے نظر سے غائب نہ ہو۔ اسی طرح برابر نماز ادا کرتے رہیں۔ اور جب آفتاب بروج جنوبیہ میں داخل ہو جائے یعنی میزان سے آخر حوت تک کے بروج میں آفتاب ہے تو مدارات شمالیہ کے مانند مدارات جنوبیہ کو بھی دو حصہ کریں۔ ایک نصف کو دن اعتبار کریں اور طریق مذکورہ کے موافق نماز کر کے اس میں فجر اور ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کریں اور دوسرے نصف کو رات اعتما کریں اور اوپر کے طریقہ مذکورہ کے موافق نماز کر کے اس میں مغرب اور عشاء اور وتر کی نماز ادا کریں

قَالَ لِلْأَمْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلُ سَكَنًا قَالَتِ امْرَأَتُهُ وَانْقَضَ حُسْبَانَا.

یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے دن کی روشنی کا اور اس نے رات کو سکون اور استراحت کا وقت بنایا ہے اور آفتاب و مانتاب کو برس اور مینہ کی یادداشت کے لئے بنایا۔
آٹھویں پارہ میں اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:-

وَمِنْ تَخَنُّنِهِ جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے واسطے رات دن بنایا ہے تاکہ تم کو سکون اور استراحت
اس میں ہو اور طلب معاش کرو۔

اس کلام پاک میں لعل و نشر ہے یعنی رات کو سکون اور استراحت کے واسطے بنایا ہے اور دن کو طلب معاش کے واسطے بنایا ہے تو اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رات کا وقت فی الواقع استراحت کے لئے ہے اور دن کا وقت طلب معاش کے لئے ہے اور چلنے پھرنے کے لئے ہے اور یہ سب امر آفتاب اور مانتاب کے طلوع اور غروب پر موقوف نہیں۔ فقط۔

سوال : رنگ نور روز کے کیا معنی ہیں؟

جواب : ہر سال آفتاب کی تحویل برج حمل میں ہوتی ہے اس کو نور روز کہتے ہیں۔ منجھوں نے تشخیص کیا ہے کہ ہر چیز میں کوئی خاص رنگ ہے پھر اس کی تعیین کی ہے کہ کس چیز میں کون رنگ ہے۔ چنانچہ آدمی نباتات، حیوانات اور انواع طعام و ایام اور ساعات ان میں سے ہر ایک میں کوئی خاص رنگ تشخیص کیا ہے۔ منجھیں کہتے ہیں کہ اس کی تصدیق اس طور پر ہوتی ہے کہ جب کسی جنس کا رنگ اس قاعدہ سے ہم آہنگ نکلتا ہے کہ وہ رنگ نور روز ہے تو اسی طرح رنگ نور روز بھی مقرر کرتے ہیں اور فی نفسہ اس میں وہ رنگ نہیں۔ پھر رنگ نور روز کو صاحب ساعت اور صاحب طالع کے ساتھ ترتیب دے کر بیان کرتے ہیں۔ یہ سب رنگ ان کو اکھ میں فی الواقع حقیقی نہیں۔ بلکہ نور روز کے ساتھ نسبت کرنا اسناد مجازی ہے۔ اس اسناد میں علاقہ ظرفیت زمانی کا ہے۔

سوال : ترکوں نے بارہ سال کو جانوروں کے نام سے قرار دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اور عوام کو سواری نور روز کہتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب : ترکوں نے مناسبات خفیہ میں غور و فکر کر کے یہ سب نام مقرر کئے ہیں۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف اصطلاح ہے یا استقراء ناقص سے یہ سب نام رکھے گئے ہیں۔ مثلاً ان حیوانات کی پیدائش ان برساتوں میں زیادہ ہوتی یا لوگوں کا میلان ان حیوانات کی صفات مالوفہ کو طرف زیادہ ہوا ہو اور لوگ جو اس کو سواری نور روز کہتے ہیں تو یہ محض وہی تو ہے۔

سوال : بارہ برج کی تقسیم اجزائے سطح فلک میں ہوتی ہے اور ان برجوں کا جوام ہے وہ باعتبار

یہ چند دن گئے ہوتے ہیں : اور ظاہر ہے کہ روزہ کے شمار میں ایک مہینہ تک باعتبار عرف کے دن طے کرتے ہیں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ دو دن جوئے اور تین دن جوئے اور چار دن جوئے اور جب ایک مہینہ سے زیادہ روزہ رکھتے ہیں۔ تو پھر مہینہ کا شمار رکھتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ایک مہینہ ہوا، دو مہینے ہوئے۔ اور الاحادی مہینے ہوئے اور تین مہینے ہوئے تو معلوم ہوا کہ روزہ ایک مہینہ سے زیادہ فرض نہیں تو یہ کیوں کر کر لیا جائے۔ کہ وہ دن یعنی عرض تسعین میں چھ مہینے سال میں روزہ فرض ہے۔ بعض صاحبان جن کو فقہ سے مناسبت ہے ان کو ایک دوسرا شبہ ہوتا ہے کہ کتاب اصول میں لکھا ہے کہ:-

وجوب کا سبب نماز روزہ میں وقت ہے تو عرض تسعین میں جس وقت نماز کا وقت نہیں ہوتا اس وقت وہ نماز کیوں واجب ہوگی۔ یعنی طلوع فجر اور زوال آفتاب اور غروب آفتاب وہ دن ہر روز ہوتا تو وجوب کس طرح ثابت ہوگا۔ اس واسطے کہ سبب بدول سبب کے متحقق نہیں ہوتا اور وہ لوگ کہ وجوب کا سبب کہتے ہیں تو اس سے مراد علامت ہے اور اصلی سبب وجوب کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے لئے بھی سبب ہوتا ہے اس کے سبب احکام میں حکمت ہے تو نماز کے وجوب کا سبب فی الواقع یہی ہے کہ خالق کا ذکر و فکر رہے اور خالق سے غفلت نہ ہو اور روزہ کی فرضیت کا فی الواقع یہی ہے کہ ایک مدت دراز تک ترک مالوفات کیا جائے کہ نفس ہو اور یہ سبب سبب انسان کے جس جگہ ہوں لازم ہے تو موافق اصول آسانی شرع کے وہ دن یعنی عرض تسعین میں یہ حکم ہو سکتا ہے کہ نماز روزہ دوسرے طور پر ادا کریں۔

وہ طور یہ ہے کہ وہ دن چھ مہینہ کا دن ہوتا ہے اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے اور عادتاً محال ہے کہ چھ مہینے بیدار رہے اور کاروبار میں مشغول رہے۔ ایسا ہی یہ بھی محال ہے کہ چھ مہینے برابر سویا رہے اور جس وجہ سے تو ضرور ہے کہ چھ مہینے کی مدت میں خواہ وہ دن چھ مہینے دن ہو یا رات ہو۔ یہ مقرر کر کے کہ کس وقت آرام کریں اور سوویں اور کس وقت کسب اور طلب معاش کریں۔ تو بعض اوقات کو اس کے لئے مقرر کریں۔ تو جو وہ وقت وہ لوگ کسب اور طلب معاش کے لئے مقرر کریں۔ وہی وقت ان کے حق میں من قرار دینا چاہیے اور یہ حکم دینا چاہیے کہ اس وقت میں وہ لوگ دن کی نماز ادا کریں اور جو وقت وہ لوگ استراحت اور خواب کے واسطے مقرر کریں۔ وہی وقت ان کے حق میں رات قرار دینا چاہیے اور ان لوگوں کو حکم دینا چاہیے کہ وہ لوگ اس وقت نماز کی نماز ادا کریں۔ اور یہ کہ ایک نماز دوسری نماز کے کس دیر کے بعد ادا کی جائے تو اس کا اندازہ نماز کے معمولی اوقات کے موافق کر لیں۔ اور اسی طریق سے روزہ کا حکم بھی ان کے حق میں نہایت آسان ہوگا اور اصول فقہ کے موافق ہوگا اور عند الضرورت شرع میں بعض اوقات کے بارے میں عرف و عادات کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی اشارہ اس مطلب کی اصلیت طرف موجود ہے۔ چنانچہ ساتویں پارہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اجزاء و سطح فلک کے ہے یا تقسیم اور تسمیہ باعتبار ان کو اکب کے ہے کہ ان کی حیثیت اجتماع سے وہ محدود ہوتی ہے جو ان اسماء کے مستیات کی صورت ہے۔

جواب : اہل یونان کے نزدیک بروج کے جو نام ہیں۔ وہ فی الواقع اجزاء فلک کے نام رک منظر البروج کا ہر ربع کو مابین اعتدال اور انقلاب کے ہے۔ اس کے تین تین حصے کئے ہیں اور ہر حصہ کو ایک قرار دیا ہے اس کا کوئی خاص نام رکھا ہے۔ ان بروج کے نزدیک جو ستارے ہیں۔ ان کی حیثیت اجتماع جس چیز کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً بعض بروج کی صورت شیر کے مانند ہے کہ اس کو برج اسد کہتے اور بعض برج کی صورت بھوکے مانند ہے اس کو عقرب کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر برج کی کوئی خاص معلوم ہوتی ہے۔ تو انہیں کو اکب کے اعتبار سے منجھین سادات اور نحوست قرار دیتے ہیں۔

سابقہ منجھین نے یہ سب نام اس خیال سے رکھے کہ یہ صورت متغیر نہ ہوگی۔ اور متاخرین نے مقصد متابعت کی۔ اہل ہند بروج کو اس کہتے ہیں اور دو طرح سے اعتبار کرتے ہیں۔ ایک ضبط اہم فصول و سایہ میں باعتبار نقاط کے اور دوسرا ضبط خطوط و احکام سادات و نحوست میں باعتبار صورت کے۔ اور اول کو حساب سائن کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو حساب برین کہتے اور یہ تفریق حساب فلک کے اور اختلاف فلک ثامن کے زیادہ مناسب ہے۔ جو اہل ہند موافق اہل فرنگ کے وجود فلک کا اعتنا رکھتے۔ بلکہ غلامان کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں کے نزدیک بسیط اور ماؤی ہونے کا کیا ذکر ہے۔

سوال : آسمان کی حقیقت کیا ہے ؟ (از سوالات قاضی)

جواب : آسمان کے سات طبقے جدا جدا ہیں۔ ایک آسمان میں ماہتاب ہے اور دوسرا عطارد ہے اور تیسرے میں زہرہ ہے اور چوتھے میں آفتاب ہے اور پانچویں میں مریخ ہے اور چھٹے میں ہے اور ساتویں میں زحل ہے۔ اور زمین کا حال یہ ہے کہ ظاہراً قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اس کے سات حصے میں ہے۔ اور ہر حصے میں یہ نسبت دوسرے حصے کے دین اور سلطنت اور رسم و عادات اور نباتات و حیوانات میں فرق ہے گویا ہر حصہ ایک علیحدہ جہان ہے ایک ملک سیاہ کا ہے، جیسے اور زنگ اور حبش اور ایک ملک ہند ہے اور ایک ملک چین ہے اور ایک ملک ترک کا ہے اور ایک ملک فرنگیوں کا ہے اور ایک ملک عرب ہے اور ایک ملک فارس ہے۔ لیکن بعض روایات اور احادیث میں اور بنی اسرائیل کی خبروں میں ایسا وارد ہے کہ زمین کے بھی سات طبقے ہیں۔ ہر طبقہ علیحدہ علیحدہ اور درمیان میں فصل ہے اور ایک دوسرے کے نیچے ہے۔ ہر ایک زمین کے نیچے پانی ہے اور ساتویں کی انتہا میں ایک پتھر ہے کہ وہاں کفار کے اعمال جمع ہوتے ہیں اور اس کو سجین کہتے ہیں۔ اور اس کے نیچے دوزخ ہے اور ہر آسمان دوسرے آسمان کے گردا گرد ہے اور ساتوں آسمان زمین کے گردا گرد

زمین مٹی کی مانند در ہے اور آسمان ہر طرف سے اسی قدر فاصلہ زمین سے رکھتا ہے کہ جس قدر فاصلہ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ زمین پر پاؤں رکھتے ہیں تو وہ لوگ زمین کے جس طرف ہوں ان کا پاؤں زمین پر دھنکے اور ان کا سر آسمان کی طرف رہتا ہے۔ ستارہ آفتاب اور آفتاب اور ماہتاب آسمان میں گردش کرتے ہیں۔ مشرق کی طرف سے نکلتے ہیں اور مغرب کی طرف جاتے ہیں۔ پھر مغرب سے وہاں کے اعتبار سے نیچے کی طرف آسمان میں گردش کرتے ہوئے پھر افق کے پاس پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکلتے ہیں اور ہر ایک کی ایک عام حرکت ہے کہ بیان کی گئی اور ایک خاص حرکت ہے کہ ماہتاب کا دورہ ایک مہینہ میں تمام ہوتا ہے اور آفتاب کا دورہ ایک سال میں تمام ہوتا ہے اور ایسا ہی جو باقی سیارے ستارے ہیں۔ ان میں سے بھی ہر ستارے کا دورہ ایک سال میں تمام ہوتا ہے اور ان سات سیارہ ستاروں کے سوا اور جو ستارے ہیں کہ ان کو ثابت کہتے ہیں۔ ان کا ایک دورہ چھیس ہزار برس میں تمام ہوتا ہے۔ فقط

سوال : نزلہ کی حقیقت کیا ہے۔ (از سوالات قاضی)

جواب : حق تعالیٰ غافل بندوں کو آگاہ کرنے کے لئے اور زمین کو بندوں کے گناہوں سے سبک کرنے کے لئے ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ کسی قطعہ زمین کو حرکت دیں تو ملائکہ تند ہوا زمین میں داخل کرتے ہیں تو اس ہوا کی حرکت کی قوت سے زمین جنبش میں آتی ہے۔ فقط

سوال : ابر اور برق کی حقیقت کیا ہے ؟ (از سوالات قاضی)

جواب : زمین اور دریا میں آنچر اٹھتے ہیں اور آسمان کی طرف جاتے ہیں اور حق تعالیٰ اس فرشتے کو جس کا نام رعد ہے۔ حکم فرماتا ہے کہ اس آنچر کو جمع کر کے کشیف بنائے تو وہی آنچر نہایت کشیف ہو جاتے ہیں۔ تو اس کو ابر کہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ فرشتہ اس میں آسمان کا اثر پہنچاتا ہے تو اس کی قوت سے آنچر کا زیادہ حصہ پانی ہو جاتا ہے۔ پھر اس ابر کو نچوڑنے سے اس سے پانی ٹپکتا ہے اور زمین پر گرتا ہے اور اس کو چلانے کے لئے آتشیں چابک رہتا ہے کہ اس کو برق کہتے ہیں اور جو آواز کہ آسمان کی طرف سے سنائی دیتی ہے کہ بھی فرشتہ کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے اور بھی فرشتہ امر دہی اپنے تابعین کو ابر کے بارے میں کہتا ہے اور وہی آواز سنائی دیتی ہے اور بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر پاؤں مارتا ہے۔ اور اس کو حاحہ کہتے ہیں۔ فقط

سوال : دیوار قہقہ کی حقیقت کیا ہے (از سوالات قاضی)

جواب : دکن کے ملک میں ایک پہاڑ ہے کہ اس کا طول تیس چالیس کوس ہے اور شمال کی جانب سے کمان کی مانند مقوس یعنی بشکل قطعہ دائرہ کے کچ ہے اور اس پہاڑ کے متصل ایک بیابان نہایت وسیع ہے اور سابق کے لوگوں سے ایک مؤرخ کا قول ہے کہ اس بیابان کی راہ جہاں سے شروع ہوئی ہے وہاں سکندر ذوالقرنین نے ایک دیوار قائم کی ہے۔ اس کے چند سبب ہیں۔ ایک یہ کہ اس بیابان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب التصوف

(از سوالات قاضی)

گنج مخفی، مکان، قدم و حدوث، دیدار باری، شریعت،
طریقت، حقیقت، فقر قالب خالی، حقیقت جامع، نفس،
روح، سلسلہ صوفیاء، کی توضیحات، العالم قدیم فی العلم، حادث
فی العین کی تشریح

ایک دن پیر و مرشد کے حضور میں چند مقامات کی تحقیق ارشاد فرمانے کے لئے میں نے عرض کیا کہ وہ مقامات مشہور و معروف ہیں۔ ان کی حقیقت سے جیسا چاہیئے کوئی آگاہ نہیں۔ منجملہ ان مقامات کے ایک مقام یہ ہے کہ میں نے عرض کیا کہ گنج مخفی کس کو کہتے ہیں۔ حضرت نے انسان کے وجود کی طرف اشارہ فرمایا: پھر میں نے سوال کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے لئے مکان نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے لئے مکان ہے تو جناب حضرت نے اس بارے میں بھی انسان کی طرف ارشاد فرمایا۔ پھر یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

لَا يَسْعَى الْأَرْضَ وَلَا السَّمَاءَ وَلَكِنْ يَسْعَى قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ

یعنی "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے لئے گنجائش نہ زمین رکھتی ہے اور نہ آسمان۔ لیکن میرے لئے گنجائش مؤمنین کے قلوب رکھتے ہیں۔"

یعنی میری گنجائش نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں ہے۔ بلکہ میری گنجائش مؤمنین کے دلوں میں ہے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ قدیم ہے یا جدید ہے تو ارشاد فرمایا کہ جدید کہاں سے آیا اور قدیم کہاں گیا۔ وہ نہ آیا ہے اور نہ گیا ہے۔ اَلَا نَكُنَّا كَانْ یعنی اب بھی اسی طرح سے ہے جیسے پہلے تھا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ بعض کہتے

میں درندہ جانور اور موذی اور مہلک حشرات الارض کثرت سے ہیں تو اس خوف سے وہاں دیوار بنائی گئی تاکہ جانوروں وغیرہ سے انسان کو ضرر نہ پہنچے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اس بیابان میں جنات اور دیو اور پری لاکھ بہت ہے۔ ان کے ظلمات وہاں کثرت سے ہیں۔ تو یہ خوف تھا کہ مبادا وہاں انسان اس بلا میں گرفتار ہو جائے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ وہاں ایک طرح کا پتھر ہے کہ اس کو آدمؑ بکھتے ہیں۔ جیسا کہ مفسر طبرستان آہن رباعی اور مہرہ معروف کاہ رباعی تو اس پتھر میں یہ تاثیر ہے کہ وہ پتھر دیکھنے سے انسان کو نہایت سرور حاصل ہوتا ہے اور اس پر مبنی غالب ہوتی ہے اور اس قدر زیادہ سرور ہوتا ہے اور اس قدر اس پتھر کی کشش ہوتی ہے کہ وہ انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم فقط۔

ہیں کہ حق تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا۔ تو حضرت نے فرمایا :-

مَنْ كَانَ فِي هَذَا أَغْنَىٰ ذَهَبِي الْأَخِيَرَةِ أَغْنَىٰ

یعنی "جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔"

پھر میں نے سوال کیا کہ آدمی کا یہ وجود کس تخم سے پیدا ہوا ہے کہ اس میں سب مخلوقات ظاہر ہوتی ہیں فرمایا کہ یہ مقام مشکل ہے۔ بلا توجہ مرشدِ کامل اس مقام تک تو نہیں پہنچ سکتا ہے

پھر میں نے سوال کیا کہ یہ خاکی بدن کس چیز کے ذریعے سے ہوا ہے؟ فرمایا کہ بدن کے لئے محرکِ روح ہے اور روح کے لئے محرکِ نور ہے اور نور کے لئے محرکِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ عزیز میرے یہ مقام کا حقہ جاننا نہایت محال ہے۔ سوا اس کے کہ کوئی شخص طالبِ صادق ہو اور مرشدِ کامل کی توجہ ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں کہ وہ ان مقامات کی انتہا تک پہنچے۔ اگرچہ شب و روز ان مقامات کے ذکر و فکر اور بطور میں رہے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ عبادت کی کس قسمیں ہیں؟

فرمایا۔ ایک عبادت یہ ہے کہ بدن سے متعلق ہے اور دوسری عبادت وہ ہے کہ دل سے متعلق ہے اور تیسری عبادت وہ ہے کہ جان سے متعلق ہے۔ ان تینوں مقامات کو شریعت، طریقت اور حقیقت کہتے ہیں اور یہ امر بھی مشکل ہے۔ لَا يَنْظُرُ إِلَى مَوَدِّكَ وَلَا آمَا لِكَ وَلَا أَحْمَا لِكَ وَلَا انْعَا لِكَ ذَلِكُنَّ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِهِمْ وَيَنْتَظِرُ لَكُمْ دِينِي اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں اور نہ تمہارے مال اور نہ تمہارے اعمال اور نہ تمہارے افعال کی طرف نظر کرتا ہے۔ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کی طرف نظر کرتا ہے۔ جب تک یہ امر معلوم نہ ہوگا کسی طرح کی عبادت رحمانی اور لذت نوزانی سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ امیر اور فقیر اور دوسرے لوگ سب کی عبادت کیساں ہے یا ان لوگوں کی عبادتوں میں ہم تفاوت ہے؟ فرمایا کہ بہت تفاوت ہے۔ اس واسطے کہ جو عبادت فقیر کرتے ہیں اگر وہ عبادت امیر کریں تو وہ عبادت ان کے حق میں کفر اور ضلالت کا باعث ہوگی اور اس امر کی تعلیم کرنے کے لئے مرشدِ کامل چاہیے کہ ان مراتب کی تفہیم کرے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ فقر کتنے قسم کا ہے؟

فرمایا کہ دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم فقرِ ظاہر ہے اور دوسری فقرِ باطن ہے۔ یہ دونوں مقام بھی بلا توجہ و کمال کے منکشف نہیں ہو سکتے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ دم کے طرح کا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ دم کی تین روشیں ہیں ایک شہوت اور دوسری طمع اور تیسری روشِ غصہ ہے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ تینوں روشیں کس طرح رفع ہوتی ہیں۔ یعنی اس سے رگڑی کس طرح ہو سکتی ہے فرمایا کہ خلوت کے وقت معلوم ہوگا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ اپنے کو دیکھنا اس سے کیا مراد ہے۔ فرمایا کہ دیکھنا

بھی صدق طلب اور شاہد کے ذریعے سے سمجھا جائے گا۔

پھر میں نے سوال کیا کہ قالبِ خاکی کس راہ سے آتا ہے اور کس راہ سے جاتا ہے تو فرمایا کہ یہ ایک ایسا رمز ہے کہ دونوں مقامات۔ شریعت، طریقت اور حقیقت اور معرفت میں معلوم کرنا ہر انسان پر فرض ہے اور حساب ہے۔ جو شخص یہ مقام نہیں جانتا ہے۔ حیوانِ مطلق ہے۔ بلکہ اس کو زندہ نہ کہنا چاہیے بلکہ مردہ ہے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ علم کے لئے یعنی جاننے کے لئے کوئی حد ہے یا نہیں تو فرمایا کہ علیم وہ ہے جو کہ رب کو اس کے مروب کے نام سے ہر چیز میں پہچانتا ہے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ عناصر کا موکل کون ہے تو فرمایا کہ خاک کے موکل حضرت جبرائیل علیہ السلام، پانی کے موکل حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں اور آگ کے موکل حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ہوا کے موکل حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

پھر میں نے سوال کیا کہ آدم کو حقیقت جامع کیوں کہا ہے اور اس کا سبب کیا ہے۔ تو فرمایا کہ ہاں تحقیق یہ ہے کہ تین معدنیات انسان کے جسم میں بالذات موجود اور ظاہر ہیں۔ تو پھر میں نے عرض کیا کہ مجھ کو کس طرح اس سے واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ امور کہ جن کا ذکر اس کے قبل ہوا ان امور سے بھی کس طرح آگاہی ہو سکتی ہے۔ تو فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب تم کو اس سے آگاہ کر دوں گا۔

نفس کی قسمیں (نفس کی چار قسمیں ہیں)

پہلی قسم نفسِ ناطقہ ہے کہ وہ گویا بیخ کے مانند ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی وجہ سے گویائی فصیح اور پاکیزہ قسم کی ہو کہ دل سے چسپاں ہو۔ علماء کے نزدیک اور جہلاء کے نزدیک دلپسند اور دل پسند ہو جائے۔

دوسری قسم نفسِ مارہ ہے اور وہ گویا مانند شاخ کے جس کے معنی یہ ہیں کہ گویائی بے فائدہ ہو کہ جس کو سخن لا اُملی کہتے ہیں اور عمدہ کھانا اور ہر اس چیز کی خواہش ہو کہ اس میں آخرت کا نفع نہ ہو۔ یہ سب اسی نفسِ مارہ کے ذریعے سے ہوتا ہے اور فارسی میں اس کو ہوا اور ہوس کہتے ہیں۔

تیسری قسم نفسِ مطمئنہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی وجہ سے گویائی گہبی بہتر نہایت خوبی کے ساتھ ہو اور اس کے ساتھ نیک فعل بھی ہو اور کبھی نہایت قبیح گویائی ہو۔ کبھی اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے موافق اس کا عمل ہوتا اور کبھی شرع کے خلاف ہوتا ہے۔

چوتھی قسم نفسِ لوامہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ شب و روز ہر لحظہ اور ہر ساعت شریعت اور حقیقت اور طریقت اور معرفت کے موافق اس کا عمل ہوتا ہے حاصلِ کلام ان چار طریقوں کے علاوہ اس کا عمل نہیں ہوتا ہے۔

روح کی تین قسمیں ہیں۔

مزار پر جانے اور وہاں کے عمل کی ہدایت اور ذکر کی قسمیں :-

۱۔ پہلی قسم وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل الروح من امر ربی۔ یعنی کہہ دیجئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔
 ۲۔ دوسری قسم روح وجودی ہے کہ رگ رگ میں فرشتہ پیوست کر دیتا ہے۔
 ۳۔ تیسری قسم روح نوری ہے کہ ہر عضو میں طرح طرح کی تجلی حق تعالیٰ مرحمت فرماتا ہے اور وہ روح نوری سے مراد ہے۔

توجہ کی قسمیں (توجہ کی چار قسمیں ہیں)

۱۔ ایک قسم القاد ہے۔ القاد کے معنی ہیں۔ ڈالنا۔ یعنی پنچوڑہ کی طرح کہ جب پانی سے خالی ہو جائے پھر اس کو بھر دیتے ہیں۔ الغرض اس سے مراد یہ ہے کہ ہر روز توجہ قدر سے قدر سے دیا جائے۔
 ۲۔ دوسری قسم اخذ ہے۔ اخذ سے مراد ہے کہ وہ پھول اور تل کے مانند ہے کہ اوپر اور نیچے پھول رکھتے ہیں عالم کے ہے کہ بعض کا ملین پر نکشف ہو جاتا ہے۔ یہ قول باعتبار وجود عینی کے نہیں۔ اسی وجہ سے تصوف اور اس کے درمیان میں کچھ لینے تل رکھتے ہیں۔ توجہ روز میں پھول کی خوشبو تل میں اپنا اثر پہنچاتی ہے۔ تو یہ واقع ہے کہ العالم متحد فی انفسہ حادث فی العین یعنی عالم قدیم ہے باعتبار علم کے اور حادث اور جیسے خشک پڑے کے اوپر تر پڑا رکھیں تو ضرور بے کہ تر پڑے کی تری کا اثر خشک پڑے میں ملتا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ کے ہے کہ عالم کا اطلاق احیاء بطریق مجاز کے بعض مراتب خفیفہ پر بھی ہوتا ہے جو کہ درحقیقت بعض اسماء و صفات الہی جل شانہ کی ہے اور ان مراتب کے قدیم ہونے میں کچھ کلام اور یہ جو قول ہے۔ ولا اعلم للعالم مدۃ یعنی میں عالم کی مدت نہیں جانتا ہوں۔ تو یہ قول حدوث عالم کے اس کو محبت کہتے ہیں۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ ہر روز مطلوب کا عکس ملتا ہے۔ جس طرح آئینہ صاف ہے۔ اس واسطے کہ ابتدائے پیدائش عالم سے زمانہ حال تک مدت معینہ معلوم نہیں کا عکس پڑتا ہے۔ الغرض یہ تینوں طریقے فی زمانہ بہت زیادہ جاری ہیں۔ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کوئی مدت تعیین کرتا بھی ہے تو صرف حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ابتدائے عالم کی تعیین کرتا ہو۔ ہر طریقے میں توجہ کے ان تینوں طریقوں کا بہت زیادہ معمول ہے۔

۳۔ جو توجہ قسم اتحاد ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دو جنس مل کر ایک ہو جائے۔ یعنی دونوں جنس ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی ایک ہو جائیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مرشد مرید کو یکا ظاہر اور یکا باطن دونوں حال میں اپنے مانند کر دیوے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے کہ وصل وصل میں کر دیا۔ لیکن یہ توجہ ہے یعنی ہزاروں میں کوئی ایک ایسی توجہ دیتا ہے۔
 ۴۔ توجہ پانی چرانے والا۔ ایک کھلوا جھیر پانی بھرا ہوتا ہے اور پینے کے چھیدوں میں سے پیتا ہے لیکن جب اس کا منہ بند کر لیتے ہیں تو پینے سے ٹپکتا بند ہو جاتا ہے پھر کھولنے پر پینے لگتا ہے۔ فیروز اللغات

سوال : بیعت اصل میں کیا ہے اور بیعت قرآن شریف سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے۔
 جواب : بیعت کے معنی لغت میں معاہدہ اور معاقدہ ہے اور متکلمین کی اصطلاح میں عہد کرنا ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں بیعت اس کو کہتے ہیں کہ عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ارشاد کے ہاتھ کے ساتھ عقد کیا جائے تو لگاس سوال سے یہ مقصود ہے کہ متکلمین کے نزدیک بیعت کیا ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بیعت صحابہ کبار نے کی تھی۔ وہ بیعت خلفائے راشدین کی خلافت کے بارے میں ہوئی تھی۔ اس سے مقصود

تھا کہ صحابہ کبار نے یہ عہد کیا کہ ہم لوگ خلافت کے احکام کو جاری کریں گے۔ یہ بیعتِ آیینہ کہ میرے نبی! یعنی اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اگر اس سوال سے یہ مراد ہے کہ بیعتِ صوفیاء کے نزدیک کیا ہے؟

تو اس بیعت سے یہ مراد ہے کہ مرید اپنا عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ارشاد کے ہاتھ کے ساتھ فقط ہے۔ اور یہ العقاد مرشد کے واسطے سے مرشد کے ساتھ ہوتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس یکے بعد دیگرے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور بواسطہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس بیعت کا العقاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور یہ بیعت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے نام ہے۔

سوال : رَجَعْنَا مِنَ الْجَهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجَهَادِ الْأَكْبَرِ۔ یہ کلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یا آپ کے کلام مبارک کا مضمون ہے۔ یہ کلام شکستگی نفس کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کیا اس کا جواب ہے؟

جواب : صوفیہ کی کتابوں میں یہ کلام اکثر پایا جاتا ہے اور یہ ان کے نزدیک حدیث نبویؐ بلکہ بعض علماء محدثین نے بھی یہ عبارت ذکر کی ہے۔ اس غرض سے کہ اس عبارت سے ثابت ہو تا ہے کہ نفس ساتھ جہاد کرنا افضل ہے۔ مگر مجھ کو یاد نہیں کہ حدیث کی کس کتاب میں یہ عبارت میں نے دیکھی ہے۔ بہرہ جہاد اکبر سے مراد یہ نہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آئے۔ بلکہ جہاد اکبر سے یہ مراد ہے کہ نفس اور شاہد کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ یہ تفسیر صوفیہ کے خیال کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس بیان کے لئے صحیحین کی یہ حدیث صحیح ثابت ہے۔

المُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ لِيَتَى كَامِلٌ مُجَاهِدٌ. وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب نفس کی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی چھوڑ کر بدداشتی نہ کی جائے تو چاہیے کہ ایسی حالت میں نفس کی خواہش کے موافق نہ کیا جائے بلکہ نفس کی مخالفت کرے اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مقامات میں مسند الیہ معروف باللام ہوتا ہے اور اس عزم سے کہ مسند الیہ کافر و کامل سمجھا جائے۔ اس کی اکثر مثالیں ہیں۔ ایک مثال یہ ہے :-

المسلم مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُضَاهِرُونَ مِنْ حَاجَرٍ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ
یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس سے مسلمان سلامت رہیں۔ یعنی مسلمانوں کو اس سے نقصان
اور کامل مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے پرہیز کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جمیع علماء کے
کے خلاف ہے کہ جہاد اکبر سے مراد جہاد سے فاسخ ہو کر آنا ہے اور سلیقہ کتاب دانی اور عبارت
خیال سے بالکل متغیر ہے اس واسطے کہ مراجعت یعنی واپس آنا لفظ رجعت سے مفہوم ہوتا ہے اور جہاد

ابتداء کی غایت ہے اور جہاد اکبر کی انتہا کی غایت ہے اور دونوں غایت جس چیز کی غایت ہوتی ہے اس سے مغائر ہوا کرتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ دونوں جہاد اصغر اور جہاد اکبر مرا جعت یعنی واپسی سے مغائر ہیں اس بیان کو بغور سمجھنا چاہیئے۔

سوال : طریقہ سہروردیہ، شغلِ مہر اُوست اور ذکر کی توضیح کیا ہے !

جواب : رقیمہ کریمہ پہنچا اس میں تین مطالب ہیں

اول طریقہ سہروردیہ حضرت مجدد شیخ احمد سرمندی رحمہ کا اور یہ طریقہ اس ترتیب سے پہنچا کہ شیخ احمد سرمندی رحمہ کو اپنے والد شیخ عبدالاحد سے پہنچا اور شیخ عبدالاحد کو شیخ رکن الدین گنگوہی سے اور شیخ رکن الدین گنگوہی کو اپنے والد شیخ عبدالقدوس رحمہ سے اور شیخ عبدالقدوس رحمہ کو اپنے والد شیخ قاسم درویش اودھی سے اور شیخ قاسم درویش اودھی کو اپنے شیخ سید بڈھن بہرائچی سے اور شیخ بڈھن بہرائچی کو اپنے شیخ سید اجمل رحمہ سے اور شیخ سید اجمل کو اپنے شیخ سید جلال رحمہ عرف مخدوم جہانیاں سے اور مخدوم جہانیاں کو دو سند سے یہ طریقہ پہنچا۔ ایک سند یہ ہے کہ مخدوم جہانیاں کو اپنے والد سید احمد کبیر سے اور سید احمد کبیر رحمہ کو اپنے والد سید جلال بخاری سے اور سید جلال بخاری کو شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمہ سے ، اور دوسری سند مخدوم جہانیاں کی یہ ہے کہ مخدوم جہانیاں کو شیخ رکن الدین ابوالفتح سے اور شیخ رکن الدین ابوالفتح کو اپنے والد شیخ بہاؤ الدین رحمہ زکریا سے اور شیخ بہاؤ الدین زکریا کو صاحب طریقہ ہذا شیخ شہاب الدین سہروردی سے یہ طریقہ پہنچا۔ اور شیخ رفیع الدین امام اجداد سے حضرت مجدد کے ہیں اور امام شیخ بہاؤ الدین زکریا کے قبل ہوئے ہیں۔ اور شیخ بہاؤ الدین زکریا خلیفہ شیخ رفیع الدین امام کے تھے۔ تو یہ احتمال ہے کہ حضرت مجدد کو اپنے اجداد سے اس طریقہ کی اجازت پہنچی ہو۔ بلکہ احتمال ہے کہ حضرت مجدد رحمہ کے خاندان کا موروثی ایسی طریقہ ہو اور طریقہ چشتیہ اور قادریہ اور نقشبندیہ حضرت مجدد اور حضرت مجدد رحمہ کے والد کے کتاب سے ہو۔

۲. دوسرا مطلب

دوسرا مطلب

شغل ہمہ اوست کا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ مراد اس سے ایسی حالت حاصل کرنا ہے کہ اس سے اضطراب قلب لازم آئے اور اس کا دفع کرنا اختیار میں نہ رہے۔ اگر کسی کا اعتقاد ہے کہ وحدت وجود ثابت ہے تو وہ یہ شغل اختیار کرتا ہے ورنہ ہرگز اس شغل کا خیال نہیں کرتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کا یہی خیال رہتا ہے کہ یہ خیال واقعی نہیں۔ قرآن کے لئے یہ شغل ہرگز مفید نہیں اور بلاشبہ ظہور اس معنی کا خود بخود تصفیہ قلب سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اور تصنیع اور تکلف کو اس میں دخل نہیں اور خواجہ خرد علی الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جب

تک کوئی شخص توحید و جود کا معتقد نہ ہو ممکن نہیں کہ اس کو فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو۔ منکر توحید و جود کے ہر ایک میں سب فنا پر وہ نذرانیت میں ہے کہ غیر حق ہے اور تجلیات اس کی سب اوار لطافت وغیرہ ہے نہ ظہور و نہ حق تعالیٰ کا ہے۔ تحقیق توحید و جود کے لئے کلام طویل کی ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیات کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت اور قرب ذاتی ثابت ہے اور یہ جواب نہیں سکتا ہے کہ ان آیات اور احادیث کا ظاہر معنی مراد نہیں۔ تاہم قیام ثابت نہ ہو کہ محبت اور قرب ذاتی ناممکن ہے یہ سب ہم لوگوں کے عقل کے خلاف ہے۔ کتاب اور سنت کے خلاف نہیں۔ اور یہ کیا انصاف ہے کہ مصنوعات شرعی کو غیر شرعی خیال کریں۔ اور اپنی ناقص عقل کے خیالات کو امر شرعی قرار دیں۔ حدیث مذکور میں ہے :-

لَوْ دَلَّكُمْ بِحَبْلِ إِلَى الْأَرْضِ السَّابِقَةِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللَّهِ
یعنی اگر تم رسی لٹکاؤ سا تو زمین تک تو وہاں بھی وہ رسی اللہ کے پاس پہنچے گی۔
حدیث شریف میں ہے کہ :- إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ مِنَ الطَّيِّبِ
یعنی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے صدقہ جو مال طیب سے دیا جائے یہ دونوں حدیث برابر ترمذی میں ہیں۔ اور اس کے بیان میں لکھا ہے کہ سلف کا مذہب یہ ہے کہ ان حدیثوں کا ظاہر معنی بلا کتبہ ہے۔ حاصل کلام غیریت محض کی نفی اور استحاد وحدت فی الجملہ نص سے ثابت ہے اور اسے انا اللہ کی آواز آگ سے نکلنا اور کلمت سمعہ و بصوت اس مدعی کے لئے واضح دلیل ہے۔ انصاف سے دیکھا جائے کہ حضرت مجدد کے کلام سے وحدت و جود کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف اس کے بعض اقسام کی نفی ثابت ہوتی ہے لیکن جو کچھ ذہن میں قرار پا جاتا ہے اس کا جلد دفع ہونا دشوار ہے۔ ہمیشہ اس میں بحث کرنا لازم کی طاقت سے باہر ہے۔

تیسرا مطلب :

حقیقت ذکر جہری ہے اور اصل یہ ہے کہ اس کا انکار مراد ناوانی ہے اور قرآن شریف سے جہر صراحتاً ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ مَا أَدْنَى اللَّهِ لِيَّيَّ وَمَا أَدْنَى لِيَّيَّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے لغنی بالقرآن بطریق جہر کے لئے اجازت فرمائی ہے اور تعلیم حج کے باب میں آیا ہے اَخْضَلُ الْحَجِّ الْعَجَّ وَالْحَجَّ جَعَلَهُ خَيْرًا مِنْ حَجِّهِ يَوْمَئِذٍ۔ یعنی بہترین حج وہ ہے کہ اس میں لبیک کہنے میں آواز بلند کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ جانور فوجیا جائیں اور قرآن کی فضیلت مشہور ہے اور روایت ہے کہ :

كُنَّا نَعْرِثُ أَنْفُسَنَا صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذِّكْرِ
یعنی صحابہ کہتے تھے کہ ہم لوگ ذکر کی آواز سن کر معلوم کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تمام فرمائی یہ بھی ثابت ہے کہ :-

فَضَّلَ الذِّكْرَ الَّذِي يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ عَلَى الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعِينَ مِثْقَالًا
یعنی وہ ذکر کہ اس کو حفظ یعنی فرشتگان نگہبان اور نویسندگان اعمال سنتے ہیں۔ اس ذکر کی فضیلت ستر درجہ زیادہ ہے سب نسبت اس ذکر کے کہ اس کو فرشتگان نگہبان و نویسندگان اعمال نہیں سنتے طریقہ چشتیہ اور اویسیہ اور قادریہ کا کہ یہ سب حضرات ہمارے پیروں میں ان سب طریقوں کو بنا ذکر جہری پر ہے۔ اور یہ کہنا باطل ہے کہ یہ حرام ہے اور فعل حرام سے قرب الہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ ذکر جہری سے جمیعت خاطر حاصل ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری جمیعت نہیں۔ اور جب حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ حج کے لئے گئے اور آپ کے جانے کے بعد خواجہ علاؤ الدین عجدوانی نے ذکر جہری کا شروع کیا۔ اور جب حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ حج سے واپس تشریف لائے تو خواجہ علاؤ الدین عجدوانی نے عذر کیا کہ کثرت باطن کی وجہ سے آپ کو ذکر جہری کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہم کو تو اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ تو حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے اس بارہ میں انکار فرمایا۔ اور حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے حضرت خواجہ عبداللہ بن عجدوانی رحم سے ذکر خفی کا طریق حاصل کیا تھا۔ حضرت خواجہ نقشبند کا عمل عزیمت پر تھا۔ اس واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحم خود ذکر جہری نہ کرتے تھے اور آپ کے ایسے لوگ جو کہ مسائل فقہیہ میں حدیث کا جہتاً پر مقدم جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ اجتہاد مذہب حنفی میں ہو، اگر اس میں شبہ کریں تو محض جیسا ہے اور حضرت خواجہ علاؤ الدین کا واقعہ مذکور مشہور ہے۔ لیکن فقیر کو یاد نہیں کہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ اس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ خواجہ سر عالم فقیہیات بادشاہ روم کی طرف سے حج کے لئے مامور ہو کر مدینہ منورہ میں آئے اور شیخ ابراہیم کردی رحم سے ملاقات کی اور کہا کہ اس سفر میں میں نے ایک بدعت عظیم دور کی ہے نوشیخ ابراہیم رحم نے فرمایا کہ کون سی بدعت دور کی ہے۔ تو خواجہ سرانے کہا کہ مسجد اور شہر بیت المقدس سے ذکر جہری میں نے موقوف کر دیا۔ نوشیخ ابراہیم کردی رحم نے یہ آیت پڑھی :-

وَمَنْ أَطْلَعَكُمْ مِنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُغِيَ فِي خَرَابِهَا
یعنی "اور کون شخص زیادہ ظالم ہے اس سے کہ اس نے اللہ کی مسجدوں میں منع کر دیا کہ وہاں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور ان مسجدوں کی خرابی میں کوشش کی ؟"

اور شیخ ابراہیم رحم نے چند روایات جو کہ فتاویٰ سے نقل کیا تھا، پیش کیا۔ اور فرمایا کہ اگر تقلید سے کام ہے تو آپ دوسرے کے مقلد ہیں اور میں دوسرے کا مقلد ہوں اور آپ کی روایت مجھ پر حجت نہیں اور اگر تحقیق مقصود ہے تو گنبد اور میدان موجود ہے، اس کے بعد شیخ ابراہیم کردی رحم نے اثبات جہر میں چند رسالے لکھے۔ ان میں سے بعض رسالے فقیر کے پاس موجود ہیں۔ حاصل کلام اتباع میں حق زیادہ احق ہے۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح رؤیا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب

کہ آپ نے خواب میں حضرت امیر علیہ السلام سے بیعت کی۔

سات برس کا عمر گذرا کہ شب ستائیسویں ماہ رجب کو کہ شب معراج موافق اکثر روایات کے ہے۔ فیر نے خواب میں دیکھا کہ ایک میدان ہے۔ اس میں فرش سفید براق بچھا ہوا ہے۔ اس فرش پر کھڑا لوگ جن کی شکل نورانی ہے۔ لباس مائے فاخرہ پہنے ہوئے اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ آئیں گے۔ فیر بھی یہ حقیقت دریافت کرنے کے لئے اس جگہ اس فرش پر بیٹھ گیا۔ ناگاہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ منبر کی جانب سے نمایاں ہوئے۔ اور اس فرش کی جانب توجہ فرمائی۔ اور سب لوگ تعظیم کے لئے اٹھے اور لب فرش منتظر کھڑے ہوئے۔ فیر بھی وسط فرش میں منتظر کھڑا ہوا۔ بسبب هجوم بزرگان عظیم الشان کے نائب فرش نہ پہنچ سکا۔ حضرت امیر تشریف لائے اور صف کے اندر لوگوں کو بٹھاتے ہوئے فیر کے نزدیک رونق افروز ہوئے اور چار زانو بیٹھ گئے۔ فیر نہایت ادب کے ساتھ دوزانو زور و بیٹھا۔ تو حضرت امیر نے نہایت لطف و کرم فرمایا اور کسی کے ساتھ کلام نہ فرمایا صرف فیر کے جانب توجہ فرمائی اور شرف ہم کلامی۔ فیر کو مشرف فرمایا۔ فیر نے ایسے وقت کو غیبت جانا۔ چند چیزیں جو اس وقت ذہن میں آئیں عرض کیا۔ جواب باصواب سے مشرف ہوا۔

پہلے یہ فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ کسی شخص نے زبان پشتو میں کوئی کتاب تصنیف کی ہے۔ اور اس کتاب میں وہ مضمون درج کیا ہے جس سے میری تحقیر ہو۔ تم کو اس امر کی خبر ہے یا نہیں؟ فیر نے عرض کیا کہ بندہ زبان پشتو نہیں جانتا کہ اس زبان کی کتابوں کے حال سے آگاہ ہو۔ حضور کے ارشاد کے موافق فیر تحقیق کرے گا۔

فیر نے عرض کیا کہ مذاہب فقہاء سے کون مذہب جناب عالی کو پسند ہے۔ ارشاد فرمایا: کہ کوئی مذہب ہم کو پسند نہیں۔ بایہ فرمایا کہ ہمارے طریقہ پر نہیں، لوگوں نے افراط و تفریط کو راہ دی ہے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ اولیاء کا کون طریقہ جناب عالی کے طریقہ کے موافق ہے

سوال: طریقہ قادریہ طریقہ چشتیہ، طریقہ نقشبندیہ کی بنا کس پر ہے؟

جواب: معلوم ہو کہ قادریہ طریقہ کی بنا روح کے تصفیہ پر ہے اور جب یہ آئینہ کدورت صاف ہو جائے گا۔ تو ضرور ہے کہ اس میں صور عالیہ ظاہریوں کے اور نقشبندیہ طریقہ کی بنا اس تصور پر کہ حضرت حق کی صورت ذہنیہ کو بلا کیف لطیفہ قلب میں جگہ دیں اور ہمیشہ تصور کو ملحوظ نظر رکھیں اور پر لحاظ کرتے رہیں، تاکہ علم حضوری کے قریب پہنچ جائے۔ چشتیہ طریقہ کی بنا اس پر ہے کہ اس میں کوئی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت غایت درجہ کی حاصل ہو اور شوق اور وجد وغیرہ لازم عشق حاصل ہوں تاکہ حقیقی کا خیال غالب ہو جائے۔ اور تمام خیالات کو مطلقاً محو کر دیوے۔ بہر حال ان تینوں طریقوں سے ہر مناسب مزاج ہو اس کے بائے میں اشارہ فرمانا چاہیے اور مال تینوں طریقوں کا واحد ہے۔ مصرعہ: خواب یک خواب است باشد مختلف تعبیر

سوال: حضرت سلامت بعد تسلیمات کے عرض ہے کہ سیر قدمی کے بائے میں کیا ارشاد اور سیر نظری کیا ہے؟ اور یہ دونوں لفظ حضرت مجدد کے کلام میں واقع ہیں اور یہ بیان فرمادیں کہ طریقہ کا طریقہ تلقین کیا ہے؟ اور طریقہ سلوک کا طریقہ تلقین کیا ہے؟

جواب: سیر نظری سے مراد مشاہدہ مقامی ہے بدوں پائے اس کے انوار اور آثار کے لپٹا سیر قدمی سے مراد دخول ہے۔ اس مقام میں اور پانا اس کے انوار اور آثار کو اپنے میں اور لفظ جہد اور سلوک کے چار معنی ہیں:-

- ۱۔ پہلے معنی ٹوٹنا رشتہ عقل کا ہے صدمہ وارد سے اور نہ ٹوٹنا اس کا
- ۲۔ دوسرے معنی ظہور آثار مطلوبیت و محبوبیت کا ہے طالب میں اور ظہور آثار محبت و درود طلب کا ہے مطلوب میں اور یہ معنی بھی مضمون *يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ* کے نہیں ہوتا مگر ساتھ ساتھ کے اور مراد آثار محبوبیت سے سبقت کرنا مجاہدہ کا ہے مشاہدہ پر۔
- ۳۔ تیسرے معنی خرق حجب وجود کے ہیں۔ فنا اور بقا میں اور آراستہ کرنا باطن کا ہے ساتھ ساتھ صالحہ کے اور اقوال صالحہ فاضلہ کے
- ۴۔ چوتھے معنی وقوع سلوک کے ہیں ساتھ طریق صالحہ معاش کے ایسے طور پر کہ یہ مصالح فناء ہوں۔ تو یہ مراتب سمجھ کر اس کی تلقین ہو سکتی ہے اس شخص سے کہ جو باطن کی قوت رکھتا اور جس نے فنا و بقا کے مراتب کو طے کیا ہو۔ واللہ اعلم و احکم

ارشاد فرمایا کہ اس کا بھی وہی جواب ہے۔ ہر طریقہ میں چیز ہائے ناپسندیدہ خلاف ہمارے ارادے کے اختراع کی ہیں۔ اور ہمارے طریقہ کی چیزوں میں کمی کر دی ہے۔ اس واسطے کہ ہمارے زمانہ میں تین طرح شغل کے معمول مروج تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہونے کے لئے وہ مفید ہیں اور وہ تین طریقہ شغل کے یہ ہیں:-

۱۔ ذکر ۲۔ تلاوت قرآن شریف ۳۔ نماز

اور صوفیاء نے صرف ذکر کو شغل قرار دیا ہے اور تلاوت قرآن حکیم اور نماز کو شغل نہیں بلکہ پھر میں نے عرض کیا کہ تلاوت قرآن حکیم و نماز کا شغل کس طریقے سے کرنا چاہیے؟ تو حضور کے جناب سے توجہ طریق شغل تلاوت قرآن و نماز کی میرے دل پر ڈالی گئی اور کچھ نہ مبارک سے بھی ارشاد فرمایا۔ لیکن میں نے زیادہ تاثیر باطنی توجہ کی اپنے دل میں پائی اور میری حالت اس قدر زیادہ متغیر ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ اس وقت سے ہمیشہ وہ امر اپنے باطن میں مستحضر پاتا ہوں۔

پھر میں نے عرض کیا کہ اکھبر اللہ کہ فقیر کو تو شغل جناب عالی سے اکثر طریقہ اور بہت سلسلہ سے ملتا ہے۔ لیکن تاہم فقیر کی تمنا ہے کہ بلا واسطہ حضور کی بیعت سے مشرف ہو۔ جناب عالی نے پناہ مبارک فرمائی کہ جناب کیا اور فقیر کا ہاتھ اپنے دست مبارک سے پکڑ کر بیعت فرمائی۔ اس وقت جناب عالی کی توجہ از عظیم فقیر کے باطن میں نمودار ہوا

پھر میں نے عرض کیا کہ اکثر صحابہ نے علی الخصوص صحابہ قریشی نے جناب عالی کے ساتھ مخالفت کی ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے اور یہ کیا حقیقت تھی؟

تو ارشاد فرمایا کہ ہم کو ان لوگوں سے برا درانہ شکایت تھی یا فرمایا کہ ہم کو ان لوگوں کے ساتھ شکایت برادر اور شکر رنجی آپس میں تھی۔ مردمان نا فہم یہ امر دور دورے گئے ہیں اور بڑھا دیا ہے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ فلاں جماعت کے لوگ اپنے کو سید اولاد سے جناب عالی کی جانتے ہیں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ میری اولاد سے نہیں۔ بلکہ جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر دفعہ جناب عالی اٹھے اور جس سمت سے تشریف لائے تھے۔ اسی طرف عجلت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور دوسرے لوگ جو منظر تھے وہ حیرت میں کھڑے تھے کہ کاش یہ صحبت کچھ اور بھی رہتی۔

مکاتیب

بعد تحریر خواب فقیر کے دوبارہ وقوع و عدم وقوع اس واقعہ کے استفسار فرمایا گیا ہے۔ صورت وقوع پر اعتراضات کئے ہیں۔ تو مخفی نہ رہے کہ بیشک فقیر نے یہ خواب دیکھا ہے اور جو کیفیت

اس کی کھجی ہے۔ وہ صحیح ہے جو اعتراضات کئے گئے ہیں اس کے جواب دو طور پر ہوتے ہیں۔ اول اجمالی دوسرے تفصیلی۔ لیکن جواب اجمالی یہ ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے جو حضرات شرف ملازمت سے حضرت امیر کے مشرف ہوئے تھے۔ اور مذہب حضرت امیر کا مسائل فقہیہ میں جناب ممدوح سے دریافت کیا تھا۔ ان حضرات کو حضرت امیر کے مذہب میں امور فرعیہ جس طور پر ثابت تھے۔ اس پر یقین کامل حاصل تھا۔ اور جن لوگوں نے بالمشافہ حضرت امیر سے جناب ممدوح کا مذہب دریافت نہ کیا تھا۔ وہ لوگ مجبور ہوئے ان لوگوں کو احتیاج ہوئی کہ واسطہ تلاش کریں۔ یعنی کوئی درمیانی شخص ملے جس نے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب بالمشافہ جناب ممدوح سے دریافت کیا ہو۔ اور جب ایسے لوگ ملے تو پھر یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ اگر وہ لوگ صحابہ کرام سے نہیں تو ان کا حال و حال کیسا ہے۔ قابل اعتبار ہیں یا نہیں اور دوسرے قواعد کی بھی ضرورت ہوئی مثلاً مقدم کرنا حدیث کو اثر پر اور محرم کو بیع پر۔ ان کے علاوہ اور قواعد جو اپنے مقام میں مذکور و مدلل ہیں جیسا کہ احادیث نبویہ میں بھی راوی کا واسطہ واقع ہوئے۔ اور اس میں بھی ان قواعد کی ضرورت ہوئی ہے اور بعد رعایت قواعد کے بھی یہ لازم نہیں کہ ضرور امر واقعی معلوم ہو جائے۔ بلکہ جائز ہے کہ کوئی حدیث یا کوئی اثر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مشہور کیا جائے اور فی الواقع وہ حدیث اور وہ اثر جناب ممدوح نے روایت نہ کیا ہو اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اثر حضرت امیر سے صادر نہ ہوا ہو۔ اور مشہور ہو جائے کہ یہ اثر جناب ممدوح سے صادر ہوا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث یا اثر صحیح ہو۔ مگر اس میں کچھ ہم خلاف واقعہ راوی سے مقتضائے بشریت واقع ہو گیا ہو۔ لیکن مجتہد کو ضرور ہے کہ ان قواعد کی رعایت کرے۔ مجتہد پر یہ لازم نہیں کیا گیا ہے کہ ضرور امر واقعی کو معلوم کرے۔ اس واسطے کہ ممکن ہے کسی مجتہد کو کسی راوی سے یہ خبر پہنچے کہ فلاں مسئلہ فقہیہ میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ حکم ہے اور مثلاً وہ راوی متعین ہو اور اس وجہ سے وہ مجتہد اس کے حکم کے مطابق حکم نہ دے۔ یا خلاف اس حکم کے کوئی حدیث مجتہد کو معلوم ہو۔ اور وہ حدیث کامل طور پر صحیح ہو۔ اس وجہ سے مجتہد اس حکم کو ترک کرے یا اس حکم کو ترک کرے یا اس حکم کی روایت میں راوی سے کچھ وہم ہو گیا ہو۔ یا وہ حکم شخص ہو یا نسخ ہو اور اس وجہ سے مجتہد وہ حکم ترک کرے تو چونکہ اس مجتہد نے قواعد اصولیہ مقررہ کی رعایت کی اور یہی اس پر لازم ہے۔ اس واسطے اس مجتہد کو اجر ملے گا۔ جیسا کہ جب دو حدیث میں بظاہر تعارض ہو اور تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ ایک حدیث کو کچھ ترجیح ہے۔ اور اس وجہ سے مجتہد اس حدیث پر عمل کرے۔ اور دوسری حدیث کو ترک کرے تو اس حالت میں بھی مجتہد معذور ہوگا۔ عذر اس کا یہ ہے کہ وہ قواعد شرعیہ اصولیہ کا پابند ہے اس واسطے کہ وہ قواعد شرعیہ بھی حدیث سے مستنبط ہیں اور ایسا ہی وہ دوسرا شخص بھی معذور ہے کہ جس نے کسی طریقہ علم سے جانا کہ فلاں بعض مسائل فرعیہ میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ حکم ہے اور پھر اس حکم کے خلاف مجتہد کے حکم پر اس نے عمل کیا اور یہ دونوں مجتہد اور یہ مقلد اس مجتہد کا ہرگز قابل لعن نہیں اور جواب تفصیلی یہ ہے کہ اس کے جواب پر جو اعتراضات ہوئے ہیں ان کا منشاء دو امر میں ایک امر یہ ہے کہ:-

کاتب سے بعض الفاظ کے نقل کرنے میں تحریف ہوئی ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ ناظرین نے عبارت میں غور نہ کیا۔ بعض الفاظ کے صرف ظاہر معنی پر لحاظ کر کے اعتراض کر دیا ہے

اول امر کا بیان یہ ہے کہ بیان خواب میں لفظ ذکر کا دو جگہ بائیکاٹ کر دیا ہے۔ ناقل نے اول جگہ بدل دیا۔ بجائے لفظ ذکر لفظ اکثر لکھ دیا ہے۔ یعنی صحیح یہ ہے۔ ذکر و تلاوت قرآن اور ناقل نے یہ لکھ دیا کہ تلاوت قرآن تو خواب میں حضرت امیر کا ارشاد موجود بارہ طریقہ شغل کے ہو۔ اس کی نقل میں لفظ ذکر کا ناظرین نے نہ پایا۔ اس واسطے کہ ناقل سے تحریف ہوئی اور فی الواقع لفظ ذکر کا ہے مگر ناقل نے لفظ ذکر لکھا اور بجائے اس کے لفظ اکثر لکھ دیا۔ تو ناظرین کو شبہ ہوا کہ ذکر کا لفظ کا بموجب حدیث شریف کے افضل ہے تو یہ کیونکر گمان کیا جاسکتا ہے کہ ذکر کا لفظ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے طریقہ شغل میں نہ ہوگا۔ بلکہ ضرور ہوگا تو اس وجہ سے ناظرین کو اس خواب کے صحیح ہونے میں شبہ ہو گیا۔ اور اس خواب کی صحت پر اعتراض کیا اصل صحیح عبارت خواب کی یہ ہے جو خواب میں حضرت امیر نے ارشاد فرمایا:

”زیر اکھ در عہد ما سه طریق شغلیک در تقرب الی اللہ مفید باشد معمول و مروج بود، ذکر و تلاوت قرآن و نماز اینها صرف ذکر و شغل مقرر کردند و تلاوت قرآن شریف و نماز را شغل نمے دانند“ یعنی اس لئے کہ ہمارے زمانہ میں تین طریق جو کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے مروج تھے۔ ذکر و تلاوت قرآن اور نماز۔ اب کے لوگوں نے صرف ذکر کو مشغلہ بنالیا ہے۔ تلاوت قرآن اور نماز سے مشغلہ نہیں رکھتے۔

اُدھر صحیح عبارت خواب کی لکھی گئی ہے۔ اس سے اب معلوم ہو جائے گا کہ کس کس لفظ میں تحریف ہے اور اسی تحریف کی وجہ سے ناظرین کو شبہ ہوا ہے۔ لیکن بغرض مزید اطمینان طالبان حق زیادہ توضیح کر دیا کہ نقل میں جس کو ناظرین نے دیکھا تھا۔ لفظ اکثر غلطی سے مندرج ہے اور صحیح اس کی جگہ پر لفظ ذکر ہے۔ اس دلیل یہ ہے کہ اس کے قبل مذکور ہے کہ تین طریقے شغل کے تھے۔ پھر ان طریقوں کی تفصیل یہ مذکور ہوئی

۱۔ ذکر ۲۔ تلاوت قرآن شریف ۳۔ نماز ۴۔ یہ تفصیل سابق کے اجمال کے موافق ہوئی اور بطریق اجمال ہی مذکور ہوا کہ طریقہ شغل کے تین تھے اور میں بھی تین طریقے مذکور ہوئے اور ناقل نے غلطی سے بجائے لفظ ذکر کے لفظ اکثر لکھ دیا۔ تو اب صاف معلوم ہے کہ ایسا فی الواقع نہیں ہے۔ اس واسطے کہ بطریق اجمال تو مذکور ہوا کہ تین طریقہ شغل کے تھے۔ اور ناقل کی نقل تفصیل میں صرف دو طریقہ مذکور ہیں۔ یعنی تلاوت قرآن شریف اور نماز۔ اس نقل کے اعتبار سے یہ تفصیل سابق کی اجمالی کے موافق نہ ہوئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ضرور ناقل سے غلطی ہوئی اور باقی شبہ کہ حضرت امیر کے طریقہ شغل میں درود شریف کا کیوں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ طریقہ شغل میں لفظ ذکر کا مطلق مذکور اس سے ذکر درود شریف بھی مراد ہے۔

دوسرے قسم کے اعتراضات کا جواب دیتا ہوں کہ منشاء اس اعتراض کا یہ ہوا کہ عبارت میں غور نہیں کیا گیا۔ اور بعض الفاظ کے صرف ظاہر معنی پر ناظرین نے لحاظ کیا۔ اور اعتراض کر دیا۔ چند مقدمہ بطور تہدید کے ذکر کرتا ہوں۔ اس کے نتیجے پر لحاظ کرنے سے خود بخود شبہات دفع ہو جائیں گے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ غیر مختار اور ناپسند ہونا مذہب کا دوسری چیز ہے اور باطل ہونا مذہب کا امر آخری ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں امیر غیر مختار ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ امر جائز ہے مگر مرجوح ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں امر باطل ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ امر بالکل ناجائز ہے اور یہی سبب ہے کہ غیر مختار کا استعمال مقابلہ میں جائز غیر راجح کے بھی ہوتا ہے۔ اور باطل کا استعمال مقابلہ میں حتیٰ کے ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ امر مشہور ہے تو غیر مختار سے باطل کیونکر سمجھا جاتا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مثلاً ایک مجتہد ہو اور اس کے بعد کوئی دوسرا مجتہد ہو۔ پہلے مجتہد کے نزدیک دوسرے مجتہد کا مذہب غیر مختار ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے مجتہد کے مذہب کے تمام مسائل پہلے مجتہد کے نزدیک غیر مختار ہوں۔ اس واسطے کہ مختار اور پسندیدہ وہ چیز ہوتی ہے کہ اس کے ناپسند ہونے کی کوئی وجہ نہ ہو۔ جیسا حق صحیح اس چیز کو کہتے ہیں کہ اس کے ٹپلان کی کوئی وجہ نہ ہو تو اگر پہلے مجتہد کے نزدیک دوسرے مجتہد کے صرف بعض مسائل بھی مختار و پسندیدہ نہ ہوں۔ تو اس وجہ سے پہلے مجتہد کے نزدیک دوسرے مجتہد کا مذہب مختار و پسندیدہ نہ ہوگا۔ بلکہ غیر مختار و ناپسندیدہ ہوگا۔ تو ایسی حالت میں پہلا مجتہد ہی کہے گا کہ اس دوسرے مجتہد کا مذہب ہم کو پسند نہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلے مجتہد کے نزدیک اس دوسرے مجتہد کے تمام مسائل غیر مختار اور ناپسندیدہ ہیں۔ بلکہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے مجتہد کے نزدیک اس دوسرے مجتہد کا مذہب جو ناپسندیدہ ہے تو وہ ناپسندیدہ ہونا صرف بعض مسائل کے ناپسند ہونے سے ہے۔ باقی اور سب مسائل پہلے مجتہد کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں۔ اس واسطے کہ کسی مجتہد کا مذہب ایسا نہیں کہ اس کے سب مسائل اجتہاد یا کسی دوسرے مجتہد کے نزدیک غیر مختار و ناپسندیدہ ہوں۔ چنانچہ یہ امر اس شخص پر مخفی نہیں جس نے ان کتابوں کی تحقیق کی ہے۔ جو اتفاق ائمہ و اختلاف ائمہ کے تعلق سے ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ ایک مجتہد کے نزدیک دوسرے مجتہد کا مذہب اسی حالت میں مختار و پسندیدہ ہوگا کہ پہلے مجتہد کے اجتہاد کے موافق دوسرے مجتہد کا اجتہاد بھی ہوا ہو۔ اور جب دونوں مجتہد کے اجتہاد میں فرق ہوگا۔ تو پہلے مجتہد کے نزدیک دوسرے مجتہد کا مذہب پسندیدہ نہ ہوگا۔ پھر تھا مقدمہ یہ ہے کہ اگر دو مجتہد کے مسائل اجتہاد میں اختلاف ہو کہ وہ مسائل صرف احکام فرعیہ میں ہوتے ہیں۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دونوں مجتہد میں کسی مجتہد کے مذہب میں قباحیت ہے اور تفصیل اس کلام کی یہ ہے کہ قرن اول میں جس کی فضیلت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

میدیه وفي الرابطة یعنی بحلیہ وہی الروایۃ الاخری عن احمد استھلی

یعنی جو شخص چوری کرے تو اس کا دامن ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر پھر دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور یہ حکم بالاتفاق ہے۔ اگر پھر تیسری مرتبہ چوری کرے تو فرمایا امام ابوحنیفہ نے اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہ نہ کاٹا جائے گا زیادہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے بلکہ وہ شخص قید کیا جائے گا۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں یہ حکم جو مذکور ہوا منجملہ ان دونوں روایتوں کے ایک روایت میں ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ پھر جب وہ تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر پھر وہ چوتھی مرتبہ چوری کرے تو اس کا دایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے جو دوسری روایت ہے اس میں یہی حکم ہے۔

شرح وقایہ میں باب سجود التلاوت میں لکھا ہے کہ :-

وَاحْتَلَتْ فِي مَوْضِعِ السَّجْدَةِ فَوَضَعَهُ السَّجْدَةَ عَلَى رُفْخِ اللَّهِ عَزَّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّكُمْ إِذَا كُنْتُمْ تَقُومُونَ وَبِهِ أَخَذَ الشَّافِعِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى فَكُلُّهُ لَا يَسْمَعُونَ مَا خَذْنَا بِهِدِ الْاِحْتِاطِ فَإِنْ تَأَخَّرَ السَّجْدَةَ حَازِرًا لَابْتَدَأَ بِهِ اسْتَعْفَى

یعنی اختلاف ہے اس امر میں کہ سجود سورہ خم السجدہ میں کس لفظ پر ہے تو نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک پر سجود ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ إِذَا كُنْتُمْ تَقُومُونَ اور اسی کو اختیار کیا امام شافعی رحمہ اللہ نے اور نزدیک ابن مسعود رحمہ اللہ کے، اللہ تعالیٰ اس کلام پر سجود ہے وہم لا یسمعون۔ تو ہم لوگوں نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا۔ اس واسطے کہ تاخیر سجدہ کی جائز ہے اور تقدیم سجود کی جائز نہیں۔

یہ مضمون شرح وقایہ کی عبارت مذکورہ کا ہے تو پہلے مسئلہ میں جو حکم امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ سے روایت میں ہے۔ وہ حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے اور وہ مسئلہ میں جو حکم حنفیہ کے نزدیک ہے وہ حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ تو دونوں مسئلوں اختلاف امور فرعیہ میں ہے اور اس اختلاف کی بنا دلیل پر ہے۔ اس واسطے کہ امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت میں یہ حکم ہے کہ تیسرے اور چوتھے مرتبہ چوری میں بھی چور کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اس حکم کی دلیل یہ حدیث ہے۔ فَاِنْ سَرَقَ نَاقَطًا او حَدِیْثِ شَرْحِ وَقَاہِ سے اور مذکور ہوتی ہے۔ تو اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت میں خلاف مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم دیا ہے تو اس وجہ سے ان

طعن نہیں ہو سکتا۔ کہ ان ائمہ نے خلاف مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں حکم دیا ہے۔ اور علی حدیث القیاس و ذکر مسئلہ میں سورہ خم السجدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو جگہ سجود کی ہے۔ اس جگہ کے بعد دوسری جگہ سجود حنفیہ کے نزدیک ہے اور حنفیہ کا یہ مسئلہ خلاف مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہے اور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ تاخیر سجود کی جائز ہے جیسا کہ اوپر شرح وقایہ کی عبارت مذکورہ میں ہے۔ تو حنفیہ کی مخالفت اس دلیل کی بنا پر ہے اس واسطے اس مخالفت کی وجہ سے حنفیہ پر کچھ طعن نہیں ہو سکتا۔ تو جاننا چاہیے کہ صرف مخالفت جزوی درمیان مذاہب ائمہ اربعہ و مذہب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ہے۔ اور یہ مخالفت بھی دلیل کی بنا پر ہے اور اس واسطے اس مخالفت کی وجہ سے کچھ طعن ائمہ اربعہ کے مذاہب پر نہیں ہو سکتا۔

تیسرے مقدمہ سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار و پسندیدہ نزدیک کسی مجتہد کے وہی مذہب ہوتا ہے جو اس مجتہد کے اجتہاد کے موافق ہو تو جو امر خلاف اجتہاد حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ہوگا۔ وہ خلاف مرضی جناب موصوف کے ضرور ہوگا۔

دوسرے مقدمہ سے معلوم ہوا کہ جب کسی مجتہد کے نزدیک کسی دوسرے مجتہد کا مذہب غیر مختار ہو تو اس سے لازم نہیں آتا کہ تمامی مسائل مختلفہ اس دوسرے مجتہد کے مذہب کے پہلے مجتہد کے نزدیک غیر مختار ہوں بلکہ اگر اس سے پہلے مجتہد کے نزدیک دوسرے مجتہد کے بعض مسائل بھی غیر مختار ہوں گے تو وہ پہلا مجتہد کہہ سکتا ہے کہ اس دوسرے مجتہد کا مذہب ہمارے نزدیک مختار نہیں۔

اور پہلے مقدمہ سے معلوم ہوا کہ غیر مختار دوسری چیز ہے اور باطل دوسری چیز ہے۔ تو مذاہب اربعہ کے نزدیک حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مختار نہ ہوا تو اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مذاہب ائمہ اربعہ کا صرف بعض مسائل اجتہاد میں خلاف اجتہاد حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ہے۔ اور یہ اختلاف بھی بلا دلیل نہیں۔ بلکہ دلیل کی بنا پر ہے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ مذاہب فقہائے اربعہ کے باطل ہیں۔ اور اگر کوئی مجتہد قواعد شرعیہ پر سکاڑ کرے اور اس کے بعد اپنے اجتہاد کی بنا پر کسی مسئلہ اجتہاد پر ترجیح دیوے۔ اور وہ مسئلہ خلاف مذہب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ہو تو ترجیح دینا ایسا ہوگا کہ جس طرح مثلاً دو حدیثیں ہوں اور دونوں حدیثوں میں بظاہر تقاض ہو۔ اور قرائن و آثار پر نظر کرنے سے معلوم ہو کہ ان دونوں حدیثوں میں سے فلال حدیث کو ترجیح ہے۔ اور اس وجہ سے اس حدیث کو ترجیح دینا ہے تو ایسی حالت میں دلیل کی بنا پر ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی گئی۔ کچھ قیاحت نہیں لازم آتی۔

ایسا ہی اگر کوئی مجتہد کسی دلیل شرعی کو جو کہ اس مجتہد کے اجتہاد کا ماخذ ہو ترجیح دے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر تو وہ مجتہد مستوجب طعن نہیں۔ اس واسطے کہ اس مجتہد نے قواعد شرعیہ کے موافق دلیل کی بنا پر وہ حکم دیا ہے اور اس مجتہد نے اس مسئلہ کا حکم خود حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ بلکہ دوسرے لوگوں کے ذریعے سے کیے بعد دیگرے حضرت امیر کا یہ حکم اس مجتہد کو پہنچا ہے۔ تو مجتہد کو ضروری ہوا کہ درمیانی لوگوں کا حال و عمل دریافت کرے

کہ وہ لوگ قابلِ امتبار ہیں یا نہیں۔ اور ممکن ہے کہ ان لوگوں کا حال صحیح نہ معلوم ہو۔ اس وجہ سے یہ مجتہد کا ضرور رہ جائے گا کہ آیا فی الواقع وہ حکم فرمایا ہو حضرت امیر مذہب کا ہے یا نہیں۔ اور جو قواعد شرعیہ طور پر ثابت ہوئے ہیں وہ قواعد اس مجتہد کے نزدیک یقینی ہیں تو چونکہ اس مجتہد کو یہ شبہ ہوا کہ وہ حکم امیر مذہب کا ہے یا نہیں اور یہ قواعد شرعیہ اس کے نزدیک یقینی ہیں۔ اس وجہ سے جو امر یقینی ہے اس کی بناء پر اس نے حکم دیا تو اب مجتہد پر مرکز طعن نہیں ہو سکتا۔

اور موافق چوتھے مقدمے کے امور فرعیہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے لازم نہیں آتا کہ مذاہب اربعہ باطل ہیں۔ بلکہ یہ اختلاف موجب رحمت ہے۔ اور یہ امر اہل انصاف کے نزدیک ظاہر ہے تو ناظرین شبہ اس خواب کی صحت میں ہوا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس خواب کی صحت سے یہ قیاحت لازم آتی ہے فقہاء اربعہ کے حضرت امیر مذہب کے نزدیک غیر مختار ہیں تو اس سے فقہاء کے مذہب پر طعن لازم آئے گا۔ دلیل شرعی سے ثابت ہے کہ یہ مذاہب مستوجب طعن نہیں تو اب یہ جواب ناظرین کا شبہ دفع کرنے کا کافی ہوا اور مضمون سے اس خواب کے جو بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کا جو طریقہ شغل کا ہے۔ وہ حضرت کے نزدیک مختار نہیں تو اسی جواب سے اس شبہ کا بھی جواب ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس کے اس شبہ کا دوسرا بھی ہے کہ طریقہ شغل اولیاء کے بارے میں جو حضرت امیر مذہب نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک مختار نہیں تو اب وجہ سے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے طریقہ میں ان کے بعد کے بعض لوگوں نے بعض امور ناپسندیدہ اختیار ہیں۔ تو حضرت امیر مذہب نے باعتبار انہی امور ناپسندیدہ کے اس طریقہ کو غیر مختار فرمایا۔ نہ باعتبار نفس اس طریقہ کے اس واسطے کہ یہ طریقہ بنفس بہت بہتر ہے۔ اور ماہرین پڑھا ہر جہے کہ ہر طریقہ میں بعض رسوم جدید ہیں جو زمانہ سابق میں نہ تھے تو ایسے رسوم جدیدہ ناپسندیدہ کے شامل ہو جانے کی وجہ سے طریقہ اولیاء اللہ کہنا اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ طور و طریقہ اہل اسلام حال کا ناپسندیدہ ہے اور اس شخص کا ایسا خیال ہے کہ اکثر اہل اسلام منہیات و بدعات میں مبتلا ہیں۔ تو یہ ناپسندیدہ کہنا بوجہ منہیات و بدعات ہے۔ نہ معاذ اللہ بہ اعتبار نفس طریقہ اسلام کے ہے۔ اس واسطے کہ نفس طریقہ اسلام نہایت پسندیدہ اور ناظرین نے جو لکھا ہے کہ شیعہ اس خواب کے مضمون سے اس قدر خوش ہیں کہ خوشی سے جلے ہیں یہ بھی نہیں سماتے، اور شیعہ کہتے ہیں کہ صحیح خواب ہمارے مذہب کے حق ہونے کے لئے ایک واضح دلیل ہے۔ اس واسطے کہ ہم لوگ پیروائے ائمہ اربعہ کے نہیں اور نہ معتقد اہل طریقت کے ہیں۔ اور ہم لوگ نماز و قرآن کے سوا کوئی دوسرا شغل نہیں رکھتے۔ یہ مضمون ناظرین کے کلام کا ہے۔

جواب : اس کا یہ ہے کہ اس خواب میں کوئی بات ایسی نہیں جو شیعوں کے لئے خوش باعث ہو۔ بلکہ ظاہر ہے کہ اس کا خواب میں حضرت امیر مذہب کی توجہ اور نوازش میرے حال پر ہوئی شرف خطاب سے خاص صرف مجھ کو مشرف فرمایا۔ اور بیعت سے سرفراز فرمایا۔ اور شغل نماز و تلاوت

موصول کلام تقریر مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ اس خواب کی صحت پر یہ اعتراض صحیح نہیں کہ اس خواب سے یہ لازم آتا ہے کہ مذاہب ائمہ اربعہ کے باطل ہیں اور اس خواب میں کوئی ایسی بات نہیں جو مذہب شیعہ کے حق ہونے پر دلیل ہو سکے۔ اور شیعہ کا غلط دعویٰ ہے کہ ہم لوگ نماز اور تلاوت کے سوا کوئی دوسرا شغل نہیں رکھتے یہ دعویٰ من خلاف ہے۔ اس واسطے کہ ادائے فرض نماز میں تمام فرقے باہم برابر ہیں شیعہ کو اس میں خصوصیت نہیں۔ اور شیعہ ادائے سنن و فوافل میں جو قرب کا موجب ہو سکتا ہے نہایت قاصر ہیں۔ اس واسطے کہ یہ لوگ سنتوں کو ترک کرتے ہیں۔ اور فوافل کو تو بالکل بے اصل کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ترک سنن و فوافل شیعہ کا شعار قرار پایا اور یہی ظاہر ہے کہ تلاوت قرآن کریم کا بھی ان لوگوں کو کچھ خیال نہیں۔ اس واسطے کہ قرآن شریف جمع کیا ہوا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ تو قرآن شریف کو شیعہ اپنے گمان فاسد میں ایسا سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ جس طرح قرآن و انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ ویسے ہی اس میں بھی تحریف ہوئی ہے۔ اور یہ ان لوگوں پر ظاہر ہے۔ جن لوگوں کو ان کے مذہب میں واقفیت حاصل ہے۔ تو ان کا یہ غلط دعویٰ کہ طریقہ شغل نماز و تلاوت کا ہے۔ صرف ان لوگوں کا دہم و خیال ہے فی الواقع اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ اس سے قطع نظر بھی کیا جائے۔ تو یہ امر بھی قابلِ سحاط ہے کہ محض معمولی طور پر نماز و تلاوت میں اوقات صرف کرنا دوسری چیز ہے اور شغل نماز و تلاوت کا اختیار کرنا مانند اشغال صوفیہ کے دوسری چیز ہے۔ اگر بالفرض نماز و تلاوت میں یہ لوگ اپنے اوقات صرف کرتے ہوئے تب بھی اس خواب کے مصداق یہ لوگ نہیں ہو سکتے۔ اس واسطے کہ خواب میں نماز و تلاوت کو اپنا شغل اختیار کر لینا مذکور ہے۔ صرف معمولی طور پر نماز و تلاوت میں اپنے اوقات صرف کرنا مذکور نہیں اور جب کہ شیعہ کو طریقت سے انکار ہے تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ اہل طریقت کے اشغال سے بھی ضرور بیزار ہوں گے تو جس شغل کا ذکر خواب میں ہوا۔ اس کے خلاف شیعہ کا مذہب ہے۔ تو اس سے ان کے مذہب کی تائید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہ امر کچھ مخفی نہیں۔ اور اگر شیعہ اہل سنت پر طعن کریں کہ بعض مسائل فقہاء۔ خلافت آثار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں اور اس مخالفت کا ثبوت اور اس کی خدمت خواب سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ تو شیعہ کا یہ طعن محض بے جا ہو گا۔ اس واسطے کہ کسی مجتہد نے بدوین دلیل شرعی کوئی حکم نہیں دیا ہے اور جب دلیل شرعی مجتہد کے نزدیک ثابت ہوئی اور مجبوراً اس دلیل کی وجہ سے قواعد شرعیہ اصولیہ کی بناء پر آثار صحابہ کی مخالفت ہوئی۔ تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور علماء شیعہ نے بھی اکثر جگہ آثار حضرت امیر مذہب و دیگر ائمہ اطہار کی مخالفت کی ہے۔ اور یہ مخالفت ان لوگوں نے صرف اس بناء پر کی ہے کہ وہ آثار موافق مذہب اہل سنت کے ہیں۔ یہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محبت عطا ہوا۔ چنانچہ معترضین نے کہا ہے کہ یہ خبر بیہقی کی روایت سے ثابت ہے اور جامع صغیر سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد معترضین نے پھر خود نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو خلیل فرمایا ہے۔ اور کتب صحیحہ میں لکھا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ أَخَذَ فِي خَلِيلٍ لَّا كَمَا اخْتَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا۔ جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔"

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محبت حاصل تھا جو کہ ارفع مقام خلعت سے ہے مگر باوجود اس کے مقام خلعت کا حاصل کرنا بھی درکار تھا۔ ورنہ مقام خلعت کے حاصل ہونے پر فخر نہ فرماتے۔ اور یہ انشاء فرماتے کہ :-

إِنَّ اللَّهَ أَخَذَ فِي خَلِيلٍ لَّا كَمَا اخْتَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

یعنی "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔"

اور خود معترضین نے احادیث صحیحہ سے یہی سمجھا ہے کہ جمیع کمالات خاتمیت اور اولو العزمی اور رسالت وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کمالات میں بعض ارفع ہیں اور بعض غیر ارفع ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اگر ارفع حاصل ہو جائے تو اس وقت بھی غیر ارفع درکار ہوتا ہے۔ خصوصاً صاحب وہ غیر ارفع اس ارفع کے لئے واسطہ ہو کہ اس صورت میں اس غیر ارفع کا حاصل ہونا موقوف علیہ ہے۔ اس ارفع کے حاصل ہونے کے لئے اگر یہ شرط ہو کہ وہ غیر ارفع فی نفسہ کمال ہے تب بھی وہ مطلوب ہے۔ مثلاً جسم کے لئے نامی ہونا کمال ہے اور احساس ہونا بھی ایک دوسرا کمال ہے کہ اس سے ارفع ہے اور نطق و عقل بھی ایک کمال ہے کہ ان دونوں کمال کے سوا ہے۔ اور وہ دونوں کمال واسطہ ہیں۔ اس تیسرے کمال کے لئے تو وہ دونوں کمال دونوں وجہ سے مطلوب ہیں۔ بذاتہما اور بغیرہما ایسا ہی مقام خلعت کی نسبت مقام محبت کے ساتھ ہے

۲: دوسرا امر: یہ ہے کہ مقام خلعت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ چنانچہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ تو مزاد برسر کے بعد اس کے حاصل ہونے کے کیا معنی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت کو تمام خلعت حاصل تھا چنانچہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہی دلیل ہے کہ مقام خلعت واسطہ ہے و موقوف علیہ ہے تمام محبت کیلئے اور جب تک موقوف علیہ کامل نہ ہو تو کمال ہے کہ موقوف حاصل ہو لیکن وعدہ کیا گیا تھا کہ ہزار برس کے بعد ان امور حاصل ہوں گے یعنی مقام خلعت میں تصرف فرمانا۔ اور غالبین کو بالاصلاح اس مقام میں پہنچانا۔ اور یہ مقام حاصل کرنے کا طریقہ دونوں اور مفصل کرنا۔ چنانچہ احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ خلافت تمام روئے زمین کی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر حاصل تھی۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے :-

امروا فقیہین شیعہ پر مخفی نہیں۔ "ادوات قول کی آگاہی کے لئے لکھا جا رہا ہے کہ بعض مصنفین شیعہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی الشراعیات کو صرف اس وجہ سے ترک کرتے ہیں کہ وہ احادیث مذہب اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اور شیعہ نے اکثر اصول عقائد وغیرہ میں حضرت امیر بنی کی مخالفت کی ہے اور یہ امر ہر ماہر پر ظاہر ہے۔ ناظرین تحفہ اثنا عشریہ پر اچھی طرح واضح ہے اور اس سے ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ باطل ہے۔ زیادہ دریافت کی ضرورت نہیں ہے اور حضرت امیر بنی نے بحالت حیات ارشاد فرمایا :-

إِنَّ قَوْمًا يَخْلُقُونَ مِنَ النَّمْلَةِ دِهَجًا النِّسْبَةَ بِالْبَاطِلِ شَيْئًا لَسْنَا مَعَهُ وَلِيُوا مَنَا دِدَاةَ الدَّارِ قَطَنِي بِسَنَدٍ صَحِيحٍ

یعنی ایک قوم ہوگی اس کا نام شیعہ ہوگا۔ وہ جھوٹی نسبت کرے گی نہ ہم کو کچھ نسبت ان سے ہے اور نہ وہ ہم سے ہوں گے۔ روایت کیا ہے اس حدیث کو دارقطنی نے سند صحیح سے۔

اور جن لوگوں کے بارے میں شیعوں سے منقول ہے کہ حضرت امیر کو اللہ وجہ نے ان کی سیار سے انکار فرمایا ہے تو اہل سنت نہ ان لوگوں کے معتقد ہیں۔ اور نہ ان لوگوں کو سادات سے شمار کرتے ہیں۔ شیعوں کا یہ محض خیال ہے اور ادعا ہے کہ ہم لوگ دل کا حال جانتے ہیں۔ امر واقعی سے اس کو کچھ نسبت تفصیل اس امر کی یہ ہے کہ جو لوگ خود کو سادات سے کہتے ہیں۔ وہ خاص فرقے ہیں۔ اسی دیار کے باشندوں میں۔ مذہب شیعہ میں ان کو نہایت تغل ہے وہ سادات سے شمار نہیں کئے جاتیں گے۔ یا یہ حقیقت ہے کہ لوگ فی الواقع سادات سے نہیں۔ یا مجازاً وہ سادات سے خارج کئے گئے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لڑکے کی شان میں فرمایا :-

إِنَّهُ كَيْسٌ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَيْزٌ مَالِحٌ

یعنی "یہ تمہارے اہل سے نہیں اس کے بارے میں سفارش کرنا اچھا کام نہیں۔"

در دفع اعتراضات بعض عبارات حضرت مجدد الف ثانی

(از حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رح)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چند امور پر اعتراض کیا گیا ہے۔

اول امر: یہ ہے کہ مقام محبت ارفع ہے۔ مقام خلعت سے جب مقام محبت حاصل ہوا تو مقام خلعت حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ معترضین نے خود اقرار کیا کہ شبہ حراج

أُعْطِيَتْ مَغَافِيحُ كُنُوزِ الْأَرْضِ فِي يَدَيْ.

یعنی: مجھ کو زمین کے سب خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ:-
وَصُنْعَتْ مَغَافِيحُ كُنُوزِ الْأَرْضِ فِي يَدَيْ
یعنی: زمین کے سب خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔
صحیحین میں وارد ہے کہ:-

زُفِّيَتْ لِي الْأَرْضُ مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا وَسَيَّلْتُ مَلِكًا أَمَنًا. اُرْوَيْ فِي مَنَاقِبِهَا
یعنی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمع کی گئی میرے لئے سب زمین کہ پورب اور
پچھم تک ہے۔ اور قریب ہے کہ میری اُمت کا ملک تمام زمین میں ہوگا۔ کہ وہ سب زمین میرے
لئے جمع کی گئی۔ دوسری روایت میں ہے:-
إِنَّ اللَّهَ زَوَّيَ لِي الْأَرْضَ مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا وَأُعْطِيَتْ مَغَافِيحُ كُنُوزِ الْأَرْضِ
یعنی: تحقیق کو اللہ تعالیٰ نے جمع کی میرے لئے زمین پورب سے پچھم تک اور پچھم کو زمین کے
خزانہ کی کنجی دی گئی۔ صحاح کے سوا دوسری بعض کتابوں میں روایت ہے:-

جَاءَ فِي جَبْرِيلَ بِمَغَافِيحِ كُنُوزِ الْأَرْضِ عَلَى فَرَسٍ بَلَوٍ.
یعنی: میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کے خزانوں کی کنجیاں لے کر ابلق گھوڑے پر آئے
حالانکہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں آیا اور نہ خلفائے راشدین کے وقت
وقوع میں آیا۔ بلکہ ہندوستان سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ سے فتح ہوا ترکستان بعض دوسرے اہل اسلام
ہاتھ سے فتح ہوا۔ روم بالکل عثمان ترکمانی اور ان کی اولاد سے فتح ہوا۔ اب تک ملک وسیع چین اور خطہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قلمرو سے خارج ہے۔ یعنی امت محمدی کا اب تک اس پر قبضہ نہ ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ
حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے وقت میں یہ سب ملک بھی آجائیں گے۔ خلافت الارض کا
حضرت ابوالبشر کی ہے ایک عمدہ کمال ہے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توسط بعض اشخاص ائمہ
کے یہ کمال حاصل ہوگا۔ کہ وہ مددگار ان امام مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے ہوں گے۔ چنانچہ جامع صغیر میں اس
مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

أُخْبِرْتُ أَنَّ عَصَابَةَ ثَمَانِ عَصَابَةٍ تَنْتَدُوا الْهِنْدَ وَعَصَابَةٌ مَعَ عَيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
یعنی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں زیادہ بہتر دو گروہ ہیں۔ ایک وہ گروہ
کہ ہند میں عزوہ کرے گا۔ دوسرا گروہ وہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے گا۔
اب آفتاب کی طرح ظاہر اور روشن ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کمالات حاصل تھے
تصرف بعض کمالات میں توسط بعض اشخاص امت کے واقع ہوا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

الْأَمِينِ وَالْأَخِيرِينَ وَالْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔ یعنی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو علم اولین
وآخرین کا دیا گیا۔

لیکن تصرف علم کلام میں مثلاً توسط شیخ ابوالحسن اشعری و شیخ ابو منصور ماتریدی و استاد ابو اسحاق ہنفری
اعلام غزالی رحمہم و امام رازی و غیرہ بعض دیگر علماء کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔
ایسا ہی تصرف علم فقہ و تفصیل احکام شرعیہ میں کتاب الطہارت سے کتاب السلم اور کتاب الشفہ
اور فرائض اور وصایا تک توسط حضرت امام اعظم رحمہم و امام شافعی رحمہم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا
اور ایسا ہی تصرف آداب اور طریقت میں اور اشغال ذکر جہری، ذکر خفی اور مراقبہ کا طریقہ مقرر کرنے میں جناب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توسط حضرت سید عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی
اور حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی کے اور ان حضرات کے مانند اور بزرگواروں کے توسط سے
حاصل ہوا۔

قرآن اور کمالات محققہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا سب عطا کیا۔ اس میں ظاہر طور بحث
ہے۔ اس واسطے کہ اگر مراد عطا تقدیری ہے تو مسلم ہے۔ لیکن اِنَّ اللَّهَ اخْتَدَىٰ فِي حَلِيقَتِهِ لَآمِينَ بھی عطا تقدیری مراد
ہوگی اور عطا واقعی مراد ہے تو ظاہر ہے کہ یہ مقام تحقیق ہے۔ اس واسطے کہ مقام محمود اور مقام وسیلہ کا حاصل
ہونا بھی وقوع میں نہیں آیا۔ چنانچہ امت کے حق میں کہہ ہے کہ پانچوں وقت اذان کے بعد یہ دعا کرے کہ:-
اَبْتَغِيكَ الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةَ وَابْتَغِنِي مَعًا مَحْمُودًا
الَّذِي وَعَدْتَنِي اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ
یعنی: اے پروردگار عطا فرما تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ وسیلہ کا اور فضیلت اور پانچوا
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن مقام محمود میں کہ جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے تحقیق
کہ تو وعدہ خلافت میں نہیں کرتا۔

ایسا ہی ہر نماز میں یہ دعا کرنے کا حکم ہے۔ یعنی درود شریف پڑھنے کا حکم ہے:-
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا
صَلَّيْتَ عَلٰی سَيِّدِنَا اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ
حَسْبُنَا مُحَمَّدٌ

یعنی: اے پروردگار درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی آل پر جیسا تو نے درود بھیجا ہمارے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی آل پر تحقیق کہ تو غالب حمد ہے اور بزرگ ہے۔

قولہ اور خلاف مقتضی طبیعت کے ہونا کہاں ثابت ہوا۔ اس پر عقلی دلیل لے آنا چاہیے۔ اس کا یہ ہے کہ مراد اس جگہ طبیعت سے طبیعت عنصری نہیں ہے۔ بلکہ مراد طبیعت سے طبیعت کمالیہ ہے۔ کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امر کے لئے مقتضی ہوا کہ ظاہر کی تہذیب اعمال جو ارجح سے فرمادیں اور تہذیب قلب اور نفس اور عقل کی اعمال باطن سے فرمائیں۔ اور اس کے را اور کمالات میں تصرف کرنا کمال امت کو سیر دیا۔ اس واسطے کہ اہم مقاصد اور موقوف علیہ سب کمالات کا انہیں کمالات مذکورہ کو اہم فرماتے تھے۔ اور یہ امر ان لوگوں پر نہایت ظاہر ہے جو سیرت مصطفوی سے واقف ہیں۔ یعنی شغل اور تعلیم ارکان اسلام اور قواعد اجمالیہ سلوک یعنی ہمیشگی فکر سانی کی اور نگہ مناسبات و ادعویہ و اذکار اور کلمات احوال قلب کا یعنی حب اور بغض کا حال اور احوال مدرکہ کا یعنی بیداری اور غفلت اور توجہ اس قوت درکار کی میں ہر قسم کے اور توجہ کے خواہ نفسی ہو آفاقی مبداء کی طرف اور بہ نسبت ماسوی اللہ کے اللہ کے ساتھ زیادہ محو رکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت جان و مال و اہل و اولاد و فدا کرنا اور ایسا ہی اور اکثر اعمال میں جو سیرت مصطفویہ میں ہے۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا وَثَلَاثِينَ۔ کی تفسیر میں احادیث مذکور ہوئیں اور یہ ظاہر ہے کہ شغل مالموں بھی مقتضی طبیعت کا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ عادت طبیعت ثانیہ ہے اور اس کا خلاف مقتضی طبیعت کے خلاف نہیں۔ یہ اس مطلب کی دلیل اصلی ہے اور دلیل نقلی یہ ہے کہ صحاح کی احادیث میں موجود ہے کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں دو مقام میں کچھ لوگ بیٹھے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دونوں لپچھے شغل میں ہیں۔ ان دونوں مقام کے لوگوں میں ایک مقام کے لوگ افضل ہیں بہ نسبت دوسرے مقام کے لوگوں کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ تو اگر چاہے تو ان کو دیوے اور اگر چاہے تو نہ دیوے اور لیکن وہ لوگ یعنی دوسرے مقام کے لوگ فقہ یا علم کی تعلیم کرتے ہیں جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں تو وہ لوگ افضل ہیں۔ اور میں مرث تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لوگوں کی مجلس میں رونق افروز ہوئے۔ اور نہایت صریح دلیل اس امر میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ عناب میں فرماتا ہے:-

وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

اور روک رکھئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ کہ پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح و شام اس غرض سے کہ وہ لوگ اس کی رضا مندی چاہتے ہیں:-

گر یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتضی طبیعت کے خلاف نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مبرا حکم فرماتا اور ایسا ہی یہ آیت ہے:-

وَلَا تَطْرُقِ الْأُذُنَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

یعنی اپنے پاس سے مت ہٹا دیجیئے ان لوگوں کو کہ جو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح و شام:-

اور اس امر کے لئے دلیل یہ ہے کہ ان امور کی تعلیم یعنی تہذیب ظاہر کی اور جو کچھ حکم میں ظاہر کے ہے مثلاً عقل اور قلب اور نفس کی تہذیب موقوف علیہ ہے۔ سب کمالات کے لئے تمام امور ولایت کی ہی بنیاد ہے۔ ان امور کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توجہ نہ فرماتے اور نہایت کوشش سے اس میں تصرف نہ فرماتے تو یہ بنیاد ناقص رہتی اور کوئی شخص اس امت کا قائم مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس تعلیم میں نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ جب تک صاحب شریعت کی جانب سے نص نہ وارد ہو۔ یہ امور دریافت نہیں ہو سکتے اور کشف و عرفان ان مطالب تک نہیں پہنچ سکتا۔ بخلاف دیگر کمالات کے کہ وہ کشف و فراست سے بھی دریافت ہو سکتے ہیں۔ اور دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن کشف و معرفت بھی اس پر موقوف ہے کہ ظاہر کی تہذیب ہو۔ اور وہ امور جو ظاہر کے حکم میں ہیں ان کی بھی تہذیب بھی ہو۔ اور اس تہذیب کی تعلیم کے بعد تفاسیل کمالات کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات و احادیث سے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متبع کرنے سے جس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلوک طریق خلعت میں تصرف نہ فرمایا اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمیع ولایت میں تصرف نہ فرمایا۔ تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ فی الواقعہ بیاض شغل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر کی تہذیب میں تھا۔ ان امور کی تہذیب میں تھا جو ظاہر کے حکم میں ہے۔ اس طرح شغل باطن کی تہذیب کا اور شغل کشف باطن کا نہ تھا۔

اور یہ سیر کے متبع کرنے سے ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مقام خلعت اور دیگر ولایت میں بدیہی فرق ہے اور اس کی بن وجہ ہے:-

اول وجہ

اول وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مقامات کا نشان ارشاد فرمایا ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ

یہی بیان فرمایا ہے۔ کبھی صراحتاً بیان فرمایا ہے اور کبھی کنایہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً يُحِبُّهُمُ وَيُحِبُّونَهُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ ورجل يُحِبُّ اللَّهَ دَرَسُوهُ وَيُحِبُّ اللَّهَ دَرَسُوهُ یعنی مرد کہ محبت رکھتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ اور رسول کو اس سے محبت ہے۔ اور رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ یعنی راضی ہوا اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ یعنی تحقیق کر راضی ہوا اللہ تعالیٰ مؤمنین سے کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کی بیعت قبول کرتے ہیں درخت کے نیچے تو اللہ تعالیٰ نے جاننا ان کے دل کا حال اور ان اللہ اسنی بخت از بختی من اصحابی و اخبرنی انہم يُحِبُّونَهُ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو خاص طور پر چار صحابی کی محبت کے بارے میں حکم فرمایا۔ اور مجھ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ

اُن سے محبت کرتا ہے۔

اور اس کے سوا اور بھی آیات اور احادیث ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض اشغال اور افعال اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہیں یعنی ان افعال اور اشغال سے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے بخلاف مقام خلعت کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے اور اس کے حاصل ہونے کی علامت بھی بیان فرمائی ہے۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر ولایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جلد مروج اور متداول ہو گئی۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین سے لے کر حضرت حیدرہ اور آپ کے اقران کے زمانہ تک اور پھر پیشوایانِ فساد و ریب و حشیشہ کے زمانہ تک دیگر ولایت کا طریقہ بخوبی متداول ہو گیا اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی محبوب اور مفصل مرتب ہو گیا۔ بخلاف مقام خلعت کے کہ اس زمانہ دراز تک اس کا ذکر کسی نے نہ کیا اور نہ کسی نے اس کے حاصل کرنے کا طریقہ کسی سے بیان کیا۔ ہزار برس گزر گئے اور اس کے حاصل کرنے کا پرہیز اخفا میں رہا۔ حق تعالیٰ نے اس امر کے لئے حضرت مجدد کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر شریف میں مودع اور کنون تھا۔ اس کے ظہور کے لئے غشا حضرت محمد ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اور ہزاروں طالبین کو آپ کے طفیل سے اس طریقہ کا سلوک بیسر ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک

اب یہ طریقہ ایسے طور سے بیان کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ طریقہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس طریقہ مجددیہ کی اتباع کی جائے۔ حضرت مجدد کے قبل سلوک کے سبب طریقہ محبت و محبوبیت کے ذریعہ سے حاصل کئے جاتے تھے۔ اول محبت کی راہ طے کرتے تھے۔ اور آخر محبوبیت کے درجہ سے فائز ہوتے تھے۔ اور لوازم محبت میں نہایت کوشش کرتے تھے۔ مثلاً ان امور کا نہایت کوئی کرتے تھے۔ ذکر جہر، وجد، شوق، انکسار، تضرع، صبر، توکل، رضا جوئی اور لازمی صفات خصوصاً احاطہ اور بیعت

اور استغراق توحید و جود اور توحید فعلی میں اپنے کو ایسا رکھنا جیسا کہ نہلانے والے کے ہاتھ میں تپتا رہتا ہے اور اپنی صفات اور غیر کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا سمجھنا۔ بلکہ اپنی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات میں محو کرنا۔ اور اس کا حسن و جمال ہر منظر میں مشاہدہ کرنا۔ حاصل کلام سابق میں لوگ ان امور میں نہایت کوشش کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد ابتداء سلوک میں انوار و تجلیات سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اول سلوک میں فنا و بقا کے درجہ سے فائز ہوتے تھے اور اتحاد کادم بھرتے تھے۔ اَنَا مَنَّ اَهْوَى وَ عَنِ اَهْلَا اَنَا یعنی میں وہ ہوں کہ اس کو چاہتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں وہ میں ہوں۔

اور یہی طریقہ اس وقت تک جاری رہا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ عجد وانی کو ذکر خفی کی تلقین کی اور حضرت خواجہ عجد وانی کو یا اصل اصول طریقہ مجددیہ کے تھے۔ اور پھر حضرت خواجہ نقشبند کے وقت میں ذکر خفی کے طریقہ کو ترقی ہوئی۔ لیکن حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے وقت میں علوم توحید اس طریقہ میں شامل ہوئے اور پھر علوم توحید کو غلبہ ہوا۔ اور پھر حضرت مجدد قدس اللہ سرہ نے اس کو بخوبی شائع فرمایا اور اپنے چاک سینہ سے محبوب کا شمع راغ ظاہر کیا۔ اب یہ موقوف ہوا اور شوق و اشتیاق اور وجد اور مناجات اور تضرع ایک طرف ہوا۔ جو کچھ ہے قلب اور روح اور سر اور خفی اور اخفی اور عناصر اور بدن میں ہے۔ حتیٰ کہ انوار اور تجلیات خود اپنے باطن سے اپنے باطن میں پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ مقام خلعت تک لے جاتا ہے۔ محبت کا معنی عاشقی ہے اور محبوبیت کا معنی معشوقی ہے۔ اور خلعت کا معنی یارانہ ہے تو مقام خلعت میں یارانہ صحبت ہوتی ہے اور سابق میں عاشقی اور معشوقی تھی۔ مقام خلعت میں جانین سے راز دینا ہوتا ہے۔ اور طرفین سے سرگوشی واقع ہوتی ہے۔ اور عاشقی میں نعرہ اور بے تابی اور در و دیوار پر سر لڑنا ہوتا ہے۔ اور معشوقی میں ناز و ادا اور فخر و مباہات ہوتا ہے۔ یہ طریقہ خلعت کا اجمالی بیان ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ اس کو مفصل طور پر دریافت کرے تو چاہیے کہ پیروی کنندگان طریقہ مجددیہ کے ساتھ چند سال نشست اور درخواست رکھے۔ اور اپنے وجدان کی جانب نظر کرے کہ کیسا رنگ آتا ہے جو سابقین کے طریقہ کے سوا ہے۔ اور وجدان غیر کے لئے دلیل نہیں تو اگر غیر منکر ہو، تو اس میں مضائقہ نہیں۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ بر نماز رہ پنہاں بحرم قافدا
قاصرے گر کند این طائفہ را طعن قصور حاشا اللہ کہ آدم بزبان این سگھ را
ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند رو بہ از جیلہ چاق بگسلد این سلسلہ را
یعنی نقشبندیہ عجب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راہ سے حرم میں قافلہ کو لے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کوتاہ نظر اس طائفہ کے حق میں قصور کا طعن کرے تو حاشا اللہ زبان پر یہ گلے آؤں گا۔ کہ جہاں کے سب شیر اس زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں تو کومری اس جیلہ سے کس طرح یہ زنجیر توڑے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خلعت ایسی حالت ہے کہ اس میں جانین کی محبت اور محبوبیت شامل ہے۔ تو مقام خلعت کی نسبت مقام محبت و محبوبیت کے ساتھ ایسی ہے کہ جو نسبت مرکب اور بسیط میں ہے۔ اور بسیط مقدم ہوتا ہے مرکب پر بسیط۔ تو وضعا بھی مقدم کیا گیا۔ پہلے اس امت میں محبت صرفہ اور محبوبیت صرفہ رائج ہوئی۔ اس طور سے کہ اول سلوک میں محبت اور آخر سلوک میں محبوبیت ہو۔ جیسا سالک مجذوب میں ہے یا بالعکس ہو جیسا مجذوب سالک میں ہے اور جب دورہ بساط کا تمام ہوا تو دورہ مرکب کا شروع ہوا۔

ہوں فراغت ز مفردات آمد وقت مشق مرکبات آمد
یعنی جب مفردات حروف کی مشق سے فراغت حاصل ہوئی تو مرکبات کی مشق کرنے کا وقت
اور قابل تعجب تو یہ ہے کہ اگرچہ اس طریقہ مجددیہ کا رواج اور شیوع اور اس ضمن میں فیوض الہی کا فیضان اللہ
مصطفویہ پر پیچھے ہوا ہے لیکن اس کا مبداء مقدم ہے۔ دیگر طریق کے مبادی پر اس واسطے کہ اس طریقہ
حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہے۔ آپ اول خلیفہ ہیں اور بالغ مردوں میں آپ پہلے اسلام سے مشرف
اور نص سے بھی آپ کا استحقاق غلت ثابت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
ہے :-

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِمَّنْ آمَنُوا لَآتَاكَ خَلِيلًا إِلَى أَهْلِ الْوَحْيِ
یعنی اگر میں اپنی امت سے کسی کو اپنا خلیل بنا تا تو حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیل بنا تا آخرت میں
اور اگر کسی کے دل میں خطرہ گذرے کہ اس مشورت میں لازم آتا ہے کہ تمام بیرونی کشمکشیں
ہیں اولیائے سابقین سے سبحان اللہ یہ بہتان عظیم ہے تو کہتا ہوں کہ اس کا جواب نہیں وجہ یہ ہے :-
پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آگیا کہ طریقہ غلت کو انہل سب طریقہ میں نہیں۔ حالانکہ
نہیں محبوبیت افضل ہے مقام غلت سے اور یہ اس کا رستہ سے ثابت ہے کہ لا شوق حبیبی علی
خلیل یعنی اختیار کرتا ہوں اپنے حبیب کو اپنے خلیل پر۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ افضلیت باعتبار علوم و تہ کے ہوتی ہے جس مقام میں ہو خواہ غلت ہو
محبوبیت ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہوں اور امراء کے یار اور مصاحب ہوتے ہیں کہ ہمیشہ حضور
رہتے ہیں اور ان کے ساتھ راز و نیاز رہتا ہے اور امراء کے صوبیدار اور رسالہ دار اور کارخانہ دار کے دار
اور دفتر کے متصدی بھی ہوتے ہیں۔ اور ان اشخاص کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ نسبت مصاحب اور
مرتبہ کے۔ اگرچہ دوام حضور اور قرب دائمی حاصل ہے تو اس قرب دائمی کے سبب دوسرے طریقہ میں
ہوتا ہے۔ البتہ اس طریقے کے بندی کو اس وجہ سے ترجیح اور زیادہ فضیلت حاصل ہو سکتی تھی کہ مجاہد
اور ریاضت اور کشف و کرامات اور ظہور خوارق عادات میں اس طریقہ کے بندی کو بر نسبت دیگر طرق
بندی کے ارجح ہوتے۔ چنانچہ کسی قائل کا قول ہے :-

اقل ما آخر ہر منتہی است و آخر ما حبیب تمنا تہی است
یعنی ہمارا اول ہر منتہی کا آخر ہے اور ہمارے آخر سے تمنا کا حبیب خالی ہے۔ حاصل کلام یہ
جزئی کو بجائے فصل کلی کے اختیار کرنا اور اس کی فضیلت کے وجود پر نظر کرنا کوتاہ نظروں کا کام ہے۔

قولہ پس چاہیے کہ ہر متوسط اشخاص امت محمدیہؐ کا دوسرے راہ سے محیط کے ساتھ مناسبت
رکھتا ہوتا اس مرتبہ کا محال حاصل کرے۔ اور حقیقت میں وہ مرتبہ تحقق ہو۔ یہ الفاظ کس عالم سے ظاہر

ہیں۔ اس سے تشویش ہوتی ہے تو کہتا ہوں کہ یہ کوئی مقام تشویش نہیں، اس واسطے کہ مراد راہ دیگر سے
محبت اور محبوبیت کی راہ ہے اور ان دونوں طریق سے دائرہ غلت کی محیط کے ساتھ مناسبت ہو سکتی ہے اس
واسطے کہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ غلت وہ مابینیت ہے کہ مترجج ہے محبت اور محبوبیت سے اور کسی شے کے
وجہ ہوں اور اس کا ایک جہزہ حاصل ہو جائے تو اس شے کے ساتھ مناسبت ہو جاتی ہے۔ یہ امر بدیہی کے
مانند ہے۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے سمجھا ہے کہ راہ دیگر سے مراد وہ راہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کی اتباع کے سوا ہے اور اس وجہ سے معترض تشویش میں پڑا ہے۔ حالانکہ خود معترض نے اپنی سابق کی تقریر میں
اقرار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے واسطے سب راہ واضح فرمادی ہے کہ کوئی راہ باقی نہ رہ
گئی۔ پھر معترض کو یہ دم کیوں ہو گیا۔ اور اگرچہ اس عبارت سے صراحتہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مراد اس ایک شخص سے
اپنی ذات شریف کو قرار دیا ہے لیکن فی الواقع یہی امر ہے کہ جو شخص معترض کے احوال سے آگاہ ہے وہ
جانتا ہے کہ یہ سب امور معترض میں متحقق تھے۔ اس واسطے کہ یہ طریقے حاصل کرنے کے قبل معترض نے اپنے
والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہ سے طریقہ قادریہ حاصل کیا تھا اور طریقہ قادریہ کی بنا محبوبیت
پر ہے اور حضرت شیخ عبدالاحد نے یہ طریقہ شاہ کمالی کنتلی سے حاصل کیا تھا۔ اور شاہ کمال کنتلی نے
یہ طریقہ سید فیصل سے حاصل کیا تھا۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ آخر سلسلہ تک یہ طریقہ حاصل ہوا۔ اور تعجب
تو اس امر سے ہوتا ہے کہ جب ان کو یہ طریقہ عنایت ہوا۔ اور برسوں اس طریقہ تعلیم فرمائی تو اس کے بعد حضرت
شیخ سکنذریہ حضرت کمال کنتلی قدس سرہ صاحب طریقہ محبوبیت کی اجازت اور حکم سے
غور فرماتے آئے۔ اور مرہندین ن کو پہنایا۔ تو مقام غلت کی راہ سے محبوبیت میں پہنچے تھے اور اس طرح
کافی عجب محاسبات خدا سے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندگان برگزیدہ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ رکھتا
ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں بنائے کعبہ میں شریک ہوئے اور حجر اسود لکھا اور اس وجہ سے
اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیمی حاصل ہوا۔ پھر مدینہ منورہ میں جہاد میں مشغول رہے اور
یہود و نصاریٰ کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس وجہ سے مقام موسوی اور مقام عیسیٰ حاصل ہوا۔ اور
شب عراج میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس درجہ کا
آغاز ہوا۔ اور غزوہ تبوک کہ اول غزوات شام سے ہے۔ اس وقت اس درجہ میں بہت ترقی ہوئی تھی کہ
حجۃ الوداع میں پھر کمال ابراہیمی سے مشرف ہوئے۔ اور مقام ابراہیمی نے اس دن نہایت جلوہ دکھایا اور نہایت
بکرہ رجوع ہو طرف ہدایت کے متحقق ہوئے۔

قولہ: اور بعض مقام میں حضرت مجدد درج نے نکھا ہے کہ فرخضر ہو یا الیاس ہو۔ تو اس سے
صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد اس شخص اپنی ذات ہے۔ تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس کلام میں
تناقض نہیں۔ اس واسطے کہ کشفیات میں اکثر مبہم القا ہوتا ہے۔ پھر اس مبہم کا تعین کیا جاتا ہے۔ جب مبہم

شے القا ہوتی ہے۔ تو اس کی تعین میں عقل کو جولانی ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح کا ابہام اور تعین و قورح میں آیا ہے صحیحین میں موجود ہے:-

اِنِّیْ اَرِیْتُکُمْ دَارَ مَجْرَتِکُمْ مَّامِنٌ خَلْدٌ مَّعَا وَفَدَّ هَبْ وَهَبِیْ اِنَّهَا الْیَمَامَةُ اَمَّحَجْرٌ نَّاذِیْ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَرْکَبُ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو تم لوگوں کی ہجرت کا مقام دکھایا گیا درمیان درخت خرما اور پانی کے۔ مجھ کو خیال ہوا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے تو معلوم ہوا کہ وہ مدینہ یعنی یشرب ہے۔

ایسا ہی حال حضرت مجدد کا اس کشف میں ہے کہ پہلے آپ کو بطور الہام کے معلوم ہوا کہ فردوس الیا ہونا چاہیے۔ پھر جب دیکھا کہ اس طریق کی بنیاد حضرت خضر علیہ السلام نے ڈالی ہے تو خضر علیہ السلام کو ہوا۔ پھر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام لوگوں کے ساتھ اختلاط بہت رکھتے ہیں اور طریقہ علم کو خلوت اور گوشہ نشینی لازم ہے۔ تو حضرت الیاس علیہ السلام کی طرف خیال کیا۔ یہ سب خیال اس سے ہوا کہ جو کمال واسطے پیغمبر عظیم الشان کے ہے۔ اس کے حصول کے لئے متوسط کسی پیغمبر کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ان دو پیغمبر کے سوا کوئی دوسرا پیغمبر نہیں اور پھر آخر میں معلوم ہوا کہ ضرور نہیں کہ پیغمبر ہوں۔ بلکہ اس امر میں اپنے پیغمبر کی کمال متابعت کافی ہے اور اس امر میں مقصود گوشہ نشینی و خلوت انجمن ہے۔ جیسا کہ طریقہ حضرت خواجگان کی بنا اس پر ہے۔ خلوت جہانی پر نہیں۔ بہر حال یقیناً معلوم کہ وہ متوسط خود آپ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی نعمت بیان کر تو اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہو تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ نعمت یا تو اس وجہ سے حضرت مجدد نے یہ امر بیان فرمایا۔ ایسے اختلافات کو ناقض سمجھنا اس کام سے کہ بعض کے کشوفات سے اس کو مناسبت نہیں۔ ورنہ شیخ اکبر کے کلام سے اکثر زام میں مفہوم ہوتا ہے کہ الاولیاء اس امت میں حضرت امام مہدی ہیں۔ اور شیخ اکبر نے اکثر مقام میں اپنے کو حاتم الاولیاء دیا ہے۔ مع چوشتوی سخن اہل دل کو کہ خطاست سخن شناس نہ دلبر خطا اینجا است

یعنی (جب اہل دل کی بات تو سنے تو مت کہہ کہ خطا ہے تو سخن شناس نہیں خطا اس مقام میں ہے۔)

قولہ: میں ہوں کہ یہ کمالات رسول خدا کو کسب کرایا ہے۔ اس کا جواب دیتا ہوں عبارت میں نقل کرنے میں صراحتاً خیانت اور تحریف واقع ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ کسب کرنے۔ قیادریہ ہوتا ہے کہ یہ فرد بجائے شیخ اور مرشد کے ہے۔ معاذ اللہ رسول خدا سب سے طالب اور تلمیذ اور ہرگز حضرت مجدد کے کلام کا پیغمبر نہیں اور صحیح عبارت اس قدر پر ہے کہ میں ہوں کہ یہ کمالات کسب

جناب رسول خدا کے ساتھ منسوب کیا ہے اور آنجناب کے کمالات میں بطور نیاز کے گزارنا ہے اور آنجناب کے دفتر اعمال میں لکھوایا ہے۔ اگر زبان طالب علمانہ میں میضمون ادا کیا جائے تو کہنا چاہیے کہ جب کہا جاتا ہے کہ یہ صفت فلاں کو بواسطہ فلاں کے حاصل ہوئی۔ تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ وہ واسطہ واسطہ فی الثبوت ہو، یعنی وہ صفت پہلے واسطہ کو حاصل ہوئی ہو۔ پھر اس واسطہ سے بطور سببیت کے وہ صفت ذی واسطہ کو حاصل ہوئی۔ جس طرح پانی کی حرارت بواسطہ آگ کے ہوتی ہے تو دہاں دو طرح کی حرارت ہوتی ہے۔ ایک حرارت آگ کے ساتھ قائم رہتی ہے اور دوسری حرارت پانی کے ساتھ جتنی ہے کہ وہ حرارت پانی کی آگ کی حرارت سے حاصل ہوتی رہتی ہے۔ یہ معنی ہرگز مراد حضرت مجدد کے نہیں۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ واسطہ واسطہ فی العوض ہو یعنی صفت واحدہ درحقیقت واسطہ کے ساتھ قائم ہو۔ اور ذی صفت واحدہ واسطہ کے ذریعہ سے ذی واسطہ کے ساتھ منسوب ہو۔ مثلاً حرکت جالس سفینہ کی طرف بھی منسوب ہوتی ہے یا بالعرض والمجاز منسوب ہوتی ہے حضرت مجدد کی مراد یہی معنی ہیں۔ یعنی یہ کمالات میں نے حاصل کئے اور یہ کمالات مجھ میں قائم ہوئے۔ اور جناب رسول کے ساتھ منسوب ہوئے ہیں۔ بحکم اس کے کہ امت کے اعمال پیغمبر کے دفتر اعمال میں محسوب ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی انفسہ ان کمالات کے کسب سے مستغنی ہیں۔ اس واسطے کہ اس سے ارفع کمال حاصل ہے اور یہ معنی مراد ہونے میں کوئی قباححت لازم نہیں آتی۔ اور اس کو دلائل سے بھی ثابت کر دیتا ہوں۔ بعون اللہ ربوفیق چنانچہ اس مدعی پر دلیل یہ ہے کہ خزانہ زمین کی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کو حاصل ہوئی اور ایسا ہی تصرف تمام زمین میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کو حاصل ہوا۔ اور یہ امر بواسطہ ان تابعین کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب ہوا۔ اور سینکڑوں برس کے بعد بلکہ ہزار برس سے زیادہ زمانہ کے بعد زقیت لی الارض مشارقہا وغیرہا متحقق ہوا۔

یہ بھی دلیل ہے کہ فتح فارس و روم اور ہلاکت کسری و قیصر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ہاتھ وقوع میں آئی اور یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب ہوا۔ یہ بھی دلیل ہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ

يَا عَلِيُّ اِنَّكَ تَعْتَابِلْ عَلٰی تَاْوِيلِ الْقُرْاٰنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِيْلِهِ

یعنی اے علی رضی اللہ عنہ تم قال کر دے گے بعض لوگوں کے ساتھ اس سبب سے کہ وہ لوگ تاویل قرآن سے جو حکم ثابت ہوگا اس سے وہ انکار کریں گے جیسا میں نے قال کیا بعض لوگوں کے ساتھ اس وجہ سے کہ قرآن شریف میں جو حکم نازل ہوا ہے اس سے ان لوگوں نے انکار کیا۔ اور یہ امر تیس برس کے بعد حضرت علیؓ نے

مراتب ولایت خلیلی کے اس واسطے سے ہوتے ہیں۔ ولایت موسیٰ سے حاصل ہونے کا کچھ معنی نہیں۔ تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ ولایت خلیلی کا تصرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا مگر اس سے زیادہ اہم شغل تھا۔ اس واسطے ہمیں تصرف نہ فرمایا تھا۔ اور حضرت مجدد نے نہایت اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا۔ تو صرف اتباع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور سے مجدد کو ولایت خلیلی کا تصرف حاصل ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب ہوا۔

چنانچہ مولانا رومی قدس اللہ سرہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت متابعت کی۔ اس وجہ سے حضور خداوندی سے آپ کو توفیق مرحمت ہوئی کہ آپ نے شہنشاہ تصنیف کی کہ جو ہر گز اکوٹ علم سلوک و علم معرفت سے پر ہے اور وہ شہنشاہ حضرت رسالت پناہ کے ساتھ منسوب ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصنیف نہیں فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغُ لَهُ

یعنی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہ سکھایا نہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سزاوار ہے۔ اور ارتقا برنخ کا سمجھنا اور علم شیطانی ہے۔ العوذ باللہ من ذالک، اور یہ شبہ بالکلیہ اس طور سے حاصل ہو جا آئے کہ شہنشاہ کا سب معنی اور مضمون مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے۔ اور مولانا جلال الدین رومی نے وہ معنی اور مضمون شعر میں بیان فرمائے ہیں۔ اور ایسا ہی اجزاء مقام خلعت یعنی محبت اور محبوبیت سب ماخوذ جناب پیغمبر سے ہیں۔ اور حضرت مجدد نے نہایت مترجم میں تصرف کیا ہے اور یہ وجہ اس امر کے لئے کافی ہے کہ اس مقام کا اختصاص آپ کے ساتھ ہو چنانچہ سنجین کا دامن دعویٰ اختصاص سنجین کا اپنے حق میں کرے تو یہ اس کو مزاوار ہے۔ اگرچہ سرکہ اور شہد کی خصوصیت اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اور سرکہ اور شہد کے خواص کو کسی دوسرے سے سیکھا ہو۔ مگر اس کا دعویٰ اختصاص کا صحیح ہے ایسا ہی یہ مقام بھی ہے۔

قولہ۔ اور دعائے الکلمۃ صلی علی سیدنا محمد کما حکمت علی سیدنا ابیہم ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَذَرُ الْأُمَمَ مِنَ الشَّكَمِ إِلَى الْأَرْضِ تَخْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مَعْدًا أَلْفَ سَنَةٍ مِثْلَ ثَوْنٍ ۚ

یعنی اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے امر کی آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ اس کی طرف دن میں کہ اس کی مقدار ہزار برس ہے۔ اس حساب سے کہ تم شمار کرتے ہو؟

تو اس آیت سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا بعض کام امتزاج فیض سماوی وارضی معوذاً بہو ظاہر اس سال کی مدت میں تمام ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ دعاء بھی اس قبیل سے ہو اور یہ بھی جواب ہے کہ بعض مواعد الہی کہ دوبارہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور امت پیغمبر کے ہیں۔ حضرت امام مہدی کے زمانہ میں وقوع میں آئیں گے۔ تو اگر ان مطالب کے لئے دعاء کی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ دعاء بہت دنوں کے

رضی اللہ عنہ کے ماتحت سے وقوع میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفتر اعمال میں محسوب ہوا۔ اس مقام میں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ قتال علی تاویل القرآن ایک عمدہ کمال تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہ ہوا۔ مگر بواسطہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال قتال علی تنزیل ہے۔ ارفع اور اکمل ہے قتال علی تاویل القرآن سے۔ لیکن ممکن نہ تھا کہ یہ قتال علی تاویل القرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہو۔ تاوقتیکہ کوئی متوسط افراد امت سے واسطہ نہ ہو۔ تو اس وجہ سے ایک متوسط قرار دینے کے لئے کہ بواسطہ ان کے یہ قتال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب ہو۔ اور عدم امکان کی وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قتال علی تاویل القرآن کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس واسطے کہ تاویل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے فرماتے وہ تاویل تنزیل ہو جاتی۔ تو اس کے انکار جو قتال ہوتا۔ وہ قتال بوجہ تنزیل کے ہو جاتا۔ نہ بوجہ تاویل کے۔ اور اس تاویل کا منکر کافر ہو جاتا۔ اس لئے کہ وہ گویا نص صریح قرآن کا منکر ہوتا۔ اس لحاظ سے بعد میں متوسط کی ضرورت ہوئی کہ دو جہتیں ہو۔ ایک جہت سے مجتہد ہونا اس کی تاویل کا انکار نہ ہو۔ اور اس سے تنزیل کا انکار لازم نہ آئے۔ اور دوسری جہت سے اس کا حکم بمنزلہ حکم پیغمبر کے ہو۔ اس واسطے کہ خلیفہ حکم میں تخلف کچھ ہے اور اس وجہ سے جو شخص اس کے حکم انکار کرے تو اس کے ساتھ قتال کرنے کا حکم ہے اور یہ قتال بالعرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفتر اعمال میں سمجھا جاتا ہے۔ تو ایسا ہی یہ کمال حضرت مجدد رحم کا بھی ہے۔

قولہ۔ وہ راہ کہاں سے لے آئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد عالم دیگر سے عالم امتزاج مجتہد و محبوبیت ہے کہ اس کی تعبیر مقام خلعت کے ساتھ کی جاتی ہے تو یہ راہ خدا کے یہاں سے لے آئے۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قتال علی تاویل القرآن خدا کے یہاں سے لے آئے اور وہ قتال عالم دیگر سے ہے جہاں کفار کے قبیل سے بھی نہیں۔ اور قتال سلیمین کے قبیل سے بھی نہیں۔ بلکہ اس کی مہیت مترجم ہے اور یہ امر علی رضی اللہ عنہ کو بوجہ خلافت نبوت و متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت مجدد رحم کو بھی بسبب کمال متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کمال میسر ہوا۔ اور ان لوگوں کے حال پر تعجب ہے کہ آپ پر طعن کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ آپ استقلال کا دم بھرتے ہیں۔ اور برزخ کو درمیان سے اٹھا دیتے ہیں۔ اور نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں کہ آپ کا کلام مکتوبات و غیرہ میں بالامال ہے اس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا اور جا بجا اپنے حق میں اور اپنے تابعین کے حق میں اسی امر کے لئے خدا سے دعاء کی ہے اور اکثر مقام میں ہیں کہ ہمارے طریق کی بنا اس پر ہے کہ سنت کی کامل متابعت کی جائے۔ اور بدعت سے نہایت پرہیز کیا جائے۔

قولہ۔ برزخ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیان سے نہیں اٹھتا۔ اور سب

بد قبول ہوگی۔ یعنی حضرت امام مہدی کے زمانہ میں قبول ہوگی اور تفسیر اور روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ حضرت
نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حق میں اور اپنے ذریعہ کے حق میں بہت دعا کی تھی۔ اور ان دعاؤں میں
دعا حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں قبول ہوئی۔ اور ایسا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت
علیہ السلام نے دعا کی تھی :-

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ اِنْ قُلْتَ
لَكَ رَبَّنَا اَدْبَعْ فَيُنْفِرْ مِنْهُمْ رُسُلًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُؤْمِنُوا
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُؤْتِيَهُمْ

یعنی "اے پروردگار ہم کو اور اسمعیل کو اپنا فرمانبردار بنا اور میری اولاد سے فرمانبردار امت
تو بنا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا بھی مانگی۔ رَبَّنَا اِنْعَمْ عَلَيْنَا۔ یعنی اے پروردگار
اور بھیج پیغمبران لوگوں میں انہیں لوگوں میں سے کہ وہ پیغمبران لوگوں کو تیری آیات سناویں اور ان
لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔ اور ان لوگوں کو پاک کریں؟ اور یہ دعا ہزار برس کے بعد
قبول ہوئی۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ مِيرَاثُنَا لِلْعِبَادِ الصَّالِحِينَ
یعنی تحقیق کر دکھا ہے ہم نے زبور میں بعد ذکر کے یہ کر زمین کے وارث میرے بندگان صالحین ہوں گے
اور یہ وعدہ ہزاروں برس کے بعد پورا کیا گیا۔

قولہ : اس مدت میں ہزاروں اولیاد اور خلفائے راشدین ہوئے۔ اور کسی سے یہ کام انجام نہ
تعبیب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام تعجب نہیں، یہ شخص بیہودہ ہے سمجھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ
حوادث کے بارہ میں ہوتا ہے کہ فلاں وقت فلاں مقام میں فلاں فلاں اشخاص سے وہ صادر ہوں گے، ہم کچھ
کا وہاں گذر نہیں اور چون وہ چراگوا سمیں گنجائش نہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ اہل ہند کے ارشاد کے لئے خاص جہز
خواجہ معین الدین چشتی کیوں مخصوص ہوئے۔ چنانچہ شہرہ آفاق ہے کہ آپ کو دلی ہند کہتے ہیں۔ اور آپ کے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے چھ سو برس کا زمانہ تقریباً گذرا تھا۔ اور اس مدت میں ہزاروں
اولیاد کرام گذرے اور خلفائے راشدین گذرے تو چاہیے کہ معترض اس مقام میں بھی کہتے کہ یہ کام کسی سے نہ
تعبیب ہے۔ اور ملک ہندوستان کی ظاہر فتح سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کے ہاتھ سے ہوئی۔ اور ان کے
قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً تین سو برس کا زمانہ گذرا تھا۔ تو چاہیے کہ معترض
میں بھی کہے کہ اس زمانہ میں اکثر بادشاہ اور خلفاء گذرے اور کسی سے یہ کام نہ ہوا تعجب ہے۔

قولہ : اور اس کتاب کے آثار کہاں ہیں کہ اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں۔ نہایت تعجب ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کا

فناوی عریزی
کیا مقصود ہے۔ اس کا مطلب اوپر بیان کیا گیا۔ حضرت مجدد واسطہ فی العروس ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اضافیہ سے ایک صفت کے لاحق ہونے کے لئے متوسط ہوئے ہیں۔ اور اپنے اس کمال مکتبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فیض یاب کرتے ہیں۔ اس کے آثار صرف یہ ہیں کہ باطن کی تہذیب یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ملکہ حاصل ہو۔ و حضور دائمی کا مرتبہ حاصل ہو۔ اور اکھمد اللہ کہ یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اور عرض نے جو سوال کیا ہے کہ اس کے آثار کہاں ہیں۔ تو اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ بخارا اور سمرقند اور بلخ اور بخشان اور قندھار اور کابل اور غزنی اور تاشکند اور یاکندہ اور سرسبز شہر اور حصار شاد ماں کہ اہل اسلام کا مسکن ہے۔ وہیں ہندو و نصاریٰ اور روافض نہیں اور ان مقامات میں اس طریقہ کے سوا کوئی دوسرا طریقہ کثرت سے مروج نہیں۔ شاذ و نادر کوئی دوسرا طریقہ ہے۔ اس فرد کی امت کی نگہبانی کے لئے بھیجا۔ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟

دعا کی دینا ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ آپ کی ذات مبارک سے ملاحدہ اور روافض اور غالیان تو حیدر اور
جذریں اور معتقدین شریک جلی و خفی کے نہایت بالکلہ تردد کئے گئے۔ اور بفضلہ تعالیٰ آپ کے تابعین سنت کی پیروی
کرنے میں نہایت سرگرم ہیں۔ اور بدعت سے پرہیز کرنے میں نہایت مستعد ہیں۔ تو آپ کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص
کیس سے آنے اور دعویٰ کرے کہ مجھ کو فلاں حکیم نے اپنا نائب مقرر کر کے اس شہر میں بھیجا ہے اور لوگوں کو اس
کے علاج سے فائدہ ہو۔ اور وہ علاج عمدہ طور سے کرے تو متیقن ہو جائے گا۔ کہ یہ شخص صادق القول ہے کہ اپنے
منصب میں نیک نام ہوا اور یہ کام بخوبی سمجھ لایا۔ اور اگر معترض حکیم مطلق کی سند چاہتا ہے۔ تو وہ بھی موجود ہے
چنانچہ جلال الدین سیوطی رحم نے جمع البحار میں حدیث بیان کی ہے۔ ۱۔

يكون في امتي رجل يقال له صلة يدخل الجنة بشفاعته كذا
وكذا ابن سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ زَيْدِ بْنِ جَابِرٍ سَلَا عَنْهُ -

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا کہ اس کو لوگ صلہ کہیں گے۔ اس کی شفاعت سے بہشت میں داخل ہوں گے۔ اس قدر اور استقدر۔ یہ روایت ہے ابن سعد سے، اور انہوں نے روایت کی زید بن جابر سے اور یہ روایت مرفوع ہے :

اور شیخ بدر الدین رحمہ نے کتاب حضرات القدوس میں لکھا ہے کہ یہ حضرت مجدد دہم کے بارہ میں بنائے گئے ہیں۔ اس واسطے کہ علماء اور صوفیاء کے درمیان آپ صلت تھے کہ فریقین میں جو وحدت وجود کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ تو نزاع لفظی پر حمل فرمایا ہے اور آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَنِي مَسَلَةً بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ وَمَصْلَحًا بَيْنَ الْفِتْنَيْنِ.

یعنی سب تعریف ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے واسطے کہ اس نے مجھ کو صلہ بنایا دو دریا کے درمیان میں اور صلح کرنے والا بنایا دو گروہ میں، اور آپ کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت فرمائی جب تک کل

کرتے ہیں۔ فی الواقع وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معیت قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان لوگوں کے ہاتھوں پر ہے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-
وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ
تو فی الواقع آپ نے تیر چلایا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تیر چلایا !
ایسے ہی اور بھی نصوص ہیں۔ حاصل کلام فرعون کا یہ مقولہ تھا :-
مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ عِيسَىٰ ۖ وَأَنَا تَبَكُّمُ الْآخِلَىٰ

یعنی فرعون نے کہا میں اپنے سوا تم لوگوں کا کوئی خدا نہیں جانتا اور میں تم لوگوں کا بڑا پروردگار ہوں !
اور فرعون اپنے سوا دوسرے کے خدا ہونے کا ہرگز قائل نہ تھا۔ صوفیہ کے اقوال مذکورہ کا یہ مفہوم ہے
کہ ان کلمات کے قائل کو حضرت جناب رب العزت سے ایسی نسبت حاصل ہوئی کہ بعض وجوہ میں احکام کا مدار اتنا ہو گیا۔ صوفیاء کے اقوال مذکورہ اور فرعون کے کلام میں بہت فرق ہے۔

سوال : مسئلہ وحدت وجود میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔ جو مسلمان عاقل بالغ وحدت وجود کا اعتقاد رکھے اور یہ کہ جہہ اوست یعنی سب وہی اللہ تعالیٰ ہے تو اس کلام سے وہ مسلمان کافر ہو جائے گا یا نہیں؟
آپ علماء کرام اس مسئلہ کا جواب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کو اس کا اجر رحمت فرمائے۔

جواب : وحدت وجود اور جہہ اوست کا ظاہر معنی خلاف شرع ہے۔ جو شخص اس کا قائل ہو اگر اس کا اعتقاد ہو کہ حق تعالیٰ نے تمام چیزوں میں حلول فرمایا ہے۔ یا اس شخص کا عقیدہ ہو کہ تمام اشیاء اس ذات مقدس کے ساتھ متحد ہے تو اس کلام سے کفر لازم آتا ہے۔ اور اگر اس شخص کی مراد یہ ہے کہ تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ جیسا کہ جب کوئی شخص آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا ہے تو جو صفات اس کی صورت کے متعلق ہوتی ہیں۔ وہ صفات آئینہ میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تو ایسی حالت میں اس کلام سے کفر لازم نہیں آتا ہے۔ لیکن اس کلام سے ایسے ایک امر کا گمان ہوتا ہے جو خلاف شرع ہے۔ اس واسطے یہ کلام مجلسوں میں شائع کرنا مناسب نہیں۔ علی الخصوص جب عوام کی مجلس ہو تو نہایت نامناسب ہے کہ یہ کلام وہاں شائع کیا جائے۔ اس واسطے کہ عوام ایسی باتوں میں غور نہیں کرتے۔ یعنی ان کا خیال ظاہر معنی کی جانب ہوتا ہے۔ تو اس کلام سے عوام کا عقیدہ فاسد ہو جائے گا۔

فی الجہادی فی کتاب العلم عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ موقوفا
دعویٰ فی بعض الکتاب مرفوعاً حذی ثلثاً منہما یخوفون أختبوت
أن یکذب اللہ ورسولہ۔ یعنی صحیح بخاری کی کتاب العلم میں ہے کہ روایت ہے
حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً اور بعض کتابوں میں یہ روایت مرفوع ہے۔

یعنی قیامت میں اس قدر ہزار آدمی آپ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے اور حدیث مذکورہ کا مضمون امداد سے آنجناب پر صادق آتا ہے اور اس ہزار سال کے زمانہ میں کوئی ایسا گذرا ہے کہ اس کا لقب صلہ رکھو۔ اس کا ثبوت نقلیات اور کشفیات سے بھی ہوتا ہے۔ اور یہ آنجناب کے کسی مکتوبات میں بھی مرقوم قول :- اگر یہ نعمت کا شکر ہے تو کون متبول کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طرفہ ماجرا کہ نعمت کا شکر چاہیے کہ صاحب نعمت قبول فرمائے۔ اور دوسروں کے قبول یا نہ قبول کرنے سے کیا حاصل چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : لَآ اَشْكُرُكُمْ وَلَا ذِكْرُكُمْ۔ یعنی اگر شکر کرو گے تو تم کو ہم اور زیادہ دیں گے۔ تو تعالیٰ کے وعدہ کے موافق آنجناب کا شکر قبول فرمایا گیا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے قبول سے کام نہیں۔
إِذَا رَمَيْتَ حَتَّىٰ كَرَامَ عِيسَىٰ ۖ فَلَا رَالَ عِيسَىٰ نَاعِلًا لِمَوْتِ رَسَائِلِهِمَا
یعنی مجھ سے میرے بہترین ہم صحبت راضی ہیں تو چاہیے کہ بدترین ہم صحبت مجھ پر شتمناک ہیں
یعنی ان کے برہم ہونے کا مجھ کو کچھ خوف نہیں

سوال : قوم ناصب میں سے ایک شخص کا یہ مقولہ ہے کہ جب حضرت امیر کی حکومت ختم اور فارس میں ہوئی۔ تو آپ دنیا نے اپنی حکومت پر ایسے موقوف ہوئے۔ کہ آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ملعون وغیرہ بعض دوسرے حکام نے بھی خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تو ان دونوں دعویٰ میں کیا فرق ہے؟
جواب : یہ امر کہ جناب حضرت امیر نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس شخص کو چاہیے کہ پہلے یہ ثابت کرے کہ یہ دعویٰ کہ ناصیح نص سے ثابت ہے۔ پھر اس کے جواب اس خواستگار ہو۔ اگر اس شخص کی یہ فرائد ہے کہ اولیاء اللہ سے بحالت وجد کلمات صادر ہوتے ہیں۔ ان کا کاصدور آپ کی زبان مبارک سے بھی ہوا۔ مثلاً

أَنَا مَشِيَّ الْأَرْوَاحِ أَنَا بَاعِثُ مَنْ فِي الْعُبُورِ أَنَا يَدُ اللَّهِ أَنَا وَجْهُ اللَّهِ أَنَا الْقُرْآنُ أَنَا الْإِلَهِ
یعنی میں ارواح کا پیدا کرنے والا ہوں، میں ان لوگوں کا اٹھانے والا ہوں جو قبول میں ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کا منہ ہوں۔ میں قرآن ناطق ہوں۔

تو اس امر کو اس شخص کے مدعا سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ حماقت ہے کہ ان کلمات سے خدائی دعویٰ سمجھا جائے۔ ان کلمات سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہور جناب الہی آپ کو درجہ کمال حاصل ہوا اور صوفیاء کے اقوال کا یہی حاصل ہے اور پھر یہ قائل ان امور میں کیا کہے گا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ آگ ہے اور وہ آگ یہ کہتی ہے۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ یعنی میں خدا ہوں سب جہاں کا پروردگار ! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَكَاۤفٍ ۚ اِنَّمَا یَاۤمُرُکَ اِلَٰهُُکَ فَعَسَآ اَیُّکَ یُفْهِمَ ۚ
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے فرمایا :- جو لوگ آپ کی بیعت قبول

کہ لوگوں سے ایسی بات کہو جس کو وہ لوگ سمجھ لیں۔ کیا تم لوگ اس سے خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو بات نہیں کہی ہے وہ جھوٹی بات اللہ اور اس کے رسول کی بات کہی جائے۔

یعنی جب عوام سے کوئی مشکل مسئلہ بیان کیا جائے گا۔ اور وہ مسئلہ پیچیدہ عبارت میں کہا جائے تو ممکن ہے کہ وہ لوگ اس مسئلہ کو غلط طور پر سمجھ لیں۔ اور غلط فہمی سے دوسرے لوگوں سے کہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے یہ بات فرمائی ہے۔ حالانکہ وہ بات اللہ اور رسول کی نہ ہو مسئلہ وحدت وجود کا ذکر شرع میں مبرا آخرت مسئلہ وحدت وجود کی تصریح نہ قرآن شریف میں ہے۔ نہ حدیث شریف میں ہے۔ مسئلہ وحدت وجود کی بنا حضرات صوفیاء کے صرف کشف و شہود پر ہے۔ اہل تصوف نے اس غرض سے کہ ان کے کشف و شہود کی تائید جو ثابت کیا ہے کہ مسئلہ وحدت وجود کا قرآن شریف اور حدیث شریف سے مفہوم ہوتا ہے۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک مسئلہ وحدت وجود کا ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے۔

أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطٌ ۖ

یعنی آگاہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں پر محیط ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ وَهَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاکت میں ہے۔

أَلَا كُنْ شَيْءٌ مَّا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ ۚ

یعنی آگاہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب چیز باطل ہے۔

انکم تَدْعُونَنِي جَبَلٌ إِلَى الْأَرْضِ السَّابِغَةِ الشَّغْلَى كَهَيْطَةِ عَلِيٍّ ۖ

یعنی اگر تم لوگ نیچے کی ساتویں زمین تک رسی لشکاؤ تو دو مل بھی اللہ تعالیٰ پر پہنچے گی۔

وَأَنَا أَصْلُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَمَامَهُ فَإِنَّ اللَّهَ قَبْلَ وَجْهِهِ

یعنی تم لوگوں میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھے تو چاہیے کہ وہ اپنے سامنے نہ تھو کے۔ اس واسطے کہ

اللہ تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے رہتا ہے۔

حضرات صوفیہ کلام کے نزدیک ان اقوال سے وحدت وجود کا مسئلہ ثابت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان

اقوال سے وحدت وجود کا مسئلہ صراحتہ ثابت نہیں۔ بلکہ علماء ظاہر نے ان ہی اقوال سے صوفیاء کرام کا قول روکیا

اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو کلام پاک ہے۔

أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطٌ ۖ

اس کلام پاک سے صراحتہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء میں

غیریت ہے۔ اس واسطے کہ محیط اس چیز سے غیر ہوتا ہے جس پر اس کا احاطہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا

کلام پاک ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ وَهَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز آئندہ ہلاک ہو جائے گی۔ اور یہ مراد نہیں کہ ہر چیز بالفعول ہلاک ہے۔ یعنی اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہر چیز بالفعول نیست و نابود ہے۔ اس مذہب کے ثبوت کے

یہ دلیل ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ یعنی ہر نفس موت کے مزے کو چکھنے والا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر نفس بالفعل نیست و نابود نہیں۔ بلکہ فی الحال موجود ہے۔ البتہ آئندہ ہر نفس ہلاک ہوگا۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔

وَأَخْيَرْنَا مَوْسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ۖ

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ اور ان کے

ساتھ کے سب لوگوں کو میں نے بچا لیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ لوگ نیست و نابود نہ تھے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔

كَذَٰلِكَ أَفْكُنَّا مِنَ الْفَارِقِينَ ۖ

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے قبل

اکثر زمانہ کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کیا۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے قبل اکثر

لوگ ہلاک کئے گئے۔ وہ لوگ اپنے زمانہ میں نیست و نابود نہ تھے۔ بلکہ اس وقت ان لوگوں کے قبل کے لوگ

ہلاک ہو چکے تھے۔ اور یہ جو کلام ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

اس امر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی عبادت باطل ہے۔ اس کلام سے یہ مقصود

نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز نجس باطل ہے اس واسطے کہ قرآن شریف میں ہے۔

وَقَدْ أَنَا خَلَقْتُ هَٰذَا بَاطِلًا ۖ

اے میرے پروردگار تو نے ان چیزوں کو باطل نہیں بنایا۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مخلوق باطل نہیں اور ایسا ہی جو یہ کلام ہے کہ بَطْلٌ عَلَى اللَّهِ اس

کلام پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم لوگ نیچے کی ساتویں زمین تک رسی لشکاؤ تو دو مل بھی وہ رسی اللہ تعالیٰ پر پہنچے گی

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری چیز ہے اور ایسا ہی یہ کلام بھی ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ قَبْلَ وَجْهِهِ

یعنی اللہ تعالیٰ منہ کی طرف رہتا ہے۔

تو وحدت وجود کا مسئلہ اس کلام کے بھی خلاف ہے۔ اس واسطے کہ وحدت وجود کی بنا اس پر

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرف ہے نہ کہ صرف ایک طرف ہے۔ مثلاً صرف منہ کی طرف ہے۔ حاصل کلام ان اقوال سے

وحدت وجود کا مسئلہ ثابت نہیں۔ اس مسئلہ کا دار و مدار حضرات صوفیہ کرام کے صرف کشف و شہود پر ہے۔

البتہ محققین صوفیہ نے اس مسئلہ کو ایسے طور پر ثابت فرمایا ہے کہ وہ بیان کسی طرح سے خلاف

شرح نہیں۔ محققین صوفیاء کرام کا یہ کلام ہے کہ وجود مطلق جو عین ذات حق ہے۔ اس کے چند مراتب ہیں۔ یعنی

وجود مطلق کہیں مرتبہ واجب میں ہے اور کہیں مرتبہ ممکن و حادث و قدیم و مجرد و مادی و مؤمن و کافر و سگ اور

غیر میں ہے۔ اور وجود مطلق بنفسہ ان قیود سے مبرا ہے اور بذاتہ وجود مطلق میں بھی کچھ نقص و عیب نہیں۔ مثلاً حقیقت جسم کی جو ہر قابل ابعاد ثلاثہ ہے۔ وہ حقیقت سگ و خنزیر میں نجس نہیں۔ یعنی سگ و

قصیدہ بانٹ سعاد کی تاویل

مخزن برکات جسم عوارض کے سبب سے جس ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی بنفسہ پاک ہے مگر پانی میں جہنم پڑ جاتی ہے تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی مضمون اس شعر میں مذکور ہے :

ہر مرتبہ از وجود عکے دار و گزرق مراتب نہ کنی زندیقی

یعنی وجود کے ہر مرتبہ کے لئے ایک خاص حکم ہے۔ اگر وجود کے مراتب میں تو فرق نہ کرے گا ہے۔ پس اگر مخاطب عوام سے ہے تو اس کے نزدیک یہ مسئلہ بیان نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس سے پرہیز ہے۔ اس واسطے کہ یہ مسئلہ سننے سے عوام ملحد اور زندیق ہو جائیں گے۔ چنانچہ صحیح بخاری کے کتاب میں ایک باب ہے۔ اس باب میں یہ بیان ہے کہ شرعاً جائز ہے کہ بعض مسائل علمیہ بعض لوگوں سے نہ کہ اور بعض لوگوں سے نہ کہنا چاہیے۔ بخاری کے اس باب میں حضرت معاذ بن جندب کی حدیث میں ہے :-

عن انس بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم معاذ رديقه على الرجل فقال يا معاذ بن جبل قال لبنيك يا رسول الله وسعدك قال يا معاذ قال لبنيك يا رسول الله وسعدك قال لا

من احد يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله صدقاً من قبله الا حرمه الله على النار قال يا رسول الله احبلا اخبر به الناس فيستبشروا قال اذا امتكلموا

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذ بن جندب پر سوار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے معاذ بن جبل ! تو حضرت معاذ بن جواب دیا کہ اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ وسلم نے فرمایا اے معاذ بن ! تو پھر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوں۔ تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن کو پکارا۔ اور تینوں مرتبہ معاذ بن نے جواب دیا کہ اے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ وسلم نے فرمایا : جو شخص اپنے سچے دل سے گواہی دے کہ سوا اللہ تعالیٰ کے دوسرا کوئی معبود قابلِ بندگی نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ تو اس کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں نہ کر دے گا۔ حضرت معاذ بن نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا لوگوں کو اس کی خبر نہ کر دوں گا اس پر لوگ خوش ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سن لینے سے اسی پر لوگ بھروسہ کریں

اس قصیدہ کے شروع میں جو لفظ سعاد کا مذکور ہے۔ اس سے یہ چیزیں مراد ہیں۔ دنیا کا مال و جمال اور دنیا کی لذتیں۔ شروع قصیدہ میں سعاد کا اس قدر وصف مذکور ہے کہ کسی معشوقہ محبوبہ کا اعلیٰ درجہ کا وصف ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اولاً ہر شخص کو ایسے معشوقہ محبوبہ کی رغبت ہو اکتی ہے۔ پھر اس قصیدہ میں سعاد کے عیوب کا ذکر ہے کہ تجربہ کے بعد عاقل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان عیوب کا بیان اس قصیدہ میں اس شعر سے شروع ہوا۔

اَمَسْتُ سَعَادَ بَارِئِ الْخِزْ اور سعاد ابدیہ حاصل کرنے کے لئے چند شرائط ہیں۔ وہ اس قصیدہ میں مذکور ہیں۔ یعنی یہ کہ غالب بزرگ ہو اس کا نفس پاکیزہ ہو اور یہ بیان اس قول میں ہے کہ لا تبغها الخ اور یہ بھی ضرور ہے کہ طالب قوی ہو کہ وہ محنت اور ریاضت برداشت کر سکے اور یہ بیان اس قول میں ہے کہ ولن يبلغها الا بالجد اور چاہیے کہ غالب عالی ہمت ہو۔ اور یہ بیان اس قول میں ہے۔ عَنْهُمْ طَائِفَةٌ لَا تَكُنْ لَهُمْ فِتْنَةٌ اور کشف اور اوقات میں طالب کی بصارت کامل ہو اور یہ بیان اس قول میں ہے کہ ترمی العیوب ببینی مغرد لفق آخر اشعار تک پھر اس قصیدہ میں یہ بیان ہے کہ چاہیے کہ طالب میں اللہ تعالیٰ کی جانب جذب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے شوق میں اس کو وجد ہو۔ جب یہ شرطیں طالب میں پائی جائیں تو اس کو سعاد ابدیہ حقیقیہ حاصل ہو سکتی ہے اور اسی بناء پر یہ قول بھی ہے :-

مستی و دولہ شرط طریق افاد است بے مست شدن کار کے نکشادہ است

یعنی ماہ پانے کے لئے مستی اور بے خودی شرط ہے، بغیر مست ہونے کسی کام کا انجام نہ ہو اے اور ہر اس طرح ثابت کیا کہ تشبیہ دی ناقہ کے دوڑنے کے ساتھ حرکات شتر مرغ کے کہ اس کا بچہ نہ گیا ہو۔ عین بوقت اشتداد حرارت دن میں تا اشارہ کرے طرف حرارت مطلب کے اور ختم کیا اس بیان کو اپنے اس قول میں۔ عَنْ تَوَاقِيهِمْ اَعَابِلُ۔ پھر اس قصیدہ میں اس امر کا بیان شروع کیا ہے جو سالک سے حقوق شریعت و طریقت ادا کرنے میں تقصیر ہوتی ہے۔ اور اس سے اس کے دوستوں اور اقارب کو نفع نہیں ہوتا۔ اور یہ بیان اس قول میں ہے۔ تَسْتَعِي الْوَشَاءَ حَتَّى يَبْهَتَا الخ اور یہ بیان اس قول میں بھی ہے وقال کل خلیل كنت املاً۔ پھر اس امر کا بیان شروع کیا جو سالک کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کو

کامل توکل حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی التجاء شیخ یحییٰ کا ملین سے رہا کرتی ہے اور وہ سالک توبہ اور استغفار
مشغول رہتا ہے اور یہ بیان قصیدہ کے اس قول میں ہے اُسِّبْتُ اَنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا بَيَانِ اس قول
بھی ہے۔ فَقَدْ اَسْبَغْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صُغْتَدًا۔ پھر اس قصیدہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ طالبِ کمال
کے شیخ کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھے اور یہ بیان اس قول میں ہے لَعَدَاؤُكُمْ مَقَامًا لَّوَيْقُوْمُ یہ اور حدیث
کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے۔ حَتّٰی وَصَفْتُ بِمَعْنٰی۔ پھر یہ بیان کیا کہ جب شیخ رسول ہو، جامع احکام
و طریقت کا تو ایسے شیخ کے ادب کی رعایت زیادہ ضروری ہے اس شیخ کے حقوق کے اعتبار جو کہ صرف ولی ہو۔ اور
یہ بیان اس قول میں ہے۔ لِيَا اَهْلِيْ عِنْدِيْ اِنْ شَيْخٌ فِیْ كُنْجَانِ اس قول میں اشارہ کیا ہے۔
خَادِرِ الخ اور گویا یہ اشارہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب ہے۔ اس واسطے کہ ولایت مطلقہ محمدیہ کے آپ
شیخ ہیں اور یہاں خادِر کا لفظ ذکر کیا اور اس کا وصف بالا خفا رکھا۔ اس واسطے کہ ولایت کا امر پوشیدہ ہوتا ہے
اور اولیاء اللہ خفیہ ہو کر رہتے ہیں اور شیخ کے شروط کی جانب اس قول میں اشارہ کیا ہے

يَعْنِي شَيْخٌ رُوحٌ وَقَلْبٌ كِي تَرْيِّتُ كَرْتَا هِي۔ اور قابل کے تعلقات کو قطع کرتا ہے۔
 شَيْخ کی یہ شرط بھی ہے کہ وہ وسوسہ اور خطرات اور شبہات کو دفع کرے۔ اور اس قصیدہ میں جو یہ قول ہے
 سِنَّةٌ تَطْلُبُ سَبَاحَ الْحَيَاتِ مَائِنَةً اس سے مراد ہے کہ شیالہین انس و جن کی طاقت نہیں کہ وہ کس شے
 کو گمراہ کریں جو اس طریقہ میں داخل ہو۔ اور یہ جو قول ہے وَلَا يَمُوتُ شَيْءٌ إِلَّا وَدَّيْتُهُ الْأَرْحَامُ۔ یہ قول اشارہ ہے
 کی شرط کی جانب کہ چاہیے مرید عالی ہمت ہو۔ قاصر نہ ہو۔ اور شیخ کی قوت سے فنا و نفس کا درجہ حاصل ہو جائے
 اور یہ بیان اس قول میں ہے۔ وَلَا يَمُوتُ شَيْءٌ إِلَّا وَدَّيْتُهُ الْأَرْحَامُ۔ پھر مکرر یہ غیر صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح بیان کی
 اس شعر میں ۱۔ -

اِس سَریں :- اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٍ مُّسْتَضٰیءٍ مُّهْتَدٍ مِّنْ سُبُوْحِ اللّٰهِ مُسَوَّلًا
پھر نفاط طریقیت اور جلسا و خانقاہ کی جانب اس قول میں اشارہ کیا ہے : فَوَعْبَةٌ مِّنْ قَرْدِشٍ
اور ان کی صفات عظیمہ بیان کی۔ منجملہ ان صفتوں کے یہ صفت بھی ہے جس کو ان لوگوں کے بیان کرنے والے نے
اور وہ صفت یہ ہے۔ بِسْطٰنٍ مَّكَّةَ یعنی بطن مکہ معظمہ میں جب وہ لوگ اسلام لائے۔ یعنی طریقیت میں وہ لوگ
داخل ہوئے۔ اور ان لوگوں نے شیخ کی بیعت قبول کی۔ تو ان لوگوں نے مال و جاہ و وطن و قبائل کو ترک کیا اور
علائق کیا۔ اور یہی حیرت حقیقیہ ہے۔ لیکن وہ لوگ اس وقت قاصر نہ رہے جب دشمنوں سے مقابلہ ہوا۔ اور
وہ دشمن نفس و شیطان اور باقی دوسرے مخلوق میں سے تھے۔ بلکہ مقابلہ کرنے میں ان لوگوں کی ہمت
رہی۔ اور نفس کے ساتھ مخاصمت کرنے میں ان لوگوں کو کچھ تامل نہ ہوا۔ پھر اس قصیدہ میں ان لوگوں کی یہ صفت
کی کہ ان لوگوں نے لباس تقویٰ و شریعت کو اختیار کیا اور یہ بیان اس قول میں ہے۔ لَبَسُوْا سُبُوْحًا
اور عزائم شریعت کی جانب اس قول میں اشارہ کیا۔ بِسْطٰنٍ مَّكَّةَ اور نفی تکبر کی جانب اس قول میں

فراموشی سے ہے۔ لَا یَقْنَعُونَ الخ اور تکالیف شریعت پر مبر کرنے کی جانب اس قول میں اشارہ ہے وَلَیْسَ بِتَجَارِیْقِهَا الخ اور طریقت کے نشاط کی جانب اس قول میں اشارہ کیا۔ یُمْشُونَ مَشًّیَ الْجَمَالِ الزَّهْرِ الخ اور جن لوگوں کو ذکر اور پرہیز ہے، ان لوگوں نے محبت کی تلوار سے اپنے نفوس کو فنا کیا اور یہ بیان اس قول میں ہے۔ لَا یَقْنَعُ الطُّغْنُ إِلَّا بِتَحْنِیْهِ الخ اور سلوک کسی کا یہ آخر درجہ ہے اور سلوک وحشی کے مدارج ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔

سوال : توحید وجودی اور توحید شہودی کی تشریح کیا ہے۔ (حافظ بدر الدین حیدر آبادی کا سوال)

جواب : پہلے سمجھنا چاہیئے کہ ان دونوں کلمہ یعنی وحدت وجود اور وحدت شہود کا معنی کیا ہے۔ پھر اصل حقیقت بیان کی جائے گی۔ وحدت وجود کا معنی یہ ہے کہ وجود حقیقی بمعنی مابہ الوجود یہ بمعنی مصدری ایک چیز ہے کہ وہی ایک چیز واجب میں واجب ہے اور ممکن میں ممکن ہے اور جوہر میں جوہر ہے اور عرض میں عرض ہے اور اس اختلاف سے لازم نہیں آتا کہ وجود کی نفس ذات میں اختلاف ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً آفتاب کی شعاع پاک چیز پر بھی پڑتی ہے اور ناپاک چیز پر بھی پڑتی ہے اور شعاع کی ذات پاک ہے۔ یعنی اصل شعاع آفتاب پاک ہے اور آفتاب کی شعاع اس وجہ سے کہ ناپاک چیز پر پڑتی ہے۔ ناپاک نہیں ہو جاتی۔ اور یہ امر فی نفسہ صحیح ہے اور حق ہے اور کسی طرح سے خلاف شرع نہیں۔ اس واسطے کہ اس وجود کے مراتب سے ہر مرتبہ کی ایک حقیقت جدا گانہ ہے اور ہر مرتبہ کے لئے حکم جدا گانہ ہے۔ اور شرع، شریعت میں ہر مرتبہ کا حکم موجود ہے شارع نے بعض کو ہاد دی کہا ہے یعنی رہنما قرار دیا اور بعض کو مضل یعنی گمراہ کتدہ کہا ہے۔ اور شارع نے بعض کو واجب الاطاعت کہا ہے کہ اس کی فرمانبرداری واجب ہے اور بعض کو واجب العصیان کہا ہے۔ یعنی اس کے کہنے کے خلاف کرنا واجب ہے۔ اور بعض کو حلال کہا ہے کہ اس کو شرعی طور پر اپنے مصرف میں لے آنا جائز ہے اور بعض کو حرام کہا ہے کہ اس سے پرہیز کرنا چاہیئے اور شارع نے بعض کو پاک کہا ہے اور بعض کو ناپاک فرمایا ہے۔

اور وہ لوگ جن کی نظر قاصر ہے یہ جانتے ہیں کہ یہ سب اختلافات نفس ذات میں ہیں۔ حاشا وکلا یبغی
ان لوگوں کا خیال ہرگز صحیح نہیں ہے بلکہ یہ سب اختلاف صرف اعتبارات میں ہے۔ جیسا کہ معرکہ جنگ میں صرف
جسم و دار ہوتا ہے اور جسم کے سوا کوئی دوسرا وصف بالنی انسان کا جسم میں نمودار نہیں ہوتا ہے مثلاً اگر قتال ہے تو اس کا بھی صرف جسم نمودار ہوتا ہے
اور اگر قتال نہیں ہے تو اس کا بھی صرف جسم نمودار ہوتا ہے مثلاً اگر القیاس کر رہے ہیں تو اس کے جسم کے اندر اگر کوئی شے نہیں ہے تو وہ بھی جسم ہے ورنہ بالستہ ہر جسم
اور مغلوب ہے تو جسم ہے۔ قرآن شریف میں چند مقامات میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس
مسئلہ کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَنْفَانِ فِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْعَقْبُ الْأَوَّلُ
يَكْفِيكَ بِرَبِّكَ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ۝ یعنی قریب ہے کہ دکھا دیں گے ہم ان لوگوں کو اپنی آیتیں آفاق میل و

ان کے نفسوں میں حتیٰ کہ ظاہر ہو جائے گا ان لوگوں پر کہ وہ حق ہے یا نہیں۔ کافی ہے تیسرے پروردگار کے لئے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ آگاہ رہو یہ لوگ شک میں ہیں اپنے پروردگار سے ملنے میں۔ آگاہ رہو جو حق تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے۔

اور اس آیت سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے:-

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔

یعنی اللہ تعالیٰ اول اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے۔

یہ معنی وحدت وجود کا ہے اور وحدت شہود کا معنی یہ ہیں:-

کہ سالک کے خیال میں حق تعالیٰ کا خیال اس قدر غالب ہو جاتا ہے اور اس سالک کی ایسی کامل توحید ہوتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا باقی سب وجود اس کی نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ دوسرا وجود اس کو نظر نہیں آتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اس مشاہدہ میں اس قدر اس کو استغراق ہو جاتا ہے کہ حفظ مراتب سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے

سُبْحَانَكَ مَا عَظُمَ شَأْنِي وَأَنَا الْحَقُّ۔ اور اس کے ماتہ اور بھی الفاظ کبھی وہ کہتا ہے۔ لیکن وہ سالک انتہاء کے درجہ میں پہنچتا ہے تو ہر چیز کو اس کے مرتبہ میں دیکھتا ہے اور کہتا ہے:-

مَا لِدَرْجَتِي وَدَرْجَتِ الْكَوْنِ ابَّ" یعنی "اس خاک کے مرتبہ کو ربُّ الارباب کے درجات غیر متناہی کیا نسبت ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دن کو بسبب غلبہ شعاع آفتاب کے کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ اور دیکھنا سمجھنا ہے کہ آفتاب کے سوا کوئی ستارہ موجود نہیں۔ یہی حالت وسط سلوک کی حالت ہے۔ چنانچہ سالک کی مانند رات کے ہے کہ ستارے نظر آتے ہیں۔ اور آفتاب نظر نہیں آتا۔ لیکن دیکھنے والا جانتا ہے کہ یہ سب نور آفتاب کا ہے ان سب ستاروں میں اسی نور کا ظہور ہے اور سالک کی انتہائی حالت یہ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر نہیں پائی جاتی کہ اس کی مثال دی جائے۔ دونوں چیزیں نظر آتی ہیں۔ یعنی آفتاب بھی نظر آتا ہے اور ستارے بھی نظر آتے ہیں اور چنانچہ یہی مضمون اس شعر کا ہے:-

ہر مرتبہ از وجود حکمے دار دگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقے

یعنی وجود کے ہر مرتبہ کے لئے حکم جدا گانہ ہے۔ تو اگر حفظ مراتب نہ کرے تو زندیق ہے۔

سوال: جو حافظ صدر الدین جید آبادی موصوف نے اس جواب مذکورہ کے بعد پوچھا

سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ مذکورہ کا حال سرفراز نامہ سے معلوم ہوا کہ وحدت وجود کا مسئلہ حق ہے۔ معتبر ہے اور وحدت شہود کا مسئلہ غیر معتبر ہے تو اب عرض یہ ہے کہ کشف و کرامات کا وجود قائم وہ ایک ہی مقام ہے۔ اور اس کے لئے دو طریق ہیں۔ ایک معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر ہے۔ اور دونوں

جواب: جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا:-

توحید وجودی پر موصوفیاء کا اجتماع ہے۔ صرف حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے

توحید شہودی کی جانب گئے ہیں بتحقیق یہ ہے کہ وحدت وجود مرتبہ ذات خلوص اطلاق میں حق ہے۔ اور توحید

شہودی کہ اس سے غیریت ظاہر ہوتی ہے۔ مراتب تعینات میں صحیح اور واجب التسليم ہے۔ فی الواقع دونوں اہل

صحیح ہیں اور حق تعالیٰ نے بمقتضائے اپنی حکمت کے ابتداء نشوونما کمال امت محمدیہ میں علوم توحید حاصل

کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی تاکہ اپنے بزرگوں کو معنی قرب و محبت اور حضور و مہر اہی حضرت حق تعالیٰ کی لذت

حاصل ہو۔ اور زہد و مجاہدہ میں نہایت جان بازی کریں۔ کیا خوب یہ شعر ہے:-

صنما رہ قلند در سزا دار بمن نمائی کہ دراز و دور بینم رہ و رسم پار سائی

اور جب یہ معرفت مستحکم ہوئی تو عارفان طریقت کی باتوں کو سمجھنے میں مردم کج فہم نے رفتہ رفتہ احکام

کدام اختیار کی اور اس شکل معرفت کو ان کج فہموں نے اس فاسد غرض کے لئے جیلہ نایا۔ یہاں تک کہ شریعت اور

حکامات شرعیہ کو باطل کرنے لگے اور مذہب شیخ محبت اللہ آبادی کو بظاہر جن کا قدم وادی احکام میں معلوم ہوتا

ہے بشیوع تمام رواج مالا کلام پایا تو عنایت خداوندی نے شیخ احمد سرہندی کو اس امر کی اصلاح کی توفیق مرحمت

فرمائی اور علوم غریبہ کی تحصیل کی ان کو توفیق دی۔ تو جیسا کہ قہرل جہا کی بارہ سے ہوتی ہے اور تعدیل مطلب کی یا بس

سے ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت موصوف کی وجہ سے لوگوں میں اعتدال کامل ہوا اور حق ظاہر ہوا۔ اور چنھائے

دو رخ آمیز منہ بنی ہوئے۔ یہی مصداق معنی مجددیہ کلمہ ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم و احکم

سوال: توحید وجودی و توحید شہودی کی وضاحت فرمائیے۔ (مولوی نور محمد صاحب کے خط

کے جواب میں)

جواب: فقیر عبدالعزیز بعد ابلاغ سلام سنون کے التماس کرتا ہے کہ قلمیہ کریمہ نے شرف

دو دفرمایا جو دربارہ استفادہ توحید وجودی و توحید شہودی و انکار اقادیل و حشت ناک میاں رمضان شاہ

صاحب کے ہے۔

مہربان من حقیقۃ الامر یہ ہے کہ موصوفیہ کرام کا یہ قدیم مسئلہ ہے۔ وہ حضرات اس مسئلہ کی جانب اشارہ فرمایا

کرتے تھے۔ اس طور پر کہ امیں تاویل کا احتمال ہو۔ اس میں حقائق کی تاویل بھی کر سکتے تھے۔ اور اس کو محمول سکر پر بھی

کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے خود چند بزرگوں سے نقل فرمایا ہے لیکن جب کہ سلف موصوفیہ کا طبقہ گذر گیا اور ہجرت

سے پانچ سو برس گزرے تو حضرات موصوفیہ کے دو فرقے ہو گئے۔ ان میں سے ایک جماعت کثیر نے سلف کے

اشارات کو حقیقت پر محمول کیا اور وہ لوگ اس امر کے قائل ہوئے کہ وجود وحدت مراتب وجوب و امکان قدیم و حادث و مجرد و جسمانی و مومن و کافر و نجس و طاهر میں ظاہر ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہر ظہر کے لئے حکم جداگانہ ہے اور فرق احکام مظاہر میں ضرور ہے۔ مومن کے میں حکم ربانی کا ہے اور کافر کے بارے میں حکم قتل اور قید کا ہے اور علیٰ ہذا القیاس جمیع صفات متضادہ کے میں ایسا ہی ہے کہ ہر صفت کے لئے حکم جداگانہ ہے چنانچہ کسی عارف کا یہ کلام ہے:-

ہر مرتبہ از وجود حکمے وارد چون مندرج مراتب نہ کنی زندیقی۔

یعنی وجود کے ہر مرتبہ کے لئے حکم جداگانہ ہے۔ اگر تو فرق مراتب نہ کرے تو زندیق ہے۔ اور اسی فرق کی بناء پر ظاہر شریعت کے احکام مبنی ہیں چنانچہ زن منکوحہ حلال ہے اور زن اجنبیہ حرام ہے اور باپ واجب التقسیم ہے اور کافر کسب واجب التقیر ہے اور فرق احکام میں نہ کرنا اور صرف وحدت کی جانب کا نظر رکھنا خلاف شرع ہے اور اتحاد و زندق ہے۔ اس جماعت صوفیہ کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ وجود عین ذات حق ہے اور ظہور وجود کا مظاہر مختلف میں ہے۔ لیکن باوجود اس کے وجود مرتبہ احدیت میں پاک اور ناقص سے منزہ ہے اور متصف ساتھ کالات کے ہے۔ اور نقصان مراتب کثرت کا اس وجود میں مانع نہیں ہوتا چنانچہ آفتاب کی شعاع نجاست پر پستی ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ نجس نہیں ہوتی۔ اور انسان کی حقیقت کلیہ نے مسلمان و کافر و صالح و فاسد و عالم و جاہل میں ظہور کیا۔ مگر باوجود اس کے اس نے خود نقصان قبول نہ کیا اور مذہب اکثر حضرات صوفیہ اور علماء نامدار نے اختیار کیا ہے۔ اور اس باب میں رسالے اور کتابیں بھی ہیں ان حضرات میں زیادہ معتبر یہ اصحاب ہوئے۔ یعنی قادریہ میں شیخ ابی الدین ابن عربی۔ اور شیخ صدر الدین قنوی اور شیخ عبدالکریم جیلی اور شیخ عبدالرزاق جہانوی اور شیخ امان پانی پتی اور کبرویہ میں مولانا جلال الدین رومی اور شمس الدین تبریزی۔ اور سرور دہلی میں شیخ فرید الدین عطار، اور چشتیہ میں سید محمد گیسو دراز اور سید جعفری۔ اور نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبد اللہ اور ملاؤ الدین جامی اور ملا عبد الغفور لاری اور حضرت خواجہ باقی الدین اور شیخ عبدالرزاق کاشی اور شمس الدین فغانزی اور قیصری اور عبد الدین فرغانی وغیرہ گندے اور تصانیف ان سب کی موجود اور مشہور ہیں

حضرت صوفیہ کی دوسری جماعت نے ان سب اشارات کو تاویل حکایت یا سکر پر محمول کیا ہے اور اتحاد وحدت وجود کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ وحدت وجود بعض اوقات سالک کو نظر آتی ہے۔ اگرچہ وہ حقیقت میں نہیں چنانچہ آفتاب کی روشنی میں سب ستارے بے نور ہو جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ حالانکہ نفس الامر میں موجود ہے۔ اور ان میں روشنی بھی رہتی ہے لیکن دن میں بسبب غلبہ نور آفتاب کے ستاروں کی روشنی مضطرب ہو جاتی ہے اور ایسا ہی ہے حال چرخ کا مثل کے سامنے۔ تو جن لوگوں نے توحید کی صرف راہ پائی ہے۔ ان کی توحید صرف شہود اور نظر میں ہے۔ وجود میں نہیں اور یہی ہے مذہب شیخ علاؤ الدین سمنانی رح کا اور چچ مذہب دوسری جماعت

حاصل کلام یہ کہ جیسا اختلاف در میان سنی و رافضی و خارجی کے ہے۔ اس طرح اختلاف ان دو مذہب میں صوفیہ کے یہاں کہ کسی ایک جانب کی تفصیل و تکفیر کا جوش ہو۔ بلکہ یہ اختلاف مثل اختلاف مذہب اربعہ کے ہے البتہ اگر کوئی شخص قائلان توحید وجودی میں سے قدم جادہ اعتدال سے باہر رکھے اور اپنا عقیدہ اتحاد و زندق تک پہنچائے تو البتہ وہ گمراہ ہو جائے گا۔ اور ایسا ہی اگر کوئی شخص قائلان توحید شہودی میں سے قدم جادہ اعتدال سے باہر رکھے اور تفصیل و تکفیر ایک جماعت کثیر صوفیہ کی کرے۔ تو البتہ وہ بھی مستوجب طعن اور ملامت ہوگا۔ یہی خلاصہ اس مسئلہ کا ہے۔ لیکن یہ امر کہ حال میاں رمضان صاحب کا کیا ہے۔ تو ملاحظہ کرنا چاہیے کہ اگر پابند شرع کے ہیں اور نماز روزہ و تلاوت قرآن و ذکر خوف و ذکر و جہاد و تقویٰ و صلاح کی فہمائش کرتے ہیں۔ تو وہ اتحاد و زندق سے ہمت دور ہیں۔ اور اگر معاذ اللہ پابند شرع نہیں اور زندق کی فہمائش کرتے ہیں۔ تو البتہ قابل تذلل و تحقیر ہیں اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں چند وجوہ ہوں جو موجب کفر ہوں۔ اور ایک وجہ عدم کفر کی ہو۔ تو مفتی پر لازم ہے کہ عدم کفر کی جانب میلان کرے۔ سوائے اس صورت میں جب کہ وہ قائل خود تصریح وجہ کفر کی کرتا ہو۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:-

اِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ وَجْهٌ يُوجِبُ الْكُفْرَ وَجْهٌ فَاحِدٌ يُمْكِنُ فِعْلُ الْمَعْنَى

ان یحییٰ الی ذلک الوجه الا اذا صرح یا رادۃ یوجب الکفر فلا ینفعہ الدلیل

حیث یؤید ثبوت ان کان فیئذہ الفاسد الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسئلہ

وان کان فیئذہ الوجه الذی یوجب التکفیر لا ینفعہ فتعوی المفتحی انتہی

یعنی جب مسئلہ میں چند وجوہ ہوں جو موجب کفر ہوں، اور ایک وجہ مانع کفر ہو۔ تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی ایک وجہ کی جانب میلان کرے سوا اس صورت کے کہ قائل تصریح کرے اپنے

ارادہ کی جو موجب کفر ہو تو اس وقت میں اس کے حق میں تاویل مفید نہ ہوگی۔ اگر نیت قائل کی مانع کفر ہو تو قائل تسلیم ہوگی۔ اور اگر نیت قائل کی موجب تکفیر ہو تو اس کے حق میں تاویل مفید نہ ہوگی۔ یہ مضمون فتاویٰ عالمگیری کی عبارت مذکورہ کا ہے۔

جواب : (حافظ مصری صاحب کے خط کے جواب میں)

حنایت نامہ سامی نے شرف و زود فرمایا جس میں اس مناقشہ کا ذکر ہے جو درمیان میاں محمد رفیع صاحب و مولوی نور محمد صاحب کے ہوا جو توحید و جود ہی اور اس سے انکار میں ہے۔

مہربان من! قائلان توحید و جود اکثر اولیاء اللہ سے ہوئے ہیں اور وہ خاص اہل سنت و اہل ہدایت سے ہر طریقہ میں گزرتے ہیں۔ چنانچہ ایک خط بنام مولوی نور محمد صاحب اس سے قبل لکھا گیا ہے۔ جو نام نامی اور بزرگوں کے نام پر مشتمل ہے۔ تو جو شخص قائل توحید و جود کا ہو۔ اس کو کافر کہنا۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کرنا، اور اس کے ساتھ مکاتبت نہ کرنا۔ اور اس کا ذبیحہ نہ کی نا ہرگز گوارا نہیں بلکہ اس کو مسلمان اور اہل سنت سے جانتا چاہیے اور جو معاملات فیما بین مسلمانان اہل سنت کے ہیں ان کا برتاؤ اس کے ساتھ کرنا چاہیے۔ مثلاً سلام کی ابتداء و جواب سلام و جواب عطسہ (یعنی جب چھینکنے والا اٹھ کر کھڑے ہو تو دوسرے کو یہ جھک کر کہنا چاہیے) و عبادت ربیض و جنازہ و دعائے مغفرت و رحمت ایسے معاملات ہیں ان سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ یہ اعتقاد یعنی اعتقاد توحید و جود کا ضروریات عقائد اسلام سے نہیں۔ اگر کسی کو اس مسئلہ کا اعتقاد نہ ہو اور وہ اس مسئلہ کو نہ جانتے تو اس کے اسلام میں کچھ نقصان لازم نہیں آتا۔

لیکن اولیاء اللہ جو قائل توحید و جود گئے ہیں ان کی تحقیر و اہانت و تکفیر و تہلیل نہ کرنا چاہیے۔ اور ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس مسئلہ میں نفی و اثبات سے سکوت اختیار کریں اور اس میں بحث و تکرار نہ کریں اس واسطے کہ ہر شخص کی عقل میں یہ مسئلہ نہیں آتا۔ اور باعث فساد عقیدہ ہو جاتا ہے اور کتاب "لبیل باخ نمبر ۱" کے اشعار میں ایسے الفاظ ہیں جس طرح کہ الفاظ ثنوی مولانا جلال الدین رومی میں ہیں اور جس طرح کہ الفاظ شیعہ حضرت عطار اور فخر الدین عراقی رحمہ اور دیگر بزرگان نے فرمایا ہے لیکن چاہیے کہ ایسے الفاظ عوام کی مجلس میں نہ کہے جائیں تاکہ کم فہمی سے عوام فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ اور لفظ حقیقت استحقاق کا اصطلاحات قدما نے صوفیہ سے ہے۔ اور یہ لفظ شرع میں وارد نہیں اور فرقہ ہائے اہلسنت کے ہر دو فرقے کے بعض الفاظ اصطلاحی ہیں۔ مثلاً میں نے انہیں نہیں۔ مثلاً واجب الوجود اصطلاح متکلمین اہلسنت کی اور وجود طلاق اصطلاح ہے صوفیائے اہلسنت کی۔ اور یہ لفظ قیصری اور فرغانی اور مولانا جامی رحمہ ایسے بزرگان نے استعمال کیا ہے اور یہ الفاظ شرع میں وارد نہیں۔ ان الفاظ کا اطلاق اگرچہ بدعت ہے مگر سب سے بڑے بڑے علماء نے ہر دو فرقہ و تقویٰ کے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ اور شاہ محمد رمضان صاحب جو کہ لوگوں کو نماز روزہ میں مشغول کرتے ہیں اور دختر کشی اور حرام جانا اہل قرابت و برادران چچا زاد کے ساتھ نکاح کرنے کو اور رسوم کفران سب انہوں

سے روک دیتے ہیں۔ یہ بہت بہتر ہے ان کے اس فعل میں مانع نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ اس امر میں کوشش کرنا چاہیے کہ احکام شرعیہ رواج پائیں۔ اور شہر ہوں۔ اس واسطے کہ اس میں بہت ثواب ہے۔ کہ سنت کو رواج دیا جائے۔ اور بدعت دور کی جائے۔ والسلام

رقعہ شاہ غلام علی صاحب بنام نامی مولانا عبدالعزیز شاہ صاحب

سوال : حضرت سلامت معارج القدس کیسی کتاب ہے اور کس کی تصنیف ہے اور مصنف

نے اس میں کیا لکھا ہے؟ ایک دن کے لئے بھیج دینا چاہیے بطور اجمال اس کے مطلب کو تحریر فرمائیں۔ زیادہ کیونکر کر دوں

جواب : (از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ)

شاہ صاحب عرفان مراتب سلمکم اللہ تعالیٰ، بعد سلام مسنون کے واضح ہو کہ معارج القدس تصنیف حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ یہ کتاب نفس کی معرفت اور نفس کے قوی کی معرفت میں ہے۔ اور اخلاق نفس کی تہذیب اور فساد نفس کی اصلاح کے بیان میں ہے۔ اس کتاب میں یہ بیان بطور حکمت کے ہے۔ اور قواعد تصوف و سلوک کی بھی کچھ آمیزش ہے۔ اور کتاب الطاف القدس بیان میں معرفت نفس کے تصنیف ولی نعمت علیہ الرحمۃ کی ہے۔

اس کتاب میں بیان معرفت لطائف نفس کا صرف موافق قواعد تصوف و سلوک کے ہے اور فی الحال یہ طریق ثانی مفید اور بہت آسان ہے۔ اگر مطالعہ منظور ہو۔ تو "الطاف القدس" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور کتاب معارج القدس "نہایت مغلط ہے۔ اور فی زمانہ اس کے مطالب میں غور کرنا نہایت دشوار ہے۔ زیادہ بجز دعائے مراتب و عرفان و کمال کے کیا کہے۔ والسلام۔ (المرقوم ۲۰ رجب ۱۳۸۷ھ قدسی)

سوال : مسئلہ وحدت وجود کا مسلک صوفیائے کرام کا ہے۔ اور علماء متکلمین کو اس سے انکار

ہے۔ تو اگر ہم لوگ صوفیائے کرام کی تقلید کریں اور اپنا اعتقاد ان کے مسلک کے موافق درست کریں۔ تاکہ صوفیہ کرام کے عقیدہ پر ہم لوگوں کا حشر ہو۔ اور پیروی اہل حق کی کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور جو طالب کہ ہنوز صوفیہ کے مرتبہ پر نہ پہنچا ہو۔ اور نہ عالم متکلم ہو۔ تو اس کے بارے میں کس فریق کی تحقیق کو حق جانے۔ اور اگر مسئلہ وحدت وجود حق ہے تو مجتہدین نے جو کہ علماء و عرفاء ہوئے ہیں۔ کیوں تلقین و فہمائش اس مسئلہ کی ہر مسلمان کو نہ کی اور بطور اجمال کتب قرآن میں کیوں بیان نہ کیا اور عقیدہ حق سے کیوں چشم پوشی کی۔

جواب : مسئلہ وحدت وجود حق ہے۔ اور مطابق واقع ہے۔ اس واسطے کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ

یہ ثابت ہے۔ چنانچہ سارہ اولۃ التوحید شیخ علی مہاشی گجراتی میں یہ مسئلہ نہایت مشرح و بسط کے ساتھ ہے۔ علمائے متکلمین کو جو اس مسئلہ سے انکار ہے۔ اس کی دو وجہ ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ نہایت دقیق و باریک ہے اور اس وجہ سے بہت شبہات و محذورات اس مسئلہ پر وارد ہوتے ہیں متکلمین ان شبہات کے حل کرنے پر قادر نہ ہوئے تو مجبور ہو کر اس مسئلہ کا انکار حال ان متکلمین کا ہے۔ جو اس بارہ میں ظاہر مشرح کے خلاف کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ وحدت وجود کا اسرار سے ہے۔ شریعت اور دین اس کے جانے موقوف نہیں۔ بلکہ عوام کو اس مسئلہ کی تلقین کرنا۔ گویا اسکا دوازدہ کھولنا ہے اور اس کے شر و فساد کو مٹا دینا ہے اور احکام شرعیہ میں مستی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ باریک ہے۔ اس واسطے اس کا بیان کر عفا میں منع ہے اور علماء کے نزدیک واجب ہے کہ اس مسئلہ سے زبان بند رکھی جائے۔ چنانچہ شریعت میں ہے :-

اِذَا ذُكِرَ الْقَدْرُ فَاصْبِرْ لَهُ وَادْكِرْ فَاصْبِرْ لَهُ وَادْكِرْ الشَّجْوَمُ فَاصْبِرْ لَهُ
یعنی جب مسئلہ تقدیر کا ذکر ہو تو چپ رہو۔ اور جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو چپ رہو۔ اور نجوم کا ذکر ہو تو چپ رہو۔ تو معلوم ہوا کہ تفصیل و تفتیش و تحقیق ایسے مسائل دقیق کی اس امر کے لئے باوجود ہے کہ خود گمراہ ہو اور دوسرے کو گمراہ کرے۔ یہ حال محققین و متکلمین کا ہے۔ لیکن تاہم ایسے متکلمین نے اپنی تصانیف میں اس مسئلہ کی جانب اجمالی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اور امام رازی وغیرہ اس مسئلہ کے ائمہ نے اپنی تصانیف میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق منظور ہو تو کتاب تنبیہ المجاہدین لکھنا چاہیے۔

حاصل کلام انکشاف اس مسئلہ کا ابتداء دلائل سے نہ ہوا۔ بلکہ صرف موجدیت و معرفت کے ذریعہ یہ مسئلہ معلوم ہوا۔ اور انکشاف اس مسئلہ کا کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ورود حال سے اس مسئلہ انکشاف ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنا حسن ظن ان اولیاء اللہ کی شان میں باقی رکھے جن حضرات نے مسئلہ میں کلام کیا ہے۔ تو چاہیے۔ کہ وہ ایسے حضرات سے بد اعتقاد نہ ہوں۔ اور مسائل توحید میں نظر کرے۔ مسئلہ کے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے واقف ہو جائے۔ اور حضرات اولیاء اللہ کی شان میں اعتقاد فاسد نہ ہو اس غرض سے اس مسئلہ کی تحقیق کرنا مناسب ہے۔ ورنہ عقل و فکر سے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کرام نے فرمایا ہے۔ هُوَ طَوْرٌ وَقَدْ طَوَّرَ الْعَقْلُ۔ یعنی یہ ایک جداگانہ طور ہے عقل کے طور پر نہیں یہ بھی کہا ہے۔ کہ قلندر جو کچھ کہتے ہیں۔ وہ اپنا دیکھا ہوا کہتے ہیں۔ اور عامی جواب تک اس مرتبہ کو نہ پہنچا۔ عالم علم کلام کا ہوا۔ اس کو لازم ہے کہ اجمالی طور پر جانے کہ صوفیہ صافیہ نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ حق ہے۔ فہم و دل تک نہیں پہنچتا ہے۔ جیسا کہ ایمان و شہادت قرآن شریف پر ہے۔ اور یہ بھی جانا چاہیے۔ کہ علماء

اس مسئلہ کا مخرج انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کے بیان سے زبان بند نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ البتہ مقلدین علمائے متکلمین نے ان کے سکوت کو انکار کیا ہے۔ مثلاً ملا محمد تقی تفتازانی اور قاضی عسکری اور دیگر متاخرین کا ایسا ہی خیال ہوا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مقتدا اس بارہ میں امام غزالی اور امام رازی رحمہم اللہ اور اس کے درجہ کے اور علماء ہیں اور مقتدا اس بارہ میں علمائے متاخرین نہیں۔

سوال : یہ معلوم ہے کہ شریعت احکام ظاہری کو کہتے ہیں۔ اور شارع کی جانب سے اسی کے بارے میں حکم ہے تو طریقت اور حقیقت اور معرفت کا ذکر جو کتابوں میں ہے۔ وہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیا چیز ہے۔

جواب : لفظ شریعت کے دو معنی ہیں۔ عام اور خاص اور معنی اول سے مراد ہے کہ شریعت وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور دین میں ثابت ہوا ہے۔ یعنی اعتقاد و عمل و خلق و حال بیت و رخصت و عزیمت و امر و نہی ان امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہوا ہے وہی شریعت ہے۔ اور لفظ شریعت کے دوسرے معنی سے یعنی شریعت خاص سے مراد وہ احکام ہیں کہ عمل و راجح کے متعلق ہوں اور وہ یہ ہے بدت مالی و بدنی و معاملات مالی بدن اور ان کو کابیان کتب فقہ میں ہوتا ہے۔ اور اسی کو مقابل ولایت اور اس کے ہم جنبوں کا کہتے ہیں۔ اور جن امور کو تعلق اخلاق اور نہایت اور آداب عبادت سے بطریق عزیمت کے ہو وہ طریقت ہے۔ اور جن امور کو تعلق عین یقین اور تحصیل مشاہدہ اور استغراق سے ہو وہ حقیقت ہے۔ اور جن امور کو تعلق مکاشفہ اسرار اعتقادات سے ہو۔ یعنی کیفیت توحید و موجدیت قرب و امر و محبت و ملا و مراتب ولایت و مراتب اولیاء اور ماتداس کے اور جو امور ہیں ان سے جن امور کو تعلق ہوا اس کو معرفت کہتے ہیں۔ اور یہ سب شریعت کے معنی اول میں داخل ہیں۔

البتہ ہر فن کے کاملین نے اس فن کے مسائل غیر منصوص کا استنباط کیا ہے اور اس کو مسائل منصوص کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور شرح و بسط کے ساتھ اس کو مدقن کیا ہے اور اس کو علم جداگانہ قرار دیا ہے اور اس علم کا یہ نام یعنی طریقت وغیرہ رکھا ہے۔

سوال : ہر چیز کے کمال کی معرفت کس طرح ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ دیکھنے اور سننے اور کھانے سے کامل معرفت حاصل نہیں ہوتی (از سوالات امام شاہ خان)

جواب : حقائق اشیاء ظلال صفات الہی ہیں۔ اور ان کا ظہور خارج میں علل اربعہ سے ہوتا ہے

۱۔ فاعل ۲۔ غائی ۳۔ مادی ۴۔ صوری

اور ظہور کمال ان حقائق کا ان کے آثار کی تربیت سے ہے اور ان کے فوائد خاصہ کے حصول کے اعتبار سے ہے۔ تو ہر چیز کے کمال کی معرفت تجلی ذات حق سے ہے۔ اور یہ تجلی ساکب پر اس شے کے بائے میں ہوتی

ہے اور یہ سبکی اس طرح ہوتی ہے کہ مقام سیر باللہ فی الاشیاء میں مشاہدہ کثرت سے وحدت میں ہوتا ہے اور قوانین حکمیہ سے اشیاء کے مبادی اور خواص پر بالتفصیل احاطہ ہو جائے۔ اور قوانین کشفیہ سے تعین اور مراتب منزل کی تشخیص حاصل ہو جائے۔ اور اگر اشیاء محسوسات سے ہو تو حواس کا ادراک معرفت حقیقت کے تتمہ میں داخل ہے۔ واللہ اعلم

سوال : کیا قول ہے علماء کا اس مسئلہ میں کہ ایک شخص وحدت شہود کا قائل ہے۔ اور کہتا ہے کہ کتابوں کا نازل ہونا اور پیغمبروں کا مبعوث ہونا اسی مطلب کے لئے ہوا۔ اور جس شخص نے کلمہ طیبہ کے بطور وحدت وجود کے یا بطور وحدت شہود کے نہ سمجھے تو اس کا ایمان لانا کلمہ طیبہ کے معنی کو درست نہ ہوا۔ جب وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ ان سب چیزوں پر ایمان لایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہم لوگوں کو پہنچی ہیں۔ اور یہ امر اس کی نجات کے لئے باعث ہے۔ لیکن چونکہ توحید مذکور کے معنی کی تصدیق کرنا اس کے حق میں ثابت نہیں۔ اس واسطے وہ مشرک ہوا۔ اگرچہ علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین سے ہو۔ جو شخص کو ایسا عقیدہ رکھے وہ اہل سنت کے مذہب میں داخل ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب : اگر کوئی شخص وحدت وجود کا قائل ہو اور اس میں غلو اور افراط نہ ہو۔ یعنی واجب اور ممکن کے مرتبہ میں فرق جانے اور ایسا ہی مسلمان اور کافر میں، نبی اور دجال میں، نماز اور زنا میں، اور بکری میں فرق جانے۔ اور محدثین اور فقہائے متکلمین سے جو لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وحدت وجود کے معنی کی تکفیر اور تذیل نہ کرے اور جانتا ہو کہ انبیاء علیہم السلام بھی یہ مسئلہ دریافت کرنے میں معذور تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس واسطے کہ اکثر ائمہ سے مثلاً شیخ اکبر اور بعض دوسرے علماء اسی طرح کے گزرتے ہیں اور کیس طرح کہا جائے کہ ان حضرات کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ تھا۔ اور اگر وہ شخص وحدت وجود کا قائل ہے افراط کرتا ہے اور اس کو غلو ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ تو بلا شک وہ بدعتی ہے اور نہ کتابوں میں وارد ہے۔ وَلَا يَجُوزُ الصَّلَاةُ حَلْفَ الْمُتَّبِعِ یعنی بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال : سوال کرتے ہیں اس مسئلہ میں کہ جو شخص کشف وحدت وجود کا قائل ہو اور کشف وحدت شہود کا منکر ہو۔ اور اس میں اتحاد اور اتحاد اور اباحت اور حلول کلی طبعی کے خیال کا شائبہ نہ ہو تو کیا وہ ہے۔ اور حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمۃ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الدین اور حضرت خواجہ فرید الدین گھمٹہ مشرب کہتے تھے یا نہیں؟

جواب : وحدت وجود کا قائل ہونا ایسے طور پر کہ احکام شرع کے خلاف نہ ہو۔ عین اسلام ہے۔ اس میں کفر کا شائبہ نہیں۔ یعنی سب موجودات کو مظاہر حق کا جانے اور یہ سمجھ کر وجود ایک ہے

لیکن وجود کے ہر مرتبہ کے لئے حکم جدا گانہ ہے۔ وجود بعض مراتب میں مجہدیت کے ساتھ موصوف ہے اور بعض مراتب میں الوہیت کے ساتھ موصوف ہے اور بعض مراتب میں حلال کے ساتھ موصوف ہے اور بعض مراتب میں حرام کے ساتھ موصوف ہے اور بعض مراتب میں نجس کے ساتھ موصوف ہے اور چاہیے کہ وجود کے مراتب میں غلط نہ کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ہر مرتبہ از وجود حکم دارد گر حفظ مراتب نہ کنی زندیق یعنی وجود کے ہر مرتبہ کے لئے علیحدہ علیحدہ حکم ہے۔ اگر تو حفظ مراتب نہ کرے تو زندیق ہے۔ چاہیے کہ یہی عقیدہ رکھے کہ عہد عہد ہے۔ یعنی عہد ہمیشہ مرتبہ میں عہد کے رہے گا۔ اگرچہ جس قدر زیادہ ترقی کرے۔ اور رب رب ہے۔ یعنی رب ہمیشہ مرتبہ میں رب کے رہے گا۔ اگرچہ وہ اپنی رحمت سے عباد کی شان میں محبت کا کلمہ فرما دے کہ اس سے بلاشبہ اس کا اختلاط عہد کے ساتھ ظاہر لگان کا جائز ہے۔ مشائخ کبار اور علماء نامدار نے ان سب امور کی تصریح فرمائی ہے۔ اور اپنی تصنیفات میں یہ سب امور مفصل طور پر ذکر فرمائے ہیں۔

قادر یہ طریقہ کے اس دیار کے مشائخ سے شیخ عبدالرزاق کا یہی قول ہے۔ اور چشتیہ طریقہ کے مشائخ سے حضرت سید گیسو دراز رحمہ اور سید جعفر مکی رحمہ اور نقشبندیہ طریقہ کے مشائخ سے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار اور مولانا عبدالرحمن جامی رحمہ اور مولانا عبدالغفور لاری اور شیخ عبدالرزاق کاشی اور مشائخ کبار عرب سے شیخ محی الدین عربی اور شیخ صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالکیم جملی اور شیخ عبدالوہاب رحمہ اور علماء مدینہ منورہ سے حضرت شیخ ابراہیم کردی رحمہ اور مشائخ مکہ معظمہ سے شیخ حسام الدین علی متقی نے اور دوسرے علماء نے مثلاً شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ نے مرجع البحرین میں یہی قول اختیار فرمایا ہے۔ تو یہ جانتا چاہیے کہ یہ قول کفر ہے۔ گویا ان سب بزرگوں کی تکفیر کرنی ہے۔ نفوذ باللہ من ذلک۔

اور حضرت غوث الاعظم اور خواجہ بزرگ رحمہ اور خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ کے کلام میں بھی اسی طرح اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شمس سے متواتر طور پر منقول ہے۔ کہ اپنے مریدوں کو پنجابی زبان میں ذکر کالمقین فرماتے تھے۔ کہ ہر حجت کی طرف متوجہ ہو کر یہ لفظ کہیں۔ دلیل تو اور اس سے صراحتاً وحدت وجود کا اقرار ثابت ہوتا ہے۔ اور نزدیکی تشریف کی حدیث میں ہے۔

لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ جَبَلًا لَارَضَ الشَّيْطَانُ لَهَبَطَ عَلَيَّ اللَّهُ

یعنی۔ اگر تم لوگ کسی ساتویں زمین تک لشکاؤ تو وہاں بھی اللہ کے پاس پہنچے گی۔

اور یہ بھی صحیح حدیث میں ہے۔

اِذَا رَفَعْتَ مِنَ التَّكْوَعِ قَعْلَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَا اللَّهُ يَقُولُ إِلَى لِسَانِ عَبْدِكَ

سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ

یعنی جب تو اپنا سر رکوع سے اٹھا دے تو چاہیے کہ کہہ رہا تک احمد اس واسطے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ

اپنے بندے کی زبان سے کہتا ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ یعنی سنا اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بات کو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی؟

بلکہ اکثر آیات میں اس مضمون کی طرف اشارہ وارد ہوا ہے اور اس بارہ میں زیادہ صریح یہ آیات ہیں:

سَمِعْنَاهُمْ أَيْمَانًا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِينَ لَهُمُ اللَّهُ الْحَقَّ
أَذَلُّكُمْ يَكْفُ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ
لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطٌ ۝

یعنی قریب ہے کہ دکھادیں گے ہم ان کو اپنی نشانی آفاق میں اور ان کے نفوس میں حتیٰ کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ تحقیق کریں جن سے کیا کافی نہیں تیرے پروردگار کے لئے یہ فہم چیز کے پاس حاضر ہے۔ آگاہ رہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیرہ لوگ شک میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے بارے میں۔ آگاہ رہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے؟

فَأَيُّكُمْ أَتَىٰ لُؤْلُؤًا فَشَقَّ وَجْهَهُ ۚ اللَّهُ
وَمَا رَعَيْتَ إِذْ مَرَّ مَيْتٌ وَكَفَّنَ اللَّهُ رَحْمَىٰ ۚ
تیر چلا یا لیکن اللہ نے تیر چلایا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ
یعنی تحقیق کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں تو سوا اس کے دوسرا امر نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے؟

سوال : ہم لوگ اکثر خواص و عوام بعض قادریہ طریقہ میں اور بعض چشتیہ طریقہ میں حضرت شیخ فرید شکر گنج کی اولاد سے مرید ہوئے ہیں۔ اور بعض سہروردیہ طریقہ میں شیخ بہاؤ الدین ملتانوی رحمہ کی اولاد سے مرید ہوئے ہیں۔ اور بعض دوسرے طریقہ میں اس طریقہ کے خلفاء سے مرید ہوئے ہیں۔ اور بعض بوساطت میاں محمد رمضان شاہ مرید ہوئے ہیں۔ اور میاں صاحب موصوف نے ہم لوگوں سے چھ چیز سے توبہ کرائی ہے کہ مضمون سے آیت اَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللّٰهِ شَيْءٌ ثابت ہے۔ اور جس چیز کے کرنے کے لئے حکم شرع شریف میں ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے ان سب چیزوں سے عام طور پر توبہ کرائی ہے۔ اور چھیرے بھائیوں اور بہنوں میں باہم رشتہ داری قرار دی ہے۔ اور کلمہ نفی کہ پیر اور خلفاء سے ان لوگوں کو پہنچا ہے مثلاً :-

کشفول حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی میں اس کی تعلیم ہوئی ہے۔ اور قول کجیل اور حضرت شیخ نظام الدین ہنسوی رحمہ کی سترہ کی ارشاد الطالبین کی بھی تعلیم ہوئی ہے۔ تو ہم لوگوں کا مرید ہونا ان حضرات سے درست ہوا ہے یا نہیں اور اس عہد سے پھر جانا واجب ہے یا نہیں۔ مینوا و تو جروا

جواب : ایسے لوگوں سے مرید ہونا درست ہے۔ اور جب مرید ہو جائے تو پھر اس سے

برگشتہ ہونا حرام ہے۔ اور گناہ کبیرہ ہے۔ اس واسطے کہ مرید ہونے سے مراد عہد کرنا ہے بندگان خدا سے کسی بندے کے ہاتھ پر کہ وہ بندہ واسطہ بواسطہ نائب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ تو گویا اس شخص نے خدا کے ساتھ عہد کیا تو جب اس عہد کو توڑے گا۔ تو لازم آئے گا کہ اس نے خدا کا عہد توڑا۔ چنانچہ قرآن شریف میں وارد ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَكَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ
مَنْ تَنَكَّرَ فَإِنَّمَا يَتَنَكَّرُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ

یعنی تحقیق کہ جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ سے سوا اس کے دوسرا امر نہیں کہ وہ لوگ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان لوگوں کے ہاتھ پر ہے۔ پس جس نے عہد توڑا تو سوا اس کے دوسرا امر نہیں کہ اس نے عہد توڑا۔ اپنی جان کی نقصان کے لئے۔ اور جس نے وفا کی اس سے جس سے عہد کیا ہے۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم دے گا؟

اور ایسی اکثر آیات ہیں کہ ان میں عہد شکنی کی مذمت وارد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ يَشْرُونَ بَعْدَ اللَّهِ وَآيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَائِلَ
لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورہ آل عمران)

یعنی "تحقیق کہ جو لوگ خرید کرتے ہیں یعنی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کے عوض اور اپنی قسموں کے بدلے میں کم قیمت ان کے لئے کچھ حصہ آخرت میں نہیں۔ اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ اور نہ نظر آئے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنِّي بِمِثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ ۚ
يُؤْمِلُونَ وَيُقْسِمُونَ بِالْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْعُقُوتُ وَلَهُمْ سُورُ
الْمَدَارِ ۚ ترجمہ : اور جو لوگ کہ توڑتے ہیں عہد خدا کا بعد اس کے کہ وہ عہد مضبوطی کے ساتھ کرتے ہیں اور منقطع کرتے ہیں اس چیز کو کہ اللہ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا ہے۔ اس سے کہ ملائی جائے وہ چیز یعنی اس حکم کی تعمیل ملتوی کرتے ہیں اور خدا کرتے ہیں زمین پر۔ ان کے حق میں لعنت ہے۔ اور ان کے لئے آخرت کی برائی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

أُولَٰئِكَ عَاهِدُوا عَهْدًا أَبَدًا لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ ۚ (البقرہ)

یعنی آیا جب عہد کیا ان بدکاروں نے تو ان میں سے کسی فرق نے وہ عہد توڑا؟
اور صحیح حدیث میں مذکور ہے :-

اَيَّةُ الْمَنَافِقِ ثَلَاثَةٌ اِنْ صَامَ وَصَلَّى وَرَعِمَا آتَتْهُ مُسْلِمَةٌ اِذَا حَدَّثَتْ كَذِبًا
وَإِذَا رَعِمَا خَلَّتْ وَإِذَا عَاهَدَ عَدُوَّ

یعنی منافق کی چیزیں تین ہیں۔ اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے کو مسلمان سمجھے اور وہ تین نشانیاں یہ ہیں کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے۔

سوال : شرح الصدور میں یہ حدیث ہے :-

لَا يَحْتَمِلُ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ إِلَّا أَنْ يَشُقَّ بِعَمَلِهِ

"یعنی چاہیے کہ آرزو نہ کرے موت کی کوئی تم میں سے مگر جب کہ اس کو اپنے عمل پر وثوق ہو"

ظاہر اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی تمنا کرنا جو اس وقت جائز قرار دیا گیا ہے کہ جب عمل پر وثوق ہو تو یہ تعلیق محال ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ كَاشِفُكَ الَّذِي كُنْتَ تُؤْتِيهِ الْيَمَانَةَ الْيَمَانَةَ

یعنی پس نکل جاؤ اطراف سے زمین و آسمان کے اور نہ نکلو گے مگر قوت سے۔ یعنی لیکن تم کو قوت نہ کر نکل سکو گے یعنی عمل قبول ہونے کا دار و مدار اخلاص پر ہے اور اخلاص کا دار و مدار اس پر ہے کہ عجب اور ربانہ ہو اور اس سے بچنا دشوار ہے۔ تو ثابت ہوا کہ محال ہے کہ عمل پر وثوق ہو۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ موت کی آرزو کرنا منع ہے۔ بعض علمائے زمانہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیق محال کے ساتھ نہیں اور عمل پر وثوق ممکن ہے اور اس وقت جائز ہے کہ موت کی تمنا کی جائے۔

جواب : یہ جو حدیث شریف ہے۔ لَا يَحْتَمِلُ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ إِلَّا أَنْ يَشُقَّ بِعَمَلِهِ

ترجمہ : یعنی چاہیے کہ آرزو نہ کرے موت کی کوئی تم میں سے مگر اس وقت کہ اپنے عمل پر وثوق ہو۔

تو اس حدیث کے ظاہر ہی معنی ہیں کہ تحریر فرمایا ہے یعنی تعلیق بالمحال کے قبل سے ہے۔ اس کے تین دلیلیں ہیں :-

۱۔ اول یہ کہ روایت صحاح میں نہیں۔ دوسری کتاب میں ہے اور عموم نہی کی روایت صحاح میں ہے عموم بہتر ہوا۔ چاہیے کہ یہ روایت تعلیق بالمحال پر حمل کی جائے تاکہ دونوں طرح کی روایات میں تطبیق ہو۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ صحاح میں عموم نہی کی جو روایات ہیں۔ ان کی علت عام ہے کہ اس سے معلوم ہے کہ جس کو اپنے عمل پر وثوق ہو۔ اس کے حق میں بھی منع ہے کہ موت کی تمنا کرے۔ اور جو حکم ہو کہ شارع کے کلام میں اس کی عام علت مذکور ہو۔ تو اس حکم کی تخصیص جائز نہیں اور وہ روایت

اس میں عام علت مذکور ہے یہ ہے :-

لَا تَحْتَمِلُ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ لِيُصْرَبَ نَزْلُ امَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَشُوبَ وَأَمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزِدَّ إِحْسَانًا

یعنی "چاہیے کہ آرزو نہ کرے موت کی تم میں سے کوئی بسبب کسی تکلیف کے کہ اس پر واقع ہو اس واسطے کہ وہ شخص یا گنہگار رہے، تو شاید توبہ کرے آمندہ اور یا نیک رہے تو شاید اس کی نیکی اور زیادہ ہو جائے۔"

یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس کو اپنے عمل پر وثوق ہوگا ضرور ہے کہ وہ اپنے کو نیک جانتا ہوگا۔ مگر نیک کے حق میں بھی موت کی آرزو کرنا منع ہے۔ اس واسطے کہ پھر موت کے بعد ممکن نہ ہوگا کہ نیکی میں زیادتی ہو۔ یہ علت اس شخص کے حق میں موجود ہے کہ اس کو اپنے عمل پر وثوق ہو تو اس کے حق میں بھی نہی ثابت ہوئی۔ البتہ اگر نہی کی علت ہوتی کہ اس میں تردد ہو کہ موت کے بعد کیا حال ہوگا۔ یعنی عذاب ہوگا یا راحت ہوگی تو اس صورت میں اگر عمل پر وثوق ہو تو نہی کی علت منتفی ہو جاتی ہے۔ لیکن فی الواقعہ نہی کی علت یہ ہے کہ موت کے بعد عمل موقوف ہو جائے گا۔ تو اس علت میں عمل پر وثوق ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ پھر تو یہی امر متعین ہوا کہ سوال میں جو حدیث مذکور ہے اس میں تعلیق بالمحال ہے۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگرچہ از روئے عقل کے محال نہیں کہ عمل پر وثوق ہو۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ باعتبار عادت کے ضرور محال ہے۔ چنانچہ یہ محض نہیں اور اگر فرض کیا جائے کہ عادتاً بھی محال نہیں تو اس صورت میں بھی ضرور ہے کہ شرعاً محال ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لَا يَشُقُّ أَحَدٌ ابْتِغَاءَ عَمَلِهِ قَالُوا وَلَا أَنتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَشُقَّ فِي اللَّهِ بَحْمَنِهِ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ نجات نہ دے گا تم میں سے کسی کو عمل اس کا، تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کا عمل بھی آپ کی نجات کے لئے کافی نہ ہوگا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ چشم پوشی کر لیوے۔ اللہ میرے حق میں اپنی رحمت کے سبب سے "اور حسن بصری نے کہا ہے :-

لَا يَحْتَاطُ الشَّقَاقُ الْآمِنِينَ وَلَا يَأْمَنُ الْآمِنُونَ

یعنی نفاق سے کوئی نہیں ڈرتا ہے مگر مؤمن ڈرتا ہے اور نفاق سے کوئی بے خوف نہیں ہوتا۔ مگر منافق بے خوف ہو جاتا ہے۔

ایسا ہی بخاری شریف کی تعلیقات میں ہے۔ قاصد نہایت مستعمل تھا۔ لہذا اپنے حسب دل خواہ تفصیل فقیر لکھ نہ سکا۔

سوال : مرنے پر کیا کیا گزرتا ہے اور کہاں رہتا ہے ؟

جواب : نزع کے وقت وہ ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، جو تابعین سے حضرت عزرائیل م کے ہیں اور روح کو بدن کے اجزاء سے کھینچتے ہیں جب روح کے لینے کا وقت ہوتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام خود اپنے ہاتھ میں روح کو لیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے زمین کا طبقہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سامنے اس طرح رکھا ہے کہ جس طرح کھانے کا طبق کھانے والے کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہاتھ جو کہ روح قبض کرنے کے لئے ہے۔ اس میں اس قدر انگلیاں حق تعالیٰ نے بنائی ہیں کہ ہر انگلی اپنے کام میں مشغول رہتی ہے۔ ایک انگلی دوسری انگلی کے کام میں مزام نہیں ہوتی ہے۔ جب حضرت عزرائیل علیہ السلام وہ روح اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو فوراً سمجھ لے ان کے خدام کے فرشتوں کی ایک جماعت روح لے لیتی ہے۔ اگر وہ شخص نجات کے قابل ہوگا ہے تو جو ملائکہ اس روح کو لیتے ہیں۔ وہ نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور ان سے خوشبو آتی ہے اور نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ اور ریشمی کپڑا بہشت کی خوشبو سے معطر کر کے لئے رہتے ہیں۔ ان ہی کپڑوں میں اس روح کو لیتے ہیں۔ وہ نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔

اگر وہ شخص دوزخی اور شقی ہوتا ہے تو ان ملائکہ کے خلاف دوسری طرح کے ملائکہ ٹاٹ میں کہ اس سے بدبو آتی ہے۔ اس روح کو لیتے ہیں اور آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ کافر کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ ملائکہ نہیں کھولتے ہیں اور لعنت بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لے جاؤ اس کو اس کی ماں طرف جو کہ تھا دیہ ہے۔ ملائکہ اس کو سچین پر گرا دیتے ہیں۔ اور وہاں اس کا عمل نامہ پہنچاتے ہیں۔ سچین ایک چتر کا نام ہے کہ دوزخ کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ وہاں کفار کے اعمال کے لکھنے والے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ اور جو ملائکہ اس کام کے داروغہ ہیں۔ ان کے حوالہ دہ عمل نامہ کر دیتے ہیں۔ اور وہاں روح کی حاضری دلو کر پھر اس مرنے کے بدن کے پاس اس روح کو پہنچاتے ہیں۔ صالحین اور مومنین کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ ملائکہ کھول دیتے ہیں۔ اور ملائکہ خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہتر روح ہے کہ زمین کی طرف سے آئی ہے۔ خدا کی رحمت تجھ پر ہو اور اس بدن پر ہو جس میں تو دنیا میں تھی اور اس کو تو نے آباد کیا تھا۔ اس روح کو ملائکہ علیین تک لے جاتے ہیں۔ اور علیین وہ مقام ہے کہ وہاں ملائکہ مقربین حاضر ہوتے ہیں اور انسان میں جو کاملین ہوتے ہیں۔ وہ وہاں پہنچائے جاتے ہیں۔ تو ملائکہ اس روح کی حاضری دلو کر لواتے ہیں۔ اور اس کا عمل نامہ حوالے کرتے ہیں۔ پھر اس کو اس کے بدن کے پاس لے آتے ہیں۔ اور ہنوز اس میت کو غسل دیتے ہیں۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کے سامان میں لوگ مصروف رہتے ہیں کہ وہ ملائکہ وہ روح ہاتھوں میں لئے ہوئے وہاں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور جب جنازہ لے جاتے ہیں اور قبر میں رکھتے ہیں۔ یا اگر وہ کافر ہے تو جب اس کو آگ میں رکھتے ہیں۔ تو ملائکہ اس کی روح اس کے بدن کے پاس چھوڑ دیتے ہیں۔ اور خود چلے جاتے ہیں۔ جب لوگ اس کے دفن سے فارغ ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ کافر ہوتا ہے تو جب لوگ اس کے جلانے سے فارغ ہوتے ہیں تو تو دو فرشتہ کہ ایک کا نام منکر ہے۔ اور دوسرے کا نام نکیر ہے، آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں۔ اگر وہ ایمان دار ہوتا

ہے تو بلا تشویش اطمینان کے ساتھ بیٹھتا ہے اور بعضوں کو گمان ہوتا ہے کہ آفتاب کے غروب کا وقت ہے۔ تو کہتا ہے کہ مجھ کو جلد چھوڑ دو کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤں۔ آفتاب غروب کے قریب ہے اور وقت چلا جا رہا ہے۔

بہر حال ہر میت سے پوچھتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے ؟ اور تیرا دین کیا ہے ؟ اور تو اپنے دین میں کس کا تابع ہے ؟ اور آپ کے حق میں یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا اعتقاد رکھتا ہے۔ تو بندہ مومن کہتا ہے کہ میرا معبود خدا ہے۔ اور میرا دین اسلام ہے۔ اور میرے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس پہنچائی۔ اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت دریافت کی۔ اور میں آپ پر ایمان لایا اور میں نے آپ کی متابعت کی تو وہ فرشتے اس میت کو اس کے اپنے اعمال کا گاہ کرتے ہیں کہ جن کو وہ ایمان کے بعد عمل میں لایا۔ اور اس عمل کے ذریعہ سے وہ بخشا گیا۔ اور یہ فرشتے کہتے ہیں کہ اب تم آرام سے سو رہو۔ جس طرح اطمینان سے بلا تشویش عموماً سوئی ہے پھر اس کی قبر جہاں تک اس کی نظر مانتی ہے کشادہ کرتے ہیں اور روشن کر دیتے ہیں۔ پہلے دوزخ کی طرف دریکچہ کھولتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دیکھ حق تعالیٰ نے بڑی بلاتیرے سر سے دفع کی اور پھر وہ دریکچہ بند کر دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد بہشت کی طرف دریکچہ کھول دیتے ہیں۔ یہ شخص اس کی تانگی اور خوشبو سے بہرہ مند اور خوش ہوتا ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایک شخص آتا ہے اور وہ شخص نہایت شکیل اور جمیل اور خوبصورت ہوتا ہے اور نہایت ہرمانی کے ساتھ پیش آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں قرآن ہوں۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ یا وہ شخص کہتا ہے کہ میں فلاں علم ہوں کہ میرے ساتھ تم کو دنیا میں نسبت تھی۔ یا کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں کہ دنیا میں تم نے میرا لحاظ رکھا۔ یہ سب رزق اور فرش اور لباس تمہارے آرام کے لئے اسباب ہے۔ تو وہ شخص خراماں خراماں آہستہ آہستہ بطور سیر کے اس طرف پھرتا ہے اور اپنے عزیز واقارب اور اپنے دوستوں کے ساتھ کہ جہاں سے فوت ہوتے رہتے ہیں۔ ملاقات کرتا ہے۔ اور وہ لوگ بطور ضیافت کے اور کبھی بطور تفریح کے اپنے مقام میں اس کو لے جاتے ہیں۔ اور کبھی بطور تہنیت کے خود اس کے پاس آتے ہیں اور روز بروز اس کے دل کا اطمینان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جن لوگوں کی نجات ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے چار طرح کا مکان دیا گیا ہے۔ ایک مکان خلوت کا رہتا ہے۔ اور گویا وہ مکان ایسا ہوتا ہے۔ جیسے رات کے وقت رہنے کے لئے مکان ہوتا ہے۔ اور دوسرا مکان دیوار کا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ اس دربار میں دربار کرتا ہے اور تیسرا مکان سیر و تماشا کے لئے ہوتا ہے اور اس سے متعلق ایسی چیزیں رہتی ہیں جیسے دنیا میں چارہ زرم اور مساجد تبرکہ وغیرہ، اور بھی ایسے دوسرے مقامات ہیں جو کہ برزخ میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور چوتھا مکان دوستوں اور مہاسیہ کے لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے دیوان خانہ ہوتا ہے اور وہاں یہ مکانات بندہ کی اخیر عمر میں تیار کئے جاتے ہیں۔ اور جب تیار ہو جاتے ہیں تو اس بندہ کو جہاں سے لے جاتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ سب مکانات تنگ قبر کے اندر کس طرح ہوتے ہیں۔ تو ایسا نہیں بلکہ یہ تنگ قبر صرف بمنزلہ دروازہ کے ہوتی ہے کہ اس دروازے سے ہو کر ان مکانات میں جاتے ہیں۔ ان مکانات سے ہر مکان آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ اور بعض مکانات دوسرے اور تیسرے آسمان پر ہیں۔ اور شہداء کے بطور مکانات کے پُر نور قندیلیں ہیں۔ کہ عرض کے نیچے آویزاں کی ہوئی ہیں۔ اور لوگ وہاں صرف سرور حاصل کر کے عرصہ سے ذکر اور تلاوت اور نماز اور متبرک مقامات کی زیارت میں مشغول ہوتے ہیں۔

اور قوم کے جو لوگ بزرگ ہیں۔ وہاں بچوں کی نسبت کہ یہاں سے فوت ہو کر گئے ہیں۔ باہم مقرر کر کے کہ قیامت کے دن ان لوگوں اور لوکیوں کے درمیان باہم ترویج کا عقد منعقد کریں گے۔ وہاں یعنی برزخ میں ان کی لذت کے سوا ہر طرح کی لذت حاصل ہوتی ہے اور عبادتوں میں روزہ کے سوا اور جو عبادت کرنے کی خواہش کر سکتا ہے۔ اور اوقات متبرکہ میں مثلاً شب قدر اور شب جمعہ میں اپنے ان عزیزوں کے پاس گزرتے ہیں کہ وہ ان اموات کو یاد کرتے ہیں۔ ان کے اہل و عیال جو زندہ رہتے ہیں۔ ان کے احوال سے ان اموات کو اطلاع ہوا کرتا ہے۔ کبھی اس ذریعہ سے اطلاع ہوتی ہے کہ وہ اموات خود ان کے پاس آتے ہیں۔ اور کبھی ملائکہ ان کا احوال پہنچاتے ہیں۔ کہ فرشتے اموات سے ملاقات کرتے ہیں۔ اور زندہ لوگوں کا پیغام اور احوال پہنچاتے ہیں۔ اور اموات کے پاس ہر شخص جاتا ہے اور دُعا کرتا ہے۔ اور کلام کرتا ہے۔ تو ان اموات کو یہ سب معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ان کے حواس باقی رہتے ہیں کہ یہ سب ان کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بزرگان دین پر غیب کے امورات مشکف ہوتے ہیں۔ جو کچھ شدنی اور ناشدنی ہے بواسطہ ارواح طیبہ کے ملائے اعلیٰ اور مشکفلان کا رخانہ قضاء و قدر سے بزرگان دین کو معلوم ہوتا ہے۔ اور کبھی میت نمود و خواب میں زندہ لوگوں سے ملاقات کرتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو فرشتہ رُوح پر موقوف ہے وہ ان کی صورت کے ساتھ منسلک ہو کر ایک و بعد احوال سے اطلاع دیتا ہے۔

لیکن کفار اور منکرین اور منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ تمام سوالات سے محذور ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے ہیں کہ یہ کون تھے۔ اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارا دین فلاں دین ہے اور ہمارا معبود فلاں بت ہے یا فلاں رُوح ہے تو ان پر عذاب کرتے ہیں۔ بعضوں پر یہ عذاب ہوتا ہے کہ قبر دونوں طرف سے ملا دی جاتی ہے کہ ان کی ہڈیاں سر سے کی مانند ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی آگ کا عذاب کرتے ہیں۔ اور کبھی سانپ اور بچھو مسلط کرتے ہیں اور کبھی آہنی اور آتشیں گرز سے مالتے ہیں۔ کہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر گرز اٹھانے کے ساتھ ہی اس کا بدن تباہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح انواع اقسام کا عذاب اس پر کرتے ہیں۔

جو لوگ دنیا میں صبح کی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ ان کو داغ ہوتے ہیں۔ اور جو شخص خودکشی کرتا ہے وہ جس طریقہ اپنی جان کو مارتا ہے۔ اسی طور سے موت کے بعد وہ خود اپنے اوپر عذاب کیا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنی حلال عورت چھو کر زنا کی رغبت کرتا ہے۔ اس پر عذاب ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کھانے کے دو طبق رکھے جاتے ہیں۔ ایک طبق عمدہ پاکیزہ کھانا رہتا ہے۔ اور دوسرے طبق میں نجس متعفن کھانے کی چیزیں

ہے۔ اس کو وہ ناپاک چیز کھلاتے ہیں۔ اور جو شخص نہیں کھاتا ہے تو اس کو خبیث خون کی نہر میں ڈال دیتے ہیں۔ اور وہ جب نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ پر پتھر مارتے ہیں۔ اور اس کو نکلنے نہیں دیتے ہیں۔ بعضوں پر یہ عذاب کرتے ہیں کہ اس کو فقر اور گرسنگی اور بے مگی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور ذلت اور رسوائی کے ساتھ دبدب پھرتے ہیں۔

جو شخص دنیا میں ذکوۃ نہیں دیتا ہے تو اس کا مال و ذرخ کی آگ میں گرم کر کے اسے اس کی پیشانی اور پیٹ اور اس کے دونوں ہاتھ دانتے ہیں۔ یہ سب عذاب ہمیشہ سب گنہگاروں پر نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بعض گنہگاروں پر یہ عذاب ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور وہ برابر اس تکلیف میں مبتلا رہیں گے اور بعض گنہگاروں پر ہر روز کسی وقت عذاب ہوتا ہے۔ اور کسی وقت ان کو عذاب سے رہا کرتے ہیں۔ اور بعض گنہگاروں پر صرف شب جمعہ تک عذاب ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ مرتے ہیں تو اس دن سے شب جمعہ کے آنے تک ان کو عذاب ہوتا ہے۔ اور جب شب جمعہ آتی ہے تو مردہ عذاب سے رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر ان پر کبھی برزخ میں عذاب نہیں ہوتا ہے۔

اور بعض گنہگاروں پر رمضان کے مہینے تک عذاب ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ مرتے ہیں۔ اس وقت سے رمضان شریف کا مہینہ آنے تک ان پر عذاب ہوتا ہے۔ پھر جب رمضان شریف کا مہینہ آتا ہے تو وہ عذاب سے رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر ان پر کبھی برزخ میں عذاب نہیں ہوتا ہے اور بعض گنہگاروں پر اس وقت عذاب ہوتا ہے کہ ان کے حق میں شفاعت ہو۔ پھر شفاعت کے بعد عذاب سے وہ لوگ رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ فقط۔

سوال : جن جہلام کہتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ انتقال کرتے ہیں۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کو غسل دیتے اور دفن کرنے کے لئے آتے ہیں۔ جو لوگ ایسا اعتقاد رکھیں۔ ان کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔

جواب : ان لوگوں کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ قبول نہ کرنا چاہیئے اور اس قول کے قائل کو جانا چاہیئے کہ وہ مسائل میں جاہل ہے۔

سوال : مردہ دفن ہونے کے بعد روح کا کیا حال رہتا ہے۔

جواب : امام رازی رحمہ اللہ نقل سے منقول ہے۔

رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ دَارَ رَوْحِهِ حَوْلَ دَارِهِ شَهْرًا فَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ مِنْ مَالِهِ كَيْفَ يُشَسُّ مَالَهُ وَكَيْفَ يُوَدَّى وَنَيْهِ فَإِذَا تَعَشَّرَ رَدَّ إِلَى حُفْرَتِهِ فَيَدُورُ حَوْلَ قَبْرِهِ حَوْلًا يَنْظُرُ رَوْحُهُ مَنْ يَدْعُو لَهُ وَيَحْذَرُ عَلَيْهِ فَإِذَا تَوَسَّطَ رُفِعَ إِلَى حَيْثُ يَجْمَعُ الْخَلَائِقُ إِلَى يَوْمِ يَفْخُ فِي الصُّدْرِ التَّائِبُ بِحَسْبِ الْمَذْأَبِ -

یعنی "روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ جب بندہ مومن مر جاتا ہے۔ تو اس کی روح اپنے گھر کے گرد ایک مہینہ پھر اُڑتی ہے اور جو مال وہ چھوڑ جاتا ہے۔ اس کی جانب نظر کرتی ہے۔ اگر کس طرح میرا مال تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور کس طرح میرا دین ادا کیا جاتا ہے۔ جب ایک مہینہ پورا ہو جاتا ہے تو وہ روح اپنی قبر کی طرف واپس کر دی جاتی ہے۔ تو پھر وہ اپنی قبر کے گرد ایک برس تک پھر اُڑتی ہے اور دیکھتی ہے کہ کون شخص میرے لئے دعا کرتا ہے۔ اور کون شخص میرے لئے تمکین ہے۔ جب ایک برس پورا ہو جاتا ہے تو وہ روح وہاں سے اٹھ کر اس کی رکھی جاتی ہے۔ جس جگہ خلعت جمع رہیں گے اس دن تک جس دن کہ مرنے والے کا جائے گا، اور بحر المذاہب میں لکھا ہے۔"

سوال : علماء اور حکماء کا اس پر اتفاق ہے بلکہ کفار کا بھی کہ ارواح کے لئے موت کے بعد حیات کے بارے میں شہداء کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ کیونکہ یہ مضمون قرآن شریف میں صراحتاً مذکور ہے۔

جواب : ارواح کے لئے موت کے بعد فنا نہیں۔ بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء اس بقاء کے علاوہ دوا امر زائد دینے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے۔ اس کا حامل دوا مرہیں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے:-

يُنْفَخُ لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ - یعنی شہید کا عمل شہادت کے بعد بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت تک زیادہ ہوتا جائے گا۔

اور دوسرا امر یہ کہ توسط بدن شہداء کو روزی دی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ شہداء سبز چڑیلوں کے قالب میں بہشت کے پھل کے نزدیک جاتی ہیں۔ اور پھر ان قدیلوں میں اگر رہتی ہیں۔ ان کے نیچے لٹکائی ہیں۔ نص قرآنی میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں صراحتاً اشارہ ان دونوں وجہ کی طرف انبیاء علیہم السلام کو اس سے بخیر زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حضور میں پیش کئے جاتے اور امت کے امور میں اصلاح کی جانب توجہ فرماتے ہیں کہ۔

چنانچہ عوام کی دنیاوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔ باقی صرف خبر دار ہونا بعض احوال اور لذت اور تامل یہ سب بقاء روح کے لوازم سے ہے کہ لطیفہ دتا کہ وہی ہے۔ اور حیات اس معنی کے سے مشترک ہے مومن اور کفار میں اس واسطے کہ روح سب کی باقی رہتی ہے۔ اور شعور اور ادراک ذاتیات سے ہے وہ منسلح نہیں ہوتا ہے۔

شیخ اکبر کو جو مکاشفہ ہوا کہ بعض دوسرے آدمی کے ساتھ قبل ظہور حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ

سوال : معاد جسمانی کی حقیقت کیا ہے۔ (از رسالہ معاد جسمانی)

جواب : پاک ہے اللہ جس نے پیدا کیا انسان کو مٹی سے اور اس کی نسل کو پشت کے پانی سے قرار دیا۔ یعنی مٹی سے کر وہ ناپید نہ ہوگا۔ پھر بارگاہ انساں کو اور پھر مٹی اس میں اپنی روح سے ہوا۔ وہ انسان ظاہر طور پر مٹا مٹ کر نہ والا اور اس کے واسطے اس کو پیدا کیا۔ اور مٹا ہوا کلمہ تیرے رب کا۔ البتہ پھر وہاں کا جو جن اور آدمی سے محمد کرتے ہیں جم اللہ کی خوشی اور رنج میں یعنی ہر حال میں۔ اور شکر کرتے ہیں ہم اللہ کی سختی اور انکسالی میں، اور دُعا دیکھتے ہیں اپنے پیغمبر اور انبیاء پر اور ان کی ال اور اصحاب علیہ السلام پر۔ بعد حمد و صلوة کے جاننا چاہیے کہ۔

زیادہ ہوا اختلاف معاد روحانی و جسمانی میں اور گمان کر لیا ہر شخص نے جو اس کے دل میں گذرا اور جملہ نص صادق سے ثابت ہوا اس سے چشم پوشی کر لی۔ بلکہ گمان کیا ان لوگوں نے امر صحیح کو اپنی عقل و دہم میں ایک امر افتراء کر لیا ہوا۔ اور جو امر صحیح کو دور عقل سے اور خلاف عقل کے۔ اور قسم ہے اپنی عمر کی کہ یہ امر معاد روحانی و جسمانی میرے نزدیک امر ظاہر ہے ثابت ہے دلائل عقلیہ تامہ سے۔ اور مراد میری دلائل عقلیہ سے وہ قواعد نہیں جس کو وضع کیا قوم نے دلائل اپنی عقل کے اور کیونکہ میری مراد ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اکثر باریکی اس قوم کے کالمین پر ظاہر نہ ہوئی۔ بلکہ مراد میری ان قواعد سے ہے جو مطابقت جو نفس الامر کے باعتبار عقل۔ اور حاصل کلام تشریح اس کلام کی موقوف ہے تمہید پر چند اصول کے اور اس کو جناب والد صاحب نے اپنی کتابوں میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔

جس شخص کو منظور ہو کہ تفصیل ان اصول کی دریافت کرے۔ تو چاہیے کہ ان تصانیف کو دیکھے جو اقوال

شہد ہر ہر امر مادہ پرست معاد کے قائل نہیں اور نہ کیونست۔

کہ وہ قواعد جن کی بنیاد سائنس و کیمیا پر قائم ہے۔

صادق سے مالا مال ہیں۔ اصل حقیقت انسانیہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ اصل ہے واسطے نفس کلید کے واسطے نمر کے۔ اور نمر ایک حالت ہے بدن میں مدبر ہے واسطے اس بدن کے حامل ہے واسطے قوی کا فصل قریب واسطے انسان کے وہ فیض ہے جو قائم ہے ساتھ صورت حیوانیہ کے شان سے اس فیض کے اتساع قوی ثلاثہ یعنی قلب و عقل و نفس کا

اور تحصیل انسان کا صرف بسبب نفس کے ہے جو حامل ہے واسطے ان قوی کے اور باقی چیزیں مانتا ہے کے ہیں اور واسطے وجود ابتدائی انسان کے اصل وہ اصل جس کے سبب سے زید زید ہے اور عمرو عمرو ہے۔ تحقیق کے مشخصات نہیں بلکہ مشخصات مانتا مصلح کے ہیں۔ کہ بسبب اس کے یہ نفس زید کا ہوا۔ اور عمرو کا ہوا۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ جو حرکت کم میں ہوتی ہے۔ موضوع اس کا شخص انسان ہے کہ مقتوم ہے نہ حقیقت واحد سے ساتھ کسی مادہ مہمہ کے۔ اور مادہ صرف شرط ہے واسطے تقوم اس حقیقت کے اور اس حقیقت کے اور ظہور احکام اس حقیقت کے مانتا مصلحات باقیہ اور امثال متجہدہ کے۔

اس مضمون میں نہایت غور درکار ہے۔ اس واسطے کہ یہ مسئلہ دقیق ہے۔ اور مقام غور ہے۔ اصل موت کا جہاں ہو جائے دم کا ہے بدن سے، نہ جدا ہونا نفس کا ہے دم سے تو مضمون یاد رکھنا چاہیے۔ اصل خاصیت سے اس مصلح کے یہ ہے کہ وہ دم میں مریت کرتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ مجرد محض ہو۔ لیکن تقوم اس بربدم کے ہوتا ہے۔ اور وہ مانند اس انسان کے ہوتا ہے جس کا کاتھ پاؤں گنا ہو اور اعضا درمیسہ فتنے جو معنی صورت انسان کا ہے۔ اصل چیزیں عالم میں جوہر اقتضائے حکمت الہیہ کے ہیں مثلاً:-

محال ہو اعلیٰ کا اس واسطے کہ انسان جب چوستا ہے شیشی کو تو اس سے ہوا خارج ہوتی ہے جس کی جب نہیں باقی رہتی گجائش تخلخل کی اور اس سے زائد تخلخل نامناسب ہے واسطے حقیقت ہوا کے اس وقت وہ شیشی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ایسا ہی جب شیشی میں پھونکتے ہیں جس کی جب نہیں باقی رہتی گجائش واسطے زائد تکاثف کے یعنی تکاثف اس حد تک پہنچ جاتا ہے جو حکم میں طبیعت ہوائیہ کے ہے۔ تو اس وقت میں بھی شیشی ٹوٹ جاتی ہے۔ اس سے سمجھنا چاہیے کہ امر امن اگرچہ تحلیل کرتے ہیں وہ کم کو لیکن تا بقا و جہاں ایسی حالت طبیعت انسانیہ کی نہیں ہو جاتی کہ ناممکن ہو جائے تعلق دم کا ساتھ اس طبیعت انسانیہ کے توجہ طبیعت انسانیہ اس قدر تحلیل ہو جاتی ہے کہ ناممکن ہو جاتا ہے تولد دم کا تو اس وقت انسان مریا ہے۔ اور یہ ہے کہ طبیعت انسانیہ اس قدر تحلیل ہو جائے تعلق دم کا ساتھ اس کے اور باوجود اس کے وہ انسان فنا رہے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ حیوان ارضی یعنی جو حیوان زمین کے اندر رہتے ہیں۔ ان کے بدن کے ساتھ تعلق دم کا نہیں ہوتا۔ تا ان کے بدن میں بھی غشا یعنی وہ پردہ ہو جو دم لینے کے لئے ضرور ہے۔ تو کیا ایسا پردہ ان کے بدن میں ہوتا ہے یا نہیں تو اس شبہ کا جواب یہ ہے:-

جہاں تک ہم کو علم ہے یہ امر ہے کہ جو چیز واجب ہے طبیعت کے لئے کلیتاً وہ حکم میں طبیعت کے ہے۔ اصل دم بعد موت کے حامل ہوتی ہے واسطے قوی کے۔ چنانچہ شیخ بوعلی اور شیخ ابن نصر کا یہ قول ہے کہ نفس کا تعلق جسم ہوائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے تخیل و توجہ ہو سکے۔ تو ایسا ہی ہم کہتے ہیں کہ باقی رہ جاتی ہے قوت جس مشترک کی نفس میں اور حاصل ہوتے ہیں نفس کو علوم سمعیہ و بصریہ بمنزلہ حدس کے نتیجہ میں اور بمنزلہ اولیٰ کے جو پیدا ہوتے ہیں مشاہدہ قرآن سے۔

اصل جب تک نفس عالم برزخ میں رہے گا اس پر عذاب یا اس کو تنعم یعنی آرام چند وجوہ سے ہوتا رہے گا۔ یعنی بسبب ادراک عقلی و وہی کے اور بسبب ظاہر ہونے صورتوں اور اشکال کے لائق ہوتی ہے تخیل اشباع معانی کی وجہ سے جیسا کہ ہوتی ہے تخیل خواب میں اور بسبب الہام ملائکہ کے پھر قرار پاتی ہے عزیمت نفس کی اس پر کہ ان اشباع سے راحت ہوگی۔ یا قرار پاتی ہے وہ عزیمت اس پر کہ ان اشباع سے تکلیف ہوگی۔ پھر حاصل ہوتی ہے راحت یا تکلیف۔ اس عزیمت سے اور خیال کرنے سے نفس کے ان اشباع کو حقیقت عجیبہ جس کی تعبیر ہوتی ہے ساتھ ظاہر کرنے یا غ کے باغنائے جنت سے یا غار کے غار ٹائے دوزخ سے۔

اصل جب ارادہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا بعد فنا کرنے عالم کے اور حادث ہونے قیامت کے امن مرا کہ جمع کریں لوگوں کو اور اس کے اسباب بہت ہیں۔ ان سب کا ضبط کرنا ناممکن ہے۔ علی الخصوص اس مختصر میں اسکی گنجائش نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا فیض ارواح پر ہوگا۔ من قبیل مثال نوع انسان کے اور حادث ہونے قیامت کے عالم میں جس سے قوت ہوتی ہے۔ ارواح میں اور کمال ہوتا ہے ارواح کو تو اس وقت عود کر آئے گی۔ ارواح میں صحت اس کی اور دفع ہو جائے گی خرابی اس سے تو اس وقت ارواح کا جسم تیار ہوگا۔ اس وقت اجسام بطور اس درخت کے ہوں گے۔ جو کاٹ دیا گیا ہو۔ اور صرف پھیری درخت کی باقی رہ گئی ہو۔ پھر کبھی بارش ہو۔ اور مناسب ہوا چلے تو اس پھیری سے شاخیں اور شگوفے اور پتے طبعی طور پر نکلیں تو اس وقت اگر بدن ارضی ہوگا جس کو کچھ مناسبت نفس مطلقہ اور شہ ہوائیہ سے رہے گی۔ تو روح کے لئے وہ بدن بمنزلہ سوانہی کے جانور کے ہو جائے گا۔ اور روح کا تعلق اس بدن کے ساتھ ہوگا۔ ورنہ خالق حقیقی اس روح کے لئے بدن مناسب پیدا فرمائے گا۔

اصل جب حشر میں لوگ جمع کئے جائیں گے اور قومی ہو جائے گا ان اجسام میں حکم مثال و شبہ مثل انسانیہ کا اور غالب ہوگا حکم نوع کا تو اس وقت حساب و مناقشہ ہوگا۔

اصل ۴ سرانواع تعذیب و تعیم میں یہ ہے کہ خواہش ہوتی ہے نفس کی کہ دم کو حاصل ہو کمال ہر طرح کا قوی جسمانیہ اور روحانیہ میں پھر ہر قوت کو جس چیز سے لذت حاصل ہوتی ہے وہ چیز حاصل ہو جائے تو دم کو کمال راحت ہو۔ بسبب حاصل ہو جائے ان تمام چیزوں کے جن سے تمام قوتوں کو لذت اور آرام حاصل ہو۔ واللہ اعلم

سوال : انسان کا ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے۔ اور جو شخص زیارت کے لئے بنائے

اس کو نیست پہنچاتی ہے اور اس کا سلام و کلام سنتی ہے یا نہیں۔

جواب : انسان کا ادراک بعد موت کے باقی رہتا ہے۔ اس امر میں شرع شریف اور قواعد فلسفی اتفاق ہے۔ لیکن شرع شریف میں عذاب قبر و تعظیم قبر متواتر طور پر ثابت ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک طویل پابندی ہے۔ اس امر کی تحقیق کے لئے کتاب شرح الصدوق فی احوال الموتی و القبر و تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی رکھی ہے اور دیگر کتب احادیث و دیکھنا چاہیے۔ کتب علم کلام میں عذاب قبر ثابت کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض متکلمین کے نزدیک منکرین عذاب قبر کا فرہیں۔ اور عذاب و تعظیم بغیر ادراک و شعور کے نہیں ہو سکتا۔ اور ادراک و شعور موتی کا احادیث صحیحہ مشہور سے ثابت ہے کہ زیارت قبر اور میت کو سلام کرنے کے اسے میں اور میت سے کلام کرنے کے اسے میں ہے۔ مثلاً ثابت ہے کہ موتی سے کہنا چاہیے۔

اَنْتُمْ مَسْلُوفُنَا وَحَنَّا بِاَلْاَشْرَافِ اَنْتُمْ كَلَّا حَقَّقْنَاهُ

ترجمہ: یعنی تم لوگ ہم لوگوں سے پہلے جانے والوں سے ہو۔ اور ہم لوگ تم لوگوں کے بعد ہیں اور انشاء اللہ تم لوگوں سے ہم لوگ ملے ہیں؟

بخاری اور مسلم میں روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء بدر کے مائتہ خطابیہا ہَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔

یعنی کیا تم لوگوں نے وہ چیز جس کے لئے تم لوگوں کے پروردگار نے وعدہ کیا تھا۔ سچا پایا؟ تو صحابہ نے عرض کیا :-

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَتَشْكَلُهُمْ مِنْ اَجْسَادِهِمْ فَيَتَمَرَّضُونَ فِيهَا رُوحٌ۔

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کلام فرماتے ہیں ان اجسام سے کہ ان میں رُوح نہیں ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَا اَشْكُوْا بِمَعْنَاهُمْ وَكَلَّمَهُمْ لَا يَجِيْبُوْنَ۔

یعنی تم لوگ ان لوگوں سے زیادہ سنے والے نہیں۔ لیکن وہ لوگ جواب نہیں دے سکے؟ اور قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْواتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُؤْتُوْنَ

یعنی اور نہ گمان کیجئے ان لوگوں کو کہ قتل کئے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کہ وہ مَرُوْد ہیں۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے نزدیک اُن کو روزی دیا جاتی ہے۔ اور وہ لوگ خوش ہیں اس چیز سے کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے فضل سے ان کو دیا؟

حاصل کلام اگر ان کا ادراک و شعور اموات کا کفر نہ ہو تو اس کے اسکا دہونے میں کچھ شبہ بھی نہیں اور قواعد فلسفہ سے ثابت ہے کہ رُوح اس بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور شعور و ادراک بھی باقی رہتا ہے۔

اور لذت روحانی بھی باقی رہ جاتی ہے اور اس امر پر فلاسفہ کا اتفاق ہے۔ صرف جالینوس کا اختلاف ہے اور اسی وجہ سے جالینوس کو فلاسفہ میں شمار نہیں کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بدن ہمیشہ تحلیل ہوا کرتا ہے اور رُوح کی ہمیشہ ترقی و شعور و ادراک میں ہوتی رہتی ہے۔ تو مندرجہ مذکور بدن کی ادراک و شعور کے سلب میں کیا تاثیر کر سکتی ہے۔

سوال : اگر ادراک و شعور بعد موت کے باقی رہتا ہے تو جس قدر ادراک و شعور زمانہ حیات میں رہتا ہے، اسی قدر ادراک و شعور بعد موت کے بھی رہتا ہے یا زیادہ ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے؟

جواب : ادراک و شعور اہل قبور کا بعد موت کے بعض امور میں زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض امور میں کم ہو جاتا ہے جن چیز کو تعلق امور غیب سے ہے اس میں ادراک و شعور اہل قبور کا زیادہ ہو جاتا ہے اور جس چیز کا تعلق دنیاوی امور سے ہے اس میں ادراک و شعور اہل قبور کا کم ہو جاتا ہے۔

سبب اس کا یہ ہے کہ التفات اور توجہ اہل قبور کی امور غیبیہ میں زیادہ ہوتی ہے اور دنیاوی امور میں کم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے یہ فرق ہوتا ہے کہ اہل قبور کا ادراک و شعور امور غیبیہ کے متعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اور دنیاوی امور کے متعلق کم ہو جاتا ہے۔ ورنہ فی نفسہ اہل ادراک و شعور میں فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل ادراک و شعور امور غیبیہ اور دنیاوی امور دونوں کے متعلق یکساں رہتا ہے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی بحالت حیات، باعتبار توجہ التفات ادراک و شعور میں کمی و زیادتی ہوا کرتی ہے۔ یعنی جس کی توجہ و التفات جس امر کی جانب زیادہ ہوتی ہے اس کا ادراک و شعور بھی اس امر میں زیادہ ہوتا ہے جس کی توجہ و التفات اس امر کی جانب کم ہوتی ہے اس کا ادراک و شعور بھی اس امر میں کم ہوتا ہے۔

چنانچہ قائلین علمیہ و کلامیہ دربار خوب سمجھتے ہیں۔ اور جن عورتوں کا اور کیفیت لغات و ادب کی اینٹرائفے خوب جانتے ہیں۔ اور علماء و فضلاء ان چیزوں کے ادراک میں بہت قاصر ہوتے ہیں۔ یہ باعتبار کمی التفات اور توجہ اس کی زیادتی کے ہوتا ہے۔

سوال : دفعہ : مہربان من اہل سنت کے نزدیک بلکہ اکثر فرقہ اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہے کہ جن اشیاء طہین کا تصرف آدمی کے بدن پر ہونا ثابت ہے اور یہ تصرف آدمی کی رُوح حیوانی میں ہوتا ہے جو حامل قوی ہے اور اس کو عربی میں صرع الحن کہتے ہیں۔ اور عرف میں آسیب کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس شخص کو خطم ہو گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں یہ آیت یَنْحَبِطُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ کے لکھا ہے :-

وَالَّذِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى اَنَّ الشَّيْطَانَ قَادِرٌ عَلٰى الصَّنْعِ وَالْقَسْرِ وَالْاِيْدِ اَنْ يَّتَقَدَّرَ بِرِوَالِہِ

”اگر اہل اسلام کے نزدیک ثابت ہے کہ شیطان قادر ہے صرع پر اور اس کو طاقت دی گئی ہے

کہ انسان کو مار ڈالے اور انسان کو ایذا پہنچائے۔ مگر یہ سب اس وقت میں ہوگا جب اللہ تعالیٰ

کو منظور ہوگا۔“

معتزلہ کے سوا اور کسی دوسرے فرقہ اہل اسلام کا اس میں اختلاف نہیں معتزلہ اس آیت میں توجہات

رکبہ کرتے ہیں۔ جو ان کی تفاسیر میں موجود ہیں۔ ان توجہات کا نقل کرنا و احیاء بے فائدہ ہے۔

انجیل اربعہ یوحنا ومتی و مرقس و لوقا۔ اور احادیث میں بھی اس بارہ میں ذکر ہے۔ ہرگز کسی کے لئے انکار کی جگہ نہیں عیسوی کے ذریعے سے مذکور ہیں۔ اور احادیث میں بھی اس بارہ میں ذکر ہے۔ ہرگز کسی کے لئے انکار کی جگہ نہیں اب یہ امر بیان کرتا ہوں کہ انسان بھی مرنے کے بعد کام کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں علماء اہل سنت و اختلاف ہے۔ اکثر محققین کے ہاں ممکن ہے اور بعض کے نزدیک غیر ممکن ہے۔ ان بعض محققین کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ انسان بھی بعد موت کے کام کر سکتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ انسان کی حقیقت جن کو حقیقت کے ساتھ منقلب ہو جاتی ہے اور انقلاب حقائق محال ہے۔ یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ اگر انسان ہمارے ہے۔ تو ایسا ظلم اور ایذا رسانی کیوں کر سکے گا۔ اس واسطے کہ یہ فعل بُرا ہے۔ اور ایک آدمی ایسا فعل بُرا نہیں کرتا اور اگر وہ انسان فاسق ہے یا کافر ہے تو مولانا عذاب سے اس کی رہائی کیونکر ہو سکتی ہے کہ اس کو اس کام کی فہم ملتی ہے۔ تو اسی شبہ کی بناء پر اس بارے میں محققین کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ جن کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ انقلاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک طرح کا مسخ اخروی ہے کہ ایسا مسخ ہونا موت کے بعد اور آخرت میں احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ اور جامع صغیر سیوطی میں بھی کتب متعددہ سے تسمیہ معراج منامی میں آنحضرتؐ کے نقل کیا ہے۔

رَأَيْتُ مَجْلَدَ اخْلَوا سَيِّئَةَ الشَّيَاطِينِ عِنْدَ الْمَوْتِ فَجَاءَتْهُمُ لُفْلُفَةٌ مِنَ الْجَنَابَةِ فَخَرَعَتْهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ أَذْكَمَا قَالَ :

اور جب یہ معاملہ قسم سے مسخ اخروی کے ہے تو اس سے فاسق کی عذاب سے رہائی کیونکر لازم آتی ہے۔ بلکہ یہ بھی ایک طرح کا عذاب ہے کہ اس میں وہ شخص گرفتار رہتا ہے؟

اور مسلک علماء حنفیہ مابین یہ کا یہی ہے۔ اور ملائحین نے جو کہ معتبرین علماء ماوراء النہر سے ہیں شہرہ بزرخ میں لکھا ہے :-

الانسان قد يصير جنات في عالم البرزخ بالمسح وهذا قد ثبت وعصبت من الله تعالى على من شاء حكم من كان يمسح في الامم السابقة الفنون الماضية جوداً وحقاً لا امته رُفِعَ هَذَا الْعَذَابُ عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْمَرْحُومَةِ فِي عَالَمِ الشَّهَادَاتِ بِبِرَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَمَامَةِ عَنْ عِلَاقَاتِ السَّاعَةِ الْكَلْبِيَّةِ فَقَدْ وَرَدَ فِي الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ أَنْ يَكُونَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ مَسْخٌ وَخَسَفٌ وَقَدْ عِنْدَ الْقِيَامَةِ ذَلِكَ مَسْخُ الْإِنْسَانِ فِي الْبَرَزَخِ يَكُونُ عَالِيًا فِي الْكُفَرِ وَالْمُؤْمِنِينَ الظَّالِمِينَ الْمُؤْتَمِنِينَ وَالنَّاسِينَ وَالْمُعْلَمِينَ سَبِيحًا إِذَا مَاتُوا وَقِيلُوا عَلَى جَنَابَتِهِ تَكْرًا الْمُسْتَدِينِ غَيْرِ تَابِينَ فَلَيْسَ كُلُّ مَنْ كَانَ كَذَا لَكِنْ يَكُونُ مَسْخُوحًا بِلِ مَنْ شَاءَ اللَّهُ حَسْبُهُ وَعَدَّ بِهِ وَالْمَسْخُ

لَا يَكُونُ فِي الْمَسْخُوحِ وَالْأُولَى أَسْلًا وَإِنْ مَاتُوا عَلَى جَنَابَتِهِ وَيَكُونُ الْمَسْخُ فِي الْقِيَامَةِ كَثِيرًا كَمَا وَرَدَ أَنَّ كُلَّ أَصْحَابِ الْكُفَرِ يَجْعَلُ بَلْعَمًا وَالْبَلْعَمُ يُجْعَلُ كَلْبًا وَيَدْخُلُ ذَلِكَ فِي حَقِّهِ وَيُلْقَى هَذَا فِي السَّارِ وَمِنْ هَذَا الْقَبِيلِ جَعَلَ رَأْسَ مَنْ رَفَعَ أَوْ مَضَى رَأْسَهُ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الْإِمَامِ رَأْسَ جَمَاعَةٍ وَمَسْخُ أَخَذَ الرِّشْوَةَ وَوَضَعَ الْأَحَادِثَ وَامْتَالَ ذَلِكَ كَثِيرًا انْتَهَى :

یعنی کبھی انسان عالم برزخ سے مسخ ہو کر جن ہو جاتا ہے اور یہ عذاب ہے اور غضب ہے اللہ تعالیٰ کا جس پر وہ چاہتا ہے یہ عذاب کرتا ہے۔ جیسا ام سابقہ اور قرون گذشتہ میں لوگ بند را و خنزیر مسخ کر کے بنا دیئے گئے تھے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت پر یہ رحمت ہوئی کہ یہ عذاب اس امت مرحومہ سے دنیا میں اٹھایا گیا۔ البتہ علامات قیامت سے ہے کہ یہ عذاب قریب قیامت ہوگا۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب اس امت میں مسخ اور خسف اور قذف ہوگا۔ اور اکثر بزرخ میں مسخ وہ لوگ کئے جاتے ہیں جو لوگ کفار اور اہل اسلام سے موذی ظالم ہوتے ہیں۔ اور زانی اور اظلام کرنے والے۔ علی الخصوص جب یہ لوگ جنابت کی حالت میں مرنے جاتے ہیں۔ یا قتل کئے جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی اکثر وہ لوگ بھی مسخ کئے جاتے ہیں جو مرتد ہوں اور بغیر توبہ کئے ہوئے مرنے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایسے جس قدر لوگ ہوں وہ سب مسخ کئے جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مسخ کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے اس پر عذاب کرتا ہے۔

اور صلحاء اولیاء سے ہرگز کوئی مسخ نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ وہ لوگ جنابت کی حالت میں بھی مرنے جاتے ہیں۔ اور قیامت میں لوگ اکثر مسخ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ ثابت ہے کہ اصحاب کہف کا کتا بلعم کی صورت میں کر دیا جائے گا۔ اور جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اور بلعم کے کئی شکل میں کر دیا جائے گا۔ اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایسا ہی جو شخص نماز میں امام کے قبل اپنا سر اٹھا کر یا امام کے قبل اپنا سر رکھتا ہے اس کا سر گدھے کے سر کے مانند بنا دیا جائے گا۔ اور رشوت لینے والے اور موقوف احادیث کے بنائے والے ان جیسے دوسرے گنہگار اکثر مسخ کئے جاتے ہیں۔ اور محققین جو اس امر کے قائل ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان بدکار بعد موت کے عذاب ہو جائے اور لوگوں کو ایذا پہنچائے۔ ان محققین کی ایک جماعت کا قول اُپر مذکور ہوا ہے۔ اور ان کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ مسخ نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ بعض انسان بعد موت کے شیطان بنا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ شیطان کی حرکات و افعال کے مانند ان سے بھی حرکات و افعال مختلفہ مرتد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ روہیلوں کے وقت میں کچھ لوگ ہندوستانی نے بھی ایسا کیا تھا کہ لڑھی پگڑی باندھ لی اور سر کے بال بڑھا دیئے۔ اور چند الفاظ پشتون کے سیکھ لئے۔ اور اس طرح سے اپنی وضع روہیلہ کی وضع کے مانند بنائی۔ اور روہیلہ کے مانند معاملات میں سختی اور بے عملی زد و کوب کرتے تھے۔ اور غجولے سے تشبیہ بقوم نہیں کہ ان افراد انسان کو جو بعد موت ایسے کام کرنے لگیں۔ مسخ سے مراد ایک چیز کی صورت سے دوسری چیز کی صورت بنانا اور مسخ سے مراد ہے جس جانا زمین میں اور قاف سے مراد ہے جو کوئی بڑی چیز گرا دی جائے کہ وہ دب جائے۔

جو جن اور شیطان کا کام ہے۔ ان کو عرب میں خبیث کہتے ہیں۔ اور ہندی میں بھوت کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی حقیقت میں کوئی تیز واقعہ نہیں ہوتا، اور اکثر علمائے عراق و عرب کے نزدیک یہی مسلک محتاط ہے۔ اور ان کے اعتبار سے اقویٰ واضح ہے۔ اور سیدی والد قدس سترہ کا میلان بھی اسی جانب ہوا کرتا تھا۔ جب اس میں بحث واقع ہوتی تھی اور ایسا اتفاق چند مرتبہ ہوا، ملتے تھے۔

منہ : مسئلہ بروز تنازع میں جو کچھ کتاب سے نقل کیا تھا درست ہے، اور جو فرق بروز تنازع میں نکلتا تھا وہ بھی صریحاً فرق ہے۔ بلکہ صوفیاء کے نزدیک تصرف یعنی بروز روح کا روح میں زندہ یا مرنے کے اصل میں حقیقتاً اسحقاقلی تعالیٰ و تقدس کے خواص میں سے ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت مخلوقات کے ساتھ صوفیاء کے نزدیک نسبت ظاہر کے ساتھ مٹا ہوا اور قومیت کے ہے۔ اس واسطے مخلوقات میں بھی اس کا تصرف ثابت ہے۔ البتہ اس طرح کے تصرف کا صدور بعض مخلوقات سے ہے جو ملائکہ اور جن سے ہیں اور عادت میں داخل ہے اور عام طور پر یہ تصرف سب ملائکہ اور جن میں ہے۔ اور بعض دیگر مخلوقات کہ جنی آدم کی ہیں۔ ان سے اگر صدور اس طرح کے تصرف کا ہو تو وہ ان کے بارہ میں خارق عادت سمجھا جاتا ہے۔

اور قصص الانبیاء میں ایسے تصرف کا صدور بہت منقول ہے اور خود شیخ اکبر نے اس بارہ میں اس قدر کی ہے جو اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے کافی ہے۔ اور مشارکت ارواح بنی آدم کی جو ارواح جن کے ساتھ جملہ پناہ پیر اشریخ سدو وغیرہ میں ثابت ہے تو اس مشارکت کی وجہ سے اس شخص میں کچھ نقصان یا قدر لازم نہیں آتا جس میں یہ مشارکت پائی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ مشارکت ملائکہ و شیطان کے درمیان تمثیل و تشکیل اشکال ممکن نہیں ثابت ہے۔ اور اولیاء اللہ سے بھی بہت منقول ہے۔ چنانچہ قصہ چل غزل سید علی ہمدانی قدس سرہ وغیرہ قابل ہے۔ اور اس سے ملائکہ اور اولیاء اللہ میں ہرگز قدر و نقصان لازم نہیں آتا۔

اگر شیاطین کو بسبب اپنی اقتضا و مشیت ملائکہ اور اولیاء اللہ کے ساتھ اس قدر مشابہت حاصل ہو جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ اس واسطے کہ جنس میں نیکیوں اور بدوں میں باہم اکثر امور میں مشارکت رہتی ہے۔ اور اس سے کچھ

انچہ آدم می کند بوزمین ہم

اور نیک و بد کے اس تصرف میں فرق ہے۔ اس واسطے شیاطین شیخ سدو وغیرہ کے مانند یہ تصرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ بنی آدم کو تکلیف دیں اور بنی آدم کو اپنے معبود ہونے کا گمان کرا دیں تاکہ بنی آدم ان کی عبادت کرا دیں اور ان کی نذر مانیں اور ان کے نام پر چال و فرج کریں۔ اور ارواح مقدسہ یہ تصرف اس واسطے کرتے ہیں کہ دوسرے کی روح میں کیفیت محمودہ حاصل ہو۔ اور نیکیوں اور بدوں کے تصرف میں جو فرق ہے۔ اس کا دار و مدار نسبت پناہ یعنی نیکیوں کی نسبت صالح ہوتی ہے اور بدوں کی نسبت فاسد ہوتی ہے۔ یہ عمل بظاہر دونوں کا ایک ہی طور پر ہوتا ہے چنانچہ طریقہ مجاہدین اور کفار دونوں کا استعمال آلات جنگ میں تلوار چلانے میں، نیز مارنے میں اور قواعد سپر گری میں

ہوتا ہے اور فرق مجاہدین اور کفار میں صرف باختیار نسبت ہے۔ مجاہدین کی نیت صالح ہوتی ہے اور کفار کی نیت فاسد ہوتی ہے اور مشابہت ارواح مقدسہ کے اس عمل کی شیخ سدو وغیرہ شیاطین کے اس عمل کے ساتھ صوفیہ کے نزدیک چنداں مستبعد نہیں۔ یہ تاہم شیخ ابن فارض مصری علیہ الرحمۃ کے واقعہ ہے۔ اور مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں وہی معنی فارسی میں فرمایا ہے:-

چون پری غالب شود بر آدمی
گم شود از مرد و صفت مردی
چوں پری را این دم وقت نون بود
کردگار آں پری خود چوں بود

میر اس امر کا یہ ہے کہ جو نسبت قومیت کی روح کو اپنے بدن کے ساتھ ہوتی ہے روح وہ نسبت دوسری روح میں پہنچا سکتی ہے، بشرطیکہ اس دوسری روح کو اس روح سابق کے ساتھ مناسبت ہو۔ اور وہ روح گویا روح میں پہنچا سکتی ہے۔ اور جس قدر زیادہ مناسبت اس روح کو اس دوسری روح کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی قدر اس تصرف کا زیادہ ظہور اس دوسری روح میں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ حقیقتاً اسحقاقلی میں جو کہ روح جمیع ادیان کی ہے۔ یہ معنی نہایت کامل اور نہایت واقف متحقق ہوتے ہیں۔ اور اس جناب سے ہر روح پر اس تصرف کا فیضان ہو سکتا ہے۔ البتہ قبل کرنے والے کی استعداد شرط ہے۔ اور یہ ان تصوف کے قواعد کے مطابق ہو سکتا ہے۔ لیکن علماء ظاہر اس تصرف کو تعلیمات شیاطین و جن پر حمل کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ اس طرح کے تصرف کا اثر شخص میں ہوتا ہے۔ تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب اس سے نام لیا جاتا ہے تو وہ اپنا نام کسی بزرگ کا نام بتاتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کو جان جائیں۔ اور اس کی تعلیم کریں اور اس کی بات پر اعتقاد کریں۔ اور مسائل تصوف اور مضامین نفوس کو جان لینا جن اور شیاطین کے نزدیک ایک آسان کام ہے۔ البتہ بعض شیاطین اس طرح کے تصرف سے عراحتاً بہکائے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو خاص اس فریب میں نہیں آتے۔ اور بعض شیاطین اس تصرف کے ذریعے سے ارشاد و تعلیم پہنچاتے ہیں۔ اور اس طریق سے لوگوں کو اپنی تعلیم و ارشاد کا خوگر بناتے ہیں تاکہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں پھر تو اس فریب میں عوام کے مانند خواص بھی آجاتے ہیں۔ اور اسی غرض سے یہ شیاطین اپنا نام بزرگان دین سے کسی بزرگ کا نام بتلاتے ہیں چنانچہ یہ خبر متواتر ہے کہ مانہ جاہلیت میں شیاطین بعض اشخاص پر مشاقت اور سطح اور اس وقت کے دیگر کامن پر اسی طور سے آتے تھے اور یہ خبر قابل انکار نہیں۔ واللہ اعلم

اس دعویٰ کی دلیل علماء ظاہر کے نزدیک یہ ہے کہ اگر ثابت ہو کہ صدور اس طرح کے تصرف کا ارواح طیبہ اولیاء اولیاء اللہ اور ملائکہ اور حضرت حق تعالیٰ سے بھی ہوتا ہے۔ اور حالانکہ یقیناً قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس طرح تصرف کا صدور شیاطین اور ارواح خبیثہ سے ہوتا ہے۔ تو بعض امور شرعیہ میں اشتباہ قوی لازم آئے گا۔ اس واسطے

کہ جب پری (جن) انسان پر غالب ہوتا ہے تو اس انسان سے صفت مردی و مردانگی کم ہوتی ہے۔ جب پری میں یہ عمل و کیفیت حاصل ہوتی ہے تو کچھ سمجھنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کا پیرا کرنے والا کیسا ہو گا۔

دو تین نقل کے قائم نہیں۔

اور بروز کشوفی کہ صوفیاء و کرام کا اس پر اتفاق ہے اس کی بہت صورتیں اس نوع بروز روح کے علاوہ ہیں۔
 کردہ مثنوی کتب تصوف میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں اور شواہد سے بروز روح کے کتب حدیث
 میں قصہ زید بن خارجہ کا ہے۔ اور ابو جبرین ابی الدین نے کتاب من عاش بعد الموت " میں لکھا ہے اور قاضی ابوبکر بن فخلہ
 و دیگر محدثین نے روایت کی ہے کہ بعد موت کے اور قبل دفن کے زید بن خارجہ کی موعظ نے بدن میں حلول کیا۔ اور
 اس نے کلام کیا۔ اس کا مضمون یہ ہے :-

”و حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم نبی امی خاتم النبیین میں کوئی دوسرا نبی آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بعد نہیں۔ یہ کتاب اول میں ثابت ہے۔ پھر کسی دوسرے قائل نے زید بن خارجہ کی زبان سے کہا کہ سچ کہا
 پھر زید بن خارجہ کی روح نے کہا کہ ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور صدیق اور امانت دار ہوئے گئے
 آپ کا بدن ضعیف تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم میں آپ قوی تھے۔ یہ بھی کتاب اول میں ہے۔ پھر کسی دوسرے
 قائل نے زید بن خارجہ کی زبان سے کہا۔ سچ کہا سچ کہا۔ پھر زید بن خارجہ کی روح نے کہا۔ کہ اوسط یعنی بہتر قوی قوم اہل
 اسلام میں وہ ہوئے کہ وہ نہیں ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے
 انہوں نے باز رکھا لوگوں کو اس سے کہ قوی ضعیف پر ظلم کرے اور وہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امیر المؤمنین ہیں۔ یہ بھی کتاب
 اول میں ہے۔

پھر اس دوسرے قائل نے زید بن خارجہ کی زبان سے کہا کہ سچ کہا سچ کہا۔ پھر زید بن خارجہ نے کہا کہ عثمان
 امیر المؤمنین ہیں اور وہ سچاتے ہیں لوگوں کو گناہ کثیرہ سے۔ اور چار بیس باقی ہے۔ اور لوگوں کے لئے انتظام کی صورت
 نہیں اور عامیان وین جدا ہوئے اور قیامت قریب ہوئی۔ اور بعض لوگوں نے بعض لوگوں پر ظلم کیا۔ پھر متحیر ہوئے
 مؤمنین آخر قصہ تک۔ یہ قصہ طویل ہے اور اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہیں بروز و روح کا ہوا تھا۔ دوسری
 روح کسی دوسرے کی تھی۔ جو کہ کلام کے بعد زید بن خارجہ کی زبان سے اس کلام کی تصدیق کیا کرتی تھی۔ تو بروز قنارح
 فیہ ثابت ہوا۔ کتب حدیث میں اسی طرح دوسرا قصہ بھی وارد ہے کہ اس کے الفاظ یاد نہیں۔ واللہ اعلم

سوال : انبیاء علیہم السلام و اولیاء و کرام و شہداء و صلحاء عالمیہ سے بعد وفات کے اس طور سے استمداد
 اہست ہے یا نہیں کہ لے فلاں بزرگ حق تعالیٰ سے میری حاجت رہائی کے لئے آپ عرض کریں اور میری سفارش
 کریں اور میرے لئے دعا کریں۔

جواب : استمداد اموات سے بلاشبہ بدعت ہے۔ خواہ قبر کے پاس استمداد کی جائے یا غائبانہ
 ہو۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں یہ امر نہ تھا۔ لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ استمداد کرنا بدعت حسنہ
 ہے۔ یا بدعت سیئہ ہے۔ طریقہ استمداد کے مختلف ہونے سے استمداد کے بارے میں کیا حکم بھی مختلف ہوتا
 ہے۔ اگر استمداد اس طریقہ سے کیا جائے گا جو سوال میں مذکور ہے تو ظاہراً جائز ہے۔ اس واسطے کہ اس وقت

کہ چند جہال کذابین کی خبر شرع سے ثابت ہے تو ممکن ہے کہ وہ دجال کذابین اس طرح کا فریب کریں کہ بروز روح
 کا اپنے میں غلط دعویٰ کریں۔ یعنی اپنا نام مثلاً انبیاء سے کسی نبی کا نام بتادیں۔ اور ان کے اقوال و افعال صادر کریں تو اس میں
 انکار کی جگہ نہ ہوگی۔ اور وہ دجال کذابین اہل حق کو ساکت کر دیں گے۔ بلکہ دجال اکبر کہ بروز حضرت حق تعالیٰ کے اپنے میں
 غلط دعویٰ کرے گا۔ تو اس کو بھی ساکت کرنا اور الزام دینا نہ ہوگا۔

بعض اولیاء کرام کا جو قصہ منقول ہے۔ چنانچہ نجات میں ابو عبد اللہ کرامی رحمہ اللہ کے ذکر میں لکھا ہے اور ایلیا
 فتوحات شیخ اکبر میں بھی مذکور ہے۔ تو وہ واقعہ اولیاء کا ان کے زمانہ حیات میں ہوا۔ کہ ان اولیاء کرام نے کسی دوسرے
 زندہ کی روح میں اپنا تصرف کیا۔ اس کی روح کو معطل کر دیا۔ بجائے اس کے اس شخص کی زبان سے خود کلام کیا۔ یہ امر متا
 اشتباہ نہیں۔ اس واسطے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں فریب کرے اور زندہ لوگوں میں سے کسی کی روح کے بروز
 غلط دعویٰ اپنے نہیں کرے۔ یعنی اپنا نام فریب سے اس شخص زندہ کا نام بتا دے تاکہ لوگوں کو غلط فہمی کے کہ اس
 دوسرے شخص زندہ کی روح کا حلول اس شخص کے قول و فعل کے مانند شخص فریب دہندہ قول و فعل صادر کرے
 تو ممکن ہے کہ یہ شبہ اس طرح سے رفع کیا جائے کہ اس شخص زندہ سے دریافت کیا جائے کہ آیا فی الواقع اس شخص
 شخص کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط ہے۔ تو اس امر کی تحقیق ہو جائے گی۔ اور شبہ دفع ہو جائے گا۔ بخلاف ان ارواح
 کے جو برزخ میں ہیں۔ اور بخلاف ملائکہ اور حضرت حق تعالیٰ کے کہ اگر کوئی شخص فریب ہے اور برزخ کی ارواح
 میں سے کسی روح کا بروز اپنے میں گمان کر سکے۔ تو ایسی صورتوں میں اشتباہ دفع کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اس واسطے کہ ممکن نہیں کہ ان ارواح سے جو برزخ میں ہیں۔ اور ملائکہ اور حضرت حق تعالیٰ سے حقیقت
 حال دریافت کی جائے کہ اشتباہ دفع ہو جائے اور صوفیاء و کرام کے نزدیک مطلقاً جائز ہے کہ ارواح اولیاء و کرام
 ہر حال میں کسی دوسرے میں ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اولیاء زندہ ہوں یا اموات سے ہوں۔ تو صوفیاء و کرام اس دلیل کے
 جواب میں کہتے ہیں کہ جو اشتباہ و تلبیس کہ سر رلع الزوال ہو اس سے کچھ حرج لازم نہیں آتا۔ اور یہ تلبیس اور اشتباہ
 ایسا ہی ہے کہ دلائل کتاب و سنت اور احکام شرعیہ میں کچھ قدرے عجز کرنے سے زائل ہو جاتا ہے۔ اس شخص
 کے اقوال و افعال میں عجز کرنا چاہیئے۔ اگر وہ قواعد شرعیہ کے موافق ہوں تو جاننا چاہیئے کہ بروز روح پاک کا اس
 میں ہونا ہے اور اگر اس کے اقوال و افعال قواعد شرعیہ کے خلاف ہیں۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ بروز روح نجس
 کا اس میں ہونا ہے۔ اور صوفیاء و کرام یہ بھی کہتے ہیں کہ اس طرح کی تلبیس اور ایسا اشتباہ ان امور میں بھی ہوتا ہے۔
 یعنی خرافات تلبیس اور ہفت ملکہ ذوق الہی اور تقنا شیطانی اور الہام ملکی اور وسوسہ شیطانی اور تشیل بشری جو فتنہ
 اور جن اور شیطانی کی جانب سے ہوتا ہے۔ جب ان امور میں بھی تلبیس و اشتباہ ہوتا ہے تو جس طرح یہ تلبیس اور
 اشتباہ دفع کیا جائے گا۔ اسی طرح وہ تلبیس اور اشتباہ بھی دفع ہو سکے گا۔ جو بروز روح میں واقع ہو۔ بہر کیف
 قاعدہ تصرف سے بروز روح کا امکان ثابت ہوتا ہے۔ تو نفس امکان سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن بروز روح کا اگر
 وقوع ہو جو کہ محل اشتباہ ہے تو تسلیم بھی نہ کرنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ بروز روح کے وقوع پر کوئی دلیل سوا اس

میں شریک لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ بزرگوں سے بحالت حیات استدعا کرنا اس طور سے جائز ہے کہ ان سے دعا کیا جاوے کہ درگاہ الہی میں میری حاجت روائی کے لئے آپ دعا و التجا کریں۔ اگر اموات سے استدعا کسی طریقے سے ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا۔ اور حدیث شریف میں حاجت روائی ہونے کے لئے اس قدر ہے:

عن عثمان بن حنیف عنی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان رجلاً صَیَّرَ الْبَصَوَاتِی السَّیِّئَاتِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَقَالَ اَدْعُ اللہَ اَنْ یُعَافِیَنِیْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَ اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فہو خیر لکَ مَا لَیْسَ بِکَ قَالَ فَاَمَدَّہُ اَنْ یَتَوَصَّأَ فِیْ حَسَنِ الْوُضُوءِ وَ یَذْکُرَ اِیْہِذَ اللہُ اَللہُ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِسَلَامِ مُحَمَّدِ بْنِ الرَّحْمَۃِ اِنِّیْ تَوَجَّہْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ لِیَقْضٰی فِیْ حَاجَتِیْ ہَذَہُ اللہُمَّ شَفِّعْہُ رَفِیْ رَدَّہُ السَّیِّئَاتِ وَ کَذَافِی الْمَشْکَاۃِ۔

یعنی روایت ہے حضرت عثمان بن حنیف سے کہ ایک شخص نابینا خدمت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کشف بخشنے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو دعا کروں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو۔ اور یہاں لے بہتر ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ دعا کریں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو دعا کر دینا اور احتیاط سے وضو کرو۔ اور یہ دعا کرو۔ اللہم آخر حدیث تک۔

یعنی لے پر درگاہ سوال کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری جانب بدریہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث رحمت کے لئے ہوئے ہیں۔ میں متوجہ ہوا آپ کے ذریعہ سے اپنے پروردگار کی طرف تاکہ پروردگار میری حاجت پوری فرمائے۔ لے پروردگار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں مقبول فرما۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

سوال : کوئی صاحب بن یا صاحب کشف کسی صاحب کشف کی قبر کے پاس دے کر کے باطن سے کچھ حاصل کر سکتا ہے یا نہیں۔

جواب : حاصل کر سکتا ہے۔

سوال : ان بزرگوں کی زیارت کے لئے کوئی دن مقرر کرنا یا ان بزرگوں کے عرس کا دن مقرر کرنا

جواب : زیارت قبور کے لئے کوئی دن مقرر کرنا بدعت ہے اور فی نفسہ اصل زیارت جائز ہے

اور تعین وقت کی سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس طرح کی ہے جو فی نفسہ جائز ہے۔ صرف خصوصیت وقت کے لئے ہے۔ جیسا کہ مصافحہ بعد عصر کے ہے۔ کو ملک نوران وغیرہ میں مروج ہے۔ عرس کا دن اگر اس غرض سے مقرر کیا جاوے کہ بزرگ کا عرس ہو وہ یاد رہیں۔ اور اس وقت ان کے حق میں دعا کی جائے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن

کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن دعا کرنے کے لئے عامل کسی دن کا التزام کر لینا یہ بھی اسی طرح کی بدعت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

سوال : قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول اور دوسری کوئی چیز خوشبو کی رکھنا درست ہے یا نہیں اور اس سے میت کو سرور ہوتا ہے یا نہیں۔

جواب : قبر پر پانی چھڑکنا بعد دفن کے ثابت ہے۔ لیکن بعد دفن کے کچھ دن گزر جانے پر پانی

چھڑکنا شرعاً ثابت نہیں۔ لیکن اگر قبراں میں ہو۔ اور اس کے استحکام کے لئے پانی چھڑکا جائے تو اس میں کچھ قبا

ہیں نہیں۔ ایسا ہی اگر پانی چھڑکنے سے یہ منظور ہو کہ جانور ان پر نہ چرند و چرند کی نجاست قبر سے دور کی جائے۔ اور قبر

ہلک کی جائے۔ تو ایسی کچھ قباحت نہیں اور اگر یہ سب منظور نہ ہو تو پانی چھڑکنا بدعت ہے۔ اور پھول اور خوشبو

کی چیز قبر پر رکھنا اس سے ماخوذ ہے کہ میت کے کفن میں کافور وغیرہ خوشبو کی چیزیں لگانا شرعاً ثابت ہے۔ اور

بعد دفن کے تو میت قبر کے اندر رہتی ہے۔ البتہ یہ چیزیں قبر پر رکھنے سے اس میت کی مشابہت جدیدیت

کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو احتمال ہے کہ خوشبو کی چیزیں قبر پر رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ

دلت میں روح کو خوشبو سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور روح تو باقی رہتی ہے۔ اگرچہ وہ حاس جس کے ذریعے

خوشبو روح کو زندگی میں پہنچتی ہے بعد موت کے حالت حیات کے مانند باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ امر اس قیام

سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً ثابت ہے کہ میت کو بعد موت کے لذت اور خوشی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اشارہ

میں آیا ہے۔

سوال : میت کی نذر مانا اور قبر کو چادر سے چھپانا اس بارے میں کیا حکم ہے۔

جواب : اموات کے لئے جو نذر کی جاتی ہے۔ اس میں تفصیل ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی کتاب

کتاب القوم میں مذکور ہے۔ اور اس کی عربی عبارت کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہے کہ اکثر عوام جو نذر

مانتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ بعض بزرگوں کی قبر کے پاس وہ جلتے ہیں۔ اور قبر کا پردہ اٹھا کر شلایہ کہتے ہیں کہ لے

سید فلاں اگر میری حاجت روائی ہو جائے تو آپ کے لئے اس قدر روپیہ اپنی طرف سے نذر ماننا ہوں ایسی

نذر بالاجماع باطل ہے۔ البتہ اگر کہا جائے کہ لے خدا! میں نے تیرے لئے نذر مانا ہے کہ اگر تو فلاں مریض کو شفا

بخشنے یا ایسی ہی کوئی دوسری مراد پوری ہونے کے لئے کہے۔ تو کھانا ان فقراء کو دوں گا۔ جو سید نفیس کے دروازے

پر ہیں۔ یا بجائے سید نفیس کے کسی دوسرے شخص کا نام لے پایہ کہے۔

اے خدا! اگر تو میری فلاں مراد پوری کر دے تو مسجد کے لئے چٹائی خرید کروں گا۔ یا اس مسجد کی روشنی کے

کی پرستش سے کیوں باز آئیں گے؟

جواب : اس سوال کے چند مقامات میں شبہ واقع ہوا ہے۔ ان مقامات سے خبردار ہونا چاہیے۔ اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا جواب بفضلہ تعالیٰ واضح ہو جائیگا۔

۱۔ اول یہ کہ مدد چاہنا دوسری چیز ہے اور پرستش دوسری چیز ہے۔ عوام مسلمانوں میں یہ نقصان ہے کہ وہ لوگ خلاف شرع طور سے اہل قبور سے مدد چاہتے ہیں، مگر وہ بھی پرستش نہیں کرتے۔ اور بت پرست لوگ بت سے مدد بھی چاہتے ہیں اور پرستش بھی کرتے ہیں۔ پرستش سے مراد یہ ہے کہ کسی کو سجدہ کرے یا کسی چیز کی عبادت کی نیت سے اس چیز کا طواف کرے۔ یا بطریق تقرب کے کسی کے نام کا وظیفہ کرے یا اس کے نام سے کوئی جانور ذبح کرے یا اپنے کسی کاندھ کچے۔ اور جو جاہل مسلمان اہل قبور کے ساتھ ایسا کوئی امر کرے۔ یعنی مثلاً اہل قبور کو سجدہ کرے۔ تو وہ فی الفور کافر ہو جائیگا۔ اور اسلام سے خارج ہو جائیگا۔

۲۔ دوسرا یہ امر اس سوال میں قابل لحاظ ہے کہ مدد چاہنا دو طور پر ہوتا ہے۔ ایک طور یہ ہے کہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق سے مدد چاہے۔ جیسے امیر اور بادشاہ سے نوکر اور فقیر اپنی حاجتوں میں مدد چاہتے ہیں اور عوام الناس ایسا ہی اولیاء اللہ سے یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارا فلاح مطلب حاصل ہو جائے۔ اس طور سے مدد چاہنا شرعاً زندہ اور مردہ سب سے جائز ہے۔

۳۔ تیسرا طور پر مدد چاہنے کا یہ ہے کہ جو چیزیں خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ مثلاً لوہا کا دینا یا پانی برساتنا یا بیمار لوگوں کو دفع کرنا یا عمر زیادہ کرنا یا ایسی اور چیزیں جو خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ ایسی چیزوں کے لئے کسی مخلوق سے کوئی شخص التجا کرے۔ اور اس شخص کی نیت یہ نہ ہو کہ وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارا مطلب یہ حاصل ہو تو حرام مطلق ہے بلکہ کفر ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان اولیاء اللہ سے اس ناجائز طور سے مدد چاہے یعنی انکو قادر مطلق سمجھے۔ خواہ وہ اولیاء اللہ زندہ ہوں یا وفات پا گئے تو وہ مسلمان اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

بہت پرست لوگ بھی اسی ناجائز طور سے اپنے معبودانِ باطل سے مدد چاہتے ہیں۔ اور اس امر ناجائز کو وہ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس سوال میں یہ جو مذکور ہے کہ بت پرست نے کہا کہ میں بھی اپنے بتوں سے صرف شفاعت چاہتا ہوں جیسا تم لوگ پیغمبروں اور اولیاء اللہ سے سفارش چاہتے ہو تو یہ کلام بھی مکرو فریب سے خالی نہیں۔ اس واسطے کہ بت پرست لوگ ہرگز شفاعت نہیں چاہتے۔ بلکہ بت پرست لوگ شفاعت کے معنی جانتے ہی نہیں اور ان لوگوں کو شفاعت کا خیال ہوتا ہے۔ شفاعت سے مراد سفارش ہے۔ اور سفارش سے مقصود یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے مطلب کے لئے کسی تیسرے سے کہے اور بت پرست لوگ ایسا نہیں سمجھتے اور نہ وہ

لئے روحنِ نبیوں خرید کر دیں گا۔ یا جو شخص مسجد کی خدمت کرتا ہے اس کو روپیہ دیں گا۔ یا اور کوئی ایسا امر میں فقراء کا فائدہ ہو تو ان صورتوں میں نذر جائز ہے اور جو نذر خدا کے لئے مانی جاتی ہے اور شیخ کا ذکر کیا ہو تو اس سے یہی مطلب ہوتا ہے کہ نذر شیخ کے بارے میں صرف کی جائے گی۔ تو وہ نذر مستحقانِ نذر کے جائز ہے یعنی فقراء میں صرف ہونا چاہیے۔ اور صاحبِ علم کو وہ نذر دینا اس وجہ سے جائز نہیں ہو سکتا کہ اس کو علم ہے۔ اگر وہ غنی نہ ہو تو جائز ہے اور جو لوگ شیخ کے حضور میں رکھ کر تے ہوں تو اگر وہ فقیر ہوں تو ان کو دینا چاہیے غنی ہوں تو ان کو بھی نہ دینا چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبر کے پاس جو کوئی چیز خاص میت کی نذر کی نیت سے لے جاتے ہیں وہ حرام ہے۔ البتہ جب یہ میت ہو کہ وہ چیز زندہ فقیروں کے مصروف میں لے یعنی میت کے لئے صرف نذر رسائی مقصود ہو تو یہ جائز ہے اور کثر عوام نذر ممنوع میں مبتلا ہیں۔ یہ مضمون فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا ہے۔ یہ سے قبر چھپانا لغو حرکت ہے نہ کرنا چاہیے۔ ایسا ہی قبر کے گرد چار دیواری بنانا اور قبر پر چھت بنانا ہے۔ بلکہ سے تو فائدہ ہوتا ہے کہ حیوانات مودی کے کھودنے سے قبر محفوظ رہتی ہے اور ایسا ہی چھت سے فائدہ ہوتا ہے چڑھیوں کی بیٹ وغیرہ سے قبر محفوظ رہتی ہے اور قبر کو چادر سے چھپانے سے صرف زینت و خوشنمائی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ :-

فَلَمْ يَرْسُولِي اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَكُونُوا لِحُجَارَةٍ وَالْطَّبِيعَةِ

یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ کپڑا پہناؤ پتھر اور مٹی کو۔ واللہ اعلم

سوال : کوئی بت پرست بت سے مدد چاہتا تھا۔ کسی نے اس کو منع کیا کہ شرک کی نذر ہے پرست نے کہا کہ اگر میرا عقیدہ یہ ہو کہ بت خدا کا شریک ہے اور اس وجہ سے اس کی پرستش کروں۔ تو اللہ یہ شرک ہے اور اگر میرا اعتقاد یہ ہے کہ بت مخلوق ہے اور اس کی پرستش کروں تو یہ کیوں شرک ہوگا اس عالم نے فرمایا کہ قرآن مجید میں متواتر آیا ہے کہ غیر خدا سے مدد نہ چاہو۔ تو بت پرست نے کہا کہ اگر ایک دوسرے سے کیوں سوال کرتے ہیں تو عالم نے کہا کہ آدمی زندہ ہیں۔ ان سے سوال منع نہیں اور تیرے بت مثلاً کنہیا اور کالکا وغیرہ مردہ ہیں۔ یہ کسی چیز پر قادر نہیں۔ تو بت پرست نے کہا کہ تم لوگ اہل قبور سے مدد اور شفاعت چاہتے ہو۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ تم بھی شرک کرتے ہو۔ حاصل کلام تم لوگ اہل قبور کو جیسا جانتے ہو ویسا ہی ہم لوگ کنہیا اور کالکا کی تصویر کو سمجھتے ہیں۔ ظاہر انداز اہل قبور میں کچھ قوت ہے نہ بت میں ہے اور اگر تمہارا کلام یہ ہے کہ اہل قبور میں باطنی قوت ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں سے حاجت روائی ہوتی ہے تو بت سے بھی اکثر حاجت روائی ہو جاتی ہے۔ اور اگر تم لوگ یہ کہو کہ ہم لوگ اہل قبور سے صرف یہی کہتے ہیں کہ خدا سے ہمارے واسطے شفاعت کرو تو میں بھی بتوں سے ایسی ہی شفاعت چاہتا ہوں۔

تو جب ثابت ہو کہ اہل قبور سے استدعا جائز ہے۔ تو بعض مسلمان ضعیف الاعتقاد سنیلا اور مسانی

سوال : کسی مرد صالح کی وفات ہوتی ہے تو لوگ ان کا نام لے کر کہا کرتے ہیں کہ فلاں صاحب دل ہیں۔ یہ امر اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے یا نہیں؟ اس واسطے کہ عقیدہ اہلسنت وجماعت کی دس خصلتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک خصلت یہ ہے کہ کسی شخص کو قطعی اور یقینی طور پر بہشتی یا دوزخی نہیں کہنا چاہیے۔

جواب : کسی بزرگ کو ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد جو دلی کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ دلی کے افعال و اقوال ان سے صادر ہوا کرتے تھے۔ دلی کی صفیں ان میں ظاہر تھیں۔ البتہ اہلسنت کے عقیدے کے خلاف یہ ہے کہ قطعی اور یقینی طور پر کہا جائے کہ فلاں شخص یقیناً بہشتی ہے۔ اس واسطے کہ علام الغیوب کے سراپا کسی کو کسی دوسرے کے باطن اور خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ اور اسلئے الشہادتین سے یہی مراد ہے کہ قطعی اور یقینی طور پر یہ نہ کہنا چاہیے کہ فلاں شخص بہشتی ہے۔ اور یہ نہ کہنا چاہیے کہ فلاں شخص دوزخی ہے۔

البتہ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص بہشتی کا کام کرتا ہے ہمیں امید ہے کہ اس کی نجات ہو جائے گی اور فلاں شخص دوزخی کا کام کرتا ہے۔ ہم کو خوف ہے کہ اس پر عذاب ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریفین میں ہے کہ۔ کہ جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ایسا ہی فرمایا اس وقت کہ ام العلاء نے ان کے حق میں قطعی بہشتی ہونے کی شہادت دی۔ جاننا چاہیے کہ عشرہ مبشرہ یعنی وہ صحابہ رہنمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشتی فرمایا۔ تو ان صاحبوں کو قطعی طور پر بہشتی کہنا چاہیے۔

سوال : سال میں کوئی ایک دن مقرر کر لینا اس غرض سے کہ خاص اس دن بزرگوں کی قبر کی زیارت کی جائے یا نہ جائے۔

جواب : اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ اولیٰ کوئی ایک دن مقرر کریں اور اس دن صرف ایک ایک شخص یا دو دو شخص کر کے جائیں۔ اور قبر کی زیارت کر آویں۔ مگر زیادہ آدمی ایک ہی دفعہ بہیئت اجتماعیہ نہ جائیں۔ تو اس قدر روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں منقول ہے کہ ہر شروع سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابر میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور دعاء اہل قبور کی مغفرت کے واسطے کہتے تھے۔ اس قدر ثابت ہے اور مستحب ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بہیئت اجتماعیہ مرد و مان کثیر جمع ہوں اور ختم قرآن شریف کریں اور شیری یا کھانا فاتحہ کریں اور اس کو حاضرین میں تقسیم کریں۔ ایسا معمول زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین میں نہ تھا۔ لیکن ایسا کرنے میں مضائقہ بھی نہیں۔ اس واسطے کہ اس میں کوئی برائی نہیں بلکہ اس میں ایجا الامت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

لوگ بت سے یہ کہتے ہیں کہ تم ہماری سفارش اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں کرو۔ اور ہمارا مطلب اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حاصل کرادو۔ بلکہ وہ لوگ خاص بتوں سے اپنا مطلب چاہتے ہیں اور یہ جو اس جنت پرست نے کہا کہ اہل قبور کو تم کہتے ہو ویسا ہی کھینچا اور کالہا کی تصویر کو ہم بھی سمجھتے ہیں تو یہ بھی غلط درخط ہے۔ اس واسطے کہ یہ ثابت ہے اگرچہ بعد موت کے بدن قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس بدن کے ساتھ روح کا تعلق ضرور رہتا ہے۔ اس واسطے کہ ایک مدت در زمانہ میں بدن میں روح رہ چکی ہے۔ اور جنت پرست لوگ اپنے معبودوں کی قبر کی تعظیم نہیں کرتے۔ بلکہ خود تصویر دل اور پتھروں اور درختوں اور دریاؤں کی قرار دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی تصویر ہے۔ حالانکہ اس کی روح کو اس چیز سے کوئی تعلق رہتا نہیں۔ اور ایسا بھی نہیں کہ وہ چیز دلوں جلائی گئی ہو تو ایسے محض فرضی قرار داکا کچھ اعتبار نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے لوگوں کی مراد پوری کر دیتا ہے۔ تو بہت پرستوں کو خیال ہوتا ہے کہ جنوں سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ بندوں کی حالت کا قلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ دنیا میں لوگوں کی حاجت روائی بالکل موقوف نہ کر دی جائے۔ چاہے کوئی کسی سے اپنے مطلب کے لئے خواستگار ہو۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو وہ مطلب پورا کر دیتا ہے۔

مثلاً مہربان باپ اپنے چھوٹے بچے کی حالت کا دیکھتا ہے۔ جب وہ لڑکا خدمت گار یا اپنی دایہ سے کئی چیز مانگتا ہے۔ تو وہ چیز اس لڑکے کو اس کا باپ سے دیتا ہے۔ حالانکہ خدمت گار یا دایہ کے اختیار میں وہ چیز نہیں رہتی۔ ایسا ہی حال بتوں کا ہے بلکہ اصول مشرح کے موافق یہ ہے کہ جب اہل قبور اللہ تعالیٰ کے درگاہ میں سفارش کرتے ہیں کہ فلاں شخص کا مطلب حاصل ہو۔ تو جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔ تو وہ مطلب حاصل ہوتا ہے۔

اور سوال میں جو یہ مذکور ہے کہ جب یہ ثابت ہوا کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے تو بعض مسلمانین الاعتقاد ستیلا و مسانی وغیرہ کی پرستش سے کیونکر باز آئیں گے تو جاننا چاہیے کہ اہل قبور سے استمداد اور ستیلا مسانی وغیرہ کی پرستش میں چند وجوہ سے فرق ہے۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جن اہل قبور سے استمداد کی جاتی ہے اور ان کا حال علم ہے وہ اہل قبور صالحین اور بندگان دین سے جو گئے ہیں اور ستیلا اور مسانی مومنوں کا محض ہیں۔ ان کا وجود معلوم نہیں۔ بلکہ بہت پرستوں نے ان کا صرف فرضی وجود خیال کر لیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ اگر بالفرض ستیلا و مسانی کا بھی وجود بھی تھا تو یہ قسم سے ارواح غیبیہ شیطانیہ کے ہونگے کہ خلق کی ایذا رسانی پر کمر باندھیں۔ ان کو ارواح پاک انبیاء و اولیاء سے کیا مناسبت ہے

۳۔ تیسری وجہ فرق کی یہ ہے کہ اہل قبور سے استمداد بطور دعاء کے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کریں۔ تاکہ ہمارا مطلب حاصل ہو۔ اور ستیلا وغیرہ کی پرستش جو لوگ کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ ان کو مستقل طور پر حاجت روائی کا اختیار ہے اور یہ قادر علیٰ قیوم ہیں۔ اور یہ خاص کفر ہے۔ خود اللہ

میں مذکور ہے۔

قَالَ الْعَلَمَاءُ كَدَأْنٍ مُّسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيْحَةً وَفَضَّلَ بِذَبْحَةِ التَّقِيبِ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ
مَا وَفَّقَهُ أَذَى ذَبِيْحَتُهُ ذَبِيْحَتُهُ مُنْتَهَى

یعنی علماء کرام نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے ذبح سے تقرب
غیر اللہ کا مقصود ہو تو وہ مسلمان مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ذبیحہ مرتد کے مانند ہو
جائے گا۔

یہ مضمون کتب تفسیر کی عبارت مذکورہ کا ہے اور اگر کوئی شخص مالیدہ اور شیر برنج کسی بزرگ کے
فاتحہ کے لئے پکا کر کھلائے اور اس سے اس بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو تو اس میں کچھ مضائقہ
نہیں یہ جائز ہے اور جو کھانا اللہ تعالیٰ کی نذر ہو اس کا کھانا مالدار کے لئے حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کی نذر کا کھانا یہ
ہے کہ خلا کوئی کہے کہ اگر فلاں بیمار اچھا ہو جائے یا میرا شخص جو مسافرت میں ہے آجائے۔ یا میرا فلاں کام ہو
جائے تو خدا کی نذر کا اس قدر کھانا میرے ذمے ہو جائے گا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی نذر ہوئی۔ اور اگر کوئی چیز کسی بزرگ
کے ہم پرناحہ کی جائے تو اس کا کھانا مالدار کے لئے جائز ہے واللہ اعلم

سوال : إِذَا تَحَيَّيْتُكَ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِذْ بِهَا بِأَصْحَابِ الْعُسْبُودِ (حدیث)
ترجمہ : یعنی جب تم لوگ کسی امر میں متحیر ہو جاؤ تو چاہئے کہ اس بات میں اصحاب قبور سے
مدد لو تو قبور سے استعانت کی تشریح کیا ہے ؟

جواب : یہ حدیث نہیں ہے بلکہ کسی بزرگ کا قول ہے اس قول کے چند معانی متفرق ہیں۔ ان معانی
سے ایک معنی یہ ہے کہ جب کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے میں دلائل متعارضہ ہوں اور بعض دلیل سے اس کی حلت
ثابت ہوتی ہو اور بعض دلیل سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہو اور تم لوگ متحیر ہو جاؤ کہ کس دلیل پر عمل کریں تو چاہئے
کہ تم لوگ اپنا اجتہاد چھوڑ دو۔ اور جو لوگ فوت ہو گئے ہیں۔ ان کی تقلید کرو۔ اور یہ معنی زیادہ تر حق کے موافق ہیں اور یہ
یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔ اور ان معانی میں سے دوسرے معنی
یہ ہیں کہ جب تم لوگ دنیاوی امور میں حیران ہو جاؤ۔ اور تم لوگوں کا دل غریق میں پڑ جائے۔ تو چاہئے کہ اصحاب قبور کی
قول نظر کرو اور یہ خیال کرو کہ ان لوگوں نے کس طرح دنیا کو چھوڑ دیا اور آخرت کی طرف منہ کیا اور جو لوگ بھی وہاں بانیوالہ ہیں جہاں
ہر لوگ گئے ہیں اور وہی حال ہمارا بھی غریب ہو گا جو ان لوگوں کا ہے اور یہ خیال کرنے سے دنیا کی مشغلات و غیبتی تم لوگوں کو آسان معلوم ہوگی
حاصل الام اس قول میں صراحتاً معنی حقیقی استمداد مراد نہیں اور اہل قبور سے استمداد کرنے کا مسئلہ اوپر مفصل
مذکور ہے

سوال : قبر کا طواف رکھنے سے یا نہیں اور جو شخص قبر کا طواف کرے۔ اس کو کافر کہنا چاہئے

یا نہیں !

۲۔ تیسری سورت یہ ہے کہ لوگ کوئی ایک دن مقرر کر لیتے ہیں اور اس دن لباس طے فاضلہ وغیرہ
پہن کر عید کے مانند بخوشی و شادی قبروں کے پاس جمع ہوتے ہیں اور رقص و مزامیر و دیگر بدعات کرتے
ہیں۔ مثلاً قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور قبروں کا طواف کرتے ہیں۔ تو یہ طریقہ حرام اور ممنوع ہے۔ بلکہ
بعض لوگ کھڑک پہنچ جاتے ہیں اور یہی مراد ہے ان دونوں حدیثوں سے۔
وَلَا تَجْعَلُوا قُبُورِي عِيْدًا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بنالینا اور
اللَّهُ لَا تَجْعَلْ قُبُورِي وَشَيْئًا يُعْبَدُ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے
پروردگار نہ بنادینا میری قبر کو بت کہ اس کی پرستش کی جائے یا یہ دونوں حدیث مشکوٰۃ شریفین
میں ہیں۔

سوال : بزرگان و خواجگان کی غلامی کا اگر کوئی شخص اقرار کرے حالانکہ وہ ان کا زرخیز نہیں
یہ جائز ہے یا ناجائز۔

جواب : لفظ غلامی دو معنوں میں متعمل ہوتا ہے۔ ایک بمعنی مملوک زرخیز اور دوسرے بمعنی خادم
جب غلامی کی نسبت مالک کے ساتھ کی جاتی ہے تو اس سے مقصود معنی اول ہوتا ہے اور لوگوں کا یہ فعل یعنی
غلامی کی نسبت بزرگان سے ساتھ باعتبار معنی اول کرنا غلط ہے۔ اس واسطے کہ یہ لوگ بزرگان کے زرخیز نہیں ہوتے
البتہ باعتبار دوسرے معنی کے خادم کے معنی میں نسبت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس لفظ میں فعل ناجائز کا دم ہوتا
ہے اس واسطے اہل اسلام کو چاہئے کہ ایسا لفظ استعمال نہ کریں۔ کیونکہ شرک جس طرح عبادت و قدرت میں ہوتا
ہوتا ہے۔ ویسا ہی شرک نام رکھنے میں بھی ہوتا ہے۔ اور ایسا نام رکھنے شرک تسمیہ میں ہوتا ہے۔ اس سے
بھی پرہیز لازم ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِمْ إِذِ انبَأَهُمْ أَنَّهَا مِنْهُمُ غُلَامٌ فَاذْهَبَ إِلَى الْكَافِرِينَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ يَوْمَ الْحِسَابِ

یٰشُرَکُوہ ترجمہ : قرآن کریم مسیٰ پر فتح الرحمن میں اس آیت کے ترجمہ کے بعد لکھا ہے۔
کہ اس سے معلوم ہوا کہ شرک تسمیہ میں بھی ایک قسم کا شرک ہے چنانچہ اس زمانہ میں بعض لوگ
غلام فلاں و عبد فلاں نام رکھتے ہیں۔ اس سے پرہیز چاہئے واللہ اعلم

سوال : کوئی شخص گائے، بکری، مرغ کسی شہید یا ولی کے نام پر ذبح کرے یا صرف مالیدہ یا شیرین
کی نیازی نیت سے پکائے کسی بزرگ یا نیک لوگوں کو کھلائے۔ ان دونوں مسئلوں میں کیا حکم ہے اور نیاز و نذر
کا کھانا فقر و مساکین کے لئے جائز ہے۔ تو معنی اور مالدار کے ہائے میں کیا حکم ہے۔

جواب : ذبح کرنا جائز کو نام غیر اللہ حرام ہے۔ وہ غیر خدا خواہ پیغمبر ہو یا خواہ ولی ہو۔ خواہ شہید
خواہ غیر انسان ہو۔ اور اگر بقصد تقرب ان لوگوں کے نام پر جانور ذبح کیا جائے۔ تو وہ جانور حرام و مردہ ہو جائے
اور ذبح کرنے والا مرتد ہو جاتا ہے۔ اس فعل سے پرہیز لازم ہے چنانچہ تفسیر کبیر اور تفسیر نیشاپوری اور دوسری تفسیر

جواب : طواف کرنا مساحین اور اولیاء کی قبر کا بلاشبہ بدعت ہے۔ اس واسطے کہ سابقہ تھا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ بدعت حرام ہے یا مباح فقہ کی بعض کتابوں میں مباح لکھا ہے اور مباح نہیں۔ اس واسطے کہ ثبوت پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے کہ وہ بتوں کے گرد اگر دیہ عمل کرے اور مباح نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ مشرعی میں طواف کا حکم صرف کعبہ شریف کے بارے میں وارد ہے اور خوب نہیں کہ بزرگوں کی قبر کعبہ شریف کے مانند ہے۔ یہ بھی نہایت قبیح ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے اس کو کافر اور دائرہ اسلام سے اس کو خارج سمجھا جائے۔ یہ بھی نہایت قبیح ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو کافر کہہ کر کفر کہا جائے۔

سوال : بزرگوں کی روح سے استمداد کرنا کیسا ہے۔

جواب : بزرگوں کی روح سے استمداد حاصل کرنے کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک قسم یہ ہے کہ اس طریقہ سے زندہ بزرگان دین سے بھی استمداد کرتے ہیں۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ان بزرگان کی دعا و جلد قبول ہوتی ہے۔ اور اکثر قبول ہوتی ہے۔ اور اس خیال سے ان کو اپنے مطالب کیلئے واسطہ قرار دیوے اور صرف یہ سمجھے کہ یہ بزرگان صرف واسطہ اور بمنزلہ آلہ کے ہیں۔ اور اس کے اور کوئی دوسرا خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ یہ بزرگان قادر مطلق ہیں۔ بلکہ ان کو صرف بمنزلہ عینک کے یہ بلاشبہ جائز ہے۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مستقل طور پر اپنی مراد بزرگان دین سے چاہے۔ اور یہ سمجھے کہ مراد حاصل کرانے پر مراد پوری کرنے میں انکو بالاستقلال اختیار ہے۔ اور یہ جانے کہ یہ بزرگان حق تعالیٰ کے قرب مرتبہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر فی مرضی کے تابع کر سکتے ہیں۔ اور یہی طریقہ ہے کہ عوام جس طریقہ سے کرتے ہیں یعنی عوام اسی طریقہ سے بزرگان دین وغیرہ سے مدد چاہتے ہیں۔ اور یہ طریقہ خالص فکر اس واسطے کہ جاہلیت کے زمانہ کے مشرکین اس سے زیادہ اور کوئی دوسرا امر اپنے بتوں کے حق میں نہ رکھتے تھے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ حدیث ہے۔

إِذَا أَحْبَبْتُ شَيْئًا فِي الْأَمْوَالِ اسْتَعِجْتُ بِهَا بِأَحْسَابِ الْقُبُورِ

یعنی جب تم کسی امر میں متحیر ہو جاؤ تو چاہیے کہ اصحاب قبور سے مدد چاہو۔

توفی الواقع یہ حدیث نہیں بلکہ کسی بزرگ کا قول ہے اور اس قول کے چند معانی ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ بعض اشیاء کی علت و حرمت کے بارے میں دلائل متعارض ہوں اور اس وجہ سے ان اشیاء کے بارے میں حکم میں تم کو حیرت ہو تو چاہیے کہ اس کے بارے میں اپنا اجتہاد ترک کرو اور جو بزرگان دین فوت ہو گئے ہیں ان کو کرو۔ اور یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور منجملہ ان معانی کے ایک معنی یہ ہیں کہ جب دنیاوی امور میں تم متحیر ہو جاؤ اور اس وجہ سے تمہارا دل ضیق میں پڑ جائے تو چاہیے

جور کے حال کی طرف نظر کرو کہ کس طرح ان لوگوں نے دنیا چھوڑ دی اور آخرت کی طرف متوجہ ہوئے اور سمجھو کہ تمہارا بھی وہی حال ہونے والا ہے جو ان لوگوں کا حال ہوا ہے۔ اور یہ خیال کرنے سے دنیا کی مصیبتیں تم کو آسان معلوم ہوں گی اور دنیا کی سختی سہل معلوم ہوگی۔ حاصل کلام اس قول سے ثبوت استمداد کا نہیں ہوتا ہے۔ فقط

سوال : اگر کوئی شخص کوئی جانور کی منت مانے تو وہ جانور حرام ہو جاتا ہے یا نہیں اور بزرگوں کی منت کھانا جائز ہے یا نہیں اور جو کھانا کہ اولیائے کرام متوفی کی نیت سے پکا کر بھیجتے ہیں۔ وہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : جانور اس صورت میں حرام ہو جاتا ہے۔ اور دوسری بے جان چیز جو بطور منت کے جوہ بھی کھانا قریب حرام کے ہے۔ بشرطیکہ نذر غیر اللہ کی نیت ہو۔ جیسا کہ گلگشا شیخ سدوک اور مہدی علی قلیزکی۔ اور اس طرح کا اور کھانا بھی ہوتا ہے اور روٹی اور ملوہ اس غرض سے پکاتے ہیں کہ خیرات کرتے ہیں۔ اور مردوں کو ثواب رسانی کرتے ہیں اور دوسرے کھانے کی مانند اس کو تبرک نہیں جانتے۔ تو اگر عوام کو دین اور ان پر احسان نہ رکھیں اور برادری میں وہ بطور بھاجی و بخر سے کے تقسیم نہ کریں تو اس میں قریب کی امید ہے اور اہل میت کے گھر تین دن تک کھانا بھیجنا چاہیے۔

سوال : استعانت بالارواح کا کیا حکم ہے۔؟

جواب : استعانت ارواح سے۔ اس اُمت میں بہت وقوع میں آئی ہے۔ عوام جہاں استعانت اس طور پر کرتے ہیں کہ ارواح کو ہر عمل میں قدرت میں مستقل جانتے ہیں اور ارواح کو قادر مطلق سمجھتے ہیں۔ یہ بلاشبہ شرک جلی ہے۔ اور نذر اولیاء کہ جن کا بغرض حاجت روائی معمول ہے۔ اور اس کا رسم و دستور ہو گیا ہے۔ اکثر فقہاء نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ان فقہاء نے یہ خیال کیا ہے کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق جان کر اس کی نذر مانی جاتی ہے۔ اسی طرح عوام جہاں ارواح کو قادر مطلق شل خدا کے سمجھتے ہیں۔ اور ان ارواح کی نذر مانتے ہیں اور اس سحاذ سے ان فقہاء نے حکم دیا ہے کہ جو شخص ایسی نذر مانے وہ مرتد ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر نذر بالاستقلال کسی ولی کے واسطے ہو تو باطل ہے۔ اور اگر نذر خدا کے واسطے ہو اور ولی کا ذکر صرف اس خیال سے ہو کہ مثلاً اس ولی کو ثواب رسانی کی جائے گی۔ یا اس ولی کی قبر کے خدام کے مصرف میں اس نذر کا مال آئے گا تو یہ نذر جائز ہے اور حقیقت اس نذر کی یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھلا دیا جائے یا مال بطور خیرات وغیرہ کے دیا جائے۔ اور نیت کی روح کو ثواب رسانی کی جائے۔ یہ امر سنون ہے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

مثلاً صحیحین میں جو حال ام سعد و غیرہ کا مذکور ہے اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے اور ایسی نذر

لازم ہو جاتی ہے تو حامل اس نذر کا یہی ہے کہ یہ نیت کی جائے کہ مثلاً کھانا کھلایا جائے گا۔ یا اس کو دفن کر دیا جائے گی۔ اور اس کا ثواب فلاں ولی کی روح کو پہنچایا جائے گا۔ تو ذکر ولی کا صرف اس غرض سے ہے کہ یہ متعین ہو جائے کہ ثواب رسانی فلاں ولی کی روح کو کی جائے گی۔ اور یہ نیت نہ ہو کہ خاص وہ چیزیں ولی کے لئے ہیں کہ اس کو پہنچائی جائیں کہ یہ نیت کر لیتے ہیں کہ وہ نذر اس ولی کے متوکلین کے مصرف میں آئے گی۔ اس ولی کے قربت مند اور اس کی قبر کے خادم اور اس کے مریدین وغیرہ کے مصرف میں وہ مال آئے گا۔ اور یہ نذر ماننے والوں کا مقصود اکثر ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسی نذر کے بارے میں حکم ہے کہ یہ نذر صحیح ہے۔ اس کو کرنا واجب ہے اس واسطے کہ شرع میں یہ قربت معتبرہ ہے۔ البتہ اگر اس ولی کو یہ سمجھے کہ یہ ولی بالاسم تکلف کنندہ مشکلات ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی سفارش سے نمود باللہ من ذلک سرور اللہ تعالیٰ مجبور ہو کر ہر روز روائی فرمایا گیا تو ایسی نذر میں البتہ شرک و فساد لازم آتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ دوسری چیز ہے اور نذر دوسری چیز یعنی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً نذر منع ہو جائے۔ بلکہ جائز نذر کی جو صورت اور پر مذکور ہوئی ہے۔ اور طوری نذر بلاشبہ صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بَابُ التَّصَوُّفِ

سوال : بعض اموات بعض مقامات پر دفن کئے گئے۔ اور پھر اتفاق سے کسی وجہ سے وہ قبر کھودی

گئی تو جو شخص دفن کیا گیا تھا۔ اس کی لاش نہ تھی۔ کوئی دوسری لاش تھی۔ ایسے واقعات کی کیا حقیقت ہے؟

جواب : نقل اموات کے بارے میں اس طرح کی اکثر حکایات و غلطوں کی کتابوں میں مذکور ہیں کہ

بعض اموات بعض مقامات میں دفن کئے گئے اور پھر اتفاقاً کسی وجہ سے وہ قبر کھودی گئی تو جو شخص دفن کیا گیا تھا اس

کی لاش نہ تھی۔ کوئی دوسری لاش تھی۔ اور اسی دن ایسا ہی اتفاق کسی دوسرے مقام میں بھی ہوا۔ اور وہاں بھی ایسا ہی واقعہ

ظہور میں آیا۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں مقامات سے ہر ایک مقام کی میت دوسرے مقام میں پائی گئی۔ یعنی

منتقل کر دی گئی۔ ان ہی کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس امر کے لئے خاص فرشتہ مقرر ہے کہ جب کوئی شخص دفن

کیا جاتا ہے تو جس مقام کے وہ قابل رہتا ہے۔ اگر اس مقام میں وہ مدفن نہیں ہوتا ہے تو وہ فرشتہ اس کی لاش

اس مقام سے کسی دوسرے مقام میں جو کہ اس کے مناسب ہوتا ہے منتقل کر دیتا ہے۔

ایسی ہی کتابوں میں ایک حدیث بھی اس بارے میں نقل کرتے ہیں اور اس جماعت کے بعض لوگ اس

امر میں اس قول مشہور سے استدلال کرتے ہیں کہ اس کے حدیث ہونے میں خدشہ ہوتا ہے اور وہ قول مشہور

ہے رَأَيْتُ رَبِّيَ يَجْعَلُ الْأَمَلَ إِلَى الْأَمَلِ۔ یعنی تحقیق کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جو کہ اہل کو اہل

کی طرف پہنچاتا ہے۔ اور اس صحیح حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں :-

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُحِبُّ الْقَدَمَ وَيُحِبُّ
يَسْمَعُ فَقَالَ هُوَ مِنْهُمْ أَوْ مَعَهُمْ -

یعنی "پوچھا گیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شخص کا حال کہ کسی قوم کے ساتھ محبت دکھاتا ہو مگر اس قوم کے ساتھ شامل نہ ہو۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ان ہی لوگوں میں سے ہے یا یہ فرمایا کہ وہ شخص ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے۔"

اس استدلال میں جو حدیث مذکور ہو جاتی ہے۔ وہ معنی نہیں اس طرح کی حکایت مذکور ہو جاتی ہے۔ اس قول بھی رد ہو جاتی ہے جو لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے اور وہ قول یہ ہے:-

إِنَّ الْمَيِّتَ يَدْفَنُ فِي التُّرْبَةِ الَّتِي خُلِقَ مِنْهَا

یعنی "میت اس جگہ دفن کی جاتی ہے جس جگہ کی خاک سے اس کی پیدائش ہوئی ہے۔"

یہ اور یہ حکایات اس سے بھی رد ہو جاتی ہیں جو صحیح احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:-

أَدْفِنُوا مَوْتَكُمْ وَسَطَ قَوْمٍ مَسَالِحِينَ فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَتَأَذَّى مِنْ جَارِ الشُّؤْمَرِ كَمَا يَتَأَذَّى الْحَيُّ - یعنی دفن کرو اپنی اموات کو نیک لوگوں کے درمیان۔ اس واسطے کہ میت کو اذیت ہوتی ہے بڑے ہمسایہ سے جس طرح زندہ کو بڑے ہمسایہ سے اذیت ہوتی ہے۔

اگر ثابت ہو کہ اموات منتقل کئے جاتے ہیں تو اس کی کوئی وجہ نہ ہوگی کہ بڑے لوگوں کی قبر کے نزدیک دفن کرنے سے میت کو اذیت پہنچتی ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ بارہ تعزیر داری، عشرہ محرم اور بنائے ضرائح و صورت قبور و غیرہ کے سفر کیا حکم ہے؟

جواب: تعزیر داری جو عشرہ محرم الحرام میں معمول ہے اور بنانا ضرائح و صورت قبور وغیرہ درست نہیں۔ اس واسطے کہ تعزیر داری سے مراد یہ ہے کہ ترک لذت اور ترک زینت کرے اور اپنی صورت محزون و گلیں کی صورت کے مانند بنائے۔ یعنی عورت سوگ کرنے والی کے مانند بیٹھے۔ حالانکہ مرد کے لئے یہ کسی حالت میں شرفائیت نہیں ہوتا۔ البتہ عورت کے حق میں ثابت ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد کے چار مہینے دس دن سوگ کرے اور اگر شوہر کے سو کوئی دوسرا اس کے اقارب سے فوت ہو تو صرف تین دن تک اگر وہ ترک زینت وغیرہ کرے تو جائز ہے۔ اور تین دن کے بعد دوست نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:-

لَا تَحْجُلُ لِمَيِّتٍ يَوْمَ يَأْتِيهِ الْمَوْتُ وَالْيَوْمَ الْآخِرُ أَنْ تُحْدِثَ عَلَيْهِ مَيِّتٌ فَوْقَ ثَلَاثِ

لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِ أَرْبَعَةِ أَشْهُدٍ وَعَشْرًا رَقَاةَ الْبُخَارَى وَمُسْلِمًا

یعنی نہیں حلال واسطے کسی عورت کے جو ایمان لاوے اللہ تعالیٰ اور دن آخرت پر یہ کہ سوگ کرے کسی میت کے لئے زیادہ تین رات سے سوا شوہر کے کہ شوہر کی وفات کے بعد چار مہینے دس

دن سوگ کرنا چاہیے۔ روایت کیا اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے۔

دن سوگ تعزیر داری بدعت ہے اور ایسا ہی بنانا ضرائح اور صورت قبور اور علم وغیرہ کا ہے یعنی یہ سب بھی بدعت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بدعت حسہ نہیں کہ جس میں مواخذہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بدعت سنیہ ہے اور حال بدعت سنیہ کا یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ:-

شَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ مَذَرَوَاتُهَا مُسْلِمًا

یعنی "بدترین امور وہ امور ہیں جو شرع میں جدید بنائے جائیں۔ اور سب بدعت گمراہی ہے۔"

روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔

اور حال بدعتی کا کہ اس طرح کی بدعتیں اختیار کرتا ہے یہ ہے کہ وہ بدعتی بدعت کی وجہ سے خدا کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے اور فرارض و نوافل اس کے درگاہ الہی میں قبول نہیں ہوتے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ:-

مَنْ لَعَنَتْ حَدَّثًا أَوْ أَدَّى مُحَدَّثًا فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَعَنَهُ اللَّهُ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ

لَجَبَتَيْنِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ مَرْفَعًا وَلَا عَدَلًا (رَقَاةَ الْبُخَارَى مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْبُخَارَى عَنْ ثَوْبَانَ)

یعنی جو شخص کوئی نیا امر اختیار کرے دین میں یا جگہ سے ایسے اختراع کرنے والے کو تو اس پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کو اور سب آدمیوں کی۔ نہیں قبول کرتا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور نہ فدیہ (روایت کیا اس حدیث کو ثوبان نے ابن عباس سے اور بزار نے ثوبان سے) اور بھی حدیث شریف میں ہے:-

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا أَمَّا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ دُونَ رَقَاةِ الْبُخَارَى وَمُسْلِمٌ وَابْنُ

وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ حَاشِيَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا

یعنی جس شخص نے اختراع کیا ہمارے اس امر میں یعنی دین میں ایسی چیز کو جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔ روایت کیا ہے اس حدیث کو بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔

اور یہ بھی حدیث شریف میں بدعتی کی مذمت میں ہے:-

مَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةٌ لَا يَرُومُ إِلَّا اللَّهُ بِهَا وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِسْعِ مِثْلُ

أَنْتَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَثَرِهِ شَيْءٌ (رَقَاةَ ابْنِ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَوْفٍ

وَعَلَّالِ بْنِ الْعَارِثِ)

یعنی جس شخص نے اختراع کی بدعت ضلالتہ کر اس سے اللہ اور اس کے رسول راضی نہیں تو اس کو اس قدر گناہ ہوگا جس قدر گناہ ان سب لوگوں کو ہوگا جو لوگ وہ بدعت کریں گے اور ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ گناہ کم نہ ہوگا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے عمر بن عوف اور ہلال بن عارف سے۔

سوال : اس مجلس میں یعنی تعزیر داری کی مجلس میں بہ نیت زیارت و گریہ و زاری حاضر ہونا جائز ہے یا نہیں۔

جواب : اس مجلس میں بہ نیت زیارت و گریہ و زاری کبھی حاکم ہونا ناجائز ہے۔ اس واسطے کہ کوئی زیارت نہیں کرنا زیارت کے واسطے جائے۔ اور وہاں چند کھڑی جو تعزیر داری کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ نہ زیارت نہیں بلکہ مٹانے کے قابل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے :-

مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ يَسِدًّا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيُتَابِعْ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيُتَابِعْ
وَذَلِكَ أَصْنَعُ الْإِسْلَامَ رَقَاءً مُشْتَرِكًا

یعنی جو شخص کوئی امر خلاف شرع دیکھے تو چاہیے کہ اس کو مٹائے اپنے ہاتھ سے۔ اگر ہاتھ سے مٹانے کی اس کو قدرت نہ ہو تو زبان سے مٹائے یعنی زبان سے منع کرے اگر زبان سے منع کرنے کا بھی اس کو اختیار نہ ہو تو اس کو مٹائے اپنے دل سے یعنی دل میں اس کو بُرا جانے اور یہ یعنی دل سے منع کرنا نہایت ضعیف ایمان سے ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور مجلس تعزیر داری میں جگر مرثیہ اور کتاب سننے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر مرثیہ اور کتاب احوال واقعی نہ ہو بلکہ کذب و افتراء ہو۔ اور اس میں ایسا ذکر ہو جس سے بزرگوں کی تحقیر ہوتی ہو۔ تو ایسا مرثیہ اور کتاب مستند درست نہیں۔ بلکہ ایسی مجلس میں جا نا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ اسی طرح کا مرثیہ سننے کے بارے میں شریف میں منع وارد ہے :-

عَنْ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابَهُ وَسَلَّمَ مَعَ الْمَرْثِيَةِ
رَقَاءً ابْنُ مَسَاجِدَ

یعنی روایت ہے ابی اوفی سے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ سے رقاء کیا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ نے۔

اور اگر مرثیہ اور کتاب میں احوال واقعی ہوں تو ایسے مرثیہ اور کتاب کے فی نفسہ سننے میں مضائقہ نہیں بلکہ اگر اس مجلس کی جس طرح بدعتی کرتے ہیں نہ کرنا چاہیے۔ اس واسطے کہ اسمیں مشابہت بدعتی گروہ سے ہو جاتی ہے اور پرہیز گرانہ عقیدوں کی مشابہت سے ضرور ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے :-

مَنْ تَشَبَّهَ بِعَقْوَمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ
یعنی جس نے مشابہت کی کسی قوم کی تو وہ بھی اُن ہی لوگوں سے ہوا۔

اور جو شخص تعزیر داروں کی مجلس کی مانند مجلس منعقد کرے تو وہ اس حدیث کے مصداق ہیں اور داخل ہو جائے گا۔

مَنْ كُنَّ سَوَادُ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ رَضِيَ حَمَلٌ قَوْمٍ كَانَ شَرِيكَائِهِمْ عَمَلًا

رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ كَذَا ذَكَرَهُ الشَّيْخُ طَبْطَبِيُّ فِي جَمْعِ الْجَوَامِعِ -

یعنی جس شخص نے زیادہ کیا جماعت کو کسی قوم کی تو وہ شخص بھی اسی قوم سے شمار ہوگا اور جو خوش ہوا عمل سے کسی قوم کے تو وہ بھی اس کا شریک قرار پائے گا۔ جو عمل وہ کرے۔ روایت کی اس حدیث کو دیلمی نے ابن مسعود سے۔ ایسا ہی ذکر کیا اس کو سیوطی نے جمع الجوامع میں۔

اور فاتحہ و درود پڑھنا فی نفسہ درست ہے لیکن ایسی جگہ یعنی مجلس تعزیر داری میں پڑھنے سے ایک طرح کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ ایسی مجلس اس قابل ہے کہ مٹا دی جائے۔ اور ایسی مجلس میں نجاست معنوی ہوتی ہے۔ اور فاتحہ و درود اس جگہ پڑھنا چاہیے۔ جو نجاست ظاہری و باطنی سے پاک ہو۔ پس جو شخص پانچائے میں تلاوت قرآن شریف کی کرے اور درود پڑھے وہ مستوجب ملامت و لعن ہوگا۔ ایسا ہی جس جگہ نجاست باطنی ہو اور درود کرنے کے قابل ہو۔ تو وہاں بھی پڑھنا باعث ملامت و لعن ہوگا۔ اس واسطے کہ بے محل وہ پڑھنا ہوگا۔

سوال : اس بارے میں مشرعا کیا حکم ہے کہ مزارع و خیرہ نہ بنائیں۔ بلکہ کسی مکان میں کہ وہاں کوئی تبرک صحیح مثل موئے مبارک کے رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ مجلس گریہ کی ترتیب دی جائے اور اخبار و احادیث صحیحہ کا ذکر کیا جائے۔ جو بیان شہادت میں جناب سید الشہداء کے وارد ہے اور گریہ کیا جائے۔ اور ختم کلام اللہ کیا جائے۔ اور پانچ آیت پڑھی جائے۔ اور ثواب، رضائی کی جائے۔

جواب : جب مزارع و خیرہ نہ بنائے جائیں۔ بلکہ کسی مکان میں کہ تبرک صحیح وہاں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ مجلس گریہ و زاری کی ترتیب دی جائے۔ تو یہ بھی ناجائز ہے۔ اس دلیل سے کہ یہ سب بدعت ستیہ سے البتہ اس میں مضائقہ نہیں کہ احادیث صحیحہ کا ذکر ہو جو شہادت میں وارد ہے اور اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ ختم کلام اللہ اور فاتحہ و خیرہ کیا جائے۔ اور تبرک صحیح مثلاً موئے مبارک اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی بنا پر صرف عوام کا انعام کے وہم پر ہے۔ جب تک کوئی تبرک صحیح طور پر ثابت نہ ہو جائے۔ اس کی صحت کا اعتقاد نہ کرنا چاہیے اور جب تبرک کی اصلیت ثابت نہیں۔ تو باقی رہا یہ امر کہ صرف مجلس گریہ و زاری کی منعقد کرنا کیسا ہے تو ایسی مجلس بھی صرف گریہ و زاری کے لئے منعقد کرنا سلف سے ثابت نہیں۔ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ تبرک صحیح مثل موئے مبارک اس مجلس میں ہے۔ یا کسی دوسری جگہ ہو تو اس کی زیارت کے لئے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

سوال : اس بارے میں کیا حکم ہے کہ اس ایام میں یعنی عشرہ محرم میں ترک زینت و لذت کرنا اور تمکین اور محزون بطور ماقم زدہ کے رہنا کیسا ہے۔

جواب : ترک زینت و غیرہ کا حکم اوپر لکھا گیا ہے۔

سوال : اس مسئلہ میں کیا حکم ہے یعنی کوشش اور مدد کرنا امور تعزیر داری وغیرہ میں تعزیر داروں کے ساتھ خود اپنے خیال سے یا پاس خاطر قربت یا سبب ہمسایگی و غرض خانگی اور اپنا اسباب عاریتہ دینا

جواب : یہ بھی جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس سے معصیت میں اعانت کرنا لازم آتا ہے۔ اور معصیت میں اعانت کرنا بھی ناجائز ہے۔

سوال : کیا حکم ہے اس شخص کے بائے میں جو مرثیہ و کتاب پڑھتا ہے اور نوحہ خوانی کرتا ہے تو کچھ اجرت لیتا ہے یا نہیں۔

جواب : مرثیہ و کتاب پڑھنا جس میں احوال واقعی نہ ہوں ناجائز ہے اور ایسا ہی نوحہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور احادیث میں اس بارہ میں وعید وارد ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے :-

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الشَّاحَّةَ وَالْمُسْتَكْفَةَ (رواہ ابوداؤد کذا فی مشکوٰۃ)

ترجمہ : "یعنی لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ کرنے والی پر اور اس عورت پر جو نوحہ سنے" روایت کیا ہے اس حدیث کو ابوداؤد نے۔ ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں ہے

اور اجرت لینا مرثیہ خوانی اور نوحہ وغیرہ پر حرام ہے اس واسطے کہ اصول شرع سے ہے کہ معصیت پر اجرت لینا درست نہیں۔ چنانچہ مزامیر و غنہ پر اجرت لینا حرام ہے۔ ایسا ہی ان چیزوں پر بھی اجرت لینا حرام ہے۔

سوال : اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ مہندی شب یا زہم ریخ الاخرین روشن کرتے ہیں اور اس کو منسوب ساتھ جناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سترہ العزیز کے کرتے ہیں۔ اور نذر و نیاز و فاسخہ کرتے ہیں۔

جواب : روشن کرنا مہندی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کا یہ بھی بدعت سیدہ ہے۔ اس واسطے کہ جو قباحت تعزیر داری میں ہے۔ وہی قباحت مہندی میں بھی ہے اور فاسخہ پڑھنا اور ثواب اس کا ارواح طیبہ کو پہنچانا فی نفسہ ناجائز ہے۔ لیکن مہندی پر فاسخہ اور درود پڑھنے میں بے ادبی وغیرہ ہے۔ چنانچہ اُدپر مذکور ہوا اور نذر وغیرہ خدا کی اپنے اُدپر لازم کر لینا یہ بھی درست نہیں۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے :-

لَا تَقْبَلُوا دَرَاهِمَ النَّارِ وَلَا تَقْبَلُوا مِنْ الْقَدَرِ شَيْئًا أَمَا يَخْرُجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ (رواہ البخاری و مسلم) یعنی نذر نہ مانوس واسطے کہ نذر سے تقدیر کی خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ صرف یہی ہوتا ہے کہ نذر ماننے والا بخیل سے خارج ہو جاتا ہے روایت کیا اس حدیث کو بخاری

سوال : یہ امور بدعت حسنہ ہیں یا مذموم ہیں اور اگر مذموم ہیں تو سب گناہ میں برابر ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے اور یہ سب حرام ہے اور مرتکب اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا ہے۔ یا یہ سب مکروہ ہے اور مرتکب اس کا مرتکب گناہ صغیرہ کا ہے۔

جواب : یہ سب بدعت سیدہ ہے اور مذموم ہے۔ اور تفاوت امور بدعت میں یہ اعتبار تفاوت فساد کے ہے۔ تو جس بدعت میں کہ بہت زیادہ فساد ہو وہ بدعت بہت زیادہ مذموم ہے اور جس بدعت میں فساد کم ہو وہ کم مذموم ہے۔ اور اگر مرتکب بدعت کا بدعت کو بہتر سمجھتا ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس سے

تقرب خدا کا حاصل ہوگا۔ تو وہ بدعت کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ امر سنن ابن ماجہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ مَنَّا يَخْرُجُ مِنَ الْعَجِينَ

روایت ہے حذیفہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خارج ہو جاتا ہے بدعتی اسلام سے۔ جیسا کہ نکل جاتا ہے بال آٹے میں سے

اور بدعتی عام ہے خواہ خود اس نے بدعت کو اختراع کیا ہو یا اس نے بدعت کو اختراع نہ کیا ہو بلکہ کسی دوسرے نے اختراع کیا ہو اور یہ شخص اُس بدعت کا مرتکب ہو اور اس بدعت کو پسند کرے تو یہ شخص بھی شرعاً بدعتی کہا جائے گا۔ اور یہ بھی سنن ابن ماجہ میں وارد ہے :-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْبَسَ اللَّهُ أَنْ يَقْبَلَ عَمَلُ صَاحِبِ بِذَعَةٍ حَتَّى يَذَعَهُ

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انکار ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے کہ قبول فرمائے عمل بدعتی کا تا وقتیکہ وہ بدعتی اس بدعت کو چھوڑ نہ دے

اور مرتکب بدعت کے بائے میں لفظ ضال کا حدیث میں آیا ہے۔ تو اگر بدعتی کی گراہی اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ کوئی ایسا فعل کرے جس کے مرتکب

کے بائے میں وعید عذاب دوزخ کی ثابت ہے۔ تو وہ شخص شرعاً مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ شخص مرتکب گناہ صغیرہ ہوگا۔ اور یہ فرق اس صورت میں ہے۔ جب بدعت کو بہتر نہ جانتا ہو۔

سوال : کھانا ان چیزوں کا کیسا ہے جو تعزیر وغیرہ پر نذر و نیاز لے جاتے ہیں اور وہاں رکھ کر فاتحہ کرتے ہیں۔ اور وہاں رکھے رہتے ہیں۔ اور شب عاشورہ میں قاب حلوے کا نیچے تخت ضراح و تعزیر کے رکھتے ہیں اور صبح اس کو تیز کا تقسیم کرتے ہیں۔

جواب : جس کھانے کا ثواب حضرت امین رضا کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ و قل درود پڑھا جائے وہ کانا تبرک ہو جاتا ہے اس کا کھانا بہت خوب ہے البتہ وہ کھانا تعزیر وغیرہ کے سامنے لے جانا اور تعزیر کے سامنے تمام رات رکھنا۔ بلکہ اصلی قبروں کے پاس بھی ان سب امور میں مشابہت

کفار اور بہت پرستوں کی پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اس میں کراہت ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

سوال : قبر پر جو شیرینی لے جاتے ہیں۔ اور تعزیر کے نزدیک جو شیرینی اور حلو ایلجاتے ہیں۔ کہ لوگ اس کے سامنے بطریق پیشکش رکھتے ہیں۔ تو اس بائے میں صحیح اور مرجح قول انتخاب کے

نزدیک کیا ہے۔

جواب : مکروہ ہے۔

سوال : حدیث میں آیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَشَنَائِعِيْ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پروردگار نہ بنا میری قبر کو بُت کہ اس کی پرستش کی جاتی ہو۔ تو قبر کا بُت ہونا زائرین کے کس کس فعل کے باعث سے منظور ہوتا ہے۔

جواب : دشمن سے مراد یہ ہے کہ قبر کو سجدہ کیا جائے۔ اور شرک کے دوسرے اہم

بجالاتے جائیں۔

سوال : مسلمانوں کی قبر پر جو سبز پتی یا پھول اور خوشبو رکھتے ہیں تو یہ سنت ہے یا مستحب

ہے۔ یا بے فائدہ اسراف ہے یا مباح ہے کہ اس میں نہ کچھ نفع ہے اور نہ کچھ ضرر ہے۔ جو بھی شرعی دلیل سے ثابت ہو بیان فرمائیں۔

جواب : حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دو قبروں

کے پاس سے گزے اور ان دونوں قبر کی میت پر عذاب کیا جاتا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میت پر عذاب کیا جاتا ہے۔ اس چیز کی وجہ سے کہ ان پر شاخ نہ تھی۔ پھر خرمن کے دھن کی ایک شاخ طلب فرمائی اور اس کو درمیان سے شق فرمایا اور آدھا آدھا دونوں قبروں پر رکھ کر فرمایا

يُخَفَّفُ عَنْهُمَا الْعَذَابُ مَا لَمْ يَتَبَا
یعنی تخفیف کیا جائے گا ان دونوں میت کا عذاب جب تک یہ دو حصے شاخ کے خشک نہ ہوں گے۔

اس حدیث کی مراد میں علماء میں باہم اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ امر وقت کی قیاس کے لئے وقوع میں آیا ہے کہ اس وقت تک عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ یعنی یہ حکم خاص ان ہی دونوں میت کے حق میں تھا۔ عام نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عام ہے۔ جب کوئی شخص ایسا کرے گا تو جب تک شاخ خشک نہ ہوگی۔ عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اس واسطے کہ سبز شاخ تسبیح کرتی ہے اور تسبیح کی مقاربت تخفیف عذاب کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ کانا اور گھاس وغیرہ جو قبر پر جم جائے اگر وہ سبز ہو یعنی تازہ ہو تو اس کو وہاں سے نکالنا ممنوع ہے اس واسطے کہ یہ چیزیں جب تک تر رہتی ہیں تسبیح کرتی ہیں۔ اور اس تسبیح سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور میت کو اس سے ہوتا ہے چنانچہ

آنحضرت نے خرمن کے درخت کی تازہ دو شاخیں قبر پر رکھنے کی جانب رکھ کر فرمایا کہ امید ہے کہ جب تک یہ دونوں شاخیں خشک نہ ہوئی ان کی تسبیح کی برکت سے اس میت کے عذاب میں تخفیف ہے گا۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے بہتر بنا کر پھول قبر پر رکھا جائے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس پھول کی قیمت بطور صدقہ کے دیوے اور اس کا ثواب اس میت کو

پہنچا دیں۔ اس سے زیادہ بہتر ہو گا۔ کہ پھول قبر پر دیں۔ اور پھر وہ خشک ہو جائیں اور ان کا نکال دینا مکروہ نہیں۔

اہل مشہور سے استمداد کے بارے میں فقہاء میں باہم اختلاف ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی سب انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا دوسرے اہل قبور سے استمداد کرنے کے بارے میں اکثر فقہاء نے انکار کیا ہے۔ یہ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ زیارت سے شرع میں صرف یہ مقصود ہے کہ اموات کے حق میں دعا اور استغفار کیا جائے۔ کہ اس کے ذریعے سے ان کو نفع پہنچے اور بعض فقہاء اس امر کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دوسرے اہل قبور سے بھی استمداد کرنا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فقہاء میت کے سمع اور ادراک کے قائل ہیں۔ اس لئے وہ امر کے بھی قائل ہیں کہ اہل قبور سے استمداد کرنا جائز ہے۔ جن فقہاء کو میت کے سمع و ادراک سے انکار ہے۔ انکو استمداد کے حوا سے بھی انکار ہے۔

اہل مشہور سے استمداد کرنا ایک ایسا امر ہے کہ مشائخ صوفیہ جو کہ اہل کشف و کمال سے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کامل طور پر ثابت ہے حتیٰ کہ وہ حضرات کہتے ہیں کہ اکثر لوگ کو ارواح سے فیض حاصل ہو اسے چنانچہ امام شافعی رحمہ نے فرمایا ہے کہ قبر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مجرب تریاق ہے دعا قبول ہونے کے لئے اور حجۃ الاسلام نے فرمایا ہے کہ جس سے حیات کی حالت میں استمداد کیا جاتا ہے اس سے اس کی موت کے بعد بھی استمداد کیا جاتا ہے۔ امام راہبی نے فرمایا ہے کہ جب زائر قبر کے پاس جاتا ہے

تو اس کے نفس کو ایک خاص تعلق اس صاحب قبر کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس صاحب قبر کے نفس کو ایک خاص تعلق اس زائر کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں تعلق کے سبب سے ان دونوں نفوس کے درمیان تقابل معنوی حاصل ہوتا ہے اور علاقہ مخصوص اگر صاحب قبر کا نفس زیادہ قوی ہوتا ہے تو زائر کا نفس متغیض ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے بالعکس ہوتا ہے تو استغناء بھی برعکس ہوتا ہے اور شرع مقام میں مذکور ہے کہ قبر کے زیارت میں نفع پایا جاتا ہے۔ اور ایسا ہی صاحبین اموات کے نفس سے استعانت پانے میں بھی نفع پایا جاتا ہے اس واسطے کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی نفس کا تعلق بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اور میت کے نفس کا تعلق اس تربت کے ساتھ بھی رہتا ہے کہ جس میں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ جب زندہ اس تربت کی زیارت کرتا ہے اور میت کے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس میں تلافی حاصل ہوتی ہے۔ اور استغناء ہوتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ امداد زندہ کا زیادہ قوی ہے میت کی امداد سے یا اس کا برعکس۔ اہل تحقیق کے نزدیک دوسری شق مختار ہے اور اس بارے میں بعض روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ۔

جب تم بخیر ہو جاؤ اُمور میں۔ یعنی کوئی کام انجام کرنے میں متخیر ہو جاؤ تو چاہیے کہ مدد چاہو صاحب

قبر سے۔

شیخ اجل رحمہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ نہیں پائی جاتی ہے کتاب وسنت اور سلف کے اقوال میں کوئی ایسی چیز کہ مخالف اور منافی اس استمداد کے ہو اور اس کو رد کرے۔ اور حاصل کلام یہ کہ یہ ثابت ہوا کہ روح باقی رہتی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق بدن کے اجزاء کے ساتھ بدن کی مفارقت کر کے اس بدن کی کیفیت متغیر ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے قبر کی زیارت کے لئے جو لوگ اس کے احوال سے اس روح کو خبر ہوتی ہے۔ اور کاطین کی ارواح کو بحالت حیات اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرار کا درجہ حاصل رہتا ہے اور اس وجہ سے ان کی روح کرامات اور تصرفات اور استمداد میں مؤثر ہوتی ہے اور اس کے بعد بھی قرب کا وہ درجہ باقی رہتا ہے۔ اس وجہ سے تصرفات کی قوت بھی باقی رہتی ہے جس طرح حیات یہ قوت باقی رہتی ہے کیونکہ اس وقت روح کا تعلق کلی بدن کے ساتھ رہتا ہے۔ پھر موت کے بعد تصرفات کی قوت زیادہ ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں استمداد سے انکار کرنے کے لئے کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ اول امر سے منکر ہو جائیں۔ یعنی یہ کہیں کہ موت کے بعد روح کی مفارقت بدن سے ہو جاتی ہے اور حیات علاقہ زائل ہو جاتا ہے۔ تو اس حالت میں روح کا کچھ بھی تعلق بدن کے ساتھ باقی نہیں رہتا ہے۔ یہ نفس کے غلام ہے۔ اس صورت میں قبر کی زیارت کرنا اور قبر کے پاس جانا یا سب لغو اور فضول ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ عامہ اخبار اور آثار سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ اور استمداد کی کوئی صورت نہیں۔ بلکہ صرف یہی ہے کہ محتاج اپنی حاجت طلب کرے۔ جناب باری عزوجل اس سے اس بندے کے روحانی توسل کے لئے فرمادے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقرب ہو۔ اور کہے :-

اے خداوند تعالیٰ اس بندہ کی برکت سے کہ تو نے رحمت اس پر فرمائی ہے اور اس کو بزرگی مرحمت کی ہے میری حاجت پوری فرما یا اس بندے مقرب و کرم کی طرف متوجہ ہو کر کہے کہ :-
لے خدا کے بندے اور ولی میرے حق میں سفارش کر اور میری مراد خداوند تعالیٰ سے طلب کرنا کہ خداوند تعالیٰ میری حاجت پوری فرمائے :-

کیونکہ بندہ درمیان میں اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ صرف وہ وسیلہ ہے اور قادر اور معطی اور مسل حق تعالیٰ ہے اور اس صورت میں شرک کا کچھ شائبہ بھی نہیں ہو۔ منکر کو وہم ہو اسے :-

ظاہر ہے کہ بالاتفاق جائز ہے کہ صاحبین اور دوستان خدا سے ان کی حالت حیات میں توسل طلب اور ان سے دعا کرنے کے لئے کہا جائے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان سے استمداد کیا جائے۔ اور کاطین کی ارواح میں عین حیات اور بعد ممات دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہیں۔ سوا اس کے کہ بعد ممات ان کے کمال میں ترقی ہو جاتی ہے اور مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اور سیوطی کی کتاب شرح الصدور میں یہ امر مفصل مذکور ہے اور ان کتابوں میں احادیث متعدد طریقے سے اس بارے میں منقول ہیں۔ لیکن جو نذر عوام مانتے ہیں کہ بعد ممات قبور کے کسی قبر کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لے ہمارے سید! اگر تم میری حاجت پوری کر دو تو تمہارے

کر لے خداوند تعالیٰ میں نے تیرے لئے نذر مانی کہ اگر تو میری نلاں حاجت پوری فرمائے تو میں اس سید مقرب مرحوم کرم کے در پر فقرار کو کھانا کھلاؤں گا :-
تو بلاشبہ نذر جائز ہے اس واسطے کہ نذر کا مال فقرار میں صرف کرنا چاہیے اور پامرا یا گیا ہے اور جائز نہیں کہ وہ کھانا کسی تو نگر یا کسی شریف کو دیا جائے۔ یا اس کو کھلایا جائے :-

فائدہ : وَالَّذِي يَذَرُ الْغَنَاءَ بَانَ يَأْتِي إِلَى قَبْرِ بَعْضِ الصَّالِحِينَ وَيَرْفَعُ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ قَائِلًا يَا سَيِّدِي فَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعْتَ حَاجَتِي كَرَّمَ الْعَبَاقُ وَمَعَانِيَتِ الْمَرِيضِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ الدَّهْبِ أَوْ مِنَ الطَّعَامِ أَوْ مِنَ الْكُسُوفِ أَوْ مِنَ الشَّيْءِ أَوْ مِنَ الذَّهَبِ مَثَلًا كَذَلِكَ أَبَاطِلُهُ إِجْمَاعًا نَعَمْ لَوْ قَالَ يَا اللَّهُ تَعَالَى إِنَّكَ لَأَنْ تَصْنَعْتَ مَرِيضَتِي أَوْ تَحْوِيَّهَا أَنْ أَطْعِمَ الْفَقْرَاءَ الَّذِينَ يَبْغِي الشَّيْءَ نَفْسِهِمْ أَوْ تَحْوِيَّهَا أَنْ أَشْرَحَ حَصْرِي الْمَسْجِدِ هَذَا زَيْنَتُ الْوَقْدِ أَوْ تَدَاهِي لَمْ يَكُنْ يَقْنُومُ بِشَعَائِرِهَا مَتَى يَكُونُ ذِيهِ نَفْعٌ لِلْفَقْرَاءِ وَالشُّذُوقِ لِلدُّعَا وَفَكَرَ الشَّيْخُ أَنَّ مَا هُوَ كَمَلٌ تَصَوَّرَ الشَّيْءَ لِمُسْتَحِقِّهِ الْمَكْفِينِ بِرَبِّهَا طَبْعُهُ أَوْ مَسْجِدُهُ أَوْ جَمَاعَتُهُ بِهَذَا الْأَعْتَابِ إِذَا مَصْرُفُ الشَّيْءِ الْفَقْرَاءَ وَقَدْ وَجَدَ الْمَصْرُفَ لَكِنْ لَا يَحِلُّ مَصْرُفُهُ إِلَّا إِلَى الْفَقْرَاءِ لَا إِلَى ذِي عِلْمٍ لَعَلَّهُمْ وَلَا لَذِي نَسَبٍ لَنَسَبِهِ وَلَا لِحَاضِرِي الشَّيْخِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَاحِدًا مِنْ الْفَقْرَاءِ وَإِذَا عَرَفْتَ هَذَا أَمَا يَوْجِدُ مِنَ الدَّاهِيَةِ دَعْوَاهَا وَيَسْتَقِلُّ إِلَى مَنَاسِكَ الْأَوْلِيَاءِ تَقْرِيًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ مَالٌ يَقْصَدُ مَصْرُفُهَا فِي الْفَقْرَاءِ وَالْأَحْيَاءِ وَقَدْ ابْتَلَى النَّاسُ بِذَلِكَ كَذَا فِي النُّهْرِ الْفَائِقِ وَالْبَحْرِ الرَّائِقِ وَمَا لِكُلِّ لِي لَا يَجُوزُ مَصْرُفُ ذَلِكَ لِعَنِي غَيْرَ مَحْتَاجٍ وَلَا مَصْرُفَ لَذِي مَنْصَبٍ وَلَوْ يَثْبُتُ فِي الشَّرْعِ جَوَازُ الْمَصْرُفِ لِلْأَغْنِيَاءِ لِلْإِجْمَاعِ عَلَى حُرْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوقِ وَلَا يَنْفَعُ وَيُسْخَلُ الذَّمَّةُ بِهِ وَانَّهُ حَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ وَلَا يَجُوزُ لِلْحَادِمِ الشَّيْخِ أَخْذُهُ وَلَا أَكْلُهُ وَلَا يُصْرَفُ فِيهِ لَوَجْهِهِ مِنَ الْوُجُوهِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ فَقِيرًا أَوْ لَدَى عِيَالٍ فَقَرَارًا عَاجِزِينَ عَنِ الْكَسْبِ وَهُوَ مُضْطَرُّونَ فَيَأْخُذُونَهُ عَلَى سَبِيلِ الصَّدَقَةِ لِلْبِتْدَاءِ فَلَا خُذْهُ أَيْضًا مَكْرُوهًا مَالٌ يَقْصَدُ بِهِ النَّاذِرُ التَّعَرُّبَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَمَصْرُفُهُ إِلَى الْفَقْرَاءِ وَيُقَطَّعُ النَّظَرُ عَنِ النَّذْرِ الشَّيْخُ فَذَا أَعْلَمْتَ هَذَا أَمَا يَوْجِدُ مِنَ الدَّاهِيَةِ دَعْوَاهَا وَيَسْتَقِلُّ إِلَى مَنَاسِكَ الْأَوْلِيَاءِ تَقْرِيًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ مَالٌ يَقْصَدُ مَصْرُفُهَا فِي الْفَقْرَاءِ وَالْأَحْيَاءِ لَا الْقَبُورَ وَلَا وَاحِدًا مِنَ الْبَحْرِ الرَّائِقِ الشَّيْءِ الَّذِي يَقَعُ لِلْمَوَاتِ وَمَا يَخْذُ مِنْ

الدَّارَهِمَ وَالشَّمْعَ وَالزَّيْتِ وَخَوَّهَا إِلَىٰ مُصْرَاحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكَوَامِ تَقْدِيمًا إِلَيْهِمْ وَفِي الْأَجْمَاعِ
بِأَجْلِ حَرَامِ الْكَمِّ يَقْصُدُ وَاصْرَفَهَا لِلْفَقَرِ وَقَدْ اسْتَلَى النَّاسُ بِذَلِكَ دَلَالَةً فِي هَذِهِ الْأَعْمَالِ
وَقَدْ بَسَطَهُ الْعَلَمَةُ قَاسِمُ فِي شَرْحِ دَرَاهِمِ الْإِمَامِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ كَانِ
الْعَوَامِ عِنْدِي لَا مَنَعَهُمْ وَذَلِكَ لِأَنَّهُمْ لَا يَهْتَدُونَ فَالْكَلِّ بِهِ يَتَغَيَّرُونَ كَذَا فِي الدُّرَرِ الْمُخْتَارِ
فِي أَخْبَارِ بَابِ الصَّوْمِ

یعنی نذر بالاجتماع باطل ہے۔ جس طرح عوام نذر مانتے ہیں کہ جب کسی کی کوئی حاجت ہوتی ہے تو وہ
شخص بعض صاحبین کی قبر کے پاس جاتا ہے اور اس کا پردہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھتا ہے اور کہتا ہے
کہ۔

اے میرے سید فلان! اگر تم میری حاجت پوری کر دو۔ مثلاً یہ کتاب ہے کہ فلاں شخص جو کہ کہیں دوسری جگہ
ہے اگر آجائے یا یہ کتاب ہے کہ فلاں مریض کو اگر صحت ہو جائے۔ تو تمہارے لئے میری طرف سے اس قدر سونا یا طعام
یعنی کھانا یا کپڑا یا شمع یا روغن زیتون یا کوئی دوسری چیز وغیرہ دی جائیگی۔ تو یہ نذر جائز نہیں البتہ اس صورت میں
نذر جائز ہوگی کہ وہ کہے کہ اللہ میں سے تیرے لئے نذر مانی کہ اگر میرے مریض کو تو صحت بخشے یا اسی طرح کوئی دوسری
اپنی حاجت کہے۔ اگر تو فلاں حاجت پوری کر دے تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا۔ جو فلاں سید کے دروازے
پر رہتے ہیں۔ یا اس کی مسجد کے لئے چٹائی خریدوں گا۔ اور اس مسجد میں روشنی کرنے کے لئے روغن زیتون خریدوں گا
یا اس قدر درہم ان لوگوں کو دوں گا جو اس کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ یا اسی طرح کی اور جو نظر ہو کہ اسمیں فقراء
کا فزع ہو اور نذر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہو۔ اور شیخ کا ذکر صرف اس غرض سے ہو کہ یہ متعین ہو جائے کہ نذر کی چیز ان
لوگوں کے مصروف میں آئے گی۔ کہ وہ لوگ نذر کے مال کے مستحق ہیں۔ مثلاً یہ کہے کہ فلاں بزرگ کے رباط یا ان کی مسجد
یا جامع مسجد میں جو لوگ رہتے ہیں۔ ان کے مصروف میں یہ نذر کا مال صرف کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں نذر اس وجہ
سے جائز ہے کہ نذر کے مال کے مستحق فقراء ہیں۔ اور ان ہی کے حق میں صرف کرنے کے لئے نذر میں نیت کی گئی ہے
ایسا مال صرف فقراء کے حق میں صرف کرنا جائز ہے اور جو غنی ہو اور ذی علم ہو تو صرف اس کے علم کے لحاظ سے
خاص اس کے حق میں نذر کا مال صرف کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی جو غنی ہو اور علی نسب ہو تو صرف اس کے نسب کی
شرافت کے لحاظ سے اس کے حق میں بھی صرف کرنا جائز نہیں۔ اور ایسا ہی جو غنی ہو اور کسی بزرگ کے حضور رہا کر ہو
تو اس کے حق میں بھی نذر کا مال صرف کرنا جائز نہیں۔ البتہ یہ لوگ اگر فقیر ہوں۔ تو ان کے حق میں نذر کا مال صرف کرنا جائز
ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو تو جانا چاہیے کہ وہ درہم بالا جماع حرام ہیں کہ ان اولیائے کرام کے روضہ میں بھیجے جاتے
ہیں۔ اس غرض سے کہ ان سے تقرب حاصل ہو۔ اور یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ جو زندہ فقراء رہتے ہیں۔ ان کے صرف
میں یہ دم آتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔

اگر لوگ اس معیت میں مبتلا ہیں۔ ایسا ہی نہر الفائق اور سحر الائق اور عالمگیری میں ہے اور جو غنی ہو محتاج نہ ہو

اس کے لئے نذر کا مال جائز نہیں ایسا ہی اس کے لئے بھی جائز نہیں جو غنی ہو اور ذی منصب ہو۔ خلاصہ یہ ہے
کہ غنی کے لئے نذر کا مال جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس پر اجماع ہے کہ نذر مخلوق کے لئے حرام ہے اور ایسی
نذر مستند نہیں ہوتی جس کا ایفا واجب نہیں۔ بلکہ ایسی نذر بلاشبہ حرام ہے۔ کسی بزرگ کے خادم کے لئے جائز نہیں
کوئی نذر کی چیز لے یا کھائے یا اپنے کسی دوسرے مصروف میں لے آئے۔ البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ
خادم فقیر ہو یا اس کے عیال ہوں اور وہ فقیر ہوں اور کسب سے عاجز ہوں اور مضطر ہوں تو ان کے لئے جائز ہے
کہ وہ خادم صدقے کے طور پر وہ نذر کا مال بھی لیں۔

اور جب نذر ماننے والے کی نیت نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو اور نذر کا مال فقراء کے حق میں
صرف کیا جائے۔ بلکہ خاص مستغنی اور کسی بزرگ کی نذر کی نیت ہو۔ تو ایسی نذر کا مال لینا فقراء کے حق میں بھی مکروہ
ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ درہم اور شمع اور روغن زیتون وغیرہ جو چیز اولیاء اللہ کے روضہ پر بھیجی جاتی ہے۔ اس
غرض سے کہ ان کا تقرب حاصل ہو۔ تو وہ سب حرام ہیں۔ اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے البتہ اس صورت
میں جائز ہے کہ یہ نیت ہو کہ اس روضہ پر جو زندہ فقراء رہتے ہیں۔ ان کے حق میں یہ چیز صرف کی جائے۔ اور
خاص غریب کی نیت نہ ہو۔ یہ سحر الائق کی عبارت مذکورہ کا مضمون ہے اور وہ نذر کہ اموات کے لئے مانی جاتی ہے
اور جو درہم اور شمع اور روغن زیتون اور اس طرح کی اور جو چیز اولیاء کرام کے روضہ پر بھیجی جاتی ہے۔ اس
غرض سے کہ ان حضرات کا تقرب حاصل ہو۔ اور یہ سب بالا جماع باطل ہے۔ اور حرام ہے البتہ اس صورت
میں جائز ہے کہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو۔ اور یہ مال فقراء کے حق میں صرف کیا جائے اکثر لوگ
اس معیت میں مبتلا ہیں خصوصاً اس زمانہ میں یہ امر نہایت مروج ہے۔

علامہ قاسم نے یہ مسئلہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے امام محمد علیہ الرحمۃ
نے فرمایا کہ اگر عوام میرے پاس ہوتے تو میں ان کو اس سرے سے منع کر دیتا۔ اس واسطے کہ وہ لوگ جائز طور پر نذر نہیں مانتے
ہیں بلکہ خلاف شرع امور کو اس میں غلط کر دیتے ہیں۔ یہ ذکر مختار کے باب الصوم کے اخیر کی عبارت مذکورہ
کا مضمون ہے۔

سوال : تاہوت تعزیہ کی زیارت کرنا، اس پر نفاختہ پڑھنا، مرثیہ پڑھنا، مرثیہ بنانا، مرثیہ سننا اور
زیادہ تو کرنا، چھاتی پیٹنا اور گلا توچنا حضرت امام حسین ؑ کے ماتم میں مشرقان امور کے بارے میں کیا حکم ہے
(از مولوی محمد جمیل علی)

جواب : یہ سب ناجائز ہیں چنانچہ کتاب السراج میں خطیب کی روایت سے مذکور ہے۔
لَعَنَ اللَّهُ مَنْ زَارَ بِلَا مَزَارٍ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ زَادَ شَبَابًا لَا رُوحَ
یعنی لعنت کی اللہ تعالیٰ نے اس پر جس نے زیارت کی بلا مزار کے اور لعنت کی اللہ تعالیٰ نے اس
پر جس نے زیارت کی کسی جسم بے جان کی۔

اور مرثیہ بنا اور اپنے گھر میں پڑھنا اور سننا اسمیں قباحت نہیں بلکہ اس کے مضمون سے اس کی امانت اور تحقیر نہ ہوتی ہو۔ اور اس میں غلم و ستم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب نہ جو، فاتحہ اور درود اور بھی اپنے گھر کرنا مستحسن ہے۔ فریاد اور نوحہ کرنا اور چھاتی بیٹنا اور گلا نوجنا یہ سب حرام ہے اور حدیث مثلاً میں یہ ہے :-

لَيْسَ مِنَّا مَنْ حَلَقَ وَحَدَّثَ
یعنی نہیں ہے ہم سے وہ شخص جس نے اپنا گلا نوجا نوحہ کے طور پر رویا اور گریبان چاک کیا :
اور حدیث شریف میں مذکور ہے :-

لَيْسَ مِنَّا مَنْ صَرَبَ الْحَدَّ وَدَسَّقَ الْجُيُوبَ وَدَعَى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ
یعنی نہیں ہے ہم سے وہ شخص جس نے اپنا منہ پیٹا اور گریبان چاک کیا اور شور مچایا مانند شور مچانے وقت جاہلیت کے : یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح میں ہیں۔

سوال : اگر کوئی شخص مشہور اولیاء اللہ کے مصارف کے لئے ارمانی معین کرے اور اس ارمانی کا کھانا ان قبر کے خدام کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ نقد و یہ جو قبر پر رکھ دیتے ہیں تو وہ صرف میں نے آنا خدام یا کسی دوسرے کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : مصارف قبر کا کوئی شرعی معنی نہیں۔ سو اس وقت کے کہ جب مردہ دفن کیا جاتا ہے اس وقت قبر کھودنے وغیرہ میں جو صرف ہوتا ہے وہ البتہ مصارف قبر کا شرعاً ثابت ہے اور اگر کوئی شخص اپنے گھر خاص کی ارمانی خادمان قبر کے لئے وقف کرے۔ تو خادموں کے لئے جائز ہے کہ اس ارمانی کا غلہ کھا لیں اور شرط خدمت بجالائیں۔ وہ شرط یہ ہے کہ لوگوں کو قبر کا طواف اور سجدہ کرنے سے منع کریں اور امور منوعہ لوگوں کو بچائیں۔ اور نقد و جنس بطور نذر و منت قبر پر رکھنے سے منع کریں اور ایسی چیزوں کو دفع کریں اگر شرط خدمت بجالائیں۔ تو ان کے لئے اس ارمانی کا غلہ کھانا حرام ہے۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اولیاء کے مقابر جو ہندوستان میں ہیں۔ ان کے مصارف و مواضع اور ارمانی ہے اس غرض سے کہ اس کی آمدنی درگاہ کے مصارف میں صرف ہو اور وصال کی مہمانی وغیرہ سامان اس سے مہیا کیا جائے۔ اگر کسی ولی کے اہل خاندان چاہیں کہ اس ولی کے مقبرہ کے متعلق جو مواضع اور ارمانی ہے اس کو باہم تقسیم کر لیں اور فرائض کے مطابق اپنا اپنا حصہ لیں۔ تو شرعاً وہ لوگ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ لوگ باہم تقسیم نہیں کر سکتے تو کون شخص اس کا متولی ہوگا کہ اس کی خبر گیری کرے۔ اور جو کچھ نذر و نیاز کی آمدنی درگاہ میں ہوتی ہے اسمیں فرائض جاری ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر ولی کے خاندان سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا اور باقی حقیقی باہم نزاع کرنا یا بیجا دشمنی یا حقداری ہو تو ان لوگوں میں سے سجادہ نشین کو کوئی حق ہوگا سجادہ نشین اور خلافت کا دعویٰ تاحی وقت سماعت کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر قاضی ایسے دعویٰ کی سماعت نہیں کر سکتا۔ تو یہ نزاع کس طرح رفع کیا جائے

اور سجادہ نشین کون شخص مقرر کیا جائے۔

جواب :

جو مواضع اور ارمانی اس غرض کے لئے متعین ہے کہ اس کی آمدنی درگاہ اور دار و صادر کے مصارف میں صرف ہو تو ولی کے اہل خاندان کا یہ استحقاق نہیں کہ اس کو بطور فرائض کے باہم تقسیم کر لیں۔ اور اپنا اپنا حصہ لیں۔ بلکہ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنی طرف سے ایک شخص کو متولی مقرر کریں تاکہ اس مواضع وغیرہ کی آمدنی وہ متولی مطابق حاجت کے تقسیم کیا کرے۔

البتہ اگر ولی کا ولاد محتاج ہیں اور وہ درگاہ کے خدام اور متعلقین میں سے بھی ہیں تو ان لوگوں کا بھی حصہ اپنی حاجت کے بقدر ہوگا۔ اگر وہ لوگ باہمی نزاع کے سبب سے ایک شخص کو متولی قرار نہ دیں تو حاکم عادل کو چاہیے کہ اس وقت کا متولی ان لوگوں میں سے ایسے کسی ایک شخص کو قرار دے دے۔ جو عادل اور امانت دار ہو اور نذر و نیاز جو روزانہ درگاہ میں آئے۔ وہ بقدر حاجت کے ولی کی اولاد اور درگاہ کے خدام کے مصارف میں صرف کرنا چاہیے اور کسی ایک شخص کو جو امانت دار ہو متولی مقرر کرنا چاہیے۔ کہ وہ نذر و نیاز کو جمع کیا کرے اور بطور مناسب تقسیم کر دیا کرے۔

اور مجملہ اولاد کے جو لوگ زندہ ہوں۔ ان میں اور خدام میں تقسیم کرنا چاہیے۔ یہ تقسیم ان لوگوں کی تعداد کے اعتبار سے ہوگی۔ مانند تقسیم خمس غنیمت کے ذوالقرنی میں۔ البتہ جن لوگوں کی حاجت زیادہ ہو۔ یا وہ لوگ درگاہ میں خدمت کرتے ہوں یا ان کے باعث سے خلافت کا مرجع زیادہ ہو۔ تو تقسیم میں ایسے لوگوں کو ترجیح دینے میں کچھ حائل نہیں۔

جیسا کہ مثلاً جہاد میں کوئی شخص کسی مشکل کام کو انجام دے تو اس کو اس کے معمولی حصہ کے علاوہ غنیمت سے کچھ زیادہ بھی دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور سجادہ نشینی اور خلافت کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ سجادہ نشینی اور خلافت سے مراد وہ ریاست ہے جس کے ذریعے سے ان امور کا منصب حاصل ہو۔ یعنی نذر و نیاز جمع کرنا۔ اور اس کے مستحقین میں تقسیم کرنا اور خدام کو معزول اور مقرر کرنا اور باعتبار مصلحت کوئی امر مقدم کرنا اور کوئی امر منہ کرنا۔ اور اس منصب میں وراثت کا حکم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جو لوگ نذر و نیاز کے مستحق ہوں۔ ان لوگوں کے اتفاق رائے سے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائیگا۔ اور اگر وہ لوگ کسی ایک شخص کے باسے میں اتفاق رائے نہ کریں تو حاکم عادل اپنی رائے سے کسی شخص کو اس منصب پر مقرر کر دیگا۔

اور دوسرا معنی سجادہ نشینی اور خلافت کے یہ ہیں کہ بیعت لینا یعنی "مریکرنا" اور اذکار کی تعلیم کرنا اور جمع و ہما عت قائم کرنا اور حلقہ ذکر و اشغال کو ترتیب دینا۔ اور یہ منصب بھی موروثی نہیں بلکہ یہ منصب اس کام کی لیاقت پر موقوف ہے اور یہ امر کہ کسی شخص میں اس منصب کی لیاقت ہے تو بقیاس خلافت کبریٰ کے اس امر کے دریافت کرنے کا بھی تین طریقہ ہے :

پہلا طریقہ یہ ہے کہ سابق سجادہ نشین نے کسی شخص کو اپنا خلیفہ قرار دیا ہو اور اخذ بیعت اور خلافت
اوراد کے لئے اپنے حضور میں اس کو اجازت اور اذن دے دیا ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سابق سجادہ نشین کے خلفاء اور مریدین اور اس کے پیروں کا اتفاق اور اجماع
کو ملاحظہ کرنا اور خلافت دی جائے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ شور و غوغا ہو۔ یعنی چند شخص تجربہ کار اور اس طریقہ کے لوگ باہم مشورہ کریں
یہ تجویز کریں کہ اس بزرگ کی اولاد یا خلفاء میں سے کون شخص اس قابل ہے کہ سجادہ نشین مقرر کیا جائے
پھر جو شخص اس قابل معلوم ہو اس کو سجادہ نشین مقرر کریں۔

اور دعویٰ اس سجادہ نشین اور خلافت کا ابتداء قاضی سماعت نہ کرے بلکہ جن لوگوں میں نزاع
ان لوگوں سے یہ کہہ دے کہ تم لوگوں میں سے جو زیادہ لائق ہو اس کو سجادہ نشین اور خلیفہ مقرر کر دو۔ یا قاضی
چاہئے کہ ان لوگوں میں سے چند شخصوں کو منتخب کرے اور ان لوگوں سے کہہ دے کہ تم لوگ مشورہ کر
یا بھی مشورہ سے جو شخص اس کام کے قابل معلوم ہو اس کو اس کام پر سجادہ نشین مقرر کر دو۔ مگر تین طریقہ
نشین مقرر کرنے کا جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ منجملہ ان کے کسی طریقہ سے جب کوئی شخص سجادہ نشین اور خلافت
لئے متعین ہو چکا ہو۔ اور پھر کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ اس امر میں نزاع کرے تو البتہ قاضی کو چاہئے کہ پہلے شخص
دعویٰ کی سماعت کرے اور گواہان معتبر کی شہادت لے۔ جب ان کی شہادت سے ثابت ہو جائے کہ تین طریقہ
بالا میں کسی طریقہ سے قرار پا چکا ہے کہ یہ شخص سجادہ نشین اور خلافت کے لئے متعین کیا جائے۔ تو چاہئے کہ قاضی
شخص کو سجادہ نشین اور خلیفہ مقرر کرے اور اگر کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ شخص نااہل ہے اور بہتر خصلت
و تبدیل کرتا ہے تو قاضی اس امر کی تحقیقات کرے اس امر کا صدق و کذب دریافت کرے۔ پھر اس کے نزدیک
اگر مناسب معلوم ہو تو پہلے شخص کو معزول کرے اور یہ حکم دے کہ تین طریقہ مذکورہ بالا کے مطابق کوئی دوسرا شخص
نشین اور خلیفہ مقرر کیا جائے۔

حاصل کلام ان امور میں وراثت جاری نہیں اور میت نے جو چیز اپنی مملوک چھوڑی ہو اسی میں وراثت
ہوتی ہے اور اگر مثلاً دو شخص میں سے ہر ایک شخص دعویٰ کرے کہ سابق سجادہ نشین نے متعین کیا تھا۔ کہ اس کے
بعد فلاں شخص سجادہ نشین مقرر کیا جائے۔ یا ہر ایک کا یہ دعویٰ ہو کہ اس جماعت کے لوگوں کا اس امر پر اتفاق ہوا
کہ فلاں سجادہ نشین مقرر کیا جائے۔ یا ہر ایک کا دعویٰ ہو کہ اس طریقہ کے صاحبان اور اشخاص تجربہ کار کا اس امر پر اتفاق
ہوا ہے کہ فلاں سجادہ نشین مقرر کیا جائے۔ تو چاہئے کہ قاضی گواہان معتبر کی شہادت لے۔ پھر جو امر حق معلوم ہونے
کے مطابق فیصلہ کرے۔

سوال : ربیع الاول میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھانا پکانا اور اس کا ثواب حضرت سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا شرعاً صحیح ہے یا نہیں۔ اور ایسا ہی محرم میں کھانا پکانا اور اس کا ثواب حضرت امام حسین

کو اور دیگر اہل اہل بیت مختار کو پہنچانا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب : انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب بزرگوں کو پہنچائے لیکن اس کام کے لئے کوئی وقت
دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے۔ البتہ اگر کوئی نیک کام ایسے وقت میں خاص کرے کہ اس وقت میں ثواب
زیادہ ہوتا ہے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

مثلاً ماہ رمضان شریف میں کہ اس ماہ مبارک میں بندہ مؤمن جو نیک کام کرتا ہے اس عمل کا ثواب ستر
درجہ زیادہ ہوتا ہے تو کوئی عمل نیک خاص کرے کہ زیادتی ثواب کی نیت سے اس ماہ مبارک میں کرے تو اس میں کوئی
قباحت نہیں بلکہ بہتر ہے اس واسطے کہ خود حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی ترغیب فرمائی ہے چنانچہ
یہ عمل حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے قول سے ثابت ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں صاحب
شرح کی جانب سے ترغیب اور تعین وقت کی ثابت نہیں وہ عبث ہے۔ اور خلاف سنت ہے اور مخالفت سنت
کی حرام ہے یہ ہرگز جائز نہیں البتہ اگر چاہے تو خفیہ طور پر خیرات کرے جس دن ہو سکے کہ ناظر ہونے سے رسم نہ قرار پائے
سوال : میلاد کی اور عشرہ محرم کی مجالس منعقد کرنا کیسا ہے؟

جواب : (رقمہ) خانصاحب عالی مراتب مجمع خیرات والطف قدردان علماء سلامت فقیر عبدالعزیز
کی جانب سے بعد سلام سنون کے واضح رائے مبارک ہو کہ عنایت نامہ سامی ملا جو مرثیہ خوانی وغیرہ کے انعقاد
میں ہے۔

مہربان من! فقیر کی طاقت نہیں کہ طول و طویل عبارت کی سماعت کر سکے۔ جواب مفصل کا ذکر کیا ہے اور
آپ نے فرمایا ہے کہ مولوی رشید الدین خان یا مولوی اسحاق سے کہنا چاہیئے ان دونوں صاحبوں میں سے کوئی صاحب
جواب لکھیں۔ تو یہ دونوں صاحب نہایت قلیل فرصت ہیں اور دوسرے دیگر امور کے سبب سے ان
صاحبوں کو ایک دم کی بھی فرصت نہیں۔ خبر تدریج ان دونوں صاحبوں سے فقیر کہے گا لیکن بالفعل جو کچھ
اس فقیر کہہ لکھتا ہے۔ اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے۔

سال میں دو مجلسیں فقیر کے مکان میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ مجلس ذکر وفات شریف اور مجلس شہادت حسین
اور یہ مجلس بروز عاشورہ یا اس سے ایک دو دن قبل ہوتی ہے۔ چار پانچ سو آدمی بلکہ ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں اور دُود
شریف پڑھتے ہیں اس کے بعد جب فقیر آتا ہے تو لوگ بیٹھتے ہیں۔ اور فضائل حسین رضی اللہ عنہما کا ذکر جو حدیثیں
دارعبے بیان کیا جاتا ہے اور جو کچھ احادیث میں ان بزرگوں کی شہادت کا ذکر ہے۔ اور روایات صحیحہ میں جو کچھ تفصیل ہے
بعض حالات کی ہے اور ان حضرات کے قاتلوں کی بیخونی کا بیان ہے وہ ذکر کیا جاتا ہے۔ بعض تکلیفیں جو ان حضرات
کو ہوئیں جو کہ وہ روایت معتبرہ سے ثابت ہے بیان کی جاتی ہیں۔ اور اس ضمن میں بعض مرثیہ جو جن و پری سے حضرت امام سلمہ
و دیگر صحابی رنہ نے سنا ہے وہ بھی ذکر کیا جاتا ہے اور خواب ہائے وحشت ناک ذکر کئے جاتے ہیں جو حضرت ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے دیکھے تھے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

واقعہ سے نہایت رنج و الم ہو رہا پھر ختم قرآن حکیم کیا جاتا ہے۔ اور پنج آیت پڑھ کر کھانے کی جو چیز موجود رہتی ہے اس پر ناکھ کیا جاتا ہے اور اس اثنا میں اگر کوئی شخص نعوش اٹھانے پر مائل ہو جائے۔ یا شرعی طور پر مرتبہ پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو اکثر حضار مجلس اور اس فقیر کو بھی حالت رقت اور گریہ کی لاحق ہو جاتی ہے۔ اس قدر عمل میں آتا ہے اگر یہ فقیر کے نزدیک اس طریقہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے جائز نہ ہوتا تو ہرگز فقیران چیزوں پر اقدام کرتا اور اس کے علاوہ اور امور پر خلاف شرع ہیں۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ زیادہ کیا لکھے۔ والسلام علیہ وسلم

سوال : فوائد الفوائد سلطان المشائخ میں چند باتیں مذکور ہیں کہ جو لوگ آپ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے وہ اپنا مرنین پر رکھتے تھے۔ تو ایک شخص نے اس بارہ میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس سے منع کروں۔ اس وجہ سے میں منع نہیں کر سکتا کہ خواجہ قطب الدین اور شیخ فرید الدین قدس سرہما کے حضور میں بھی ایسا ہی لوگ کرتے تھے۔ اور آپ نے کسی دوسرے شخص سے یہ فرمایا کہ جب کوئی چیز فرض ہو اور اس کی فرضیت منسوخ ہو تو اس کی ستیت یعنی اس کا مسنون ہونا باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ روزہ ایام میں اور عاشورہ کا ہے۔ یعنی یہ دونوں روزے پہلے فرض تھے جب اس کی فرضیت منسوخ ہوئی تو اس کا مسنون ہونا باقی رہ گیا ہے اور فرشتوں کو حکم ہوا تھا کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں تو یہ حکم ان پر فرض تھا۔ چنانچہ فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور اباحت اس کی باقی ہے۔ تو ایسے بندگوں نے جو ظاہر و باطن میں مقتدا تھے۔ یہ امر جائز رکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو سجدہ کیا جائے تو یہ مقام حیرت ہے اور یہ استدلال کیا ہے وہ ظاہر ہے۔

جواب : منتخب فتح العزیز میں ہے کہ شیخ عبد اللہ جدید الاسلام اس کو فارسی میں لکھتے ہیں اور کچھ عبارت اس کتاب سے نقل ہو کر خدمت سامی میں پہنچی ہے۔ اس کتاب میں قصہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تحقیق سجدہ غیر اللہ کی نہایت خوبی کے ساتھ مرقوم ہے اگر وہ کتاب اس وقت مل جائے گی۔ تو چند سطر اس کی لکھ کر بھیج دوں گا۔

اب یہ امر بیان کرتا ہوں کہ یہ بزرگان ایسے سجدہ کو کیوں جائز رکھتے تھے۔ نہایت تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوا ہے کہ ان بزرگوں کے اس فعل کی غایت تو جہہ صرف یہ ہے کہ یہ بزرگان سمجھتے تھے کہ سجدہ کی دو قسم ہے۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تحیت

سجدہ عبادت کو تو غیر خدا کے لئے کفر جانتے تھے۔ لیکن سجدہ تحیت کو غیر خدا کے لئے جائز قرار دیتے تھے اور باعتبار ظاہر کے تعظیم باطنی سجدہ عبادت میں بھی ہے۔ اور سجدہ تحیت میں بھی ہے تو فرق دونوں میں یہ ہے کہ عند الملاقات جو تحیت مسنونہ ثابت ہے۔ جب اس سے تعظیم و تکریم نہ اندر منظور ہوتی ہے۔ تو سجدہ کیا جاتا ہے تو وہ سجدہ سجدہ تحیت ہے۔ اور اگر رجال الغیب کا تقرب مقصود ہو اور منظور ہو کہ کیفیات نفسانیہ جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اور اس غرض سے سجدہ کیا جائے۔ تو وہ سجدہ عبادت ہے۔ جیسا کہ کفار رتبت کو سجدہ کرتے ہیں اور ملائکہ نے جو

سجدہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا تھا۔ وہ سجدہ سجدہ تحیت کے قسم سے تھا۔ چنانچہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور بعض مفسرین کا کلام یہ ہے کہ وہ سجدہ فی الواقع خدا کے لئے تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام صرف بطور قبلہ کے تھے۔ بہر حال حضرت آدم علیہ السلام سے فرشتوں کو تعظیم اسماء کی ہوئی۔ اور اس وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیم فرشتوں پر ثابت ہوا۔ اور اس حق کے عوض میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اور اس سجدہ سے آپ کی تحیت ادا کریں۔ تو امر دیگر متعلمین و مسترشدین کے لئے معلمین اور مرشدین کے حق میں بطریق اولیٰ ثابت ہوا اور یہ امر صرف ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ امر شریعت میں منسوخ ہے لہذا فرضیت سے سنت کی طرف منتقل ہوا۔ لیکن اس دلیل پر اعتراض ہے اور وہ ظاہر ہے اور اس سے یہ امر محض غلط ثابت ہوتا ہے چنانچہ امر آن صاحب نے بھی خود فرمایا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ ظاہر ایک دوسرا شبہ ہے کہ عبد الکیم جو قرآن کی تفسیر کلامی تصوف کے طور پر لکھی ہے۔ اس میں یہ شبہ سورہ یوسف کی تفسیر میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصول سے ثابت ہے کہ ہمارے قبل کی شریعت حجت ہے جب تک سابق شریعت کے کسی حکم کے بارے میں ثابت نہ ہو جائے۔ کہ وہ حکم ہماری شریعت میں منسوخ ہو گیا ہے اور سجدہ تحیت شریعت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے جائز تھا۔ اور یہ حکم اس نفس کتاب سے ثابت ہے۔ خروا والہ سبحانہ تو عبد الکیم بہر و گجراتی نے لکھا ہے کہ چاہیے کہ یہ امر ہماری شریعت میں بھی جائز ہو اور اس امر کے جواز کا ناسخ صرف خبر واحد ہے۔ یعنی اس حدیث سے حکم منسوخ ہوا ہے۔

لَوْ كُنْتُ إِهْدَا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْءَ أَنْ يَسْجُدَ لِرَبِّهِ فَإِنَّهَا وَلَكِنْ

لَا يَسْجُدُ إِلَّا لِلَّهِ

یعنی فرمایا "اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مجھ کو یہ حکم کرنا ہوتا تو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے لئے سجدہ کرے تو عورت کو میں حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے لیکن انسان کو سزاوار نہیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرے"

یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے اور یہ ضرور ہے کہ نفس کتاب کے لئے ناسخ جو خبر ہو وہ متواتر ہو خبر واحد نہ ہو اور باوجود اس کے یہ بھی احتمال ہے کہ اس خبر واحد میں جو حکم ہے وہ صرف اسی نظر سے صادر ہوا ہے کہ سجدہ تحیت کا سجدہ عبادت کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔ اس واسطے کہ لوگوں کے کفر کا زمانہ ابھی عنقریب گذر گیا تھا۔ اور فرشتوں کی عبادت کا خیال بھی بالکل زائل نہ ہوا تھا۔ اس وجہ سے مطلقاً غیر خدا کے لئے سجدہ سے منع فرمایا گیا۔ جیسا کہ ختم الفت سے منع کیا گیا۔

اور جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس بیان میں مراد غفلت ہے اور بالکل غلط ہے اس واسطے کہ اجماع قطعی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو سجدہ کرنا حرام ہے اور شک ہے۔

سوال : طعام المیت میت القلب : یعنی میت کا کھانا دل کو مڑو کر تباہ ہے۔ کیا یہ حدیث ہے اس

اور یم بہت ہے اور اس سے بزرگوں کے نام کے بارے میں سب ادبی ہوتی ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرقہ قبر میں چھوٹا طاق بنادیں اور اس میں شجرہ کا کاغذ رکھ دیں۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : جناب حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی رویت کے وقت جو کچھ طریقہ آنجناب کو مرحوم تحریر فرما کر رحمت ہوئے یا اس کا خلاصہ لکھو اگر عنایت ہو۔

جواب : حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رویت سے میں مشرف ہوا اور حضرت ممدوح کی بیعت سے ہوا۔ کچھ تذکرہ کے بعد فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں یعنی صحابہ کرام کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے تین طریقہ جاری تھے۔ اس سے دو طریقے موقوف ہو گئے یعنی نماز اور تلاوت قرآن حکیم کا طریقہ ارشاد فرمایا۔ نماز کا طریقہ یہ ہے کہ شغل کے ادا کیا جاتا ہے اس میں بہت طول اور تفصیل ہے۔ اور اس وقت اپنی اور لڑکی کی بیماری سے تشویش ہے لکھنا دشوار ہے۔ اور تلاوت قرآن حکیم کا طریقہ بتدی کے لئے یہ ہے کہ خیال کرے کہ میں پڑھتا ہوں اور خدا تعالیٰ سنتا ہے اور خیال کرے کہ رب العالمین کے حضور میں قرآن شریف پڑھتا ہوں اور جیسا شاگرد استاد کے سامنے پڑھتا ہے اور فہمی کے لئے طریقہ یہ ہے کہ خیال کرے کہ حق تعالیٰ پڑھتا ہے اور میں سنتا ہوں۔ اور یہ سبھی کہ میری زبان سے ادا ہوتے مگر اس کی عظمت اس طرح کہ ناچاہیئے کہ گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے اور میرا کان سنتا ہے اور یقین ہے کہ جب اس طرح خیال کیا جائیگا تو محبت کا غلبہ ہوگا۔ جیسا عاشق صادق کو دلولہ ہوتا ہے۔ جب بالمشافہ اپنے محبوب کا کلام سنتا ہے اور مدعا حاصل ہوگا۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : کس چیز کی برکت سے گناہوں سے نفرت ہوتی ہے اور اطاعت کی رغبت ہوتی ہے ؟

جواب : اس مقصد کے لئے یہ مفید ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ یہ کثرت سے پڑھیں اور لفظ اثبات کلمہ توحید کی اور اس کا ضرب شد و مد کے ساتھ قلب پر لگاتے رہیں اور قل اعوذ برب الفلقان قل اعوذ برب الناس صبح و شام پڑھا کریں۔ یعنی ان امور سے گناہ سے نفرت ہوتی ہے اور اطاعت کی رغبت ہوتی ہے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہونے کے لئے اور آنجناب سے مراد میں استمداد کرنے کے

لئے کوئی ترکیب ارشاد ہو کہ حقیر عمل میں لائے۔

جواب : حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کی ترکیب بروقت موجود نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نکال کر رکھی جائے گی۔

سوال : جب کسی شخص کو مرض الموت میں گمان ہو جائے کہ اب زندگی کی امید نہیں، دو ایک روز میں یا اس سے کچھ زیادہ دن میں فوت ہو جائے گا۔ تو اس وقت موت کے قبل جب تک مریض کا ہوش و حواس باقی ہے اس کو کیا کرنا چاہیئے۔ یا درہ مریض کو اس کی رفاہیت اور نجات کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔

جواب : جب مریض زندگی سے مایوس ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اب جلد موت ہو جائے گا

تو اس کے وارثوں کو چاہیئے کہ پہلے غسل یا وضو یا تیمم کے ذریعہ سے بخوبی پاک کریں اور اس کو چار پائی پر قبلہ ٹوٹا دیں۔ اور اس کے نزدیک شست و شو وغیرہ کر کے پاک صاف کر دیں اور اس کے نزدیک گلاب چھپکھیں اور عطر و خوشبو سے مسفر کریں اور دینا اور باقی ماندہ لوگوں کا ذکر و فکر اس کے سامنے موقوف کریں۔ اگر یہ وزاری مہر نہ کریں اور زن و فرزند وغیرہ اس کے متعلقین کو اس کے روبرو نہ کریں۔ اگر وہ خود یاد کرے تو دو ایک مرتبہ ان لوگوں کو اس کے سامنے لے آویں اور اس کے سامنے ہمیشہ کلمہ اور استغفار بلند آواز میں پڑھتے رہیں، تاکہ خود اس کو یاد آجائے اور وہ بھی پڑھے۔ اور اس کو تاکید کرے کہ اگر وہ استغفار پڑھو بلکہ خود وقتاً فوقتاً کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھا کریں تاکہ اس کو یاد آئے اور قبر کی سختی اور حسرتا بہت اور آخرت کی شدت اس کے سامنے ذکر نہ کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا ذکر کریں اور گناہوں کی بخشش کا تذکرہ کریں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت کا ذکر کریں کہ قلیل اعمال بھی قبول ہو جاتا ہے اور ارواح صالحین خصوصاً شاخ اور پیران طریقت کا تذکرہ اس کے روبرو کریں اور وہ امور ذکر کریں کہ اس سے گنہگاروں کے گناہ زائل ہوتے ہیں بلکہ خوف پر اس کی امید غالب ہو۔ اور وہ جو کچھ وصیت کرے۔ وہ خوش دلی سے قبول کریں۔ اور ضامن ہو جائیں کہ یہ وصیت ضرور ضرور سچا لائیں گے۔ تاکہ اس کا دل متروقد نہ ہو۔ اور اس کے روبرو سورہ یونس اور سورہ احمد اور سورہ قل ہو اللہ احد پڑھیں اور گاہ گاہ سورتیں اور آیات قرآنی پڑھا کریں۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : زیارت قبول کی ترکیب ارشاد ہو

جواب : جب عوام مؤمنین کی قبر کی زیارت کے لئے جائیں۔ تو پہلے قبلہ کی طرف پشت کر کے اور بیت

الکعبہ کے سامنے منہ کر کے اور سورہ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورہ قل ہو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے۔ اور جب مقبرہ میں جائے تو کہے :-

اَسْلَمَ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ وَارِنَا اِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ وَالْحَقُّونَ۔ ترجمہ : یعنی سلام ہے تم لوگوں پر اے اہل دیار مؤمنین اور مسلمین سے بخشش فرمائے

اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں

اور اگر مجملہ اولیاء اور صلحاء کے کسی بزرگ کی قبر کی زیارت کے لئے جائے تو چاہیئے کہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور اکیس مرتبہ چار ضرب سے پڑھے :-

سُبُّوحٌ قَدُّوسٌ دَبُّتَا وَرَبُّ السَّلَامَةِ وَالسَّوْحِ

اور سورہ انا انزلناہ فی لیلة القدر تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کر کے اور دل کو اس بزرگ کے

سینہ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کے رُوح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچیں گے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : یہ دریافت کرنے کی ترکیب ارشاد ہو کہ صاحب قبر کامل ہے یا نہیں اور جب صاحب قبر کامل ہو تو اس سے استمداد کس طرح حاصل کرنا چاہیئے۔

فتاویٰ غزنوی

سوال : بوقت چاشت نماز پڑھیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کریں اور

ع	ز	ی	ز
ز	ی	ز	ع
ی	ز	ع	ز
ز	ع	ز	ی

سوال : فراغت رزق کے لئے کوئی ترکیب ارشاد ہو۔

جواب : بوقت چاشت چار رکعت نماز پڑھیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کریں اور

پھر ایک سو چار مرتبہ یا دعائیں پڑھیں۔ اور اگر فرصت نہ ہو تو صرف پچاس مرتبہ پڑھیں اور یہ بھی مجرب ہے کہ کسی وقت میں سورۃ واقعہ دو مرتبہ پڑھیں۔ ایک مرتبہ مغرب کے بعد پڑھیں اور ایک مرتبہ عشاء کے بعد پڑھیں اور سورۃ ناس کا پڑھنا بھی بہت مفید ہے۔ اور اگر زیادہ فرصت نہ ہو تو سات مرتبہ پڑھیں۔ اور اگر اس قدر بھی فرصت نہ ہو تو ایک مرتبہ پڑھیں۔ لیکن جب اس آیت پر پہنچیں :-

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا تَوْحِيدًا لِلَّهِ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ پچیس مرتبہ پڑھیں۔ پھر اس کے بعد سورہ کو تمام کریں۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : ادائے قرض کے لئے ترکیب ارشاد ہو۔

جواب : ادائے قرض کے لئے جو دعاء مشہور ہے۔ اس کو نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھنا مجرب ہے

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْكَسَلِ وَالْخُلْفِ وَالْجُبْنِ وَالْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الزَّجَالِ اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحِلَالِكَ عَنْ حَوَائِجِكَ وَأَعِزَّنِي بِفَضْلِكَ عَنْ مَنْ سِوَاكَ۔

ترجمہ : یعنی اے پروردگار میں پناہ مانگتا ہوں تیری درگاہ میں رنج اور غم سے اور پناہ مانگتا ہوں میں تیری درگاہ میں ناتوانی اور مستی سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری درگاہ میں بددلی اور بخل سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری درگاہ میں غلبہ سے دین کے اور لوگوں کے قہر سے۔ اور اے پروردگار تو مجھے نیاز فرما سے اپنے حلال کے ذریعے سے اور بے نیاز فرما سے تو مجھ کو اپنے فضل کے ذریعے سے غیروں سے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : سب آفات، بلیات اور مکر و ہمت دنیاوی سے محفوظ رہنے کے لئے ترکیب ارشاد ہو۔

جواب : تینتیس ۳۳ آیت شام کے بعد پڑھنا چاہیئے اور یا حنیف دو ہزار مرتبہ پڑھنا چاہیئے

جواب : اہل قبور سے بعض بزرگ کمال میں مشہور ہیں اور ان کا کمال متواتر طور پر ثابت ہوا ہے۔ ان بزرگوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی قبر کے سر ملنے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورۃ فاتحہ مغلون تک پڑھے۔ پھر قبر کے پائتانہ کی طرف جائے اور امن الرسول آخر سورۃ تک پڑھے اور زبان سے کہے کہ اے میرے حضرات فلاں کام کے لئے درگاہ الہی میں دعا اور التجا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعا کریں اور سفارش کے ذریعہ سے میری مدد کریں۔ پھر قبلہ کی طرف منکر کے اپنی حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرے اور وہ صاحبان قبر کا کمال معلوم نہیں اور ان کا کمال مشہور نہ ہوا۔ اور متواتر طور پر معلوم نہ ہوا تو ان کا کمال معلوم کرنے کے لئے طریقہ یہ ہے کہ اوپر ترکیب زیارت مشہور کے بیان میں جو اولیاء کرام اور صالحین غلام کی قبر کی زیارت کا طریقہ لکھا ہے۔ وہی عمل میں لے آئے اور فاتحہ اور درود اور ذکر سورج کے ساتھ جب اپنا دل صبر و تحمل کے ساتھ کرے تو اگر اپنے دل میں راحت اور تسکین اور نور معلوم ہو تو جانا چاہیئے کہ یہ قبر کسی بزرگ صاحب کمال کی ہے۔ لیکن استمداد اولیاء مشہورین سے کرنا چاہیئے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : حالات آئندہ دریافت کرنے کے لئے استخارہ وغیرہ کی ترکیب ارشاد ہو؟

جواب : استخارہ کی ترکیب مشہور ہے اور قول جمیل میں مذکور ہے۔ اور آسان طریقہ یہ ہے کہ شب چہارشنبہ اور پانچ شبہ اور جمعہ میں برابر استخارہ اس ترکیب سے کرے کہ جب دنیاوی امور اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو جائے۔ تو بسم اللہ الرحمن الرحیم تین سو مرتبہ پڑھے۔ پھر الم نشرح بسم اللہ کے ساتھ سترہ مرتبہ پڑھے اور اپنے سینہ اور منہ پر دم کرے اور درگاہ الہی میں دعا کرے کہ اے عالم الغیب فلاں امر میں جو کچھ ہونے والا ہے۔ وہ خواب یا بیداری میں ہاتھ کے ذریعہ سے مجھ کو تو معلوم کر دے اور اس کے بعد سو مرتبہ یہ درود شریف پڑھے :-

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِمَدَدِكِ كُلِّ مَعْلُومٍ لَكَ

اور اگر چاہے تو دعا و استخارہ کہ حدیث شریف میں آئی ہے مع استخارہ اپنے مطلب کے تین مرتبہ پڑھے اور اپنے دل کی حالت پر لحاظ کرے تو اگر مصمم عزم اس کام کا ہو جائے۔ تو وہ کام شروع کرے اور اگر عزم میں فتور ہو تو موقوف رکھے اور استخارہ کی دعا مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔

سوال : آبرو و حرمت محفوظ رہنے کے لئے ترکیب ارشاد ہو

جواب : یا عَزِيزُ اکمالیس مرتبہ بوقت صبح پڑھے اور اپنے منہ پر دم کرے اور جب دربار میں صاحبان حکومت کے سامنے جانا منظور ہو تو اس وقت بھی یہ ترکیب مفید ہوتی ہے اور یہ مجرب ہے اور یہ ترکیب بھی مجرب ہے کہ چاندی کی انگوٹھی ہو اور اس کا نیکنہ بھی چاندی کا ہو۔ اور اس کے نیکنہ پر یہ اسم یعنی یا عَزِيزُ بوقت شرف نمونہ کر دے اور شرف قمر کا وقت ہر مہینہ میں ہوتا ہے اور اہل نجوم سے اس کی تحقیق ہو سکتی ہے اور اس انگوٹھی میں عطر لگا کر احتیاط سے رکھ دے اور جب دربار میں حکام کے سامنے جانا منظور ہو۔ تو اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہن کر جائے اور ایسا ہی جب عدالت اور کچہری میں جانا ہو تو اس وقت کے لئے بھی مفید ہے اور مجرب ہے اور شکل مریح یہ ہے

یہ ترجمہ دعا مذکورہ کا ہے اور اس دعا کے بعد یہ کہے :-

اللہم یسبحہم دست و پاؤں و زبان و گوش و ہوش کسانیک مارا بدخواہند و بد ارادہ کنند از دوزان و ریزان و عیاران و ظالمان و اشرار خلق از دوزندگان و گزندگان و چرندگان و پزندگان بالعت الف لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

یعنی اے پروردگار ! باندھائیں نے ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور گوش اور ہوش ان کا کہ وہ ہماری برائی چاہیں۔ اور ہمارے حق میں بدعتی کریں جو چورا اور ڈکوا اور عیار اور ظالم لوگوں سے ہوں اور شریر خلق و زندہ جانوروں سے ہوں اور جو کائنات کے ولے جانوروں سے ہوں اور جو شریر خلق چرندوں کو پرندوں سے ہوں اور باندھائیں ان سبھوں کے ہاتھ و غیرہ کو۔ ہزار ہزار لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سے اور درود بھیجے اللہ تعالیٰ اپنے بہترین خلق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب آل اور اصحاب پر۔

اور یہ حصار پڑھنے کے بعد تین مرتبہ دستک مالکے اور روانہ ہو اور سواری پر پہنچے اپنا ہاتھ دھوا رکھے اور خطرہ کی جھجک جو دلوں یا حقیقتاً نوسواٹھا نوسے مرتبہ پڑھے اور اپنی جان و مال اور ساتھیوں پر دم کرے اور سورۃ الایلاف قریش اکثر پڑھا کرے۔ اس کا لحاظ ضرور نہیں کہ با وضو ہو اور یہ بھی ضرور نہیں کہ خامس کر کے پڑھا اور قبلہ رو ہو کر پڑھے (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : دنیاوی دشمنوں کی شرارت دفع کرنے کے لئے جو ترکیب ارشاد ہو۔ خاکسار عمل میں لائے
جواب : دنیاوی دشمنوں کی شرارت دفع کرنے کے لئے یہ دعا مجرب ہے۔ اس کو گاہ بگاہ پڑھا کرے۔ آمین قید پلہارت اور عدد اور دیگر شرائط کی نہیں اور اس کی مداومت ہے۔ وہ دعا یہ ہے :-

اللہم انا بنحمتک فی تحوہم و نعوذ بک من شدوہم

یعنی اے پروردگار تحقیق کہ گردانتے ہیں ہم تجھ کو ان کے نخود میں یعنی ان کی شرارت دفع ہونے کے لئے تجھ سے مدد چاہتے اور پناہ چاہتے ہیں تیری درگاہ میں ان کی شرارتوں سے
اور سورۃ تبت ید الی لہب اور سورۃ الم ترکیب فعل ربک کا پڑھنا بھی دفع اعداء کے لئے مجرب ہے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : آسیب اور جادو کے دفع ہونے کی ترکیب عنایت ہو۔

جواب : آسیب زدہ کے لئے یہ عمل مفید ہے کہ کڑوا تیل یعنی سرسوں کا تیل تانے کے ہتھ میں رکھے اور چھوڑے مرتبہ آیت قطب پڑھے اور ہر مرتبہ اس تیل پر دم کرے اور آیت قطب یہ ہے ۔

لَعَنَّا اَنْتَ عَلَیْکُمْ مَنْ اَمَدَ الْعَمَامَةُ نَعَسَا یَعْنٰی طَائِفَةٌ مِنْکُمْ وَ طَائِفَةٌ اَمَسَتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنُّ الْجَاهِلِیَّةِ - یَقُولُوْنَ هَلْ لَنَا مِنْ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ وَّ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّہٗ لِلّٰهِ لَیُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا یُخْفُوْنَ لَکَ مَا یَقُولُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَا قَاتَلْنَا هٰہُنَا۔ قُلْ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ مِیوْتٍ لَّکُمْ لَبَرٌ اَلَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْہِمْ الْقَتْلُ اَلِیْ مَضَاجِعِہُمْ۔ وَلَیْسَ لِلّٰهِ مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلَیْجُصَّ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَّ لِلّٰهِ عَلَیْہُمْ کِبٰرَاتُ الصُّلَحٰہِ

یہ آیت پارہ لن تالو البر میں ہے اور سورۃ ال عمران ہے۔ پھر وہ آسیب زدہ کے تمام بدن میں اس طرح مالش کیا جائے کہ ایک بال کی جگہ بھی باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ خیال رکھا جائے کہ تیل زمین پر نہ نکھا جائے اور اس تیل میں ہاتھ نہ ڈالا جائے یعنی برتن میں سے وہ تیل مثلاً چمچ سے نکال کر ہاتھ میں مالش کے واسطے لے کر یا برتن سے ہاتھ پر گرا دیا جائے اور جو شخص پہلے دن تیل لگائے وہی ہر روز مالش کرے اور کوئی ایک وقت مقرر کر لیا جائے۔ اسی وقت ہر روز مالش کرے انشاء اللہ تعالیٰ آسیب دفع ہو جائیگا

جادو کو دفع کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ دریا کا پانی یا کوئی دوسرا جاری پانی گھڑے میں ملگایا جائے اور سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور سورۃ قل اعوذ برب الناس اور جادو دفع کرنے کی آیتیں لکھ کر اس گھڑے میں ڈال دیا جائے۔ جادو کو دفع کرنے کی آیتیں یہ ہیں :-

دَفْعُ الْحَقِّ وَ بَطْلُ مَا كَانَتْ اَعْمَلُونَ ج فَخَلَبُوا هٰذَا لَكَ وَ اَنْفَلَبُوا لِمَغْرِبِہٖ
وَالْحَقُّ الشَّحَدَةُ لِحَدِیْہٖ ۛ قَالُوا اَمَّا بَرِّ الْعَلَمِیْنَ لَا رَبَّ مُوسٰی وَ هٰذُوْنَا
فَلَمَّا الْقَوَا اَمَّا لِمُوسٰی مَا جِئْتُمْ بِہِ السَّحَرٰطُ اِنَّ اللّٰہَ سَیَبْطِلُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا
یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۛ وَ یُحِیُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمَاتِہٖ وَلَوْ کَذٰلَ الْمُجْرِمُوْنَ ۛ
اِنَّمَا صَنَعُوا اَیْدِیْہُمْ سَحَرًا وَّ لَا یَفْلِحُ السَّحَرُ حٰثِیْتُ اٰتِیْہٖ

پھر جس پر جادو کا اثر ہو اس پانی سے کچھ اس کو پلا یا جائے اور اس پانی سے اس کا ہاتھ پاؤں دھلایا جائے اور ہر مرتبہ اس پانی سے غسل کر لیا جائے۔ یہ عمل یکشنبہ یعنی اتوار کے دن کرے۔ ایسا ہی چند مرتبہ اتوار کے دن عمل کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جادو کا اثر دفع ہو جائے گا۔

سوال : سرود و غنا دف کے ساتھ کیسا ہے ؟

جواب : سرود و غنا یعنی راگ کہ جو دف کے ساتھ ہو، روایات حنفیہ اس بارے میں مختلف ہیں، ارجح واقویٰ یہ روایت ہے۔ جو دلائل سے ثابت ہے اور احادیث کثیرہ کے مطابق ہے اور وہ احادیث کتب معتبرہ میں مشہور ہیں کہ سرود و غنا یعنی راگ جو بلا مزامیر ہو مباح ہے۔ اور دف مزامیر سے مستثنیٰ ہے اس

واسطے کہ وہ کائناتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات صحیحہ سے ثابت ہے تو عالم محقق کو چاہیے کہ ان روایات کے موافق فتویٰ دے اور بزرگانِ چشمتہ نے سماعِ غنا کا اسی طور پر فرمایا ہے کہ وہ غنا بلا مزامیر و آلات ہوتا تھا۔ شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے:-

قيد حرمة التغني بما اذا كان في اللفظ ما لا يحل كصفة المذكر والمرأة المغنية الحسنة ووصف الخمر المهيبة اليها والمسرقيات والخانيات وهجاء مسلم اذ هي لا اذا اراد انشاء والشعر للاستشهاد او ليتعلم فصاحته وبلاغته نعم اذا قيل ذلك على الملاهي منع وان كان مواعظ وحكما لا لان تنزيها لا لذلك التغني انتهى.

یعنی صرف وہ غنا حرام ہے جس میں الفاظ ناجائز نہ ہوں۔ مثلاً ناجائز تعریف مرد کی ہو۔ یا تعریف گانہ دار والی حسینہ کی ہو یا تعریف شراب کی ہو جو برا بیگنہ کرتی ہے عورت مذکورہ کے جانب۔ یا تعریف زنان بُت خانہ کی ہو۔ یا بیان مادہ جانور کا ہو جو بحالتِ شہوت ہوتی ہے۔ یا جو مسلمان یا کافر ذمی کی ہو تو وہ غنا حرام ہے اور حرام نہیں کہ شعر پڑھا جائے کسی مدعا کی دلیل میں۔ اور یہ حرام نہیں کہ شعر پڑھا جائے بغرض سیکھنے فصاحت اور بلاغت کے۔ البتہ منع شعر پڑھنا بغرض ہو و لعب کے اگرچہ اسمیں فصاحت ہو اور حکمت ہو۔ آلات تغنی کی نہ نفس تغنی کی۔ یہ مضمون شیخ ابن ہمام کی عبارت مذکورہ کا ہے اور مغنی شرح کنز الدقائق میں لکھا ہے:-

واختلفوا في التغني المجرد قال بعضهم انه حرام مطلقا ومنهم من قال بجواز التغني لدفع الوحشة اذ كان وحده ولا يكون على سبيل اللهو واليه مال السرخسي انتهى

یعنی اختلاف ہے غنا بلا مزامیر میں۔ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ غنا بلا مزامیر بھی حرام ہے مطلقاً اور بعض علماء کا قول ہے کہ اس غنا میں مضائقہ نہیں جو قافیہ معلوم ہونے کی غرض سے ہو یا یہ مقصود ہو کہ فصاحت حاصل ہو۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ وہ غنا جائز ہے جو دفعِ وحشت کے لئے ہو۔ تنہائی میں ہو کوئی دوسرا نہ ہو۔ اور بعض لوہو لعب کے بھی نہ ہو۔ اسی طرح میلان ہے علامہ سرخسی رحمہ کا۔ یہ مضمون مغنی شرح کنز الدقائق کی عبارت مذکورہ کا ہے اور بدائع میں یہ لکھا ہے:-

والسماع في اوقات السور وتلك السور هي جالء مباح اذا كان ذلك السور مباحا كالغناء في ايام العيد وفي العرس وفي وقت قدوم الغائب ووقت الوليمة والعقيقة وعند ولادة الولد وعند ختانه وعند حفظ القرآن انتهى.

یعنی سماعِ مباح ہے جو وقتِ خوشی ہو یا خیالِ زیادتی سرور کے بشرطیکہ وہ خوشی مباح ہو۔ مثلاً غنا جائز ہے

ایامِ عید میں اور شادی میں اور بوقت آنے کسی شخص کے غیر جگہ سے اور بوقتِ طعام ولیمہ اور عقیقہ میں اور بوقتِ ولادت بچے کے اور غنیمت میں اور بوقتِ خوشی حفظِ قرآن شریف کے یعنی ان اوقات میں غنا جائز ہے۔ یہ مضمون بدائع کی عبارت مذکورہ کا ہے۔

سوال: غنا یعنی راگ سننے کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نزدیک کیا حکم ہے اور اہل سنت سے کسی نے اس کے جواز کا حکم دیا ہے۔ یا نہیں۔

جواب: غنا یعنی راگ سننا کہ بلا مزامیر و آلات ہو کہ ہو۔ اس بارہ میں مذہبِ حنفی میں دو باتیں ملتیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔ اور دُف بھی جائز ہے اور اکثر احادیث سے ان روایات کی تائید ہوتی ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن ہمام رحمہ نے لکھا ہے:-

قيد حرمة التغني بما اذا كان في اللفظ ما لا يحل كصفة المذكر والمرأة المغنية الحسنة ووصف الخمر المهيبة اليها والمريدات والخانيات وهجاء مسلم اذ هي لا اذا اراد انشاء الشعر للاستشهاد او ليتعلم فصاحته وبلاغته نعم اذا قيل ذلك على الملاهي منع وان كان مواعظ وحكما لا لان تنزيها لا لذلك التغني انتهى

یعنی گانہ سننا اس وقت حرام ہے جب اسمیں ناجائز لفظ ہو۔ مثلاً ناجائز صفت مرد کی ہو یا صفت گانہ دار والی حسینہ عورت کی ہو۔ یا تعریف شراب کی ہو کہ اس سے اس عورت کی رغبت ہو یا صفت زنانہ کی ہو یا صفت فاضلہ کی ہو۔ یا مسلمان یا کافر ذمی کی ہو جو ہو۔ مگر جب شعر پڑھنے سے کوئی مدعا ثابت نہ کرنا مقصود ہو یا فصاحت و بلاغت سیکھنے کی غرض ہو تو شعر پڑھنا منع نہیں۔ البتہ جب اس سے لوہو لعب مقصود ہو تو منع ہے اگرچہ اس میں کوئی فصاحت ہو اور حکمت کی بات ہو اور صرف اس تاثر کی غرض سے پڑھا جائے تو منع نہیں اور یہی حکم اس گانے کے بارے میں بھی ہے جو طعام ولیمہ کے وقت ہو۔ یا عقیقہ کے وقت ہو۔ یا لڑکے کی پیدائش کے وقت ہو یا دوسری جگہ سے کسی شخص کے آنے کے وقت ہو یا یلی میں لکھا ہے:-

اختلفوا في التغني المجرد قال بعضهم انه حرام مطلقا ومنهم من قال بجواز التغني لاداء لا بأس بالتغني ليعيد لهم القوافي والفصاحة ومنهم من قال بجواز التغني لدفع الوحشة اذ كان وحده ولا يكون على سبيل اللهو وقال السرخسي في البدائع والسماع في اوقات السور وتلك السور هي جالء مباح ان كان ذلك السور مباحا كالغناء في ايام العيد وفي العرس وفي وقت قدوم الغائب ووقت الوليمة والعقيقة وعند ولادة الولد وعند ختانه وعند حفظ القرآن

یعنی اختلاف ہے راگ کے بارہ میں کہ بلا مزامیر وغیرہ کسی امر ناجائز کے ہو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ راگ ہر حال

میں حرام ہے بعض علماء کا قول ہے کہ ہمیں کچھ قباحت نہیں کہ شعر اس غرض سے پڑھا جائے کہ تافہ معلوم ہو۔ فصاحت حاصل ہو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ گانا و نفع و حشمت کے لئے تنائی میں جائز ہے بشرطیکہ لہو و لعبہ طور پر نہ ہو۔

علامہ سرخسی رحمہ نے باریع میں لکھا ہے کہ راگ سنا خوشی کی حالت میں اس غرض سے کہ سرور دنیا ہو مباح ہے اگر خوشی مباح ہو مثلاً :-

گانا جو ایام عید میں ہو اور ایسا ہی وہ گانا بھی جو شادی میں ہو اور اس وقت ہو جب غیر جگہ سے کوئی شخص آئے اور جو طعام ولیمہ کے وقت ہو اور جو گانا لڑکے کی پیدائش کے وقت اور ختنہ کے وقت ہو اور قرآن شریف کا حافظ ہو جانے کے وقت ہو۔ یعنی یہ سب جائز ہے۔ (ماخوذ از رسالہ عشرہ شاہ بخارا)

سوال : سرود یعنی راگ کا شغل قبر پر جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : جب سرود یعنی راگ کا شغل مزامیر اور آلات لہو کے ساتھ ہو تو منع اور حرام ہے قبر کے پاس ہو یا دوسری جگہ پر۔ مزامیر اور آلات لہو کی حرمت کتب حدیث و فقہ میں نہایت مشرح و مبطلہ ساتھ مذکور ہے البتہ جب صرف راگ ہو یا دف کے ساتھ ہو تو جائز ہے بشرطیکہ قبر کے پاس نہ ہو اور اگر قبر کے پاس ہو تو بدعت ہے اس سے پرہیز چاہیے۔

رسالہ غناء

سوال : غنا کی حلت و حرمت کی تشریح فرمائیے ؟

جواب : غنا کی حرمت کلام خدا و احادیث سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَجْوَىٰ الْحَيْثُ لِيُبَيِّلَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

یعنی "اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو خرید کر تا ہے یعنی اختیار کرتا ہے لہو و حدیث کو تاکہ بہکائے اللہ تعالیٰ کی راہ سے"۔

معالم میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن اور

مکرر اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے کہ لہو و احادیث سے مراد غنا و مزامیر و آلات لہو مثلاً رباب وغیرہ ہے مدارک میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما قسم کھا کر کہتے تھے کہ لہو و احادیث

سے مراد غنا ہے۔ دارالمعانی میں لکھا ہے کہ لہو و احادیث غنا و مزامیر ہے اور کشف میں مذکور ہے کہ لہو و احادیث لہو و غنا و تعلیم موسیقیات کے ہے اور مخنی میں لکھا ہے کہ لہو و احادیث غنا اور حرام ہے اس کی حرمت اس شخص سے یعنی آیت مذکورہ سے ثابت ہے اور جو شخص اس کو حلال جانے وہ کافر ہے۔ اور تفسیر تعلیمی میں لکھا ہے کہ لہو و احادیث سے مراد غنا اور سجانا بربط اور دف اور ستار اور طنبورہ کا ہے۔ یہ سب اس شخص سے یعنی آیت مذکورہ سے حرام ہے جو شخص ان چیزوں کو حلال جانے وہ کافر ہے۔ اور یہ آیت کریمہ ان چیزوں کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے غنا کو ساتھ لہو و احادیث کے مستحکم کیا۔ اور غنا کی تعبیر ساتھ لہو و احادیث کے کی اور لہو و احادیث کے حرام ہے۔ (اقسام ثلاثہ کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا) اور یہ حرمت قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بطریق توحیح کے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَن تُخَلِّقُوا كَمَا خَلَقَ رَبُّكُمْ

"یعنی کیا تم لوگوں نے کہ پیدا کیا ہم نے تم لوگوں کو بطور عبث کے"

یعنی کیا ہم نے یہ فعل عبث کیا ہے اور اس سے ہم کو لہو و لعب مقصود ہے

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ شَيْءٍ يَلْهَوِيهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ إِلَّا وَجْهَهُ بِمَقْصُودِهِ وَتَادِيَهُ

فَرَسُهُ وَمَلَاعِبَتُهُ أَمْرًا تَهْوانُهُ وَانْهَنَ مِنْ الْحَقِّ رَوَاةُ التِّرْمِذِيِّ وَابْنُ مَاجَةَ

والله اعلم :

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چیز بنظر لہو یعنی بطور کھیل کے کوئی مرد کرے تو وہ باطل ہے

مگر تیر اندازی۔ اور پھیرنا یعنی سکھانا اپنے گھوڑے کو اور باہم کھیل کرنا اپنی عورت کے ساتھ اور یعنی یہ

تین قسم کے کھیل حق ہیں۔ یعنی جائز ہیں۔ روایت کی اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی نے۔

اور اباجیہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ حرمت غنا پر مطلقاً یعنی ہر حال میں دلالت نہیں

کرتی۔ اس واسطے کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ غنا اس وقت حرام ہے جب بطریق لہو کے ہو۔

اور جب غنا بطریق لہو کے نہ ہو تو وہ حرام نہیں۔ تو اباجیہ کی جماعت کا قول باطل ہے۔ اس واسطے کہ جب لہو و احادیث

تفسیر غنا کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا یعنی لہو و احادیث منفرستے اور غنا منفرستے اور غنا لہو و احادیث سے تو تفسیر غنا کے ساتھ

منفرستے اس کے کچھ معنی نہیں اور ایسا ہی اس جماعت اباجیہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ظاہر آیت کریمہ سے تفسیر ثابت

ہوتی ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ غنا مطلقاً یعنی ہر حال میں حرام نہیں بلکہ اس وقت حرام ہے جب کہ باعث

اضلال ہو۔ یعنی اس سے گمراہ کرنا منظور ہو۔ تو اباجیہ کا یہ قول بجا طیل ہے۔ اس واسطے کہ جب ثابت ہوا کہ غنا

لہو و احادیث ہے۔ تو حرمت اس کی ثابت ہو گئی اور تفسیر باضلال جو جماعت اباجیہ کے اس وہم و خیال باطل کا

منشا ہے وہ تقلید قسم سے اس تقلید کے ہے جو ان احادیث میں وارد ہے۔

وَمُحَمَّدٌ فِي الْحَرَمِ وَأَنْ تُدْنِي حَلِيلَةَ جَارِكَ

یعنی اور دین سے برگشتہ ہونے والا حرم شریف میں اور زنا کرنا اپنے ہمسایہ کی عورت سے۔

تو اتحاد یعنی دین سے پھر جانا حرم میں زیادہ بڑا ہے اور زنا مطلقاً حرام ہے ہر حال میں، لیکن ہمسایہ کے ساتھ بہت بڑا ہے اور آیت کریمہ مذکور میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نہایت مذمت فرمائی ہے جن لوگوں نے بہو الحدیث کو کہ فی نفسہ حرام ہے گمراہ کرتے کے لئے اختیار کیا ہے۔ تو اس آیت کریمہ سے اصل کی اباحت ثابت نہیں ہوتی۔

وَفِي الْفَتَاوَى الْعَالَمِيَّةِ عَنْ جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى قَالَ السَّمَاعُ وَالْقَوَالُ وَالرَفْعُ الَّذِي يَعْمَلُهُ الْمُتَوَقِّفَةُ فِي تَرَمَّزِنَا حَرَامٌ لِأَجْلِ الْقَصْدِ إِلَيْهِ وَالْجُلُوسِ عَلَيْهِ وَهُوَ الْفِتْنَةُ وَالزَّامِي سَوَاءٌ

یعنی فتاویٰ عالمگیری میں منقول ہے جو اہر الفتاویٰ سے کہ سماع اور قول اور وجہ جو معمول کیا ہے ہمارے زمانہ کے صوفیاء نے وہ حرام ہے۔ اس کا قصد نہ کرنا چاہیے۔ اور نہ وہاں بیٹھنا چاہیے۔ اور صوفیاء کا یہ فعل اور غنا اور مزامیر سب حرام ہے۔

اور ابن ابی الدنیا اور سیبھی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللَّهُ الْمُتَغَنِّيَّ وَالْمُغَنِّيَّ لَهُ

یعنی لعنت کی اللہ تعالیٰ نے گانے والے پر اور اس پر جس نے گانے کا یا جائے

اور طبرانی اور طیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے غنا سے اور اس کے سننے سے اور سنن الہدیٰ میں ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔

فَهِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِتْنَةِ

یعنی منع فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے غنا سے اور سننے سے غنا کے۔

اور مفتی میں مذکور ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

الْفِتْنَةُ يَنْبَغِي النَّفَاقُ كَمَا يَنْبَغِي الْمَاءُ النَّجَسَاتُ

یعنی غنا کا آبے نفاق کو۔ یعنی پیدا کرتا ہے نفاق کو جیسے اگا آبے پانی گھاس کو۔

اور اچھا العلوم میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:-

أَذْهَبَ الْإِسْلَامُ اللَّهُمَّ وَالْبَا جِلَّ وَالْفِتْنَةُ

یعنی لے گیا اسلام یعنی باطل کر دیا اسلام نے بہو اور باطل اور غنا کو

طبرانی نے حضرت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

الْفِتْنَةُ سَخَطٌ وَعِثَانٌ حَرَامٌ

یعنی لڑائی گانے والی سبب غضب ہے اور اس کا غنا یعنی گانا حرام ہے۔

اور سیبھی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

الْفِتْنَةُ يَنْبَغِي النَّفَاقُ كَمَا يَنْبَغِي الْمَاءُ النَّجَسَاتُ

یعنی غنا جاتا ہے نفاق کو جیسا کہ جاتا ہے پانی یعنی اگا آبے زرعت کو۔

اور حقائق میں لکھا ہے کہ:-

بُحْتَةُ الْفِتْنَةِ وَالْإِسْتِجَاعُ إِلَيْهِ مَعْصِيَةٌ

یعنی نفس غنا اور اس کا سننا گناہ ہے۔

اور مضمرات میں لکھا ہے:-

مَنْ أَبَاحَ الْفِتْنَةَ يَكُونُ فَاسِقًا

یعنی جس نے مباح کہا غنا کو یعنی راگ کو وہ فاسق ہے۔

اور اختیار میں لکھا ہے:-

أَنَّهُ كَبِيرَةٌ فِي جَمِيعِ الْأَدْيَانِ

یعنی غنا کبیرہ گناہ ہے ہر دین میں۔

اور محیط میں لکھا ہے:-

الشَّفَقُ وَالْتَفَنُّقُ وَالْإِسْتِجَاعُ كُلُّ ذَلِكَ حَرَامٌ وَمُسْتَحَالٌ كَانَد

یعنی گانا اور نالی بجانا اور یہ دونوں سننا یعنی گانے اور نالی کا ہوا زسننا یہ سب حرام ہے اور ان

دونوں امر کو جو حلال کہے وہ کافر ہے۔

اور اختیار الفتاویٰ میں لکھا ہے:-

وَيَكْرَهُ التَّرْجِيعُ بِقَرَأَةِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ وَالِاسْتِجَاعُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ بِفَعْلِ الْفُسْقَةِ

حَالِ فُسْقَتِهِمْ وَهُوَ الشَّخْفُ

یعنی کمرہ ہے ترجیع قراءۃ میں قرآن کریم کی اور سننا ترجیع کا اس واسطے کہ اسمیں مشابہت پائی جاتی

ہے (آواز پھرنا حلق میں) ساتھ فعل فاسقوں کے جو وہ بحالت فسق کرتے ہیں۔ اور وہ فعل

تغنی یعنی گانا ہے۔

اور فتاویٰ سیبھی میں لکھا ہے:-

التغنی واستجماعة وضرب الدف وجميع انواع الملاهي حرام ومستحلها
كافروهمدي الله تعالى الزهاد والجهلة الذين استلوا به خير
عليهم الكفر

یعنی "راگ اور سننا اس کا اذوت بجانا اور کھیل ہر طرح کا حرام ہے اور جو ان چیزوں کو حلال کہے
وہ کافر ہے۔ ہدایت کرے اللہ تعالیٰ پر مہیز گاؤں کو اور وہ جہاں کہ غنا میں مبتلا ہیں ان کے حق
میں کفر کا خوف ہے۔

اور جامع الفتاویٰ میں لکھا ہے :-

استماع الملاهي والجلوس عليها وضرب المزامير والرقص كلها حرام
ومستحلها كافرو

یعنی "ہو و لعب کا کلام سننا اور لوٹن بیٹھنا اور مزامیر بجانا اور رقص کرنا یہ سب حرام ہے اور
جو شخص ان چیزوں کو حلال کہے وہ کافر ہے۔

اور حمادیہ میں نافع سے منقول ہے :-

اعلم ان التغنی حرام في جميع الاديان

یعنی جاننا چاہیے کہ گانا ہر دین میں حرام ہے۔

اور نہایہ میں لکھا ہے :-

التغنی والطبوع والربط والدف وما يشبه ذلك كل ذلك حرام ومعصية
بقوله تعالى : ومن الناس من يشتري لهو الحديث

یعنی گانا اور طنز اور ربط اور دف جو اس کے مانند ہیں وہ سب حرام ہیں اور گناہ ہے۔ اور یہ
ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے :-

ومن الناس من يشتري لهو الحديث

"یعنی اور لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو خریدتے ہیں یعنی اختیار کرتے ہیں ہوا سحدیث کو یعنی کھیل
کی چیزوں کو۔

اور تاتارخانیہ میں تبیہ سے منقول ہے :-

سئل الحافظ عن من ستموا انفسهم بالصوفية فاختموا بنوع لبس واشتغلوا
باللهو والرقص وادعوا لانفسهم منزلة فقال افتروا على الله كذباً وسئلاً ان كانوا

زائفين من الطريق المستقيم هل ينفون من البلاد تقطع فتنهم عن الباعة
فقال اما طاعة الاذى ابلغ في الصيانة وامثل في الديانة وتمييز الحبيث

من الطيب انكنا وآو لي

پوچھا گیا حلوانی سے مسئلہ ان لوگوں کے بارے میں جن لوگوں نے اپنا نام صوفیا لکھا ہے اور اپنے
لئے خاص ایک جامہ اختیار کر لیا ہے اور وہ لوگ لہو اور رقص میں مشغول ہیں۔ اور اپنی شان میں

مرتبہ عالی کا ادعا کیا ہے تو حلوانی نے کہا کہ ایسے لوگوں نے جھوٹ کی تہمت لگائی ہے اللہ تعالیٰ
پر اور یہ بھی حلوانی سے پوچھا گیا کہ اگر یہ لوگ راہ مستقیم سے کج روی اختیار کئے ہوتے ہیں۔

تو کیا ان لوگوں کو شہر بدر کر دینا چاہیے تاکہ عوام ان لوگوں کے فتنہ سے بچ جائیں۔ تو حلوانی نے
کہا کہ جو چیز باعث تکلیف ہو وہ دور کر دینا بہتر ہے تاکہ لوگ محفوظ رہیں۔ اور یہ بہتر ہے

دیانت میں اور فرق کر دینا خبیث اور طیب میں خوب اور بہتر ہے۔

اور یہ سب روایات نقل کی گئی ہیں عالم مفتی کامل شیخ محمد فرخ سرہندی کے رسالہ سے جو اس
بارہ میں ہے۔ سوا روایت معدن اور ہدایہ کے۔ اور ان دونوں کتابوں کی روایت خاص انہی دونوں کتابوں

سے نقل کی گئی ہے اور شیخ موصوف نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ "مستتر فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے
کہ غنا یعنی راگ حرام ہے۔ اور شیخ موصوف نے اس رسالہ میں مفصل ان فقہاء کرام کا نام لکھا ہے۔ اور میں

نے یہاں بخوف طوالت کے نہیں لکھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

باب الخلافات

سوال : صحیح مسلم وغیرہ صحاح میں بارہ خلیفوں کا ذکر ہے۔ وہ کون کون شخص ہیں اور اہل سنت نے بالاتفاق اس حدیث کا ایک معنی کیوں نہیں کیا۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کا مفصل معنی کس واسطے نہ فرمایا یا کائنات کے لوگوں میں اس امر میں اختلاف ہوا کہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں اور ہر ایک فرقہ یہ سمجھا کہ دوسرا فرقہ گمراہ ہے۔

جواب : اس سوال کی عبارت اضطراب اور خلل سے خالی نہیں۔ اس امر کا بیان یہ ہے کہ اس سوال کے پہلے جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو یہ خبر نہیں کہ وہ کون شخص ہیں کہ جن کو علماء اہل سنت نے بارہ خلیفہ سمجھا ہے۔ جن خلفاء کے بارے میں صحیح حدیثوں میں یہ وارد ہے کہ وہ لوگ احکام کو جاری کریں گے۔ اس وجہ سے یہ بات سائل پوچھتا ہے۔ اس تقدیر پر سوال کی بناء اس پر ہے کہ علماء کے نزدیک بارہ خلیفہ کون کون شخص ہیں۔ اس سوال کا دوسرا جملہ یہ ہے کہ علماء اہل سنت نے بالاتفاق اس حدیث کا ایک معنی کیوں نہ کہا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو یہ مفصل معلوم ہے کہ علماء کے نزدیک وہ بارہ خلیفہ کون کون شخص ہیں۔ سائل صرف اس امر کا سبب دریافت کرتا ہے کہ علماء میں اس بارہ میں اختلاف کیوں ہوا کہ وہ خلفاء کون کون شخص ہیں اس تقدیر پر سوال کی بناء اس پر ہے کہ اس اختلاف کا سبب کیا ہے۔ جو علماء میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ ان خلفاء سے مراد کون کون شخص ہیں۔ اور کیسے امر میں صرف پس و پیش کرنا ہے۔ حاصل کلام اگر سائل کی یہ غرض ہے کہ علماء اہل سنت کے نزدیک وہ خلفاء کون کون شخص ہیں۔ جیسا کہ سائل کے شروع سوال سے معلوم ہوتا ہے تو میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔

هَذَا الْاِخْتِيَارُ بِمَا ارَادَ بِهِ الرَّسُولُ الْمَخْتَارُ

یعنی یہ اس امر کو اختیار کرنا ہے جو رسول مختار کا ارادہ ہو۔ اس بارے میں جو احتمالات ہیں ان میں سے ظاہر نظر میں زیادہ مشہور ایک احتمال معلوم ہوتا ہے۔ اور فن حدیث شریف کے ائمہ مثلاً تورشپی اور قاضی عیاض اور ان کے تابعین۔ مثلاً شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی وغیرہ علماء و کبار رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس احتمال کو اختیار کیا ہے۔ اور اہم نووی کا بھی میلان شرح مسلم میں اسی جانب معلوم ہوتا ہے۔ وہ احتمال یہ ہے کہ خلفاء سے مراد وہ بارہ خلیفہ منصف مزاج ہیں۔ جن لوگوں کے ذریعہ سے ان مقامات میں کہ جہاں جہالت شائع ہوئی ہو اسلام رواج پائے اور قائم ہوا اور شریعت روشن کے احکام جاری کئے جائیں۔ اور وہ لوگ صاحب بیضا نام ہوں اور یہ اتفاق اسلام نبوت کی خلافت کے والی اپنے استحقاق کے ذریعے سے ہوئے ہوں ایسا نہیں کہ بطریق تغلب باوجود اختلاف اہل اسلام کے خود اپنے کو وہ لوگ خلیفہ قرار دے لیں۔ یہ فردی نہیں کہ سب سنا پے در پے ہوں اور یکے بعد دیگرے احکام کو جاری کریں۔ بلکہ خلفائے راشدین کے زمانہ خلافت سے قریب قیامت تک یہ سب بارہ خلیفہ ہو جائیں گے۔ منجملہ ان کے بعض خلفاء مثلاً چار خلیفہ اور حضرت ام حسن اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہو گئے۔ اور ان صاحبوں نے خلافت کے کام کو انجام کیا اور ہر جملہ بارہ خلفاء کی تعداد قریب قیامت تک کامل ہوگی۔ اس حدیث کے اکثر طریقوں سے اور بعض دوسری حدیثوں سے اسی بیان کی تائید ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے :-

لَا يَزَالُ الدِّينُ قَائِمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ وَيَكُونَ عَلَيْهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً
یعنی دین اسلام ہمیشہ اس وقت تک قائم رہیگا کہ قیامت ہوگی اور اہل اسلام میں بارہ خلیفہ ہو جائیں گے۔

صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی ہے :-

لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا مُتَّبَعًا

یعنی اسلام ہمیشہ غالب رہیگا اور اس کی پیروی کی جائے گی۔

اور منجملہ ان کے حلیفہ کی یہ حدیث ہے۔ جو بزاز اور طبرانی کے نزدیک ثابت ہوئی :-

لَا يَزَالُ أَمْرُ أُمَّتِي صَالِحًا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی حالت ہمیشہ بہتر رہے گی۔

اس حدیث کو ابن حجر نے مسند ابی ہریرہ میں نقل کیا ہے اور منجملہ ان کے سنن ابی داؤد کی یہ حدیث

شریف ہے :-

كُلُّهُمْ يَجْمَعُ عَلَيْهِ النَّاسُ

یعنی وہ سب خلفاء ایسے ہوں گے کہ ان کی تابعداری پر لوگوں کا اتفاق ہوگا۔

اور منجملہ ان کے طبرانی کی یہ حدیث ہے :-

لَا يَصْنَعُهُمْ عَدَاوَةً مِنْ عَادَاهُمْ

یعنی جو لوگ ان خلیفوں سے عداوت رکھیں گے ان لوگوں کی عداوت سے ان خلفاء کا نقصان نہ ہوگا۔

اور منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جس کو احمد اور یزید نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے

اِنَّهُ سَيَكُنْ كَمَا يَكُنُّ هَذِهِ الْأُمَّةُ مِنَ الْخَلِيفَةِ، فَقَالَ سَالْنَا عَنْهَا رَسُولَ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْنَأْ عَشْرَ بَعْدَ نَقَبَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یعنی "ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کس قدر خلفاء اس امت کے سردار ہوں گے

تو ابن مسعود نے کہا کہ ہم نے اس بات کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بنی

اسرائیل میں جس قدر نقیب ہوئے۔ اسی قدر اس امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔

اور منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جس کو شیخ ابن حجر مکی رم نے فتح الباری میں ابن جوزی سے نقل کیا

کہ ابن جوزی نے اپنی سند سے اپنی سند کبیر میں ابی بکر ان کے طریق سے کہا :-

لَا تَهْلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَكُونَ فِيهَا اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً كَمَا هِيَ يَنْتَهِي

بِالْهَدْيِ وَدِينِ الْحَقِّ

یعنی "یہ امت ہلاک نہ ہوگی جب تک اس امت میں بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں گے۔ اور وہ سب

خلیفہ سیدھی راہ اور دین حق کے مطابق عمل کریں گے۔"

اور منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے اسود بن سعید کے طریق سے جابر بن حمزہ کی روایت

سے بیان کی ہے اور ابو داؤد کی روایت میں اس حدیث میں اس قدر زیادہ ہے :-

فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ أَقْبَضَهُ قَدْرِيْشٌ فَقَالَ مَاذَا قَاتَلَ الْهَرَجُ أَخْرَجَ الْبَنَارَ

هَذِهِ الزِّيَادَةُ مِنْ وَجْهِ فَقَالَ فِيْهَا ثَلَاثَةٌ رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ أَتَّبَعَهُ فَقُلْتُ ثُمَّ يَكُونُ

مَاذَا قَاتَلَ الْهَرَجُ كَذَا فِي فَتْحِ الْبَارِي

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام میں تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں قریش

حاضر ہوئے اور یہ کہا پھر کیا ہوگا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرج یعنی قتل ہوگا۔

ایسا ہی فتح الباری میں ہے۔ اور قتل کا زمانہ قیامت کے قریب ہوگا۔

چنانچہ امام بخاری رم نے صحیح بخاری میں شفیق بن سلمہ سے روایت کی ہے کہ شفیق بن سلمہ نے کہا :-

كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْسَى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ

أَيَّامًا يَنْزِلُ فِيْهَا الْجَهْلُ وَيَرْفَعُ فِيْهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيْهَا الْهَرَجُ الْقَتْلُ

یعنی شفیق بن سلمہ نے کہا کہ میں بعد اللہ اور ابو موسیٰ کے ساتھ تھا کہ ان دونوں صاحبوں نے کہا کہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک قیامت کے قریب ایسے دن ہوں گے کہ ان دنوں میں

جہالت شائع ہوگی اور علم اٹھایا جائے گا۔

ابن جوزی کے نزدیک اس قتل کو بھی قتل مراد ہے جو قیامت کے قریب ہوگا۔

حیث قال الماد بقوله فثم يكون الهرج اي القتل المؤدية بقيام الساعة

یعنی ابن جوزی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔ ثم يكون الهرج اس سے وہ

قتل مراد ہے جس کے ذریعے سے قیامت قائم ہوگی۔

یہ جواب اس کے مطابق ہے جو اس سوال کے شروع مقام سے سمجھا جاتا ہے اگر سائل کے

طلب میں ان صاف بیانات میں خدشہ بطور دہم فاسد کے گزرنے کو سائل کو چاہیئے کہ اس خدشہ کو بیان کرے

اس وقت ہم پر لازم ہوگا کہ اس خدشہ کو ہم دلیل سے رد کریں۔ اگر سائل کی عرض یہ ہے کہ جو حدیث خلفاء کے

بارے میں وارد ہوئی اس کی مراد کے بارے میں علماء میں اختلاف ہوا اس کا سبب کیا ہے تو میں اس

سوال کا جواب دیتا ہوں کہ جن لوگوں کو عقل اور علم سے کچھ بہرہ ہے۔ ان لوگوں پر امر پوچھنا شیعہ نہیں

ہو سکتا بلکہ ظاہر میں سائل کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو علم نہیں۔ اس واسطے اختلاف کا سبب جمالی

طریق بیان کیا جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اس حدیث میں اکثر احتمالات ہیں۔ اور جس حدیث میں زیادہ

احتمالات ہوتے ہیں۔ اس میں علماء کا اتفاق نہیں ہوتا۔ بلکہ جس عالم کے نزدیک جو احتمال باعتبار قرآن

و احادیث کے قوی ہوتا ہے۔ اس عالم کی رائے اسی احتمال کی جانب ہوتی ہے۔ ایسا کوئی مذہب نہیں

ہے جس میں اس قسم کی حدیثیں نہیں اور اس مذہب کے علماء و کرام میں ان حدیثوں میں اختلاف ہو۔ اگرچہ یہ دعویٰ تھا

تاکہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس خیال سے متعصبین کے اولیٰ دم دفع ہوں۔ بطور شہادت

کے ایک امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ شریف مرتضیٰ نے بیچ البلاغت میں حضرت امیر المؤمنین کے کلام سے نقل کیا

ہے۔ هَذَا بَلَاءٌ فَلَا تَقْلَقُوا قَوْمَ الْأَقْدَامِ اِنْ رَأَوْا ابْنَ الْوَحْدِيدِ نَسَبَ اس امر کی شرح میں یہ کہا ہے

المسكن عنه عمر ابن الخطاب وقد وجدت النسخة التي بخط اظهري ويحسب

فلان عمر حد شئ بل للبحث مختار بن معد الرسوي الاودي الشاعر وقال الراوندي

في شجره انه مدح بعض اصحابه بحسن الميعة وان الفتنة هي التي وقعت بعد

رسول الله صلى الله عليه وسلم من الاختيار والاشارة وقال الجارودي انه كلام

فامر عثمان كمان يمدح الآن امير الحمي في ايام الامير الحمي بعد فيكون ذلك تعريفا

به انتهى مختصرا

پس معترض کے خیال کے موافق کہتا ہوں کہ علماء شیعہ نے بالاتفاق اس حدیث کا ایک معنی کیوں نہ کہا

حاصل کلام بہر تقدیر معتبر من نے جو یہ سوال کیا ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ معتبر من کو علم و خبر نہیں اور اہل سنت اور امامیہ کے مذہب سے وہ آگاہ نہیں۔ سائل کا یہ کلام ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کا معنی بیان نہ فرمایا اور اس وجہ سے امت کے لوگوں میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ حدیث کی خاص مراد کیا ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ سائل کا یہ کلام خلل سے مالا مال ہے۔ وہ سب خلل اگر سائل کئے جائیں۔ تو بے فائدہ کلام طویل ہو جائے گا اور ناظرین کو تکلیف ہوگی۔ لیکن یہ منشا اس کے کہ جو چیز کا یہ پر حاصل نہیں کی جاتی وہ قطعاً چھوڑ بھی نہیں دیکھتی۔ اس جگہ سائل کے کلام میں صرف تین خلل بیان کرتا ہوں۔ اول یہ کہ اس کلام سے یہ لازم آتا ہے کہ خفی، مشکل، مجمل اور قشایہ جو مقابلہ میں ظاہر نص مفسر اور محکم کے ہے۔ یہ قسمیں شارح کے کلام میں نہ ہوں۔ حالانکہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ شارح کے کلام میں یہ قسم موجود ہیں۔ اور جناب رسالت پناہ کی یہ شان تھی کہ آپ امر حق کو ظاہر کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی توضیح فرماتے تھے۔ تو سائل کے خیال کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ لازم تھا کہ آپ ایسے کی توضیح فرماتے تھے۔ اور ایسے کلام کے خفا اشکال، اجمال اور تشابہ کو زائل فرماتے۔ حالانکہ خفی، مشکل، مجمل بعض قسمیں اور تشابہ کی قسمیں اللہ تعالیٰ کے کلام میں موجود ہیں۔

تیسرے یہ کہ یہ شبہ دوسری حدیثوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ مخالفین کو یہ موقع مل سکتا کہ اس سوال کی بے ربط تقریر کو اکثر حدیثوں میں جاری کریں۔ مثلاً، نہج البلاغہ کی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی ہے اس میں یہ کہیں کہ یہ حدیث ہذا بلا فلاں بن فلاں سے جو حضرت امیر مکی عنہ مراد ہیں۔ انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف کیوں نہ بیان فرمادیا کہ ظاہر طور پر بیان نہ فرمانے سے امت کے لوگوں میں فلاں کے تعین میں اختلاف ہوا۔ اور ہر ایک فرقہ کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ دوسرے فرقہ کے لوگ گمراہ ہیں۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے۔

فَانْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْنًا وَثَلَاثًا وَرُبَاعًا

پس نکاح کرو تم لوگ ان عورتوں سے جو بہتر معلوم ہوں تم لوگوں کو دو دو تین تین چار چار

اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ اٹھارہ عورتیں ایک شخص کے نکاح میں رہیں۔ اور دوسرے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صرف چار عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے اور ہر ایک فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ دوسرا فرقہ گمراہ ہے۔ ایسا ہی حدیثوں میں بھی بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اختلاف کیا تو اسمیں کیا قیاحت ہے اور اگر سائل کی غرض یہ ہے کہ علماء اہل سنت میں جو باہم اختلاف ہے ان لوگوں میں سے ہر ایک فرقہ پر یہ ہے کہ دوسرا فرقہ گمراہ ہے۔ تو یہ بات قابل تسلیم نہیں۔ اس واسطے کہ جب کسی حدیث میں چند احتمالات ہوں اور ان میں سے کسی احتمال کو بعض علماء کے نزدیک ترجیح ہو۔ اس واسطے وہ علماء کرام اس احتمال کو استعمال کیا اور دوسرے علماء کے نزدیک دوسرے احتمال کو ترجیح ہو۔ تو ان علماء میں سے کوئی فرقہ یہ نہیں سمجھتا کہ دوسرا

فرقہ ہے اور اگر سائل کی غرض یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے علماء امت میں سے ایک فرقہ نے یہ سمجھا کہ دوسرا گمراہ ہے مثلاً شیعہ اور سنی۔ ان میں سے ہر ایک فرقہ کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے فرقہ کے گمراہ ہیں۔

اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ ہم لوگ فرقہ شیعہ کو اس وجہ سے گمراہ نہیں جانتے ہیں کہ ان احادیث کی تعیین کی مراد میں ان لوگوں سے غلطی ہوئی بلکہ اس وجہ سے ان لوگوں کو گمراہ سمجھتے ہیں کہ جن حضرات کے بارے میں شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حدیثیں ان صاحبوں کی شان میں نہیں ہیں۔ حالانکہ ان حضرات میں وہ صفیں موجود تھیں جو ان احادیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً ان صاحبوں کے وقت میں اسلام کو قوت اور عزت ہونا اور ان صاحبوں کی پیروی پر لوگوں کا متفق ہونا۔ علاوہ ان کے اور صفیں جو ان حدیثوں کے طریقوں میں مذکور ہیں وہ سب صفیں ان حضرات میں موجود تھیں۔ اور اکثر شیعہ بھی اس امر کے قائل ہوئے کہ یہ صفیں ائمہ اطہار میں موجود تھیں تو جس فرقہ شیعہ کا ایسا خیال ہو وہ گمراہ نہیں۔

سوال : اثنا عشر، امیر یا اثنا عشر یہ خلیفہ کی توضیح فرمائیے ؟

جواب : جانا چاہئے کہ حدیث میں ہے اثنا عشر امیر اور بعض حدیث میں ہے۔ اثنا عشر خلیفہ تو اس سے بارہ کے عدد کے سوا اور کوئی تخصیص اور تعیین ثابت نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے اس حدیث کے اخیر میں ہے کُلُّهُمْ مِنْ تَدْوِیْنِ یعنی یہ سب ائمہ قریش سے ہوں گے۔ تو اس کی طرف اشارہ کرنے سے فاطمیہ اور علویہ اور ہاشمیہ کے دائرہ سے خارج ہوں گے اس سے ذہن دور دھڑلایا جائے اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ صاحب تحفہ نے باب اقل کے حاشیہ منہیہ میں اس آیت :-

اِنَّ الدِّیْنَ خَرَقُوْا یَنْفَعُ وَکَانَ فَاَوْشَیْعًا الْاٰیۃ کے بیان میں لکھا ہے کہ

حدیث متفق علیہ ہے۔ لَا یُذَالُ هٰذَا الدِّیْنُ قَاتِلًا مَّا وَلَا مَآءَ اثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً۔ یعنی یہ دین ہمیشہ قائم رہیگا اس وقت تک کہ اس امت کے ولی، امر بارہ خلیفہ ہو جائیں گے ؟

اور بعض روایت میں ہے :-

امیرا کُلُّهُمْ مِنْ تَدْوِیْنِ یعنی یہ سب خلیفہ یا امیر قریش سے ہوں گے۔

امامیہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بارہ ائمہ کی امامت ثابت ہے۔ اس استدلال میں اکثر وجوہ سے خلل ہے۔

اول وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مال ائمہ پر منطبق نہیں ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ولایت سے صرف ائمہ کا جہاں میں وجود مراد لیا جائے۔ اور اس کا لحاظ نہ ہو کہ امت اور دین کے امور میں امر و نہی اور حل و عقد میں ان کو کچھ دخل بھی ہو تو یہ مراد عرف اور لغت اور عقل کے خلاف ہے۔ اس مراد کی بناء پر حدیث کے معنی درست نہیں ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ صرف ان کے وجود سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قائم

امامیہ کا خیال ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرماتے ہی سب صحابہ کرام مرتد ہو گئے اور قرآن مجید میں تحریریت کی اور دین کے امور کو نہایت متغیر کر دیا۔ وضو میں مسح کرنے کی جگہ پاؤں کا مسح مروج کیا۔ نماز کی حیثیت اور شکل بالکل مسح کر دی اور صرف اپنی رٹے سے قرار دیا کہ موندہ پر مسح کرنا جائز ہے۔ خمس موقوف کر دیا اور اذان میں حتیٰ علیٰ خیر العلمین کو موقوف کر دیا اور اس کی جگہ اَلصَّلَاةُ لَا تُخْبِرُكَ النَّدَمُ قائم کیا۔ سنت میں تراویح بڑھا دی۔

جب امامیہ کا یہ خیال ہے کہ قرآن شریف اور نماز اور شعائر اسلام سب تبدیل اور تغیر ہو گئے تو ان کے نزدیک دین کا قیام کس طرح باقی رہا۔

اگر یہ مراد لی جائے کہ اوامر و نواہی میں ان ائمہ کو ولایت حاصل ہوگی اور ان کا تصرف ہوگا۔ اور شرعی امور ان کے حکم سے جاری ہوں گے جیسا کہ یہ باعتبار لغت اور عقل کے مفہوم ہوتا ہے تو یہ امر امامیہ کے گمان کے موافق کبھی وقوع میں نہیں آیا۔ یعنی امامیہ کے نزدیک ثابت نہیں کیا بارہ ائمہ یا ان میں سے کوئی امت اور دین کے لئے میں تصرف ہوئے ہوں۔ اور ان کا امر و نہی جاری ہوا ہو۔ حالانکہ حدیث کا لفظ لایزال صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر نہ ہوا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ توقیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب ان ائمہ کی ولایت منقضی ہو جائے تو دین کا قیام بھی منقطع ہو جائے گا۔ تو چاہئے کہ خلفائے مذکورین قیامت کے قائم ہونے تک باقی نہ رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم نے فرمایا ہوتا۔

لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا إِلَى قِيَامِ الْقِيَامَةِ وَيَلِيهِمْ إِلَى ذَلِكَ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً

یعنی ہمیشہ رہے گا یہ دین قائم قیامت کے قائم ہونے تک اور اس امت کے ولی امر اس عرصہ میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔

امامیہ کے وہم کے موافق آخری امام کا صاحب زمانہ ہے اگر اس کی عمر قیامت تک وراثت ہوگی تو یہ لفظ مقصور نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوگا کہ کہا جائے کہ دوسرے لوگ مراد ہیں کہ جن کی بجائے کسی کی عمر اس قدر نہیں کہ زمانہ تکلیف کا استیفا کریں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کلام کے کلمہ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ امر جامع اور قدر مشترک بارہ ائمہ میں قریش ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہیں ہے جو ائمہ قرار دیئے گئے وہ قریش نہ تھے۔ اگر یہی مراد ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوتا۔ کَلَامٌ مِنْ عَتَقْتِی۔ یعنی یہ سب ائمہ میری عمرت سے ہوں گے یا فرمایا ہوتا: مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ یعنی یہ سب ائمہ حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ یا فرمایا ہوتا: مَنْ

وَلَدِ الْحُسَيْنِ یعنی یہ سب ائمہ حضرت امام حسین زہرا کی اولاد سے ہوں گے۔ یا اس طرح کا اور کوئی دوسرا کلمہ فرمایا ہوتا اور ظاہر ہے کہ امر عام کا ذکر تعین اور امتیاز اور تخصیص کے مقام میں نامناسب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کہا جائے کہ اس بادشاہ کے قائم مقام اس کے بعد چند اشخاص ہوں گے۔ وہ سب بنی آدم سے ہوں گے۔ اول تو اس طرح کے کلام کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا کہ افصح فصحاء اور ابلغ بلغا میں نہایت بے ادبی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے باوجود یہ مراد عبث ہے اور پھر خیال کنالغض صریح ہے نہایت شقاوت ہے اور سخت بے وقوفی ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں خلیفہ یا امیر کا لفظ واقع ہے۔ اور یہ حضرات کبھی امیر اور خلیفہ نہیں ہوئے۔ اگر حدیث میں امام کا لفظ ہوتا تو گنجائش تھی کہ کہا جاتا کہ اس سے مراد یہ حضرات ہیں۔ لیکن خلیفہ اور امیر کا لفظ واقع ہوا ہے۔ اور خصوصاً ولایت کے ذکر کے ساتھ متصل ہے اور ولایت کا لفظ تصرف اور مداخلت کا مراد تو اس احتمال کی گنجائش نہ رہی۔

سوال : حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ نے خلافت کو نص سے ثابت کیا ہے۔ نص ہے الْأَشْخَافَةُ مِنْ قَرَشِشٍ یعنی ائمہ قریش میں سے ہوں گے۔ توجیب بوقت خلافت سفینہ بنی ساعدہ میں خلافت کے بارہ میں نزاع ہوئی تو اصحاب کبار نے اس نص سے سب انصار کو تسکین دی۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح میں سے جو صاحب خلافت کے قابل ہوں ان کو اہل اسلام خلیفہ قرار دے دیں وہی خلیفہ ہو جائیں گے۔

پس اگر خلافت کے بارے میں نص ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق نے ایسا کیوں فرمایا۔ یعنی نص کے ہوتے ہوئے کسی کی رائے کو دخل نہیں۔ تو حضرت صدیق اکبر نے خلافت کو اہل اسلام کی رائے پر کیوں ہونے لگا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا کیوں کیا کہ اس وقت چھ صاحبوں کو خلافت کے قابل تجویز فرمایا۔ اور یہ کہا کہ ان میں کوئی ایک صاحب خلیفہ کئے جائیں۔ اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر بنی کی خلافت کے وقت طوعاً و کرہاً کیوں بیعت کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ خلافت اجماع سے ثابت ہوئی۔ تو یہ ظاہر ہے کہ حضرت امیر کی خلافت میں مخالفین کو جو شبہ ہے اس کا جواب اہل حق نے جو دیا ہے وہ ضعیف ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت ابان مجتہد تھے اور باوجود اس کے آپ نے تمام عمر حضرت امیر کی بیعت قبول نہ کی اور اکثر صحابہ حضرت امیر سے آزدہ خاطر ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور حضرت سعد ابن وقاص وغیرہ صحابہ کبار حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں شریک نہ ہوئے۔

جواب : حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ خلافت نص سے ثابت ہے تو اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ نفس الامری میں خصوصاً متواترہ سے یہ خلافت علی الترتیب ثابت ہے۔ یہ مراد نہیں کہ خلافت بوقت انعقاد نص سے ثابت ہوئی۔ کیونکہ بوقت انعقاد خلافت جس کو جو دلیل معلوم تھی۔ اس نے اسی دلیل کی بناء

پہر اپنی رائے ظاہر کی اور اس کو بوجہ ضیق وقت فرصت نہ ملی کہ انصاف کو ان کے معاون سے تلاش کر سکے۔
حضرت صدیق اکبرؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ فلاں فلاں دو صاحبوں میں سے جس کو اہل اسلام خلیفہ مقرر کریں
وہی خلیفہ ہو جائے۔ تو اس سے آپ کی غرض یہ تھی کہ اہل اسلام پر آپ کا انصاف ظاہر ہو جائے۔ اور آپ کی
خلافت کے لئے نص کا دعویٰ نہ کریں۔ کیونکہ آپ کو یہ حدیث معلوم تھی۔

يا حي الله والمؤمنون الا ايا بكر

یعنی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے سوا دوسرے کی خلافت سے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کو ناپسند ہوگا۔

اور حضرت ابو بکرؓ کو یقین تھا کہ آپؐ کی خلافت ہوگی۔ اپنے لئے نص کے دعویٰ کی ضرورت نہیں۔ امر خود بخود ہو جائے گا۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے بوقت شہادت چھ صاحبوں کو نامزد کیا اور یہ فرمایا کہ اسلام کے مشورے سے ان صاحبوں میں سے کوئی صاحب خلیفہ مقرر کئے جائیں۔ تاکہ خلیفہ کی تقریر کے آپ ذمہ دار نہ ہوں۔ ورنہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپؐ کا بار بار یہ اشارہ تھا کہ آپؐ کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوں اور حضرت عثمان کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو خلافت ہو اور بوقت خلافت حضرت امیرؓ چہ زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے ناخوشی کا کلمہ کہا تو ایسا اس وجہ سے ہوا کہ قاتلان حضرت عثمانؓ کے زور سے چہ ہوتی تھی۔ مگر نص الامر میں ان دونوں صاحبوں کا یہ اعتقاد تھا کہ خلافت کے مستحق حضرت امیرؓ ہیں۔

یہ جو قرار پایا کہ خلافت اجماع سے ثابت ہو تو اس سے یہ مراد ہے کہ اکثر اہل حل و عقد کا اجماع خلافت پر ہوا۔ اگر ایک آدمی خلاف ہوا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اکثر کے لئے حکم کل ہوتا ہے۔ چنانچہ بوقت انعقاد خلافت حضرت ابو بکر اجماع میں سعد بن عبادہ شریک نہ ہوئے۔ اور ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما نے کہ ان کا خلاف مضر ہوا اور دو تین صحابہ مغیرہ بن شعبہ وغیرہ جو مجتہد نہ تھے صرف وہی حضرت امیر رضی اللہ عنہما سے آزر دہ خاطر ہوئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ ان صحابہ کی آزر دگی بھی صرف بوجہ شکایت اختلاف تھی۔ ایسا نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی لیاقت خلافت سے ان صحابہ کو انکار تھا۔ کیونکہ خاص ان صحابہ سے حضرت امیر کے مناقب میں اکثر روایتیں ہیں۔ البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما سامعین زید بن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ہمیز گار تھے۔ اور وہ اہل اسلام کی لڑائی میں حضرت امیر کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ یہ عدم شرکت کمال احتیاط کی وجہ سے ہوئی۔ اور حضرت امیر نے بھی ان صحابہ کو معذور سمجھا۔ اور آپ نے ان کے حق میں یہ فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي قَدْ وَاعَنَ الْبَاطِلَ وَلَمْ يَقُمْ مَعَ الْحَقِّ

یعنی یہ صحابہ امرا حق میں مدد کرنے سے بیٹھ گئے۔ اور امر حق میں مدد کرنے کے لئے بھی مستعد نہ تھے :
لیکن یہ سب صحابہ کرام حضرت امیرِ زمانہ کے مناقب کو مشتہر کرتے رہے اور آپ کے فضائل کو شائع کرنے

میں بھیغ نہ کیا اور ہر ایک شخص کی بیعت ضروری نہیں۔ اگر اکثر لوگ کسی خلیفہ کی بیعت قبول کر لیں اور دوسرے

حاصل کلام : اب جو نصوص جمع ہیں۔ ان کی بناء پر چاروں خلیفہ کی خلافت بلاشبہ نص سے ثابت ہے۔ لہذا وقت انقاد نصوص کی بناء پر خلافت ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ فرصت کم تھی۔ حادثہ ہو جانے کا خوف تھا۔ لوگ پریشان خاطر تھے۔ ان وجوہ سے نصوص کی تلاش نہ ہوئی۔ اور ایسے اکثر مسائل ہیں کہ وہ صرف قیاس اور اجتہاد سے ثابت ہوئے۔ پھر ان مسائل کے موافق نصوص مل گئے اور وہی احکام ان نصوص سے ثابت ہوئے۔ ان مسائل میں سے یہ مسئلہ خلافت کا بھی ہے۔

سوال

سوال : حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک کاغذ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا اور یہ کہایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس کاغذ میں جس کا نام ہے آپ ان کی بیعت فرمائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : **وَأَنَا كَعَنْدِ عُمَرَ** یعنی اس کاغذ میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ہو تب بھی میں نے ان کی بیعت قبول کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس امر کے لئے زیادہ قابل نہ تھے کہ آپ کی بیعت قبول کی جاتی۔ چنانچہ ایسے ہی مقام میں کہا جاتا ہے کہ **أَكْرَمُ مَنْزِلَةٍ وَأَوْنُ كَانِ جَاهِلًا**۔ یعنی میں نے زید کی تعظیم کی اگرچہ وہ جاہل ہے اور بھی اس کی اکثر

مثالیں ہیں۔

جواب : قرآن کائن کے لفظ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مراد یہ تھی کہ میں نے حضرت ابو جبرہؓ کی کامل اطاعت قبول کر لی حضرت عمرؓ احکام شرعیہ میں زیادہ تشدد فرماتے ہیں اور ایسے صاحبوں کی متابعت و شواہد ملتی ہے۔ تاہم اگر حضرت ابو جبرہ صدیقؓ نے فرمایا ہو گا کہ حضرت عمرؓ کی بیعت قبول کی جائے تب بھی میں نے آپ کی بیعت قبول کر لی۔ چنانچہ ایسا ہی لفظ اسی معنی میں صحیح روایت سے اس حدیث میں بھی ہے۔

لَا تَعْقُرُوا دِيَارَكُمْ وَأَنْ أُمْرًا إِنْ تَخْرُجَ عَنْ أَمْلِكُمْ وَمَا لَكُمْ

یعنی اپنے والدین کو رنج نہ دو اگرچہ وہ حکم کریں کہ تم اپنا اہل اور مال چھوڑ دو۔

اور اسی حدیث میں اس قسم کے دوسرے الفاظ بھی ہیں۔

وَلَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ وَإِنْ حُرِّقَتْ أَوقُطِعَتْ

یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک نہ قرار دو اگرچہ جلائے جاؤ یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ۔

اور اس سوال کا یہ بھی جواب ہے کہ لفظ وان کا عمر نہ حدیث کے معتبر کتابوں میں نہیں بلکہ اس کے

خلاف اس طرح ہے:

اِنَّ عَلِيًّا لَمَّا اُتِيَ بِالصَّحِيفَةِ مِنْ قِبَلِ الصَّيِّدِ بْنِ كُبَيْعٍ مَرَّ فِيهَا قَالُ لَا نَرْضَى

الایکون عمرو فقال الصدیق وهو علی مشربہ کانتہ عمرہ کذا فی اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک کاغذ لکھا ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچا ہے اور آپ سے کہا گیا ہے کہ اس کاغذ میں جس کا نام ہے اس کی بیعت آپ قبول کر لیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اس پر راضی نہیں ہوں اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام اس کاغذ میں ہو تو البتہ میں نے آپ کی بیعت قبول کی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بالا خانہ پر سے فرمایا کہ یہی خیال کرنا چاہیے کہ جس کا نام اس کاغذ میں ہے گویا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایسا ہی اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان میں ہے۔

سوال : الف شہر یملکھا بنو امیۃ کی تشریح کیا ہے؟

جواب : ترمذی اور ابن جریر اور حاتم کی حدیث میں ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ الف شہر یملکھا بنو امیۃ یعنی ہزار مہینہ بنو امیۃ کی سلطنت ہے گی۔

قاسم بن فضل حرانی نے شمار کیا ہے کوئی واقعہ بنی امیہ کی سلطنت کا زمانہ ہزار مہینے کا ہوتا ہے نہ اس سے کچھ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ ہوتا ہے۔ آپ نے جو اشکال کہ کھا تھا وہ واضح ہوا۔ مہربان بن ابی امیہ کی سلطنت کا شروع اس وقت سے قرار دینا چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کی ابتداء خلافت ہوئی لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ مزید کے بعد سے اس وقت تک رہا کہ عبد الملک کا تسلط جامع الاصول میں اس حدیث کے بیان میں لکھا ہے۔

قد جاء فی فی متن الحدیث أن بدو ولایة بنی امیۃ کانت علی رأس ثلاثین سنة من وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو فی آخر سنة اربعین من الهجرة وکان انتصار دولته علی ید ابی سلم الخراسانی فی سنة اثنین وثلاثین ومائة فیکون ذالک اثنین وتسعين سنة یقط منها مائة وخلافة عبد الله بن زبیر وهی ثمان سنین وثمانیة أشهر یتقی ثلاث وثمانون سنة واربعة أشهر وهی الف شهر انتهى ملفظہ

یعنی حدیث میں متن میں آیا ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیسویں برس کے شروع میں ہوا۔ اور وہ وقت سترہ کا آخر تھا۔ اور ان کی سلطنت ابی سلم خراسانی کے ہاتھ سے سترہ میں زائل ہوئی تو بنی امیہ کی سلطنت پانچ برس رہی۔ اس میں سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ منہا کیا جائے گا۔ جو آٹھ برس آٹھ مہینے سے تو تراسی (۸۲) برس چار مہینے باقی رہے۔ جن کے ہزار مہینے ہوتے ہیں۔ یہ جامع الاصول کے قول کا ترجمہ ہے جو کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔

سوال : حدیث شریف میں ہے :-

ان تو مروا علیا ولا اراکم فاعلین۔ اس میں لا اراکم فاعلین کا لفظ وارد ہے۔ یہ لفظ خالین ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ ان کا مذہب ناشتہ ہوا اور اس کا جواب بخوبی دل میں نہیں گزرتا۔ سو اس جواب کے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قدر نہیں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو بلا فضل یعنی لوگ بلا فضل خلیفہ اول مقرر کریں گے۔

جواب : لفظ لا اراکم فاعلین کے تین معنی ہیں۔ پہلا معنی یہ ہے اور یہ معنی اہل اسلام نے کہا ہے لا اراکم تستخلفون المفضل مع وجود الافضل اعنی الشیخین فان خلافة المفضل مع وجود الافضل وان جاز عند البعض لکنہ سواک الاولی فلا تقہ من علیہ

یعنی میں تم لوگوں کو ایسا نہیں دیکھتا کہ خلیفہ تقرر کرو۔ گئے مفضل کو باوجود موجود ہونے افضل کے۔ یعنی باوجود ہونے شیخین کے۔ اس واسطے کہ خلافت مفضل کی اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے باوجود موجود ہونے افضل کے مگر امر بہتر نہیں۔ پس ایسے امر پر تم لوگ اقدام نہ کرو۔

دوسرا جواب یہ ہے اور یہ جواب بشارح حدیث نے کہا ہے کہ :-

لا اراکم تستخلفون علیا مع سفر منہ وحدة اشدہ عند لان تہجیح الاکبر علی الاصغر مع تساوی العلم والقدرة والمجددة امر معلوم لکونی الامامة الصغری فتفتیسون علیہ امامة الکبری

یعنی میں تم لوگوں کو ایسا نہیں دیکھتا کہ خلیفہ مقرر کرو گے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسی حالت میں کہ ان کا سن کم ہے اور ان کی عمر بڑھ چکی ہے۔ اس واسطے کہ تم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ امامت صغریٰ میں زیادہ عمر والے کو ترجیح ہے کس پر اس صورت میں کہ وہ دونوں شخص برابر ہوں۔ علم اور قراءت اور ہجرت میں تو اسی امر پر امامت بکری کو بھی قیاس کرو گے

تیسرا جواب وہ ہے جو میں نے اپنے حضرت شیخ سے یہ حدیث پڑھنے کے وقت سنا ہے۔ وہ جواب میرے نزدیک زیادہ مزج ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ باوجود اس کے آپ کو اپنے زمانہ خلافت میں استحقاق کامل خلافت کا حاصل ہوگا۔ مگر اس امر پر اہمیت کا اتفاق نہ ہوگا اس واسطے کہ سب اہل شام اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور اصحاب جمل کا اتفاق آپ کی اتباع پر نہ ہوا۔

مسئلہ تفضیل حضرت علی رضی

ریاض النضر میں ساتویں فصل میں لکھا ہے احوال میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
وقد اجمع اهل السنة من السلف والخلف من اهل الفقه والاشعر
ان علياً افضل الناس بعد عثمان واختلفت بعض السلف في علي وابي بكر ذكره
ابو عمرو بن عبد البر في كتاب الصحابة قال ابو القاسم عبد الرحمن بن الحجاب
السعدي في كتابه المسماة بالحجة بسلف هذه الامة في تسميتهم الصديقين
بجلافة رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في ذلك ابو عمرو غلطاً ظاهراً
فمن تأمله يعني الاختلاف في تفضيل علي بن علي وذاك انه ذكر في كتابه تعريفاً
لا تصريحاً انه كان من جملة من يعتقد ذلك ابو سعيد والبوسعيد ممن روى
عن علي ان ابا بكر خير الامة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فكيف يمتنع
في علي انه خير من ابي بكر وقد روى عن علي ذلك واذا اتقروا ان اهل السنة
اجمعوا على ذلك علواً بن عمر بن عبد العزيز باحاديثه المتقدمة ذكرها في باب الاشاعة
ونفي الفضيلة على بعد عثمان ويدل على ذلك انه قد جاء في بعض طرق حديثه
فقال رجل لابن عمر يا عبد الرحمن فلي قال ابن عمر علي من اهل البيت لا يقام
بهم علي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في درجته الى الله عز وجل يقول للذي
امنوا واتبعتم ذريتهم بايمان المحققين ذريتهم فاطمة مع رسول الله صلى
الله عليه وسلم في درجته وعلي مع فاطمة عليهما السلام اخبره علي ابن نعيم المروزي
انه في موضع الحاجة منه

یعنی اجماع ہے اہلسنت متقدمین و متاخرین کا جو اہل فقر و اہل حدیث سے ہوئے ہیں اس پر کہ
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ افضل ہیں ان لوگوں میں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد باقی رہے
اور اس مسئلہ میں اختلاف نہیں بلکہ اس امر میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی
اللہ عنہ میں کون صاحب افضل ہیں اور بعض متقدمین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر
میں کس صاحب کو زیادہ فضیلت ہے۔ اور اس اختلاف کو ابو عمرو بن عبد البر نے کتاب الصحابة رضی اللہ عنہ میں

ابو القاسم عبد الرحمن بن حجاب سعدي نے اپنی کتاب حجة السلف لهذه الامة میں اس امر کے بیان میں علماء
سلف نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا ہے۔ اس مسئلہ میں ابو عمرو کو وہم ہو گیا۔ اور
اس سے ظاہر غلطی ہو گئی۔ علماء متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت ہے حضرت ابو بکر
رضی اللہ عنہ کی غلطی اس وجہ سے کہی جاتی ہے کہ ابو عمرو نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تعریفاً نہ صراحۃً کہ اس خیال کے
لوگوں میں سے ایک البوسید ہیں یعنی البوسید کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو
میں لوگوں نے خود روایت کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں امت میں بعد رسول اللہ کے۔

اور جب ثابت ہوا کہ اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں ان لوگوں میں جو
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد باقی رہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ان عمر کی مراد یہ نہیں ہے اپنی ان احادیث سے
جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ باب ثلاثہ میں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہوئے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے اور اس مدعا کے لئے دلیل
یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بعض طریقہ سے آیا ہے کہ:-

پس کہا ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ یا ابا عبد الرحمن پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کیسی
ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بیت سے ہیں۔ اہل بیت کی فضیلت پر قیاس نہ کیا جائے گا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں اللہ تعالیٰ کے
نزدیک چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

«اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی تابعداری کی ان کی ذریات نے ایمان میں تو ملا دیا ہم نے ان کے
ساتھ ان کی ذریات کو»

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ درجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ حضرت فاطمہ کے ہیں۔ بیان کیا اس حدیث کو علی بن نعيم مصری نے۔ مینموں ریاض النضر
کی عبارت مذکورہ کا ہے اور اس عبارت سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ کلام سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے یہ تصود ہے
کہ وہ ہو جائے کلام اس شخص کا جس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے سمجھا ہے کہ ایسا نہیں کہ حضرت علی
کو فضیلت ہے اور لوگوں پر بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ امر تھا کہ صحابہ ان نبیوں کے جوں میں سے ہیں۔ یہ سب ایک کو
دوسرے پر فضیلت دیتے تھے۔ اور آمند سکوت کرتے تھے۔ اور درحقیقت بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان صحابہ
میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل ہیں۔ اس واسطے کہ آپ اہل بیت سے ہیں اور اہل بیت کو صحابہ پر قیاس
نہ کیا جائے۔ البتہ بعض فضیلت میں کہ اس میں نص سے فضیلت بعض دوسرے صحابہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ
پر ثابت ہے۔ اس کا قائل ہونا چاہیے۔ باقی اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو داخل جانا چاہیے اور اکثر مسائل

ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے بحث نہ ہوئی۔ یہ مسئلہ بھی منجملہ مسائل کے ہے۔ اور لفظ احد کا بعد لایقاس جہم کے ریاض النضرہ میں موجود نہیں تاکہ وہ مقام استسلام اس کے ہو سکے اور جو کچھ صاحب رسالہ نے لکھا ہے کہ:-

ارشدنا الى منع عظيم متوجه على جميع الادلة المتسكة بها على فضلية الثلاثة.

یعنی ہدایت کی ہم کو طرف منع عظیم کے یہ متوجہ ہے جمیع اولہ پر جس سے افضل ہونا صحابہ ثلاثہ کی ثابت کیا جاتا ہے تو صاحب رسالہ کا یہ کلام دو امر پر مبنی ہے۔

ایک یہ لفظ احد کا اس جگہ موجود ہو حالانکہ وہ موجود نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ جو الفاظ حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہیں وہ بروایت صحابہ یعنی ماتہ ان کے اولاد کی روایت سے ثابت ہو۔ حالانکہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے بلکہ اصح الفاظ اس حدیث کے یہ ہیں جو امام احمد نے روایت کی ہے:-

عن يحيى بن سعيد عن نافع عن ابن عمر قال كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم فتخير ابا بكر ثم عمر ثم عثمان

"یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم لوگ فضیلت دیتے تھے۔ بعض لوگوں کو بعض پر بہتر کہتے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، پھر آپ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو"

اور ترمذی میں دونوں لفظ واقع ہیں۔ اس جگہ وہ اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اس قدر قلیل و قلیل روایت میں صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہے۔ باقی اور سب اولہ میں جو اس بارے میں متفق ہرگز یہ اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ ان اولہ کے الفاظ سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ کرام کو علی العموم امت کے سب لوگوں پر فضیلت ہے۔ اور سب سے زیادہ تصریح اس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ جہنم کی بقاء میں ہے:-

عن عبد خير قال سمعت علياً على المنبر حمة الله واشئى عليه وقال الا انت بكم خير هذه الامة بعد نبيها خيرهم ابوبكر وخيرهم بعد ابوبكر عمر ولو شئت عن اسمي الثالث فسئمته اخرجته خيشمة بن سليمان واخرجته ابن السمان عن ابى موسى وفي رواية ثورسكت بعد ذكرهما فرائنا انك يعني نفسه خرجته خيشمة بن سليمان ايضا وعن ابى جيفة قال قال علي الا انت بكم بافضل هذه الامة ابوبكر ثم عمر ثم رجل آخر وعن علي رضي الله عنه قال ما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم

حتى عرفنا ان افضلنا بعد ابوبكر وما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى علمنا ان افضلنا بعد ابى بكر وعمر وما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى عرفنا ان افضلنا بعد عمر رجل آخر ولم يسميه اخرجته الحافظ السلفي كذا في رياض النضره

فی روایات حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما قال كنا نقول رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى افضل امة محمد بعد ابوبكر ثم عمر ثم عثمان، رواه ابو داود والحافظي، موافقات وعنه قال اجتمع المهاجرون والانصار وعلى ان خير هذه الامة بعد نبيها ابوبكر وعمر وعثمان بهيئتهم الآن وعنه قال كنا نتحدث في حيوة رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه اذ فر ما كانوا ان خير هذه الامة بعد نبيها ابوبكر ثم عمر ثم عثمان فيبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فلا يكره اخرجته خيشمة بن سليمان والحاكم

یعنی "روایت ہے عبد خیر سے کہ کہا انہوں نے کہ میں نے سنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا کہ کیا خبر نہ کروں تم لوگوں کو اس امر کی کہ افضل اس امت میں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ افضل اس امت کے لوگوں میں حضرت ابوبکر ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر کے بعد اور لوگوں میں افضل حضرت عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو قیسر سے صاحب کا نام بھی بتا دوں یعنی ان کا نام کہہ دوں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد افضل ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سکوت فرمایا بعد فرمایا "یعنی آپ کی مراد یہ تھی کہ قیسر صاحب آپ ہی ہیں۔"

اور ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ کہا ابو جحیفہ نے کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ کیا خبر نہ کروں، اس امر کی کہ افضل اس امت میں کون صاحب ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ افضل اس امت میں حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ایک دوسرے صاحب ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے:-

انتقالہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ بانا ہم لوگوں نے یہ کہ افضل ہم لوگوں میں سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر ہیں اور انتقال نہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ بانا ہم لوگوں نے یہ کہ افضل ہم میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور انتقال نہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک کہ بانا ہم لوگوں نے یہ کہ افضل ہم لوگوں میں سے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اور صاحب ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نام ذکر نہ کیا۔ یہ حدیث حافظ سلفی نے بیان کی ہے۔ ایسا ہی ریاض النضرہ میں ہے۔ اور ریاض النضرہ میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے:-

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کہا کرتے تھے کہ افضل

امت محمدی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمرؓ ہیں، پھر حضرت عثمانؓ ہیں اور روایت ہے حضرت ابی بن عمرؓ سے کہا حضرت ابن عمرؓ نے کہ اجتماع ہوا مہاجرین و انصار کا اس امر کے افضل اس امت کے لوگوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ ہیں۔ اسی ترتیب پر جس طرح اب یہ حضرات یہ ترتیب خلیفہ ہوئے ہیں اور روایت ہے حضرت ابن عمرؓ سے کہا حضرت ابن عمرؓ نے کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں اور اس وقت اصحاب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ تھے کہ افضل اس امت کے لوگوں میں سے اس امت کے پیغمبر کے بعد یعنی بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عثمانؓ ہیں اور یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتی تھی اور آپ اس بارہ میں انکار نہ فرماتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بناءً اس اعتراض کی صرف حضرت ابی عمرؓ کی ایک روایت پر ہے اور وہ روایت بھی ہے اور اکثر روایات حضرت ابن عمرؓ کی دوسرے لفظ کے ساتھ وارد ہیں تو صرف ایک روایت سے کہ وہ بھی مرجوح ہے۔ اس اعتراض میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور جو روایات دوسرے صحابہ سے علی الخصوص حضرت علی رضی سے ہیں اس کا کیا جواب ہوگا۔

سوال : حدیث حق دائرہ حق متعین کی تشریح فرمائیے؟

جواب : مولوی محمد زابد خان شاہ جہان پوری نے جو حدیث لکھی تھی، ملاحظہ میں آئی۔ حدیث کی کتب صحیحہ میں موجود نہیں۔ البتہ ابن جریر اور ابن مردودہ جیسے محدثین کی تفاسیر میں موجود ہے۔ لیکن ہمیں بھی بروایت شعیفہ سے اور حدیث کا معنی اہل سنت کے مذہب کے موافق کم لوگوں کو معلوم ہے۔ آپ کے افکار کے موجب لکھا جاتا ہے۔ پہلے ایک مقدمہ ہے اور ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ پھر حدیث کے معنی خود بخود سمجھ میں آجائیں گے اور وہ مقدمہ یہ ہے۔

حق کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ حق دائرہ ۲۔ حق متعین

مثلاً دین اسلام حق متعین ہے اور مثلاً مذہب حنفی اور مذہب شافعی حق دائرہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ حق دائرہ ہے کہ وہ بھی حق اور اس کا غیر بھی حق ہو۔ مثلاً روزہ اور افطار مسافر کے حق میں دونوں حق ہیں۔ یعنی مسافر کے لئے فرض روزہ رکھنا بھی جائز ہے اور فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے۔ اور ایسا ہی نفل نماز میں قیام اور قعود ہے کہ دونوں حق ہیں ایسا ہی منفرد کے لئے جہر یہ نماز میں جہر اور اخفا ہے۔ مثلاً بذالقیاس اور بھی اس جیسے مسائل ہیں۔

حق متعین وہ ہے کہ اس کا غیر حق نہیں۔ مثلاً اصل نماز فرض کہ اس کا فرض ہونا حق ہے۔ مثلاً اس کا نفل ہونا حق نہیں اور جب یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب جاننا چاہیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سال میں مقصود حق متعین تھا حق دائرہ تھا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں قرآن اور اسلام کو ذکر فرمایا کہ

یہ دونوں حق متعین ہیں اور باقی دوسری کتابیں اور دوسرے سب دین منسوخ شدہ ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا ذکر فرمایا اور آپ کی خلافت حق ہونے کو مقید فرمایا لہذا اس قول کے ساتھ اِذَا اسْتَلْهَتْ اِلَیْکَ یعنی جب آپ کو خلافت ملے گی تو اس وقت میں وہ خلافت آپ کے حق میں متعین ہو جائے گی۔ اور ایسا ہی ہوا اس واسطے کہ اس وقت جب آپ کو خلافت ملی، تو خلفائے راشدین میں سے آپ کے سوا کوئی دوسرے خلیفہ موجود نہ تھے بخلاف خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے اس واسطے کہ جب حضرت ابوبکرؓ کے خلافت کا وقت آیا تو اس وقت خلافت چار صاحبوں کے درمیان دائر تھی۔ اس واسطے کہ مفضول کی امامت فاضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے تو اگر اس وقت میں لوگ حضرت علی رضی یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت قبول کر لیتے تو بیعت جائز ہو جاتی۔

ایسا ہی جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا وقت پہنچا تو اس وقت خلافت تین صاحبوں میں یعنی حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی کے درمیان دائر تھی۔ اور جب حضرت علی رضی کی خلافت کا وقت پہنچا تو اس وقت کسی دوسرے کی خلافت کا احتمال نہ تھا۔ اسی واسطے آپ کو خاتم الخلفاء کہتے ہیں۔ اور یہی معنی اِذَا اسْتَلْهَتْ اِلَیْکَ سے مفہوم ہوتا ہے اس واسطے کہ ولایتیک نہ فرمایا۔ ورنہ مفہوم ہوتا کہ آپ کے سوا دوسرے کو ولایت کا حق نہیں اور بولفظ موجود ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ طلق سے کہ جب مطلق ولایت آپ کو پہنچ جائے گی تو اس وقت اس کی انتہا ہو جائے گی اور تمام ہو جائیگی اور اس لفظ میں خوب غور کرنا چاہیے۔

اور اب دوسرا مقدمہ بھی جاننا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں کہ حق دائرہ کی سبب شقیں برابر ہوں بلکہ جائز ہے کہ اس کی کوئی ایک شق دوسری شق سے افضل ہو اور اصل حقیقت میں اس کی سبب شق مشترک ہو جیسا کہ میں نے کفارہ میں ہے کہ حق دائرہ ہے تین چیزوں میں، یعنی آزاد کرنا اور کپڑا دینا اور کپڑا دینا دس مسکین کو تو یہ میں نے کفارہ ان تین چیزوں میں حق دائرہ ہے حالانکہ آزاد کرنا بلا شک افضل ہے کھانا دینے اور کپڑا دینے سے۔ اور کپڑا دینا افضل ہے کھانا دینے سے ایسا ہی یہ مسئلہ مذکورہ خلافت کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال : اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے کہ تفضیل شیخین پر اجتماع ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی عنہ پر تفضیل ہر وجہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟

جواب : حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے بلکہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین میں بھی کسی سے ایک صاحب کی تفضیل دوسرے صاحب پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے۔ اس واسطے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیفی و سنانی ہیں اور فرض قضا و کثرت روایات حدیث میں اور با شمیث و حنیث ہیں اور علی مخصوص اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زوجیت کی قرابت ہے افضل ہیں۔ ان وجہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تفضیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قطعی طور پر ثابت ہے اور ایسا ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قطعی طور پر ان امور میں ثابت ہے

کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایمان لے آئے اور ایسا ہی پہلے
پڑھی۔

مراد اس امر سے کہ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے۔ یہ سب کہ حضرت شیخین کو حضرت
علی رضی اللہ عنہ پر صرف ان امور میں فضیلت ہے۔ سیاست امت و حفظ دین تین و سد باب فتنہ و ترویج احکام شریعت
و ممالک میں اشاعت اسلام و اقامت حدود تعزیرات یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند
جینے میں حضرت شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے۔ اور ایسا ہی مقاصد خلافت کبریٰ کے ہیں اور اسی وجہ سے
اس امر پر صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبریٰ کے مقاصد میں حضرت شیخین مقدم ہیں۔ بلکہ سوا حق محقر اور دیگر
کتب حدیث معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

سَأَلْتُ اللَّهَ أَنْ يَقْدِرَ مَلَكَ يَأْتِيَنِي اللَّهُ لَا يَقْدِرُ مَلَكَ يَكُونُ

یعنی "اے علی بن ابی طالب: میں نے سوال کیا اللہ تعالیٰ سے کہ وہ تم کو مقدم کرے اور اللہ تعالیٰ نے ابوبکر
کے سوا کسی دوسرے کو مقدم کرنے سے انکار کیا۔ (ماخوذ از سوالات عشرہ شاہ بخاری)

سوال: معاویہ بن ابوسفیان نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ابوتراب کو بڑا کیوں
نہیں کہتے؟

جواب: مسلم اور ترمذی میں حدیث شریف کا یہ لفظ ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان نے سعد بن ابی وقاص
سے کہا کہ:-

مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقْبَلَ ابْنِ تَرَابٍ؟ یعنی کس امر نے تم کو باز رکھا بڑا کہنے سے ابوتراب کے؟

بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:-

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے
اور تم نہیں سمجھاتے کہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں۔ اور ان
پر قصاص جاری کرنے کے لئے ان کو ہمارے سپرد کریں؟"

لیکن اس تو جہیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں۔ ایک خدشہ یہ ہوتا ہے کہ اس ضمنوں سے لازم آئے کہ حضرت
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ حیات میں یہ گفتگو ہوئی۔ اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
ساتھ سعد بن ابی وقاص کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس واسطے کہ سعد ابتداً فتنہ سے مونیع عقیق میں جو کہ مدینہ منورہ سے باہر ہے
گوشہ نشین رہے۔ اور ان ایام میں مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ حضرت امام حسن
اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ہونے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے واسطے آئے اور اس وقت انہوں نے صرف
مدینہ کے لوگوں سے ملاقات کی۔

اور دوسرا خدشہ یہ ہوتا ہے کہ جواب سعد رضی اللہ عنہ کا امام باذکوت خلافت اس توجیح کے صراحتاً

ممانی ہے۔ اس واسطے کہ کسی شخص کے کثرت فضائل مانع ایضاً اور پندگوئی کے لئے مانع نہیں ہوتی۔ بلکہ بہتر یہی
ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہر معنی سمجھا جائے۔ غایت الامر اس کا یہی ہوگا کہ از کتاب اس فعل قبیح یعنی سب یا حکم
سب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس
واسطے کہ درجہ سب کا قتل و قاتل سے بہت کم ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ:-

سَبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ، یعنی بڑا کہنا مؤمن کو فسق ہے اور اس کے ساتھ قاتل کو کفر ہے۔
اور جب قاتل اور حکم قاتل کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرکب کبیرہ
لا جانتا چلیے لیکن زبان طعن و لعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی شان میں
کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ہر جہلہ سفاک اجتہادی کو دخل دینا بے باکی
سے غالی نہیں ہے۔

سوال: حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے کہا کہ تم ابوتراب کو بڑا کیوں
نہیں کہتے کیا یہ حقیقت ہے؟

جواب: کہا مسلم مؤلف صحیح مسلم نے کہ حدیث بیان کی ہم سے قتیبہ بن سعید اور محمد بن بشار نے۔ اور
دو روای کی روایت میں جو الفاظ ہیں۔ وہ قریب قریب ایک ہی ہیں۔ ان دونوں روایوں نے کہا کہ حدیث بیان کی
ہم سے حاتم نے اور وہ ابن اسماعیل ہیں۔ اور انہوں نے روایت کی بکر بن ساریس سے اور انہوں نے روایت کی عامر بن
سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے روایت کی اپنے پدر بزرگوار سے کہ انہوں نے کہا کہ معاویہ بن ابوسفیان نے
سعد سے کہا کہ کس چیز نے باز رکھا تم کو ابوتراب کو بڑا کہنے سے۔

سعد نے کہا کہ آگاہ رہو جب تک مجھ کو تین امور یاد رہیں گے کہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے۔ میں ہرگز ابوتراب رضی اللہ عنہ کو بڑا نہ کہوں گا۔ اگر ان تین امور سے کوئی ایک امر بھی مجھ میں پایا جاتا تو وہ مجھ
کو طرح چار پائیوں سے زیادہ مرغوب ہوتا۔ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوتراب سے فرماتے
ہوئے سنا جس وقت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والدہ و اصحابہ و سلم نے حضرت ابوتراب رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کو اپنے بعض عرواات میں پیچھے چھوڑ دیا۔ کو حضرت ابوتراب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
کیا کہ رسول اللہ آپ نے مجھ کو عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ سے خوش نہیں کو آپ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ
نوشی ہوئے نزدیک تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ میں نے جنگ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایسے شخص کو نشان یعنی جھنڈا دوں گا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس کے ساتھ محبت
ہے تو سعد نے کہا پھر تو ہم لوگ مڑا کر دیکھنے لگے۔ یعنی منتظر تھے کہ کس کو سادات نصیب ہوتی ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

میرے پاس علیؑ نہ گزرا۔ تو حضرت علیؑ نے بلائے گئے اور اس وقت آپؐ آنکھوں میں آنسو تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ کی آنکھوں میں اپنے دامن مبارک کا شلوک ڈال دیا اور آپؐ کو نشانِ مرحمت فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو اللہ و جہا کے ہاتھ سے فتح کر دی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تَبَدَّلَ آبُ نَارٍ وَأَنْبَاءُ الْكَلْبِ تُوِغِيرُ حُرَّ الدُّمَى وَارِوِصَابَهُ وَسَلَّمَ نے حضرت علیؑ کو اللہ و جہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کو بلایا اور کہا:-

اللَّهُمَّ هَذَا أَهْلُ مَبِيتِي یعنی میرے پروردگار میرے اہل بیت ہیں۔ امام نووی نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ:-

ان معاویہ قال لسعد بن ابی وقاص ما منعك ان تسب ابائنا قال العلماء الا اديت الوردۃ التي في ظاهرها دخل على اصحابه يجب تاويلها قالوا لا يقع في روايات الثقات الا ما يمكن تاويله فقول معاوية هذا ليس له تصريح بابت امر سعد السببه وانما ساله عن السبب المانع للتبث كانه يقول هل امتنع منه قد عفا او خوفنا او غيبه ذلك فان كان توعدا واجلالا فانت مصيب وحسن وان كان غير ذلك فله جوابك اخذوا كعمل قد كان في طائفة علماء من وعجز عن الافكار فسألوه هذا السؤال قالوا او يحتمل تاويلا اخذوا معنا ما منعك ان يخطئه في رأيه واجتهاد وتظهر للناس حسن رأينا واجتهادنا وانه اخطاء

یعنی صحیح مسلم کا قول ہے کہ معاویہؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا اگر کس چیز نے باز رکھا تو کو ابوؤثا کو برا کہنے سے علما نے کہا کہ جو ایسی احادیث ہیں کہ اس کے ظاہر میں سے صحابہ کرامؓ کی شان میں شہادہ کا احتمال ہوتا ہے تو واجب ہے کہ ان احادیث کی تاویل کی جائے۔ اور علما کرامؓ نے کہا ہے کہ ثقات سے ایسی کو روایت نہیں مگر اس کی تاویل ممکن ہے۔ حضرت معاویہؓ کے اس قول میں تصریح نہیں کہ آپؐ نے حضرت کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کو اللہ و جہا کو برا کہیں۔ بلکہ اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعدؓ سے پوچھا کہ کس سبب سے برا نہیں کہتے تو گو یا حضرت معاویہؓ نے کہا کہ کیا تو ترجیح کے خیال سے اس امر سے باز رہے۔ یا حضرت علیؑ کو اللہ و جہا کے خوف کی وجہ سے باز رہے یا اس کے سوا کوئی اور وجہ اگر یہ وجہ ہے کہ تو ترجیح کا خیال ہو سبب یا حضرت علیؑ کو اللہ و جہا کی عظمت کا لحاظ ہے تو آپؐ حق پر ہیں اور آپؐ کا عمل نیک ہے اگر کوئی دوسری وجہ ہے تو اس کے بارے میں اس کے مناسب دوسرا جواب ہوگا۔

شاید معاویہؓ کسی گروہ میں تھے۔ اور اس گروہ سے شامل ہو کر حضرت علیؑ کو برا نہ کیا۔ اور لوگوں کو منع کرنے سے بھی عاجز تھے تو اس وجہ سے حضرت معاویہؓ نے ان سے یہ پوچھا۔ علما کرامؓ نے کہا ہے

لو اس سے علاوہ اور بھی دوسری تاویل کا احتمال ہے۔ یعنی کہا جاسکتا ہے کہ مطلب اس قول کا یہ ہے کہ کس چیز نے آپؐ کو باز رکھا اس امر سے کہ آپؐ نہیں کہتے کہ حضرت علیؑ کو اللہ و جہا کی رلے اور آپؐ کا اجتہاد خطا پر ہے اور لوگوں پر ظاہر نہیں کر دیتے کہ میری رلے اور میرا اجتہاد صحیح ہے اور حضرت علیؑ کو اللہ و جہا خطا پر ہیں اور جامع نزدیکی میں بھی یہ حدیث ہے مگر مختصر ہے۔

سوال : علم کلام کے جمیع متون میں مرقوم ہے کہ صحابی کے بارے میں طعن نہ کرنا چاہیے اور حدیث شریف میں ہے:-

ثُمَّ يَكُونُ مَلَكًا عَصُوفًا

یعنی پھر میں گے بادشاہِ عضوین (یعنی دانت سے کاٹنے والا یعنی حرلیں)

تو اس حدیث کے معنوں سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بادشاہ تھے۔ اس واسطے کہ آپؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تیس برس گزرنے کے بعد حاکم تھے تو اگر کوئی شخص اس حدیث کی بنا پر حضرت معاویہؓ کی شان میں طعن کرے تو اس میں کیا قباحت لازم آتی ہے۔ اس واسطے کہ ظلم وغیرہ لوازمِ عضوینیت سے ہے تو اگر ظلم کی نسبت آپؐ کی طرف کی جائے تو اس میں کیا قباحت ہے اور اگر آپؐ کی شان میں طعن جائز نہیں تو اس حدیث شریف کی توجیہ کیا ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں ذکر ہے:-

الصحابة كلهم معدون یعنی سب صحابہ کرامؓ مد عادل ہیں۔

تو توجیہ آپؐ کی بغاوت اور عضوینیت کے بارے میں کیا ہے اور آپؐ کی بغاوت بالاتفاق ثابت ہے تو باطنی کی بابت کرنے میں کیا قباحت لازم آتی ہے اور بعض علما کرامؓ آپؐ کی شان میں طعن کرنے سے منع کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اور بعض آپؐ کی شان میں لکھتے ہیں کہ مجتہد نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کی مخالفت کے بارے میں جو اجماع ہوا اس میں حضرت معاویہؓ نہ شریک نہ ہوئے تو آپؐ کی عدم شرکت سے اس اجماع میں کچھ نقصان لازم نہیں آتا اور یہ قول اس کے منافی ہے کہ ابو رافعؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی نماز ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ اور یہ خلافِ حدیث صحیح ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں فرمایا۔ انه فقیہ۔ یعنی حضرت معاویہؓ فقیہ ہیں۔ یہ صحیح بخاری میں ہے اور مشکوٰۃ میں بھی مذکور ہے:-

قال ابن عباس انه فقیہ

یعنی کہا حضرت عباسؓ نے کہ حضرت معاویہؓ فقیہ ہیں تو حضرت معاویہؓ کو کیوں کر مجتہد سمجھا جائے اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کے قول کی توجیہ کیا ہوگی۔

جواب : علم عقائد کے متون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن کرنا نہ چاہیے۔ تو متون میں جو لکھا

تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کے لئے ہیں معتبر ہیں۔ ہرگز صحابہ رضہ سے کذب روایات حدیث میں ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارے میں کسی صحابی رضہ نے کچھ دروغ کہا ہے۔ نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہو اسے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ارتکاب بعض کبائر کے محدود ہوئے۔ البتہ صحابہ کبار سے عمدہ گناہ صادر نہ ہوئے۔ وہ اس سے محفوظ رہے اور اس مقام میں اجتہاد و عدم اجتہاد صحابہ میں بحث کرنا مفید نہیں۔ اس واسطے کہ اگرچہ مجتہد تھے لیکن بعض صحابہ سے بعض مسئلہ میں یقیناً خطا ہوئی۔ اس واسطے کہ اجتہاد بقا بل نفس کے ہرگز قابل اعتبار نہیں اس حال واقعی کی تحقیق بیان کرتا ہوں کہ روایت کی تفتیش و تفحص کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو آخر عمر میں رجحان اجتہاد کا حاصل ہوا تھا۔ لیکن پائیدہ علمی کم تھا۔ اور جو جمیع احادیث پر نہ ہوا۔ بخلاف ان صحابہ کرام کے جو حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اجتہاد کو پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسائل اجتہاد کی تصدیق فرمائی۔ اور ان صاحبوں کو فتویٰ اور اجتہاد کی اجازت فرمائی

مثلاً حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے ماندا اور جو صحابہ کرام ہوئے جن صحابہ کرام کو مرتبہ اجتہاد کا حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہ ہوا تھا ایسے صحابہ کرام کے اجتہاد کی نفی کرنا درست ہے۔ اس واسطے کہ ایسے صحابہ کرام رضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں مرتبہ اجتہاد کھلاسل نہ ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضہ کے کسی مسئلہ اجتہاد پر کی تصدیق نہ فرمائی ہے تاکہ اجتہاد ان کا معتبر اور مضبوط ہو سکے اور جس نے حضرت معاویہ رضہ کو مجتہد کہا تو اس نے بھی درست کہا۔ اس واسطے کہ حضرت معاویہ رضہ نے اخیر عمر میں احادیث کثیرہ دیکھی صحابہ کبار سے سنیں اور اس وجہ سے بعض مسائل فقہ میں دخل دیتے تھے۔ اور یہی مڑا ہے حضرت ابن عباس کی اس قول سے کہ اِنَّهُ فَنَقِيه۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر جو اجماع ہوا اور اس اجتماع سے حضرت معاویہ رضہ خارج نہ ہے تو اس سے اس اجماع میں کچھ حرج لازم نہیں آتا۔ اس واسطے کہ اس وقت آپ کا اجتہاد اس درجہ کا نہ تھا کہ آپ اہل حل و عقد میں شمار ہو سکتے اور علاوہ اس کے خلافت حضرت علی رضہ کی محققین کے نزدیک نص سے ثابت ہے۔ اور نص کے مقابلہ میں اجتہاد کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ متعہ کے حلال ہونے کا ہے اور یہ مسئلہ حضرت ابن عباس رضہ کی جانب منسوب ہے اور ایسا ہی مسئلہ عدم وجوب غسل کا ہے اس جماع سے جس میں انزال ہوا ہو اور یہ مسئلہ حضرت ابی بن کعب و غیرہ بعض انصار کی جانب منسوب ہے۔

سوال

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض صحابہ رضہ عشرہ مبشرہ سے نماز جمعہ میں حاضر تھے۔ اور وہ ان سے

ہے وہ صحیح ہے لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجہ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے لئے ہو میں ہو۔ تو اس روایت سے عقائد کے اس مسئلہ میں کچھ حرج لازم نہیں آتا ہے اور اسباب متون کی عدم ادائیگی نہیں کہ سب صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجہ طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں۔ اس واسطے کہ کسی صحابی کے لئے میں شرب خمر ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ اور بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قائم کیا ہے۔ اور حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ سے قذوف کا صادر ہونا ثابت ہے ان پر حد بھی جاری ہوئی اور حضرت ماعز اسلمی سے زنا صادر ہوا اور وہ رجم کئے گئے۔ البتہ حضرات صحابہ کرام بحیثیت صحابہ ہونے کے وجہ الاحترام ہیں۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ صحابہ کی شان میں طعن کی زبان نہ مانز نہ کریں۔ تاوقتیکہ ان میں سے کسی کا نفاق اور ارتداد قطعی طور پر معلوم نہ ہو۔

مثلاً ابوذر غفاری رضہ کے حق میں صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے :-

انہ امراً فیک جہالۃ

تو اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ابوذر مرد جاہل تھے۔ اور ایسا ہی ابو جہم کے لئے

میں جو بہترین صحابہ میں سے تھے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے :-

لا یضع عصا عن عنقہ

اپنے کندھے سے اپنی لکڑی نہیں اُتارتا

یعنی یہ کنایہ ہے اس سے کہ آپ بہت زود کوب اور سیاست اپنی عورتوں اور خادموں کی کرتے ہیں اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ابو جہیم مرد ظالم تھے۔ بلکہ اگر ان سے اوپر نظر کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے لفظ عتاب آمیز وارد ہوا۔ تو امت کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ان الفاظ کے سکاٹ سے ان انبیاء علیہم السلام کی شان میں کچھ کلام کریں۔

وعصی آدم ربہ فنعو

حالانکہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عامی و غاوی کہنا کفر ہے اور مثلاً یہ کلام پاک میں ہے۔

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

نہیں ہے معبود دیگر سوا تیرے، پاک ہے تو اور میں ظالموں میں سے ہوں۔

اور یہ کلام پاک میں ہے :-

اذ ابوت الی الفلک المشحونہ فالتفتہ الحوت ففعلت

یہ آیتیں شان میں حضرت یونس علیہ السلام کے ہیں۔ حالانکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ظالم و ملیم کہنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ متون کی عبارت بھی صحیح ہے کہ بلحاظ روایت ادب کے امت کے لئے کو چاہیے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کریں اور حدیث مذکور بھی صحیح ہے وہ باعتبار واقع کے ہے اور یہی صحیح اہل سنت کا ہے۔ مشکوٰۃ اللہ سعیدہ اور کتب اصول میں مرقوم ہے کہ :-

امشکوہ قال من الشدک فتوا " یعنی کیا یہ لوگ شام کے مشرکین سے ہیں ؟
تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ لوگ شمرک سے بھاگے تو پھر لوگوں نے پوچھا اَمْتَانِ فَمَنْ هَکَا
یہ لوگ منافقین اہل شام سے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ :-

ان للمنافقین لایذکدودن الله الا تلیلاط

یعنی تحقیق کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر کم یاد کرتے ہیں :-
تو پھر لوگوں نے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے ۔ اور کیا کہنا چاہیے تو حضرت علی
المرتضیٰ نے فرمایا کہ :-

اخواننا یفنعوا علینا " یعنی یہ لوگ مسلمان ہیں اور مرتکب گناہ کبیرہ اور بدعت کے ہوئے ہیں ؟

چنانچہ اسی وجہ سے بمقتضائے فرمان حضرات فتنین رنہ یعنی حضرت عثمان رنہ اور حضرت علی رنہ کے حکم کے
منشاء کے موافق قدمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ سب فتنین رنہ یعنی بڑا کہنا حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کو بدعت اور فسق ہے البتہ بدعت اور فسق عظیم ہے ۔ بخلاف سب فتنین رنہ کے کہ اس میں اس طرح کے آثار
دارد نہ ہوئے ۔ سب فتنین رنہ کے بارے میں یعنی اس شخص کے بارے میں جو حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کو بڑا کہے جو حکم دیا گیا ہے یہ حکم از قبیل استحسان بالاثربے کہ بخلاف قیاس سابق علماء نے یہ حکم دیا ہے ۔
چنانچہ مسئلہ میر اور استضاح وغیرہما کا بھی ایسا ہی ہے اور فی الواقع قیاس مقتضی ہے کہ ان سب صحابہ کو
بڑا کہنا کفر ہے ۔ چنانچہ متاخرین محققین نے یہی حکم اختیار کیا ہے اس واسطے کہ علوم مرتبہ اور بزرگی ان صحابہ کرام کی متواتر المعنی
ہے اور ضروریات دین سے ہے ۔

اگر کسی شخص کے دل میں شبہ گزے کہ فتنین نے یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رنہ اللہ عنہما نے اپنے
بڑا کہنے والوں کے بارے میں کفر کا حکم کیوں نہ فرمایا ۔ حالانکہ قیاس یہی تھا کہ ایسا ہی حکم فرماتے اور اولہ صحیحہ سے ان
صحابوں کی تعظیم کرنے کا حکم ثابت ہے ۔ تو اس شبہ کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت فتنین رنہ
نے اس بناء پر ان ملعونوں کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا کہ مسلمان کی تکفیر میں حقیقہ کرنا چاہیے ۔ ان ملعونوں کے شبہات
نامس کا ان سمجھوں کی عدم تکفیر میں حضرت فتنین رنہ نے احتیاطاً اعتبار کر لیا ۔ چنانچہ حضرت عثمان رنہ نے خیال فرمایا کہ ان
سمجھوں کو یہ شبہ ہو گیا ہے ۔ کہ ہم نے معمولات حضرت شیخین رنہ کو بدل دیا ہے اور یہ ناحق شبہ ان سمجھوں کے دل
میں اس قدر مستحکم ہو گیا ہے ۔ کہ میری احادیث اور میرے مناقب اور علو درجات کو یہ سب کچھ دل میں نہیں لاتے
اور اسمیں غور نہیں کرتے ۔ اور اپنے خیال کے موافق بعض آیات قرآنی پر عمل کرتے ہیں اور گویا دینداری کے زیادہ خیال
سے میری فضیلت اور خلافت کے نہایت منکر ہیں اور احکام قرآن حکیم اور ضروریات دین کا جان کر قصداً انکار نہیں کرتے
اگرچہ کچھ بڑا کہنے سے اور میری شان میں طعن کرنے سے یہ امر یعنی انکار ضروریات دین کا لازم آ جا تا ہے اور جب کوئی
امرناواقفیت سے جو جائے ۔ اور وہ امر موجب کفر ہو تو اس سے کفر لازم نہیں آتا ۔ بلکہ کفر یہ ہے کہ قصداً دیدہ دانستہ

خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بڑا کہنا اور صحابہ موصوفین نے اس کے پیچھے نماز پڑھی اور اس کی تکفیر کا حکم نہ فرمایا البتہ
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا کہنے کی وجہ سے مروان پر ان صحابہ کرام رنہ نے سختی کی اور اس کو زجر و توبیخ کی
تعجب ہے کہ امانت علم و علماء کی کفر ہے ۔ چنانچہ یہ مسئلہ استنباء والنظائر میں موجود ہے تو امانت ایسے صحابہ
اجل کی یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کیوں کر کفر نہ ہوگی ۔ تو ایسی حالت میں صحابہ کرام نے مروان کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی
اور اس کی تکفیر کا حکم نہ فرمایا ۔ صرف زجر و توبیخ پر اکتفا کیا ۔ اس کی توجیہ کیا ہے ۔

اور سب شیخین یعنی شیخین کو بڑا کہنا کفر ہے تو سب یعنی بڑا کہنا حضرت علی رنہ کو کیوں کر کفر نہ ہوگا ۔ یہ تو صحیح
بلا مرجح کیسی ہے ۔ حالانکہ بزرگی اور علو مراتب ان سب صحابہ کرام کا متواتر المعنی ہے اور اس مسئلہ میں کیا حکم ہے
کہ حضرت ابو بکر رنہ کی فضیلت کو بعض قطعی کہتے ہیں اور بعض نفی کہتے ہیں ۔ چنانچہ امام رازی اور آمدی اور سید شریف
اور علامہ تفتازانی سے مولانا شاہ عبدالرحمن علیہ الرحمۃ تک ان سب علماء کرام میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے تو اس اختلاف
کی کیا وجہ ہے ۔ اور اس بارہ میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے ۔ اور مزید پر لعن کے بارے میں بعض سے توقف منقول ہے ۔ تو
اس بارے میں تحقیق کیا ہے ؟

جواب : حضرات فتنین رنہ نے اپنے بڑا کہنے والوں کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا ہے ۔ چنانچہ
حضرت عثمان رنہ کے بارے میں خبر ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے کہ جب خارجیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کیا ۔ تو اس وقت حضرت عثمان رنہ نے ایک دوسرے شخص کو اپنی طرف سے مسجد نبوی کا امام مقرر کیا
حالانکہ وہ ملعون حضرت عثمان رنہ کو بڑا کہتا تھا ۔ تو لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا ۔

انک امام عادل وقد نزل بک مائتہ ویصلی بنا امام فتنۃ فماتقول فی ظنک

" یعنی آپ امام عادل ہیں اور آپ پر ترؤد آیا ہے جو ہم دیکھتے ہیں اور ہم لوگوں کے لگے مشد نماز پڑھا
ہے تو اپنی رائے کے موافق اس بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟

تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ :-

المصلوۃ احسن ما یعملہ الناس فاذا احسن الناس فاحسن معہم فذا آساؤا
فاجتنب اساءتہم ۔

یعنی نماز نہایت بہتر عمل ہے لوگوں کے اعمال میں سے تو جب لوگ نیک عمل کریں تو تم لوگ ان کے
ساتھ بھی نیک عمل کرو اور جب لوگ بڑا عمل کریں تو ان کے بڑے اعمال سے پرہیز کرو ۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت فرمائی کہ لوگ اس بدعتی کے پیچھے نماز پڑھیں تو اگر بالفرض حضرت
عثمان رنہ مروان کے بارے میں کفر کا حکم فرماتے تھے ۔ تو اس کے پیچھے نماز کیوں پڑھی جاتی تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رنہ کے
حال میں ثابت ہے کہ دارقطنی اور دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ حضرت علی رنہ سے لوگوں نے اہل شام کی بناوٹ
کا حال پوچھا :-

کوئی امر موجب کفر کوئی شخص کرے چنانچہ اسی بنا پر اہانت علم اور علماء کی اس وقت موجب کفر ہے کہ کوئی شخص جانتا ہو کہ یہ علماء ہیں اور ان کو علم حاصل ہے اور یہ جان کر وہ شخص ان علماء کی اہانت کرے تو یہ کفر ہے اور اگر کوئی شخص غلط طور پر ان علماء کو جاہل سمجھتا ہو۔ اور ان کے علم کو جہل جانتا ہو۔ اور اپنے فاسد اعتقاد کے موافق ان علماء کی اہانت کرے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ:-

إِذَا رُفِضَ الْحَدُودُ وَالْقَصَاصُ بِالشُّبُهَاتِ
یعنی قائم نہ کرو حدود اور قصاص کو شبہ سے

اور اسی وجہ سے ان ملعونوں کے شبہ کے اعتبار سے ان سبھوں کے بارے میں کفر کا حکم دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پرہیز فرمایا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی یہ خیال فرمایا کہ ان ملعونوں کو غلط یہ گمان ہے کہ لعناؤن میری دلتے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے ہیں۔ اور احتیاطاً جو خیالات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس وقت کے فتنہ کے باب میں ہوئے۔ جو اؤپر مذکور ہوئے ہیں۔ وہی خیالات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھی نظر احتیاط ان ملعونوں کے بارے میں ہوئے۔ اور احتیاطاً آپ نے بھی ان ملعونوں کے بارے میں حکم کفر کا نہ فرمایا۔

سبحان اللہ! اس قدر احتیاط دین میں ہے۔ جو حضرت فتنہ میں رہے۔ جو حضرت فتنہ میں آئی۔ لیکن متاخرین اہل سنت نے جب دیکھا کہ جو شبہات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان ملعونوں کے بارے میں عدم کفر کے لئے ہوئے تھے۔ اب وہ شبہات بالکل زائل ہو گئے اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا۔ کہ ان ملعونوں کی تہمت بالکل بے اصل تھی۔ اور احادیث کی جستجو اور اس میں غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فتنہ کے منکرین کے ساتھ معاملہ کفار کا فرمایا ہے

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منکرین کے بارے میں جامع ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ایک جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لوگ لے آئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود اس کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ اور لوگوں کو فرمایا کہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں۔ تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِنَّهُ كَانَ يَبْغِضُ عُثْمَانَ فَابْغِضْهُ اللَّهُ

یعنی یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے منکرین کے بارے میں احادیث صحیحہ میں وارد ہے:-

حَبَّ عَلَى آيَةِ إِيْمَانٍ وَبِغْضٍ عَلَى آيَةِ الْكُفَرَانِ

یعنی محبت رکھنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علامت ایمان کی ہے۔ اور بغض رکھنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے علامت کفر کی ہے۔

اور یہ بھی حدیث شریفہ میں وارد ہے:-

لَا يَجِبُ الْإِيْمَانُ وَلَا يَبْغِضُ الْإِيْمَانُ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آپ سے محبت نہ رکھے مگر وہی شخص جو مؤمن ہوگا۔ اور آپ سے کوئی شخص بغض نہ رکھے گا مگر وہی شخص جو منافق ہوگا۔
اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ:-

أَلْفَمَةٌ دَالٍ مِّنْ دَالٍ وَعَادٍ مِّنْ عَادٍ

یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی۔ کہ اے پروردگار جو شخص محبت رکھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو اس شخص کے ساتھ تو محبت رکھ اور جو شخص عداوت رکھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو تو اس شخص کے ساتھ عداوت رکھ۔

تو جب علماء کرام کو یہ حدیث معلوم ہوئی۔ اور اس میں غور کیا تو ان کے لئے ضرور ہو گیا کہ ان علماء نے حکم دیا کہ جو شخص حضرات فتنہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہے تو وہ کافر ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اور ہمارے زمانے میں اسی پر فتویٰ ہے۔

فضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعی ہے اور جو کچھ بعض علماء نے مثلاً امام رازی اور آمدی وغیرہما بعض علماء متکلمین نے لکھا ہے بھی صحیح اور درست ہے اور تفصیل اس امر کی یہ ہے کہ ہر ایک دلیل پر جدا گانہ جو ذکر کی جاتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفصیل ملتی ہے۔ اس واسطے کہ خبر احاد سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ قرآن شریف میں واقع ہوا ہے۔ وہ البتہ متواتر ہے۔ لیکن اس میں بھی احتمال تاویل کا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے:-

وَلَا يَأْتِيَنَّكُم مِّنْهُ

اور یہ بھی کلام اللہ تعالیٰ کا ہے:-

وَمَنْ يَبْغِضْهُ فَإِنَّهُ كَبْرُؤُهُ

تو اگرچہ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہیں اور ان آیتوں سے

آپ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ان آیتوں میں تاویل کا بھی احتمال ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں

یہ آیت قطعی نہیں۔ لیکن جب سب اولہ بحیثیت اجتماع ملاحظہ کی جاتی ہیں تو قطعی طور پر ان سب اولہ سے فضیلت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ثابت ہوتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی امر کے لئے چند دلیلیں ہیں اور ہر دلیل جدا گانہ فرداً

فرداً الحاکم کرنے سے اس امر کے بارے میں صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور مجموعہ احاد جب حد تو اترو کو پہنچ جائے۔ تو

سب احاد پر بحیثیت مجموعی اور اس کے تواتر کے لحاظ کرنے سے وہ امر قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے ایسا ہی فضیلت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے اور کتاب ازالۃ الخفاء اور قرۃ العین میں یہ مقام اس قدر شرح و بسط کے ساتھ ذکر

ہے کہ ان کتابوں پر عبور ہو جانے سے کچھ شبہ اس امر میں باقی نہیں رہتا کہ قطعی طور پر فضیلت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی
ثابت ہے اس حکم میں یزید پر لعن کرنا چاہیے۔ یا نہیں۔ توقع اس وجہ سے ہے کہ یزید پلیدی کے بارے میں مولانا
شہادت حضرت امام حسینؓ میں روایات متعارضہ و متخالفہ وار ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات سے مطہر ہو کر
کہ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت پر یزید پلیدی راضی ہوا۔ اور آپ کی شہادت پر خوش ہوا۔ اور اس نے اہل بیتؑ اور
خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کی۔ تو جن علما کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان میں
سے یزید پلیدی پر لعن کیا۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اور کیا مراسی جو فقہائے شافعی رحمہ سے ہوئے ہیں۔ اور دیگر علماء کثیر نے نیز علیہ
پر لعن کیا۔ اور بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ یزید کو شہادت سے امام علیہ السلام کے رنج تھا اور شہادت کا کام
سے یزید نے ابن زیاد اور اس کے اعموان پر عتاب کیا اور یزید کو اس کام سے ندامت ہوئی کہ اس کے نائب کے کام
سے یہ واقعہ وقوع میں آیا۔ تو جن علماء کے نزدیک بیثبات ہوا کہ یہ روایات مرجم ہیں تو ان علماء کرام نے یزید کو
لعن سے منع کیا۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ اور دیگر علماء شافعیہ اور اکثر علماء حنفیہ نے یزید کے لعن سے منہ
کیا ہے اور بعض علماء کے نزدیک ثنابت ہو ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں تعارض ہے۔ اور کوئی ایسی وجہ ثابت
نہ ہوئی کہ اس کے اعتبار سے ایک جانب کی روایات کی ترجیح ہو سکے تو ان علماء نے احتیاطاً اس مسئلہ میں توقف
کیا اور جب روایات میں تعارض ہو اور کوئی وجہ کسی روایت کی ترجیح کے لئے نہ ہو تو علماء پر یہی واجب ہے یعنی
حکم دینے میں توقف کرنا واجب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔

شمر اور ابن زیاد پر لعن کرنا قطعی طور پر جائز ہے اس واسطے کہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر اور ابن زیاد شہادت پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی راضی تھے۔ اور آپ کی شہادت سے وہ دونوں خوش ہوئے اور اس بارے میں روایات میں تعارض نہیں۔ اس لئے شمر اور ابن زیاد پر لعن کرنے میں علماء سے کسی نے توقف نہیں کیا بلکہ بالاتفاق سب علماء کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر اور ابن زیاد بد مذہب اور لعن و لعن کرنا جائز ہے۔

سوال : قصۂ افشائے راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تحجیم ماریہ قبطیہ کا جو ہے ۔ اس قصہ میں حضرت عائشہ الصدیقہ رنہ پر لعن ہونے کے جواب میں جو مرقوم ہے کہ حضرت عائشہ الصدیقہ رنہ سے ہرگز افشائے راز نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے کیا معنی لئے جائیں گے :-

وَأَنْ تَشُوبُوا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا
یعنی "اور یہ کہ تو بہرہ دوں درگاہ میں اللہ تعالیٰ کے پس تحقیق کمال ہو گیا امر ناحق کی طرف دل تم دونوں کا
اور اس آیت میں کہ ضمیر تشبیہ کی ہے راجع ہے طرف حضرت عائشہؓ السدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما
کے تو اس آیت کے کیا معنی ہیں ؟

جواب : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ افشاء راز نہ کیا لیکن تحریم قبطیہ رضی اللہ عنہا کا حال سن کر خوش ہوئیں۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو افشاء راز سے منع فرمایا۔ بلکہ اشباح اور خوشی کے علو پر ان کے ساتھ پیش آئیں۔ اور شب بیک اولی میں۔ اور شامہ نقاشیت سے خالی نہیں اور آپ کی صرف خوشی بھی اس بارے میں اس سے ہے کہ :

حسنات الامبارسيئات المقويين

یعنی ایک لوگوں کی جو نیکی ہوتی ہے وہ کسی وجہ سے مقررین کی برائی شمار کی جاتی ہے۔

اس واسطے ضرور ہو اگر حضرت عائشہ السدیقہ بھی توبہ واستغفار کریں اور حدیث صحیح میں وارد ہے :-

ایہا الناس توبوا الى اللہ فانی اتوب الى اللہ فی الیوم مائة مرة

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "اے لوگو! توبہ کرو درگاہ میں اللہ کی پس میں توبہ

کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ہر روز سو مرتبہ:

اِنَّهٗ لِيَغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَيُغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ

یعنی "فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تحقیق مانند رنگ کے اجا مابے میرے دل پر تو میں صفا
کے لئے نہ تھا کہ ہر روز ستر مرتبہ"

عنه حضرت عائشہ الصغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو توبہ کرنے کا حکم ہوا تو اس سے آپ پر کچھ طعن نہیں آسکتا

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو توبہ کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے عام طور پر لوگوں کو توبہ کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے اور آنحضرت

[illegible]

سوال: قرآن شریف میں ہے۔ مَا تَنْسُجُ مِنْ آيَةٍ آخِرًا يَتَّكِمُ اور حاصل آیت کا

ہر حکم کے منوع ہونے کے لئے شرط ہے کہ کوئی دوسرا حکم جو اس حکم کے ماسوا ہو یا اس کے جیسے نہ ہو۔

فَمَا اسْمَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَانُفِثْنَ اُجُودَهُنَّ. اِلَى اُخْرِهِ

اور پھر وہ حکم متعہ کا اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے منسوخ ہوا۔

فَمِنْ ابْتِغَاؤِ رِزْقِ اللَّهِ قَالُوا لَكَ هُمُ الْعَادُونَ ۖ

یعنی جو شخص چاہے سوا اس کے کہ وہ حد سے تجاوز کرے والا ہے۔

تو جب کہ بعض کے نزدیک حکم منوع کا اس آیت سے منسوخ ہوا، اس کا جس کے نزدیک منسوخ ہوا، اس کا نازل ہوا۔ یعنی دوسرا کون حکم نازل ہوا۔ جو منوع کے مانند ہو یا اس سے بہتر ہو جیسا کہ کسی حکم کے منسوخ ہونے کا نازل ہوا۔

اس کا نائل ہوا۔ یہی دوسرا کون تم ہر ایک ہر ایک کے لئے ہے۔

جواب : یہ جو آیت ہے مَا مَنَعَكَ مِنْ آيَةٍ أَدْنٰى مِنْهَا آخر آیت تک تو مراد اس سے ہے کہ جو حکم منسوخ کیا جاتا ہے تو وہ کسی دوسرے حکم سے منسوخ کیا جاتا ہے اور وہ حکم ناسخ حکم منسوخ سے پہلے ہے باعتبار فائدہ کے حق میں عباد کے۔ اور باعتبار ثواب کے۔ یا حکم منسوخ کے برابر ہوتا ہے حق میں عباد کے باعتبار نفع اور ثواب کے۔ تو متعطل حلال ہونے کا حکم منسوخ ہوا۔ اور اس حکم حل متعطل کے عوض میں یہ دوسرا حکم ہوا کہ متعطل حلال ہو جیسا کہ حلال ہونا اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ اسی طرح حرام ہونا بھی مجملہ احکام خداوند تعالیٰ کے ایک حکم ہے اور متعطل کے حلال ہونے سے متعطل کا حرام ہونا حق میں عباد کے زیادہ مفید ہے۔ اس واسطے کہ حفظ الیوم وکنو ہونا محرم کا اور توارث یہ امور متعطل کے حلال ہونے کی صورت میں باقی نہ رہیں گے۔ چنانچہ اس کی تفصیل تھوڑی سی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ حکم ناسخ جنس سے حکم منسوخ کے ہو۔ یعنی یہ ضرور نہیں کہ جب کسی حکم ناسخ سے کسی چیز کا حلال ہونا منسوخ کیا جائے اس حکم ناسخ سے کسی چیز کا حلال ہونا ثابت ہو۔ بلکہ جائز ہے کہ جب کسی حکم ناسخ سے کسی چیز کا حلال ہونا منسوخ کیا جائے تو اس حکم ناسخ سے اسی چیز کی حرمت ثابت ہونا مقصود ہو۔ چنانچہ سودا، شراب اور قمار کے حرام ہونے کے عوض میں کوئی دوسری چیز حلال نہ ہوئی۔

اور ایسا ہی حلال اکثر معاصی کا ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ضروری ہے کہ حکم ناسخ اور حکم منسوخ دونوں ایک جنس سے ہوں اور متعطل کے مسئلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ متعطل کا حلال ہونا منسوخ ہوا۔ اور اس کے عوض میں شرعی کثیر مملوک حلال ہوئی۔ کہ اس سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے جو متعطل میں فائدہ تھا۔ اس واسطے کہ اگر مسافر کو خواہش جماع کی ہو تو مکرر کردہ شرعی لونڈی خرید لے اور نامتدات اقامت اس سے منقطع ہو۔ جب اس کی ضرورت نہ ہے تو اس کو فروخت کر ڈالے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ متعطل کا حلال ہونا منسوخ ہوا۔ تو اس کے عوض میں طلاق حلال ہوئی۔ اور تفصیل اس مقام کی تفسیر فتح العزیز میں ہے کہ منشی منہاج الدین نے اس کی نقل لکھوائی تھی اس آیت کی تفسیر میں مذکور چاہیے۔

سوال : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو بڑا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے ؟

جواب : اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لازم سنت۔ اور محبت اہل بیت سے ہے کہ مروان علیہ اللعنت کو بڑا کہنا چاہیے۔ اور اس سے دل چاہیے زار رہنا چاہیے علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بے زار رہنا چاہیے۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان صحابی ہیں اور انجناب کی شان بعض احادیث بھی وارد ہیں۔ آنجناب مکے کے بارے میں علماء اہل سنت میں اختلاف ہے۔

علماء ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہا کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حرکات جنگ و جدل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئیں۔ وہ صرف خطا اجتہادی کی بناء پر تھیں جو محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات

یاد ہے کہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جو مقتصد امویہ و قریشیہ میں تھا۔ اسی کی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آئے جن کا غایت تغیر یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور بغاوت قرار دیئے جائیں۔ والافاسق لیس باہل اللعن

بنی فاسق قابل لعن نہیں۔
تو اگر مراد بڑا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو بڑا کہنا چاہیے اور بڑا سمجھنا چاہیے۔ تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے۔ اگر بڑا کہنے سے مراد لعن و شتم ہے تو معاذ اللہ کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے۔ اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کے شخص اس کے گرد جائے۔ علی الخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں آپ کے حق میں استغفار کرنا چاہیے۔ لعن کرنا حرام ہے۔ علی الخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صاحب حق یعنی علی مرتضیٰ حضرت علیہ السلام کی شفاعت زیادہ امید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحب حق یعنی علی مرتضیٰ رحمہ اللہ وجہ اپنا حق معاف فرمادیں گے۔ اور یقیناً معلوم ہے کہ بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا۔ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جس وقت قذف میں شریک تھے۔ اس وقت تک ان کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا۔ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جس وقت قذف میں شریک تھے اس وقت تک ان کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں قذف کرنا جرم ہے بخلاف اہل قرآن شریفین میں حکم نازل نہ ہوا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں قذف کرنا جرم ہے بخلاف اس وقت کے کہ اب یہ حکم صراحتاً قرآن شریف میں موجود ہے تو اب جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی شان میں قذف کرے۔ فعوذ باللہ من ذلک تو وہ شخص بلاشبہ کافر ہے۔ اس واسطے کہ اس کو قرآن شریف سے انکار ہے (ماخوذ از سوالات عشرہ شفاء بجا)

سوال : خلافت کے بارے میں یہ حدیث صحیح ہے۔ اختلاف بعدی ثلاثون سنہ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ اور اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام حسن نے خلافت کو ترک فرمایا۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام کا کیا دعویٰ تھا کہ آپ کے معظمہ سے باہر شریف لے گئے۔ اور بلا میں شہادت کی فیلست سے شرف ہوئے۔ اور حدیث متواتر کے علاوہ مشکوٰۃ شریف و غیرہ میں موجود ہے کہ اکثر بادشاہ ظالم ہوں گے۔ اور بہت ظلم کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت کیا مسلمان ان بادشاہوں سے تعارض نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو مناسب نہیں کہ ایسے بادشاہ وقت سے تعارض کریں جس کو تسلط کے ذریعہ سے سلطنت ملی ہو۔ ورنہ خود وہ مسلمان ظلم اور باغی قرار دیئے جائیں گے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مخالفت کے ساتھ کیوں مقابلہ کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ تسلط کے ذریعہ سے خود کی سلطنت ہو گئی تھی۔

جواب : حضرت امام حسین علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت راشدہ کا دعویٰ نہ تھا۔ اور اس عرض سے نہیں نکلے تھے کہ خلافت کا دعویٰ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس برس گزر جانے سے

خلافت کا زمانہ گزر گیا تھا۔ بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی عرض یہ تھی کہ ظالم کے ہاتھ سے رعایا کی رہائی ہو چکی ہے اور مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں جو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ وقت کی بناوت اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے منع فرمایا اگرچہ وہ بادشاہ ظالم ہو تو یہ حکم اس وقت میں ہے کہ ظالم کا کامل تسلط ہو گیا ہو اور اس کے تسلط میں کسی کو نزاع نہ ہو کوئی اس کا مزاحم نہ ہو۔ ابھی مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اور کوفہ کے لوگ یزید پلید کے تسلط پر راضی نہ تھے اور حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت قبول نہیں کی۔ حاصل کلام حضرت امام حسین علیہ السلام اس عرض سے نکلے تھے کہ یزید کا تسلط دفع کریں۔ یعنی اس کا تسلط نہ ہونے پائے۔ یہ عرض نہ تھی کہ اس کا تسلط رفع کریں۔ یعنی یہ امر نہ تھا کہ یزید کا کامل تسلط ہو گیا تھا اور آپ کا مقصود یہ تھا کہ اس کا تسلط اٹھادیں۔ مسائل فقہیہ میں دفع و رفع میں فرق ظاہر مشہور ہے۔

سوال : اخراج ابن العاصم فی سنة عن حسن بن علی انہ قال لمعاویۃ انت الثابت لعلی اما واللہ لترد علیہ الحوض وما ازی ان ترد فی فتجدہ مشمر الاذار عن ساق یذود عنه الحدیث

جواب : ترجمہ اس حدیث شریفین کا اس طور پر ہے۔

قال لمعاویۃ انت الثابت لعلی اما واللہ لترد علیہ الحوض ط

یعنی کہا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہ تم ہی ہو کہ بڑا کہتے ہو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آگاہ رہو قسم ہے خدا کی البتہ تم وارد ہو گے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوض کوثر پر۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ تم کو آپ کے ساتھ کام پڑے گا۔ اور آپ کے محتاج تم ہو گے قیامت کی تشنگی کی وجہ سے پانی کے لئے آپ کے پاس جاؤ گے۔ تو تم کو کیا مناسب ہے کہ آپ کو بڑا کہتے ہو۔ واما اذی ان ترد۔ اور مجھ کو گمان نہیں کہ تم حوض پر وارد ہو گے۔ اس واسطے کہ اس کو بڑا کہنے سے تم ناسق اور بدعتی ہو گے اور فاسق اور بدعتی حوض پر وارد نہ ہو سکیں گے۔ فتجدہ مشمر الاذار۔ تو پاؤ گے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ازار سمیٹے ہوئے اور یہ جملہ عطف ہے اس جملہ (لترد علیہ الحوض) پر اور تقدیر اس کلام کی یہ ہے۔ لترد علیہ الحوض فتجدہ مشمر الاذار۔ یعنی وارد ہو گے حضرت علی المرتضیٰ کے حضور میں حوض کوثر پر تو پاؤ گے آپ کو ازار سمیٹے ہوئے۔ یذود عنه یعنی آپ رضی اللہ عنہ ہٹکاتے ہوں گے۔ یعنی دُور کرتے ہوں گے غیروں کو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے : وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذَفَّنِیَا : یعنی پایا حضرت موسیٰ نے ان لوگوں کے پیچھے دو عورتوں کو کہ وہ ٹانگتی تھیں اونٹ کو لایا بَاقِی الْمُنَافِقُونَ یعنی تاکہ نہ آنے پائیں منافقین حوض کے پاس ذود اعزبۃ الابل یعنی مانند ہٹکانے شتران بے گانہ کے۔ وقد خاب من افتراء البتہ اس نے اپنا مطلب نہ پایا جس نے افتراء کیا۔ اس لفظ میں تناقض لفظی و معنوی ہے۔

عن علی بن طلحة مولى بنی امیة قال حج معاویۃ بن سفیان وحج معہ معاویۃ بن خدیج وکان من أسبغ الناس لعلی قال نسفی المدینة ومن بن علی ونفرد من اصحابه جالس فقیل له هذا معاویۃ بن خدیج الثابت لعلی قال فاتی رسول الحسن فقال اجب قال من قال الحسن بن علی یدعوك فأتاه فسلم علیہ فقال الحسن انت معاویۃ بن خدیج قال نعم قال فانت الثابت لعلی قال فکانہ استعجی فقال له الحسن اما واللہ لن وردت علیہ الحوض وما اذک ان ترد فتجدہ مشمر الاذار عن ساق یذود عنه المنافقون ذود عنریبة الابل قال الصادق المصدق وقد خاب من افتراء

یعنی روایت ہے علی بن طلحہ، مولى بنی امیہ سے کہ انہوں نے کہا کہ حج کیا معاویہ بن ابوسفیان نے اور حج کیا آپ کے ساتھ معاویہ بن خدیج نے اور معاویہ بن خدیج حضرت علی المرتضیٰ کو بہت بڑا کہا کرتے تھے۔ کہا راوی نے معاویہ بن خدیج مدینہ منورہ میں آئے اور حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور آپ کے چند اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ تو حضرت امام حسن سے کہا گیا کہ یہ معاویہ بن خدیج ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بڑا کہا کرتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ موافق حکم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے آپ کے قاصد معاویہ بن خدیج کے پاس آئے اور کہا چلو تو معاویہ بن خدیج نے کہا کس کے پاس چلیں قاصد نے کہا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تم کو طلب کرتے ہیں۔ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کو سلام کیا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم معاویہ بن خدیج ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ کہا راوی نے کہ پس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بڑا کہتے ہو۔ راوی نے کہا کہ گویا یہ سن کر معاویہ بن خدیج شرمندہ ہوئے۔ پھر ان سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آگاہ رہو۔ قسم ہے اللہ کی۔ البتہ اگر وارد ہو گے آپ کے سامنے حوض پر۔ اور میرا گمان نہیں ہے کہ تم وہاں وارد ہو گے۔ تو آپ کو پاؤ گے ازار سمیٹے ہوئے پٹلی سے آپ ہٹکاتے ہوں گے

منافقین کو اجنبی اونٹوں کے ہچکانے کی طرح۔ فرمایا راست گو نے جن کو اللہ تعالیٰ نے راست فرمایا۔ یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ البتہ وہ نامرادوں کو جس نے افراء کیا۔

سوال : الخلافة بعدی ثلاثون سنة الخ کی تشریح فرمائیے۔

جواب : صاحب تحفہ نے حاشیہ منہیہ میں فرمایا ہے :-

بدان کہ استعدک الله في الدارين کہ ہمگی مدت خلافت حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سی سال است بموجب منطوق حدیث صحیح۔ الخلافة بعدی ثلاثون سنة الخ یعنی جان تو نیک بخت کرے تجھ کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا کل زمانہ تیس برس تھا۔ اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہے کہ الخلافة بعدی ثلاثون سنة۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ یہ ترجمہ صاحب تحفہ کے کلام مذکور کا ہے۔ خلافت کے گزرنے کے دو طریقے تصور ہوتے ہیں۔ ۱۔ اول یہ کہ کمال زمانہ میں خود بخود دفعتاً خلافت کا زمانہ منقضی ہو جائے۔

۲۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلافت کے قوی کا تساقط اور اس کی بنیاد کا انحصار بتدریج ظاہر ہو جائے۔ اہل طبعی کے طور پر منقضی ہوتا ہے۔ خلافت کا انقضاء اسی اخیر طریقے سے وقوع میں آیا۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی جو عادت جاری ہے اس کی بناء پر محال ہے کہ خالص خیر سے دفعتاً خالص شر کی طرف انتقال ہو۔ چنانچہ کائنات اشرف و انتقال با مکان احسن میں جو کہ عقول فعال کی جانب سے ہوتا ہے مایہ میوالائے عناصر کو قرار دیا ہے جب متعین ہوا کبھی غیر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت راشدہ کا انقضاء اسی اخیر طریقے سے وقوع میں آیا تو ضرور ہوا کہ خلافت میں انسان اربعہ کا تحقق ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ خلا کے لئے چار کا عدد متعین ہوا۔ تو اول میں مہمان زمانہ ہے کہ حرارت اور رطوبت اس سن میں کامل طور پر وافر موجود رہتی ہے۔ اور جس قدر عضو تحلیل ہوتا ہے اس سے زمانہ اس کا بدل پیدا ہوتا ہے تو اس وجہ سے اس سن میں نشو و نما علانیہ طور پر معلوم ہوتا ہے۔

یہی حالت خلیفہ اول کی ہوئی کہ صرف دو سال اور چند مہینہ میں تمام جزیرہ عرب آپ کی وجہ سے مرتدین کے لوٹ سے پاک ہو گیا اور اسلام کا نشو و نما عراق اور شام میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد اس وقت تک کہ خلیفہ ثانی کی خلافت کا زمانہ ختم ہوا۔ اسلام کی قوت کا مل طور پر تھی۔ اور حکام کا نفاذ اور امن نہایت عمدہ طور پر تھا۔ اور خلافت کی رفاہیت بخوبی ہوتی تھی۔ وہ زمانہ خلافت کے شباب کا زمانہ تھا۔ پھر اس کے بعد خلیفہ ثالث کے زمانہ میں انحطاط خفی شروع ہوا اور خلیفہ انحطاط اسلام کے قوی میں ہونے لگا۔ اسلام کے اعطاء و کس کے مزاج میں جو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج اور اقارب تھے۔ باہم اختلاف وقوع میں آیا

متناسق احکام جاری ہوئے اور ہر واقعہ میں امت کے بعض اعضاء رئیسہ معطل ہوئے۔ یہاں تک کہ خلیفہ وقت نے جو جسم انسانی میں قلب کی حیثیت تھی اور جن کی ذات گویا کہ اسلام کی حرارت غریزی تھی۔ امت کے بدلے سے ہر کام کو کھینچ لیا اور مفاہرت اختیار کی۔ ان الله وانا اليه راجعون

اسی امر کی طرف اس قول میں بھی اشارہ ہے کہ امام یافعی اور دیگر اہل تواریک نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول کی خلافت میں ابتداء میں کدورت تھی۔ اور آخر میں نہایت صفائی حاصل ہوئی اور خلیفہ ثانی کی خلافت میں خالص صفائی تھی اور خلیفہ ثالث کی خلافت میں ابتداء میں صفائی تھی اور آخر میں کدورت ظاہر ہوئی اور خلیفہ رابع کی خلافت کا کل زمانہ کدورت میں گذرا۔ یہ معنوں امام یافعی رحمہ اللہ اور دیگر اہل تواریک کے قول کا ہے۔

مفتاح میں اس چار کے عدد کی تخصیص کی وجہ یہ مذکور ہے کہ عالم لاہوت سے لے کر عالم لاسوت تک میں عدد ساری اور جاری ہے۔ کیونکہ کمالات الہیہ کے اصول چار ہیں۔ ابداع اور خلق اور تدبیر اور تجلی۔ اسم مبارک اللہ کا اسم ذات ہے۔ چار حروف سے مرکب ہے۔ طریق مستقیم کا ہذا الصراط المستقیم میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ چار قسم پر تقسیم ہے۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت، معرفت

اور اکثر اسماء حسنی چار حروف سے مرکب ہیں۔ مثلاً قادر، کریم، رحمن اور رحیم اور مثلاً باعتبار خط کے قہراً اور بقاء اور مذاق چار حروف سے مرکب ہے۔ صفات الہیہ سے جس پر سب جماعت کا اجماع ہے اور اس پر دلائل سمعیہ قائم ہیں۔ چار صفات ہیں۔ حیات، علم، قدرت اور ارادت عالم ملکوت میں اصول ملائکہ چار ہیں جبریل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ جو کتابیں کہ نازل ہوئیں۔ وہ بھی چار ہیں۔ تورات، زبور، انجیل اور قرآن کبر شریعت کے بھی چار درکن ہیں۔ ہر جسم چار عنصر سے مرکب ہے۔ فلک کے اتوار اور بعد پر احکام نجوم کا دار و مدار ہے و جو انسانی کی بنا چار اخلاط پر ہے۔ جہات کہ مقصود با حرکت ہیں وہ بھی چار ہیں۔ مشرق، مغرب، جنوب اور شمال اور و جو انسانی کی ترقیات کے مراتب بھی چار ہیں۔ فلفلی، جوانی، کہولت اور شیخوخت اور ہر سال میں چار فصلیں ہوتی ہیں۔ بربیع، خریف، صیف اور شتاء۔ اور ہر مہینہ میں ہر دن چار مرتبہ دورہ کرتا ہے مثلاً ہر مہینہ میں چار جمعہ ہوتے ہیں اور علی ہذا القیاس ہر دن ہر مہینہ میں چار مرتبہ ہوتا ہے۔ اصول شریعت بھی چار ہیں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اور نکاح میں چار عورتیں جمع کرنا جائز ہے وفات کی مدت چار مہینے دس دن ہیں۔ فقط۔

بندہ ضعیف عبدالعزیز عینی عنہ کہتا ہے کہ فقیر کا مذہب اہل سنت و اجماعت کا مذہب ہے اور ہر لوگ اہل سنت و اجماعت کے مخالف ہوں خواہ کفار ہوں خواہ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں۔ مثلاً روافض اور خوارج اور ناصب وغیرہ جو مخالفین اہل سنت و اجماعت سے ہیں۔ فقیر ان سب فرقہ کو باطل جانتا ہے اور ہر اول سے ان سب فرقہ سے بے زار ہے لیکن اہل سنت و اجماعت کے جو مذاہب مختلف ہیں۔ جیسے شیعہ، زیدیہ، کرانیہ، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کہ ان میں مسائل فقہیہ میں باہم اختلاف

ہے۔ جیسے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کہ ان میں سلوک میں باہم اختلاف ہے تو فقیر جانتا ہے کہ یہ فرقہ برحق ہیں۔ اور فقیر کا ہرگز یہ مذہب نہیں کہ ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ پر اس طرح ترجیح دے کہ اس سے سلکان ہوا دوسرا فرقہ خطا پر ہے یا دوسرے فرقہ کے حق میں تفضیل اور تفضیق ہو۔ سب کو کتاب و سنت کا تابع جانتا ہے اور ان میں جو باہم اختلاف ہے تو فقیر جانتا ہے کہ فی الواقع یہ اختلاف کتاب و سنت کے سمجھنے میں ہے ہر فرقہ مصیب ہے اور اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور ہدایت کرتا ہے اور اس وجہ سے عند الطلب ہر ایک کے مذہب اور مشرب کے دلائل اور شواہد ذکر کرتا ہے۔ جاہلوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ میں مداحیت کی وجہ سے عمل میں آتا ہے اور فی الواقع ایسے امور اختلافیہ میں فقیر کے نزدیک ہی ارجح اور اسلم ثابت ہوا۔ اور کفار اور کفر سے ہر ایک کے مذہب کے مقابلہ میں تعصب رکھنا عین ثواب ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام ورحمہ

محمد شین وفتحا اور مفسرین اور صوفیہ اور علمائے ظاہر کے باہمی اختلاف کے اسے میں بھی فقیر کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب فرقے عمل نیک پر ہیں۔ کتاب و سنت کے صرف سمجھنے میں ان میں باہم اختلاف ہے اور اس پر سے یہ سب فرقے معذور اور ماحور ہیں۔ فقیر زبان حال و قال سے کہتا ہے:-

إِذَا دَخَلْتُ عَنِّي كِرَامَ عَشْتِي نِي فَكَلَّا ذَا لِعَنْضَبَانِ عَلَيَّ لِيَا مَهْمَا

یعنی جب میری طرز بود پر بزرگوں کو پسندیدگی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ غصہ میں رہیں گے مجھ پر اشخاص بعین بدکار

سوال : ظاہر قی کی حکایت برطان شاہ کے ساتھ کہ ظاہر قی کا برطان شاہ سے کہنا کہ امامیہ مذہب اختیار کرو۔ تو یہ مذہب ائمہ اثنا عشر اختیار کرنے سے تمہارے لڑکے کو شفا ہو جائے گی۔ پھر برطان شاہ کا خواب میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا کہ تمہارے لڑکے نے شفا پائی، ظاہر کے قول پر عمل کرو۔ تاریخ فرشتہ سے نقل فرمایا تھا۔ اور اس جواب کی توجیہ کے لئے ہر مذہب اہل سنت و جماعت نے استدعا کی کہ آپ اپنے خیال کا اظہار فرمائیں۔

جواب اول : مہربان من ! یہ سوال و اشکال چند مرتبہ فقیر کے سامنے پیش ہوا۔ اور جواب میں اس کے چند تحیرات ہوئیں کہ اب وہ فقیر کو نہ یاد ہے اور نہ اس کی نقل فقیر کے پاس ہے لیکن اب جو مضمون لکھا جاتا ہے یہ اشکال حل کرنے کے لئے کافی ہے بلکہ اس سے چند طرح کے مشہور اشکال دفع ہو جاتے ہیں۔ اور پہلے ایک مقدمہ بطور تمہید کے لکھا جاتا ہے وہ ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیئے اس کے بعد اشکال حل کرنے کے لئے متوجہ چاہیئے وہ مقدمہ یہ ہے کہ:-

اسباب علم ہم لوگوں کے نزدیک تین ہیں۔ ۱۔ حواس سلیمہ ۲۔ خبر صادق ۳۔ اور عقل۔ اور ہم لوگوں کے نزدیک امام اسباب علم سے نہیں کہ اس سے صداقت کسی چیز کی ثابت ہو۔ ایسا ہی عقائد کفریہ میں اور اس کی سند میں ہے۔

فقہاء کا قول ہے کہ اولہ شرع چار ہیں کتاب و سنت و اجماع و قیاس۔ حاصل کلام والہام اور کشف و رؤیا کہ ان دونوں امر سے یعنی اسباب علم اور اولہ شرع سے نہایت ضعیف ہے نہ دلیل احکام شرعیہ کے لئے ہو سکتے ہیں۔ اور نہ دلیل امور واقعیہ کے لئے ہو سکتے ہیں۔ بلکہ الہام اور کشف و رؤیا و جو اولہ مذکورہ کے خلاف ہوا وہ قابل رد ہیں۔ اس پر سخاوت نہ کرنا چاہیئے۔ اور ان سات دلائل مذکورہ کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ امام اور کشف اور رؤیا میں احتمال ہے کہ جس کو الہام اور کشف اور رؤیا ہوا ہو۔ اس سے غلط فہمی ہوئی ہو۔ اور ایسی بھی غلط فہمی کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اور سات دلائل مذکورہ میں احتمال غلط فہمی کا نہیں۔ اور اگر ان میں سے بعض میں ایسا احتمال کچھ بھی ہو تو اس کا تدارک اسباب کثرت محققین و موقندگان کے بخوبی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ شیخ عزیز الدین بن عبد السلام مقدس نے جو مشاہیر علمائے شافعیہ سے ہیں اور مصنف قواعد کبریٰ و دیگر تصانیف مفیدہ کے ہیں۔ کسی شخص کو شاکہ وہ کہتا تھا کہ میں کار خیر میں اپنی لڑکیوں کے حیران تھا۔ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں جگہ میں خزانہ کا دینہ ہے کہو در تو نکال لے۔ اور خمس اس دینہ کا ادائیت کرنا۔ بلکہ تمام وکمال دو سب خزانہ اپنے تصرف میں تم لے آنا۔ تو اسی قاعدہ کے موافق شیخ عزیز الدین نے فرمایا کہ اس شخص کو چاہیئے کہ خمس ادا کرے اس واسطے کہ یہ حدیث ہے:-

فی الرکاز الخمس یعنی رکاز میں خمس ہے اور یہ حدیث صحیح مشہور ہے اور اس کے راویوں نے بحالت بیادری و کمال حواس سنا ہے اور نقل کیا ہے اور اس شخص نے دینہ کی حالت میں سنا ہے۔ نیند سر اسر غفلت ہے اور اس حالت میں غلط فہمی کا گمان زیادہ ہے تو اس شخص کا خیال قابل محنت بار نہیں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی اپنے بعض رسالہ میں لکھا ہے کہ فلاں سید میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ایک استفتاء وارد ہوا۔ حال اس کا یہ ہے کہ کسی شخص نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اشرب الخمر حالاً تو فوا شراب پی لے۔

تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟ اس شخص کو شراب پینا چاہیئے۔ یا نہیں؟

وہاں کے علمائے قطعی طور پر یہ جواب لکھا ہے کہ حرمت شراب میں نصوص قطعیہ وارد ہیں۔ اور یہ خبر آحاد ہے۔ نیند میں بحالت غفلت معلوم ہوئی اور ایسی حالت غفلت میں غلط فہمی کا سراسر گمان ہے تو جانتے نہیں کہ وہ شخص اس پر عمل کرے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا اشرب الخمر فرمایا ہو گا۔ یعنی تو مت پی شراب اور اس شخص نے اشرب الخمر سمجھا ہو گا۔ اور دلیل اس حکم کی یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ السدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:-

ان المیت یعذب ببکار اہلہ علیہ

یعنی مردہ پر عذاب کیا جاتا ہے اس کے اہل کے روتے کی وجہ سے۔

یعنی اس کے گھر اور قبیلہ کے لوگوں کے رونے سے اس مردہ کے علم نہیں۔ تو حضرت عائشہؓ الصدیقہ کبریٰ نے فرمایا: رحمہ اللہ اباعبد الرحمن۔ یعنی رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن۔ یعنی عبد الرحمن بن عمرؓ پر کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصداً تجسوس نہیں کیا ہے۔ البتہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ایک عورت یہودیہ فوت شدہ کے نزدیک سے ہوا۔ اور اس کے لوگ اس کے علم میں روستے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس یہودیہ پر عذاب کیا جاتا ہے اور اس کے لوگ اس پر روستے ہیں تو اس پر عذاب کیا جاتا ہے۔ سب سبھی ایک طرح کی غلط فہمی ہے اور علیٰ ہذا القیاس راویان حدیث سے سننے اور سمجھنے میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ لیکن جبکہ احادیث مشہورہ طرق متعدد سے وارد ہوتی ہیں تو غلطی کا تدارک بہت جلد ہی ہو جاتا ہے۔ بخلاف حالت خواب کہ خواب میں سننے والا صرف ایک شخص ہوتا ہے وہ جو خواب دیکھتا ہے اور وہ بھی خواب کے نشی میں محصور رہتا ہے۔ خواب میں سننے والا کوئی دوسرا نہیں رہتا کہ خواب دیکھنے والے کی غلط فہمی کا تدارک کر سکے۔ جب اس مقدمہ کی تہید تمام ہوتی۔ تو اب میں یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برہان شاہ کو یہ فرمایا ہوگا کہ تیرے لڑکے نے شفا پائی اور تیرا مطلب حاصل ہوا۔ ظاہر کے قول پر عمل مت کرنا اور یہ شخص یعنی برہان شاہ جو کچھ ان کے خیال میں ظاہر کا قول بھرا ہوا تھا۔ یعنی برہان شاہ کے خیال میں ظاہر کا قول بھرا ہوا تھا۔ اس لفظ کے ساتھ ہی سننے کے برہان شاہ کو وہم ہوا۔ کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے کے لئے حکم فرماتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے سے منع فرماتے تھے۔ یہ جواب اس حکایت کا ہے اور از روئے تحقیق کے یہی جواب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے؛

جواب دوم: بعض علماء کرام نے اس حکایت کا دوسرا جواب دیا ہے اور وہ پندار فقیر کو پسند نہیں۔ اگرچہ اس جواب کے بھی صحیح ہونے کی کچھ وجہ ہے اور اس جواب کے لئے بھی ضروری ہے کہ پہلے سے ایک مقدمہ بطور تہید کے ذکر کیا جائے۔ اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ رویت جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی اور صحیح طور پر ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شیطان اور جن اپنی آواز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ بنا کر اس طرح سے کچھ کہتا ہے۔ کہ سننے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرماتے ہیں۔ حالانکہ وہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں رہتا۔ اس امر کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوئے و نام پڑھتے تھے۔ تو جب اس آیت پر پہنچے:-

اٰخِرَ اٰیَمِ الدِّیْنِ وَالْعُرْوٰی وَهَلْوٰی الثَّالِثَةِ الْاٰخِرٰی

تو شیطان نے اپنی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے ساتھ مشابہ آواز بنا کر یہ عبارت پڑھی۔

تَلَبَّ الْعُرْوٰی الْعُلٰی وَهَلْوٰی الشَّفَاعَةِ تَرْتَجِمٰی

یعنی یہ بت میں اور ان سے شفاعت کی امید ہے؛

مشرکین یہ آواز سن کر خوش ہوئے اور اہل اسلام غمگین اور ملول ہوئے۔ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَا اَوْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نُنَبِّئُكَ اِذَا اشْتٰی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْرِیْہِہٖ۔ اور یہ بھیجا ہم نے پہلے آپ سے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی۔ مگر جب آرزو کرتا تھا وہ تو وسوسہ ڈالتا تھا شیطان اس کی آواز میں۔

یہ آیت سورہ حج میں ہے تو جبکہ ایسا فریب شیطان نے بیداری میں کیا اور صحابہ کو اس بارہ میں اشتباہ ہوا تو برہان شاہ کو یہ کہنے کے لئے اگر خواب میں شیطان نے ایسا فریب کیا ہو تو کیا تعجب ہے۔

جواب سوم: یہ جواب حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسی قدر فرمایا۔ کہ ظاہر نے جو کچھ کہا تھا اس پر عمل کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ظاہر کی مرضی کے موافق عمل کرو جو ظاہر کی رائے ہو وہ بجا لاؤ۔ اور ظاہر نے یہی کہا تھا کہ جب تمہارا لڑکا اچھا ہو جائے تو مذہب دوازده امام یعنی بارہ امام کا جو مذہب ہے وہ تم اختیار کر لینا۔ اور بلاشبہ مذہب بارہ امام کا اجماع الحسنات حق ہے۔ اور طریقہ ان بارہ امام کا سلوک و عبادت میں سب اہل سنت کے نزدیک مقبول ہے۔ بلکہ اکثر طریقہ صوفیاء کی سند ان بارہ امام تک پہنچتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ دوازده امام سے اشارہ طریقہ صوفیاء کے اختیار کرنے کی طرف فرمایا کہ یہ طریقہ نورانیت ہاں کو عبادت ظاہر کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ظاہر کا جو مقصود درجہ ہو یا اب وہ جو کچھ کہے اس پر عمل کرو۔

جواب چہارم: اگر برہان شاہ سے سماعت اور فہم میں غلطی کا نہ ہونا فرض بھی کر لیا جائے تو یہ جواب ہو سکتا ہے کہ بصورت صحیح ہونے اس واقعہ کے، صحیح ہونے کی صورت میں بھی صرف یہ ایک خواب مذہب امامیہ کے حق ہونے پر دلالت کرتا ہے اور خلاف اس کے بے شمار خواب اور الہام کثیر اور بہت مرتبہ کا کشف اور اولیاء کرام کی جماعت کثیفہ ثابت ہے۔ اور اس سے مذہب امامیہ کا بطلان صاف و ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے اور ان اولیاء کرام کو کشف الہی اور کشف کونی میں کمال ہونا ثابت ہے۔ اور اگر اس قدر خواب اور الہام اور کشف کو برہان شاہ کے اس ایک خواب پر ہم ترجیح بھی نہ دیں۔ تب بھی ان دونوں دلیلوں میں جب تضاد ہو تو وہ دونوں دلیلیں ناقض ہوتی ہیں اور اس وقت میں یہ واجب ہو جاتا ہے کہ دوسری دلیلوں کی طرف جو کتاب و سنت و اجماع و اخبار صادق و عقل سے رجوع کیا جائے۔ اس صورت میں بھی مقصود حاصل ہوگا۔ یعنی دوسری دلیلوں کی طرف رجوع کرنے سے بھی یہی ثابت ہوگا کہ مذہب امامیہ باطل ہے۔

جواب پنجم: یہ جواب مولانا رفیع الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوئے کہ:-

مَنْ تَرَانِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآَنِیْ فِیَ النَّوْمِ لَا یَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِیْ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا مجھ کو خواب میں تو اس نے فی الواقعہ مجھ کو

دیکھا۔ اس واسطے کہ شیطان میری صورت کے مانند نہیں بن سکتا۔

کی نہیں

مکتوب :

ان حضرات کے حالات میں جو واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین ؑ کے ساتھ تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام جب کربلا میں تشریف لے گئے تو جناب امام موصوف کے ساتھ شامل جناب امام حسین کے تین صاحبزادے تھے۔

صاحبزادے علی اکبر تھے آپ کا سن شریف بائیس برس کا تھا۔ آپ وٹن جنگ کر کے شہید ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے علی اوسط امام زین العابدین علیہ السلام تھے۔ آپ اس وقت بیمار تھے۔

تیسرے صاحبزادے کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے عبد اللہ کہا ہے اور بعضوں نے علی اصغر کہا ہے۔

یہ صاحبزادے بھی شہید ہوئے۔ شیر خوار تھے نہایت پیاسے ہو گئے۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان

کو گود میں لئے ہوئے تھے اور اس خیال سے کہ تنگی میں کچھ تسکین ہو۔ اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں دیا کرتے تھے

کہ ناگہاں ایک تیراشتیا کی طرف آیا۔ اور ان معصوم کے گلے مبارک میں لگا۔ اور ان معصوم نے اپنے والد پر گواہی گواہی

جان دی اور مرتبہ شہادت کو پایا،

اور حضرت امام علیہ السلام کی ایک صاحبزادی سکینہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ حضرت قاسم کے ساتھ منسوب تھیں۔ اس وقت

ان کا سن شریف سات برس کا تھا۔ یہ امر غلط ہے کہ ان کا نکاح حضرت قاسم کے ساتھ ہوا۔ اس واسطے کہ اس وقت

اس کام کی فرصت نہ تھی۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا نے شام کی راہ میں انتقال کیا۔ تو یہ بھی محض غلط ہے۔ بلکہ حضرت

سکینہ رضی اللہ عنہا عرصہ تک بقیہ حیات رہیں۔ اور ان کا نکاح مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ علم زاہد و فاضل

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تھے۔ اور بڑی صاحبزادی حضرت امام حسن علیہ السلام کی فاطمہ بنت

پنے شوہر حضرت حسن مثنیٰ پسہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ میں اس وقت تھیں۔ ان کے گئے کا

اتفاق دشت کربلا میں نہ ہوا۔

امام زین العابدین کی والدہ کلثم شہر بانو تھیں۔ اور لقب شاہ زنانہ ہے۔ یہ یزدجرد بن شمر و پرویز بن ہرمز بن نوشر بن

کی صاحبزادی ہیں۔ اور علی اکبر کی والدہ کا نام لیلیٰ ہے۔ یہ ابی مرہ بن عروہ بن مسعود کی صاحبزادی ہیں۔ اور ابی مرہ سردار

بنی ثقیف تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے تیسرے صاحبزادے کی والدہ کا نام جو شیر خوار تھے یا نہیں۔ اس قدر معلوم

ہے کہ عرب سے ثقیف اور بنی قضاہ کی نسل سے تھیں اور حضرت سکینہ کی والدہ کا نام ربابہ تھا۔ یہ امر الثقیف بن

عدی کی صاحبزادی ہیں اور یہ بنی کلب سے تھیں۔ اور حضرت علیہ السلام کو حضرت ربابہ رضی اللہ عنہا سے لیا وہ محبت تھی اور

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ زیادہ عزیز تھیں۔ اور اس بارہ میں جناب ممدوح نے ایک شعر

بھی پڑھا ہے۔

لعمری استی لاحب ارضنا

تصل بہ مکینہ و رباب

یعنی قسم ہے اپنی جان کی کہ مجھ کو اس زمین سے محبت ہے جہاں سکینہ اور رباب بیٹھیں اور وٹن منزل کریں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ جو اس وقت مدینہ منورہ میں تھیں۔ ان صاحبزادی

کی والدہ کا نام ام اسحاق ہے۔ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے جو مشرہ و بشرہ سے ہیں۔ اور مشہور و معروف ہیں اور حضرت

امام اقراس وقت چہار سالہ تھے۔ اس واسطے کہ کربلا کا واقعہ شہر میں ہوا۔ اور اس کے چار برس قبل حضرت

ہاجر کی پیدائش ہوئی۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیویوں سے اس وقت جناب ممدوح کے ہمراہ شہر کوفہ تھیں۔ اور یہ

تیسرے صاحبزادے شیر خوار کی والدہ تھیں۔ باقی اور بیویوں کا حال معلوم نہیں کہ وہ اس وقت زندہ تھیں یا ان کی وفات

ہو گئی تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار صاحبزادے تھے کہ ان صاحبزادوں نے شریعت شہادت نوش

فرمایا۔ یعنی حضرت قاسم و حضرت عبد اللہ و حضرت عمر بن و حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ یہ چار صاحبزادے شہید ہوئے۔ اور حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادوں سے پانچ صاحبزادے ہمراہ تھے۔

۱۔ حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت جعفر بن علی رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عثمان بن علی رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت عبد اللہ بن علی رضی اللہ عنہ

یہ سب حضرات شہید ہوئے۔ اور حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ آپ کا شو

ہلک کر کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار شریف سے دو تین تیر کے فاصل پر جدا ہے اور باقی شہداء کی قبور مبارک

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک کے اندر ہیں۔ اور حضرت عقیل کے صاحبزادوں سے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کو ف

میں ہو چکی تھی۔ اور آپ کی شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کربلا میں شریعت اللہ کے قبل دوسری ذوالحجہ سن ۶۱ میں

ہوئی تھی۔ آپ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خود شریعت اللہ کے قبل مکہ معظمہ سے روانہ فرمایا تھا۔ کہ اہل کوفہ سے قول

و قرار مستحکم لے کر خبر دیں۔ اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے محمد اور ابراہیم کہ یہ بھی اپنے بزرگوار کے ساتھ شہید

ہوئے اور عبد اللہ اور عبد الرحمن رضی اللہ عنہ و جعفر رضی اللہ عنہ صاحبزادگان عقیل بن ابی طالب کے ہمراہ تھے شہید ہوئے

اور عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادوں سے دو صاحبزادے ہمراہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہوئے۔ ان دونوں صاحبزادوں

کا نام محمد اور عون تھا۔ اور یہ دونوں صاحب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی خواہر زادہ تھے۔ ان دونوں صاحبزادوں

کی والدہ حضرت زینب تھیں۔ اور یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی تھیں۔ اور بطین

ملہ اس سے قبل لکھا ہے کہ تیسرے صاحبزادے کی والدہ کا نام یازمین تو غالباً شہر بلدان کا لقب ہے۔ واللہ اعلم

لعمری عبارت اصل میں اسی طرح ہے۔

مبارک سے حضرت بول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تھیں۔ یہ حضرت زینب حقیقی بہن حضرت امام حسین علیہ السلام کی تھیں۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے ساتھ ہوا تھا اور حضرت امام زین العابدین اور عمر بن حسن اور محمد بن علی اور دیگر صاحبزادے صغیر السن ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ جو اسیر ہو گئے۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حقیقی حضرت امام علیہ السلام اور شہر بانو زوجہ حضرت امام علیہ السلام اور حضرت سکینہ صاحبزادی حضرت امام علیہ السلام اور دیگر زنان اہل بیت جو کہ ہمراہ تھیں بلا و شام میں شریفین لے گئیں۔ فقط

سوال: کتاب صواعق موبقہ مذہب روافض خذلہم اللہ تعالیٰ کی رد میں ہے۔ اور نصر اللہ کا ملی کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ شریفین سے گذری یا نہیں۔ اگر ملاحظہ شریفین سے گذری ہے تو اس میں اور جناب عالی کی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ میں کیا فرق ہے۔ اور اس دیر کے معاندین خصوصاً روافض خذلہم اللہ بدگونی کے طور پر نہایت شور و شغف کر رہے ہیں کہ کتاب مستطاب تحفہ اثنا عشریہ صواعق موبقہ کا ترجمہ ہے۔ اگرچہ ایسا سوال ہم مخلصان اور فدویان کی جانب سے لاطائل اور بے جودہ ہے۔ اور ان کا یہ کلام بدیہی البطلان سے۔ اور جس کو علم میں کچھ آگاہی حاصل ہوگی وہ ضرور اس کلام کو خلاف جانے گا۔ لیکن بعض اشخاص نے اس نالائق کو نہایت تنگ کیا ہے۔ لہذا اس امر نا پسندیدہ سے جناب عالی کی سمع خراشی کی جاتی ہے۔ (از مرزا حسن علی)

جواب: بوقت تصنیف تحفہ اثنا عشریہ کے منجملہ کتب اہل سنت کے جو کہ مذہب شیعہ میں ہے اور منجملہ کتب شیعہ کے جو کہ مذہب اہل سنت میں تالیف ہوئی ہیں۔ تین طرح کی کتابیں بہم پہنچی۔ ایک طرح کی وہ کتابیں مہیا ہوئیں جو مجاہد میں اس مسئلہ خاص یعنی اثبات خلافت خلفائے ثلاثہ اور اس کی رد میں ہے منجملہ کتب اہل سنت کے جو اس بارہ میں ہیں۔ نوافض الروافض اور مرافض الرافض اور صواعق محرقہ اور شرح مجرید بہم پہنچی ہیں۔ اور منجملہ کتب شیعہ کے جو اس بارہ میں ہے۔ مصائب النواصب اور شبہات الاعور اور اظہار الحق اور سفینۃ النجاة مہیا ہوئیں۔ اور دوسرے طرح کی وہ کتابیں مہیا ہوئیں جن میں مسئلہ امامت اور شہود امامت و موانع امامت مفصل طور پر مذکور ہے۔ مثلاً منجملہ کتب اہل سنت کے جو اس بارہ میں ہے۔ شرح مقاصد کی بحث امامت اور شرح موافقت اور طوابع الانوار اور اربعین مہیا ہوئیں اور منجملہ کتب شیعہ کے تصانیف علامہ حلی اور حلاقے موبقہ جو کہ وہیں صواعق محرقہ کے ہے۔ اور مقدار بہم پہنچی ہے۔ اور دوسرے طرح کی وہ کتابیں مہیا ہوئیں جن میں مذہب شیعہ کے تمام مسائل کو رد کیا ہے۔ یعنی مذہب شیعہ کی الہیات اور معاد اور امامت اور روایت اہادیث اور اصول کو کامل طور پر باطل کیا ہے۔ مثلاً منجملہ کتب اہل سنت کے الباطل الباطل اور صواعق موبقہ تالیف نصر اللہ کا ملی کی مہیا ہوئیں۔ اور منجملہ کتب شیعہ کے جو ان مسائل کے بارے میں ہے۔

منہج الحق علامہ حلی کی اور احقاق الحق قاضی نوادہ شوستری بہم پہنچی۔ تینوں طرح کی یہ کتابیں بوقت تالیف تحفہ اثنا عشریہ موجود تھیں اور مستحضر تھیں اور اس وقت صواعق موبقہ کی ترتیب نہایت پسند خاطر ہوئی۔ اور اسی کی ترتیب موافق اس کتاب تحفہ اثنا عشریہ کو مرتب کیا۔ اور احقاق الحق کی بھی یہی ترتیب ہے۔ اور الباطل الباطل کی بھی یہی ترتیب

تین صواعق بہت مختصر اور نہایت خوشنما معلوم ہوئی اور اسی کی ترتیب اختیار کی گئی۔ تو لا اور تبرک کی بحث اس میں نہ تھی اور حدیث الثقلین کی شرح بھی اس میں نہ تھی۔ اور مسئلہ انکار نبوت اور اتحاد کا بھی جو لازم مذہب شیعہ سے ہے۔ شرح و بسط کے ساتھ اس کتاب میں نہ تھا۔ تو یہ ابواب اس کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں زیادہ کئے گئے اور نیز باب مطاعن اور اس کا جواب اس کتاب میں مطلقاً مذکور نہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ صواعق میں صرف دلائل کلامیہ پر اکتفا کیا ہے اور کتب امامیہ کے روایات اس میں بہت کم ہیں۔ اس وجہ سے تحفہ اثنا عشریہ میں ان دلائل کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ کتب امامیہ کی زیادہ روایات لکھی جائیں۔ صرف اس وجہ سے کہ تحفہ اثنا عشریہ میں ترتیب موافق ترتیب صواعق کے ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تحفہ اثنا عشریہ ترجمہ صواعق کا ہے۔ چنانچہ مواقف کو طالع سے اخذ کیا ہے اور رسم کو مختصر الاصول ابن ماجہ سے اخذ کیا ہے۔ ثواب ظاہر جو۔ کہ صواعق اور تحفہ اثنا عشریہ میں کیا فرقی ہے اور دونوں کتابوں کو بقدر اہل دیکھنا چاہیے۔ تاکہ یہ خیال بالکل زائل ہو جائے۔ اور بہر حال معاندین اور حاسنین کا طعن فقیر پر اس وقت ہو سکتا تھا کہ یہ فقیر اپنی تقریر یا تحریر سے اس کتاب کی تصنیف کے ذریعہ سے اپنا فخر ظاہر کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ میں نے یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب تصنیف حافظ غلام علیم ابن شیخ قطب الدین احمد ابن شیخ ابوالفضل کی ہے۔ اگر کچھ کو منظور ہو تاکہ بخود روئے کہ یہ کتاب میری تصنیف ہے تو میں اس قدر اخفا کیوں کرتا۔ کہ نامہائے غیر معروف کو بیان مصنف میں ذکر کرتا۔ کہ اب بھی کچھ کو اس سے خوشی نہیں کہ اس کتاب کی نسبت میری طرف کی جائے۔ البتہ تفسیر فرسخ العزیز اور صیسی اور جو میری تصانیف ہیں۔ اس کی نسبت جو میری طرف کی جاتی ہے۔ تو یہ میری خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ غرض کہ کچھ کو اس کتاب کی تالیف سے صرف یہ منظور تھا کہ مذہب شیعہ کا رد کیا جائے۔ تاکہ لوگ یہ کتاب دیکھنے سے اس اعتقاد میں نہ آجائیں۔ یا اس مذہب کو چھوڑ دیں

الحمد للہ کہ یہ مطلب حاصل ہوا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر روافض غور کریں تو ان کے لئے طعن کی جگہ ہرگز نہیں اس واسطے کہ یہ کتاب تحفہ اثنا عشریہ اگر بالفرض صواعق کا ترجمہ بھی ہو تو صواعق میں بھی آخر یہی مضمون ہے کہ اس میں اہل سنت کا مذہب ثابت کیا گیا ہے اور روافض کا مذہب رد کیا گیا ہے۔ تو روافض کو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ کہ وہ کہیں کہ یہ کتاب اس کی ہے بلکہ روافض کو چاہیے کہ اس کتاب کا جواب لکھیں۔ صرف یہ طعن کرنا جو اب نہیں ہو سکتا۔ البتہ بعض اہل سنت کہ ان کی حسد کی رگ جوش میں آتی ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کتاب نے شہرت پائی ہے اور اس فقیر کی طرف اس کتاب کی تصنیف کی نسبت مشہور ہو جو۔ تو ان کا جواب اُپر بیان کیا گیا ہے کہ فقیر اس کتاب کی تصنیف کا نہ دعویٰ کرتا ہے اور نہ اپنا فخر جانتا ہے۔ فقیر کو منظور ہی تھا کہ اس طریق جدید یعنی مذہب شیعہ کا بطلان۔ اولاً بالباب اور عالمان لہ ثواب پر ظاہر ہو جائے۔ الحمد للہ کہ فقیر کا مطلب حاصل ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمتہ دلائل شیعہ و بیان حدیث ثقلین

منقول از شفعہ اثنا عشریہ باب ہفتم

جاننا چاہیے کہ شیعہ کے نزدیک دلیل کی چار قسمیں ہیں۔ کتاب، خبر، اجماع اور عقل۔ کتاب جو کہ قرآن مجید ہے۔ شیعہ کے نزدیک قابل استدلال نہیں۔ اس واسطے کہ ان کا گمان ہے کہ قرآن مجید جو کہ اس وقت کہ بواسطہ امام معصوم کے پہنچا ہو۔ قرآن مجید جو کہ آج کے ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے۔ ان کا گمان ہے کہ اس قرآن پر ائمہ نے اعتبار نہ کیا ہے اور اس کو قابل استدلال اور تمسک سمجھا ہے۔ چنانچہ یہ مضمون کہیسی وغیرہ سے جو ان کے نزدیک کتب معتبرہ سے نقل کیا جائے گا۔ اور یہی وہ چند وجہ سے ثابت ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ امامیہ کی جماعت کثیر نے اپنے ائمہ سے روایت کی ہے کہ جو قرآن شریف نازل ہوا تھا۔ اس کے کلمات کے مقامات میں تحریر ہوئی ہے۔ یعنی اس کے کلمات اپنے مقام سے دوسرے مقام میں بدل گئے ہیں۔ اس کی آیات بلکہ بعض سورتیں بھی ساقط کر دی گئی ہیں۔ ترتیب بھی متغیر ہو گئی ہے۔ اب جو موجود ہے یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف ہے کہ اس کے سات نسخہ کہ اطراف و جوانب میں مشہر کیا۔ اور جو شخص اصلی قرآن مجید پڑھتا تھا۔ مزایستے تھے۔ حتیٰ کہ طوغا و کربلا ملک میں اسی مصحف پر لوگوں نے اجماع کیا۔ تو یہ مصحف تمسک اور استدلال کے قابل نہیں اس کی ترتیب اس کے الفاظ عام اور خاص قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ ممکن ہے کہ اس قرآن میں جو احکام ہیں وہ سب منسوخ ہوں۔ یا ان میں سے اکثر احکام منسوخ ہوں۔ ان آیات اور سورتوں کے ذریعہ سے جو کہ ساقط کر دی گئی ہیں یا اس قرآن کے احکام مندرجہ سب یا اکثر مخصوص ہوں۔ ان آیات اور سورتوں کے ذریعہ سے جو کہ ساقط کر دی گئی ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ شیعہ کا گمان ہے کہ اس قرآن کے نازل ہونا شیعہ مانند اقلان تورات و انجیل میں بعض ان میں سے اہل نفاق تھے۔ مثلاً اصحاب جلیل القدر اور بعض ان میں سے دین میں سست اور دنیا دار اور دین فروش تھے مثلاً

فتاویٰ عزیزی

حرم صحابہ کرام و منصب کے طمع سے اپنے رؤسا کی اتباع کی اور دین سے مرتد ہوئے۔ سوائے چار صحابہ یا چھ صحابہ کہ ان باقی سب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فائدان کے ساتھ دشمنی اور بدولت اختیار کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کی تحریف کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطاب فرمایا تھا وہ بدل دیا۔ مثلاً بجائے من الموافق لکفر دیا۔ اور بجائے ایقنہ ہی انکلی امن ایجتکم کے اشد ہی اذی میں اقمہ لکھ دیا۔ اور ایسا ہی اکثر تحریف کی۔ چنانچہ دعاء یعنی قریش میں کہ اس کو قنوت امیر المؤمنین کہتے ہیں۔ اور جن کو متواتر جانتے ہیں۔ یہ مضمون مذکور ہے اور اس دعاء کی کچھ عبارت باب ثانی میں بیان کی گئی تو جیسا کہ تورات و انجیل قابل اعتبار نہیں اور جو عقیدہ اور عمل اس میں مذکور ہے وہ قابل یقین نہیں۔ ایسا ہی یہ قرآن جو کہ موجود ہے اولیٰ استدلال نہیں اور جیسا کہ تورات و انجیل کے احکام قرآن کے ذریعہ سے منسوخ ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس قرآن کے بھی بہت احکام منسوخ ہیں اور ناسخ کو ائمہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شیعہ کا گمان ہے کہ نزول قرآن اور اس کے عجائز کا ثبوت بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی ثبوت موقوف ہے۔ ناقین کے صدق کے ثبوت پر جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت کے ناقین وہ لوگ ہیں جو کہ اپنی غرض فاسد کے لئے ایسے نفس کو چھپا رکھا۔ کہ نفس ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی کے سامنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ اور کسی نے بوقت ضرورت اس کو ظاہر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نبوت کے فائدان کا حق تلف ہو گیا۔ اور دین کا اصل اصول کہ نبوت کا ہم پہلو ہے یعنی امامت وہ اصل اصول و درہم بہم ہو گیا۔ تو ایسے لوگوں کی نقل کا کیا اعتبار ہونا چاہیے کسی غرض فاسد کے لئے یہ سب تمہید باندرجی جو کہ فلاں نبی تھا۔ اس سے معجزہ ظاہر ہوا۔ اس پر قرآن شریف نازل ہوا۔ اور سب بلغا۔ اس کے معارضہ سے عاجز ہے۔ اور فی الواقع کچھ بھی نہ ہو۔

اور لیکن خبر تو اس کا حال اس باب میں مفصل گذرا۔ اور جدید یہ ہے کہ خبر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ناقل ہو تو خبر کے ناقل شیعہ ہیں۔ اور غیر شیعہ کا تو کچھ اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ ان کے مدار اول جو کہ منہی اسانید ہیں۔ مرتدین اور منافقین، محرفین کتاب اللہ، معاندین فائدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور شیعہ میں باہم اصل امامت اور تعیین ائمہ اور ان کی تعداد میں نہایت اختلاف ہے۔ اثبات ان کے احوال سے کسی ایک قول کا نہیں ہو سکتا ہے مگر خبر سے اس واسطے کہ کتاب ان مذکورات سے ایسے طور پر کہ اس سے مخالف کو الزام دینا ممکن ہو سکتا ہے۔ تو اگر اس خبر کا ثبوت اور اس خبر کی حجت ہونے کا ثبوت موقوف ہو اس قول کے ثبوت پر تو اس میں سراسر لازم آتا ہے۔ یعنی لازم آتا ہے کہ وہ قول ثابت ہو اس خبر سے اور وہ خبر ثابت ہو اس قول سے۔ اور یہ ضرور ہے۔ اور یہ قیاساً بھی ہے کہ خبر کا حجت ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ معصوم کا قول ہے یا معصوم کا قول کسی دوسرے معصوم کے ذریعہ سے پہنچا ہے اور شخص معین کی عصمت ثابت نہیں ہو سکتی مگر خبر سے۔ اس واسطے کہ کتاب ساکت ہے اور عقل عاجز ہے۔ اور بالضرر اگر معجزہ کا سادہ ہونا صحیح بھی ہو۔ تو وہ بھی خبر پر موقوف ہے۔ اس واسطے کہ معجزہ اور تعوی کے مشابہہ کا اتفاق ہر شخص کو نہ ہو۔

شیخ شہید ثانی نے کہ اجلہ علماء و شیعہ سے ہے ایک مستقل فصل میں یہ مضمون لکھا ہے کہ ان لوگوں کے شیخ نے چند اجماع فرقہ کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ خود اس نے دوسرے مقامات میں اس کے خلاف کہا ہے۔ اس فصل کی کچھ عبارتیں یہاں لکھا ہوں۔

فصل فیما اشتمل علی مسائل ادعی الشیخ فیہا مع انہ نفسہ خالف فی حکم ما ادعی الاجماع فیہ اور دناھا للتبیین علی ان لا یغتر الفقیہ بدعوی الاجماع فقد وقع فیہ الخطا والمجاز کثیرا من کل واحد من الفقہاء سیتما من الشیخ المرتضیٰ فیما ادعی فیہ الاجماع من کتاب النکاح دعواہ فی خلاف الاجماع علی ان لکتابیہ اذا سلمت وانقضت بعدہا قبل ان یسلم الزوج ینفسخ النکاح بینہما انتہی۔

یعنی یہ فصل ہے۔ اسمیں مسائل ہیں۔ ابو جعفر نے ان مسائل میں اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ باوجودیکہ اس نے بذات خود مخالفت کی ہے اس حکم میں کہ اس نے اس میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ امر میں نے یہاں اس وقت ذکر کیا ہے تاکہ اس کی خبر لوگوں کو ہو جائے۔ اور چاہئے کہ اور عالم اتفاق کے دعویٰ سے فریب نہ کھائے۔ اس مسئلے میں خطا اور مجاز ہر علمائے بہت واقع ہے۔ خصوصاً شیخ مرتضیٰ سے تو ثابت النکاح میں جو اس نے دعویٰ کیا ہے۔ وہ صرف اس کا دعویٰ ہے اور اجماع کے خلاف ہے اور وہ دعویٰ یہ ہے کہ عورت کا بیہ جب طہان ہو جائے اور اس کی عدت گزر جائے۔ اور اس وقت تک اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے اور نہایہ میں لکھا ہے :-

اور کتاب الاخبار میں ہے کہ ان دونوں کے درمیان نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ لوگ فقہائے ہر مکتبہ میں شیخ و تہذیب کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا رسالہ ہے۔ قریب سو مسئلہ بلکہ اس سے زائد اس میں مندرج ہیں۔ اور عقل کے ذریعے استدلال کرنا شریعات میں ہے یا غیر شریعات میں ہے تو اس فرقہ کے نزدیک عقل ہرگز قابل تنسک نہیں۔ اس واسطے کہ یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں۔ اور قیاس کو حجت نہیں جانتے اور غیر شریعات میں عقل سے استدلال کرنا اس پر موقوف ہے کہ عقل دہم کے ثابہ سے پاک کی جائے اور اشکال کی ترتیب اور صورت میں اس سے خطا واقع نہ ہو اور یہ امر بدوں اور شاد امام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنی عقل سے بعض چیزوں کو ثابت کرتے ہیں اور بعض چیزوں سے انکار کرتے ہیں اور باجمہ اصول و فروع میں مخالفت کرتے ہیں۔ اور عقل سے ترجیح نہیں دے سکتے۔ ورنہ وہی مخالفت ترجیح میں بھی واقع ہوگا۔ تو ضروری ہے کہ عقل کے سوا کوئی دوسرا حاکم اور مرجع جو کہ کسی ایک جانب کو صواب قرار دے اور دوسری جانب کو خطا قرار دے اور ایسا حاکم اور مرجع نبی اور امام کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ثبوت امامت جو کہ عقل کے لئے موقوف علیہ ہے۔ خیر توقف میں ہے تو عقل کے ذریعے استدلال کرنا قابل اعتبار نہیں۔ اور ہر حال کلام دلائل شرعیہ میں ہے۔ اور امور شرعیہ کو صرف عقل سے ثابت نہیں

اجماع بھی اس صورت میں حجت ہے کہ اسمیں معصوم داخل ہو اور پھر غائبین کے اجماع کی نقل میں خبر دیا ہے۔ اور شخص معین کی عصمت اس کے کسی ہم درجہ معصوم کی خبر سے ثابت کرنا دور صریح ہے اور خبر کا حجت ہونا بھی موقوف ہے۔ نبی کی نبوت اور امام کی امامت پر۔ اور جب اصل ثابت ہوئی تو فرع کیوں کر ثابت ہوگی۔ حاصل یہ کہ شیعہ کے نزدیک متواتر خبر کا اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ امر واقعی کا چھپنا عداوت و متواتر سے ظہور میں آیا اور غیر واقعہ کی گزارش کے حکم میں ہے۔ اخبار آحاد خود بالا اجماع ان مطالب میں معتبر نہیں تو خبر کے ذریعے استدلال کرنا ممکن نہیں۔ اجماع تو اس کا بطلان نہایت ظاہر ہے۔ اس واسطے کہ اجماع بعد ثبوت نبوت اور شریعت کے ہے تو جب نبوت اور شریعت ثابت نہ ہو سکی تو اجماع کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے اور اجماع کا حجت ہونا بھی شیعہ کے نزدیک بالکل نہیں بلکہ اس بنا پر بھی اجماع حجت ہے کہ معصوم کا قول اس کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اور ابھی تک معصوم کے ہونے میں اور اس کی تعیین کر کون ہے۔ اور اس کے قول کی نقل میں بحث اور تفتیش چلی جاتی ہے۔ یہ بھی ان کا گمان ہے کہ صدر اول اور صدر ثانی کا اجماع یعنی قبل حدوث اختلاف وراثت خود قابل اہمیت ہوا نہیں۔ اس واسطے کہ ان لوگوں نے اجماع کیا۔ حضرت ابو جعفر اور حضرت عمرؓ کی خلافت پر اور حضرت متعمد پر اور تحریف کتاب اور منہج میراث پر غیر ذلک پر اولام بقاء کو اس کے حق سے محروم رکھنے پر اور ملکیت خاندان رسول کی غصب کرنے پر بعد حدوث اختلاف وراثت کے اور اس کے بعد وہ لوگ متفرق ہو کر چند فرقہ مختلفہ ہو گئے۔ اجماع ہونا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ خصوصاً مسئلہ خلافت میں کہ اس کا ثبوت ہونا انہیں لوگوں پر منحصر ہے۔ اس اجماع میں معصوم کا شریک ہونا اور اس قول کا موافق ہونا باقی امت کے قول کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔ مگر اخبار کے ذریعہ اور اخبار کا حال تعارض اور تقاطع اور ضعف اور حسرت ہونے میں جیسا ہے وہ روشن ہے اور اجماع کا ثبوت بھی ہر مسئلہ خلافت میں ممکن نہیں۔ علماء شیعہ میں بلکہ سب اثنا عشریہ میں بالخصوص اس نقل میں باہم مخالفت ہے اور ہر ایک دوسرے کو کاذب کہتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے قول کا انکار کرتا ہے۔ ان میں سے بعض اپنے فرقے کا اجماع نقل کرتے ہیں اور بعض اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اس سے انکار کرتے ہیں۔ جب امامیہ کے ایک فرقے کا اجماع امت کے کسی دوسرے ایک فرقہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا تو امت کے سب لوگوں کا اجماع کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے اس کے چند مثال بیان کرتا ہوں۔ صاحب میل السلام الیہ السلام جو کہ بہترین علماء اثنا عشریہ سے ہے۔ حدیث عقل کی شرح میں کہتا ہے کہ :-

کلام الشیخ ابی الفتح الکراچی فی کنز الفوائد یدل علی اجماع الامامیۃ علی البدل وانہ من خصائصہم فانکرہ مسائل الفراء کلام العلامة الحلی فی النہایۃ والتہذیب وکشف الحق یدل علی الامور فی الامکار

یعنی کلام شیخ ابو الفتح کراچی کا کنز الفوائد میں ہے دلالت کرتا ہے اس پر کہ بدایہ پر امامیہ کا اجماع ہے اور یہ مسئلہ ان کے خاصہ سے ہے اور باقی سب فرقہ نے اس سے انکار کیا ہے اور کلام علامہ حلی کا کہ نہایہ اور تہذیب اور کشف الحق میں ہے۔ دلالت کرتا ہے اس پر کہ اس انکار پر اصرار ہے :-

کر سکتے۔ اس واسطے کہ بالاجماع ثابت ہے کہ عقل اس کو تفصیل طور پر دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ البتہ شرعیات سے مدد لے اور اس حکم کی اصل شارع سے اخذ کرے۔ تو ممکن ہے کہ اس اصل پر دوسری چیز کو قیاس کی طرح جیکو قیاس اس فرقہ کے نزدیک باطل ہے۔ تو عقل کو امور شرعیہ میں کچھ دخل نہ ملے۔ اور قواعد شرعیہ میں ہونا فرقہ انظار ہے۔ تو عقل سے یہ لوگ کیا کام لیں گے۔ شَبَّتُوا الْعَرْشَ وَلَا تَمُوتُوا النَفْسُ۔ یعنی عرش کو پہلے ثابت کر اس کے بعد نفس و نگار ثابت کر۔

فائدہ جلیلہ : جاننا چاہیے کہ سب براہین عقلیہ کی بنا اس پر ہے کہ یہ بیہیات کا اعتقاد اور بعض لوگ ہیں کہ ان کو ان بیہیات سے انکار ہے مثلاً سوفسطائیت کہ ان کو ان بیہیات سے انکار ہے کہ انصاف و دو کا ہے اور نفی و اثبات جمع نہیں ہو سکتے اور نہ دونوں رفع ہو سکتے ہیں جسم و احد آن و احدیں دو ہونا ہو سکتا۔ جو جو اس سے غائب ہے وہ حاضر نہیں۔ جو نام کسی چیز کا ہو اگر وہی نام کسی دوسری چیز کا رکھا جائے تو وہ دوسری چیز بعینہ پہلی چیز نہیں ہو جائے گی۔ اسی طرح وہ لوگ اور بھی بیہیات کے منکر ہیں۔ تو ان کے نزدیک کوئی مطلب براہین عقلیہ سے ثابت نہیں کر سکتے۔ ایسا ہی سب دلائل شرعیہ اور مقدمات و بیہیات کی بنا۔ اس پر سب ملت حنفیہ ثابت ہے کہ زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے اس وقت تک سب ادیان میں مسلم ہے اور سب ملت میں اس کے اصول پر اتفاق ہے کہ :-

ان المعبود واحد انه يورسل الرسل ويظهر المعجزة وان الملائكة مرسلوا الله الى الخلق ومعصومون عن الكذب والخيانة وان الله احكاماً تكليفه على عبادہ يجازي بها وعليها يوم البعث والنشور بالجنة والنار

یعنی تحقیق کو معبود ایک ہے۔ اور تحقیق کہ اللہ پیغمبروں کو بھیجتا ہے معجزہ ظاہر کرتا ہے۔ اور تحقیق کہ فرشتے بھیجے جو اللہ کے ہیں طرف خلق کے۔ اور معصوم ہیں یعنی محفوظ ہیں جھوٹ بولنے سے۔ اور محفوظ ہیں تبلیغ احکام میں خیانت کرنے سے اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے احکام فرمائے ہیں کہ اس نے ان احکام کی تکلیف دی ہے اور قیامت میں نیک لوگوں کو بہتر جزا عطا فرمائے گا کہ ان کو بہشت میں داخل کرے گا۔ اور بد لوگوں کو بری جزا دے گا کہ ان کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

اصول ملت حنفیہ کا اثبات شیعہ کے اولیاء فاسدہ کے طور پر ممکن نہیں۔ تو مطالب دینیہ سے کوئی مطلب دلائل سے الگ کے نزدیک ثابت کرنا ممکن نہیں ہوگا اس فرقہ کے لوگ دین کے سوفسطائیت ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل و توضیح یہ ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اصول دین کا ماخذ ہے۔ حضرت امیر المؤمنین اور ائمہ اطہار سے شیعہ روایت کرتے ہیں۔ اور یقیناً معلوم ہے کہ ان لوگوں کی کوئی روایت بلا واسطہ حضرت امیر المؤمنین اور ائمہ اطہار کے نہیں اور یہ درمیان میں واسطہ ہیں۔ ان کے واسطہ کا حال معلوم ہے کہ یہ خود یہ لوگ ان لوگوں کی تکلیف کرتے ہیں۔ اور ان کو متہم کرتے ہیں۔ اور فی الواقع ان لوگوں کے واسطہ قابلِ اہمیت بار نہیں۔ اس واسطے کہ ان لوگوں نے

ہیں طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی روایت کی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی جہیمت اور نبوت کی روایت کی ہے۔ صریح جھوٹ باندھا ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ شرائط امامت اور تعین عامہ میں ان لوگوں کے واسطہ کی روایت میں مخالفت اور تعارض واقع ہے کہ اس میں تطبیق ہرگز ممکن نہیں۔ تو ان واسطہ میں سے بعض واسطہ کو بے باقین یقینی ہے۔ اور کاذب اور دوزخ گو لوگوں کے تواتر کا اعتبار نہیں کیا عجیب کہ کسی فاسد غرض سے کسی امر افتراقی کو مشہر کیا جو چنانچہ قرن اول میں جو خلافت کا معاملہ ہوا۔ اس میں ان لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے اور یہ نزدیک چارچوبہ صحابی کے سوا اور صحابہ یا ان اعتبارات یقینیہ معلوم ہے کہ ان چارچوبہ صحابہ ان روایات کا تواتر ثابت ہے الغرض کہ لوگوں کے تواتر ثابت صحابی ہوا تو ہے اور خلافت قیاس میں کہ ان میں سے بعض محال سمجھے جاتے ہیں۔ درمیانی لوگوں کے قول پر اعتبار کس طرح ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک دوسرے صحابہ نہ تو مرتد اور دین سے خارج اور دنیا دار اور دوزخ گو اور کذاب ہوتے ہیں۔ نفوذ باللہ من ذلک۔ اور باوجود اس کے دوسرے صحابہ سے شیعہ کے ان کوئی روایت موجود بھی نہیں ہے :-

روى سليمان بن قيس الهلالي في كتاب وفات النبي صلى الله عليه وسلم عن ابن عباس عن امير المؤمنين وغير واحد عن الصادق عن الصحابة انتدأ بعد النبي صلى الله عليه وسلم الاربعة انفس وفي رواية عن صادق الامتعة يعني روايت سليمان بن قيس الهلالي في كتاب وفات النبي صلى الله عليه وسلم هي ان روايت عن حضرت ابن عباس رضى الله عنه اور انہوں نے روایت کی حضرت امیر المؤمنین اور بعض دیگر صحابہ سے کہ روایت ہے صادق سے کہ صحابہ بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مرتد ہو گئے نفوذ باللہ من ذلک۔ سوا چار صحابہ کے صادق سے ایک روایت میں ہے کہ سوا چار صحابہ کے۔

تو شیعہ کے نزدیک صحابہ نہ کہ ان کی شان میں طعن کرتے ہیں۔ ان کی روایات قابلِ اعتبار نہ ہوں گی۔ اور انہیں صحابہ سے اکثر امور شرعیہ میں روایت ہے مثلاً :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت کا کرنا اور موافق دعویٰ کے معجزہ ظاہر کرنا اور قرآن شریف کا نازل ہونا اور بلقاء کا اس کے معارضہ سے عاجز ہونا۔ اور جنت اور دوزخ کا احوال اور تکلیفات شرعیہ اور وحی کا نازل ہونا اور ظالم کا نازل ہونا۔ بلکہ انبیاء سابقین کا نبی ہونا۔ ان کا توحید کے لئے دعوت کرنا اور شرک سے منع کرنا۔ تو شیعہ کے نزدیک ان صحابہ کی روایت ان امور میں قابلِ اعتبار نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ ان صحابہ کی شان میں شیعہ طعن کرتے ہیں کہ ان صحابہ نے اس پر اجماع کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے خلاف کرنا چاہیے۔ جو وصیت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں نہایت تاکید کے ساتھ فرمائی تھی۔ صلی انصوص ان صحابہ کی روایت خود شیعہ کے نزدیک متواتر نہیں۔ بلکہ دوسرے فرقوں کے نزدیک متواتر ہے کہ وہ سب فرقہ ہم خیال ان صحابہ کے ہیں۔ صرف اس امر پر اکتفا جاتے۔ کہ اس قرن میں اور اس کے بعد کے قرن میں وہ

اور شائع اور مشہور ہوئے۔ تو دین میں نہایت بے احتیاطی لازم آئے گی۔ اس واسطے کہ ان لوگوں کا گمان ہے کہ یہ
قرن کے بعد کے اور دوسرے قرون کے لوگ پیغمبر سے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ اور قرآن کی تائید
کی۔ اور اللہ تعالیٰ جو احکام نازل فرمائے تھے۔ اس کے خلاف بہت احکام ان قرون میں اس طرح مشہور ہوئے
ہوئے کہ اصلی شریعت سے بھی زیادہ مشہور ہو گئے۔ مثلاً :-

وہود میں دونوں پاؤں کا دھونا نہایت کثیر القوت ہے۔ ہر روز پانچ وقت بے شمار اور بے شمار
دھوتے ہیں۔ اور سب نے غلط روایت کی ہے اور ایسا ہی موزہ کا مسح بھی ہے۔ ان بدعتوں کو ان قرون کے لوگ
نے خود اختراع کیا اور رواج دیا ہے۔ اور احکام اصلیہ شریعہ کے برابر جانا۔ ایسا ہی سنت تراویح اور صوم
وغیرہ کی ہے۔ کیا بعید ہے کہ یہ امور بھی ان لوگوں کی سرف اختراع ہوں۔ یعنی نبوت اور نزول وحی اور نزول ملائکہ اور
بہشت و دوزخ کہ لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لئے اختراع کر لیا ہو۔ اور تو اتر اس وقت یقین حاصل ہو جائے
کہ اہل تواتر کی کوئی فاسد عزم در بیان میں نہ ہو۔ اور یہاں تو ایسے اغراض بے حد و بے شمار موجود ہیں۔ اور احتمال ہے
کہ ان صاحبوں سے چند صاحبوں نے اس دعوے اور سدور مجرہ کی روایت کو کسی عزم سے اختراع کی ہو۔ اور
لوگوں نے طمع سے موافقت کر لی ہو اور قبول کر لیا ہو۔ اور مشہور کیا ہو۔ یہی احتمال ہے کہ سابق کے متبعین
کا ہمتوں سے سنا ہو کہ ایک صاحب قریش میں پیدا ہوں گے اور دوسرے زمین کا ملک اور بے شمار خزانہ اور
ماتھے لگے گا۔ اور عید مناف سے ہوں گے۔ ان کا نام فلاں اور ان کے باپ کا نام فلاں ہوگا۔ تو منفس نے اس
خیال سے ان کی متابعت کی ہوگی۔ کہ فاقہ کشی کی مصیبت دفع ہو۔ اور کسی کو زان ایران کی نواہش رہی ہوگی
کسی دنیا دار کو سیر لبنان کسری و گلگشت فردین و شیراز کی منار ہی ہوگی۔ یہ خیال رہا ہوگا۔ کہ قیصر کے محل میں
سکونت اختیار کریں۔ بعض یہود نے توریت وغیرہ کتب قدیمہ سے ان سے مدعا کے موافق انتخاب کر کے دیے
اور ان کتابوں کے قسم اور اخبار کو عبارت لمبغ میں ان کے لئے درست کر دیا ہوگا۔ اور ہنوز ان کے خیال
موافق نزول توریت و قصص انبیاء میں بھی شبہ باقی ہے۔ تو ان کی موافقت اور موافقت سے مطلب
ان لوگوں کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

اول جاہلان عرب نے ان اعراض سے اتباع کی ہوگی۔ پھر اور لوگوں نے دنیاوی اور نفسانی خواہش سے
پے درپے اتباع کرنا شروع کیا ہوگا۔ حتیٰ کہ جم غفیر نے اتباع کر لی۔ اور رفتہ رفتہ ایک دین اور ایک مذہب کی
صورت قرار پائی۔ چنانچہ اکثر اکثر مشرعیہ میں شیعہ کے گمان میں ایسا ہی وقوع میں آیا ہے۔ مثلاً دونوں پاؤں دھونا
کے متواتر ہونے میں شیعہ کہتے ہیں۔ کہ یہی احتمالات ہیں جو کہ مذکور ہوئے ہیں۔ بلکہ اس مسئلہ میں زیادہ تر شبہ ہونے
اس واسطے کہ دونوں پاؤں پر مسح کرنے سے ان کو دوسرے میں زیادہ مشقت ہے اور اس میں خاصہ دنیاوی فائدہ
معلوم نہیں ہوتا۔ بخلاف نبوت کا مسئلہ جو کہ ریاست عامہ ہے۔ جو کہ نہایت دلچسپ اور خاطر خواہ ہے۔ اور
اس میں طمع اور حرص کا گمان ہے۔ اس امر کے لئے ہزاروں بلکہ لاکھوں اپنی جان برباد کر دیتے ہیں۔ تو اگر اس

ایسا ہی خیال شیعہ کا خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے بارے میں بھی ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے اس
خلافت کو شہرت دی اور متاخرین کو اعتقاد دے دیا کہ فی الواقع یہ خلافت صحیح ہے۔ اگر ایسے لوگوں کا تواتر قابل یقین منصوبہ
ہو تو لازم آئے کہ یہود کے تواتر پر بھی یقین کیا جائے۔ بہ نسبت ان لوگوں کے یہود نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں
زیادہ تحریف کی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نیادہ تکذیب کی ہے۔ ان کے پند و وسایا کی بہت مخالفت کی ہے
پھر حضرت موسیٰ علی نبیاء علیہ السلام کے دین کی تائید ہو۔ اس واسطے کہ یہود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین
کو واقعہ کے طور پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :-

شریعتی متبذات ما دامت السموات والارض

یعنی جب تک آسمان اور زمین ہیں۔ شریعت کے دن کی عظمت برابر باقی رہے گی۔

ایسا ہی نصاریٰ کا بھی تواتر ہے کہ ان کے نزدیک نفس صریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے
رہے ہیں اور یہ کہ :-

ان رسالة البشر قد ختمت قبل مجيئه

یعنی آدمی کی رسالت آپ کے تشریف لانے کے قبل ختم ہو گئی۔

اور جو قرآن ان لوگوں کے پاس ہے۔ تحریف کیا ہو ہے۔ تو اس کے بارے میں بھی وہی حکم ہے جو توریت اور
انجیل کے بارے میں حکم ہے اس وقت جو قرآن ہے اصلی نہیں۔ بلکہ تحریف کے بعد کا ہے۔ یعنی اصلی قرآن سے اکثر
آیات اور بے شمار سورتیں ساقط کر دی گئیں۔ اور اس کے کلمات بدل دیئے گئے اور اس کی ترتیب بھی بدل دی گئی۔ تو
اگر اس قرآن متواتر سے استدلال جائز ہو تو چاہیے کہ انجیل موجود ہے بھی استدلال کیا جائے۔ اور چار انجیل نصاریٰ
کے نزدیک متواتر ہیں۔ اور صحیح ہیں۔ اور انجیل ثانی کی انجیل مرقس ہے۔ ہمیں یہ نص موجود ہے :-

قال عرس رجل اشجائفي ارضه وبنى حوليها الجدران وحفر فيها بيوتا وبنى
عليها بيوتان ما كملت عمارته اليستان اودع عند الذراع وساقر الى بكيا اخر
واقام بها فلما احان ان ينضج الشاما مسل عبدا الى الذراع ليخذ
شمارك فلما جاء واراد ان ياخذ شمرا ضربه وارسله خاشا ثوارسل عبدا
اخوفا ذوة وضربة وادمعه وشجوا راسه ثمارسل اخو فقتلوه وكان يرمي
عبدا اليهم تتولى فيضربون بعضهم ويقتلون بعضهم كان له ابن واحد يحبه
ولو يكن له ولد سوا فارس له اليهم فلما رآه الكفار قال بعضهم لبعض هذا

چنانچہ ارشاد فرمایا ہے :-

لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة

یعنی تحقیق کہ راضی ہوا اللہ مسلمانوں سے جو کہ آپ کی بیعت قبول کرتے ہیں درخت کے نیچے :

اس باب سے ہیں اور بھی آیتیں ہیں تو اوائل اہلسنت نے یہ نصوص قرآن و حدیث میں پائیں۔ اور ان حضرات کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب حضرات صادق الاعتقاد ہوئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت پیچیدگی اور محبت رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان حضرات کو رخصت حاصل تھا۔ اور شریعت کے بارہی کرنے میں دریغ نہ کیا۔ اور احکام ملت حنفیہ کے اجراء میں مستثنیٰ نہیں کیے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ دین حشر کی محافظت اور حمایت اپنی جان سے زیادہ سمجھتے تھے۔ اور ان کا سنوں کا لحاظ عادت میں رکھتے تھے۔ اور عبادات کا کیا ذکر ہے۔ اور ان حضرات کی صحبت کی برکت سے عوام مسلمانوں کا بھی یہی طریقہ برابر رہا اور صحابہ کی صحبت کی برکت سے تابعین نے بھی یہی طریقہ اپنے اوپر لازم کیا ہے اور ایسا ہی قرآن و سنت پر قرن میں ہوتا رہا۔ یہ حضرت خلوص کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے تھے۔ دنیاوی سزا و دنیاوی فائدہ کا لحاظ نہ تھا۔ بلکہ مؤلفہ القلوب کو امانت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حالانکہ بعض مؤلفہ القلوب رئیس قوم اور سردار قبیلہ تھے لیکن وہ بھی ان حضرات کے نزدیک ذلیل تھے۔ مثلاً ابوسفیان اور اقرب بن حابس جو کہ رئیس تھے۔ مگر بیعت نامی کی مجلس میں دلت اٹھاتے تھے۔ جو ان اُتارنے کے مقام میں جگہ پاتے تھے۔ اہل اسلام سے جو فخر اور مساکین اور غلام تھے مثلاً صہیب اور عمار یہ لوگ صدر مجلس تھے۔ تاہم امکان ولایت ملک و سلفیت اپنے خویش و قرابت وادوں کو نہ دی۔ بلکہ ان لوگوں کو یہ منصب دیا کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت میں زیادہ رہا کرتے تھے۔ ان حضرات میں سے اکثر ایسے تھے کہ پہلے کفر پر ان کو نہایت اصرار تھا۔ اور قیل و قال کیا۔ اور جنگ۔ و جدال کیا۔ اور ان کے بزرگان اور قرابت مند مائے گئے اور اس کے بعد معجزات دیکھ کر ایمان لائے۔ اگر کامنوں اور مخمبین اور اہل کتاب کے کہنے سے وہ لوگ ایمان لے آئے۔ اور دنیاوی عزت سے اسلام کو قبول کیا۔ تو چاہیے تھا کہ پہلے ہی ایمان ظاہر کر دیتے۔ اور عرصہ دراز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ۔ و جدال کرنے میں مصروف نہ رہتے جب ان حضرات کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا دعویٰ فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات ظاہر ہوئے۔ قرآن شریف نازل ہوا۔ اور فصحاء اور بلغاء اس کے معانی سے عاجز رہے۔

اس واسطے اس امر پر یقین ہے کہ فی الواقع ایسا ہوا تھا۔ ان حضرات کا مدن و صلاح قرآن و حدیث سے ثابت ہے ہمیں کسی ناجائز و مہ کا گمان نہیں کہ معذور ہو۔ بلکہ صرف اس وجہ سے قرآن و حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے ساتھ زیادہ سن اعتقاد اور ان کی فیصلہت کا کامل یقین ہو جائے وہ صرف ان معجزات کا حال دریافت کر لینا کافی تھا۔ کہ اس سے اعتقاد ہو جاتا۔ کہ ان حضرات کی روایت صحیح ہے۔ ان حضرات سے جو خبر متواتر طور پر پہنچی ہے

الذی یورث بعدہ المجنۃ فہلما فقتلہ و مورث البستان فو شوا علیہ فقتلہ
فلا جرم یغضب علیہ صاحب الحائط یدبرج الیہم وینزعہ من اید یہم و
یدد یہم وینزعہ عند آخرین۔

یعنی کہا کسی نے اپنی زمین باغ لگایا اور اس کے گرد گرد چار دیواری بنائی اور اس میں کنواں بنوایا اور وہاں چند گھر بنوائے۔ اور باغ عمارت تیار ہو گئی۔ تو باغبانوں کے ذمہ کیا اور خود اس نے کسی دوسرے شہر کا سفر کیا۔ اور وہاں جا کر اقامت کی۔ جب میوہ پکنے کے دن آئے تب اس نے اپنا ایک غلام باغبانوں کے پاس بھیجا کہ وہ میوہ لے۔ جب وہ غلام آیا اور اس نے میوہ لینا چاہا تو باغبانوں نے اس کو مارا اور اس کو خالی پھیر دیا۔ پھر مالک نے دوسرا غلام بھیجا تو اس کو بھی اذیت پہنچائی۔ اور اس کو مارا اور خون اودھ کیا اس کا سر توڑ دیا۔ پھر مالک نے اور دوسرا غلام بھیجا۔ تو باغبانوں نے اس کو مار ڈالا اور ایسا ہی مالک پر دے غلام بھیجا تو باغبانوں نے بعض غلام کو صرف مار کر چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض غلام کو مار ڈالتے تھے۔

مالک کا ایک لڑکا تھا۔ اور مالک اس سے نہایت محبت کرتا تھا۔ اور اس کا کوئی لڑکا دوسرا نہ تھا۔ تو اس نے باغبانوں کے پاس اس لڑکے کو بھیجا۔ اس کو جب کافروں نے دیکھا تو بعض نے بعض سے کہا کہ اس کا بد باغ کا وارث یہی ہو گا تو آؤ اس کو مار ڈالیں اور ہم لوگ باغ کے مالک ہو جائیں۔ پھر باغبانوں نے اس کو حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا۔ تو ضرور ہے کہ مالک باغ اس پر غصہ ہو گا۔ اور باغبانوں کے پاس آئے گا اور ان سے باغ لے لے گا اور ان بھوں کو ہلاک کرے گا اور دوسروں کو ان پر مقرر کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملت حنفیہ کی بناء اس پر ہے کہ خاتم الانبیاء کی نبوت کا اقرار ہے تو ملت حنفیہ ثابت نہ ہو۔ ان اس کے ممکن نہیں کہ اصول مذہب میں اہل سنت کی اتباع کی جائے۔ اس واسطے کہ اہل سنت نے پہلے دین صحابہ کے اخذ کیا ہے مثلاً عشرہ مبشرہ، عبادہ اربعہ، اہل بدر، اہل بیعت رضوان، مہاجرین اولین سے اور ان صحابہ سے بن سے حدیث کی روایت زیادہ ہے۔ یہ اصول ماخذ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان حضرات کا صدق و صلاح بیان فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے کہ :-

اولئک ہمہ الصّٰدقون اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے :-

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ الی اخذ الایۃ

یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں زیادہ سخت ہیں کفار کے حق میں اور آپس میں نہایت نرمی اور ملائمت اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ آخر آیت تک

اور اللہ تعالیٰ نے اکثر آیات میں ان حضرات کے حق میں خوشنودی اور ضمانت کی کاظمہ ارشاد فرمایا ہے

من کتاب الکافی للکلینی فی باب اختلاف الحدیث بحذف الاسناد عن منصور ابن حازم قال قلت لابی عبد الله ما بالی استلک عن المسئلة فتجیبی فیها بالجواب ثم یجیدک غیری فتجیبه فیها بجواب آخر فقال یحبیب الناس علی الزیاده والنقصان قال قلت فاخبرنی عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم مدقوا علی محمد صلی الله علیه وسلم ام کذبوا قال بل صدقوا قال قلت فما بالهم اختلفوا فقال اما تعلم ان الرجل کان یناقی رسول الله صلی الله علیه وسلم فیکلم فی المسئلة فیکتب فیها بالجواب ثم یجیبه بعد ذلک بما ینسخ ذلک فنخت لا تخذ بعضها بمقتضاها یضاحض الاسناد عن محمد ابن مسلم ابی عبد الله قال قلت له ما بال اقوام یودون عن فلان وفلان عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا یتهمون بالکذب فیکفی و منکم خلافه قال ان الحدیث ینسخ کما ینسخ القرآن -

یعنی کلینی کی کتاب کافی کے باب اختلاف حدیث سے بحذف اسناد منقول ہے کہ منصور بن حازم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ میں آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہوں اور آپ مجھ کو ایک جواب دیتے ہیں پھر دوسرا کوئی شخص آپ کے پاس آتا ہے تو اس کو دوسرا جواب دیتے ہیں تو کہا کہ میں لوگوں کو کم اور زیادہ طور پر جواب دیتا ہوں کہ منصور بن حازم نے کہ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ہم کو خبر دیجیے کہ اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے تو سچ کہا ہے یا جھوٹ کہا ہے۔ جب اللہ نے کہا کہ سچ کہا ہے منصور بن حازم نے کہا کہ پھر میں نے کہا کہ کیا حال ان کا ہے کہ باہم اختلاف کیا ہے ابو عبد اللہ نے کہا کہ ایسا ہوا کرتا تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتا تھا۔ اور مسئلہ پوچھتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب فرماتے تھے پھر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر وہ حکم منسوخ فرما دیتے تھے۔ اس وجہ سے بعض احادیث نے بعض احادیث کو منسوخ کیا ہے۔ اور محمد بن مسلم سے بھی بحذف اسناد روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے عبد اللہ سے پوچھا کہ قوم اہل اسلام کے پاس میں کیا کہا جائے کہ روایت کرتے ہیں فلاں اور فلاں سے کہ ان فلاں اور فلاں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ اور ان لوگوں پر جھوٹ کی ہمت نہیں لگائی جاتی ہے تو آپ لوگوں سے اس کے خلاف روایت ثابت ہوتی ہے تو ابو عبد اللہ نے کہا کہ بعض حدیث منسوخ ہیں جیسا کہ بعض آیات منسوخ ہیں۔

فائدہ دیگر : یہ فائدہ پہلے فائدہ سے زیادہ بہتر ہے اور میں نے اس کا لقب رکھا ہے :
تعداد الدارین فی شرح حدیث الثقلین : یعنی سعادت دونوں جہان کی بیان میں حدیث ثقلین کے اگر

اس کا متواتر ہونا بھی صحیح ہے۔ اور ان حضرات کی اتباع لازم ہے۔ اگر شیعہ قرآن شریف یا حدیث شریف یا اجماع سے استدلال کریں تو لازم آئے گا کہ اپنے عقیدہ کے خلاف کریں۔ اور اہل سنت کی طرف میلان کرنا اپنے آپ پر لازم ورز ان کا استدلال مراب درخندہ اور نقش آب کی طرح بے اصل و بے ثبات ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مذہب شیعہ کی اصلیت کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ اس واسطے کہ وہ جب اپنا مذہب ثابت کرنے میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور اس قرآن اور اصول ملت جنیبہ کے قائل ہوں تو ان کو ضروری ہے کہ اہل سنت کے سب متواتر جہوں کو تسلیم کریں۔ مثلاً یہ امور مان لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ حضرت ابو بکر کے فضائل و مناقب صحیح ہیں۔ یہ حکم صحیح ہے۔ کہ وہ مومن و مومنوں پاؤں دھونا چاہیے۔ اور روزہ پر مسیح کرنا جائز ہے۔ اس واسطے کہ جس طرح قرآن شریف اور احادیث متواترہ، متواتر طور پر ثابت ہیں۔ اسی طرح یہ امور مذکورہ بھی تواتر سے ثابت ہیں۔ تو چاہیے کہ شیعہ ان امور کے قائل ہو جائیں۔ اور ان امور کو قبول کر لیں ورنہ حکم بے اصل لازم آئے گا اور کسی کی روٹی کھانا اور دوسرے کا شکر بجالانا مناسب نہیں۔

وجد و منع باد لے زیادہ کفری نعمتی است دشمن بے بودن و ہر گمستان ریشتر

یہ مضمون یاد رکھنا چاہیے کہ نہایت مفید ہے اور ابواب سابقہ سے بھی ظاہر ہے کہ مذہب شیعہ کی بنیاد اصحاب ائمہ کی روایت پر ہے۔ جو کہ اصحاب ائمہ سے روایات کی ہیں۔ ان اصحاب کا احوال بھی معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک ان میں سے اکثر دروغ گو ہوئے ہیں اور خود ائمہ نے ان کی تکذیب فرمائی ہے اور جو امام ہوا۔ اس کے بعض اصحاب کی تکذیب امام مابعد نے کی۔ اس واسطے کہ وہ اصحاب اس دوسرے امام کی امامت کے قائل نہ ہوئے اور کسی دوسرے شخص کی امامت کے معتقد تھے۔ یا وقت کے قائل تھے۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ سابق امامت کے بعد امامت منقطع ہوگئی چونکہ اصحاب ائمہ کے سابقہ ان کا حسن ظن ہے۔ ائمہ مابعد کی تکذیب کا ان کو کچھ خیال نہیں۔ بلکہ اپنی تکذیب کا بھی ان کو کچھ خیال نہیں آتا۔ اور ان کے سب روایات پر ان کو اعتبار ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ ان کا حسن ظن کیوں نہیں ہوتا۔ ان کی روایات قبول کیوں نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تاثیر ائمہ کی صحبت کی تاثیر سے کم نہیں بلکہ کہیں زیادہ ہے۔ غایت الامر یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات علی الخصوص جو امامت میں ہے۔ اس کے خلاف آئمہ سے ان کو روایت پہنچی ہو اس واسطے صحابہ کے صدق میں ان کو شبہ ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی مخالفت اصحاب ائمہ میں بھی جاری ہے اور یہ شبہ دل بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود ان کی روایات قابل قبول ہیں تو اس شبہ سے اصحاب کی روایت قبول کرنے میں کیوں تاثر ہے۔ یہ تعصب محض ہے اور عناد خالص ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم کی تحقیر کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر صحبت کی توہین ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم حالانکہ خود ائمہ نے اس مخالفت کا عذر بیان فرمایا ہے اور اصحاب کے صدق کا وصحت کیا ہے اور یہ مضمون خود ان کے صحاح سے ثابت ہے۔ لیکن تعصب کا پردہ پڑا ہے کہ ان کی آنکھ اندھی ہے اور ان کا کان بہرا ہے۔

بعد تھا۔ خیر من الفت شہود اور لفظ علی بن ابی طالب کا اس آیت کے بعد تھا۔ دکنی اللہ المؤمنین اللہ
ابراہیم بن محمد کا اس آیت سے لوگوں نے ساقط کر دیا ہے۔ وسیع علم الذین ظلموا آل محمد ای منقلب
ینقلبون اور لفظ علی کا بعد وکل قوم ہجاء کے تھا۔ یہ سب ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی کتاب کتب
المشالب میں ذکر کیا ہے۔ اور علی ہذا القیاس ان لوگوں نے بہت کلمات اور بے شمار آیتوں کو شمار کیا ہے کہ
لوگوں کے نزدیک قرآن شریف میں جو کہ موجود ہے اور توحید، وائیل میں کچھ فرق نہیں۔ اور یہ تینوں کتاب
قابل استدلال نہ رہیں۔ اس واسطے کہ یہ محرف اور مبدل اور مسوخ ہیں۔ اور ناسخ کا پتہ نہیں۔

اور تین عمرت رسول کا بیان یہ ہے کہ اہل لخت کا اتفاق ہے کہ عمرت شخص اس کے اقارب کو کہتے
ہیں۔ اور یہ لوگ بعض عمرت کے عمرت ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض عمرت کو عمرت سے شمار نہیں
کرتے۔ مثلاً حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم بنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرت ہونے سے انکار
کرتے ہیں۔ اور بعض عمرت کو عمرت سے شمار نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم کو اور آپ کی اولاد کو عمرت سے شمار نہیں کرتے۔ اور مثلاً حضرت زبیر بن ابی حنیفہ عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم کو عمرت سے نہیں سمجھتے۔ اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی عمرت سے شمار نہیں کرتے۔ اور ان سے وٹنی لکھی
ہیں۔ اور ان کو بڑا کہتے ہیں۔

مثلاً زبیر بن علی بن حسین کہ بڑے عالم تھے۔ اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور مردانیوں کے ہاتھ
سے شہید ہوئے۔ ان سے یہ سب عداوت رکھتے ہیں۔ اور آپ کے صاحبزائے یحییٰ بن زبیر سے بھی عداوت
رکھتے ہیں۔ اور ایسا ہی ابراہیم بن موسیٰ کاظم سے بھی عداوت رکھتے ہیں اور جعفر بن موسیٰ کاظم سے بھی دشمنی
رکھتے ہیں۔ اور آپ کا لقب کذاب رکھا ہے حالانکہ آپ اویائے کیا سے ہیں۔ اور آپ سے بایزید بسطامی
نے طریقت اخذ کی۔ اور یہ غلط مشہور ہے کہ بایزید بسطامی مرید جعفر صادق کے ہیں اور جعفر بن علی رضی اللہ عنہما
حسن عسکری کے بھائی تھے۔ آپ کا بھی لقب کذاب رکھا ہے اور حسن بن حسین مثنیٰ کو مرتد اور کافر جانتے
ہیں اور ایسا ہی آپ کے صاحبزائے عبد اللہ کو بھی مرتد اور کافر سمجھتے ہیں۔ اور آپ کا لقب محمد اکبر ہے اور ایسا ہی
ابراہیم بن عبد اللہ اور زکریا بن محمد باقر اور محمد بن عبد اللہ بن حسین بن حسن اور محمد بن قاسم بن حسین کو اور یحییٰ بن محمد کو
بھی کہ نبیر گان زبیر بن علی بن حسین کے تھے۔ کافر اور مرتد جانتے ہیں اور سادات حنیفیہ کی ایک جماعت کو جو کہ
بن علی کی امامت اور بزرگی کی قائل تھی۔ مگر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کتب انساب و تواریخ سادات سے صراحتہ
ہوتا ہے۔ کہ اکثر اہل بیت حسنی و حسینی زبیر بن علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور فضیلت کے معتقد گذرے ہیں

جمہور اثنا عشریہ ان حضرات کے حق میں کفر اور ارتداد کا اور خلود نار کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ
تعالیٰ باب معاد میں ان کتابوں سے اس باب سے نقل کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے اس واسطے
کہ جو شخص کسی امام کی امامت کا منکر ہو تو وہ ان لوگوں کے نزدیک اس شخص کے مانند ہے کہ وہ کسی نبی کی نبوت

کا منکر ہو اور نبوت کا منکر یقیناً کافر ہے اور کافر کے حق میں خلود نار ثابت ہے۔ اور ان حضرات کو اپنے وقت کے
امام کی امامت سے انکار تھا۔ بلکہ بعض ائمہ سابقین کی امامت سے بھی انکار تھا۔

اثنا عشریہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرات اعراف میں رہیں گے۔ جیسا ان کو گمان ہے کہ حضرت
عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعراف میں رہیں گے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عذاب شدید کے بعد
اجداد کی شفاعت سے نجات پائیں گے۔ اور یہ دونوں قول رنگیک ہیں اور قابل رد ہیں۔ اور وہی پہلا قول ان
لوگوں کے اصول کے موافق ہے۔ اس واسطے کہ اجماع سے ثابت ہے۔ کہ کفار کے حق میں شفاعت قبول نہ ہو
گی۔ اور اعراف دائر الخلد نہیں۔ ان حضرات کے اعراف میں رہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ کہ یہ حضرات امامت
کے منکر تھے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک منکرین امامت کفار ہیں۔ اور باوجود اس کے روایت کرتے ہیں کہ:-

محب علی لا یدخل النار

یعنی جن لوگوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ محبت ہوگی۔ وہ لوگ دوزخ میں داخل نہ
ہوں گے۔

اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان حضرات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ محبت تھی۔ ان لوگوں کا
ناسبی جو اس وجہ سے ثابت ہے کہ لوگوں نے ان بزرگوں کی امامت کی کہ وہ ائمہ کے لخت جگر اور بھائی تھے
اور یہ بزرگان کہ اہل بیت ائمہ اثنا عشریہ کے تھے۔ اور بعض ائمہ اثنا عشریہ کے قرابت مند تھے۔ ان کی طرف
عیوب کی نسبت کی اور ان کی امامت کی تو خوارج اور نواصی سے بھی بڑھ کر ہوئے۔

دوستی بے خرد خود دشمنی است

اور ان کے روایات اور کتب کے تتبع کے بعد وہ قباہ اور عیوب مفصل شمس نعت النہار کے
مانند ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس مقام میں ان کے بعض کفریات لکھے جاتے ہیں کہ نمونہ از خروائے ہے۔
اول یہ کہتے ہیں کہ امام وقت صاحب زمان ایسا بزدل اور ہراساں اور خائف ہے کہ ہزار برس سے

ایک قلیل جماعت کے خوف سے مخفی ہے کہ اس قدر انقلاب زمانہ ہوا۔ اور عباسی کی سلطنت درہم بہم
گئی۔ اور چنگیزیہ کا تسلط ہوا۔ اور ان لوگوں نے جب سے اسلام قبول کیا۔ اپنے کو محب اہل بیت کہتے تھے۔ اور
ان میں سے بعض نے شیعہ کا مذہب بھی اختیار کر لیا تھا۔ اور صفویہ کا تسلط عراقین اور خراسان پر ہوا کہ شیعہ
محب صادق اور خیر خواہ ہیں اور اس مذہب نے سلاطین دکن اور بنگالہ اور پورب میں رواج پایا۔ اور اس
کی امارت اور وزارت ہندو سندھ میں ہوئی۔ لیکن باوجود اس کے امام وقت نہیں نکلتا ہے اور اس
الہیان نہیں ہوتا۔

دوسرا یہ کہ حضرت صادق سے ان کی سب کتابوں میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:-

يَا مَعْشَرَ الشَّيْعَةِ خُذْ مَثَلَهُ جَوَارِئِنَا لَمَّا فَتَوَجَّهَتْ لَكُمْ۔

یعنی "اے گروہ شیعہ کے ہماری لوٹریاں اس واسطے ہیں کہ خدمت میری کریں اور ان کی شہادت
تم لوگوں کے لئے ہے۔"
اللہ اللہ !! ان کے خبیث نفس نے ایسے بہتان عظیم کو سہل جانا اور ایسے جناب پاک کی طرف سے
بہتان کی نسبت کی۔

تیسرا یہ کہ حضرت کی جانب نسبت کرنے میں کہ فرمایا حضرت کلثوم سیدۃ النساء کے حق میں اور
فرج غصب منا، نعوذ باللہ من ذلک یہ کلمہ کیا ہے کہ ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ قریب ہے کہ آسمان گر جائے
زمین پھٹ جائے۔ اول سیدہ پاک بضعہ رسول لخت جگر بتول کی شان میں یہ کیا فحش ہے اور بے ادبی ہے
اس طاہرہ مطہرہ کے پاک دامن کی طرف کیسی خبیث خصلت کی نسبت کرتے ہیں۔ اور دوسرے حضرت امیرہ
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں کیسی بے ناموسی ثابت کرتے ہیں۔ اور اس بات کی تہمت حضرت صادق پر لگاتے ہیں
یہ کیا بے حیثی اور بے غیرتی ہے کوئی ایسا لفظ بزرگ زبان پر نہیں لے آتے۔ علی الخصوص ذکر ایسی عذیفہ مستورہ
والسٹی کا اقارب سے اور خصوصاً ان کے بزرگان سے ایک ایسا امر ہے کہ ارذل اور اوباش بھی اس سے احتراز
کرنا واجب جانتے ہیں۔ ہم نے بازاریاں دلی کو دیکھا کہ افغانہ قندھار کے ہنگامہ میں جو کہ اپنا لقب ڈٹانی کہتے ہیں
عورتوں کی بے ناموسی ہوئی۔ مگر اس کا نام نہ لیا اور عار سمجھتے تھے۔ اور بضعہ طاہرہ رسول کی شان میں ایسا کہنا۔ تو
بالکل شان اسلام کے خلاف ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

چوتھا امر یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ اپنی بنات اور اخوات کا نکاح کفار ناجرین کے ساتھ کرنے تھے۔ مثلاً حضرت
سکینہ رضی اللہ عنہا جو کہ مصعب بن زبیر کے نکاح میں تھیں۔ اور ایسا ہی اپنی دیگر قرابت مند عورتوں کا نکاح کفرہ نو اصعب
کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ یہ کتب انساب سادات میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے۔

پانچواں امر یہ ہے کہ حضرت صادق کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ عازۃ اللہ قرآن شریف کو زمین پر پھینک دیا
اور امانت کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں جو طعن کرتے ہیں کہ مصحف ابن مسعود کو جلادیا۔ وہی طعن بعینہ حضرت صادق کی
شان میں کرتے ہیں۔

روی الکلبینی عن زید بن جهم الہلالی انہ قد ارادوا لکونی نقضت غزلها
من بعد قوۃ انکاشا تتخذون ایما تمکد خلا بینکم ان تكون ائمة ہی ازکی من
ایمکتہ فقلت جعلت فداک ائمة قال ای واللہ قلت انما یقعد ادبی قال معاویہ
و ادنی بیدہ فطرحها امانۃ

یعنی کلبینی نے روایت کی ہے زید بن جهم ہلالی سے اور زید بن جهم نے روایت کی ہے صادق علیہ السلام
سے کہ تحقیق انہوں نے پڑھا۔ یعنی آیت مذکورہ پڑھی کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ یعنی اور منجھاؤ تم لوگ
اس عورت کے مانند کہ اس نے اپنا ساگا کاٹا ہوا توڑ ڈالا۔ مضبوط ہونے کے بعد ریزہ ریزہ پکڑ دے جو

تم لوگ اپنی قسموں کو دھل رکھتے والا۔ تم لوگوں میں اس واسطے کہ ہوویں ائمہ کہ وہ بہتر ہوں تمہارے
ائمہ سے۔ تو میں نے کہا کہ میں تم پر خدا ہو جاؤں کیا ائمہ کا لفظ ہے تو اس نے کہا کہ ہاں قسم ہے قسم خدا کی تو
میں نے کہا، یہ تو ادبی پڑھا جاتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ ادبی کیا ہے۔ پھر اپنا ماتھہ جھاڑا اور اس کو امانت کے
طور پر پھینک دیا

چھٹا امر یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کے ساتھ بغض رکھنا ایمان کے منافی ہے اور علامت ایمان کے
خلاف ہے اور یہ لوگ اس کی نسبت ائمہ کی طرف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حضرت کی شہادت سے ائمہ کے ایمان میں
رخنہ ڈالیں کہ حضرت ائمہ نے حضرت امیر کی شان میں اپنی تمام عمر تقیہ اور اخفائے حق اور اظہار باطل پر اصرار کیا حضرت
امیر المؤمنین کا نفس متواتر جو کہ نہج البلاغہ میں موجود ہے یہ ہے۔

قال علیہ السلام علامۃ الایمان ان لا توشع الصدق حیث یضرب علی الکذب
حیث ینفعلک

یعنی کہا علیہ السلام نے کہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ پسند نہ کرے تو سچ کو کہ جب اس سے نقصان ہو
بہ نسبت جھوٹ کے جب اس میں تجھ کو فائدہ ہو۔
یہ نہج البلاغہ کی عبارت مذکورہ کا ترجمہ ہے۔

ساتواں امر یہ ہے کہ آیات قرآن کی بعض تفاسیر کی نسبت ائمہ کی طرف کرتے ہیں کہ اس سے ربط کلام میں
معلوم ہوتا ہے۔ اور انفس کا نظم اور انتشار ضمائر لازم آتا ہے اور نامناسب سابق کلام کی ثابت ہوتی ہے تاکران
حضرت کی شان میں لوگوں کا شواہد اعتقاد ہو۔

آٹھواں امر یہ ہے کہ ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حضرات جہاد سے منع فرماتے تھے۔ حالانکہ اس بارہ
میں قرآن شریف میں جس قدر تاکید ہے وہ ہر ملل کتب پر ظاہر ہے اور گمان کرتے ہیں کہ ثقلین میں مخالفت ہے۔
حالانکہ حدیث ثقلین کے اخیر میں یہ عبارت بھی روایت میں آئی ہے کہ :-

لن یتفرقا حتی یدد علی الحوض

یعنی یہ دونوں ہرگز متفرق نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔

اس عبارت سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عترت طاہرہ کے اقوال و مذاہب
کی معرفت کے لئے قرآن شریف کو معیار مقرر فرمایا۔ اس واسطے کہ لوگ جھوٹ امر کی نسبت عترت طاہرہ کی طرف
کریں گے۔ اور افراد کریں گے تو چاہیئے کہ جن روایات کی نسبت ان حضرات کی طرف ہو اس کی تطبیق قرآن شریف
کے ساتھ دیں۔ اگر موافق ہو تو سمجھیں کہ فی الواقع ان حضرات کی وہ روایت ہے۔ اگر قرآن شریف کے خلاف ہو تو
اس کو سمجھیں کہ وہ روایت ان حضرات کی فی الواقع نہیں۔ قرآن شریف محفوظ متواتر ہے بہ نسبت عترت طاہرہ
کے وہ زیادہ مناسب ہے کہ معیار قرار دیا جائے۔ اس واسطے کہ عترت کے لئے بمقتضائے بشریت موت ضروری

ہے۔ اور غیبت مکافی اور بعد زمانی اور دیگر لواحق ضروری ہے کہ یہ دروغ بندی اور افتراء سازی کے دروازہ کھولنے کی کنجی ہے۔ بخلاف قرآن شریف کہ مشہور و متواتر ہے۔ ہر شخص کے پاس ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محافظت میں محفوظ ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلُ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ
یعنی نہ آئے گا قرآن شریف کے گرد باطل یہ حکیم بزرگ کا نازل کیا ہوا ہے۔

۹۔ نواں امر یہ ہے کہ ائمہ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ کہ مطلقہ کے ساتھ جماع کرنا جائز رکھتے ہیں۔ اور نہ زنا کو جائز رکھنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

۱۰۔ سوال امر یہ ہے کہ عین نماز میں قضیب اور خصینین کے ساتھ کھیل کرنے کی نسبت جناب ائمہ کی طرف کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک اولیٰ نماز اگر عظیم ارکان دین ہے۔ کھیل کی کیا جگہ ہے یہ کہ ایسا کھیل ہو۔ نعوذ باللہ من ذلک

۱۱۔ گیارہواں امر یہ ہے۔ کہ بچہ جانور مردہ کے کھانے کی نسبت معاذ اللہ ان حضرات کی طرف کرتے ہیں۔

۱۲۔ بارہواں امر یہ ہے کہ عین نماز میں عورت کے ساتھ بوس و کنار جائز رکھنے کی نسبت ان حضرات کی طرف کرتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں ان سب مسائل میں روایات موجود ہے انشاء اللہ تعالیٰ باب فروع میں نقل جائیں گی۔

۱۳۔ تیرہواں امر یہ ہے۔ کہ ان حضرات کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ عورتوں کو واجبات دین کی تعلیم کرنا۔ لوگوں کو منع کیا۔

روى شيخ الطائفة عن ابيه بن حرقال سألت ابا عبد الله عليه السلام عن المرأة
تؤتى فيسأى يوسى النائم عليها غسل قال نعم لا تخد ثوبه فيستخذنه علة
یعنی روایت کی ابو جعفر طوسی نے ادیم بن حر سے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا اس عورت کے بارہ میں کہ
خود کو اس حال میں کہ خواب دیکھنے والا خود کو اس حال میں دیکھا کرتا ہے کیا اس پر غسل فرض ہے تو کہا کہ
ہاں ان سے مت کہنا کہ ان کے لئے حیلہ ہو جائے گا۔

اور اس صورت میں لازم آتا ہے کہ جناب ائمہ راضی تھے۔ کہ حالت جنابت میں نماز پڑھی جائے۔ حالانکہ اگر بلا
کفر ہے اور کفر پر راضی ہو نا بھی بالاتفاق کفر ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ یہ حضرات اس پر راضی تھے
کہ مکلف واجبات شریعت سے ناواقف ہے۔ اور یہ نصب امامت کے خلاف ہے اس کے استحقاق میں اس سے
نقص لازم آتا ہے۔ اور انصاف اور مروت کے خلاف ہے۔ اس سے بھی زیادہ قبیح اس یا سے میں صاحب المصاب
کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت کاظم علیہ السلام کا قول ہے۔

انه قال لا تعلموا هذه الخلق اصول دينهم
یعنی تحقیق کہ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کو ان کے اصول دین کی تعلیم نہ کرو۔

نعوذ باللہ من ذلک کیا روایت قبیح اور حکایت شنیع ہے کہ اس کی نسبت آنجناب کی طرف کرتے ہیں۔ جب آنجناب
لوگوں کو اصول دین کی تعلیم سے منع فرمائیں گے۔ تو دوسرے لوگ کس طرح تعلیم کریں گے۔

چونکہ اگر کعبہ برنجیز و کجا ماند سلمانی
چودھواں امر یہ ہے کہ احکام خدا کے ترک عمل کی نسبت جناب ائمہ کی طرف کرتے ہیں۔ خصوصاً جناب باقر

۱۴۔ حضرت صادق علیہم السلام کی شان میں کہتے ہیں۔ کہ ترک تقیہ کیا۔ حالانکہ حضرت صادق سے روایت کرتے ہیں۔ کہ التقیہ دین
آپانی۔ یعنی تقیہ ہمارے آباء کا دین ہے تو ان حضرات نے اپنے آباء کے دین میں کیا قبیح دیکھا کہ ترک کیا۔

۱۵۔ پندرہواں امر یہ ہے۔ کہ جناب ائمہ کی طرف نفس صریح کتاب اللہ کی مخالفت کی نسبت کرتے ہیں۔ تاکہ
لوگوں کو گمان ہو کہ نقلین میں باہم مخالفت ہے اور لوگ احکام دین میں متحیر ہوں۔ اور کہتے ہیں کہ ان حضرات کے نفی

سونا اور چاندی میں جو کہ گلاب یا ہوانہ ہو۔ زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور خود ان حضرات نے زکوٰۃ نہیں دی ہے۔ معاذ اللہ
لوگ چاہتے ہیں کہ ان حضرات کو اس آیت کی وجہ کا مستوجب قرار دیں۔

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ
الیہ

یعنی اور جو لوگ جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ تو ان کو دردناک
عذاب کی بشارت دیجیئے۔

۱۶۔ سولہواں امر یہ ہے۔ کہ کہتے ہیں کہ حضرات ائمہ نے معاذ اللہ جائز رکھا ہے کہ کسی کا لڑکا یا باپ یا دیگر اقارب
مربوئے کو عورت مرد سب کے لئے جائز ہے کہ غم میں اپنا کپڑا پھاڑیں اور گریبان چاک کریں۔ تو نعوذ باللہ من ذلک

۱۷۔ حضرات کو بے صبر اور جرح کنندہ قرار دیتے ہیں۔ اور بشارت قرآنی سے کہ صابریں کے حق میں وارد ہے خارج
کرتے ہیں۔ اور وعید لیں مہنا من شق الجبوب میں داخل کرتے ہیں۔ یعنی وہ ہم میں سے نہیں ہے جو اپنا گریبان

چاک کرے۔

۱۸۔ سترہواں امر یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک غیر نابینا کے ساتھ قصاص کا حکم خاص ہے کہ
نفس قرآنی کے خلاف ہے۔

۱۹۔ اٹھارواں امر یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ان حضرات ائمہ کے نزدیک اس کا فرضی کارڈ کا غلام قرار دیا جائے گا۔
اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہو۔ اور یہ اصول شرع کے خلاف ہے۔ ولا تذروا ذرۃ و ذرۃ اخوی یعنی کوئی

انفس کسی دوسرے نفس کا بار نہ اٹھائے گا۔ ولا یجوز الدن عن ولدہ ولا مولودہ من جاذ عن والدہ شیئا
یعنی جزا نہ دے گا والد اپنے ولد کو طرف سے اور نہ ولد جزا دے گا اپنے والد کی طرف سے۔ تو
اگر ایسا انتقام شرع میں جائز رکھا جائے تو دام چنگیز خانی اور شریعت محمدی میں کیا فرق ہو گا۔ کافر حربی کی
الاد کو غلام بنانا جائز ہے اس واسطے کہ اس سے لڑائی کی توقع ہے اور اس واسطے تاکہ اس کا گروہ کم ہو اور ذمی کو اس نے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رسالہ وسیلۃ النجاة

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

سب تعریف ثابت ہے واسطے اللہ کے کہ وہ تعریف اسی کا حق ہے اور رحمت کا طائر نازل ہو۔ اس کے جیب ۲ اور اس کے باقی سب بندوں پر، اسے پروردگار نے پھرنے والے دلوں کے۔ تو ثابت رکھ ہمارا دل اپنے رب سے تالیف اجاب سے ایک شخص نے کہ شیعہ کا مذہب اچھا جانتا تھا۔ مجھ سے استدعا کی کہ فرقہ ناجیہ کے حق میں برجواں ہیں۔ اس کے بارے میں کچھ لکھنا چاہیے۔ حکم الدیوب نصیحۃ کے۔ وہ استدعا قبول کی گئی اور اس رسالہ کا نام وسیلۃ النجاة رکھا گیا۔ والسلام علی من اتبع الهدی

سوال : درمیان اہل سنت اور شیعہ کے بہت گفتگو واقع ہوئی ہے۔ اہل سنت دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب برحق ہے۔ قرآن و حدیث کے موافق ہے اور شیعہ کی سب کتاب باطل ہے صرف افتراء ہے کہ اپنے مذہب کی نسبت اہل بیت کی طرف کرتے ہیں۔ بلکہ اہل بیت کا مذہب یہی ہے جو مذہب ہمارا ہے۔ اور شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کے موافق ہمارا مذہب ہے اور ہمارا وہی طریقہ ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابیں قابلِ اعتناء نہیں۔ اس بارے میں جواب ثانی آیات قرآنی سے لکھا جائے کہ اس میں کسی کے دم مارنے کی جگہ نہ ہو۔ اور خدا باقی نہ ہے کہ طالبانِ راہِ نجات اس پر عمل کریں اور باطل مذہب سے دستبردار ہو جائیں۔

جواب : اسے برادر چاہیے کہ پہلے دریافت کر دے کہ ہر مذہب کی بنا کس امر پر ہے اور ہر فرقہ کی کتابوں کو چھوڑ دے اور مذاق پر رکھ دے۔ جب معلوم کر لے کہ ہر مذہب کی بنا کیا ہے۔ تو اس کو آیات قرآنی سے تطبیق دے۔ جس مذہب کی بنا مستحکم اور راستہ دیکھو۔ اس کو حق سمجھو تو اس کے بعد اس مذہب کی کتابوں کو دیکھو۔ اور اس پر عمل کرو۔ اور جس مذہب کی بنا باطل دیکھو۔ اس کی کتابوں کو دوسو سو شیطان سمجھو۔ پانی میں ڈال دو۔ ہرگز اس کے گرد نہ جاؤ۔ اور اس کو ٹکڑے

کسی مسلمان کو قتل کیا۔ اس کی اولاد سے نہ لڑائی کی توقع ہے اور کفار حربی کے گروہ میں داخل ہیں۔ تو ان کے پاس میں کس طرح جائز ہوگا کہ وہ غلام بنائے جائیں کہ یہ سزا عطا ہو سکتی ہے اور ہر دین و ملت کے خلاف ہے کہ ہر ملت کے لوگ جانتے ہیں کہ عہد پورا کرنا واجب ہے۔ ورنہ قرآنی کے بھی خلاف ہے کہ النفس بالنفس ہے یعنی جان سے جان میں ماری جائے گی۔

۱۹ انیسواں امر یہ ہے کہ ان حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ ان حضرات کے گمان میں جس دن حضرت عمرؓ فرما دیں تو تاریخ ربیع الاول کی تھی۔ اس دن سے تین دن تک یہ حکم شرعاً تھا کہ کوئی شخص اگر گناہ کبیرہ یا صغیرہ ان میں سے سے اندر کرے گا تو وہ گناہ اس کے ذمے نہ لکھے جائیں گے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ان حضرات کی طرف یہ نسبت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس تین دن کے اندر حکم تھا کہ کفار اور گناہ کو مباح جاننا چاہیے

۲۰ بیسواں امر یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات اس امر کے قائل تھے کہ اگر استنجا کرنے سے جو پانی مستعمل ہو جائے ہے یعنی جو پانی بدن سے گرا ہے وہ پانی پینے میں اور طہارت وغیرہ دیکھو حواج میں صرف کرنا جائز ہے

۲۱ اکیسواں امر یہ ہے کہ حضرات ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ امت مرحومہ کا لقب امت موحیہ ہے۔ اس کی صیرفی نے ابو عبد اللہ عبد السلام سے روایت کی ہے۔ یہ لوگ حضرت صادق سے روایت کرتے ہیں کہ امت مطلقہ کی تشبیہ خنزیر کے ساتھ ہے اس کو کلیبی نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اس امت کا خطاب خیر امت ہے۔ اور اس امت کے حق میں وارد ہے۔ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا یعنی ایسا ہی بنایا ہم نے تم کو بہترین امت۔

حاصل کلام ان لوگوں کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو گمان کرادیں کہ تقلید میں باہم مخالفت ہے تاکہ دین شریعت پر خلل واقع ہو۔ اور کتاب اللہ کے حق میں ادعا کرتے ہیں کہ ہمیں تخریب اور زیادت، اور نقصان اور تغیر اور تبدیل ہونا ہے تاکہ لوگ اس پر عمل نہ کریں۔ اور عترت کے بارے میں نکمیز کرتے ہیں تاکہ لوگ ان حضرات کی اتباع نہ کریں۔ اور روایات مختلفہ خلاف کلام اللہ کے اختراع کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمارے کی طرح آزاد ہو جائیں۔ اور جو چاہیں کریں۔

نکڑے کر ڈالو۔ اور یقیناً سمجھو کہ وہ مذہب اہل بیت کا نہیں بلکہ شیطان کا مذہب ہے تو جانا چاہیئے کہ وہ مذہب اہل سنت کی بنا ان حضرات کے ایمان و تقویٰ و صلاح و راستی پر ہے۔ یعنی حضرت ابو جہر بن و حضرت عمر بن و حضرت عثمان بن و حضرت علی و غیر ہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو مہاجرین و انصار سے ہوئے ہیں اور دیگر اصحاب پر المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم جو کہ ہزاروں صاحب تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہ کر راہ خدا میں جہاد کرتے رہے اور نماز پڑھتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنی خلافت میں عدل و انصاف و راستی میں مشغول رہے۔ اہل بیت کی خدمت بجالاتے تھے۔ اور ان حضرات کے ساتھ محبت رکھتے تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ان صحابہ کے ساتھ ہمیشہ نشست و برخاست رکھتے تھے۔ اور ان صحابہ کے ہمراہ کفار کے ساتھ جہاد کیا۔ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہمیشہ محبت رکھتے تھے۔ ان صحابہ کی وفات کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اور ان کی سچ مدح کی۔ مناقب بیان فرمائے۔ اور مذہب شیعہ کی بناء اس پر ہے کہ وہ خلفاء ثلاثہ و غیر ہم کے کفر و نفاق کے قائل ہیں۔ جو کہ ہزاروں صحابہ سید ابراہیم کے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ان حضرات نے نفاق سے ایمان ظاہر کیا تھا۔ ہجرت بھی ریاست کے لئے کی طمع دنیا کا لہذا تھا۔ اور ان حضرات کا سب جہاد اور عبادت ربیہ کی غرض سے تھا۔ خدا کے لئے نہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو اہل بیت کو اذیت پہنچی۔ اور حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی مدد نہ کی۔ اور آنجناب کا حق بھی لے لیا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے خوف سے تقیہ کیا تھا۔ کہ ان اصحاب کی متابعت کرتے تھے۔ اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسا تقیہ کیا تھا کہ اپنی دختر طاہرہ کا نکاح حضرت عمر بن کے ساتھ کر دیا اور اپنے صاحبزادوں کا نام بھی ابو جہر علی اور عمر علی اور عثمان علی رکھا۔ صحابہ مخلصین کم تھے۔ یعنی حضرت ابو ذر بن و مقداد اور سلمان اور عمار اور جابر بن و صرف چند دیگر صحابہ بچ گئے۔

مے برادر ! دونوں مذہب کی بناء معلوم ہوئی۔ تو اب جانا چاہیئے کہ مذہب اہل سنت کے بناء کی دلیل قرآن شریف کی کثر آیات ہیں۔ کہ ہر آیت اس بناء کے اثبات اور استحکام کے لئے کافی ہے اور مختصر طور پر یہاں چند آیات بھی جاتی ہیں۔

قَوْلُهُ تَعَالَى: وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَضَعْنَا عَنْهُمْ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اور سابقین اولین مہاجرین و انصار سے اور جن لوگوں نے بہتر طور پر یعنی ایمان کے ساتھ سابقین کی پیروی اور متابعت کی۔ راضی ہوا خدا تعالیٰ اُن سے اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ وَدَعَا لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور یہاں کہیں خدا تعالیٰ نے ان کے واسطے بہشتیں جاری ہیں ہمیں ان بہشتوں کے محل اور درختوں کے نیچے خلدین فیہا ابدًا یہ سب مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ اس آیت سے علاوہ طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سب مہاجرین اور انصار سابقین

ان لوگ ان حضرات کے بعد ہوئے۔ اور ان حضرات کا طریقہ اختیار کیا اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابو جہر بن و مہاجرین اولین سے ہیں۔ جو شخص سمجھے کہ حضرت ابو جہر بن و مہاجرین اولین سے نہیں تو وہ کافر ہے اس واسطے کہ یہاں آیت سے انکار ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

إِذْ أَخَذَ حِجَّةَ الْاِثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي النَّارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخَفْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

یعنی جب خارج کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے اس حال میں کہ دو صاحب تھے ان میں سے دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جب دونوں صاحب غار میں تھے۔ اس وقت فرماتے تھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغمبر سے (حضرت ابو جہر بن) آپ رنج نہ کریں تحقیق کہ خدا تعالیٰ ہم لوگوں کے ساتھ ہے:-

ان حضرات کی اتباع کرنے والے بھی واقعی مہاجرین اور انصار سے ہیں۔ کہ وہ لوگ ان حضرات کے بعد ایمان لائے اور ہجرت اور مدد کی اور حق تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ وہ حضرات ہمیشہ بہشت میں رہیں گے تو ثابت ہوا کہ وہ حضرات قطعی بہشتی ہیں۔ جو شخص ان حضرات کو بہشتی نہ جانے وہ کافر ہے۔ اس واسطے کہ اس کو آیت سے انکار ہے۔ اگر اس مقام میں شیطان دوسرے دلائل کے شاید مراد اس آیت سے وہ مہاجرین ہوں۔ کہ شیعہ ان کے حق میں حسن ظن رکھتے ہیں۔ اس واسطے کہ ان کی ہجرت فی سبیل اللہ تھی اور ہجرت حضرت ابو جہر بن و کی طمع دنیا کی غرض سے تھی۔ تو اس کا جواب یہ دینا چاہیئے۔ کہ لے اے ابلیس! تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ ہجرت سب مہاجرین کی خالصتہ شد تھی۔ چنانچہ ہجرت کے بعد پہلے یہ آیت قاتل کے بارے میں نازل ہوئی:-

أَذِّنْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

یعنی اجازت دی گئی کفار کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے ان لوگوں کو کہ کفار ان سے لڑائی کرنا چاہیں۔ یعنی مہاجرین کو اس واسطے کہ کفار کے ہاتھ سے ان لوگوں پر ظلم ہوا۔ وَلَقَدْ أَلَّهِ عَلَى نَفْسِهِ لَقَدِيرٌ یعنی اور تحقیق کہ خداوند تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر بلاشبہ قادر ہے۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

یعنی وہ لوگ کہ اپنے گھروں سے بلا قصور نکالے گئے وہ صرف یہی کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی ان لوگوں سے کوئی گناہ صادر نہ ہوا۔ کہ اس کے سبب سے نکالے گئے۔ مگر فقط وجہ یہ ہوئی کہ وہ لوگ ایمان لے گئے۔ اس واسطے کہ کفار نے ان کو خارج کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب مہاجرین کی ہجرت خالصتہ شد تھی۔ جمع دین کے لئے نہ تھی تو ثابت ہوا کہ سب مہاجرین پر اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔

مے برادر! جس کا ایمان قرآن شریف پر ہے تو جب اس پر ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے کس کو نصیب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے تو اس کے حق میں سب اعتراضات ساقط ہو گئے۔ اس واسطے کہ حق

عالم الغیب ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ فلاں بندہ سے فلاں وقت میں نیکی ہوگی۔ یا فلاں وقت میں گناہ صادر ہوگا۔ اگر وہ فرما دے کہ فلاں بندہ کو میں نے جنتی بنایا تو اس سے ثابت ہوگا کہ اس کی سب خطائیں معاف کر دی گئیں۔ اگر دوسرے بندے اس کے حق میں طعن و تشنیع کریں۔ اس سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا لازم آئے گا۔ اس واسطے کہ گویا معترف کہے گا کہ یہ بندہ بد ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کو کیوں بہشتی بنا تا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ اس مقام میں اعتراض کرنا کفر ہے اور جس بندہ کو خداوند تعالیٰ نے بہشتی فرمایا ہے وہ ضرور بہشتی ہے اور اس کے حق میں اگر کوئی شخص اعتراض کرے تو اس سے اس بہشتی بندہ کے حق میں کچھ ضرر نہیں۔ اور اس کے اعتراض سے وہ دوزخ میں ہو جائے گا بلکہ معترف کا فریب ہے۔ تو اس وجہ سے شیاطین کا سب شبہ ساقط ہو گیا۔ اب اس کے لئے دوسرے جواب کی ضرورت نہیں۔ لیکن سائل کی تسلی کے لئے کہا جاتا ہے کہ اگر شیطان آئے اور تم کو دوسو دلائے کہ دوزخ انفال میں بدر کے قصہ میں نازل ہوا ہے۔

قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَكُونُوا لَهُمْ حُفَاةً وَلَا تَوَلُّوهُمُ الْإِدْبَارَ
یعنی اے وہ لوگ! ایمان لائے ہو جب کفار سے مقابلہ کرو تو لڑائی سے پیٹھ پھیرو۔
اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَمَنْ يُولِهِمْ يُوزِجْهُمُ اللَّهُ الْأَمْثَلُ حَرْفًا لِقَائِهِمْ أَوْ مَتَحِينَزًا إِلَى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَيْبٍ
مِنْ اللَّهِ وَمَا وَاهُ بِهِمْ شَرٌّ

یعنی فرمایا اللہ نے کہ جو شخص کفار کی لڑائی سے پیٹھ پھیرے سو اس حال کے کہ لڑائی کی غرض سے پیٹھ پھیری ہو یا بغرض شامل ہو جانے کے جماعت مؤمنین کے ساتھ تحقیق کر رجوع کیا اس شخص نے خدا کے عفتہ کی طرے اور اس کے لئے جہنم ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام جنگ اعداؤں میں بھاگے تھے تو ان کے جواب میں کہنا چاہیے کہ یہ کون بد میں نازل ہوئی اور وہ کونئی مذبحا گا۔ بلکہ سب صحابہ کرام نہ ثابت قدم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔
وَلَقَدْ فَصَّرْكُمْ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَؤْلُةٌ

"یعنی اور تحقیق کہ مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں حالانکہ تم لوگ کفار کی نظر میں کم ہونے کے سبب سے کمزور ہو تے تھے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے بدر کے قصہ میں فرمایا ہے۔

اذْيُؤْجِي رَيْبًا لِّإِلَهِ الْمَلَائِكَةِ أَنْتُمْ مَعَكُمْ

"یعنی یا دیکھیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت کہ جب وحی بھیجا تھا آپ کا پروردگار فرشتوں کے پاس میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔" قول تعالیٰ: فَتَبَيَّنُوا الَّذِينَ آمَنُوا یعنی پس ثابت رکھو مسلمانوں کو آیت مذکورہ کفر نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ یہ صرف ثابت ہوتا ہے کہ کفار کی لڑائی سے بھاگنا حرام ہے۔ اور حق تعالیٰ کو اختیار ہے

چاہے بخشدے چاہے عذاب کرے۔ چنانچہ جب جنگ احد میں فرار کا اتفاق ہوا۔ تو حق تعالیٰ نے معاف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ" یعنی اور تحقیق کہ معاف فرمادیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو اعتراض دوزخ میں۔ اور روز حنین میں فرار کا اتفاق ہوا۔ مگر پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکارا۔ یا عبادہ اللہ! ہذا رسول اللہ یعنی اے بندگان خدا! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو ان کے پکارنے سے سب لوگ جمع ہو گئے اور جنگ عظیم کی۔ اور قہر ثابت ہوئی۔ چونکہ یہ لوگ مددگاران دین تھے۔ حق تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لِيَنْصُرُوا اللَّهَ مِنْ يَنْصُرُهُ" یعنی اللہ مدد کرتا ہے اس کی جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے غیب سے فرشتوں کو ان لوگوں کی مدد کے واسطے بھیجا اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے سکینہ یعنی آرام نازل فرمایا۔ اور یغیر مومنین کامل الایمان کے واسطے ہے اور یہ امر ان لوگوں کے لئے نازل فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ

"یعنی تحقیق کہ مدد دی تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اکثر غزوات میں اور حنین میں۔"

اور فرماتا ہے اللہ تعالیٰ۔

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ

یعنی پس نازل فرمایا خدا تعالیٰ نے اپنا سکینہ اور آرام اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مومنین پر۔
یعنی ان مسلمانوں پر سکینہ اور آرام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ وہ لوگ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پکارنے سے پھر آئے اور جنگ عظیم کی۔ قول تعالیٰ۔

أَنْزَلَ جُودًا أَلَمْ تَشْرَوْهَا" یعنی "اللہ تعالیٰ نے بھیجے فرشتوں کے لشکر کرے صحابہ تم لوگوں نے

ان فرشتوں کو اپنی نظر سے نہ دیکھا۔" قول تعالیٰ۔ "وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا" یعنی اور عذاب کیا اللہ نے ان پر اور ان کو شکست دی۔

اے عزیز! غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ مسلمان کا کام ہے کہ تمام آیات مغفرت و رحمت کو فراموش کرے اور ایسے حضرات کی شان میں طعن کرے کہ اس قدر رحمت الہی ان حضرات کے شامل حال ہے کہ جب کبھی مقتضائے بشریت ان حضرات سے لغزش ہو جائے تو فرشتے ان کی مدد کے لئے آئیں اور سکینہ الہی ان کے لئے نازل یعنی یہ حضرات، ہرگز قابل طعن نہیں۔ نعوذ باللہ من خبیث الباطن وشر الشیطان وشرکہ۔ یعنی یہ چاہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی مدد گاہ میں باطن کے خبیث سے اور شیطان کی شرارت سے اور اس کے شرک سے پھر شیطان آئے اور دوسو دلائے کہ معاذ اللہ شاید وہ لوگ منافق ہیں۔

اس وقت منافقین بھی تھے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اکثر مقامات

منافقین کا بھی ذکر ہے۔ تو چاہیے کہ جواب میں کہو کہ ہاں۔ اس وقت منافقین بھی تھے۔ لیکن منافقین اعرابی تھے۔ وہ دہقانی تھے۔ کہ ان کا مسکن مدینہ کے گرد تھا اور اہل مکہ یعنی مہاجرین میں کوئی منافق نہ تھا اور ایسا ہی تھا کہ ان کا ایمان اور ان کا مدد و بنائش سے ثابت ہے۔ ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مَنَافِقُونَ
یعنی اے اہل مدینہ! بعض ان لوگوں سے کہ تم لوگوں کے گرد ہیں اور وہ اعراب سے ہیں منافقین ہیں۔

قوله تعالیٰ۔
وَمِنَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَكْرُوهَاتٍ عَلَى النَّفَارَاتِ لَا تَعْلَمُهُمْ خُنَّ نَبَلَهُمْ

یعنی اور بعض اہل مدینہ سے نفاق کے خوگر ہوئے ہیں۔ اے محمدؐ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو علیحدہ کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
یعنی نہیں سزاوار ہے واسطے اللہ کے چھوڑ دے مؤمنین کو اس حالت پر تم لوگ جس حالت پر ہو۔ یعنی سزاوار نہیں کہ مؤمنین اور منافقین کو باہم ملا ہوا چھوڑ دے بلکہ علیحدہ کرنا ہے۔ پس لید کو پاک سے۔

یعنی مؤمنین سے منافقین کو جدا کر دیتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے تمیز دے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے حال سے آگاہ فرما دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیبہ رضی بن میانہ سے جو کہ صحابہ رضی سے ہیں۔ امر ظاہر فرمایا۔ اور ان منافقین کے لڑکے خالص مؤمن تھے۔ تو اس خیال سے کہ ان کی رسوائی نہ ہو۔ ان منافقین کا حال ظاہر ہوا۔ اگرچہ اکثر منافقین نفاق کی علامت کے سبب سے فضیحت ہوئے۔ اور ان لوگوں کا حال سب کو معلوم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر ان منافقین کا عیب قرآن شریف میں بیان فرمایا۔ اور ان کے حق میں وعید شدید ذکر فرمائی وہ صحابہ کرام رضی عنہم ان کے حق میں حسن اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی صحابی منافق نہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ منافقین کے حق میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَإِنْ يَتُوبُوا إِلَيَّ خَيْرٌ لَّهُمْ ۖ يَعْنِي أَلَّا تَكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ ۖ
اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَأَنْ يَتُوبُوا إِلَيَّ اللَّهُ عَذَابُ النَّاسِ وَالْآخِرَةِ۔

یعنی اگر وہ توبہ سے ڈرو گواہی کریں اور اپنا نفاق ترک کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں سخت عذاب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دِينٍ وَلَا نَصِيرَةٍ ۖ
یعنی زمین پر ان کی کوئی مدد نہ کرے گا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس کے خلاف مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے۔

ان کے اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ہیں اور ان کی مدد کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَإِنْ يَتُوبُوا إِلَيَّ خَيْرٌ لَّهُمْ ۖ يَعْنِي أَلَّا تَكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ ۖ
اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دِينٍ وَلَا نَصِيرَةٍ ۖ
یعنی زمین پر ان کی کوئی مدد نہ کرے گا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس کے خلاف مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے۔

انہیں مہاجرین کا ذکر اس آیت میں بھی ہے۔
وَلِيَصُدَّ اللَّهُ مِنْ يَتَصَدَّقَ ۖ
یعنی ضرور مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی کہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرے گا۔

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو صحابہ کرام رضی باقی رہے خصوصاً خلفاء راشدین ان سب صحابہ کی مدد حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمائی۔ کہ ہزاروں مشرکین اور مرتدین کو قتل کیا اور کسری اور قیس کا ملک درہم بہم کر دیا۔ سب صحابہ کرام نے خلفاء راشدین کی مدد کی۔ تو معلوم ہوا کہ خلفائے ثلاثہ مہاجرین فی سبیل اللہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ مہاجرین کی مدد کریں گے۔ وہ وعدہ خلفاء کے حق میں کامل طور پر پورا کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سب اصحاب فرمایا تھا کہ مدد گار تھے اگر معاذ اللہ وہ منافقین ہوتے تو کوئی ان کی مدد نہ کرتا۔ اور زمین پر کوئی ان کا یار و مددگار نہ ہوتا۔

یہ بھی ظاہر ہوا کہ منکرین قرآن کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی نے خلافت طلب کی اور مہاجرین و انصار کے گھر گھر گئے تاکہ ان کے لئے خذری باقی نہ رہے۔ لیکن کسی نے حضرت علی رضی کی مدد نہ کی کسی کو آپ کی حمایت کا خیال نہ ہوا۔ تو ان لوگوں کا یہ قول مراء غلط ہے اور صریح کفر ہے اور صراحتہ اس آیت سے انکار ہے۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا کہ مہاجرین کی مدد کریں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علی رضی رئیس مہاجرین اولین سے تھے۔ اور محال ہے کہ کسی نے آپ کی مدد نہ کی ہو۔ اس سے ثابت ہے کہ جو لوگ یہ بات حضرت علی رضی کی شان میں کہتے ہیں۔ وہ آنجناب کے دشمن ہیں۔ کہ منافقین کے بائے میں جو آیت ہے وہ

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ثابت کرتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے منافقین کے بائے میں فرمایا ہے۔
وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دِينٍ وَلَا نَصِيرَةٍ ۖ
یعنی زمین پر منافقین کا کوئی یار و مددگار نہیں۔

اور ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی کے دوست اہل سنت ہیں کہ آنجناب کی طرف نفاق کی نسبت نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر آنجناب طلب خلافت کے لئے اٹھتے اور اس کے لئے ارادہ فرماتے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حق میں اس بائے میں کچھ نہ ہوتے تو ضرور آنجناب کا ارادہ پورا ہو جاتا۔ آنجناب کا تصرف نافذ اور سب آنجناب کی مدد کرتے۔ چنانچہ مہاجرین کے حق میں ایسا ہی وار ہے تو معلوم ہوا کہ آنجناب نے جانا کہ حضرت

صدیق اکبر رضی کی خلافت برحق ہے۔ اور ہمیشہ آنجناب رضی حضرت ابوبکر رضی کے ناصر و مددگار رہے۔ والحمد للہ
نفسانہ پھر اب جانا چاہیے کہ حق تعالیٰ منافقین کی فضیحت میں کیا فرماتا ہے۔ قول تعالیٰ۔

لَنْ يَكُونَتْ لَهُمْ سُلْطَانٌ شَيْءٌ وَلَا يَجَادُوا رُؤُوسَكَ فِيهَا إِلَّا لِيَلْزِمَهُ مَلْعُونِينَ
ترجمہ: البتہ اگر باز نہ آئیں منافقین اپنے نفاق سے اگر باز نہ آئیں وہ لوگ کہ ان کے دل میں مرض ہے

مثلاً منعت ایمان ہے یا ایسا ہی اور کوئی امر ہے اگر باز نہ آئیں وہ لوگ کہ مدینہ منورہ میں فتنہ انگیز خبر شہر کرتے ہیں۔ تو لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم ضرور آپ کو یمنوں گروہ پر مسلط کر دیں گے۔ اور پھر تھوڑے دن

کے بعد یہ لوگ آپ کے نزدیک نہ رہ سکیں گے۔ اور ذلیل ہو کر شہر مدینہ سے نکل جائیں گے۔
اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

اِنَّ مَا تُفْعَلُوْنَ اُخِذْ فَاَوْقَتْ لَوْ اَقْتَتَبْتُمْ لَآءِ

ترجمہ: منافقین جہاں ملیں چاہیں گے گرفتار کئے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔

تو اس آیت سے ثابت ہو اگر جن لوگوں نے نفاق سے توبہ نہ کی ان میں سے کوئی مدینہ منورہ میں باقی رہا اور وہ سب خراب ہو گئے ہلاک ہو گئے۔ اور قتل کئے گئے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس قدر صحابہ مدینہ منورہ میں باقی رہ گئے تھے وہ سب حضرات مددگار ان دین خدا تھے حق پرست اور مخلصین تھے تو جس امر پر ان حضرات کا اجتماع اور اتفاق ہوا وہ عین حق و ہدایت ہے ظلم و ضلالت نہیں تو منافقین کے ہوا معلوم ہوئے۔ اب مہاجرین کا وصفت بیان کرتا ہوں۔ قولہ تعالیٰ:-

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظَلَمُوْا لَنَبُوْهُنَّ فَاِيْذَا لَمْ يَلْبِسُوْا

ترجمہ: جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اس کے بعد کہ کفار کی طرف سے ان لوگوں پر ظلم ہوا تو ضرور ان لوگوں کو ہم اچھے شہر میں یعنی مدینہ منورہ میں جگہ دیں گے۔
اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

وَلَا جُرْأَ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ترجمہ: اور البتہ آخرت کا ثواب زیادہ بہتر ہے۔

یعنی مہاجرین کے لئے آخرت میں بہت زیادہ ثواب ہے اگر کسی کا قرآن شریف پر ایمان ہو تو صرف ایک آیت کافی ہے کہ اس سے اس کا تمام وسوسہ شیطانی دفع ہو جائے۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مہاجرین فی سبیل اللہ کے حق میں دو وعدے فرمائے ہیں۔ ایک دنیا میں دوسرا آخرت میں۔ بلاشبک دنیا کا وعدہ پورا ہوا۔ اور مہاجرین نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ خصوصاً خلفائے ثلاثہ کو اپنی زندگی میں دیں ہے اور بعد وفات ان حضرات کی اولاد فرما رکھ ہوئی۔ شیخین جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرشد منورہ سے مل گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے ملے اور ان کو فروز ہوئے۔ اور اگر معاذ اللہ منافق ہوئے تو آیت مذکورہ میں جیسا منافقین کے بارے میں ذکر ہے اور حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات پر غالب کرتا۔ اور یہ حضرات بھی مدینہ منورہ میں نہ رہتے۔ اور معاذ اللہ تو منافقین کا حال ہوا کہ گرفتار ہوئے اور ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کئے گئے۔ وہی حال ان حضرات کا بھی ہوا ہوتا وہی ان حضرات کی بات نہ سنا امامت اور خلافت کیوں کر ہوتی۔ تو شمس نصف النہار کے مانند واضح و لا شح ہوا یہ حضرات مہاجرین فی سبیل اللہ سے ہیں۔ اور قطعی ہستی ہیں۔ ان حضرات کا اجر و ثواب آخرت میں بہت زیادہ ہوگا۔ اور ایسا ہی دیگر صحابہ کرام ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں باقی رہ گئے۔ سب ہی مددگار ان دین خدا تھے۔ اور کامل الایمان تھے۔ آیت قرآنی سے ثابت ہے کہ نفاق ان کے گرد نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس امر پر ان صحابہ کا اجماع اور اتفاق ہوا وہ عین ہدایت و دیانت ہے۔

معاذ اللہ کام نہیں کران صحابہ کی فضیلت جو کہ قرآن شریف سے صراحتہ ثابت ہے اور پھر ان حضرات پر اعتراض کیا جائے۔ اب بھی اگر پھر شیطان آئے اور وسوسہ دلائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان صحابہ کرام کا اقتدار اور تہذیب ہوا تو شاید اس وجہ سے ان حضرات سے کوئی امر خلاف شرع ظہور میں آیا جو کہ اس وجہ سے شاید حضرات شبہ میں پڑے۔ کہ اس کے جواب میں کہنا چاہیئے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ بلکہ ان حضرات نے اپنے ایام خلافت میں جو کچھ کیا ہے وہ سب اس مومن سے ہوا ہے کہ احکام شرعی جاری ہوں اور امر معروف اور نہی عن المنکر عمل میں آئے۔ تعصب اور فساد و قصور نہ تھا چنانچہ حق تعالیٰ اس آیت میں مہاجرین کا وصفت ارشاد فرماتا ہے:-

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَاهُمْ فَاِيْذَا لَمْ يَلْبِسُوْا

ترجمہ: بعض صفت مہاجرین کی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین پر طاقت دیتے ہیں۔

تو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ دوسروں کو احکام شرعیہ کا حکم دیتے ہیں۔ اور امور خلاف شرع سے منع فرماتے ہیں۔

تو محال ہے کہ جب مہاجرین کا غلبہ ہو تو ان سے ظلم و فساد ظہور میں آیا ہو۔ تو ان حضرات کی طرف ظلم کی نسبت کرنا اس آیت سے انکار کرنا ہے۔ نعم و بال اللہ من ذلک۔ پھر اگر کوئی وسوسہ دلائے کہ قرآن شریف میں وارد ہے:-
يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنۢ يُّزِيْتُ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّٰحِبُّهُمْ
وَيُحِبُّوْنَہٗ اِذْ لَیۡۤعَلٰی عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ اٰحَدٌ عَلٰی الْکٰفِرِيْنَ ترجمہ: اے وہ لوگ کہ ایمان لے آئے
ہو جو پھر جافے اور مرتد ہو جائے تم لوگوں سے اپنے دین سے تو قریب ہے کہ لے آئے یعنی قائم کرے
اللہ تعالیٰ مرتدین کے قتال کے لئے ایک ایسی قوم کو کہ محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس قوم سے۔ اور وہ
لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہیں مسلمانوں پر مہاجرین اور کافروں پر غالب ہیں۔ قولہ تعالیٰ:-
يُجَاهِدُوْنَ فَاِيْذَا لَمْ يَلْبِسُوْا لَآ يُوْصُوْا ترجمہ: کہ وہ جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ
کی راہ میں ان قوم مرتدین کے ساتھ اور نہ کریں گے کسی طاعت کرنے والے کی طاعت سے۔

اگر معترض کہے کہ اس آیت کا معنی کیا ہے تو اس کے جواب میں کہنا چاہیئے کہ اس آیت میں حضرت ابو بکر
اور دیگر صحابہ کے کمال مناقب مذکور ہیں۔ ان حضرات نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں میلہ کذاب کو مار ڈالا
اور دیگر عرب کران کی تفصیل میں طول ہے مرتد ہوئے تھے۔ اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان صحابہ نے ان کے
ساتھ جہاد کیا۔ اور ان لوگوں کو تیرغ کیا۔ اکثر ان میں سے پھر اسلام لے آئے۔ صحابہ کرام کی شان میں ارتداد کی تہمت ہونا
اس آیت سے اس طرح بخوبی باطل ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ثبوت متصور نہیں۔ اس واسطے کہ معاذ اللہ اگر کوئی صحابی
مرتد ہوئے ہوتے تو دوسرے کامل مومنین ان کے ساتھ جہاد اور ان کو قتل کرتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کامل مومنین
کسی نے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ لڑائی نہیں کی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کامل مومن تھے۔ خلفاء ثلاثہ کی
مطابقت کی۔ اور ان کے ساتھ موافقت اختیار کی تو معلوم ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کامل مومن ہیں اور قطعی جنتی ہیں۔ اور

مہاجرین فی سبیل اللہ ہیں کہ ان کے وصف میں بے شمار آیات وارد ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔
 رَأَىٰ اللَّهُ لَهُمْ جَسَدٌ مِّنْ تَحَنُّنٍهَا الْأَنْفُسُ تَخَلَّدِينَ فِيْهَا تَرْجَمَ: یعنی میاں کی ہیں
 اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے بہشتیں کر جاری ہیں ان میں نہیں۔ وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
 یہ صفت مہاجرین کی ہے اور ظاہر ہو کر سب مہاجرین اور انصار میں حق اور کمال ایمان و ہدایت پرست
 ان کا اجماع اور اتفاق اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوا تو جائز نہیں کہ کوئی ان حضرات کی شان میں طعن و تشنیع کرے کہ
 چاہیے کہ مسلمان و فقیہ کر لیں کہ روز و شب ان حضرات کے حق میں ترقی و درجات کے لئے دعا کرتے رہیں۔ جو ان حضرات
 کی شان میں طعن و تشنیع کرے اور دعاء خیر نہ کرے اور ان حضرات کے ساتھ کینہ رکھے تو وہ کافر ہے اور اہل اسلام سے
 خارج ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں مسلمانوں کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ پہلی قسم اس آیت میں مذکور ہے
 لِلْفَقْرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا
 مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَقُولُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ: ترجمہ: یعنی غنیمت کا مال نظر آئے کے لئے
 ہے کہ ان لوگوں نے ہجرت کی ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے کہ وہ اپنے گھر اور مال سے نکال دیئے
 گئے ہیں۔ اور ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے تھے اور اللہ
 تعالیٰ اور رسول کے دین کی مدد کرتے تھے۔

یعنی ان کی ہجرت خالصتہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوئی۔ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحابہ وسلم اور ان
 کی ہجرت اللہ کے دین کی مدد کے لئے ہوئی۔ دنیاوی غرض نہ تھی۔ اور ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
 أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ: ترجمہ: یعنی یہ لوگ اپنے قول و فعل میں سچے ہیں،
 دوسری قسم مومنین کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔
 وَالَّذِينَ سَبَقُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ: ترجمہ: یعنی مال غنیمت ان لوگوں کے
 واسطے ہے کہ مہاجرین کے قبل ان لوگوں نے ہجرت اور ایمان کی جگہ میں سکونت اختیار کی۔
 ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ: ترجمہ: یعنی وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ محبت رکھتے ہیں کہ وہ لوگ
 ان کے یہاں ہجرت کے آئے ہیں۔ یعنی مہاجرین کے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔
 وَلَا يَجِدُونَ فِيْ هُمْ حَاجَةً مِّنْ شَيْءٍ أُوْتُوا: ترجمہ: یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
 ان لوگوں کو جو کچھ عطا فرماتے ہیں اُس میں انصار حسد نہیں کرتے۔ بلکہ اس پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اس کو
 منظور کر لیتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔

وَيُتَوَدُّونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَكُؤُورٌ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ: ترجمہ: یعنی اور انصار مقدم
 سمجھتے ہیں مہاجرین کو اپنے اوپر اگرچہ وہ خود بھی جا بجا جہنم ہوں۔

یعنی اگرچہ انصار کو خود بھی پسے لئے مال کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن وہ لوگ ایسے عالی ہمت ہیں کہ اپنی ضرورت
 کا کچھ خیال نہیں کرتے بلکہ مہاجرین کی حاجت روائی کرتے ہیں اور اپنا مال ان کو دیتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔
 وَمَنْ يُؤْتَ شَيْئًا فَلْيُؤْتِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: ترجمہ: اور جو شخص اپنے نفس
 کے بخل سے محفوظ ہے اس کے لئے فلاح ہے۔

اے عربیہ: حق تعالیٰ نے اس آیت میں انصار کی تعریف کی ہے کہ مہاجرین کے ساتھ وہ لوگ محبت رکھتے
 ہیں۔ اور ان حضرات کی خدمت کرتے ہیں اور فرمایا کہ اس کے صلہ میں ان کے لئے فلاح ہے۔ جس کو منظور ہو کہ نجات
 کی راہ اپنے لئے فلاح ہو۔ تو چاہیے کہ جس طرح انصار نے اپنا شیوہ کر لیا تھا کہ مہاجرین کے ساتھ محبت
 رکھتے تھے اسی طرح وہ شخص بھی اپنا شیوہ کرے کہ مہاجرین کیساتھ محبت کرے۔ عداوت نہ رکھے اور ان حضرات کی شان میں طعن و تشنیع
 کرے۔ شب و روز ان کی ترقی و درجات کیلئے دعا کرتا ہے تاکہ وہ مومنین کی تیسری قسم کے زمرہ میں داخل ہو اور قیامت میں ان کا حشر ان مومنین کیساتھ
 اللہ تعالیٰ نے تیسری قسم کے مومنین کو ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
 بِالْإِيمَانِ: ترجمہ: یعنی اور مال غنیمت ان لوگوں کے واسطے ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد آئے
 اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو کہ ہمارے پہلے ایمان
 سے مشرف ہوئے۔

قولہ تعالیٰ۔
 وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا: ترجمہ: اور ہمارے دل میں ان کی طرف سے
 کینہ اور عداوت نہ ڈالنا کہ وہ لوگ ایمان لائے ہیں۔

یعنی وہ لوگ انصار اور مہاجرین اور دیگر صحابہ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہر
 دل ان حضرات کے کینہ سے پاک فرمائے۔ قولہ تعالیٰ۔
 رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ: ترجمہ: اے ہمارے پروردگار بخشنے والا مہربان رحم کرنے
 والا ہے یعنی ہماری دعا کو قبول فرما۔

ان آیات سے ثابت ہو کر صحابہ کرام کے حق میں دعائے خیر کرنا چاہیے۔ اور کینہ نہ رکھنا چاہیے اور ان حضرات
 کی شان میں زبان درازی نہ کرنا چاہیے تاکہ اہل اسلام کے زمرہ میں حشر ہو۔ ورنہ جو شخص ان حضرات سے کینہ رکھے
 اور ان حضرات کے حق میں دعائے خیر نہ کرے وہ اہل اسلام کی قسموں سے خارج ہو جائے گا۔ نفوذِ ایمان نہ رکھے
 اہل سنت و الجماعت کے مذہب کی یہی بنا ہے۔ احمد شہد کہ یہ بنا نہایت مستحکم اور مضبوط ہے کہ اگرچہ تمام جن وان
 چاہیں کہ اس کی بنا کو کھودیں اور جنبش دیں۔ تو ممکن نہیں کہ اس کو غرر پہنچا سکیں۔ اس واسطے کہ اس بنا کو اس وقت
 جنبش ہو سکتی ہے کہ اہل سنت نے مہاجرین اور انصار وغیرہ صحابہ کے ایمان اور ان کی فضیلت کو ثابت کیا ہے۔

ذاتی عرضی

اس بارے صریح آیات و بینات اور نصوص محکم پیش کی ہیں۔ اور شیاطین کا وسوسہ اس طرح دفع کر دیا ہے کہ نہ نالود ہو گیا۔ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہا تو چاہیے کہ اگر مخالفین اپنے دعوے میں صادق ہیں۔ تو وہ بھی ثابت کریں کہ آیات حکمت سے بلا تامل سب مہاجرین و انصار کا نفاق ثابت ہو جائے تو اس وقت بحث اور گفتگو کتاب اور سوال و جواب علمی کی طرف متوجہ ہوں۔ ورنہ بحث ہے کہ زبان دمازی کریں اور آیات و نصوص سے انکار کر اپنے لئے دوزخ کی آگ خریدیں۔ اور مسلمانوں کی تیسری قسم سے بھی خارج ہو جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے بھی مہاجرین اور انصار کا کفر و نفاق ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ قرآن تعالیٰ نے اکثر مقامات میں ان حضرات کی مدح فرمائی ہے۔ ان کے مناقب ذکر فرمائے ہیں اور ان کا ایمان و تقویٰ جہاد اور نماز و غیرہ اعمال صالحہ بیان فرمائے ہیں۔ قولہ تعالیٰ :-

وَكَلَّمَ اللَّهُ الْحُسَيْنِيَّ . ترجمہ : یعنی ہر ایک کے حق میں اللہ نے بہتر وعدہ فرمایا ہے۔

اور ان حضرات کی شان میں غلو و جنت ثابت ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ ان حضرات کو نعمت دائمی کی بشارت دی ہے۔ پھر ان حضرات کا کفر اور نفاق کس طرح ثابت ہو سکتا ہے۔ نفوذ باللہ من ذلک ظاہر ہوا کہ مذہب منافقین کی بنا آیات قرآنی پر نہیں بلکہ صرف دہیات قصہ ہائے تاریخ اور امور مؤہومہ پر ہے۔ قرآن شریف سے وہ سب دہیات قصے باطل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا باطل وہم و خیال نیست و نابود ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب اہل بیت کے مذہب کے موافق نہیں۔ اس واسطے کہ اہل بیت کا مذہب قرآن شریف کے خلاف ہرگز نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل بیت کا جو مذہب تھا وہی مذہب اہل سنت کا ہے جو کہ قرآن شریف کے موافق ہے اور اگر اب بھی تمہارا کچھ وسوسہ باقی رہ جائے تو معلوم کرنا چاہیے کہ امام زین العابدین بن حسین علیہ السلام علی ابائہ الکرام حیفہ کا طر میں جو کہ شیعہ کے نزدیک معتبر ہے اور اس پر اس کا عمل ہے کیا فرماتے ہیں :-

عن زين العابدين عليه السلام انه سئل عن الرسل ومصدقهم من اهل الاثر بالنيب عند معارضة المعاندین لهم بالتكذيب والاشتيان الى الرسلين كما فضّلوا بحق ائمة الايمان فبكل ذلك قد ورد في زمان اسالت فيه رسولا واقت لاهلهم دليل من لدن آدم الى محمد صلى الله عليه وسلم من ائمة الهدى وقدوة اهل التقى على جميعهم السلام فاذا اكرمهم منك بمغفرة ودرمندان .

ترجمہ : اے خدا ! اصحاب سب پیغمبروں کے کہ جنہوں نے کفار کی تکذیب کے وقت انبیاء کرام کی تصدیق کی اور انبیاء پر ایمان لے آئے۔ ان لوگوں کو تو مغفرت اور رضا مندی کے ساتھ یاد فرما۔ اچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت باقی سب پیغمبروں کے اصحاب پر ہے اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سردار انبیاء ہیں۔ اسی طرح آنحضرت کے سب اصحاب باقی سب پیغمبروں کے اصحاب کے سزاوار ہیں۔ تو اس واسطے ان کے حق میں امام زین العابدین نے خاص طور پر یہ دعا فرمائی ہے۔

اللَّهُمَّ دَاخِلْهُمُ ابْنِي مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً . ترجمہ : اے خدا ! علیٰ خصوص اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت نوازش فرما۔ اور ان لوگوں کو مغفرت اور خوشی کے ساتھ یاد فرما۔ پھر اس کے بعد صحابہ کی مدح بیان فرمائی۔

وَالَّذِينَ أَحْسَنُوا الصُّحْبَةَ . ترجمہ : یعنی اور وہ صحابہ کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی رکھی اور حق صحبت بجالائے۔ پھر یہ ارشاد فرمایا :-

الَّذِينَ أُتْبِلُوا الْبَلَاءَ الْحَسَنَ فِي نَفْسِهِمْ . ترجمہ : یعنی اور وہ لوگ کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں اپنا جان و مال بہتر طور پر صرف کیا۔

قَدِمُوا وَكُنُفُوهُمْ . یعنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درمیان میں لے لیا اور دشمنوں کے شر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کی۔

قوله اسعدوا الى وفادته وسابقوا الى دعوته . ترجمہ : اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے میں جلدی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو جلد قبول کیا۔ قطعہ استجابا لہ حیث اسعہم حجة رسالہ . ترجمہ : اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی حجت فرمائی تو ان لوگوں نے قبول کر لیا۔ رسالت کی حجت سے مراد قرآن شریف ہے۔

وفارق الاذواج والاولاد في اظهار كلمته . ترجمہ : اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ اور دین ظاہر کرنے میں اپنی عورتوں اور لڑکوں کو چھوڑ دیا۔ یعنی خدا کے واسطے اظہار اسلام کے لئے ہجرت کی کوئی دنیاوی عرض نہ تھی۔

فَاتَّكَلُوا الْآبَاءَ وَالْأَبْنَاءُ فِي شُبُوتِ نُبُوَّتِهِ وَاتَّصَفُوا بِهَا . ترجمہ : اور اس عرض کے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مستحکم ہو جائے۔ ان لوگوں نے اپنے باپ اور لڑکوں کے ساتھ جنگ اور جدال کی ۔

یعنی اس وجہ سے کہ ان کے باپ اور لڑکوں کو اسلام سے انکار تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کے سبب سے وہ لوگ کفار پر غالب آئے۔ جس کو دین و عقل سے واسطہ ہوگا۔ اس پر مخفی نہ رہے گا کہ یہ سب اوصاف جمیع صحابہ کے ہیں۔ کہ مہاجرین اور انصار سے ہوئے۔ اس واسطے کہ ان سب حضرات نے حمایت اور مدد کی ہے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ لڑائی کر کے اسلام کو مستحکم کیا ہے۔ ہر معرکہ اور غزوہ میں حاضر تھے۔ اور دشمنان دین پر فتح حاصل کی ہے ایسا نہیں ہے۔ کہ صرف چند صحابہ حضرت جابر اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے تمام لڑائی فتح کی ہے اور تمام کفار کو قتل کر کے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں تین سو تیرہ صحابی تھے۔ ایسا ہی اکثر غزوات میں ہزاروں صحابی رہتے تھے اور سب صحابہ مدد اور حمایت میں مصروف رہتے تھے اور

سب کو غلبہ حاصل ہوتا تھا۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت امام زین العابدین کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کو
ہوئی اور وہ سب حضرات بہشتی ہیں۔ اور لائق مدح و ثناء ہیں۔ مخالفین کا مذہب یہ ہے کہ صرف چند
ہیں تو ان کے مذہب کی بنیاد جبر سے کھودی گئی اور ظاہر ہوا کہ اہل بیت کا یہ قول نہیں۔ بلکہ دوسرے شیطان
کہ اس سے حق تعالیٰ کی درگاہ میں پناہ مانگنا چاہیے۔ حضرت زین العابدین رحمہ کے یہ اقوال مندرجہ ذیل میں
وہ کہنا منظورین علیٰ محبتہ یعنی صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں خدا سے
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے۔

قوله: **يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبْعُدَ فِي مَوَدَّةٍ** ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت
میں اس تجارت کے امیدوار تھے کہ ہمیں نقصان نہیں۔ یعنی سب اصحاب نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آخرت کے لئے اختیار کی تھی۔ اور یہ بلا شک سود مند ہے اس میں خد
نہیں ہے۔

قوله: **وَالَّذِينَ هَجَرْتَهُمْ أَعَشَاءُ إِذَا انْقَلَبُوا بَمَوَدَّةٍ** ترجمہ: اور ان لوگوں کو ان
کے قبیلہ کے لوگوں نے چھوڑ دیا۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت
کا حلقہ پکڑا۔

قوله: **وَأَتَمَعْتَ الْقَوَابِاتِ إِذْ سَكَنُوا فِي ظِلِّ قَرَابَتِ** ترجمہ: اور ان کی اپنی قرابت میں
وہ آباد ہو گئی۔ جب وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ قرابت میں آئے۔ یعنی جب
صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں کمر باندھی تو تمام کفار عرب ان حضرات کی عداوت کے لئے اُٹھے اور قرابت کا رشتہ منقطع کیا۔
قوله: **فَلَا تَنْسَهُمُ اللَّهُ مَا تَكُونُوا لَكَ فَيْدُكَ** ترجمہ: پس فراموش نہ مت
فرما صحابہ کے حق میں اسے خدا جو کچھ تیرے لئے ہے اور تیری راہ میں ان لوگوں نے چھوڑ
دیا۔ یعنی ان کی ہجرت اور مدد کرنے کی جزا ان لوگوں کو عطا فرما۔

قوله: **وَأَذِّنْهُمْ مِنْ رِضْوَانِكَ** ترجمہ: اور اپنی خوشی اور رضامندی سے ان لوگوں کو خوش
اور راضی فرما۔

قوله: **وَبِمَا حَاشَا الْخَلْقَ عَلَيْكَ** ترجمہ: اور ان لوگوں کو اس امر کی جزا عطا فرما کہ ان لوگوں
نے تیرے نزدیک خلق کو جمع کیا۔

قوله: **وَكَا نَوَامِصَ رَسُولِكَ دَعَا تِلْكَ وَالْيَك** ترجمہ: اور وہ لوگ تیرے رسول کے ہمراہ
تھے صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وسلم لوگوں کو تیری ماعت کی طرف بلاتے تھے۔ تیری رضامندی کے
لئے۔ یعنی وہ لوگ جس طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کامل الایمان تھے۔ اسی

طرح خالصہ شدہ و سروس کو بھی خدا کی طرف بلاتے تھے۔ اور اکثر لوگوں کو دین اسلام پر جمع کیا
یعنی ہزاروں مرد و عورت ان حضرات کی کوشش سے اسلام سے مشرف ہوئے۔ تو جو راہ قرآن
اور راہ اہل بیت کا طالب ہو۔ تو چاہیے کہ اس یا سے میں غور کرے۔ اور فی الفور دوسرے شیطان
سے توبہ کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ قرآن شریف کی راہ پائے گا۔ اس واسطے کہ لوگوں کو دین اسلام
پر جمع کرنے کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کے بعد بھی نہ کہ صرف حضرت ابوذرؓ اور حضرت حمارؓ اور چند دیگر صحابہ نے تمام ملک سے
کفر مٹا دیا اور سب خلق کو ہدایت کی۔ کوئی احمق بھی ایسی بات نہ کہے کہ وہ شخص کہ اس کو علم قرآن
کا دعویٰ ہو۔

قوله: **وَأَشْكُرُهُمْ عَلَى هَجَرَتِكَ فَيْدُكَ** دیا رقومہم۔ ترجمہ: اور ان لوگوں کو اس
امر کی جزا عطا فرما کہ ان لوگوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کے شہروں سے ہجرت کی۔

قوله: **وَوَجَّهَهُمْ مِنْ سَعَةِ الْمَعَاشِ إِلَى حَنِيقَةٍ** ترجمہ: اور ان لوگوں کو اس کی جزا
عطا فرما کہ ان لوگوں نے فراخی معاش سے تنگی معاش کی طرف ہجرت کی۔ یعنی ہجرت کے سبب
اپنے مکانات اور اپنی معاش کی جگہ سے جدا ہوئے۔ اور اجنبی جگہ اختیار کی اور تنگی معاش
میں مبتلا ہوئے۔

قوله: **وَمَنْ عَلَى مَنْ كَثُرَتْ فِي عَذَابِ دِينِكَ** ترجمہ: اور احسان
فرما ان لوگوں پر کہ زیادہ کیا تو نے ان لوگوں سے پہلے فرمانبرداروں کو کہ ان لوگوں سے تیرا دین غالب
ہوا اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

قوله: **أَوْصِلْ إِلَى التَّائِبِينَ لَعَنَهُمُ بِأَحْسَنِ الَّذِينَ يَقُولُونَ مَا بَنَّا أَغْنَيْنَا**
وَلَا خَوَاتِئَ الَّذِينَ سَبَقُوا بِالْإِيمَانِ ترجمہ: اے خدا اور عطا فرما بہتر جزا ان لوگوں کو کہ ان لوگوں نے صحابہ
کی بخوبی تابعداری کی اور ان کی راہ اختیار کی اور وہ تابعین کہتے ہیں کہ اے خدا تو بخش دے ہم کو اور
ہم سے بھائیوں کو کہ ان لوگوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی۔

یعنی صحابہ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ یہ کلام امام علیہ السلام کا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ تیسری قسم
کے مسلمان وہ لوگ ہیں کہ صحابہ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ قرآن شریف اور مذہب اہل بیت
کے مطابق ثابت ہے کہ اہل سنت و جماعت صحابہ کو فرمانبردار ہیں۔ کہ ان حضرات کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔
اور ان حضرات میں سے کسی صاحب کے ساتھ کینہ نہیں رکھتے۔ اور حضرت سجاد علیہ السلام کی دعا ان حضرات کی مغفرت
کے لئے ہے۔ تو ان حضرات کی مغفرت ہو گئی ہے۔ اور یہ حضرات فرقہ و باخیر ہیں اور ان حضرات کے مخالفین
فرقہ باخیر نہیں۔

اب جانا چاہیئے کہ امام علیہ السلام تابعین کی مدح میں کیا فرماتے ہیں۔ تو امام علیہ السلام کے اقوال سے
پر لحاظ کرنا چاہیئے۔

قوله : الَّذِينَ قَعَدُوا حِجَّتَهُمْ تَرْجِمَ : یعنی یہ وہ تابعین ہیں کہ ان لوگوں نے قصد کیا کہ
کی حجت اور راہ اختیار کریں۔

قوله : وَتَحَدَّوْا حِجَّتَهُمْ تَرْجِمَ : یعنی اور ان لوگوں نے صحابہ کی طرف قصد کیا اور ان کی
راہ اختیار کی۔

قوله : وَمَضَوْا عَلَى شَاكِلَتِهِمْ تَرْجِمَ : یعنی اور صحابہ کے طریقہ اور مذہب پر رہے،

قوله : وَلَمْ يَبْهَثْهُمْ دِيْثٌ فِيْ بَصِيْبِهِمْ تَرْجِمَ : یعنی باز نہ رکھا ان تابعین کو شکستہ
یعنی ان لوگوں نے انہیں کچھ شک نہ کیا کہ صحابہ ہدایت پر ہیں اور صاحب بصیرت ہیں۔

قوله : وَلَمْ يَخْتَلِجْهُمْ شَكٌّ فِيْ قَعْدِائِهِمْ تَرْجِمَ : اور صحابہ کی پیروی کرنے میں ان لوگوں
کے دل میں کچھ خطرہ نہیں گذرا۔ یعنی ان لوگوں نے صحابہ کو برحق جانا اور ان حضرات کی متابعت کی اور
ان لوگوں کو اس میں کچھ شک نہ ہو کہ صحابہ برحق ہیں۔

قوله : وَالْإِسْتِثْمَاءُ بِهَدَايَةِ مَنْ هَدَاهُمْ تَرْجِمَ : اور ان لوگوں نے انہیں کچھ شک نہ کیا کہ صحابہ کی راہ اختیار
کریں۔ یعنی صحابہ کو برحق سمجھا اور ان کی اقتداء کی۔

قوله : مُكَالَفَتَيْنِ وَمُعَاوَزَتَيْنِ لِهَيْبَتِهِ تَرْجِمَ : وہ تابعین صحابہ کی اعانت اور حمایت کرتے رہے،

یعنی اگر کوئی ملحد یا گمراہ صحابہ کرام کی شان میں طعن کرتا تھا تو وہ تابعین اس طعن کو دفع کر دیتے تھے۔ بخلاف

جو صحابہ کی شان میں طعن کرتے ہیں۔ وہ سب شیطانی و سوسہ ہے۔ جو اس کلام سے باطل ہو جاتا ہے۔ مسلمان کا کام

نہیں کہ صحابہ کرام کی شان میں طعن کرے۔ بلکہ اہل اسلام کا شیوہ یہ ہے کہ اس طعن کا جواب دے اور اس کو رد کرے اور

کچھ شک نہیں کریں کہ صرف اہل سنت میں سے کسی دوسرے فرقے میں نہیں۔ بلکہ روافض اپنے گمان فاسد کے تحت

ہزاروں طعن صحابہ کی شان میں کرتے ہیں۔ اور یہی حال خوارج کا بھی ہے۔ خدا لہم اللہ تعالیٰ تو معلوم ہو کہ فرقہ ناجیہ

ہیں۔ اہل سنت کے مخالفین فرقہ ناجیہ نہیں اور یہی ثابت کرنا مقصود تھا۔

قوله : يَدِينُونَ بِدِينِهِمْ تَرْجِمَ : وہ تابعین صحابہ کے دین پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

قوله : وَيَهْتَدُونَ بِهَدْيِهِمْ تَرْجِمَ : اور صحابہ کی راہ پر چلتے ہیں۔

قوله : وَيَتَّفِقُونَ عَلَيْهِمْ تَرْجِمَ : اور صحابہ پر ان لوگوں کا اتفاق ہے۔

یعنی صحابہ کی حمایت اور نصرت کرنے میں وہ لوگ متفق ہیں اور جو بے دین بے شیطان کے مانند صحابہ کی

شان میں شبہ و التباس ہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور اس کو دفع کرتے ہیں

قوله : وَلَا يَهْتَمُّونَ لَهُمْ فَيَمَّا أَذْوَ الْكَيْفُ تَرْجِمَ : اور صحابہ پر تہمت نہیں لگاتے اس لئے

کہ صحابہ نے دین کے احکام پہنچائے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کیں۔

یعنی صحابہ کو سچا جانتے ہیں ان کی سب روایات و احادیث کو قبول کرتے ہیں۔ اور اس پر عمل کرتے ہیں ثابت

ہو کہ اہل سنت کی کتابوں کی سب احادیث معتبر ہیں۔ اور قابل قبول ہیں۔ اس واسطے کہ وہ سب احادیث اہل بیت

اور صحابہ سے مروی ہیں۔ حضرت امام زین العابدین کے مذہب کے مطابق ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہو کہ شیعہ اور خوارج کے روایات

صحابہ سے مروی نہیں۔ امام زین العابدین کے نزدیک وہ سب کذب اور افتراء ہے۔ شیعہ جو اپنے بعض روایات کی نسبت

بعض صحابہ یا بعض اہل بیت کی نسبت کرتے ہیں۔ تو جب وہ روایات قرآن شریف اور حضرت امام زین العابدین

کے مذہب کے خلاف ہوں تو جانا چاہیئے کہ نہ وہ اہل بیت کا قول ہے اور نہ صحابہ کا قول ہے بلکہ کسی مفتری اور کذاب

نے انہیں ظاہرین پر افتراء کیا ہے۔ امام زین العابدین کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کی سب کتابیں اور روایات

اہل میں اور افتراء ہیں۔ اہل اسلام اور حجتان قرآن حکیم اور حجتان اہل بیت پر فرض عین ہے کہ اس سے کنارہ اختیار کریں

لے مومن طالب نجات جو کچھ کلام اللہ اور کلمات حضرت سجاد سے مذکور ہو اسے۔ اگر کوئی راہ جنت کا طالب ہو تو ان

کلمات سے صرف ایک کلمہ اس کے لئے کافی ہے اگر اس کے نصیب میں سعادت ازلی نہیں اور نفع جو اے ختم اللہ

علیٰ آلہ وسلم اپنے کفر پر ثابت ہے تو اس نے قرآن شریف سے انکار کیا۔ اس وجہ سے اس کے حق میں ثابت

ہو کہ اس نے اپنے لئے دوزخ خرید کیا۔ طریقہ اہل اسلام میں بحث کرنے سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔

واللہ الہادی وعلیٰ کوہم اعتمادی سبحان ربک رب العزۃ صا یصفون

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

کہ اہل سنت یقیناً جانتے ہیں کہ ارادہ اللہ تعالیٰ کا اس باری تعالیٰ کی صفات قدیمہ ازلیہ سے ہے اور جانتے ہیں کہ اس ارادہ کے تعلقات حادث ہیں۔ اور کتاب ہجمات اور دیگر کتب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ارادہ مرتبہ ذات میں صفت قدیمہ ازلیہ ہے اور مرتبہ تجلی اعظم میں ارادہ کو حادث ثابت کیا ہے تو ارادہ مرتبہ ذات میں قدیم ہے اور مرتبہ ذات سے جو مرتبہ متاخر ہے کہ مرتبہ تجلی اعظم ہے۔ اس مرتبہ متاخر میں جو ارادہ ہو اور حادث ہے اور جب قدیم ہو اور حادث ہو اور حادث ہے تو اب متخالف کا شبہ باقی نہ رہتا۔ البتہ مرتبہ تجلی اعظم کو کہ مرتبہ شخص اکبر ہے اور اس مرتبہ کو علماء ظاہر نہیں جانتے اور وہ مرتبہ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ تو علماء ظاہر کے نزدیک کسی مرتبہ میں حادث ارادہ کی گنجائش نہ رہی بلکہ علماء ظاہر اسی ارادہ قدیمہ کے تعلق کو حادث جانتے ہیں اور یہ قریب نزاع لفظی کے ہے۔ اور آئینہ کریم میں بھی اختلاف مراتب کی جانب اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ تَرْجِمَ : یعنی مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور قائم کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ یعنی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُمُّ الْكِتَابِ ہے۔ تو اس سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ محو و اثبات جس مرتبہ میں ہوتا ہے اس کے سوا دوسرے مرتبہ میں امُّ الْكِتَابِ ہے۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت امیرؓ کے دونوں اثر میں جو محو و اثبات کا ذکر ہے تو اس میں اختلاف مرتبتیں پر ملاحظہ کرنے سے متخالف کا شبہ دفع ہو جاتا ہے اور علماء ظاہر اس متخالف کو اس طور سے دفع کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ تقدیر کی دو قسم ہے۔

التقدیر معلق اور ۲۔ تقدیر مبہم اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس واسطے کہ علماء ظاہر سوا ذات مقدس کے کوئی مرتبہ ثابت نہیں کرتے۔ لیکن صوفیاء کے نزدیک تجلی ثابت اور مرتبہ تجلی کا متاخر ہے، مرتبہ ذات سے تو صوفیاء کے لئے گنجائش ہوتی کہ انہوں نے کہا کہ مرتبہ تجلی میں جو ارادہ ہوتا ہے وہ ارادہ حادث ہے اور اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور کتاب ہجمات اور مؤلف کتاب ہجمات کی دیگر تصانیف میں مفصل مذکور ہے کہ مرتبہ تجلی میں ارادہ حادث ہے۔ چنانچہ غور کرنے سے یہ امر واضح ہو گا۔

سوال : قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کس طور پر نصیب ہو گا۔ تجلی ذات کے ذریعے سے دیدار ہو گا یا تجلی صفات کے ذریعے سے دیدار نصیب ہو گا۔

جواب : اس بارہ میں خاص ایک رسالہ ہے۔ اس میں یہ بیان مفصل مذکور ہے۔ وہ سب یہاں لکھنے میں بہت طول ہو گا۔ مختصر کلام یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ دیدار الہی جنت میں ہے کیف ہو گا یعنی لکون و شکل و بعد جہت کے دیدار ہو گا۔ اس مسئلہ کی صورت محققین اہل عقل و کشف نے چند طور پر لکھی ہے۔ حکیم ابن عربیؒ نے اپنی کتاب منصوص میں لکھا ہے کہ کسی شیء کا انکشاف بوجہ جزئی شخصی کے ہوتا ہے اور کبھی بوجہ کلیہ ہوتا ہے کہ عنوان ایک شخص ہوتا ہے یا اشخاص کثیرہ ہوتے ہیں۔ اور انکشاف کو پہلی صورت میں رویت کہتے ہیں اور دوسری صورت معرفت کہتے ہیں۔ اور تیسری صورت میں علم کہتے ہیں۔ تو جب تک بدن کا ظاہر تعلق باقی رہتا ہے۔ اس وقت جو

واقفیت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے وہ انکشاف کی قسم ثانی ہوتی ہے یعنی بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا صرف علم ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ اس درجہ سے ترقی کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور جب بدن کا ظاہر تعلق باقی نہیں رہتا تو اس معرفت میں ترقی ہوتی ہے اور انکشاف کا اول درجہ حاصل ہوتا ہے اور اسی کو رویت کہتے ہیں۔ تو اللہ جل شانہ کی قدرت سے اس کی ذات مقدس سے مبصر اور بصیر کو مشور حاصل ہو گا۔ اور البصائر اور رویت کے سوا کوئی دوسرا ایسا لفظ نہیں کہ اس سے نسبت لفظ البصائر و رویت کے زیادہ کامل انکشاف مفہوم ہوتا ہو کہ جس لفظ سے انکشاف کے اس اول درجہ کی تعبیر کی جائے۔ اور حکیم ابن عربیؒ فارابی کے اس کلام کی کچھ اصلاح کی گئی۔ اس واسطے کہ اس کلام سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ اس طور پر ادراک ہو گا کہ باصرہ کا جسم ہو گا۔ اور اس کو مشور حاصل ہو گا۔ علماء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہی ادراک مشرود ہے کہ عاقل کے ذریعے سے ہو۔ صرف ادراک قلبی مشرود نہیں۔ ورنہ یہ قول معتزلہ معتزلہ کی تاویل باطل کے موافق ہو جاتا ہے۔ اس واسطے فارابی کے کلام میں دو چار حرف زیادہ کئے گئے اور بعض دوسرے محققین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں رویت اس طرح مستحق ہوتی ہے کہ مرنے کا نفل جلیدیہ میں پڑتا ہے اور جلیدیہ سے مجمع النور میں جاتا ہے اور وہاں حسن مشترک میں پہنچتا ہے اور حسن مشترک سے نفس ناظرہ صورت خیالیہ و وہم و عیون کو علیحدہ کر لیتی ہے اور اسی طریق سے نزول بھی ہوتا ہے کہ علم عقلی بذریعہ وہم و خیال کے حسن مشترک میں پہنچتا ہے۔ اور حالت البصائر کا شبہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ شبہ جلیدیہ تک نہیں پہنچتا۔ اس واسطے اس کو متیق البصائر نہیں کہہ سکتے۔ اور نفس کہ اس جہان میں مقدس اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کو جناب امیرؓ کے ساتھ کمال اتصال حاصل ہو جاتا ہے۔ اس مقدس ذات کی نورانی شعاع اپنا پرتو قوت عقلیہ و وہم و خیال سے خیر اور حسن مشترک پر وہ پرتو پڑتا ہے۔ اس پرتو کا ایسا اثر قوت مدبر کہ انسان پر پڑتا ہے کہ مجمع النور اور جلیدیہ سے خیر اور نفل حواس کا مادہ زائل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ خیالات کے لئے اس جہان میں جہت اور مکان نہیں۔ اسی طرح وہ معائنہ حقیقت بھی جہت اور مکان میں نہ ہو گا۔ اور بعض دوسرے لوگوں کا کلام یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو کچھ دربارہ رویت کے وارد ہے اس سے نفی جہت اور سبب لوازم جمیعت مفہوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجلی باقی مظاہر سے دو وجہ سے ممتاز ہوتا ہے یعنی وہ تجلی سب مخلوقات سے کہ وہ بھی اس جناب کی صفات کا مظاہر ہے۔ اس وجہ سے ممتاز ہے کہ ظہور ذات اس مقام میں بعنوان الوہیت ہے۔ اور باقی مظاہر ہیں بعنوان خالقیت ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ سے ندا آئی۔

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا ترجمہ : یعنی تحقیق کہ میں خدا ہوں کوئی معبود میرے سوا نہیں ہے۔ اور وہ تجلی اس جہان کی تجلیات صوری و خیالی حسی سے اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس ذات مقدس کا ظہور اس مقام میں کائنات معلومہ کی صورتوں سے کسی صورت میں ایسے طور پر ہو گا کہ اس میں اس قدر عظمت و کبریا، نور، جمال اور صفات کمالات ذاتی و آسمانی کا ایسا شمول ہو گا کہ جس شخص کا حوصلہ اعلیٰ درجہ کا ہو۔ اس کے وہم و عقل میں بھی اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی اور وہ شخص اس سے زیادہ تصور نہیں کر سکتا۔ اہل سنت نے جو کہا ہے کہ اس جہان کی رویت بلا کیف ہے

اگر لوازم جسمیت کا ثبوت ہو اور لوازم جسمیت کے ثبوت کی بناء پر معتزلہ کے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ وارد ہوں۔ جب تجلی کی حقیقت معلوم ہوئی تو اب سب اشکالات دفع ہو جاتے ہیں۔ بہر حال بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شہود حق میں ایسا استغراق قوی ہوگا کہ اس کے سبب سے کوئی غیر چیز محسوس نہ ہوگی۔ یعنی زمان و مکان و جہت و غیرہ کا وجود نفس کو محسوس نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اپنا وجود بھی اس وقت نہ ہوگا۔ اسی کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ معائنہ بلا جہت و شکل اور بلا لوازم جسمیت کے ہوگا۔

حاصل کلام جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے زید اور عمر کو مرصیحا دیکھا ہے اور حالانکہ اس کے صرف بعض اعضاء کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہے تو مشاہدہ کہ روایت کا موضوع کہ لغوی ہے۔ جب اس کی تعبیر میں یہ مسامحہ جاری ہوتا ہے تو غائب کے بارے میں کیوں کو شش کی جائے کہ ہمیں مسامحہ واقع نہ ہو اور کیوں اس امر کا التزام نہ کیا جائے کہ واسطے کہ کہہ ذات صرف تعلق فہم و ادراک سے قید احساس و البصار میں معر ہے اور ظاہر ہونا اس معرفت پر فواص و عوام کے حق میں تین وجہ سے محتمل ہوتا ہے ایک باعتبار قرب و بُعد کے اور دوسرے باعتبار قلت اور کثرت حجاب کے۔ اور تیسرے سبب زیادتی معرفت صفات اور کمی معرفت صفات کے۔ جو دنیا میں حاصل ہوتی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ذات مفارک کو معلوم کرنے کے بارے میں بدن ارغی کے لئے بہت زیادہ حجاب ہے۔ بہ نسبت روح حیوانی کے۔ اور ایسا ہی روح حیوانی کے لئے بہت زیادہ حجاب ہے بہ نسبت عالم مثال سفلی کے جو مقام جن اور شباطین کا ہے اور عالم مثال سفلی کے لئے بہت زیادہ حجاب ہے بہ نسبت عالم مثال علوی کے جو کہ ملائکہ مقربین کا مقام ہے اور جب انسان عالم مثال میں نرفی کرتا ہے تو اس عالم کی صورت حاصل کرتا ہے اور اس کو ارواح علویہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ تو جو کچھ یہاں غائب ہے وہاں حاضر معلوم ہوتا ہے اور اس کا مصداق ہوتا ہے واستودعت الارض بشئہ سریقہا یعنی اور روشن ہوئی زمین اپنے پروردگار کے نور سے اور ملائکہ کی صورت اور جنت اور دوزخ کا احوال معائنہ کرتا ہے تو ضرور ہے کہ تجلیات الہی باعتبار مراتب اتصال نفس کے ظاہر ہو جائے اور اس کا پرتو اس شخص پر پڑے اور کارخانہ تدبیر اور فیضان قضا و قدر اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر احکام شرعیہ کا نازل ہونا اور ملائکہ کے حق میں امر و نہی صادر ہونا یہ سب اسی تجلیات الہی سے ہوتا ہے اور جو ارجح اس مقبضیت سے قوی روح مطلقہ اس واردات کے ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ حالت معائنہ بصری کی حالت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال : یہ جو کہہ ہے کہ ذات حق ہمیشہ سے ایک ہی حالت پر ہے اور اکثر دعاؤں میں ہے کہ پاک ہے وہ ذات کہ نہ اس کی ذات میں تغیر ہوتا ہے اور نہ اس کی صفات تغیر ہوتی ہے مخلوقات کے پیدا ہونے سے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ باوجود اس قدر مخلوقات کی پیدائش کے حق تعالیٰ کی ذات اور صفات میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔ (از سوالات امام شاہ خاں صاحب)

جواب : حق تعالیٰ سے ظہور کائنات کی مثال یہ ہے کہ جس طرح صورتیں آئینہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ بال تشبیہ بطور مثال کے سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح کائنات کا ظہور حق تعالیٰ سے ہوتا ہے اور آئینہ کی ایک ذات ہے

جو ہم میں ہے۔ اور آئینہ کی صفات بھی ہے مجملہ ان صفات کے بعض صفات خارجیہ لازمی ہیں۔ مثلاً اس کی مقدار اور شکل اور رنگ اور شفاف ہونا اور اس کی سطح میں نشیب و فراز اور اس کے مانند اور بھی صفات ہیں اور مجملہ صفات آئینہ کے بعض صفات خارجیہ عارضیہ ہیں مثلاً اس کا منہ کچھم سے پورب پھرنا اور زمین کی طرف سے آسمان کی طرف ہونا تو ان دونوں قسم کے صفات میں باعتبار نفس جو ہر آئینہ کے تغیر ہو سکتا ہے لیکن بسبب ظہور اور خفا ان دونوں کے کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ نہ ذات آئینہ میں کچھ تغیر ہوتا ہے نہ صفات آئینہ میں کچھ تغیر ہوتا ہے۔ اگرچہ لاکھوں صورت ایک دہر اور پاک و ناپاک کی اس میں نمودار ہوں۔ واللہ اعلم

سوال : عن ابی زریں الضبی ائہ قال قلت یا رسول اللہ آئینہ کان رتبنا قبل ان یخلق الخلق قال کان فی عماد مائت حثہ ہواء وما فوقہ ہوا کی تشبیہ فرمائیے؟
جواب : یعنی روایت ہے ابی زریں ضبی سے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے کہا۔ یا رسول اللہ تعالیٰ علیہ السلام کہاں تھا ہمارا پروردگار خلق پیدا کرنے سے قبل۔ فرمایا جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابراہیم تھا نہ اس ابر کے نیچے ہوا تھی اور نہ اس کے اوپر ہوا تھی یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔

جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کلام ارشاد فرمایا ہے صحیح طور پر ثابت ہے اور کئی مقامات میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے ظاہر معنی اشکال سے خالی نہیں۔ اس واسطے کہ لفظ آئینہ جو کہ سائل کے کلام میں واقع ہے عرب کی زبان میں اس واسطے موضوع ہے کہ اس کے ذریعے سے مکان یعنی جگہ کے بارے میں سوال کیا جائے۔ اور عماد کا لفظ جو کہ جواب میں فرمایا گیا ہے عرب کی زبان میں ابر رقیق کو کہتے ہیں۔ یہ مقولہ جسم سے ہے اور جو چیز جسم میں مال ہو۔ ضروری ہے کہ وہ بھی جسم ہو اس کے ظاہر معنی میں یہ بھی اشکال ہے کہ سوال میں یہ قید مذکور ہے قبل ان یخلق جس سے گمان ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے خلق پیدا کرنے کے بعد سے خلق میں ہے اس سے وہم ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے معاذ اللہ خلق میں حلول فرمایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک صاف اور برتر ہے۔

اس حدیث کی شرح ایسے طرح پر کہ شجر مرتفع ہو جائے اور اشکال دفع ہو جائے جو خود اس فقیر نے اپنے وجدان سے سمجھا ہے اور صوفیاء کرام کے کلام سے اس کو تطبیق دی ہے۔ اس کے بیان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ایک مقدمہ کی تہید کی جائے۔ وہ مقدمہ یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے خلق کی جانب توجہ کرنے کے اعتبار سے چند مراتب کا ظہور ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مرتبہ اولی یقینی ہے اور کئی حملی ہے اور شامل جمیع تعینات ازلیہ و دلیہ کو ہے اور جامع ہے۔ جمیع حقائق کوئیہ والہیہ کے لئے لیکن بلا تفصیل اور بلا اقباز بعض کے بعض سے ہے اور اس مرتبہ کو تعین اول کہتے ہیں۔ اور اس کے اوپر لائق اور الملائکات کا مرتبہ ہے اور مرتبہ ثانیہ تفصیل اور تمیز مرتبہ اولیٰ کی ہے۔ اور اس مرتبہ کو تعین ثانی کہتے ہیں۔ اور اس مرتبہ میں حقائق کوئیہ والہیہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اور حقائق الہی

لئے وحدت حقیقی ہے اور کثرت نسبی ہے۔ حقائق کوئی کے لئے اس کے برعکس ہے یعنی کثرت حقیقی ہے اور وحدت نسبی ہے۔ ان دونوں مرتبہ میں حقائق کوئی کے لئے کچھ بھی وجود خارجی کا شمع نہیں اور خارجی تعدد اور تمیز کی بونہیر اور مرتبہ ثالثہ عالم ارواح مجبورہ بسیطہ ہے کہ اس کا ادراک عام طور پر منظور نہیں۔ صرف قوت عقلیہ اس کے آثار اور احوال کے مشاہدہ کے ذریعہ سے اس کو ادراک کرتی ہے۔ اور مرتبہ رابعہ عالم مثال ہے کہ اس کے ادراک کا آلہ خیال ہے۔ اور مرتبہ خامسہ عالم حس و شہادت ہے کہ حواس ظاہری سے مدد رکھتا ہے۔ اور مرتبہ سادسہ احدیت ہے اور وہ جمع جمیع مراتب کا ہے اور وہ مرتبہ انسان کامل کا ہے۔ چونکہ ہر مرتبہ ان مراتب سے حقیقت مطلوبہ کے لئے مجبور ہے محل اور مکان کے ہے اس واسطے بطریق تشبیہ و مجاز کے لفظ این سے اس کا سوال ہو سکتا ہے اور جب اس سوال میں قید قبل ان یشخلن کی ہے تو اس سے مقصود مراتب الہی سے وہ مرتبہ ہو سکتا ہے جو کہ مقدم ہو۔ بہ اعتبار تقدم ذاتی کے مراتب خلقیہ پر لیکن تعدی بلا واسطہ ہے۔ اس لئے اس میں شک نہیں کہ وہ مرتبہ تعین ثانی کا ہے جیسا مذکور ہوا ہے۔ مراد عمار سے کہ سوال کے جواب میں ہے وہی مرتبہ ہے۔ معنی متعارف لغوی مراد نہیں۔ اسی وجہ سے ہوا کہ اس کے لوازم سے ہے۔ فوق اور تحت سے نفی فرمائی۔ دونوں معنی میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح الہی آفتاب کے لئے حاجب و سائر ہے۔ اسی طرح کثرت حقائق الہی نسبی ہے۔ حقیقی نہیں اور کثرت حقائق کوئی الہی حقیقی ہے لیکن علمی غیبی ہے۔ خارجی شہادی نہیں۔ اس فرقہ کے بعض کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مرتبہ ثانی عبارت مرتبہ اولی سے ہے اور یہ ظاہر احادیث نبوی کے ساتھ موافق نہیں ہوتا ہے البتہ اس عورت میں مولف ہر کتاب ہے۔ کہ خلق کو جو کہ حدیث میں واقع ہے مجنی تقدیر کے قرار دیں اور اس کے معنی ایجاد نہ کہے جائیں۔ اور اس سے مراد تعین ہر حقیقت اور ماہیت کی ہو جو کہ حقائق اور ماہیات تملکے ایک ہے اور قدر مخصوص اور اندازہ معین مستعد اور قابلیت سے مراد ہو۔ واللہ اعلم (از سوالات امام شاہ خان)

سوال : ابلیس کا قصہ قرآن میں وارو ہے۔ معلوم نہیں کہ اس وقت سوال و جواب کس طرح ہوا۔

جواب : علوم منقول میں اس بارہ میں کچھ وارد نہیں۔ البتہ وجدان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملحق کے ذریعہ سے سوال و جواب ہوا تھا۔ یعنی ابلیس آواز سننا تھا۔ اور جانا تھا۔ کہ حق تعالیٰ کی یہ آواز اور نفس الامر میں کوئی مظاہر قہر کلام الہی کو ادراک نہ تھا۔ کہ ابلیس اس کو نہ دیکھتا تھا۔ اور نہ پہچانتا تھا۔ لیکن جانتا چاہیے کہ اس ملعون کا کفر جہالت اور احتجاج سے نہیں بلکہ تجدد و عناد سے ہے اور لعنت کے قبل ابلیس نے قوت علیہ حاصل کی تھی۔ اور اس کے ذریعہ سے غیب سے تلقی کرتا تھا۔ وہ قوت اس سے زائل کی گئی تاکہ الم قبض و فرط غفلت سے بے قرار ہو کر توبہ کی راہ میں قدم نہ رکھے بلکہ غضب اور عتاب کی راہ میں ہے۔ اور جامہ ذلت اس سے جدا نہ ہو۔ اور اس کی روح کے جوہر میں تاریکی کا مادہ ڈالا ہے کہ کبھی وہ اپنے کو مستحق حبس کا اور کبھی لباس یلانی میں گمان کرتا ہے اور سابق کی اپنی طاقت اور اسامہ عقبہ کی قوت سے شیاعین اور آدمی میں تصرف کرتا ہے۔ تاریکی کا مادہ جو اس کی روح میں ڈالا گیا ہے۔

فناوی عزیزی
مادہ پر ان طاعات اور اسماء کا ملحق کرتا ہے اور اس سے خلق کو گمراہی اور جہالت اور سختی دل اور زیادتی آرزو ہونے کا علم دینا ہے۔ واللہ اعلم

سوال : مشہور ہے کہ ارواح نے سجدہ کیا تھا اور قرآن شریف سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل قالوا سبلی اور یہ نہیں معلوم کہ یہ امر کس طور پر ہوا۔ اور کس نے ایک سجدہ کیا اور کس نے دو سجدے کیے اور کس نے سجدہ نہ کیا۔ (از سوالات امام شاہ خان صاحب)

جواب : اس مقام میں سجدہ کرنے کے بارے میں کوئی روایت نہیں۔ اور مومنین کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے بلا توقف جواب دیا اور کافروں نے توقف کر کے جواب دیا۔ البتہ بعض فقہا کہتے ہیں کہ انہی نے دو سجدے کیے اور عوام مومنین نے ایک سجدہ کیا اور کفار نے سجدہ نہ کیا۔ مگر اس کی سند موجود نہیں۔ البتہ احادیث آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ چار میثاق لئے گئے۔

۱۔ اول پانچ اولوا العزم انبیاء کرام سے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے اول میثاق لیا گیا۔

۲۔ دوسرا میثاق باقی انبیاء علیہم السلام سے۔

۳۔ تیسرا میثاق علماء سے لیا گیا۔

۴۔ چوتھا میثاق عوام سے لیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

قَالَ اخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ مَعِيثِي
ابْنِ مَرْيَمَ وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا

یعنی اور یا دیکھیے وہ وقت کہ جب یاہم نے میثاق یعنی عہد پیغمبروں سے اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور یاہم نے ان لوگوں سے عہد دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ تَوْجَّاهُمْ
رُسُلًا مُصَدِّقِينَ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

یعنی یا دیکھیے اس وقت کہ جب عہد لیا اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے البتہ جو کچھ دین میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر آئے تم لوگوں کے پاس پیغمبر تصدیق کرنے والا اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم لوگ اس پر ایمان لے آنا۔ اور اس کی مدد کرنا۔

اور ایک مقام اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكُنُ حَتْمًا
یعنی اور یاد کیجئے اس وقت کو جب عہد کیا اللہ نے اہل کتاب سے یہ کہ ضرور بیان کرنا تم لوگ دوسرے
لوگوں سے جو کچھ اس کتاب میں ہے جو تم لوگوں کو دی گئی ہے اور تم لوگ وہ بیچنا نا۔
اور ایک دوسرے مقام میں اللہ نے فرمایا ہے :-

وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

یعنی اور یاد کیجئے اس وقت کو کہ جب نکالا اللہ نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریات کو اور ان
لوگوں کو گواہ کیا۔ خاص ان لوگوں کے حق میں اس طرح کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ کیا میں تم لوگوں کا پروردگار
نہیں تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں یعنی تو ہم لوگوں کا پروردگار ہے۔ واللہ اعلم

سوال : مشیت الہی کے بارے میں مشرکین شہادت کی توضیح کیا ہے ؟
جواب : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْلَا إِشْرَاؤُا اللَّهِ مَا أَشْرَكْنَا - ترجمہ : یعنی قریب ہے کہ مشرکین کہیں
گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم لوگ مشرک نہ کرتے۔
اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَلَا يُؤَدُّ بَأْسَهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ - ترجمہ : یعنی اور نہیں رد کیا جاتا عذاب اللہ تعالیٰ کا قوم مجرمین
سے :-

تو اس مقام میں مشرکین کو شبہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوم مجرمین جو عذاب کے مستحق ہیں ان سے عذاب
ہو سکتا ہے۔ اس امر کا بیان یہ ہے کہ اہل اسلام کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتی ہے۔ مشرک
کی اقسام کفر سے ہے اور حلال کو حرام جاننا ادنیٰ اقسام کفر میں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے کہ
اسے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے خلاف ہوتی تو جو اس کی مشیت ہوتی وہی وقوع میں آیا ہوتا۔ تو ہم لوگ
ہم لوگوں کے آباء اجداد کیونکر مشرک کر سکتے اور حلال کو حرام کس طرح کہہ سکتے۔ ورنہ ہم لوگوں کی مشیت
اللہ تعالیٰ کی مشیت پر غالب آجاتی۔ جب معلوم ہوا کہ مشرک اور تحریم حلال اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا تو ہم
لوگوں پر عذاب کیونکر ہوگا۔ اس واسطے کہ خلایق کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف کر سکے۔ جن تعالے
اس شبہ کا جواب تین طور پر فرمایا کہ وہ ترتیب منظرہ کے موافق ہے :-

۱۔ نقض ۲۔ حل ۳۔ قول

بالموجب نقض یہ ہے کہ اہل اسلام اور کفار کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے کہ بعض اُمم سابقہ نے مشرک
تحریم حلال کیا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عذاب فرمایا ہے۔ اگر یہ عذر صحیح ہوتا تو ان لوگوں

پر کیوں عذاب کیا جاتا۔ مثلاً عاد، ثمود، قوم مدین۔ فرعون اور
ہامان کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار نے ان لوگوں کا احوال متواتر طور پر سنا تھا بلکہ عذاب کا آثار بھی
دیکھا تھا۔ اس شبہ کا جواب بطور حل کے یہ ہے کہ مشیت کی وجہ سے عذاب دور نہیں ہوتا۔ اکثر چیزیں کہ اللہ تعالیٰ
کی مشیت سے صادر ہوتی ہیں۔ مثلاً زنا۔ سرقت۔ لواطت۔ قتل اور علم کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے صادر ہوتا ہے
اور اس پر عذاب بھی ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ان امور میں بندوں کی مشیت کے تابع اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے
بندہ جیسا ارادہ کرتا ہے اس کے موافق اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی ہوتی ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت قاہرہ جو بندہ کی مشیت اور ارادہ کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ سے عذاب دفع
ہو جاتا ہے اس واسطے کہ بندہ اس ارادہ میں جہاد لایق کے مانند ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے
مثلاً خود کوئی شخص اپنے کو چھت سے گرائے یا کنوئیں میں خود گر پڑے۔ اور ظالمی شخص کا پاؤں بے اختیار پل جائے اور
چھت سے گر جائے۔ یا کنوئیں میں گر جائے۔ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ اور چنانچہ اسی وجہ
سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

مَلَّ عَنْدَ كُفْرٍ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَوْلَا الْإِنْعَامُ لَكَرِهَ اللَّهُ لَكُمُ الْكُفْرَ وَلَكِنَّ اللَّهَ
لَهُ

اور اس شبہ کا جواب بطور قول بالموجب کے یہ ہے کہ ہم تسلیم کیا کہ کفار اور ان کے آباء و اجداد کا کفر اللہ
تعالیٰ کی مشیت سے ہوا۔ تو ان کی تعذیب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ تو جس طرح کفر و شرک کفار سے
دفع نہ ہو سکا۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو گئی تھی۔ اس طرح ان کا عذاب بھی دفع نہیں ہو سکا۔ اس
واسطے کہ ان پر عذاب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو گئی ہے۔ بخود ان کے قول سے ان کو الزام دیا گیا۔
اور یہی معنی قول بالموجب کا منظرہ کی اصطلاح میں ہے۔ کہ خصم کا دعویٰ تسلیم کر لیں اور اسی کے قول سے اس کو
الزام دیں۔ اور یہی مراد اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے :-

قُلْ لِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ - الخ - ترجمہ : یعنی کہہ دیجئے لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ
تعالیٰ کی دلیل غالب ہے۔ الخ

اور اللہ تعالیٰ کا جو کلام پاک ہے :-
قُلْ مَلَأْتُ شُهَدَاءَ كَذِبًا الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَزَمَ هَذَا - ترجمہ : یعنی کہہ دیجئے لے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حرام کیا ہے :-
تو یہ کلام پاک یہودیوں کے جواب میں ہے اور یہ متعلق اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک کے ہے :-
ذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن يَفْعِلْهُم - ترجمہ : یعنی ہم نے ان کو جزا دی بسبب ان کی مکرشی کے :-
اور اللہ تعالیٰ کا جو یہ کلام پاک ہے :-

وَيَوْمَ مَحْشُورُهُمْ جَمِيعًا لِّمَعْشَرٍ الْعَجَبِ قَدْ اسْتَكَثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ - یعنی اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو تو کیجے گا کہ لے کر وہ جن تحقیق کہ تم لوگوں نے بہت آدمی کو اپنے مکر میں پھنسا یا ہے

تو اس کلام پاک کا بیان سابق میں مذکور ہو چکا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَوْمٍ مِّنْكُمْ جُودًا لِّتَكُونُوا فِيهَا وَمَا يَنْتَكُونَ
الْأَنفُسَ هُنَّ وَمَا يَشْعُرُونَ (الانعام) ترجمہ : یعنی اور ایسا ہی کیا ہم نے ہر امتی کے سردار گنہگار ہوئے۔ تاکہ مکر کریں اس امتی میں اور نہیں مکر کرتے وہ لوگ گمراہی جان کے ساتھ اور نہیں سمجھتے اس کے بعد ان لوگوں کو کچھ مکر کر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔

وَاذِلْجَاءَ قَوْمِهِ آيَةً قَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ بِالْحَقِّ ترجمہ : یعنی اور جب آتی ہے ان کے پاس نشانی تو وہ کہتے کہ ہم لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

تو نہ کرنے والوں کے پاس میں وعید واقع ہوئی کہ دنیا میں ان کو ذلت و رسوائی ہوگی اور قتل کئے جائیں گے اور قید کئے جائیں گے۔ پھر ارشاد ہو کہ قیامت میں سب مکر کرنے والے جمع کئے جائیں گے اور قوم جن کا گروہ مکر کرنے میں اصل الاصول ہے اس کو خطاب کیا جائے گا۔

قَدْ اسْتَكَثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ - یعنی بہت آدمیوں کو تم لوگوں نے اپنے مکر سے اپنا تابع بنالیا تھا کہ لوگ خواہشوں میں مشغول رہیں اور خدا کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کی اور آخرت کی فکر ان لوگوں کے دل نہ گذری توجہ آدمی اس خطاب میں عتاب کی بواپائیں گے۔ تو غر کریں گے کہ ہم لوگ جن کے تابع تھے۔ ان کے عذر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ ہم لوگ اس وجہ سے جن اور شیاطین کے مکر میں مبتلا ہوئے کہ شرک اور معاصی پر فوراً ہماری تنبیہ تو نہ فرمائی۔ بلکہ نہ بہت مہلت دی اور ان کی اتباع سے ہم لوگوں کو طعنا و فائدہ ہوتا رہا۔ جن اور شیاطین کی نذر ہم لوگ مانتے تھے۔ اور ان کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ اور اکثر یہاں سے مطالب حاصل کیا کرتے تھے۔ مثلاً لڑکا پیدا ہونا اور مال ملنا اور دودھ کی چیز پہنچ جانا اور غیب کا حال معلوم ہونا اور دشمن کو فتح کرنا اور بلائے بچن اور شیاطین کا حاضر ہونا۔ تو یہ سب فائدہ ہم لوگوں کو جن اور شیاطین سے ہوتا رہا اور اس وجہ سے ہم لوگ ان کی اتباع کرتے رہے۔ اور فوراً ہم لوگوں سے مؤاخذہ نہ ہوا حتیٰ کہ اسی طرح کے افعال میں ہم لوگوں نے اپنی تمام عمر بسر کی اور اسی حال میں مر گئے اگر فوراً ہر شرک اور مہرگناہ پر ہم لوگوں کی تنبیہ اور تادیب ہو جاتی تو ہم لوگ اسی وقت متنبہ ہو جاتے اور جن اور شیاطین کی پیروی سے دست بردار ہو جاتے اور توبہ کرتے اور ہم لوگوں کو توبہ ہوتی تو حق تعالیٰ فرمائے گا۔

النار مثلاً مکہ خلدین فیہا

یعنی جب تم لوگوں نے دنیا میں اپنی عمر شیاطین کے وسوسہ اور جن کی پیروی میں گذاری تو آخرت میں بھی آگ

تمہارے رہنے کی جگہ ہے کہ جن اور شیاطین کا اصل ماہہ بھی آگ ہے۔ الا ماشاء اللہ مگر جو اللہ چاہے میں بعض اوقات میں تم لوگ دنیا میں بھی جن اور شیاطین کی پیروی سے غالی سب سے تھے تو یہاں بھی بعض اوقات میں تم لوگ آگ کے عذاب سے رہا کئے جاؤ گے۔ اور طبقہ زمہریر یہ کہ عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ کروٹوں سردی کا عذاب ہوگا۔ جب کہ عمل کے نہایت موافق جزا دی گئی تو ثوابت ہوا۔

ان رسلنا حکیم علیہم ترجمہ : یعنی تحقیق تیرا پروردگار حکیم و داناب ہے اور یہ امر فرقہ جن و انس کے پاس میں خاص نہیں بلکہ مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے۔

وَكَذَٰلِكَ نُؤَيِّدُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا يَعْنِي اَوْرَاسِيَا هِي سَلَطُ كَرْتِهِي اَوْرُوَالِي بِنَاتِهِي هِي بَعْضُ ظَالِمِينَ كَوْبَعْضٍ بِرَ اَگَرچہ ایک ہی منس سے ہوں۔ مثلاً۔

آدمی جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح جزا پائیں گے اور ان کے ذریعہ سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں وہ ان لوگوں سے بے زار ہوں گے۔ اور ایسا ہی بعض جن بعض جن سے بے زار ہوں گے۔ بلکہ بعض عرب بھی بعض عرب بچے زار ہوں گے۔ اور بعض ہنود بعض ہنود سے بے زار ہوں گے۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے کلام پاک ہے۔

لَتَنْذِرَنَّهُمْ مَّا نُنْذِرُهُمْ مِّنْ قَبْلِكَ ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ہم نے آپ کو بھیجا تاکہ ڈراویں آپ اس قوم کو کہ اس کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ کے قبل نہ آیا۔

تو اس آیت سے صراحت معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم زمانہ فترہ میں تکلیفات شرعیہ ناواقف تھی، یہ آیت سورہ قصص میں واقع ہے اور یہ اس آیت کے سیاق سے بھی صراحتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقُلْ لَا أَن تَصِيبُكُمْ مِّنْ صَيْبَةٍ مَّا نُنْذِرُكُمْ فَيَقُولُوا سَاءَ مَا نَحْنُ بِأُولَٰئِكَ أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ رَسُولًا فَنَتَّبِعُ آلِهَتَكَ وَتَكْفُرُونَ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ترجمہ : یعنی اگر یہ نہ ہوتا کہ پہنچی ان لوگوں پر سبب اس کے کہ آگے بھیجا ان لوگوں کے ہاتھوں نے۔ پس کہتے ہیں وہ لوگ کہ لے کر لوگ ہمارے کیوں نہیں بھیجا تو نے ہمارے پاس رسول کہ تابعداری کرتے ہم تیری آیتوں کی اور ہوتے ہم مؤمنین سے۔

یعنی آپ کو اس واسطے بھیجا تاکہ یہ لوگ یہ عذر نہ کریں۔ لیکن یہ جوابیت ہے۔

لَتَنْذِرَنَّهُمْ مَّا نُنْذِرُهُمْ فَيَقُولُوا سَاءَ مَا نَحْنُ بِأُولَٰئِكَ ترجمہ : یعنی آپ اس واسطے مبعوث ہوئے تاکہ آپ ڈراویں اس قوم کو کہ نہ ڈرانے گئے آباد ان کے پس وہ لوگ غافل تھے۔

تو اس آیت سے صراحتہ وہ مضمون ثابت نہیں ہوتا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس واسطے کہ اس آیت میں

جو لفظ مانا کا ہے اس میں تین احتمال ہیں۔ اول کہ مانافہ ہو اور دوسرے کہ ماصدیر ہو اور تیسرے یہ کہ مانافہ اور صرف اول احتمال کی بنا پر یعنی جب مانافہ ہو تو نفی انذار کی ثابت ہوتی ہے۔ یعنی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا ڈرائی نہ گئی اور وہ احکام شرعیہ سے ناواقف تھی۔ اور باقی دو احتمال کی بنا پر جب ماصدیر ہو یا موصول ہو تو نفی انذار کی ثابت نہیں ہوتی۔

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے :-

وقد يقال ان مانافية او موصولة او مصدرية هي ارسلت لتنفذ ما انذارا بانهم او ما انذارا بانهم او ما انذارا بانهم فانهم في غفلة فعلى هذا اكونهم غافلين بسبب باعث على الانذار وعلى الاقل حكم الانذار بسبب غفلتهم يعني اور کبھی کہا جاتا ہے کہ مانافہ ہے یا موصول ہے یا مصدر ہے یعنی آپ بھیجے گئے تاکہ ڈراویں قوم کو ماتہ ڈرے جانے ان کے آباء کے یا جیسا ڈرایا ان کے آباء کو یا جس چیز سے ڈرایا ان کے آباء کو پس وہ لوگ غفلت میں ہیں۔ پس اس بنا پر یہ معنی ہونے کہ وہ لوگ غافل تھے۔ اس سبب سے جو باعث ہے ڈرانے کے لئے اور جب مانافہ کہا جائے تو عدم انذار ان کی غفلت کا سبب ہو گا۔

یہ مضمون تفسیر نیشاپوری کی عبارت مذکور کا ہے۔ حاصل کلام جب یہ آیت لیجئے :-

لَقَدْ رَفَعْنَا أَنْذَارَ آبَائِهِمْ الْآئِينَ اس آیت مذکورہ کے ساتھ لحاظ کیجئے جو سورہ قصص میں ہے

یا اس آیت کے ساتھ لحاظ کیا جائے :-

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَبْعَثَ دَسْوَاحَ تَرْجَمَ : یعنی نہیں ہیں ہم عذاب کرنے والے جب تک رسول نہ بھیجیں :-

تو اس آیت سے ان لوگوں کی نجات ثابت ہوتی ہے جو زمانہ فترہ میں تھے۔ اور یہ امر موافق قاعدہ اہل سنت وجماعت کے ثابت ہے اس واسطے کہ اہل سنت وجماعت اس امر کے قائل ہیں کہ حسن اور قبح امور کا شرعی ہے۔ یعنی صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر کے کرنے کا شرع میں حکم ہے تو وہ امر بہتر اور فلاں امر سے شرع میں منع کیا گیا ہے۔ تو وہ امر قبیح ہے اور اہل سنت وجماعت کو اس امر سے انکار ہے کہ صرف عقل کے ذریعے سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے اب کلام اس میں ہے کہ انذار سوا بعثت رسول کے ہے اور زمانہ فترہ وہ ہے کہ اس میں بعثت رسول کی نہ ہو۔ اور انذار نہ ہونے سے وہ زمانہ کہ زمانہ فترہ کا ہے۔ اس کے بارے میں حکم فترہ کا نہیں دیا جاتا تو درمیان حضرت عیسیٰ عہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مدت پانچ سو ساٹھ برس کی ہے۔ زمانہ فترت کا نہ تھا کہ اس زمانے کے لوگ اپنے حق پر حکم فترت قرار دیں اور اپنے کو صبیان اور دیوانہ کے مانند کہیں۔ جو کہ عذاب کے سزاوار نہیں۔ اس واسطے کہ انبیاء سابقین کا خصوصاً معلم حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا اس بلا میں شائع تھا۔ اگرچہ کتب الہیہ

لوگوں نے تحریف کی تھی۔ لیکن توحید اور اثبات نبوت اور محاد جو کہ اصول ثلاثہ دین کا ہیں۔ ان امور میں فی الجملہ وہ لوگ کام کرتے تھے۔

تفسیر نیشاپوری میں سورہ قصص کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :-

من قبل كانت حجة الانبياء قائمة عليهم ولكن بعث عليهم من بعد ذلك الحجة عليهم فبعث الله تعالى تقوية الشك التكليفات واخلاله لتلك الفتوة : یعنی پہلے حجت انبیاء پر تھی ان لوگوں پر لیکن نہیں بھیجا گیا تھا ان لوگوں کے پاس ایسا کوئی نبی جو تازہ کرے وہ حجت ان لوگوں پر۔ پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکہ احکام شرعیہ ان لوگوں کی عقل میں ثابت فرما دیں اور اس فترہ کو دور کریں :-

یہ ترجمہ تفسیر نیشاپوری کی عبارت مذکورہ کا ہے پس نفی انذار و بعثت رسول دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے بارے میں متحقق ہے۔ مراد بعثت رسول سے آیت :-

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَبْعَثَ رَسُولًا (نبی اسرائیل)

میں یہ نہیں ہے کہ رسول اسی قوم سے ہو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جہان میں کوئی رسول آیا کہ خبر اس رسول کی اور اس کے احکام کی مکلفین کو پہنچی ہو، اگرچہ وہ احکام بطور اجمال کے پہنچے ہوں اور مکلفین کو اس رسول کا علم حال ہو جائے کہ ہمارے مذہب کے علاوہ جہان میں دوسرا مذہب بھی ہے کہ اس کو لوگ حق اور واقعی جانتے ہیں۔ اس واسطے کہ اسی قدر بحث و تفتیش و سوال و تحقیق دین تکلفات شرعیہ کے ثابت ہونے کے لئے کافی ہے البتہ زمانہ فترت کا ہونا درمیان حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عادی و ثمود کے گذرنے کے بعد مسلم ہے۔ اگر وہ زمانہ فطرت کے ثبوت کے لئے صرف یہ کافی ہو۔ کہ اس زمانہ کی قوم سے کوئی رسول نہ ہوا ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ اکثر زمانہ حق میں اکثر لوگوں کے زمانہ فترت کا ہوا۔ اور جب یہ امر ثابت نہیں تو یہ بھی ضرور نہیں کہ جس زمانہ میں اس زمانے کے لوگوں کی قوم سے نبی نہ ہوا ہو۔ تو وہ زمانہ زمانہ فترت کا ہو گا۔ اور احادیث صحیحہ میں خود فرمایا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک کے کفار کی کس قدر کوشش فرمائی :-

إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَعَتْ عَذَابَهُمْ وَعَجَبَهُمْ الْإِبْتِغَاءُ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ۔ ترجمہ : "یعنی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے نظر فرمائی اہل زمین کی طرف، پس غضب فرمایا عرب اور عجم پر ان لوگوں کے سوا جو اہل کتاب سے باقی رہ گئے تھے۔"

اور آیات قرآنی میں خود فرمایا جائے :-

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔ ترجمہ : یعنی تھے تم لوگ کنارہ پر آتش جہنم کے پس بٹایا تم لوگوں کو وہاں سے :-

اور اس کے مانند اور بھی آیتیں ہیں۔ تو ان آیتوں کے کیا معنی ہوں گے پس زمانہ جاہلیت کو قبل بعثت
فترت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا۔ اس زمانہ کو زمانہ فترت باعتبار اصطلاح کے نہیں کہہ سکتے اگرچہ فترت کے
لفظ کے اعتبار سے اس کو زمانہ فترت کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس معنی لغوی کے فترت کا لفظ اس آیت
وارد ہے :-

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ
اَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ (مائدہ) یعنی اے اہل کتاب تحقیق
کہ آیا تم لوگوں کے پاس رسول ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تم لوگوں کے لیے زمانہ میں کہ پیغمبر نہ تھا۔
ناکہ تم عذر نہ کرو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آیا

یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے تو اس آیت میں خطاب اہل کتاب کے ساتھ ہوا ہے اور فترت اصطلاحی
کتاب کے حق میں تصور نہیں ہو سکتی۔ اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں جا بجا اس وقت مردوں پر
اب ہونے کا حال وارد ہے مثلاً

اَيُّكَ ابْلَوْهُ فِي النَّارِ ترجمہ : یعنی میرے باپ اور تمہارے باپ دونوں دوزخ میں ہیں
یہ حدیث جواب میں اس شخص کے وارد ہوئی کہ اس نے پوچھا کہ اے ابی یعنی میرا باپ کہاں ہے
مثلاً یہ بھی حدیث شریف ہے :-

لَيَسْتَهَيِّنَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ فَخْرِهِمْ بِاَبَائِهِمُ الَّذِيْنَ هُمْ فَعْمُ النَّارِ وَلَيَكُوْنَنَّ
اَمْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجَعْلِ الَّذِيْ يَدْهَدُ الْخَزْرَ بَانَفْسِهِ

یعنی البتہ باز آئیں گے لوگ فخر کرنے سے اپنے آباء پر کہ انکے وہ آباء کو جہنم میں دوزخ کے کولہ سے
یا نہیں تو وہ لوگ فخر کرنے والے سبک اور ذلیل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جالور
سے جو اپنی ناک سے پلیدی کو زمین پر غلطان کرتا ہوا لے جا آئے۔

یہ حدیث مذکورہ کا ترجمہ ہے اور اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے
کوئی نذیر یعنی ڈرانے والا آیا تھا کہ ان لوگوں کو کفر اور معاصی سے ڈراتا۔ اور اگرچہ خاص کر ایسے نذیر کا نہ آنا دفع
اب کے لئے تجت نہیں۔ لیکن رحمت الہی نے ان لوگوں کا یہ عذر بھی زائل فرما دیا۔ اور ایک عظیم الشان نذیر یعنی
حضرت مسکے اللہ علیہ وسلم کو اس جہان میں لوگوں کی ملامت کے لئے بھیجا۔ اور اگر اس آیت شریفہ میں غور
جائے :-

وَلَوْلَا اَنْ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (سورہ قصص)

تو ظاہر ہے کہ پہنچنا مصیبت کا ان لوگوں کے اعمال کے عوض میں کہ کیا عذاب سے ہے خواہ عذاب
وی ہو یا آخری جو ان لوگوں کے مقدر میں تھا۔ اور یہ امر ہونے والا تھا۔ لیکن ان لوگوں کو یہ کہنے کی جگہ ہوئی کہ ہمارے

پس کوئی رسول نہ آیا اور کوئی ڈرانے والا نہ آیا تو ہم پر عذاب کیوں ہوتا ہے۔ اس واسطے آپ کو ہم نے بھیجا یعنی ماکرہ
رکبہ عذر نہ کر سکیں۔ چنانچہ الہی کی قید ہے کہ لَوْلَا اَرْسَلْتُ إِلَيْكَ رَسُولًا مِنْ بَيْنِ مَعْشَرِكُمْ مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا
دوسری آیت یہ ہے :-

وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيْ كُوْنَتْ اَهْدٰى مِنْ اِهْدٰى الْاُمَمِ
ترجمہ : یعنی اور قسم کھاؤ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم مستحکم کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے
والا آئے تو ہم لوگ سب اُمتوں سے زیادہ راہ راست پر ہو جائیں گے۔

یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے۔ تو اس آیت سے بھی صراحتہ معنی مذکور ہی سمجھا جاتا ہے اور اسی قبیل سے
آیت بھی ہے کہ :-

اِنْ تَقُولُوا اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلٰى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ سِتْرِهِمْ
لَنَافِلِيْنَ اَوْ تَقُولُوا لَوْ اَنَّا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا اَمْوٰى مِنْهُمْ ترجمہ :
یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہ کرتے تو تم کہتے کہ نازل کی گئی کتاب دو جماعت پر
ہمارے قبل اور ہم لوگوں کا حال دریافت کر لے سے غافل تھے۔ یا تم کہتے کہ اگر کتاب ہم پر نازل ہوئی
ہوتی تو ہم لوگ ان لوگوں سے راہ راست پر زیادہ ہوتے آخر آیت تک :-

تو ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ معتقد تھے کہ ہمارے قبل دو جماعت پر کتاب نازل ہوئی
تھی اور جانتے تھے کہ ان دونوں جماعتوں کا حال کیا ہے۔ اور دربارہ توحید اور نبوت اور معاد کے ان لوگوں کا عقیدہ
بالغنا، بلکہ ورفرن نوفل کے بارے میں شروع میں صحیح بخاری میں مذکور ہے :-

فِي كِتَابٍ مِنَ الْاِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اَنْ يَكْتُبَ - یعنی پس لکھتے تھے ورفرن نوفل سے
انجیل سے عربی زبان میں جو چاہتے تھے کہ لکھیں

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی دعوت عیسوی پہنچی تھی اور انجیل کا ترجمہ جانتے تھے۔ تو ایسی
صورت میں اس زمانہ کے بارے میں حکم زمانہ فترت کا کیسے دیا جاسکتا ہے اور اگر قبل زمانہ بعثت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ فترت کا تھا۔ تو ابوین شریفین کے بارے میں علماء کے اختلاف کا سبب کیا ہے کہ
نذیر میں ان کے بارے میں کفر کی تصریح ہے اور سیوطی رحمہ اور دیگر علماء کرام نے ان کے ایمان کے ثبوت
میں سائل لکھا ہے۔

جواب : مہربان من : جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل زمانہ فترت
آ تھا۔ بلکہ زمانہ جاہلیت کا تھا۔ تو اشکال اور شبہ جو سوال میں مذکور ہے زائل ہو گیا ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ
زمانہ زمانہ فترت کا تھا۔ تب بھی اس اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ایمان اور کفر دوسری چیز ہے
اور عذاب اور نجات دوسری چیز ہے تو کافران زمانہ فترت کے حق میں نہایت امر یہی ہے کہ بالفرض اگر ثابت

کے لئے زندہ فرمایا۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔
یہ ترجمہ شمس الدین کردی کے قول مذکور کا ہے۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ ابون شریفین نے خود اپنی عقل سے ملت ابراہیمی سن کر شرک کا قبح معلوم کیا اور
اس ترک کیا اور توحید کے معتقد تھے اور امت کی تعظیم نہ کرتے تھے۔ اور سابق سے ایک دوسرے سے سنتے چلے
گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم مبعوث ہوں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد اور
اشدوم ہیئت لزوم کے منظر تھے۔ اور دل سے قصد مصمم رکھتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ
ہونگے تو ہم لوگ دل و جان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار کریں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے نور کا قصہ اس مدعا کے لئے ثابت ہے کہ وہ نور حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گرفتار۔ اور آپ کو یہ وحیت
پہنچی کہ آپ کے والد اور اجداد یکے بعد دیگرے اس نور مبارک کی حفاظت کے لئے وصیت کرتے رہے اور علامہ بیہوش
نے اپنے رسالہ میں زیادہ تر یہی مسلک اختیار کیا ہے تو اس صورت میں بھی ابون شریفین کی نجات ثابت ہوتی ہے
اور ابون شریفین کا ایمان بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اس وقت اسی قدر ایمان احمالی متحقق ہو سکتا تھا
چنانچہ درقرین نوفل کے حق میں بھی اسی قدر ثابت ہے اور فقہ اکبر کی عبارت اس مسلک کے بھی منافی نہیں
اس واسطے کہا جاسکتا ہے کہ عدم ایمان تفصیلی اور عدم وقوع ایمان بعد بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کرنے
ماتر فقہ اکبر میں ہوتی ہے۔ لیکن جب کہ حدیث آبی و ابولطف انصار اور حدیث لعدیو ذن کی بالشفاعة
یقیناً اور شریفین کے حق میں ہے تو یہ تینوں مسلک اس کے خلاف ہیں تو بہت بہتر ہے کہ ان مسائل میں سکوت
اختیار کیا جائے۔

سوال : مبعوث ہونا رسول الثقلین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس واسطے ہو کہ تہان کی
ہدایت ہو۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچے اور قرآن شریف عربی زبان میں اس واسطے نازل ہو۔ مگر اس کے
سمجھنے میں اہل عرب کو آسانی ہو۔ اس قرآن شریف میں یہ رعایت نہیں کہ اس کے سمجھنے میں اہل عرب کو آسانی ہو۔ لہذا
فہم و ہند، سندھ و بنگالہ وغیرہ اقالیہ و جزائر و بندر گاہ کی زبانیں متغایز ہیں۔ ان کے لغات مختلف ہیں۔ اجداد
کے لوگوں کے سمجھنے کے لئے قرآن شریف کافی نہیں۔ بلکہ ان مقامات کے لوگ قرآن شریف کی نہ سمجھتی تھیں۔
قادر ہیں۔ اور اس کے معنی مطلقاً نہیں سمجھتے اور اکثر قومیں ہیں۔ جو پہاڑوں وغیرہ بعض ایسے مقامات میں ہیں۔ کہ
بوجود اس کے کہ وہ لوگ بہت سخی اور کوشش کرتے ہیں۔ مگر اللہ کے کام کا تلفظ بخوبی صحت کے ساتھ ادا نہیں
کر سکتے۔ اسلام کی دعوت بھی پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحابہ وسلم اور خلفاء کے وقت میں اکثر ملکا
کے لوگوں کو نہ پہنچی۔ مثلاً یگیو اور نے پال وغیرہ میں کہ جہاں دعوت اسلام کی نہیں پہنچی تو اتمام حجت جیسا کہ اہل
عرب کے حق میں ثابت ہے ان دوسرے اقوام کے حق میں ثابت نہیں اور خداوند تعالیٰ منصف ہے
اور اپنے تمام بندوں پر رحیم ہے اور کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

جوائے تو صرف ان کی نجات ثابت ہوگی۔ لیکن ان لوگوں کا ایمان ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور اس مسئلہ میں مجتہد
ہے کہ زمانہ فترت میں آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرک اور کافر تھے اور بسبب غفلت فترت کے
سزاوار عذاب نہ ہوئے۔ یا ٹو حد تھے۔ اور اس انتظار میں تھے۔ کہ جب نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ایں ظاہر ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت کا کریں تو ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا
مان ظاہر کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کریں تو فترت اکبر میں ابون شریفین کے انکار کی شان
ہو کہ اسے کہ مانتا علی الکفر تو اگر یہ قول ثابت بھی ہو جائے۔ تو اس قول میں اور ابون شریفین کی نجات
بت ہونے میں کچھ بھی تناقض نہیں۔

البتہ یہ جو قول ہے کہ ابون شریفین موجد تھے۔ اور شرک سے بے زار اور منفر تھے۔ تو اس قول میں اور فقہ اکبر
میں تناقض کا گمان ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء ابون شریفین کی نجات ثابت کرنے ہیں۔ اور تفصیل اس
بمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابون شریفین کی نجات ثابت کرنے میں حضرات علماء کرام کے
ن مسلک ہیں۔

ایک مسلک یہ ہے کہ باوجود کفر و شرک کے یہ سزاوار عذاب کے نہیں۔ صبیان اور مجنونوں کے بارے
میں جو حکم ہے وہی ان کے بارے میں بھی حکم ہے۔ اس واسطے کہ ابون شریفین زمانہ فترت میں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا ۚ ترجمہ : یعنی ہم عذاب کرنے والے نہیں،
جب تک رسول نہ بھیجیں۔

اور زمانہ فترت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہوا تو اس آیت کے بموجب اس وقت
کے لوگ جو زمانہ فترت میں فوت ہو گئے۔ عذاب کے سزاوار نہیں اور اس مسلک میں جو منافات ہے وہ
پر مذکور ہوا ہے اور باعتبار اس مسلک کے بھی عبارت فقہ اکبر کی صحیح ہو سکتی ہے۔ اس واسطے کہ وہ عبارت مرث
ی ہے۔ مانتا علی الکفر اس میں تعذیب کا کچھ ذکر نہیں

دوسرا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابون شریفین ایمان لانے کے لئے موت کے
بعد پھر زندہ کئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ اور یہ مسلک بھی فقہ اکبر کے قول کے منافی نہیں
ہے۔ چنانچہ شمس الدین کردی نے اجداد علماء حنفیہ اور اہل نہر سے ہیں اپنے فتر میں لکھا ہے :-

وَمِجْعَةُ لَعْنٍ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ وَالِدَ الَّذِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ
وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ لِشُبُوتِ امْنِهِ تَعَالَىٰ أَحْيَاهُمَا لَمَّْا حَتَّىٰ أَمْنَاهُ - اتہی۔
ترجمہ : یعنی جائز ہے لعن کرنا اس پر جو مر گیا ہو کفر پر مگر والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
پر جائز نہیں۔ اس واسطے کہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابون شریفین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

جب ان مقامات کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے برحق کی طرف سے اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور نہ احکام کی کوئی ایسی کتاب نازل ہوئی کہ اس کے سمجھنے میں ان مقامات کے لوگوں کو آسانی ہو تو ان مقامات کے لوگوں کے حق میں شرعی مؤاخذہ ثابت ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو جو شبہات اس باب سے اُٹھتے ہیں وہ مخفی نہیں۔ (از منشی ذوالفقار عینانی)

جواب : اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطے مبعوث ہوئے کہ عرب کے اہل اہل بلدان و جزائر و جبال وغیرہ تمام مقامات کے لوگوں کی ہدایت ہو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے۔ اور وہاں کے جن اور اس کو اسلام کی دعوت دی گئی اور بواسطہ عرب دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت پہنچی۔ یعنی فارس اور روم کے لوگوں کو بوجہ اہل عرب اسلام کی دعوت پہنچی اور بواسطہ اہل و اہل روم سندھ و ہند و جزائر و جبال وغیرہ تمام مقامات کے لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچی

قرآن شریف عربی زبان میں اس وجہ سے نازل ہوا کہ اس کے اعجاز کی وجہ اہل عرب سے معاذر کیا گیا۔ اور یہ ضرور ہوا کہ اہل عرب قرآن شریف کے دقائق کو دریافت کر کے معلوم کریں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عرب کے بعض لوگ اسلام سے مشرف ہوئے۔ پھر اہل عرب کے ذریعہ سے عراق و خراسان و دیگر ممالک عجم میں اسلام شائع ہوا۔ اور ان ملکوں کے لوگوں نے سندھ و ہند و ترکستان میں اسلام پہنچایا۔ اسی طور پر ایک ملک سے دوسرے ملک اسلام پہنچا۔ حتیٰ کہ تمام ممالک میں اسلام شائع ہوا۔ اگر ہر قوم کی ہدایت سے قرآن شریف ہر قوم کی زبان میں نازل ہوتا تو دین میں نہایت اختلاف واقع ہوتا۔ تخریج و زیادت و نقصان کا دروازہ خوب کھولا جاتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی۔ اگر قرآن شریف دوسری زبانوں میں نازل ہوتا تو تبلیغ احکام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دقت ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص جس کی پیدائش عرب میں ہوئی ہو۔ اس کو کتاب پر مادت کی تعلیم دی جائے۔ اور اس سے کہا جائے کہ اس کا مضمون فلاں شخص سے کہ دو تو اس بارہ میں اس کو ضرور دقت ہوگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی تھے۔ اور بطور غریب علم میں کامل و ماہر ہوئے۔ تو ایسا ہی ہر لغت کے الفاظ اور اس کے لہجہ اور معانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واقفیت ہو جاتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام عمر میں کبھی شرف و شرف نہ ہوئی۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو تھا۔ تو اگر ان قوموں کی لغت کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق حق عادت ہوئی ہوتی۔ تو وہ تعلیم بے فائدہ ہوتی۔ حاصل کلام حکمت الہی کا مقتضا وہی تھا۔ جو وقوع میں آیا۔

اب یہ امر بیان کرتا ہوں کہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوسری جگہوں میں تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے۔ اور بعض لوگ بعد زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے۔ اور یہ سب لوگ یعنی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ مگر زیارت سے مشرف نہ ہوئے اور جو لوگ بعد میں ہوئے۔ ایسے اشخاص ہوئے کہ احکام شرعیہ سے محض ناواقف تھے جتنی کہ ان لوگوں نے بھی نہ

جانا کہ قرآن شریف معجز ہے۔ تو ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کس طور سے ثابت ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و دیگر علماء کرام نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد اثبات نبوت کا طریقہ یہ نہیں کہ قرآن شریف کا معجز ہونا ثابت کیا جائے۔ بلکہ اثبات نبوت کے لئے اب دوسرے دو طریقے ہیں۔

۱۔ اول طریق اثبات نبوت کا یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا صادر ہونا متواتر طور پر ثابت ہے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں کروڑوں آدمی نقل کرتے چلے آئے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات صادر ہوئے۔ چنانچہ یہ معجزات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا کہ قرآن کریم معجز ہے اور اس کا اعجاز ثابت بھی ہوا۔ اور معجزہ شق القمر اور جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر کا سلام کرنا اور پتھر اور درختوں کی فرمانبرداری اور کھانے اور پانی میں اضافہ ہو جانا۔ اور ہرن اور اونٹ، بھیڑیا اور سوسمار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا۔ اور علیٰ ہذا القیاس سولے اعجاز قرآن کے قین ہزار معجزات کتب احادیث سے ثابت ہیں تو اب چاہئے کہ ان معجزات کا ہونا ہر قوم کے نزدیک ثابت کیا جائے کہ یہ معجزات متواتر خبر سے ثابت ہوتے ہیں اور اس امر پر سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ خبر متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ تو لوگوں کے نزدیک اس ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت ہونا بلکہ جمیع احکام شرعیہ ثابت ہو جائیں گے۔ اور امور گزشتہ (یعنی تاریخی) کے بارے میں بالاتفاق سب کے نزدیک ثبوت علم کا یہ طریق مسلم ہے۔ چنانچہ مثلاً نوشیروان کا کسی زمانہ میں ہونا اور حاکم طائی اور سکندر اور خلافت بنو عباس اور ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کا آنا یہ سب امور اہل ہند کے نزدیک کس طریقہ سے ثابت ہوئے اسی طریق کے سوا کوئی دوسرا طریق نہیں۔

دوسرا طریق نبوت اثبات کا یہ ہے کہ کہا جائے کہ اب بانات نبوت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس واسطے کہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور لاکھوں آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ اور اطاعت الہی میں مصروف ہوئے اور گناہوں سے پرہیز کیا اور تقویٰ و طہارت اور عمدہ اخلاق اور بہتر آداب اور اولیٰ حقوق اختیار کر کے اور یہ امور ہر قوم کے نزدیک بہتر اور پسندیدہ ہیں۔ اور ہر قوم کے لوگ اس کو ہدایت جانتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خلق اللہ کی ہدایت کا وعدہ کیا تو وہ ہدایت ظہور میں آئی۔ تو اب اثبات نبوت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس واسطے کہ نبوت کے معنی یہی ہیں جو اب عام طور پر سب کے نزدیک ظاہر ہیں اور جب کوئی چیز ظاہر ہو جائے۔ تو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور ان دونوں طریقوں سے ساکنان جزائر و جبال و بیگو اور ساکنان نے پال وغیرہ کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے۔ اور اگر بالفرض مجملہ ان لوگوں کے بعض لوگوں کے نزدیک ان دو طریقوں سے بھی آنحضرت

اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت نہ ہوئی ہو تو ان کے بارے میں بھی وہی حکم ہوگا۔ جو حکم ان لوگوں کے بارے میں ہے۔
زمانہ فترت میں ہوئے۔ علماء کا اختلاف جیسا کہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کہ زمانہ فترت میں تھے۔
اختلاف ان لوگوں کے بارے میں بھی ثابت ہوگا۔ جن کو مطلقاً اسلام کی خبر نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ کتب ماحول
اسلم اور عضدی میں یہ مسئلہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے۔

سوال : خبر متواتر اور آثار سے بخوبی ثابت ہے کہ ہند میں اوتار ملے کثیر گزے ہیں کہ قوم ہند
وہ نائن کہتی ہے اور بعض کو اپنا مقتدا جانتی ہے۔ یہ اکثر راجہ با شان و شوکت و قوت اور اکثر ان جیسے لوگ جو
ان لوگوں کے لئے شروع آفرینش سے کون پیغمبر اس قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور کون کون
لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے اور وہ کتاب ہندی زبان میں ہے یا دوسری زبان میں ہے یا اس قوم
ہدایت کے لئے کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا۔ اور اگر ان لوگوں کی ہدایت کے لئے کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا
کی وجہ کیا ہے۔

جواب : قرآن شریف میں ہے :-

وَاِنَّ مِنْ اُمَّةٍ اَلَا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ترجمہ : یعنی کوئی ایسی امت نہیں ہوئی کہ اس میں
دُرُسنے والا نہیں ہو ا ہو۔

تو اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہر امت میں دُرُسنے والا گذرا ہے کہ بُرے کاموں کے کرنے سے اور
کی حق تلفی کرنے سے لوگوں کو دُرُسنے اور وہ دُرُسنے والا خواہ منجملہ انبیاء کے ہو۔ یا منجملہ علماء کے ہو یا غفلوں
سے یا اولیاء اور عرفاء سے ہو۔ اور اگر رُوم اور حبش اور ترکستان اور خطا اور ختن کے لوگوں سے دریافت کیا
ئے۔ تو وہ لوگ ہرگز کسی پیغمبر کا نشان نہ دیں گے۔ کہ وہ پیغمبر ان لوگوں میں گذرا ہو۔ بلکہ ایسے بھی اکثر لوگ ہوں گے
جنہی کے مضموم سے بھی ناگاہ نہیں۔ البتہ عباد و زُلماء اور سارکان دنیا اور خلوت نشینوں کی عظمت اور بزرگی کا
تقدیر ان لوگوں کے دل میں نہایت مستحکم ہے اور حق تعالیٰ کا فعل ہر فرقہ کے بارے میں جدا گانہ ہے۔ یعنی باعتبار
دوافع استعداد اور باعتبار اخلاف علوم و محزونہ ہر فرقہ کے اللہ تعالیٰ کا ہر معاملہ ہر فرقہ کے ساتھ جدا گانہ ہے
عرب میں یمن سے شام و مصر تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ایک طور پر ظہور میں آئی

مکرم اور شہو لول کو مبعوث فرمایا اور ان کو معجزات عطا فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اس واسطے کہ اس بلاد کے
نامی خزانے کے لئے یہی طریق جانتے تھے۔ کہ کوئی قاصد آئے اور زبانی پیغام لے آئے۔ یا اپنے ساتھ کوئی خط
لے۔ البتہ یہ تحقیق کرتے تھے۔ کہ وہ قاصد اپنے کو جس شخص کا قاصد کہتا ہے۔ آسانی الواقع اس کا قاصد ہے یا
نہیں۔ چنانچہ امراء اور ملوک اور سلاطین میں اب بھی یہی مروج ہے کہ کوئی فرمان یا کوئی خط اپنے ملازمین سے کسی متبر
کے ہاتھ بھیجتے ہیں۔ اور اس قاصد کی تصدیق کے لئے اپنی بعض خاص چیز مثلاً پانکھی اور ہاتھی اور فوج اس کے ساتھ
لے جاتے ہیں تو دیار عرب کے لئے ہدایت کا طریق بھی یہی قرار پایا۔ اور ہنود کے یہاں چونکہ خبر بھیجنے کا یہ طریقہ معمول

لہذا ان کے لئے ہدایت کا طریقہ بھی دوسرا قرار پایا۔ یعنی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت حق کا ظہور بعض چیزوں میں
ہوتا ہے اور حق کی زبان سے وہ چیزیں کلام کرتی ہیں۔ اور ان سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو مرتبہ الوہیت کیساتھ
خاص ہیں۔ اور وہ افعال بطریق خرق عادت ہوتے ہیں۔ اور بطور حکمرانی کے وہ افعال صادر ہوتے ہیں اور ان چیزوں
کو حق کا نائب جانتے ہیں۔ اس واسطے ان کے یہاں ہدایت میں بھی یہی معاملہ ہوا۔ اور وہ لوگ جس کو اپنا پیشوا جانتے
ہیں اس سے نصیحتیں لکھو کر اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ مدت دراز تک ان کے یہاں ہدایت کا یہی طریقہ مروج
تھا۔ چنانچہ کتاب جوگ با سنت اور رامائن اور بھاگوت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد یاس
نامی ایک شخص پیدا ہوا۔ اور شیطان کے بہکانے سے ان کا تمام مذہب برباد کر دیا۔ اور شرک اور بت پرستی
کو رواج دیا۔ پھر تو سب ہنود مشرک ہو گئے اور بت پرستی اختیار کی۔ البتہ قدیم سے ان کے یہاں یہ طریقہ جاری تھا
کہ جس طرح قومیں مختلف تھیں۔ مثلاً کاشتہ۔ کھتری اور مہاجن وغیرہ مختلف قومیں تھیں۔ اس کے اعتبار سے ان
مذہب بھی مختلف تھا۔ یعنی ہر قوم کا مذہب جدا گانہ تھا۔

ہم لوگوں کی بھی قدیم شریعتوں میں اس کی اصل ہے۔ چنانچہ ایسا طینی اسرائیل سے ہر سبط کے لئے خاص
خاص احکام جدا گانہ تھے۔ بلکہ ہماری شریعت میں بھی ایسا ہے کہ بعض احکام خاص بعض قوم کے لئے ہیں۔ چنانچہ
غس غنیمت کا مصرف بنی ہاشم ہیں اور مال غنیمت میں سے جو بعض اشخاص کو کسی خاص وجہ سے معمولی حصہ سے
کچھ زیادہ دیا جاتا ہے وہ بنی ہاشم کے لئے حرام ہے اور زکوٰۃ بھی ان کے لئے حرام ہے تو یہ احکام خاص بنی ہاشم کے
لئے ہیں۔ اور خلافت کا استحقاق خاص قریش کے لئے ہے اور مشرکین عرب سے جزیہ لینے کا حکم نہیں۔ ان سے صرف
اسلام قبول کیا جائے۔ یعنی ان کے بارے میں یہی حکم ہے کہ وہ اسلام لے آویں ورنہ ان کے ساتھ جہاد کیا جائے۔
ہنود کے ہاں ان کے اوتار منظر ہر حق کے گذرے ہیں۔ خواہ افراد بشر سے ہوں خواہ بشر و ناہی سے ہوں
جیسا کہ ہم لوگوں کو کی قدیم شریعت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اؤٹنی تھی۔ بیک
عوام ہنود نے کج فہمی سے ظاہر اور ظہر میں فرق نہیں کیا۔ اور سب کو معبود بنا دیا اور گمراہ ہو گئے۔ یہی حال اہل سلا
کے بھی بہت سے فرقوں کا ہوا۔ مثلاً تعزبہ داران اور مجاوران شہور اور جلالیان اور ملریان یہ سب فرقے بھی کج فہمی
سگمراہ ہوئے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

سوال : مصطفیٰ کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں اور مرتبے کا لفظ امیر المؤمنین
علی کرم اللہ وجہہ کے القاب میں اس قدر ان دونوں حضرات کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے کہ علم کی حد تک پہنچا ہے
کہ ان میں اس قدر تخصیص پائی نہیں جاتی۔ معلوم نہیں کہ کس وقت سے اس بات نے شہرت پائی ہے۔
جواب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب جو مصطفیٰ ہے اس کی وجہ مواہب لدنیہ اور
شامیہ اور شرح دلائل الخیرات میں مذکور ہے جو کہ حدیث میں ہے :-
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی مِنْ ذٰلِكَ اَبْرٰهٰیْمَ اَسْمٰعٰیْلَ وَاصْطَفٰی مِنْ ذٰلِكَ اِسْمٰعٰیْلَ

کمانۃ وامسطفی قریبشامن کمانۃ وامسطفی ہاشما من قریش وامسطفی فی من
بنی ہاشم۔ ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ
کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کمانۃ کو اور برگزیدہ کیا کمانۃ سے قریش کو اور برگزیدہ کیا قریش سے
ہاشم کو اور برگزیدہ کیا بنی ہاشم سے مجھ کو۔

اصطفیٰ کا لفظ حضرت موسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کی شان میں وارد ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ لفظ سب انبیاء اور رسول کے حق میں وارد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ آمَنُوا. ترجمہ: یعنی اور سلام ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کہ اللہ نے انکو برگزیدہ کیا۔

لیکن خاص اسی لیے جو کہ چند مرتبہ کے ساتھ مرتب واقع ہوا ہے مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے

سیرت شامیہ اور مواہب میں مذکور ہے کہ :-

المصطفیٰ من اشهر اسمائه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی مصطفیٰ کہ آخرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں زیادہ مشہور ہے؟

لیکن اس اسم کا استعمال صدور اول میں کم تھا۔ اور بات ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں دیکھی گئی ہے
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا لقب مرتضیٰ احادیث میں دیکھا نہیں گیا ہے۔ اور نہ صدر اول میں اس لفظ کا اطلاق
تھا اور صحیح احادیث میں آپ کی کنیت ابو ثراب اور ابوالریحان تین مروی اور ثابت ہے اور صحیح احادیث میں کیا
کا۔۔۔۔۔ ان القاب کے ساتھ ہونا لقب ہو نا بھی مروی اور ثابت ہے۔ ذمی القرنیں، یعسوب
الدین، صدیق، فاروق، سابق، یعسوب الامتہ، یعسوب المؤمنین، یعسوب قریش، بیفیتہ البلد، امین، شریف
مادی اور مہدی وغیرہ اور مرزا محمد بن معتمد خان حارثی نے جو کہ اس شہر کے مشہور مؤرخ ہیں۔ رسالہ فضائل خلفاء اور
رسالہ فضائل اہل بیت میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب مرتضیٰ ہونا ثابت ہے اور یہ دونوں
رسالے ان کے عمدہ تصانیف میں سے ہیں۔ لیکن اس وقت فقیر کو یاد نہیں کہ کس حدیث سے اس بابے میں استدلال کیا
جائے البتہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے روایت سے جو کہ حضرت سیدۃ النساء کی تزویج کے واقعہ میں سے مفہوم ہوتا
ہے کہ باوجود خطبہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سیدۃ النساء کی تزویج کے بابے میں
خطبہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مرتضیٰ اور مختار قرار پائے۔ فقط

سوال : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں اہل سنت اور شیعہ دونوں فرقہ کو ملتی ہے۔ اور ہر فرقہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم اپنے حال پر جو بنا بیان کرتے ہیں اور اپنے ملحق

حضرت علیؑ سے منہا بیان کرتے ہیں۔ خایا دونوں فرقوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں افراط و تفریط نہیں معلوم ہوتا اور خطرات شیطانی کو اس مقام میں دخل نہیں تو ایسے خواب کے بارے میں کیا جہال کرنا چاہیئے

(امام شاہ خانصاحب)

جواب : یہ جو حدیث شریف ہے :-

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى - ترجمہ: یعنی جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا ہے تو اس نے فی الواقع مجھ کو دیکھا ہے۔"

کرنے کے بعد جو خواب میں دیکھا ہے اس شخص کے بارے میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث خاص اس شخص کے بارے میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ہانک میں دیکھے جو بوقت وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک تھی۔ اور بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ حدیث عام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی وقت کی صورت میں دیکھے وہ خواب صحیح ہوگا۔ یعنی ابتدائے وقت سے تا وقت وفات جو انی اور کلاں سالی اور سفر و حضر اور صحت و مرض میں جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک تھی۔ ان صورتوں میں سے جس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو وہ خواب صحیح ہوگا۔ یعنی فی الواقع اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا۔ اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں سنی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ اسی طرح شیعہ نے کہی نہ دیکھا ہے اور فضیلت کا اعتبار نہیں تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا چار قسموں پر ہے۔ ایک قسم یہ ہے کہ اتصالِ تعین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔

ایک نیم روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے پیغمبروں کے ساتھ ہرگز نہیں رہتا۔
دوسری قسم ملتی ہے اور وہ متعلقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا وین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مطبوعہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت میں سالک کا درجہ
اور اس کے مانند اور جو امور ہیں تو ان امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مقدس میں دیکھنا پڑوے
مناسبات میں ہو جو فن تعبیر میں معتبر ہے ۔

www.dawateislami.net

۲۔ قیصری قسم رویائے نفسانی ہے کہ اپنے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صورت ہے۔ اس صورت میں دیکھنا اور یہ تینوں اقسام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے بارے میں صحیح ہیں۔

چوتھی قسم شیطانی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مقدس کے مطابق اپنی صورت خبیث بنا سکے۔ اور خواب میں دکھا دے، البتہ مغالطہ سے سکتا ہے، تیسرے قسم کے خواب میں بھی کبھی شیطان ایسا کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اور بات کے مشابہ شیطان بات کرتا ہے اور وسوسہ میں ڈالتا ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ نجم پڑھتے تھے۔ اور بعض آیات کے بعد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا تو شیطان نے کچھ عبارت خود بنا کر پڑھ دی

کہ اس سے بعض سامعین مشرکین کا شبہ قوی ہو گیا یہ روایت اوپر ایک مقام میں مفصل مذکور ہو چکی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں شیطان نے ایسا کیا تو خواب میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے شریعت میں ان احکام کا اعتبار نہیں جو خواب میں معلوم ہوں۔ خواب کی بات حدیث میں نہیں شمار کی جاتی اور اگر کاش کوئی بدعتی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں حکم فرمایا ہے کہ وہ حکم خلاف شرع ہو تو اس بدعتی کے قول پر کیا جائیگا۔ واللہ اعلم

میزان

سوال : میزان و پلصراط کی حقیقت کیا ہے؟ (از سوالات قاضی)

جواب : میزان رکھے جانے کے بیان میں جاننا چاہیئے کہ میزان قیامت کے دن پل صراط پر گزرنے کے قبل رکھی جائے گی اور بلاشبہ ملائکہ عقلی اور دلائل نقلی سے ثابت ہے اور دلائل نقلی ظاہری ہیں۔ البتہ دلیل عقلی یہ ہے کہ میزان اس واسطے رکھی جائے گی تاکہ اعمال وزن کرنے سے معلوم ہو جائیں کہ کون شخص جنت کا مستحق ہے اور کون شخص دوزخ کے قابل ہے تو چاہیئے کہ بہشت اور دوزخ میں جانے کے قبل میزان رکھی جائے گی۔ اور پل صراط پر یہ صرف وسیلہ ہے بہشت اور دوزخ میں جانے کے لئے کہ گویا داخل ہو جانے کے حکم میں ہے اور حضرت عائشہؓ کی جو یہ صحیح حدیث ہے۔

ان لکھت جند فی عینہ الصراط فاطلبنی عند المیزان۔ ترجمہ: یعنی آنحضرت نے فرمایا اگر تم مجھ کو پل صراط کے نزدیک نہ پاؤ تو چاہیئے کہ مجھ کو میزان کے نزدیک تلاش کرو۔

تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث بیان مذکور کے خلاف ہے یہ مسئلہ حضرت والدمرحم قدس سرہ العزیز کے حضور میں بار بار پیش ہوا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پل صراط میزان سے پہلے رکھی جائے گی۔ بلکہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ چاہیئے کہ مجھ کو ان تین جگہوں میں تلاش کرو۔ اس واسطے کہ کبھی اس مقام میں ہوگا اور کبھی اس مقام میں نہ ہوگا چنانچہ اس حدیث کے اخیر میں ہے۔

خانی لا اکاذخ فی ہذا الموطن الثلاثۃ۔ ترجمہ: یعنی اس واسطے کہ ایسا ہوگا کہ میں ان تینوں مقامات سے کس وقت کہیں رہوں۔

تو یہ عبارت اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اس لئے صورت یہ ہوگی کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میزان کے نزدیک تشریف لے جائیں گے۔ اور پھر جب اپنی امت کی ایک جماعت کو اعمال کے وزن کرنے کے مناسبت سے رہا فرمائیں گے اور وہ لوگ بہشت کی طرف روانہ ہوں گے۔ اور پل صراط پر گزرنے کے وقت ان کے ہاتھ

میں تشریف ہوگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ملائکہ تشریف لے جائیں گے۔ اور ان کی مدد فرمائیں گے۔ اور ان کو صحیح و سالم بہشت میں روانہ فرمائیں گے اور جب وہاں سے فارغ ہوں گے۔ تو پھر میزان کے پاس تشریف لائیں گے اور اپنی امت کے دوسرے لوگوں کو اعمال کے وزن کرنے کے مناسبت سے رہا فرمائیں گے۔ جب ان کو بھی پل صراط سے گزرنے میں دقت پیش آئے گی تو پھر ملائکہ تشریف لے جائیں گے۔ اور ان کی مدد فرمائیں گے۔ اور صحیح و سالم ان کو بہشت میں روانہ فرمائیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس چند مرتبہ ایسا ہی عمل وقوع میں آئے گا۔ تو ان دونوں عمل میں تعارض نہیں حضرت والدمرحم قدس سرہ العزیز اس کی مثال یہ فرماتے تھے کہ مثلاً جب کوئی شخص نیافت کی مجلس منعقد کرے اور مہانوں اور برائیوں کے کھلانے میں مشغول ہو جائے۔ اور اس سے کوئی شخص پوچھے کہ میں تم کو تلاش کروں گا اور کہاں پہنچاؤں گا تو وہ کہہ سکتا ہے کہ پہلے مجھ کو مجلس میں تلاش کرنا اگر وہاں بھی نہ پاؤ تو کھانے کی دیک کے پاس کروں کھانا انہیں لایا جاتا ہے مجھ کو تلاش کرنا۔ اگر وہاں بھی نہ پاؤ تو پھر مجلس میں مجھ کو تلاش کرنا تو وہ رئیس اس طرح کہہ سکتا ہے حالانکہ کما تقسیم کرنے کی جگہ میں رہنے سے مجلس میں بیٹھنا مقدم ہوتا ہے۔ تو ایسا ہی یہ امر بھی ہے جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے۔ تو اس میں کچھ اشکال نہیں اس واسطے کہ دیادی اضطراب میں مثلاً لڑائی اور شادی وغیرہ کے سامان میں دوسرا اور سرداروں کی جو حالت ہوتی ہے جب ہم اس پر نظر کرتے ہیں تو یہی حال ان کا بھی پاتے ہیں کہ اسی طرح کا آمد و رفت کا تردد ان کو لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ سب ریاست اور سرداری کا مقتضایہ ہے کہ ہر مہم کا اہتمام روسا و سرداروں کے متعلق ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (از سوالات قاضی)

سوال : شفاعت انبیاء و شہداء و علماء کے بارے میں کیا بیان ہے؟

جواب : فرمایا جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ۔

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ وَمَنْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ أَلْبَابٍ شَهِدَ الْعِلْمَ ثَقُلَ الشَّهَادَةُ فِي طَرِيقَةِ الْإِيمَانِ شَرَحَ الْوَسِيَّةَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَاتُ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ كُلُّ بَابٍ مِنْهَا جُزْءٌ مَقْسُومٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَجَبِيلٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ هَذِهِ الْأَبْوَابُ قَالَ لِأَصْحَابِ الْكِبَارِ مَنْ أَمْتَلِ إِذَا مَا تَوَاقَفَ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ فَيُعَذِّبُهُمْ بِقَدَرِ ذُنُوبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِشَفَاعَتِكَ ذِيكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَخَلَ مَنْزِلَهُ وَلَمْ يَخْرُجْ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ مَعَ أَحَدٍ مِنَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ثُمَّ وَعَدَ اللَّهُ تَعَالَى بِالشَّفَاعَةِ ثُمَّ الْحَيَوَانَ وَالْحَشَرَاتِ لِمَنْ شَفَاعَةُ لِمَنْ رَحِمَهُمْ وَأَطَعَهُمْ وَسَقَاهُمْ وَكَذَلِكَ الْبَشَرُ يَشْفَعُونَ لِأَهْلِهَا أَنْتَهَى۔

ترجمہ: فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شفاعت کریں گے قیامت کے دن تین فرقے کے لوگ

انیاء پھران کے بعد علماء پھران کے بعد علماء شفاعت کریں گے۔ طریقۃ الایمان شرح وصیت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جس کا مضمون یہ ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لئے جدا گانہ حصہ ہے۔ تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ سات دروازے کس کے واسطے ہیں تو حضرت جبریل نے کہا کہ آپ کی امت سے جو لوگ گناہ کبیرہ کریں گے اور بغیر توبہ کئے ہوئے مر جائیں گے۔ انہیں لوگوں کے واسطے یہ سات دروازے ہیں تو ان لوگوں کے گناہ کے موافق اللہ جل شانہ ان پر عذاب کریں گے۔ پھران لوگوں کو آپ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے گا تو یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روئے۔ اور اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے باہر تشریف نہ لائے۔ اور نہ کسی سے کلام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا وعدہ فرمایا۔ پھر حیوان اور حشرات الارض ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن لوگوں نے ان حیوان اور حشرات الارض پر مہربانی کی ہوگی اور انکو کھلایا پلایا ہوگا۔ اور ایسا ہی صدقات اور ہر طرح کی کمالات ان لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ جن لوگوں نے وہ صدقہ دیا ہوگا اور اطاعت کی ہوگی حتیٰ کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی ہوگی ان لوگوں کی شفاعت وہ مسجد کریگی اور جن لوگوں نے جائے نماز دی ہوگی تو ان لوگوں کی شفاعت وہ جائے نماز کرے گی اور جن لوگوں نے مسجد میں چھاڑ دئے اس وقت صاف کیا تھا۔ تو مسجد کا وہ کوڑا ان لوگوں کی شفاعت کرے گا۔

سوال : امت کی شفاعت صرف حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یا اصحاب کبار بھی شفاعت کر سکیں گے اور حضرات صحابہ کبارہ کی تابعداری میں کیا فائدہ ہے۔ اور ان صاحبوں کی عداوت میں کیا نقصان ہے ؟

جواب : امور دنیا اور آخرت میں شفاعت سے یہ مراد ہے کہ گناہوں اور فعل حرام کی معافی کے لئے سوال کیا جائے۔ از روئے لغت شفاعت کا لفظ عام ہے۔ شفاعت مجرمی اور شفاعت ذلومی دونوں کو شامل ہے، شفاعت مجرمی ایک شخص دوسرے شخص کے بارے میں اور تابع مقبوع کے حق میں کر سکتا ہے۔ شفاعت ذلومی بواسطہ کسی وسیلے کے اور بلا واسطہ بھی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لئے مرید کے واسطے مرشد واسطہ ہو سکے گا۔ اور متعلم کے واسطے استاد شفاعت کا واسطہ ہو سکے گا۔ اور صحابہ کرام کی تابعداری نقصان سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ سے وہ ثابت ہوتی ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أَوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

ترجمہ : یعنی تابعداری کرو اللہ جل شانہ کی اور تابع داری کرو رسول کی اور ان لوگوں کی تابعداری کرو جو قوم لوگوں میں سے صاحبان امر ہوں۔

یہ حکم اس حدیث صحیح سے بھی ثابت ہے :-

أَخْبَانِي كَالْتَجَنُّمِ بِأَيْدِيهِمْ أَفْتَدِيَتْهُ أَهْلُ يَثْرِبَ - ترجمہ : یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ نہ ستاروں کے مانند ہیں۔ ان میں سے جن کی پیروی تم لوگ کرو گے سیدھی راہ پاؤ گے۔

تو جو لوگ صحابہ کبار کی پیروی کریں گے وہ لوگ سیدھی راہ پائیں گے اور جو لوگ صحابہ کبار سے عداوت کریں گے ان کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

سوال : یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز واجب تھی۔ کیونکہ واجب وہ ہے جو دلیل نقلی سے ثابت ہو۔ اور سجدہ ہو محض ترک واجب سے لازم ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ سہو کا حکم نہ رہا ہوگا۔ اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین مرتبہ سجدہ سہو کیا۔

جواب : مسلم کی شرحوں میں مذکور ہے کہ بعض امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی واجب تھے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ اجتہاد کا بھی حاصل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی بعض احکام اجتہادینہ نقلی تھے۔ اس کی یہ صورت ہوئی کہ کسی آیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ظن غالب ہو کہ ان آیت کا معنی یہ ہے۔ اور کسی وجہ سے یہ بھی احتمال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا کہ اس معنی کے سوا کوئی دوسرا معنی اس آیت کا ہوا اور اس کی یہ بھی صورت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ظن غالب ہو کہ فلاں فرد اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے کیونکہ جو امور اس آیت میں مذکور ہیں ان میں سے اکثر اس فرد میں موجود ہیں اور کچھ خفیف فرق کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی احتمال ہوا کہ وہ فرد اس آیت میں داخل نہیں تو ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی حکم واجب رہا ہو۔ علاوہ اس کے نفس الامر میں سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی فرض یا سنت ترک ہو جائے۔ تو یہ احتمال ہے کہ جس کو ہم لوگ واجب جانتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں سنت یا فرض رہا ہے اور وہ کبھی ترک ہو گیا ہو اور اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کا کیا اور یہ جو ہم لوگ کا قول ہے کہ سجدہ سہو کا اس لئے کیا جاتا ہے کہ ترک واجب کا نقصان دفع ہو جائے۔ تو ہم لوگ نے علم کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ باعتماد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حاصل کلام یہ کہ حنفیہ کا یہ قول ہے کہ واجب کے ترک سے نماز میں نقصان ہو جاتا ہے تو اس کے واجب کے عوض میں دو سجدے سہو کر لیتے ہیں کہ نماز میں جو نقصان ہوا ہے وہ دفع ہو جائے۔ یعنی نماز کا مکمل ہو جائے فقہ کا یہ قول باعتبار علم امت ہے۔ بلکہ یہ قول خاص باعتبار عقیدہ حنفیہ کے ہے اور شافعیہ کے نزدیک سجدہ سہو انماثرت میں واجب ہوتا ہے کہ کوئی فرض یا سنت ترک ہو جائے۔ تو جیسا کہ شافعیہ کا علم حنفیہ کے اس

ہے کہ قسم اول تفضیل میں بحث کی جائے۔ تو جانا چاہیے کہ تفضیل باعتبار ثواب و درجات آخرت کے ہونا قطعاً قطعیہ کے باعتبار نسب کے نہیں۔ بلکہ ایسی تفضیل باعتبار تقویٰ و احتیاط کے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
 اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ ترجمہ: "یعنی زیادہ بزرگ تم لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم لوگوں میں زیادہ پرہیزگار ہے۔"

ایسا ہی احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ سب آدمی اولاد حضرت علیہ السلام کی ہیں۔ اور حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے کسی کو فضیلت کسی دوسرے پر نہیں مگر باعتبار دین و تقویٰ کے تو یہ ممکن ہے کہ باعتبار دین و تقویٰ کے اولاد ارفال کو فضیلت ہو جائے اولاد اشراف پر اور اگر کہیں مضمون اس شعر کا ہے۔

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابو جہل اس چہ پو العجی است
 یعنی حضرت حسن بصرہ میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت بلال بن حبش میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت صہیب بن روم میں پیدا ہوئے۔ اور خاک مکہ منظمہ سے ابو جہل پیدا ہوا۔ یہ کیا عجیب بات ہے۔

اور شریعہ میں یہ تفضیل ثابت ہے۔ یعنی شرعیہ بات ثابت ہے کہ فضیلت باعتبار تقویٰ ہوتی ہے۔ اور دو قسم کی تفضیل اور بھی ہے۔ کہ بعض احکام شرعیہ میں اس کا اعتنا ہے۔

۱۔ پہلی قسم کفو ہونا ہے۔ دربارہ نکاح کے اور تمام قریش اس میں برابر ہیں۔ چنانچہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ قُرَیْشٌ کُلُّهُمْ اَکْفَرُ وَ بَعْضُهُمْ اَبْلَغُ۔

یعنی قریش سب برابر ہیں بعض قریش کفو ہیں بعض قریش کے۔ قریش کے سوا جو دوسرے لوگ ہیں وہ قریش کے کفو نہیں۔

۲۔ دوسری قسم تفضیل کی باعتبار شرافت قریب ہونے قرابت نسب کے ہے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس قسم کی فضیلت بنی ہاشم کو ہے ان لوگوں پر جو لوگ بنی ہاشم کے سوا ہیں اسی وجہ سے ثابت ہوا کہ خمس غنیمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربی کا جو حصہ ہے وہ بنی ہاشم میں صرف کرنا چاہیے۔ اور مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام ہے۔ اور بنی عبد المطلب کو ان لوگوں پر کہ بنی عبد المطلب کے سوا ہیں ایک طرح کی دوسری شرافت ہے جو حدیث میں وارد ہے کہ:-

مَا مِنْ اَحَدٍ لَّهِ يَنْتَعِلُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ دَوْلَةِ عَبْدِ الْمَطْلِبِ اِلَّا اَنَا اُكْفِيْهِ بِكَامَاتِ الْقِيَامَةِ؛

"یعنی کسی شخص کا احسان جو ایسے کسی شخص پر ہوگا جو بنی عبد المطلب سے ہو تو میں ضرور اس کی مکافات قیامت میں کروں گا۔"

اور شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی عبد المطلب کے حق میں پہلے ہوگی۔ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:-

اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعَهُ مِنْ اُمَّتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ ثُمَّ الْاَقْرَبُ مَا لَا قَرْبَ مِنْ قَدِيشِ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہلے شفاعت اپنے امت میں اپنے اہل بیت کی کروں گا۔ پھر ان کے بعد پہلے شفاعت ان لوگوں کی کروں گا جو قریش میں سے ہوں گے اور ان کی قرابت ہمارے ساتھ زیادہ قریب ہوگی۔

پھر اسی طرح شفاعت درجہ بدرجہ قریش میں ہوتی ہے گی کہ بعد شفاعت جو لوگ باقی رہ جائیں گے پھر ان لوگوں میں جو قرابت میں مجھ سے زیادہ قریب ہوگا اس کی شفاعت کروں گا۔ ظاہر ہے کہ باعتبار قرابت نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر بنی عبد المطلب قریب ہیں اس قدر کوئی دوسرا قریب نہیں۔ تو اگر کسی شخص کا یہ کلام ہے کہ فضیلت ہے اولاد شیخین کو اولاد عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ تو اس کی مراد یہ ہے کہ فضیلت باعتبار شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ یعنی شفاعت حق میں اولاد شیخین کے پہلے ہو گی اور ان کے بعد اولاد عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی۔ تو یہ مراد اوپر کی حدیث سے صراحتہ باطل ہے۔ اور اگر اس کی کوئی دوسری مراد ہے تو چاہیے کہ وہ بیان کرے تاکہ اس میں کلام کیا جائے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا خاص طور پر حق میں اولاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کی ہے۔ چنانچہ مضمون سوال پر مذکور ہے۔ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تفضیل شیخین کی نزاع باعث ہوئی ہے تفضیل اولاد شیخین کی نزاع کے لئے اور یہ امر صراحتہ باطل ہے۔ اس واسطے کہ یہ لازم نہیں کہ افضل کی اولاد بھی افضل ہو۔ مگر اس صورت میں یہ جو کہتا ہے جیکہ فضیلت باعتبار قرابت نسب کے دی جائے۔ اور یہ یہاں اول ہی سے مفقود ہے۔

سوال: معراج کا حال روایات کی روشنی میں بیان فرمائیے؟

جواب: جب حضرت خدیجہ نے انتقال فرمایا تو ان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا۔ اس کے بعد جب تین مہینے گزرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوال میں کہ بعثت سے دسواں سال شروع ہوا تھا طائف میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مہینہ رونق افروز رہے۔ پھر وہاں سے مراجعت فرمائی اور نخلہ میں نزول فرمایا اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جنات نے قرآن شریف سنا۔ اور اسی سال جب ربیع الاول کا ماہ مبارک آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت بیداری اپنی روح اور بدن مبارک کے ساتھ مسجد حرام سے معراج کے لئے تشریف لے گئے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ہجرت سے ایک برس یا پانچ ماہ قبل معراج تشریف ہوئی۔ اس قول کی بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ شوال میں معراج ہوئی تھی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ رجب میں معراج ہوئی تھی۔ یہ قول ابن عبد البر

نے نقل کیا ہے اور یہی قول ابن قتیبہ کا بھی ہے اور لوزی نے بھی اپنی کتاب روضہ میں لکھا ہے۔ تاہم تاریخ کے باب میں بعض علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ شب ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی۔ اور حافظ عبد الغنی کے اور قدسی کے نزدیک یہی قول مختار ہے اور شبہ کی شب کو معراج ہوئی تھی۔ بعض علماء کے نزدیک ثابت ہے کہ شب چہارم کو معراج ہوئی تھی۔ شب کو معراج اس وجہ سے ہوئی کہ شب کو دن پر شرف ہے اور یہ وجہ بھی ہوئی کہ شب محبوب الہی کا وقت ہے۔ بعض علماء کی تحقیق ہے کہ اس وجہ سے شب کو معراج ہوئی تاکہ مؤمنین بلا دیکھے ہوئے نور ایمان کی وجہ سے تصدیق کریں اور کمال ایمان کے مرتبے سے مشرف ہوں اور کفار و دشمنان و بن تکذیب کریں اور کفر ان کا یقین زیادہ ہو۔

اس باب میں روایات میں اختلاف ہے کہ کس مقام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو اُٹھیں گے اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس وقت حیم میں تھا۔ اور بعض روایات میں حجر کا لفظ ہے صحیح بخاری میں کتاب بدر اُمتلح کے شروع میں ہے :- میں بیت الاحرام کے پاس تھا۔ ثمری نے انس بن ابی زرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے بیان میں ارشاد فرمایا کہ مکہ معظمہ میں میرے مکان کی چھت میں کچھ جگہ خالی کی گئی۔ واقعہ نے اپنے اس بارے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کے لئے شعب ابی طالب سے گیا۔ طبرانی کے نزدیک ثابت ہے کہ امّ مانی رہنے کی حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں امّ مانی رہنے کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت امّ مانی نے فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے بعد نہ پایا۔

ان روایات میں تطبیق اس طرح ہوئی ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امّ مانی رہنے کے گھر خواب استراحت فرمایا شعب ابی طالب کے نزدیک اور اسی گھر کی چھت کچھ جگہ خالی کی گئی اور اس مقام سے فرشتہ نازل ہوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتے کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور فرشتہ کا کچھ اثر ہنوز باقی تھا۔ تو فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے باہر لے گیا۔ اور وہ فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ اور روایت میں شریک کے حضرت انس رہنے سے مروی ہے کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی نہ آئی تھی کہ تین نفر آئے۔ خطابی نے انکار کیا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے اور ایسا ہی قاضی عیاض نے بھی اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے۔ البتہ ابن حجر نے اکثر رواۃ کی متابعت سے اس کی تائید کی ہے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سینہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چاک کیا اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے طشت لے آئے تھے۔ پس اس کو آب زمزم سے دھویا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر ملا اور سینہ مبارک ایمان اور حکمت سے پر کیا گیا۔ اس میں سے خون بستہ سیاہ نکلا لایا کہ اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

یہ معاملہ بس قبیل سے ہوا جلیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں ذبح کا معاملہ ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس حالت میں زندہ ہے یہ خرق عادت سے ہوا۔ کہ نفس کا تعلق بدن کے ساتھ باقی رہا اور دل نکالنے سے وہ تعلق زائل نہ ہوا۔ اور سونے کے طشت کا استعمال اس جہاں میں ہوا کہ وہ بمنزلہ آخرت کے ہے۔ اس وجہ سے اس میں کوئی قباحت شرعاً لازم نہیں آئی۔ اور اس وقت تک سونے کا استعمال مرد کے لئے ابھی حرام نہیں ہوا تھا۔ اور جس طرح شیر خوار بچہ کی تربیت دودھ سے کی جاتی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کی تربیت حکمت اور ایمان سے اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور جس طرح آخرت میں موت مینڈھے کی صورت میں ظاہر کی جائے گی۔ تو گویا اسی طرح اس وقت ایمان اور حکمت کی مہیئت دودھ کی صورت میں ظاہر کی گئی۔

پھر ایک جانور یعنی براق حاضر کیا گیا۔ کہ پھر سے چھوٹا تھا اور گدھے سے بڑا تھا۔ رنگ اس کا سفید تھا۔ ایسا تیز رفتار تھا کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ جب پہاڑ پر چڑھتا تھا تو اس کے دونوں پاؤں مرتفع ہو جاتے تھے۔ اور جب اُترتا تھا تو اس کے دونوں پاؤں مرتفع ہو جاتے تھے۔

ابن سعید کی روایت میں دابہ سے مروی ہے کہ اس کے دونوں بازو میں پر تھے۔ اور ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ کسی دوسری روایت میں نہیں نقلی نے ذکر کیا ہے اور یہ سند نہایت ضعیف ہے۔ کہ اس کا رخسارہ انسان کے رخسارہ کے مانند تھا اور گھوڑے کے مانند اس کی گردن میں ہال تھے۔ اور اونٹ کے پاؤں کے مانند اس کے پاؤں تھے اور گائے کے کھڑ اور دھم کے مانند اس کے کھڑ اور دھم تھے۔ سینہ اس کا یا قوت سرخ کا تھا۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی رکاب تھامی اور حضرت میکائیل نے لگام پکڑی۔ معمرہ کی روایت میں قتادہ سے مروی ہے کہ زین کسا ہوا تھا اور لگام دی ہوئی تھی۔ پس براق نے شوخی شروع کی۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شوخی کرتا ہے۔ اس کا کیا باعث ہے۔ قسم اللہ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ افضل اب تک کوئی شخص پر سوار نہیں ہوا۔ پس یہ سننے سے براق کو عرق آگیا۔ دایت تندی نے بیان کی ہے کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حتی کہ براق زمین کے ساتھ چسپاں ہو گیا یعنی شوخی چھوڑ دی اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمین کے ساتھ چسپاں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جست فرما کر اس پر سوار ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ براق انبیاء علیہم السلام کی سواری کا تھا اور مغازی ابن عابدین لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے براق پر سوار ہو کر تشریف لایا کرتے تھے۔ اور حذیفہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر براق پر سوار تھے۔ حتی کہ بیت المقدس میں پہنچے۔ مگر یہ مضمون کسی دوسری روایت سے ثابت نہیں۔ حذیفہ کا بھی یہ بیان نہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہ نے شاید اپنے قیاس سے یہ بات کہی ہے۔ اصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام براق کے آگے یا پیچھے جاتے تھے۔ لیکن ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح ابن جان میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براق پہنچے سوار کرایا۔

بزار اور طبرانی اور بیہقی کے نزدیک ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول ذات نخل کی زمین پر گذرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ اتریں اور نماز پڑھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طیبہ ہے۔ یہاں ہجرت کی جائے گی تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ اتریں اور نماز پڑھیں۔ یہ مدینہ ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طور سینا کے سامنے پہنچے۔ پھر ایسا ہی مقام مولہ عیسیٰ میں پہنچے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مشابہت میں رہے کہ آگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ایک بوڑھی عورت پر پڑی کہ راستے کے کنارے پر تھی اور بلائی تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ دنیا ہے آپ کو اپنی طرف بلاتی ہے۔ پھر راستے کے دامنے جانب پہنچا داعی ملاحظہ فرمایا اور راستے کے بائیں جانب نصاریٰ کا داعی ملاحظہ فرمایا۔ پھر آگاہ ملاحظہ فرمایا کہ ایک شیخ ہے کہ راستے سے پھیرتا ہے اور بلاتا ہے کہ ادھر آئیے۔ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ شیطان ہے۔ پھر تین بزرگ کو ملاحظہ فرمایا کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام کو سلام کیا۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان حضرات نے کہا: یا اَحْمَدُ یا حَاشِیَہ یا اَوَّلُ

یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ اپنی قبر میں کیشب احمر کے پاس راستے سے داعی طرف نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔

بزار اور طبرانی کے نزدیک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آگاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام میں پہنچے تو وہاں ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ ہیں کہ ہر روز غلہ بوٹے ہیں اور کاٹتے ہیں اور ہر چند وہ کاٹتے ہیں مگر ان کی زراعت کم نہیں ہوتی ہمیشہ ایک طور پر برابر رہتی ہے۔ یہ لوگ مجاہدین تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں تو اس کا ثواب سات سو درجہ زیادہ کر دیا جاتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے کہ ان کا سب پتھر سے توڑا جاتا تھا یہ لوگ تھے کہ فرض نماز ادا کرنا ان پر بار گذرتا تھا۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گذرے کہ وہ لوگ جانوروں کی طرح چرتے تھے۔ اور کبچ سینہ کھاتے تھے۔ اور وزخ میں پتھر گرم کر کے اس سے اُن کو تپاتا تھا۔ یہ لوگ وہ تھے کہ اُن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے کہ ان کے سامنے دیگوں میں پاکیزہ گوشت پکایا ہوا موجود تھا۔ مگر نہیں کھاتے تھے اور دوسری دیگوں میں مڑا ہوا بدبودار گوشت تھا وہ کھاتے تھے۔ اور وہ لوگ وہ اشخاص تھے کہ اپنی حلال بیویوں کی جانب التفات نہ کرتے اور حرام کی خواہش کرتے ہیں۔ پھر ایک شخص کے پاس سے گذرے کہ بڑا گتھے یعنی بوجھ بکری کا اپنے اوپر لئے ہوئے تھا اور اٹھا نہ سکتا تھا۔ اور اس پر اور زیادہ انبار رکھے جاتا تھا۔ اور وہ غائب تھا کہ لوگوں کی امانت اپنے پاس رکھتا اور اس کو غائب کیا کرتا تھا۔ اور پھر جانتا کہ اس کے پاس اور بھی امانت رکھی جائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کے

پاس سے گذرے کہ وہ لوگ اپنی زبان اور اپنا ہونٹ لوسے کی مقرر امن سے کاٹتے تھے۔ اور فوراً بجنسہ درست ہو جایا کرتا تھا۔ یہ لوگ مفسدین خطیب تھے۔

پھر جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسے مقام میں ہوا کہ وہاں چھوٹا بل تھا یعنی زمین میں سوراخ تھا۔ اس سے ایک بڑا اثر نکلا اور وہ چاہتا تھا کہ پھر اس میں چلا جائے مگر نہ جاسکتا تھا۔ یہ صورت اشخاص کی تھی کہ وہ کوئی کلمہ عظیم کہہ دیتا ہے اور پھر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے اور اس کے بائیں میں جواب نہیں دے سکتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک پاکیزہ وادی سے گذرے کہ وہاں عمدہ خوشبو معلوم ہوتی تھی۔ اور بہتر آواز سنائی دیتی تھی وہ بہشت کی آواز تھی۔ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتی تھی اس امر کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا فرمائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی وادی کی طرف گزرتے کہ وہ وادی سابق وادی کے خلاف تھی۔ اور وہ جگہ جہنم تھی۔

بیہقی کے نزدیک ابوسعید کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب مقامات اس وقت دیکھے جب آسمان دنیا کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس روایت میں اس سے کچھ زیادہ ہے۔ یعنی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے لوگوں کی طرف گذرے کہ ان کا شکم گھڑے کی مانند بڑھتا اس میں سانپ تھے کہ وہ باہر سے نظر آتے تھے اور ان میں سے ایک سانپ دوسرے کو کاٹتا تھا۔ یہ لوگ سوڈو تھے۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گذرے کہ ان کا ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کی طرح تھا۔ وہ لوگ آگ کا آہوتی تھے ان کے نیچے سے نکلا کرتا تھا۔ یہ وہ اشخاص تھے کہ علم سے تمیوں کا مال کھاتے ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عورتوں کی طرف گذرے کہ ان کا ہاتھ بندھا تھا اور نہ کھانا نہ شفا نہ ہوتے اور وہ زانیہ عورتیں تھیں۔ پھر ایسے لوگوں کی طرف گذرے کہ ان کے پیو کا گوشت کاٹا جاتا تھا۔ اور وہ لوگ اپنے دانتوں سے کھاتے تھے۔ وہ لوگ چنل خور تھے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے باہر پہنچے تو اس کا دروازہ کھلا ہوا پایا۔ اور اس روایت میں ہر نقل کا قند بھی ہے۔ بیہقی کی روایت میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براق حلقہ میں باندھ دیا کہ اسی حلقہ میں انبیاء علیہم السلام رہیں سو ان کا جاننا ہوتا کہ وہ اس حلقہ بندہ یا حلقہ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے چنگلی سے اس کا سبب صاف کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سامنے مسجد میں نماز پڑھی جس جگہ محراب حضرت عمر کا ہے اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح موجود کی گئیں اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے جو کمالات مرحمت فرمائے ہیں۔ اس کے شکر میں انبیاء علیہم السلام نے خالق کون و مکان کی صفت و ثناء بیان کی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو فضیلت دی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے سب انبیاء علیہم السلام کو فضیلت مرحمت ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہاں حضرت آدم علیہ السلام اور باقی انبیاء علیہم السلام سب موجود کئے گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب انبیاء علیہم السلام کو لے کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ ہر نبی نے دوسرے نبی کو امام ہونے کے لئے کہا جتنی کہ پھر سب انبیاء علیہم السلام نے بالاتفاق جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بڑھا دیا اور امام بنایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آگے بڑھا دیا اور امام کیا اور صرف دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حضرت جبرائیل علیہ السلام دو برتن لے آئے ایک برتن میں شراب تھی اور دوسرے برتن میں دودھ تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ اختیار فرمایا۔ بزاز کی روایت میں ہے کہ تین برتن لے آئے۔ اور تیسرے میں شہد تھا۔ یعنی ایک برتن میں شراب دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔

شہادین اس کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نماز پڑھی پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق مجھ کو تشنگی معلوم ہوئی۔ اور میرے پاس دو برتن حاضر کئے گئے۔ ایک میں شہد تھا اور دوسرے میں دودھ تھا۔ تو معلوم ہوا کہ دو مرتبہ برتن حاضر کئے گئے۔ سدرہ کے نزدیک اور بوقت ملاحظہ فرمانے چاہئے کہ نماز کے بعد مسجد کے صحن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حور عین کو دیکھا۔ بعض روایات میں ہے کہ جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آسمان پر نماز پڑھی۔ واللہ اعلم ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بیت المقدس کے امور سے فارغ ہوا۔ تو معراج یعنی زمینہ حاضر کیا گیا۔ اور میں نے اس سے بہتر کوئی چیز کبھی نہ دیکھی ہے اور وہ وہی چیز ہے کہ اس کی طرف انسان مرض الموت میں ٹھٹھکی لگا کر دیکھتا ہے۔ اور اسی پر مؤمنین کی رُوح چڑھ کر اوپر جاتی ہے۔ حضرت کعب بنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا تمام زمینہ اس طور پر ہے کہ ایک زمینہ سونے کا ہے۔ اور ایک زمینہ چاندی کا ہے اور اس کے داہنے بائیں دونوں طرف فرشتے رہتے ہیں۔ اس کی جگہ جنت الفردوس ہے اور وہ جو اہرات سے جڑا ہے۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمینہ پر چڑھ کر آسمان کے دروازوں یا سے ایک دروازے پر پہنچے کہ اس دروازے کا نام باب الحفظ ہے۔ اور اس دروازے پر ایک فرشتہ متین ہے اس کا نام اسمعیل ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہ دروازہ ٹھونکا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اہل آسمان نے پوچھا کہ کون ہے؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اصل حال سے آگاہ کیا۔ تو اہل آسمان خوش ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور کہا۔ مَرَحَبًا وَاهْلًا فَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ یعنی خوشی ہے آپ اہل کے پاس تشریف لے آئے

اور آپ کی کیا خوب یہ آمد ہوئی کہ آپ تشریف لائے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان دنیا پر نیل اور قرأت دیکھا۔ یعنی ان دونوں دریا کی اصل وہاں ملاحظہ فرمائی۔ ظاہر اس کے خلاف مالک بن صعصعہ کی حدیث میں ہے۔ اس واسطے کہ اس حدیث میں سدرۃ المنتہی کے ذکر کے بعد مذکور ہے کہ اس کی جڑ میں چار نہریں تھیں۔ اور ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہوتی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ منبع نیل اور قرأت کا سدرۃ المنتہی کا جڑ میں ہے۔ یعنی وہاں سے یہ دونوں نہریں نکلی ہیں۔ اور آسمان دنیا پر یہ دونوں نہریں جاری ہیں اور وہاں سے زمین پر جاری ہوئی ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ ناگاہ وہاں ایک دوسری نہر دیکھی اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اہل عین اور اہل شمال کے یعنی نیک اور بد کو بھی ملاحظہ فرمایا اور دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کبھی بیٹے ہیں اور کبھی روتے ہیں۔ یعنی جب اپنی نیک اولاد کی طرف نظر کرتے تھے تو روتے تھے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں دونوں خلیفے بھائی حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا۔ اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا۔ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملاحظہ فرمایا۔

ابن شہاب کی روایت میں اس کے خلاف ہے یعنی ابن شہاب نے روایت کی ہے کہ چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ساتویں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور ثامنیت اور قنادہ کے نزدیک پہلی روایت ثابت ہے۔ اور ثامنیت اور قنادہ کے موافق یزید ابن ابی مالک بن انس رحمہ

نے بھی روایت کی ہے۔ اور ان ہی رواۃ کے موافق ابوسعید رحمہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور مالک بن صعصعہ کی روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ بیٹھے ہیں لگائے ہوئے تھے اور دوسری روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جب اس جہاں کی طرف رجوع کیا تو پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ملاقات ہوئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تاکید کی کہ پچاس وقت کی فرض نماز سے کم کرنے کے لئے سعی فرمائیں اور وہاں موسیٰ علیہ السلام روئے اور اسی وقت حضرت موسیٰ کا یہ کلام بھی ہے کہ مجھ کو گمان نہ تھا کہ مجھ سے زیادہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دوسرا ہے۔ اموی نے ایک روایت میں اس قدر زیادہ کہا ہے کہ اگر یہ نہ تھا ہوتا تو یہ امر یقیناً پچاس وقت کی نماز کا حکم آسان تھا۔ لیکن آپ کے ساتھ آپ کی امت بھی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حال ذکر کیا ہے کہ آپ کو نصف حسن دیا گیا ہے بطرائف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناگاہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین

ہیں۔ اور ان کی فضیلت حسن میں اور سب لوگوں پر ایسی ہے کہ جس طرح چودھویں شب کے چاند سب متاثر ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان ہی انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ان انبیاء علیہم السلام کے حال کے مانند ہوا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی جیسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہود نے عداوت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب دیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود نے عداوت کی اور ان حضرات کو فریب دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی۔ جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے۔ حضرت یوسف کو دی اور علوم اور معارف اور جوامع الکلم اور رفعت درجات شینا فشینا جس طرح نہایت ادب سے نبی علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اسی طرح یہ تمام چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مرحمت ہوئیں۔ اور جس طرح حضرت یارون علیہ السلام کو اپنی قوم کے ساتھ محبت تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ محبت ہے اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ منافقین اور جہاں کے ساتھ تھا۔ اور ان کی ایذا رسانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تحمل فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بھی منافقین اور جہاں کے ساتھ ہوا اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمان پر بیٹھ المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اسی طرح جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجۃ الوداع میں بیٹھ اللہ احرام کے ساتھ پیٹھ سے ٹیک لگائی تھی۔ اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے امام ہوئے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب لوگوں کے امام ہوئے۔ یعنی ان انبیاء کرام میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ان امور مذکورہ میں مشابہت ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت برنسبت اور انبیاء کے کہیں زیادہ ہے۔

سندۃ المنتہی کو منتہی اس لئے کہتے ہیں کہ ارواح اور اعمال اور حفظ کی پہنچنے کی منتہی وہی جگہ ہے۔ اور وہاں جو چیز اوپر جانے کی ہے وہ اٹھالی جاتی ہے۔ ایسا ہی ابن مسعود کی روایت میں وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مختلف رنگ دیکھے۔ اور سونے کے پروانے دیکھے۔ اور فرشتوں کو ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے کسی کی قدرت نہیں کہ وہ بیان کر سکے۔ سدرہ کی جڑ میں چار نہریں ملاحظہ فرمائیں۔ وہ نہریں ظاہر بقیں اور دو نہریں باطن بقیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں مگر پھر ان کے دوبارہ جانے کی ثبوت نہیں کئے گی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی کے مقام میں پہنچے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہاں کچھ لوگ دو طرح کے ہیں۔ ایک طرح کے وہ لوگ ہیں کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرح وہ لوگ ہیں کہ فحاشی کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بیت المعمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ وہ لوگ بھی گئے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور دوسری

فرح کے لوگ داخل نہ ہونے پائے۔ میں نے اور جو میرے ساتھ تھے۔ سب نے بیت المعمور میں نماز پڑھی اور یہ پہنچنے کے نزدیک ابوسعید کی روایت سے ثابت ہے۔ اور بخاری کی روایت میں کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں مقام استوار میں پہنچا اور قلم سے کہنے کے وقت جو آواز نکلتی ہے وہ آوازیں سنا تھا اور ابوذر کی روایت میں مسلم کے نزدیک ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پھر جنت میں داخل کیا گیا۔ تو میں نے وہاں دیکھا کہ حوض کوثر کے پاس موفی کا قبہ تھا اور اس کے سامنے ایک جاری تھی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تو کس کے لئے ہے تو اس نے کہا کہ زید بن حارث کے لئے ہوں۔

ضعیف روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اسی مقام تک راہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ساتھ چلنے کے لئے ان سے کہا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عذر کیا اور کہا کہ اگر میں انگلی کا سر بھی اوپر اٹھاؤں تو وہ انگلی جل جائے گی۔ اس کے بعد کے حال میں روایات میں اختلاف ہے بعض روایات میں جمالی طور پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میرے لئے نور منکشف ہوا اور بعض روایات میں تفصیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر سبز رُف میرے لئے حاضر کیا گیا کہ اس کے نور سے میری آنکھوں کو خیرگی ہوتی تھی پس میں اس پر سوار کیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ امور ذکر فرمایا۔ یعنی نور کے ستر پر جسے کے اندر سے جو کفر شریف لے جانا اور تنہائی کی وجہ سے جو وحشت ہوتی تو اس کے لئے منادی کا پکارنا اور یہ کہ منادی کی آواز حضرت ابوبکرؓ کی آواز کے مشابہ تھی اور منادی نے کہا:-

قَعْتُ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيُ . ترجمہ: یعنی اے محمد آپ توقف فرمائیں اس واسطے کہ آپ کا پروردگار درود بھیجتا ہے۔

پھر جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش تک اپنا پونچنا ارشاد فرمایا چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر رب العزت قریب ہوا اور بخاری شریف کی بعض روایتوں میں ہے کہ پھر جہاں قریب ہوا۔ پھر نہایت قریب ہوا حتیٰ کہ بمقدار دو کھانوں کے، یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوا پھر وحی بھیجنا جو منظور تھا۔ وہ وحی اپنے بندے کے پاس بھیجی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا س وقت کی نمازرات اور دن میں فرض کی گئی۔ سورہ بقرہ کی آخری آیات مرحمت ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے جو شرک ذکر سے اس کے گناہ بخشے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا۔

اَلْعَبِيْحَةُ لَكَ يَتِيْمًا فَادْعُ . ترجمہ: یعنی کیا ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا پس پناہ دی۔

اَلْمَنْشُورُ لَكَ صَدْرًا . ترجمہ: کیا ہم نے نہیں کشادہ کیا آپ کے لئے سید آپ کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ:-

ان الجنة حكام على الاشياء حتى تدخل و على الامم حتى تدخل امتك۔

ترجمہ: تحقیق کہ بہشت حرام ہے پیغمبروں پر جب تک آپ داخل نہ ہوں اور بہشت حرام ہے باقی سب امتوں پر جب تک آپ کی امت نہ داخل ہوئے۔

ابوسعید کی روایت میں یہی کہ نزدیک ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے۔

سئل: سوال کیجیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔

امتك اتخذت ابراهيم خليلا واعطيتك ملكا عظيما و كلمت موسى تكليما واعطيتك داود ملكا عظيما والنت لك الحديث و منحوت لك الجبال واعطيتك سليمان ملكا عظيما وسخرت له الالف والجن والشياطين وسخرت له الريح واعطيتك ملكا لا ينبغي لاحد من بعدى وعلمت عيسى التوراة والانجيل وجعلته يورئى الحكمه والابتر من ويحيى الموتى باذنك و اعطيتك من الشيطان الرجيم فلو يمكن لك عليه سبيلا۔

ترجمہ: یعنی اے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لئے لوہا ملائم فرمایا اور ان کے لئے پہاڑوں کو تابع کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لئے انسان اور جن اور شیطاں کو تابع فرمایا۔ اور ان کے لئے ہوا کو تابع فرمایا اور ان کو ایسا ملک عطا فرمایا کہ ان کے بعد اس طرح کا ملک دوسرے کے لئے سزاوار نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت اور انجیل کا علم بخشا اور ان کو یہ معجزہ بخشا کہ وہ اندھے مادرزاد کو اور بربص کو اچھا کر دیں۔ اور مژدوں کو زندہ کریں۔ اور ان کو شیطان ملعون سے پناہ دی تو ان کے حق میں شیطان کو کچھ چارہ نہ رہا۔

تو اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

قد اتخذت لك حبيباً فهو مكتوب في التورات حبيب الرحمن و ارسلناك الى الناس كافة بشيرا و نذيرا و شرحت لك صدرك و وضعت عندك وزرك و رفعت لك ذكرك فلا اذكر الا ذكرك معي و جعلت امتك خيرا مة اخرجت للناس و جعلت امتك امة وسطا و جعلت امتك ممة الاولون و ممة الاخرين و جعلت من امتك اقوام قلوبهم اناجيهم و مند

اول التبيين خلقنا و اخبرهم بنبينا و اعطيتك سبعا من المثاني لم اعطها نبيا قبلك و اعطيتك الصلوة و اعطيتك ثمانية اسهم الاسلام و الجهاد و الحجرة و الصلوة و الصدقة و صوم رمضان و الامر بالمعروف و النهي عن المنكر و جعلتك فاتحا و خائما۔

ترجمہ: یعنی میں نے آپ کو نبی بنا دیا کہ توریت میں آپ کا لقب حبیب الرحمن مذکور ہے اور آپ کو ہم نے عام طور پر سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تاکہ آپ لوگوں کو بہشت کی بشارت دیں اور دوزخ سے ڈھکیں۔ اور آپ کے فائدے کے لئے آپ کا سینہ کشادہ کر دیا اور آپ کا بار آپ سے علیحدہ کر دیا اور آپ کا ذکر بلند کیا تو جہاں میرا ذکر ہو گا وہاں میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی ضرور ہو گا۔ اور میں نے آپ کی امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں میں ظاہر کی گئی۔ آپ کی امت کو امت وسط بنایا۔ اور آپ کی امت کو میں نے ایسا بنایا کہ وہی اول اور وہی آخر ہے اور میں نے آپ کی امت سے ایسے لوگوں کو بنایا کہ ان کے دلوں کے ساتھ میں خطاب کرتا ہوں اور میں نے آپ کو باعث بار پیدائش کے سبب بسیار سے اول بنایا اور باعث بار بعثت کے سبب انبیاء میں آپ کو آخری نبی بنایا اور میں نے آپ کو مثانی کی سات آیتیں دی ہیں۔ یعنی سورہ فاتحہ ہی کہ یہ آیات دوسرے کسی نبی کو نہ دی گئیں اور آپ کو حوض کوثر دیا اور آپ کو آٹھ امور عطا کیے یعنی اسلام اور جہاد اور ہجرت اور نماز اور صدقہ اور روزہ رمضان شریف کا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔ یعنی نبوت وغیرہ امور خیر کی ابتداء آپ کی ذات مبارک سے ہوئی اور نبوت کا خاتمہ آپ پر ہوا۔

روایت ہے کہ جب حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے مراجعت فرمائی اور مقام ذی طوی میں وارد ہوئے تو فرمایا اے جبرائیل (علیہ السلام) میری قوم کے لوگ میری تصدیق نہ کریں گے۔ یعنی واقعہ معراج کو صحیح نہ جانیں گے۔ تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ صدیق ہیں۔

روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میں حطیم میں ہوں اور قریش مجھ سے مزاح کا حال پوچھنے لگے تو مجھ سے بیت المقدس کی چند چیزیں پوچھیں کہ وہ بتائیں تو میں ایسا عرض کیا کہ ان کا اندوہ گین نہ ہوا تھا۔ اللہ جل شانہ نے بیت المقدس کو میرے سامنے مرتفع کر دیا کہ میں اس کو کوکبنا قمر جو کہ لوگ پوچھتے تھے۔ میں ان لوگوں کو اس کی خبر دیتا تھا۔

اور روایت ہے کہ مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا حسین ظن اپنے سردار کے لئے کیا ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ اس رات میں وہ بیت المقدس تک پہنچائے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہوگا تو ضرور ہے کہ سچ فرمایا ہوگا۔ مشرکین نے کہا کہ کیا آپ اللہ کے
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں تصدیق کرتے ہیں کہ ایک رات میں وہ بیت المقدس تک گئے جہاں اللہ کے
کے قبل چلے آئے ہوں گے۔ تو حضرت ابو جبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق
امریں کرتا ہوں کہ وہ اس سے بھی زیادہ قیاس سے بعید ہے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہوں کہ
شام آسمان کی خبر آنحضرت کے پاس پہنچتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا نام نامی صدیق ہوا۔ ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے کہ وہ مسجد میں گئے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ سے کیا ممکن ہے کہ مسجد کی حالت ہم سے بیان کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس کی حالت بیان کرنے لگا اور یہاں پر یہاں پر کرتا جا رہا تھا کہ بعض اُمویں مجھ کو اشتباہ واقع ہوا تو مسجد حاضری لگئی کہ میں اس کو دیکھتا تھا۔ یہاں تک کہ علیؓ مکان کے قریب لکھ دی گئی تھی۔ میں مسجد کی طرف نظر کرتا تھا۔ اور اس کی حالت بیان کرتا تھا۔ قوم نے کہا کہ قسم ہے خدا کی انہوں نے صحیح کہا۔

پھر ان لوگوں نے کہا کہ اسے محمدؐ ہم کو خبر دیجیئے ہمارے قافلے کے حال سے کہ کون سا دریا یا نفع پہنچے گا۔
 ہمارے پاس نہیں آتے ہیں۔ کیا کوئی چیز ان کی گم ہو گئی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں
 کے قافلے کے پاس میں گذرنا اور وہ لوگ زوحا میں ہیں۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کی تلاش میں ہیں اور
 اس کے اسباب میں پانی کا قدح ہے۔ مجھ کو یہ اس معلوم ہوئی تو میں نے وہ قدح لیا اور پانی پیا پھر وہ قدح جس طرف
 لکھا تھا اسی طرف بکھریا تو تم لوگ ان لوگوں سے پوچھنا جب وہ لوگ واپس آئیں کہ کیا ان لوگوں نے اس قدح
 میں پانی پایا تھا۔ تو تم کے لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے۔ یعنی اس سے معلوم ہو گا کہ یہ واقعہ معراج کا صحیح ہے
 یا نہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جبنی فلاں کے قافلے کے پاس سے گذرا اور فلاں فلاں شخص اپنے اپنے اُونٹ پر ذبیحہ میں سوار تھے۔ مجھ کو دیکھ کر وہ دونوں اُونٹ جگر دے اور فلاں شخص کو گرا دیا اور اس شخص کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ تم لوگ ان دونوں شخصوں سے یہ حال دریافت کرنا۔ قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہ بھی ایک نشانی ہے۔

پھر ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے قبیلے کے قافلے کے مال سے خبر دیجیئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے پاس تنعم میں گذرا تو قوم کے لوگوں نے پوچھا کہ وہ لوگ کس قدر ہیں اور ان کے پاس مال کس قدر ہے ؟ اور اس قافلے کی ہیئت کیا ہے ؟ اور اس میں کون کون شخص ہیں ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کسی دوسرے امر میں مشغول تھا ۔ تو پھر وہ قافلہ جب نہ مع سب لوگوں کے اور مع اس کے مال و اسباب کے اسی ہیئت کے ساتھ جردہ میں ظاہر کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اس

فلان کی میت ایسی ہے اور ایسی ہے کہ اس میں فلاں فلاں شخص ہیں۔ اور اس قافلے کے آگے ایک اونٹ
 ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تیرے روپے اس پر دو مٹرائی یعنی حوال میں۔ اور حوال محیط میں اور
 بی بی ابوی ہیں۔ اور وہ قافلہ طلوع شمس کے وقت تمہارے سامنے ظاہر ہوگا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ بھی ایک
 نانی ہے۔ پھر وہ لوگ وہاں سے حیرت زدہ نکلے اور یہاں کی طرف چلے۔ اور کہتے تھے کہ قسم ہے خدا کی محمد
 نے ایک عجیب قصہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ کذا یعنی ایک ٹیلے کے پاس پہنچے اور اس پر بیٹھ گئے اور کبھنے
 لے لے کر آفتاب جب طلوع ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کریں۔ ناگاہ ان میں سے ایک شخص نے
 با قسم ہے خدا کی مراد ظاہر ہوتی یعنی قافلہ ظاہر ہوا اور اس کے آگے ایک اونٹ ہے یا یہ کہا کہ تیرے روپے
 اور اس قافلے میں فلاں فلاں شخص ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کے فرمانے کے موافق قافلہ ظاہر ہوا لیکن وہ لوگ ایمان نہ لائے اور کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف ظاہر

سوال : شجرۂ بیعت الرضوان کا حال بیان فرمائیے ؟
 جواب : شجرۂ بیعت الرضوان کا حال بخمائی میں متعدد روایات میں ہے۔ یہ روایات سعید بن مسیب کی ہیں اور سعید بن مسیب نے ربیعہ سے روایت کی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ربیعہ نے کہا کہ میں نے وہ درخت دیکھا ہے پھر میں بھول گیا تو میں اس کو نہیں پہچانتا ہوں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب دوسرا سال آیا تو میں بھول گیا میں اس کو نہیں پہچان سکتا ہوں۔ بعض روایات میں طارق بن عبد الرحمن سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حج کے قصد سے چلا تو میں ایک قوم کے پاس سے گذرا کہ وہ لوگ اس درخت کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ کون مسجد ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ یہی درخت ہے کہ اس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان کی بیعت کی تھی۔ میں سعید بن مسیب کے پاس آیا۔ اور یہ خبر ان کو دی۔ تو سعید بن مسیب نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے تو وہ درخت نہ پہچانا اور تم لوگوں نے اُسے پہچان لیا۔ تو کیا تم لوگ ان حضرات سے زیادہ واقف ہو۔

شیخ ابن حجر نے مسیح ابیاری میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ میں وہ درخت پہچانتا ہوں اور سعید بن مسیب نے اس قول کی صحت سے انکار کیا ہے اس انکار کی وجہ یہ ہوئی کہ سعید بن مسیب نے اپنے باپ کے قول پر اعتماد لیا کہ ان کا قول یہ ہے کہ لوگوں نے سال آئندہ میں وہ درخت نہ پہچانا تو سعید بن مسیب کے قول سے لازم نہیں آتا ہے کہ وہ درخت کوئی نہ پہچانتا ہو۔ اس واسطے کہ بخاری شریفین کے نزدیک اس کے قبل سے قریب کی حدیث سے حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ اگر میں آج دیکھتا ہوتا تو اس درخت کی جگہ تم لوگوں کو دکھا دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ اس درخت کی جگہ جانتے تھے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ وہ درخت بعینہ پہچانتے تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں نے ابن سعید کے پاس اسناد صحیحہ

پیر وی ان کا آئین اور شیوہ ہے۔

ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر اہل سنت و جماعت کے سوا دوسروں میں نہیں۔ اس واسطے کہ سنت مراد حدیث کی متابعت ہے اور جماعت مراد جماعت مجاہدہ کی پیروی ہے لیکن کبھی ایک خدشہ دل میں گذرتا ہے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ممکن ہے کہ سنار اور کبار پر عذاب ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ اہل سنت کے بھی بعض لوگوں پر صغار اور کبار کی وجہ سے عذاب ہو۔ تو یہ لوگ فرقہ ناجیہ کس طرح قرار پائے اور فی النہایہ عید سے خارج کس طرح ہوئے۔

جواب : اہل سنت کا جو عقیدہ ہے کہ ممکن ہے کہ اہل سنت کے بعض لوگوں پر سبب عذاب اور کبار کے عذاب ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اہل سنت کے بعض لوگ اس فرقہ کا جو عمل اور جہاد ہے اس کے مقتضایہ کو ترک کریں۔ اور اس وجہ سے وہ لوگ مستوجب عذاب کے ہوں اور اس فرقہ کے علاوہ اور جو فرقے ہیں کہ وہ سب گمراہ ہیں۔ وہ سب لوگ اپنے عقیدے کے سبب سے مستوجب دوزخ ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب گمراہ فرقے کا عقیدہ باطل ہے اور اس فرقہ ناجیہ کے بعض لوگوں کے حق میں جو عذاب کا خوف ہے تو یہ خوف اس وجہ سے ہے کہ ممکن ہے کہ ان کا عمل ان کے عقیدے کے خلاف ہو یہ دلیل اس کے لئے ہے کہ یہ مذہب حق ہے اور امید ہے کہ اس فرقے کے گنہگار بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نجات پائیں گے۔

گمراہ فرقوں کا بیان

سوال : گمراہ فرقوں کے احکام بیان فرمائیے۔

جواب : جو فرقے کہ گمراہ ہیں اور بدعتی ہیں، اگر ان کی گمراہی اور بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو اور ضروریات دین سے ان کو انکار نہ ہو تو ان کی نجات کی امید رکھنی چاہیے۔ یہ جو کچھ تھا کہ بعض فرقے ایسے ہیں کہ ان فرقے کے لوگوں نے دوسرے فرقے کا نام نہیں سنا ہے۔

مہربان من ! یہ صرف احتمال ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی شان ایسی ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہر مقام میں ایسے لوگوں کو ضرور پیدا کرتا ہے کہ وہ حق پر ہوتے ہیں اور گمراہ لوگوں کو ان کی گمراہی سے آگاہ کرتے ہیں۔ البتہ اگر اس طرح کی کوئی جماعت ہو تو وہ ضرور معذور ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہمیشہ سے جس طرح جاری ہے۔ اس کے لحاظ سے یہ توقع نہیں کہ یہ احتمال و قیاس میں آوے۔ اس واسطے کہ ایک محقق ہے وہ یہ ہے کہ علم محیط نبوی نے یہ تقریق اور تشعب معلوم فرمائی تو یہ عند دفع ہونے کے لئے ایک قاعدہ

دیا کہ ہر مسلمان عقل کی ادنیٰ توجہ سے وہ قاعدہ دریافت کر سکتا ہے۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ دین کے مخرج اور اس کے منشاء میں غور کریں اور جو مذہب گمراہی میں ہو اس کو حق سمجھیں۔ کعبہ شریفین کا حج جو فرض ہے تو اس کے فرض ہونے کا یہ بھی ایک سبب ہے کہ اس دور میں اسلام طریق حق اور جادہ مستقیم سے غافل نہ رہیں۔ ان احادیث میں غور کرنا چاہیے جو کہ فضائل مذہب منورہ میں شریفین اور زمین حجاز شریف میں وارد ہیں کہ ان احادیث میں غور کرنے سے یہ مضمون آفتاب کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے مذاہب اربعہ یا جو یہ کہ ان میں فروغ میں باہم اختلاف ہے لیکن اہل حرمین شریفین کے مکان حجاز کے نزدیک مقبول ہیں وہ لوگ بلا انکار اور بلا رد و قدح مذاہب اربعہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور ان مذاہب اربعہ میں اختلاف نہیں کسی ایک مذہب کی تفسیل اور تکفیر لازم آتی ہو۔ تفسیر فتح العزیز میں آیت :-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لِيَذْكُرُوا مِّنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ
قَوْلُهُ تَعَالَى : وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ط وَإِذْ جَعَلْنَا مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ
مَسْجِدًا

ترجمہ : یعنی یاد کیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت کہ جب کیا ہم نے کعبہ کو رجوع کرنے کی جگہ لوگوں کے واسطے اور کیا ہم نے اس کو امن کی جگہ اور لوگوں کے لوگوں ! مقام ابراہیم سے جگہ نماز کی۔ یعنی اس کے پیچھے دو رکعت نماز طواف کی پڑھو !

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وہ اسباب ذکر فرمائے ہیں کہ جن کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ شریفین بنایا اور وہ بین اسباب یہ

اول سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایک مکان ہمیشہ کے لئے ایسا ہو کہ وہاں ہر مقام کے اہل اسلام جمع ہو کریں اور سال بسال وہاں آئیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نوع انسان کے حق میں نہایت ہی رحمت ہے۔ اس واسطے کہ نوع انسان کی ایسی پیدا کی گئی ہے کہ انسان کے علوم اور کمالات ان کی باہم مخالفت سے زیادہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے بدوی لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ کمال سے معتر ہیں۔ اور یہ مضمون اس کے موافق ہے کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ نوع انسان کی معاش موقوف ہے تمدن اور اجتماع اور صحبت پر، اس واسطے کہ ہر شخص اپنی رائے سے کوئی چیز اختیار کرتا ہے۔ پھر دوسرے شخص کو وہ چیز اچھی معلوم ہوتی ہے تو وہ شخص وہ چیز اختیار کرتا ہے اور نفوس انسانی کی مثال یہ ہے کہ مثلاً چند آئینے ہوں اور ہر ایک دوسرے کے مقابل رکھے جائیں۔ تو ہر آئینہ دوسرے آئینہ کی صورت میں نظر آئے گی۔ نوع انسانی کی استعداد باہم مختلف اور متفاوت ہے۔ تو ضرور ہوگا کہ ایک مکان جامع ہو کہ وہاں لوگ جمع ہوں اور ایک کا عکس دوسرے پر پڑے۔ اور ایک سے دوسرے کو فائدہ

اور اعتقاد ہے ایک جہت اور ایک سمت کی طرف متوجہ ہوں اور اس سبب سے سب لوگ باطن میں بھی متفق ہو کر ایک مکہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اس واسطے کہ انضباط ظاہر کا مستلزم ہے باطن کے انضباط کے لئے سبب اس علاقہ کے جو ظاہر اور باطن کے درمیان میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں درود ہے:

كُوْشِعَ قَلْبُ هَذَا الْخَشَعَتِ جَوَارِحُهُ۔
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ اگر اس کا دل شہوات کے
تو اس کے حواص بھی خستہ کرتے؟

اسی وجہ سے شرع میں یہ حکم ہے کہ نماز اور طواف میں قبلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس سے
اللہ جل شانہ کے اس کلام پاک سے :-

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ رَبِّكُمْ مَوْجِدًا۔

اور یعنی اختیار کرو مقامِ ابراہیم سے نماز کی جگہ۔

اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ازلیہ متوجہ ہے نوع انسان کی تکمیل کی طرف اور اس عنایت ازلیہ کے
اہمیت ہوا کہ تین سبب مقتضی ہیں اس امر کے لئے کہ انسان کے واسطے ایک خاص بلد قرار دیا جائے کہ وہاں میں
منافع حاصل ہوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مستعد کیا اور ان حضرات کو نعم فرمایا
کہ شریف بنائیں انہی فقط اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ إِبْرَاهِيمَ أَنْ لَا تَعْلَىٰ عَلَيْكَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ**
إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا۔ یعنی اور جب آیت ان منافقین کے
میں کوئی حکم اللہ کے احکام سے **مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْحَوْفِ** خواہ وہ امر جنس امن سے ہو یعنی عام وعدہ اور عام بنائیت
ہو یا جنس خوف سے ہو یعنی عام وعید اور عام انذار ہو جیسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بنائیت
بارک ہے :-

مَنْ مَاتَ وَلَوْ شَرَفًا بِاللَّهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ عَلَىٰ مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔

ترجمہ: یعنی جو شخص مرا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا شریک نہ کر دیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا موافق
اپنے عمل کے :-

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک ہے :-

مَنْ دَخَلَ إِلَىٰ عِبَادَتِي غَيْرَ أَنِّي غَيْرُ مَوْلَايَ فَعَلَيْهِ كَلْعَتِي وَاللَّهُ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعُونَ۔

ترجمہ: یعنی جس نے اپنے کو اپنے باپ کے سوا کسی غیر کی طرف منسوب کیا یا اپنے مولا کے سوا کسی دوسرے
کو مولا اختیار کیا تو اس پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور لعنت ہے فرشتوں کی اور لعنت ہے سب
لوگوں کی :-

اور مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے :-

مَنْ ظَلَمَ عَاهِدًا لَّيْسَ بِهِ كَيْفَ الْجَنَّةِ وَإِنْ سَرَّيْهَا لَتُوجَدَ مِنْ مَيْمَنَتِي۔

حاصل ہو تو کعبہ شریف میں لوگ ہر سال موسم حج میں جمع ہوتے ہیں اور ایک کے باطنی نور کا نور
باطن پر پڑتا ہے اور بعض بعض کے علوم اور اعتقادات حق سے استفادہ کرتے ہیں اور جس کے کمال
نقص رہتا ہے اس کا وہ نقص دفع ہو جاتا ہے۔ اور جس کی طبیعت میں فساد رہتا ہے اس کا وہ فساد
ہو جاتا ہے اور وہ کامل ہو جاتا ہے۔ اور گنہگار تائب ہوتا ہے۔ اور جاہل کو علم آتا ہے اور ہر شخص کے
مقام سکونت اور اس کی قوم میں جو رسوم اور عادات مروج رہتے ہیں اس کی حقیقت امتحان سکھاتا ہے
دریافت کرتا ہے تو ان رسوم اور عادات لیے ہوتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے کہ اس مجمع کثیر میں وہ رسوم
اور عادات زیادہ معتبر لوگوں کے نزدیک مقبول ہیں تو ان رسوم اور عادات کو اخذ کرتا ہے۔ ورنہ اس
پر میر کرتا ہے۔ اسی طرح وہاں اعتقاد اور عمل کی بھی تصحیح ہوتی ہے۔

بیشک یہی سب سے کاس کی وجہ سے نماز میں جماعت کی تاکید اور اس کی فضیلت شرع میں وارد ہوئی ہے
تاکہ ہر ہر محلہ کے لوگ اپنے اپنے محلہ میں ہر روز پانچ وقت جمع ہو کر ان میں اتفاق ہے اور
جہت میں ایک دن جمعہ پڑھنے کے لئے قرار پایا۔ تاکہ ہر ہر شہر کے لوگ اپنے اپنے شہر میں ہر جمعہ میں
مرتبہ جمع ہو کر ان میں اتفاق ہے اور تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کرنے کے لئے حکم ہوا ہے تاکہ تمام
آفاق کے لوگ ایک مقام میں ہر سال جمع ہو کر ان کا اتفاق ایک دین اور ایک ملت پر ہو جائے
اور سب جمع ہو کر ایک بہتر رسم یعنی حج ادا کریں اور بدعت نازل ہو۔

دوسرا سبب کعبہ شریف کے بنانے کا یہ ہے کہ تاکہ لوگوں کے لئے ایک جگہ امن کی قرار پائے کہ وہاں
کسی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آئے۔ اس امر کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتظام عالم کا اسباب
یہ ہے کہ لوگ تمام آفاق میں امن کے ساتھ رہیں کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور کوئی کسی کو قتل نہ کرے اور
مال بے جا طور پر لیوے لیکن جب خلق میں فساد واقع ہوا اور ایسا نہ ہوا کہ ہر شہر میں لوگ انصاف و
رہیں تو اس وجہ سے ایک جگہ قرار دی گئی کہ وہاں امن ہے۔ ایک خاص وقت مقرر کیا گیا کہ اس وقت
بے امنی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول مبارک میں :-

إِنَّا إِنَّمَا نَحْنُ وَأَعْرَاضُكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِ كَعْبَةَ

فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا۔

یعنی آگاہ ہوا کہ تمہارا خون اور تمہاری عزت اور تمہارا مال حرام ہے تم پر یعنی ان چیزوں کی حرمت اور
تم لوگوں میں قرار دی گئی ہے۔ چاہیے کہ ان چیزوں کے بارے میں تم لوگوں میں تم لوگوں میں کوئی کسی
طور پر تعرض نہ کرے جس طرح اس دن کی یعنی روز عرفہ کے اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرمت
ہے۔

تیسرا سبب کعبہ شریف کے بنانے کا یہ ہے کہ سب لوگ ظاہر میں اپنی کامل عبادت میں کماز اور

خَمْسِينَ عَامًا

یعنی جس نے ظلم کیا ذمی پر وہ نہ سونگھنے گا خوشبو بہشت کی۔ حالانکہ اس کی خوشبو پچاس برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔

اذاً حواصیہ تو وہ منافقین وہ حکم آپس میں افشا اور شائع کرتے ہیں اور یہ اشاعت ان کے حق میں فساد کے لئے باعث ہوئی کہ اس سے ان کی رسلے میں باہم اختلاف ہوا اور ان کا اعتقاد مختلف ہوا۔ تو بخمد ان کے بعض وجہ ہو گئے اور بعض عقیدہ ہوئے اور اسی طرح مجملہ ان کے بعض تجزیہ ہو گئے اور بعض قدر یہ ہو گئے۔ اور بعض رافضیہ ہوئے اور بعض نواصب ہوئے۔ **وَكُوذُوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلَى اَوْلِيَ الْاَمْرِ مِنْهُ** یعنی اگر وہ لوگ رد کرتے یعنی رد کر دے کہتے اس عام حکم کو رسول کی رسلے کی طرف اور صحابہ نہ کیا کہ رسلے کی طرف کو وہ صحابہ میں مجتہدین تھے اور اولوالہم تھے **فَعَلِمَ اَلَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَ مِنْهُ** تو البتہ جانتے تھے اس عام کی اور تقلید اس مطلق کی جو لوگ کہ استنباط کرتے ہیں یعنی استخراج کرتے ہیں۔ اس شخصیں اور تقلید کو موارو سے کتاب اور سنت کے **وَكُوْذُوْكَ فَفَضَّلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ** و رخصتہ یعنی اور اگر نہ ہوتا اللہ جل شانہ کا فضل تو تم لوگوں پر یہ کہ اس نے رسول بھیجا اور اولوالام کو پیدا کیا کہ وہ استنباط کرتے ہیں اور ان کو جوہ کو کہ جن کے ذریعہ سے ان آیات اور روایات میں تطبیق دی جاتی ہے۔ کہ اس میں ہر مایل کا باہم اختلاف معلوم ہوتا ہے اور اگر نہ ہوتی تم لوگوں پر اللہ کی رحمت یہ کہ توفیق دی اللہ تنائے نے ان لوگوں کو اس استنباط اور استنباط کے وجہ ان لوگوں کے لئے مہیا فرمائیے۔

لَا تَتَّبِعْتُمُ الشَّيْطَانَ يَعْنِي اگرا شہ تمالے ایسا فضل اور ایسی رحمت نہ فرماتا تو روایات مختلفہ سے ایسی روایات پر تم لوگ اپنی غلط فہمی کے موافق عمل کرنے سے کافر ہو جاتے اور تم لوگوں کو ان اخلاقات میں حیرت جوتی اور اس سے تم لوگ شک میں واقع ہوتے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں۔ اِلَّا تَتَّبِعْتُمُ الشَّيْطَانَ لَمْ تَكُنْ مِنَ السَّامِعِينَ کہ وہ ان مقامات میں غور و فکر کرتے ہیں کہ ان میں ظاہراً اختلاف معلوم ہوتا ہے اور اس میں اوہم فاسد و کوہل ہمیں جیتے ہیں۔ اور اس بارے میں تفصیلی طور پر اعتقاد کرنے میں توقف کرتے ہیں اور ایمان اجمالی پر اکتفا کرتے ہیں کہ سچیزہ کے مشاہدہ سے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے حاصل ہوتا ہے فقط ۲۸ صفر ۱۲۸۵ھ

سوال : رئیس جنوبی کے کوچ کے متعلق تحریر کیا جائے۔

جواب : آفاق کے احوال سے یہ ہے کہ ایک زمیں روس اور جنوب سے کہ لہا کی نسل سے تقاس
عرض سے چلا کہ اہل جنوب کے خون کا انتقام اہل شرق سے لے تو اس نے اہل شرق کو پہلے کوٹھ کے اطراف میں شکست
دی اور پھر ان کو رام پور کے اطراف میں شکست دی اور پھر آگرہ کے اطراف میں شکست دی۔ حتیٰ کہ اہل شرق نے
آگرہ کے قلعہ میں پناہ لی۔ اور جنوب کے لوگ آگرہ اور دہلی کے درمیان پھیل گئے اور دہلی میں بائیں بلوہ کہتے گئے اور
فرار اہل شرق سے سوار اور پیادہ جس کو پایا قتل کیا۔ اور جہاناکے کنا سے متھرا کے نزدیک قیام کیا۔ متھرا ہنود کے
نزدیک پرستش کرنے کے لئے ایک خانقہ جگہ ہے کہ وہاں وہ غسل کرتے ہیں اور سرفرا تے ہیں۔

پھر جنوب کے رئیس نے اپنی فوج کو دو گروہ کیا۔ ایک گروہ کے ساتھ ضروریات اور تجارت کی چیزیں تھیں اور دوسرے گروہ کا نام فوج رکھا اور ان کے ساتھ صرف گھوڑے تھے۔ اور نیزہ اور تلوار وغیرہ لڑائی کا سامان تھا اور وہ لوگ ہوا اور دریا کے پانی کی طرح تیزی سے جاتے تھے۔ ان کے پاس کوئی چیز سایہ کرنے کے لئے نہ تھی اور نہ خیمہ تھا۔ اور بیابان میں جاڑے کے موسم میں رات گزارتے تھے۔ نہ ان لوگوں میں کسی چیز کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور ان کے ساتھ ایسے لوگ تھے کہ ضروریات کی چیز فروخت کے لئے رکھتے ہوں اور نہ ان کے پاس آرام کا اسباب تھا جنگلی بھلے ان کی خوراک تھی۔ اسی کو پکا کر یا خام کھاتے تھے۔ اس کا عرق نکال کر پیتے تھے۔ اور ان کے چار پائے جنگل کی چیزیں کھایا کرتے تھے۔ وہ لوگ درختوں کی شاخ وافر طور پر جلاتے تھے۔ پھر ان میں سے پہلا گروہ شاہجہان آباد کی طرف چلا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگوں پر بندوبست چلائی اور چند مرتبہ شہر بڑھا پر حملہ کیا اور سات رات اور آٹھ دن محاصرہ کرتے رہے وہاں سے ناکام ہو کر پھر سے اور ان پر زوال آیا اور ان کا اقبال دوبارہ کے ساتھ تبدیل ہوا۔

اہل مشرق کا رئیس کہ اس کے نام کے معنی ہندی ہیں چھوٹی جوین ہے اور ان وہ اپنے لوگوں کے ساتھ اگر ہنجا اہر سے متھر گیا اور متھر اسے شاہجہان آباد کیا تو وہ محاصرہ صرف اس کے جوتے اور پاؤں زمین پر مارنے سے بھاگ گئے۔ یعنی اس کے آتے ہی اس کے خوف سے بھاگے اور اہل جنوب کے دوسرے گروہ کہ اس کا نام فوج مجر تھا۔ اس نے اہل شرق کا محاصرہ اگر وہ شاہجہان آباد تک کیا اور اس کے گروہ پھرتے تھے۔ اور جب کوئی شاذ و نادر ان کے لشکر سے نکل آتا تھا تو اس کو اہل جنوب نقصان پہنچاتے تھے۔ حتیٰ کہ اہل شرق شاہجہان آباد کے پاس پہنچے اور فوج مجر نے ان کے گرد محاصرہ کیا اور فساد کی آگ مشتعل ہوئی۔ اور محاصرہ میں موت کی طرف چلے اور ان کے رئیس نے حکم دیا کہ وہاں کی زراعت کاٹ لیں اور موانعت کو لوٹیں۔ وہ رئیس اپنی فوج مجر کے ساتھ وہاں چند دن رہا۔ پھر شمال کی جانب چلا۔ حتیٰ کہ پانی پت کے قریب پہنچا۔ اور اپنی فوج مجر کے ساتھ جہنا سے عبور کیا۔ وہ تمام بیس ہزار سے کم نہ تھے۔ اور بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ یعنی اس کے درمیان میں تھے۔ اور دونوں نہر کے درمیان میں ٹھہرے یہ سن کر شمال کے کفار برہم ہوئے جو کہ سہارن پور کے اطراف میں رہتے تھے اور فساد کی آگ مشتعل کی۔ تو جب یہ بات اہل شرق کے رئیس کو معلوم ہوئی تو اس نے شاہجہان آباد سے نہایت تیزی کے ساتھ کوچ کیا اور اپنے بعض لوگوں کو پیچھے چھوڑا۔ حتیٰ کہ رئیس جنوبی قریب رئیس شمالی کے پہنچا۔ پھر رئیس جنوبی نے کھانول کی طرف کوچ کیا۔ پھر وہاں سے میرٹھ، لمپڑہ اور خوجا اور کول کی طرف چلا اور رئیس شرقی نے اس کا تعاقب کیا کہ یوٹا فینوٹا اس کے پیچھے تعاقب کرتا ہوا یہ بھی چلا جا آتا تھا۔ حتیٰ کہ رئیس جنوبی کی اتنی طاقت نہیں رہی کہ کسی ایک شہر یا ایک قصبہ میں دو دن قیام کر کے اس واسطے کہ فوراً رئیس شرقی اس کے پیچھے چلا آتا تھا۔ یہاں تک کہ آب تک وقوع میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم اور تم کو گول کو ہر طرح کے شر اور فساد سے بچا دے۔ حاصل کلام یہ کہ رئیس جنوبی کی جرأت نہیں بڑھتی ہے کہ اہل شرق سے جنگ کرے اور ان کی صفت میں داخل ہو اس واسطے کہ ان کی صفت بدوق و غیرہ آلات حرب سے مستحکم ہے اور وہ لوگ جنگ آزمودہ ہیں اور اہل شرق سے بھی اس پر قافہ نہیں کہ رئیس جنوبی کو گرفتار کر کے برطانوی

اس بلاد کے مکان مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اس واسطے کہ اس بلاد میں فضل خریف نہ ہوئی اور فضل ربیع کی بھی امید نہیں غلہ کا نرخ گراں ہے۔ علاوہ اس کے دونوں گروہ نے لوٹ مار اور غارت کا ہاتھ پھیلا یا ہے۔ حتیٰ کہ اہل شرک کی عادت کے خلاف اس قبیح عمل میں مشغول ہوئے ہیں اور اپنی خصلت امن و امان کی ترک کی۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَيْهِ الشُّكْلَانِ فَقَطْ (از سوالات قاضی)

سوال : قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي ثَلَاثَةً وَسَبْعِينَ مِزْقَةً كَلَفُوفٍ فِي النَّارِ الْأَوَّاحِدَةِ

ترجمہ : یعنی فرمایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت تہتر فرقے میں ہوئے گی، ایک فرقہ کے سوا باقی سب دوزخی ہوں گے۔

تو اس سے کیا مراد ہے کہ ایک فرقہ کے سوا باقی سب فرقے دوزخی ہوں گے۔ اگر یہ مقصود ہے کہ اہل اسلام کا کوئی فرقہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو یقیناً اور احادیث قطعیہ کے خلاف ہے اس واسطے کہ اہل اسلام کا کوئی فرقہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ اور اگر یہ مراد نہیں کہ باقی سب فرقے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ کچھ دنوں پہلے گناہوں کے موافق دوزخ میں رہیں گے تو امر مسلم ہے لیکن اس حالت میں لازم آئے کہ فرقہ ناجیہ کا کوئی شخص دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہ ہوگا۔ حالانکہ اس بات سے میں احادیث قطعیہ وارد ہیں کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ فاسق ہوں گے وہ کچھ دن بہن میں رہیں گے۔

جواب : یہ قدیم شبہ ہے۔ علماء کرام نے اس شبہ کے پانچ چھ جواب دیئے ہیں۔ وہ سب مشرب عقائد بظلال اور اس کے حواشی میں مذکور ہیں۔ ان سب جوابوں کا خلاصہ تین جواب ہے۔

۱۔ اول جواب یہ ہے جو سب جوابوں میں زیادہ قوی اور مزج ہے اور یہ جواب محقق دوانی نے دیا ہے اور انہوں نے دوسری شکی افتیاء کی ہے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ باقی سب فرقے اپنے عقیدہ کے سبب سے جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور فرقہ ناجیہ کا کوئی شخص اپنے عقیدہ کے سبب سے دوزخ میں داخل نہ کیا جائے گا اگرچہ ممکن ہے کہ اپنے گناہوں کے سبب سے دوزخ میں داخل کیا جائے۔ بعض لوگوں نے اس جواب پر اعتراض کیا ہے کہ حدیث شریفہ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ باقی اور سب فرقے دوزخ میں جائیں گے، کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے یہ مفہوم ہو کہ یہ مراد ہے کہ باقی اور سب فرقے اپنے عقیدے کے سبب سے دوزخی ہوں گے اور بغیر قرینہ کے کہنا جائز نہیں کہ اس حدیث میں من حیث الاعتقاد کا لفظ مقدر ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہاں چار قرینے ہیں جن سے اس حدیث کا مطلب کہا جاتا ہے کہ باقی اور سب فرقے اپنے عقیدہ کے سبب سے دوزخی ہوں گے۔

اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

سَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي ثَلَاثَةً وَسَبْعِينَ مِزْقَةً

یعنی میری امت کے لوگ تہتر فرقے میں ہوں گے :

اور باعتبار عمل اس امت کے صرف تہتر (۲۳) فرقے نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ خواہ صرف عمل کا اعتبار کیا جائے۔ خواہ عمل کے ساتھ اعتقاد پر بھی لحاظ ہو اور یہ امر ظاہر ہے اس واسطے کہ مثلاً سب یہ گنہگار ان پیدا جدا فرقہ ہیں۔ یعنی ڈاڑھی منڈانے والے اور ریشمی کپڑا پہننے والے اور نماز ترک کرنے والے اور روزہ نہ رکھنے والے اور زکوٰۃ نہ دینے والے اور حج نہ کرنے والے اور زانی اور لواطت کرنے والے اور شراب خور اور جواہ کیلنے والے اور چور اور ڈاکو وغیرہ گنہگار ان یعنی باعتبار گناہوں کی قسموں کے اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے بلکہ یہ مراد ہے کہ عقیدہ کے اعتبار سے اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ایک فرقہ کے سوا باقی اور سب فرقے اپنے اپنے عقیدہ فاسد کی وجہ سے دوزخی ہوں گے یعنی ان کے دوزخی ہونے کا سبب یہ ہوگا کہ ان کا عقیدہ فاسد ہوگا۔ بخلاف ایک فرقہ ناجیہ کے کہ اس فرقہ کا عقیدہ حق ہے اور اس فرقہ کے لوگ اپنے عقیدہ کے سبب سے مرگ دوزخی نہ ہوں گے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اس فرقہ کے کچھ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے کچھ دن دوزخ میں سزا یاب ہوں گے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرمایا کہ میری امت کے لوگ تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ سب دوزخی ہوں گے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک فرقہ کو مستثنیٰ فرمایا۔ یعنی ان تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ دوزخی نہ ہوگا۔ بلکہ وہ فرقہ دوزخ سے نجات پائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کی بجات کا باعث کوئی ایسا امر ہے جو اس فرقہ کے تمام اشخاص میں بالاشترک پایا جاتا ہے اور اعتقاد کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں جو اس فرقہ کے تمام لوگوں میں بالاشترک پایا جاتا ہو۔ اس واسطے کہ اس فرقہ کے لوگوں کے اعمال مختلف ہیں۔

۲۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی یہ تعریف فرمائی ہے :-

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ مَا آتَاهُم مِّنْهُ وَمَا كَانَ لِيُفْتِنَهُمْ فَمَا هُمْ وَبِالْغَايَةِ مُقْبِلُونَ

ترجمہ : یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں اکہتر فرقے ہوئے اور نصاریٰ میں بہتر فرقہ ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ غَافِلُونَ

یہ بھی اس معنی سے مناسب نہیں اس واسطے کہ دلائل عقلیہ کے خلاف ہے کہ سب صحابہ کرام بہ بغیر حساب اور بغیر شفاعت کے بہشت میں داخل ہوں گے، اس واسطے متاخرین محققین نے امام غزالی سے اس جواب کی اصلاح کی ہے۔ تقریر مذکورہ بالا کے موافق اس جواب کو بھی قرار دیا جائے تو انشاء اللہ اس جواب میں بھی کچھ خلل نہ ہوگا۔

۲

تیسرا جواب اس سوال کا یہ ہے کہ اس حدیث میں جو یہ عبارت ہے۔ کَلَّمَهُ فِي النَّارِ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ کا ہر ایک شخص دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ تو اس عبارت کا مفہوم ایجاب کلی ہے اور اس عبارت کے بعد جو متنی ہے الا واحدة اس سے مراد یہ ہے کہ ایجاب کلی اس ایک فرقہ ناجیہ سے رفع کی گئی ہے اور ایجاب کلی کا رفع اس صورت میں بھی ہو جاتا ہے کہ اس کلی کے خلاف کوئی جزئی صادق ہو جائے۔ اور یہ امر ظاہر ہے تو الا واحدة کا معنی یہ ہوا کہ اس فرقہ ناجیہ کا ہر شخص دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ بعض اشخاص تفسیر اعمال کے سبب سے دوزخ میں داخل ہوں، اب یہ شبہ زائل ہو جاتا ہے۔ فرقہ ناجیہ اور فرقہ غیر ناجیہ میں یہ فرق ہے کہ سب فرقہ غیر ناجیہ کے کل اشخاص دوزخ میں ہوں گے اور فرقہ ناجیہ کے سب اشخاص دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ اور باعتبار اعمال کے فرقہ ناجیہ اور فرقہ غیر ناجیہ میں فرق یہی ہے کہ فرقہ ناجیہ کا عقیدہ صحیح ہے اور فرقہ غیر ناجیہ کے عقائد صحیح نہیں تو بالآخر اس جواب اور پہلے جواب کا حاصل ایک ہی ہوا۔ اور سب جوابوں میں بہتر ایک دوسرا جواب ہے جو کتابوں اور حواشی میں مذکور نہیں اور اس جواب میں حدیث کا معنی جو کہا جاتا ہے وہ عرب کے استعمال قدیم کے موافق ہے اور اس کا استعمال کا ثبوت دوسری حدیثوں میں بھی ہوتا ہے اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں جو عبارت ہے کَلَّمَهُ فِي النَّارِ اس سے یہ مراد ہے کہ یہ سب فرقے باطل ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح کہ فلاں چیز آگ میں ہے۔ اس سے ان لوگوں کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز باطل ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے :-

الْهَذَا فِي النَّارِ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ زبان درازی آگ میں ہے :- اس سے اصل مراد یہ ہے کہ زبان درازی باطل ہے فرمایا اللہ تعالیٰ :-

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنْسَانِيًّا يَكُونُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا

ترجمہ : یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں تو اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں کہ وہ لوگ اپنے شکم میں آگ کھاتے ہیں :- اس واسطے کہ یہ ظاہر ہے کہ یتیم کا مال فی الواقع اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ باطل حرام کھانا کھاتے ہیں اس واسطے کہ اس آیت میں صاف مذکور ہے آگ نہیں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہاں کھانے کا معنی مجازی مراد ہے اس واسطے کہ اس آیت میں صاف مذکور ہے :-

ظاہر ہے کہ یہ مراد یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے فرقوں میں جو فرق ہے، وہ فرق باعتبار اعتقاد کے ہے تو اس امت کے بارے میں بھی یہی مراد ہے کہ اس امت میں بہتر فرقے ہوں گے، ان سب فرقوں میں فرق، باعتبار عقائد کے ہوگا۔ یعنی ایک فرقہ کا جو عقیدہ ہوگا۔ اس کے خلاف دوسرے فرقہ کا عقیدہ ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس سب فرقوں کے عقائد مختلف ہوں گے کسی فرقہ کا عقیدہ دوسرے فرقے کے عقیدے کے موافق نہ ہوگا۔ ان میں بہتر فرقے کے عقائد فاسد ہوں گے۔ وہ سب فرقے اپنے فاسد عقائد کے سبب سے دوزخی ہوں گے۔ اور ایک فرقہ کا عقیدہ صحیح ہوگا اور وہ فرقہ ناجیہ ہے وہ فرقہ اپنے عقیدے کے سبب سے متوجہ دوزخ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ فرقہ اپنے نفس عقیدہ کے اعتبار سے قابل نجات ہوگا۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اس فرقہ کے بعض گنہگار لوگ اپنے گناہ کے سبب سے کچھ دن جہنم میں رہیں لیکن پھر وہ لوگ اپنے گناہوں کی سزا پا کر اللہ جل شانہ کی رحمت سے بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔

دوسرا جواب اس سوال کا یہ ہے اور یہ جواب حضرت امام غزالی رحمہ نے اختیار فرمایا ہے۔ اور محققین اور محدثین نے بھی یہ جواب پسند فرمایا ہے۔ یہ جواب اس طور پر دیا گیا ہے کہ فرقہ ناجیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو مطلقاً دوزخ میں داخل نہ کئے جائیں گے۔ اور نہ بوجہ اپنے عقیدہ کے نہ سبب اپنے اعمال کے، بلکہ قیامت کے دن بغیر مذاب کے وہ لوگ بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔ خواہ ان کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں یا بعض گناہوں کے ان لوگوں کو صرف یہی تکلیف ہوگی کہ قیامت میں خوف ان لوگوں کو کبھی رہے گا۔ اور وہ لوگ قبر کی سختی میں مبتلا کئے جائیں گے یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کے گناہ نیست اور نابود کر دیئے جائیں گے اور اس فرقہ کے لوگ صرف خاص اہل سنت ہوں گے کہ عقیدہ اور عمل میں ان لوگوں نے بدعت کی راہ اختیار نہ کی ہوگی۔ اگرچہ احتمال ہے کہ بعض تفصیلات فرقہ ان لوگوں سے بھی سرزد ہوئی ہوں گی۔ اور اس فرقہ کی یہ تفسیر جو حدیث شریف میں ہے نہایت چسپاں ہے :-

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ غَافِلُونَ ترجمہ : یعنی فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہوں گے جو اس طریقہ پر ہوں گے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں :-

اس واسطے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رحمہ کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں سے اطاعت میں قصور ہوا اور بعض گناہ سرزد ہوئے۔ مگر اس زمانہ میں بدعت نہ تھی۔ نہ عقیدہ میں بدعت تھی اور نہ عمل میں بدعت تھی۔ اور امام حجتہ الاسلام امام غزالی رحمہ نے اس جواب میں یہ قید بڑھادی ہے کہ فرقہ ناجیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بغیر حساب اور بغیر شفاعت کے بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور یکن میں نہ ہوں میں دائرہ نجات بہشت تنگ ہو جاتا ہے اور حدیث میں فرقہ ناجیہ کی تعریف یہ ہے :-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں

بخاری شریف نے اپنی تاریخ میں عمار کی روایت لکھی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے :-
 کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو یہ قوت بخشی ہے کہ سب خلایق کی بات سنتا
 ہے وہ میری قبر کے پاس کھڑا ہے جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ درود میرے پاس پہنچاتا ہے! احمد اور
 نسائی کی روایت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں کہ زمین میں پھر اکرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچا کرتے ہیں! یہ مضمون
 متواتر طور پر ثابت ہے۔ اور ایک مرتبہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے تفرغ لکھتے تھے اذانِ نبوی، حارث اور ابن سعد رحمہ اللہ نے روایت
 کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”کہ تم لوگوں کے حق میں میری زندگی بہتر ہے اور تم لوگوں کے حق میں میری وفات بھی بہتر ہے۔ تمہارے اعمال
 میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب نیک عمل دیکھتا ہوں تو اس کے شکر یہ میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حمد و
 شکر کرتا ہوں اور جب بد عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے مغفرت چاہتا ہوں! جب حضرت ابوبکر رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا کیطرف
 ملے جانا اور اجازت طلب کرنا اور چاہیے کہ اس وقت کہا جائے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ابوبکر ہے
 اجازت چاہتا ہے کہ آپ کے نزدیک دفن ہو اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ مجھ کو بیع کی طرف پھیر لانا۔ صحابہ
 نے ایسا ہی کیا۔ آواز آئی کہ آپ داخل ہوں آپ کی تعلیم اور توفیق کی گئی! خطیب نے یہ روایت کی ہے ابن عساکر نے
 کہا ہے کہ یہ روایت حضرت علی اکرم اللہ وجہہ کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-

کہ جب حضرت ابوبکر رحمہ اللہ کی وفات کا وقت آیا تو مجھ کو اپنے سر کے نزدیک بٹھلایا اور مجھ کو فرمایا کہ
 اے علی جب میں مر جاؤں تو آپ مجھ کو غسل دیجئے گا اسی کپڑے میں کہ اسمیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا
 اور مجھ کو اس گھر کی طرف لے جائیے گا کہ اس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! اوپر کے مضمون کے مطابق اجازت
 طلب کرنے کا قصہ ذکر کیا اور اس کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-
 کہ جو لوگ اس دروازے کے پاس گئے ان میں سے پہلے میں گیا۔ میں نے سنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ
 داخل کرو محبوب کو محبوب کی طرف تحقیق کہ محبوب محبوب کا مشتاق ہے۔ جب قحط سالی ہوئی تو حضرت عائشہ

کی اپنے شکم میں کھاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کھانے کے معنی مجازی مراد نہیں۔ تو اس جواب میں جس حدیث
 تحقیق منقول ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اگرچہ کسی فرقہ غیر ناجیہ کا صرف دو ایک عقیدہ باطل ہو تب بھی سمجھنا چاہیے کہ
 سب فرقہ غیر ناجیہ طریقہ ناجیہ اور فرقہ ناجیہ کا عقیدہ اور عمل باطل نہیں۔ مگر یہ بھی جاننا چاہیے کہ فرقہ ناجیہ
 خاص وہی لوگ ہیں جن کے اعتقاد اور عمل میں ہرگز بدعت نہیں۔ یہ مضمون جوابِ امانی سے مفہوم ہوتا ہے! یہ خیال
 کرنا چاہیے کہ صرف باعتبار اعتقاد فرقہ ہے جیسی فرقہ غیر ناجیہ کا اعتقاد باطل ہے اور فرقہ ناجیہ کا اعتقاد صحیح
 ہے۔ تو یہ مضمون پہلے جواب کا حاصل ہوا۔ اور اسی وجہ سے ہم نے شروع کلام میں کہا کہ پہلا جواب زیادہ مزید
 اور قوی ہے۔

سوال : عشرہ مبشرہ اور ان کے سوا تین حضرات کے علاوہ اس زمانے کے لوگوں کو اگر کوئی شخص
 قطعی بہشتی یا قطعی دوزخی کہے اور اس امر کی تصدیق اس کے دل میں ہو تو اس کے پاس سے میں شر نکالیا حکم کیا
 (از سوالات قاضی)

جواب : جن حضرات کے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت فرمائی ہے
 جو حضرات جنگ بدر میں حاضر تھے اور جو حضرات جنگِ احد میں شہید ہوئے اور جو حضرات بیعت الرضوان
 سے مشرف ہوئے۔ اس طرح کے اور جو حضرات ہیں اور یہ ہزار ہا حضرات صحابی ہیں کہ ان حضرات کے حق میں
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کی بشارت فرمائی۔ تو ان حضرات کے حق میں عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ حضرات قطعی بہشتی
 ہیں۔ لیکن ان حضرات کے علاوہ اور جو لوگ ہیں ان کو علام الغیوب کے علم پر حوالہ کرنا چاہیے ان لوگوں کو قطعی بہشتی جاننا
 چاہیے اور قطعی دوزخی سمجھنا چاہیے۔

نے فرمایا کہ چاہیے کہ لوگ ایک سو راخ آسمان کی طرف رسول اللہ کی قبر مبارک کی محاذی بنادیں لوگوں نے یہاں کیا آسمان سے پانی برسا اور قطر رفع ہوا۔

سوال : الصحابة کُلُّهُمَّ عَدْلٌ یعنی صحابہ سب عادل ہیں کی تشریح فرمائیے۔

جواب : اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ الصحابة کُلُّهُمَّ عَدْلٌ یعنی صحابہ سب عادل ہیں۔ اس عقیدہ کے بارے میں بارہا حضرت ولی نعمت اللہ مرحوم قدس اللہ سرہ العزیز کے حضور میں بحث اور گفتیش واقع ہوئی ہے۔ آخر میں یہ منع ہوا کہ اس جگہ عدالت کے متعارف معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور کسی دوسرے امر میں قطعی عادل ہونا مراد نہیں۔ حدیث کی روایت میں جس عدالت کا بیان ہے۔ اس سے مراد پرہیز کرنا اور پرہیز کرنا ہے اور پرہیز کرنا اس بات سے کہ اس سے روایت میں انحراف ہونے کا خوف ہو۔ ہم نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی تحقیق کی، یہاں تک کہ ان کی ہر ایک بات اور ہر ایک فعل میں مخالفت میں مبتلا ہوئے تھے۔ ان کی سیرت کی بھی تحقیق کی تو میں نے سب صحابہ کو ایسا پایا کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اس بات کی نسبت جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے نہایت سخت گناہ ہے اور ایسی بات کہنا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور جو حقیقت نہ ہو۔ اس بات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پرہیز کرتے تھے۔

چنانچہ یہ امر اہل سیر پر ظاہر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے کا کچھ نشان سابق کی کتب عقائد میں نہیں اور نہ سابق کی کتب کلام میں ہے یعنی یہ امر متقدمین علماء کرام کے نزدیک مسلم تھا۔ اس وجہ سے اس میں کچھ بحث کی نوبت نہ آئی اور اسی وجہ سے سابق کی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں۔ صرف متاخرین محققین نے اس کا ذکر اصول حدیث میں کیا ہے۔ وہاں جہاں روایۃ کے طبقات کی تبدل بیان کی ہے۔

پھر علماء کرام نے یہ عقیدہ ان کتابوں سے عقائد کی کتابوں میں نقل کیا اور یہ ان لوگوں نے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے بلاغور تعمق حدیث اور کلام میں غلط کیا ہے۔ ہمیں شبہ نہیں کہ عدالت کہ اس سے علماء اصول کہ عرض متعلق ہے۔ وہ عدالت مراد ہے کہ اس کا اعتبار روایت میں ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ پرہیز کیا جانے روایت میں قصداً دروغ کہنے سے اور پرہیز کیا جائے اس امر سے کہ اس سے نقل میں انحراف ہونے کا خوف ہو۔ دوسرے اور معنی نہیں تو اس صورت میں اس کلیہ میں مطلقاً اشکال نہیں۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السراج الجلیل در فضیلت شخنین

تعریف کرتے ہیں ہم اللہ کی اور درود بھیجتے ہیں اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل اطہار اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بعد حمد اور صلوة کے واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تحفہ اشاعشریہ کے لئے سے فراغت حاصل ہوئی۔ تو بعض دوستان صادق و یاران موافق نے نہایت آرزو اور اشتیاق کے ساتھ استدعا کی کہ مسئلہ تفصیل کی بھی تفصیل مناسب کر دیجائے تاکہ اس بحث میں تحقیق کی احتیاج باقی نہ رہے۔ اس وجہ سے یہ فقرہ رسالہ اس وقت مجملت میں لکھا گیا۔

اس خیال سے کہ جو چیز کامل طور پر حاصل نہ ہو سکے تو یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ مطلقاً ترک کر دیجائے اور اس رسالہ کا نام السراج الجلیل فی مسئلہ التفصیل رکھا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اس رسالہ میں گیارہ مقدمات ہیں۔

مقدمہ اولی

فضل اختصاصی و فضل جزائی

جاننا چاہیے کہ فضل کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ قسم اول فضل اختصاصی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ بلا عمل اور بلا عبادت کسی چیز کو کسی

چیز پر فضیلت بخشے اور ترجیح دے۔ اس لئے کہ وہ مالک ہے اپنے مملوکات سے جس کو چاہے اس کا مرتبہ اور منصب زیادہ فرمائے اور اس کو ممتاز کرے۔ یہ فضل نہایت وسیع ہے جو کہ ناطق اور غیر ناطق اور حیوان اور جمادات اور نباتات بلکہ جو اہل اعراف سب کو شامل ہے مثلاً پیدائش میں ملائکہ کو فضیلت دی گئی کہ سب کے قبل وجود کی خلعت سے عر فراز ہوئے اور مثلاً انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی کہ بلا استعداد سابق کے کہ وہ استعداد عبادت اور ریاضت

قَالَ لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا بِكَ. یعنی پس انکار فرمایا اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو مقدم کرنے سے
الوجہ پر ہے۔
اور اس باب میں صرف یہ حکم فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مقدم کئے جائیں۔ اس طرح کے اور بھی اقوال ہیں۔

دوسرا مقدمہ

فضل جزائی عمل کا معاوضہ ہے

فضل جزائی جو کہ عمل کے عوض ہوتا ہے
اس کے بھی چند اقسام ہیں پہلے اُن اقسام
پر غور کرنا چاہیئے۔ اور محل نزاع میں

ہر قسم ثابت ہو جاری کرنا چاہیئے تاکہ فضل جزائی کا مورد متعین ہو جائے۔ اور نزاع مرتفع ہو تو پہلے جانا چاہیئے
ہر قسم سات وجہیں ہیں کہ جن کے اعتبار سے عامل کو اپنے عمل سے غیر پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ ان سات وجہوں
ملاوہ اور کوئی دوسری وجہ نہیں کہ فضل جزائی کی وجہ سے کسی شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت ہو سکے اور اس سات
ہم کی تفصیل یہ ہے۔

اول وجہ ماہیت عمل کی ہے۔ یعنی صورت نوعیہ اور صورت معنیہ عمل کی جیسے نمازی کی فضیلت روزہ دار پر ہے۔
اور صاحب فرائض کی فضیلت صاحب نوافل پر ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ مثلاً ایک شخص ہے
جو تمام فرائض ادا کرتا ہے۔ اور ایک دوسرا شخص ہے کہ بعض فرائض ادا کرتا ہے۔ اور بعض کو ترک کرتا ہے
اور نوافل ادا کرتا ہے۔ یا دونوں شخص تمام فرائض ادا کرتے ہیں اور نوافل زیادہ بجالاتے ہیں۔ لیکن ایک کے نوافل
ب نسبت دوسرے کے زیادہ ہیں۔ یا ایک شخص ہے کہ نماز میں زیادہ ذکر کرتا ہے اور دوسرا شخص ہے کہ خارج
نماز زیادہ ذکر کرتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً دو آدمی ہیں۔ اور وہ دونوں مجاہدین سے ہیں۔ ایک
ان میں سے کفار کے معرکہ میں جہاد بہت کرتا ہے اور خطرناک مقامات میں جاتا ہے۔ اور دوسرا شخص مجاہد
کی کمک یعنی مدد کرتا ہے اور دشمنوں کو دایں بائیں سے دور کرنے میں کوشش زیادہ کرتا ہے

تیسری صورت یہ ہے کہ مثلاً دو شخص ہیں ایک شخص جہاد بہت کرتا ہے اور دوسرا شخص نماز روزہ میں بہت
مشغول رہتا ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ مثلاً دو شخص ہیں اور وہ دونوں مجاہدین میں سے ہیں جو کہ اجتہاد کرتے ہیں۔
اور ان میں سے کوئی ایک ب نسبت دوسرے کے امر حق زیادہ دریافت کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح کی
اکثر صورتیں ہو سکتی ہیں تمثیل اور تفہیم کے لئے اس قدر کہ منقول ہوا کافی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کا
فصل عمل ب نسبت دوسرے شخص کے افضل ہو۔

سے حاصل ہوتی ہو اس مرتبہ سے مشرف ہو کہ اس پر وحی نازل ہو۔ فضل کے اسی جنس سے ہے۔ فضیلت سیدنا ابی
ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع افعال پر فضیلت حضرت صاحب علیاؑ سے ناظر کی جہان کے سب افعال
پر فضیلت اس بکری کی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ میں دی گئی سب انبیاء اور ہدیٰ پر فضیلت
مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی سب شہروں پر فضیلت مسجد کی باقی تمام جگہ پر فضیلت حجرا سود کی سب
پتھروں پر فضیلت ماہ رمضان کی باقی سب مہینوں پر فضیلت جمعہ اور روز عرفہ اور روز عاشورہ کی باقی سب روزوں
پر فضیلت عشرہ ذی الحجہ کی باقی ایام پر فضیلت شب قدر کی دوسری راتوں پر فضیلت نماز فرض کی نفل پر
فضیلت نماز عصر اور فجر کی دوسروں نمازوں پر فضیلت مسجد کے قعود پر ارکان نماز میں فضیلت بعض اذان کا کلام
پر۔ ان تمثیلات سے واضح ہوا کہ بعض فضل ایسا ہوتا ہے کہ اس کی وجہ بشر کی عقل کے موافق ہوتی ہے جیسے فضیلت
مساجد کی دوسری جگہوں پر ہے کہ ان جگہوں میں بھی اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن شخص اس خاص جگہ کی فضیلت
دی گئی ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے بعض فضل ایسا ہوتا ہے کہ اس کی وجہ بشر کی عقل میں نہیں آتا
جیسے فضیلت حجرا سود کی باقی پتھروں پر ہے اور فضیلت کعبہ شریف کی باقی مقامات پر ہے۔

کوئی فضل اصلی ہوتا ہے جیسے فضیلت حجرا سود کی باقی پتھروں پر ہے کوئی فضل طبعی اور فطری ہوتا ہے
جیسے فضیلت ذبیح اسماعیل کی اور جیسے فضیلت سیدنا ابراہیمؑ ابن رسول اللہ کی۔ حاصل کلام یہ کہ دار و مدار اس قسم
فضل کا صرف اس پر ہے کہ بنا عمل اور بلا سعی کے شخص حاصل ہو جائے۔ اور دوسری قسم فضل کی :-

۲. فضل جزائی : جو عمل کے عوض عطا ہوتا ہے اور یہ قسم ب نسبت قسم اول خاص ہے جو کہ اہل عمل کے
سوا دوسرے میں یہ فضل نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے تین گروہ ہیں۔ ملائکہ جن اور انس اور مرجع اس فضل کا بھی آخری
ہی فضل اختصاصی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ یہ امر واضح ہوگا۔ اس قسم کے فضل میں اکثر نزاع اور
اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے۔ بجا امت فضل اختصاصی کے کہ اس میں شارع کا صرف نص کافی ہوتا ہے۔ اس مقام
میں یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ تمام صحابہ کرام کے حق میں فضل اختصاصی ثابت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

أَخْتَارَ لِي أَحَبَّ النَّاسِ وَأَوْفَرًا وَأَهْلًا تَرْجَمَ : برگزیدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب
اور انصار اور اسماء کو

ازواج مطہرات اور بنات مکرمات کے حق میں بھی ایسا ثابت ہے۔ چنانچہ یہ امر ظاہر ہے لیکن بحث ان کے
کی باہمی فضیلت میں ہے۔ بعض احادیث سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضل بھی فضل اختصاصی ہے لیکن نظر دقیق اور گہرا
احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل جزائی ہے۔ البتہ یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب خلافت اور منصب
وزارت میں جو بعض کو بعض پر فضیلت ہوتی تو وہ فضل اختصاصی ہے۔ چنانچہ یہ امر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

۲۔ اور دوسری وجہ منجملہ سات وجہ کے علیت عمل کی ہے یعنی علت غائی عمل کی ہے اور وہی عزم عمل سے پہلے ہے کہ اس کو شریع کے عرف میں نیت کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص عمل کرتا ہے وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرتا ہے اور کوئی عزم اس کے ساتھ غلط نہیں کرتا ہے اور دوسرا شخص کہہ رہا ہے کہ میں اس کے ساتھ برابر ہے لیکن خلوس میں کم ہے۔ وہ خواہش کرتا ہے کہ اس عمل کی وجہ سے لوگ اس کی مدح اور ثناء کریں۔ یا کوئی دوسری دنیاوی عزم اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے ساتھ غلط کرتا ہے۔

۳۔ تیسری وجہ کیفیت عمل کی یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص ہے کہ ہر عمل جمیع حقوق، سنن اور آداب کے ساتھ ادا کرتا ہے اور دوسرا شخص بعض سنن اور آداب کو ترک کرتا ہے اگرچہ عمل کو باطل نہیں کرتا ہے یا مثلاً کوئی شخص عبادت ہے کہ نیک عمل کرتا ہے اور کبائر سے پرہیز کرتا ہے اور صغائر پر اصرار نہیں کرتا ہے یعنی گناہ کبیرہ کو تلافی نہ کرتا ہے صغیرہ پر اصرار کرتا ہے اور دوسرا کوئی شخص ایسا ہے کہ باوجود طاعت اور عبادت کے گناہ کبیرہ بھی کرتا ہے اور گناہ صغیرہ پر اصرار بھی کرتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس تفاوت بسبب حضور قلب اور عدم حضور قلب کے ہوتا ہے۔ ایسا ہی تفاوت قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر کی فضیلت میں اسی اعتبار سے ہوتا ہے۔ کہ مثلاً کوئی شخص تلاوت اور ذکر طہارت کی حالت میں یعنی با وضو کرے۔

۴۔ اور چوتھی وجہ کیفیت عمل کی ہے مثلاً دو اشخاص ہوں اور دونوں اشخاص نے ایک ہی وقت میں نیک عمل شروع کیا ہو اور کوئی دوسرے سے پہلے فوت ہو جائے۔ اور دوسرا شخص کہ زندہ رہے اور قرآن اور نوافل بہت بجالائے چنانچہ صحیح حدیث میں اسی طرح کے دو اشخاص کے بارے میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

خَاتَيْنَ مَلَكُوتَهُ بَعْدَ صَلَاتِهِ فَيَا مَهْ بَعْدَ صَلَاتِهِ تَرْجَمَ : پس کہاں ہے اس کی نماز نماز کے بعد، اس کا روزہ اس کے روزے کے بعد؟
یعنی جو شخص بعد میں زندہ رہا اس کی نماز اور اس کا روزہ جس قدر پہلے شخص کی موت کے بعد ہوئے بہ نسبت اس پہلے شخص کے روزہ اور نماز زیادہ ہو گئے۔

۵۔ پانچویں وجہ زمان عمل ہے تو جس شخص نے شروع اسلام میں یا ایم فطرت میں یا ایسے وقت میں کہ مسلمانوں پر حادثہ پڑا ہو کوئی عمل اور طاعت کیا ہو یا جہاد کیا ہو اور صدقہ دیا ہو اور کسی ام میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہو تو وہ شخص بہتر ہے اس شخص سے کہ اس نے اس وقت عمل کیا ہو کہ اسلام کو قوت حاصل ہو رہی ہو اور اسلام میں اس عمل سے استفادہ رہا ہو۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے :-

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ آمَنَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلْ. أُولَٰئِكَ أَطْعَمَهُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا

ترجمہ : یعنی میں برابر تم لوگوں میں سے وہ لوگ کہ جن لوگوں نے خیریت یا قبل فتح ہونے کو لے اور

جہاد کیا بلکہ وہ لوگ زیادہ ہیں درجہ میں ان لوگوں سے کہ جن لوگوں نے خیریت کیا بعد فتح ہونے کے مکہ معظمہ کے اور جہاد کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمایا ہے :-
لَا تَفْقَحُوا أَحَدَكُمْ مِثْلَ أَحَدِهِمَا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نِصْفَهُ. ترجمہ : یعنی اگر خرچ کرے کوئی تم لوگوں سے جیل اُحد کے برابر سونا تب بھی کسی صحابی کے درجے کو نہ پہنچے گا بلکہ کسی صحابی کے نصف درجے کو بھی نہ پہنچے گا؟

ایسا ہی ایک درم خرچ کرنا خالص فقر اور احتیاج کی حالت میں بہتر ہے اس کے رغنا اور ثروت کی حالت میں اس سے دو چند چار چند خرچ کرے یا زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کے لئے موت کے وقت وصیت کرے اور یہی فرائض ادا کرنا خوف اور مرض اور سفر اور مشقت کی حالت میں اور قلت فرصت اور فوراً مانع کے وقت افضل ہے اس سے کہ اس کے علاوہ دوسری حالت میں یعنی مثلاً اطمینان کی حالت میں فرائض ادا کئے جائیں اور ایسا ہی موت کے وقت اور آخر عمر میں عبادت کا شغل بہتر ہے اس سے کہ شروع عمر میں عبادت کا شغل ہو اور عمر کہ رمضان المبارک میں کیا جائے۔ ثواب میں حج کے برابر ہوتا ہے۔ رمضان شریف میں جو شخص نفل ادا کرتا ہے تو اس کو اتنا ثواب ہوتا ہے کہ جتنا کہ رمضان شریف کے سوا کسی دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرتا ہے اور جو شخص رمضان شریف میں فرض ادا کرتا ہے تو اس کو اتنا ثواب ہوتا ہے جتنا کہ رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کرتا ہے اور رمضان کے بعد باقی مہینوں میں محرم کے مہینے کا روزہ افضل ہے صحیح حدیث اور اجماع سے ثابت ہے کہ ماہ حرام میں رعایت کا ثواب دو چند ہوتا ہے۔

۱۔ اور چھٹی وجہ مکان عمل ہے یعنی عمل کی جگہ ہے۔ مثلاً جو نماز کہ مسجد حرام میں یا مدینہ منورہ کی مسجد میں ادا کی جائے افضل ہے ان ہزار نمازوں سے جو کہ دوسری جگہ ادا کی جائیں۔ ایسا ہی جو نماز دار الحرب میں اور جہاد کے مقام میں ادا کی جائے۔ افضل اس نماز سے کہ دوسری جگہ ادا کی جائے۔ جو شخص ایک دن جہاد میں روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔

۲۔ اور ساتویں وجہ امور خارجیہ کی اضافت ہے مثلاً کبھی عمل کا ثواب باعتبار فاعل یا مشارک یا مقارن کے زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک رکعت نماز نبی کی یا ہمراہ نبی کے بہتر ہے اس کے علاوہ دوسری نماز سے۔ ایسا ہی دو ہفتہ اور جہاد کبھی سے واقع ہو یا بیچے کے بعد واقع ہو ہزاروں درجہ بہتر ہے اس کے علاوہ دوسرے روزہ اور صدقہ اور ہمدان سے اسی وجہ سے صحابہ کرام نے جو اعمال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کئے۔ ان کو ان اعمال کے مانند سمجھتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کئے تھے۔ اور صحیح حدیث میں وارد ہے :-

عُمَرُوهُ فِي مِثْلِ مِثْلِ حِجَّةٍ مَّعِي. ترجمہ : یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عمرہ رمضان میں ادا کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

اور قرآن شریف میں جا بجا اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔
لَٰكِنَّ الرُّسُلَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَدِلَّةً
لِّهَذَا الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: لیکن پیغمبر اور وہ لوگ جو کہ ایمان لائے پیغمبر کے ساتھ جن لوگوں نے جہاد کیا اپنے جان و مال سے
یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے نیکی ہے اور یہ لوگ فلاح پائے والے ہیں۔
اس سے اب وقاسم حیاتی کا قول باطل ہو گیا کہ اس نے کہا ہے:-

جَاهِدُوا أَنْ طَالَ عُمُرُ أَمْوَالِهِمْ أَنْ يَتَمَكَّلَ مَا يَوْمَئِذٍ عَمَلُ النَّبِيِّ
ترجمہ: یعنی جائز ہے کہ اگر بہت زیادہ ہو عمر انسان کی تو عمل کرے نبی کے عمل کے برابر۔

ممکن ہے کہ اس کا عمل نبی کے عمل کے برابر ہو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو کہ انس بن مالک اور ابوامر بن ابی اسود
بن بشیر اور عبد اللہ بن حارث بن ابراہیم اور سہیل بن سعد ساعدی اور جابر بن عبد اللہ انصاری کہ ان حضرات نے عمر قبول کی
اور عمل کیا لیکن یہ حضرات علقاء اربعہ اور ابو عبیدہ بن جراح اور زید بن حارث اور جعفر بن ابی طالب اور مصعب بن عمیر
اور سعد بن معاذ اور عثمان بن مظعون سے افضل ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے اسی کو تو بے برس سے زیادہ ان
حضرات سے عمر پائی تھی۔ اور طاعت بھی بہت بجالائے۔ اسی وجہ سے یقین کرتا ہوں کہ جو صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
و سلم کی وفات کے وقت افضل تھے۔ دوسرے صحابی کی فضیلت ان کے برابر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ وہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کافی اعمال بجالائے۔

تیسرا مقدمہ

فاضل مفضل پر واجب التعظیم ہوتا ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ تیسرے فاضل کے دو امر ہیں: خواہ فاضل اختصاصی ہو کہ بلا عمل کے ہو۔ خواہ فاضل جزائی ہو کہ فاضل
عوض پر۔ ان دو امر کی تفصیل یہ ہے کہ:-

اول امر یہ ہے کہ حق تعالیٰ فاضل کی تعظیم دنیا میں مفضل پر واجب کرتا ہے اور اس امر میں تمام فاضل شریک
ہیں۔ جیسے کہ مثلاً کعبہ شریف، مسجد، روزہ جمعہ، ماہ رمضان، حضرت صالح علیہ السلام کی اوستی، یہ تمام جہاد
اور جہادنا سے ہیں۔ اور جیسے کہ مثلاً انبیاء علیہم السلام، ملائکہ، صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ فاضل کے واسطے باعتبار قرب، منزلت، مقامات، جنت

ایسا درجہ قرار پائے کہ وہ درجہ مفضل کے درجہ سے اعلیٰ اور ارفع ہو۔ اور یہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ فاضل
کا درجہ درجہ فاضل ظاہر نہ ہوگا بلکہ فاضل صرف ایک مہمل لفظ قرار پائے گا۔ کہ جس کے کوئی معنی نہ ہوں۔ اس امر میں ایک خاص
ضرورت ہے کہ عامل کے سوا غیر کو مہتر نہیں اور اسی وجہ سے فاضل جزائی کے سوا دوسرے فاضل میں یہ امر اصلاً متحقق
نہیں ہوتا ہے۔ البتہ طبعاً ہوتا ہے۔ مثلاً اطفال مؤمنین علی الخصوص اطفال انبیاء علیہم السلام بلا عمل کے جنت میں داخل
کئے جائیں گے۔ اور ان کا درجہ زیادہ ہوگا۔ اور یہ صرف فاضل اختصاصی کی بنا پر ثابت ہوتا ہے۔

چوتھا مقدمہ

وہ چیز جس کی تعظیم کا حکم ہو صاحب فضیلت ہوتی ہے

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی تعظیم کرنے کے لئے ہم لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ صاحب فضیلت ہے اور
اس مقدمہ میں جو خود شدہ دل میں گذرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ والدین اگر کافر ہوں تو ان کی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا اور
جہیز سے پیش آنا واجب ہے اس واسطے کہ اللہ نے فرمایا ہے:-

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

یعنی اور پسند کرو والدین کے سامنے عاجزی کا بارو،

حالانکہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ان میں کچھ فضیلت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم شرع کے عرف میں
مال تعظیم نہیں۔ بلکہ یہ ان کے ساتھ ایک طرح کا احسان کرنا ہے۔ احسان کو تعظیم نہیں کہہ سکتے۔ صرف عاجزی کے ساتھ پیش
آنا ہی تعظیم نہیں۔ اس واسطے کہ انسان کبھی اس شخص کے ساتھ بھی عاجزی سے پیش آیا ہے کہ جس سے نقصان پہنچنے کا
خوف ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی ثابت ہے کہ کافر والدین کی تعظیم کا شرع میں حکم نہیں۔ بلکہ ان سے بیزار رہنا واجب
ہے چنانچہ فرمایا ہے اللہ نے:-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ
كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَمَلَهُمْ يُحِبُّونَ اللَّهُ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا
کے دن پر اس حال میں کہ محبت رکھتے ہوں ان لوگوں سے کہ مخالفت کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے اور
اللہ تعالیٰ کے رسول سے۔ اگرچہ یہ مخالفین ان مؤمنین کے آباء ہوں:-

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

افضلیت دوسری چیز پر صرف اسی صورت میں متحقق ہو سکتی ہے کہ ان دونوں چیزوں کی فضیلت کسی وجہ سے ہو اور وہ وجہ کسی ایک چیز میں زیادہ ہو اور دوسری چیز میں کم ہو۔ اگر ان دونوں چیزوں کی فضیلت دو وجہوں سے ہو تو ایسی دونوں چیزوں میں ایک کو دوسرے سے افضل نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں میں کون افضل ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز میں وہ وصفت زیادہ ہے کہ اس وصفت میں یہ دونوں مشترک ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رمضان افضل ہے یا حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی افضل ہے اور ایسا ہی یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ بھیر شریف افضل ہے یا نماز افضل ہے البتہ استفسار کر سکتے ہیں کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ افضل ہے۔ رمضان شریف افضل ہے یا ذی الحجہ افضل ہے۔ نماز افضل ہے یا زکوٰۃ افضل ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی افضل ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیقہ افضل ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام بے محل ہے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اس واسطے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت محل کی بنا پر نہیں بلکہ ایک خاص خصوصیت کی وجہ سے ہے۔

ساتواں مقدمہ

ساتواں مقدمہ یہ ہے کہ بہشت میں اعلیٰ درجہ پانا کسی کے حق میں بطریق تبعیت کے ثابت ہوتا ہے مثلاً اولاد منار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بتبعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہشت کے اعلیٰ درجے میں رہیں گے ان اولاد منار کا جو یہ درجہ ہوگا تو اس سے ان کا فضل جزائی نہیں ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ یہ اشکال لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بتبعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں رہیں گی۔ تو اس بنا پر چاہیے کہ ازواج مطہرات باقی سب انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کبار سے افضل ہوں اور ان کا اجماع کے خلاف ہے اور بہشت میں اعلیٰ درجہ پانا کسی کے حق میں اصالتاً نہیں ثابت ہوتا۔ یعنی اپنے عمل کے موافق وہ درجہ پائے گا۔ بلکہ اس سے اس شخص کا فضل جزائی ثابت ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جنت میں پہلے داخل ہونا۔ اور حرم پر پہلے وار ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کسی کے حق میں پہلے ہونا اور موقف اور حساب کے اعتباراً افضل ہونا۔ یہ سب امور دونوں قسم کے فضل سے حاصل ہوں گے۔ بعض کو فضل جزائی سے حاصل ہوں گے۔ اور بعض کو فضل اختصاصی سے۔ مثلاً فضل اختصاصی کی وجہ سے امت مصلطوبہ ان امور میں دیگر انبیاء پر مقدم ہوگی جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اللہ عظیم نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافر کا۔

اذ قالوا لعلنا نؤمن بکرم و ما نفعنا ذلک من دون اللہ کفرنا بکرم و بعد ان یبیتنا و یبیتکم العذاب و البغضاء ابدًا حتی تو منوا باللہ و حدک

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یا دیکھیں وہ وقت کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور ان لوگوں نے جو آپ کے ساتھ تھے اپنی قوم سے کہا کہ تحقیق کہ ہم بے زار ہیں تم سے اور اس چیز سے کہ عبادت کرتے ہو تم اس کی کہ وہ سوا خدا کے ہے۔ انکار کیا ہم نے تم سے اور ظاہر ہوئی درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے عداوت اور بغض ہمیشہ کے لئے اس وقت تک کہ ایمان لاؤ تم ساتھ اللہ کے کہ ایک ہے وہ۔ بلکہ شرعی تعظیم وہ ہے کہ اس کی بنا اللہ اور فی اللہ محبت اور ولی دوستی پر ہو۔ یہ امر اہل فضل کے سوا دوسرے کے حق میں شرع میں کہیں وارد نہیں۔ چنانچہ یہی امر تخص اور تحقیق کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

پانچواں مقدمہ

پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ یقیناً معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کے بعد انبیاء علیہم السلام کی اس قدر تعظیم واجب ہے کہ اگر تعظیم کسی دوسرے کی واجب نہیں اور اس قدر تعظیم کا مستحق انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور بعد انبیاء علیہم السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی اس قدر تعظیم نص قرآنی سے ثابت ہے کہ اس قدر تعظیم کسی دوسرے کے لئے ہرگز ثابت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الَّتِیْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَنْ اَفْتَسَبَھُ وَاَنْزَلَھُ وَاَجَلَھُ اَفْطَسَبَھُ۔ ترجمہ: یعنی نبی زیادہ بہتر ہے مؤمنین کے حق میں ان کی جان سے۔ اور نبی کی ازواج مؤمنین کی مائیں ہیں۔

یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے زیادہ فضیلت حاصل ہوئی بہ نسبت دوسرے صحابہ کے۔ اس لئے ازواج مطہرات کی محبت اعلیٰ ہے بہ نسبت دوسرے صحابہ کی محبت کے۔ اور محبت کی فضیلت کے علاوہ دین کے اعتبار سے ام المؤمنین ہونے کا حق ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔

چھٹا مقدمہ

چھٹا مقدمہ یہ ہے کہ جب فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو تو ایسا سوال نامناسب نہیں کہ عام طور پر ایک طرح کا دو چیزیں ہوں۔ ان کے بارے میں استفسار کیا جائے کہ ان دو چیزوں میں کون چیز افضل ہے۔ اس واسطے کہ ایک چیز

هُمُ وَأَشْرَدَاجَهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرْضِ مَنَاسِكُ مَنَاسِكُونَ ۚ يَعْنِي جَوَ لُوكِ جَنَّتِ فِي رَجَبٍ
گے وہ اور ان کی بیبیاں سایہ میں تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ۚ
اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمُ ۚ يَعْنِي جَوَ لُوكِ إِيْمَانُ لَأَسْأَلُ أَوْدَانَ كِي تَابَعْدَ رِي إِيْمَانُ مِيْنِ اِن كِي اَوْلَادُ سَنَ
کی تو ملا دیا ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ۚ
غرض یہ اس طرح کے اور بھی اقوال ہیں ۔

۱۲۶



آٹھواں مقدمہ

آٹھواں مقدمہ یہ ہے کہ سیادت فضل کے علاوہ ہے اس واسطے کہ کسی شخص کی سیادت اس امر پر دلالت
کرتی ہے کہ اس شخص میں کسی وجہ سے شرف ہے اصالتاً ہو یا تنبیاً ہو ۔ اہمیت کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اولاد اس شرف کی وجہ سے جو ان میں ہے سادات ہیں ہر فضل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جزائے عمل پر موقوف نہیں ۔ اور
ہی امارت موقوف فضل پر نہیں ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مامور ہوئے تھے ۔ کہ حضرت عمرؓ بن العاصؓ رہا کی اطاعت
کریں ۔ اس وقت جبکہ عمرؓ بن العاصؓ امیر مقرر کئے گئے تھے ۔ اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ بن العاصؓ
عمرؓ سے افضل نہ تھے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ایک شخص کی اطاعت دوسرے شخص پر شرعاً واجب ہو تو اس سے
ثابت نہیں ہوتا ہے کہ پہلا شخص دوسرے شخص سے افضل بھی ہے مثلاً عورت ، غلام ، رعایا اور اولاد کو حکم ہے کہ ان
مولا ، سلطان اور والدین کی اطاعت کریں ۔ اور اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مجملہ ان کے جس کی اطاعت کرنے کا کوہا
ہے وہ افضل ہے اس سے کہ جس کو حکم ہوا ہے کہ اطاعت کرے ۔

نواں مقدمہ

نواں مقدمہ یہ ہے کہ تفصیل کی سات وجوہ کہ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے ۔ جب ان وجوہ میں باہم تضاد من ہو تو آیات
اور احادیث کے ذریعہ سے متین کرنا چاہیئے ۔ مگر جس وجہ کا اعتبار کرنا اولیٰ ہے تو یقیناً شریعت سے ثابت ہے کہ کیت
عمل کا اعتبار بقا کی کیفیت عمل کے نہیں ۔ اور ایسا ہی کیفیت کی کیت کا اعتبار نہیں ۔ بمقابلہ عمل کے وقت کے ہونا
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

لَا يَسْتَوِي مَنكَ مَنَ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ أَوْ لِيْلِكَ أَعْطُوْهُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ

أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا

یعنی نہیں برابر ہیں تم لوگوں میں سے وہ لوگ کہ جنہوں نے خرچ کیا فتح ہونے کے بعد اور جہاد کیا
وہ لوگ زیادہ ہیں باعتبار درجہ کے ان لوگوں سے کہ خرچ کیا ان لوگوں نے فتح کے بعد اور جہاد کیا ۚ
میں احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کا عمل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوا ۔ اس کے برابر
کوئی دوسرا عمل نہیں ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح کہ جو عمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہو کر کیا
یا اس کے برابر کوئی دوسرا عمل نہیں ہو سکتا ہے ۔ اس لئے کہ جب جماعت کی شرکت کسی عمل میں ہوتی ہے ۔ تو اس
عمل کے لئے ہیئت و حدائیت حاصل ہوتی ہے جس طرح کیفیت و حدائیت مزاج کی ہے جو کہ ہر جزو اجزائے مرکب
سے مزج اور تشابہ ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے شرع میں جماعت کا حکم ہوا ہے ۔ اس اعتبار کے لئے فضل جزائی
سب امت پر ثابت ہے اور صحابہ کرامؓ کے درمیان سبقت اور تقدم کا اعتبار کرنا چاہیئے ۔ جو اس آیت کریمہ سے
ثابت ہے :-

لَا يَسْتَوِي مَنكَ مَنَ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلُوا ۚ يَعْنِي جَوَ لُوكِ جَنَّتِ فِي رَجَبٍ
سے وہ لوگ کہ خرچ کیا ان لوگوں نے قبل فتح ہونے کے بعد اور جہاد کیا ۚ
اس واسطے کہ جس قدر عمل مقدم ثابت ہوگا اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوگی اور جس وقت زیادہ ضرورت تھی کہ
اسلام کو قوت دی جائے ۔ اس وقت وہ عمل کیا گیا ہو تو اسی قدر اس عمل کی زیادہ فضیلت ہوگی ۔ چنانچہ یہ امر اس حدیث سے
ثابت ہے :-
فَقَالَ صَدَقَتْ قَوْلُكُمْ كَذَبَتْ تَرْجَمَ ۚ پَسِ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ آپ نے سچ
فرمایا اور تم لوگوں نے کہا کہ آپ نے خلاف فرمایا ۔
اس اعتبار سے جو لوگ کہ ہجرت کے قبل اسلام کے عمل پر قائم تھے وہ لوگ افضل قرار پائے مثلاً ان سابقین
لوگوں سے یہ حضرات ہیں :-

حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت حمزہؓ ، حضرت جعفرؓ اور
عثمان بن مظعونؓ ، حضرت طلحہؓ ، حضرت زبیرؓ ، مصعب بن عمیرؓ ، عبدالرحمنؓ ، عبداللہ بن مسعودؓ
سعید بن زیدؓ ، زید بن حارثہؓ ، ابو عبیدہ بن جراحؓ ، حضرت بلالؓ ، سعد بن ابی وقاصؓ ، حضرت
عمار بن یاسرؓ ، ابوسلمہ بن اشدؓ ، عبداللہ بن جحشؓ ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین
پھر ان سابقین لوگوں میں اہل بدر کو ترجیح ہے ۔ پھر ان کے بعد ان لوگوں کو ترجیح ہے کہ جو لوگ غزوات میں
حاضر تھے ۔ ان کو بھی بالترتیب ترجیح ہے یعنی جو لوگ کہ سابق کے غزوات میں حاضر تھے ان کو ترجیح ہے ۔ ان لوگوں پر کہ جو
لوگوں کے بعد کے غزوات میں حاضر تھے ۔ یہی ترتیب صلح حدیبیہ تک قرار دی جائے گی ۔ یہ اس واسطے کہ جو لوگ اس
واقعہ میں حاضر تھے ۔ ان پر سکینہ کا نازل ہونا اور ان کے مشوب کی صفائی اور ان کی نیت کا خلوس نص قرآنی سے صراحتاً ثابت

ہے چنانچہ فرمایا اللہ نے:-

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۚ يَعْنِي تَحْقِيقَ كَرَامَتِي بِهَؤُلَاءِ الْمُؤْمِنِينَ سَے جو کہ بیعت کرتے ہیں آپ سے درخت کے نیچے۔ پس جانا اللہ نے جو کہ دلوں میں ہے ان کے پس نازل کیا اللہ نے سکینہ اُن پر اور دی ان کو حبلہ منقطع۔

یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے اور اس کے بعد دوسرا کوئی غزوہ ایسا یقیناً ثابت نہیں کہ اس کی بنا پر فضیلت دینا ممکن ہو۔ اس واسطے کہ اس کے بعد کے ہر غزوہ میں منافقین اور صاحبانِ اغراضِ فاسدہ دنیاوی بھی شریک ہیں چنانچہ فرمایا اللہ نے:-

وَمِمَّنْ حَاوِلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدْيَنَةِ مَكْرُوهٌ وَعَلَى النَّفَاقِ لَا تَقْلِبُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ ترجمہ: یعنی اور بعض ان لوگوں سے کہ تمہارے گرد ہیں اعراب سے منافقین ہیں اور نفاق کی وجہ سے بھی بعض لوگوں نے سرکشی کی ہے آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں۔

اب یہ بیان کرتا ہوں کہ ان اشخاص میں کون افضل ہے اور یہی محلِ نزاع ہے۔ اس واسطے کہ اصل کلامِ مخلقاتِ اربعہ میں ہے اور یہ سب حضرات برابر ہیں سابقیت اور قدامت میں اور غزوات میں حاضر ہے ہیں

دسواں مقدمہ

دسواں مقدمہ یہ ہے کہ افضل کی تعین کے دو طریقے ہیں۔ اول شارح کا نص ہے اور دوسرا تتبعِ اعمال اور احوال کا ہے۔

تفضیلیہ کہتے ہیں کہ طریقہ اولِ مسدود ہے اس واسطے کہ نصوص میں تعارض ہے اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ تعارض اس وقت ہوتا ہے کہ ایک لفظ دو آدمی کے حق میں صحیح طور پر ثابت ہوں اور مشہور ہوں اور دونوں کے افضل ہونے پر دلالت کرے بحقیق سے یہ ثابت نہیں بلکہ لفظ افضل اور خیر کا کہ جس سے مدعا صراحتاً ثابت ہوتا ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں صحیح طور پر ہے اور مشہور ہے اور سیادت اور محبوب ہونے کا لفظ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کے حق میں ثابت ہے اور مشہور ہے اور اُپر بیان کیا گیا ہے کہ یہ اور شرف اور اجیت کے معنی فضلِ جزائی پر دلالت نہیں کرتے۔ تو حقیقتاً کوئی تعارض اس مقام میں نہیں، لیکن دوسرا طریقہ کہ احوال اور اعمال کا تتبع ہے۔ منہج اس کے ایک امر جہاد ہے کہ دین کے اعمال میں بہتر عمل ہے اور اسلام کی شوکت کا باعث ہوتا ہے۔ نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ اس کی بنا پر فضل کا اعتبار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ مَرَّةً وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۚ

ترجمہ: یعنی برابر نہیں ہیں وہ لوگ جو کہ جہاد سے بیٹھ گئے جو مزدور لوگوں سے نہیں تھے۔ ان سے جنہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے فضیلت دی اللہ نے ان لوگوں کو کہ جہاد کیا ان لوگوں نے اپنے جان اور مال سے ان لوگوں پر جو کہ بیٹھ گئے جہاد سے درجہ ہیں اور ہر ایک کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہتری کا وعدہ فرمایا ہے اور فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو ان لوگوں پر جو لوگ جہاد سے بیٹھ گئے اور فضیلت از روئے اجر عظیم کے ہے اور یہ درجات ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے۔

تفضیلیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جہاد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل تھے۔ تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں:-

اول جہادِ زبانی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی دعوت کی جائے احکام شریعہ سمجھائے جائیں، غلط و نصیحت اور غیب اور تہذیب کی جائے۔ دلیل قائم کی جائے اور مخالفین کے شبہات دفع کئے جائیں۔ اور اس کے ذریعے سے اسلام شائع کیا جائے۔

دوسری قسم جہاد کی یہ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے مثلاً یہ کہ تدبیر اور رائے دربارہ جنگ، مخالفین کے دل میں عیب بھانا، لڑائی کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرنا، مجاہدین کا دل لڑائی کی طرف مائل کرنا، اسلام کی جماعت زیادہ کرنا، دشمن کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا اور جہاد کے اسباب مثلاً گھوڑا، اونٹ، آلات جنگ وغیرہ مہیا کرنے میں مال خرچ کرنا۔

تیسری قسم جہاد کی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے نیزے سے دشمنوں کو مارے، تلوار چلائے، پہلوؤں کے ساتھ کشتی کرے مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرے۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف پہلی دو قسم کے جہاد میں مشغول تھے اور پھر تیسری قسم کے جہاد میں مصروف نہ تھے۔ تیسری قسم کا جہاد یقیناً کمتر درجہ کا جہاد ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے مامور تھے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ ترجمہ: "یعنی اے نبی جہاد کیجئے کفار اور منافقین سے اور سختی کیجئے اُن پر۔"

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:-

مُقاتِلٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَأَنكَرُكَ إِلَّا أَنْفُسَكَ تَرْجِهْ ۖ پس قتال کیجئے اللہ کی راہ میں نہیں بکلیت
دیجاتی ہے آپ کو مگر اپنی جان کے بارے میں ۵

اس طرح کی اور بھی آیات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی دو قسم کا جہاد اختیار فرمایا اور
ہے کہ یہ دو قسم کے جہاد اعلیٰ اور افضل ہوں گے۔ دوسری طرح کے جہاد سے۔ ان دو قسم کے جہاد میں حضرت ابوبکر
حضرت عمرؓ باقی سب صحابہ پر مقدم تھے۔ اور زیادہ مستعد تھے۔ اس واسطے کہ حضرت ابوبکرؓ کا شمار دعوت اسلام
شروع اسلام میں اول ہے۔ آپ ان صحابہ میں جو مسلمان ہوئے بہترین صحابہ شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ
ہمیشہ اسلام کی دعوت کرنے میں مشغول رہے۔ اسی طرح جس دن حضرت عمرؓ نے اسلام قبول فرمایا اس دن اسلام
کی عزت زیادہ ہوئی۔ اور اسلام کا غلبہ زیادہ ہوا۔ آپ نے اسلام کی عبادتوں کو علانیہ طور پر مکہ معظمہ میں رواج دیا۔ اور
رائے اور مشورہ میں یہ دونوں حضرات مشیر اور وزیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہے ہیں اور کوئی غزوہ اور کوئی ہم
بلا مشورہ ان دونوں حضرات کے وقوع میں نہیں آیا۔ لوگوں کو جمع کرنے اور دشمنوں کی جماعت میں تفرق ڈالنے میں ان
دونوں حضرات نے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بنسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ سعی کی جتنی کوشش
ان دونوں حضرات سے خائف تھے۔ اور ان دونوں حضرات کی وفات سے خوش ہوئے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان
نے لڑائی میں ان دونوں حضرات کا حال دریافت کیا جب معلوم ہوا کہ زندہ ہیں تو ابوسفیان کو نہایت ندامت ہوئی یہ
ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دلیر ترین انسان تھے۔ پھر بھی اسی دو قسم کے جہاد کو پسند فرمایا تو ثابت ہوا کہ
دو قسم کے جہاد افضل ہیں۔ تیسری قسم کے جہاد سے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کبھی ان دو قسم کے جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مفارقت نہ کی۔
اس واسطے ان دونوں حضرات کا جہاد دوسرے صحابہ یعنی کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نہ، حضرت زبیرؓ، حضرت مصعبؓ،
حضرت ابو طلحہؓ، حضرت ابو قتادہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ اور سماک بن حرب رضی اللہ عنہم کے جہاد سے افضل ہے۔
اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر فوج کا سرانجام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرانجام
سے ہوا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تیسری قسم کے جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ چنانچہ یہ امر لوگوں
سے ثابت ہے اہل علم کا کلام یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم میں دوسرے صحابہ کرام سے افضل تھے
اس واسطے کہ اللہ نے فرمایا:-

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَالَّذِينَ لَا يَتْلُونَ ۚ لَيْفَ كُنُوزٍ ۚ یعنی کہہ دیجیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ کہ ان کو علم ہے اور وہ لوگ کہ ان کو علم نہیں؟

تو اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ علم کی زیادتی و طرہ سے دریافت ہو سکتی ہے۔ اول روایات کی کثرت اور
فتاویٰ کے زیادہ ہونے سے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایسے منصب پر مقرر فرمایا کہ
جہاں علم کی ضرورت ہو۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی منصب پر خاص اسی شخص کو مقرر فرماتے تھے کہ وہ

فہم اس امر میں بنسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ کامل ہوتا تھا۔ یقیناً معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
ابوبکرؓ کو نماز اور حج اور جہاد کے امور میں امیر مقرر فرمایا۔ اور حضرت عمرؓ کو صدقات کے معاملہ میں عامل مقرر فرمایا۔ اور
حضرت ابوبکرؓ کو روایات صدقہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے پہنچی ہیں اور آپ نے زکوٰۃ کے مسائل کی
تشریح فرمائی ہے۔ زکوٰۃ کی حدیث جو کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی گئی ہے صحیح طور پر آپ سے
مردی ہونا ثابت ہے۔ اس میں ایک وہم واقع ہو اسے کہ جس کی وجہ سے علماء اہل اسلام کے کسی نے اس پر عمل
نہیں کیا۔ وہ روایت یہ ہے:-

فِي خَمْسِينَ وَعَشْرِينَ مِنَ الْأَبِلِ خَمْسَ شِيَاةٍ - یعنی زکوٰۃ پچیس اونٹ میں پانچ بکری ہیں
یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ مصاحب اور مشیر اور وزیر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے رہے اور ظاہر ہے کہ جس کو جس قدر زیادہ محبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی میسر ہوئی ہوگی۔ اس کی اسی قدر
زادہ واقفیت احکام اور فتاویٰ میں رہی ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا علم کامل کسی کو اپنا مشیر اور وزیر نہ بنا
تھے۔

اب روایت اور فتاویٰ کی حالت بیان کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم
زمانہ تک عین حیات تھے اور ابھی عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گذرنا تھا اس وجہ سے
لوگوں کو روایت کی ضرورت نہ تھی۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے اور حج اور عمرہ کے سوا اور کبھی حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جانے کا اتفاق بھی نہ ہوا۔ تاکہ دور کے لوگ آپ سے روایت
کرتے باوجود اس کے آپ کی روایت سے ایک سو پتالیس صحیح حدیث ثابت ہیں جو کہ صحابہ کبار نے آپ سے روایت
کی ہیں۔ اور ان صحابہ کبار سے حضرات علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان بھی
ہیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے کی عمر مبارک زیادہ ہوئی۔ جو کہ قریب تیس کے قریب تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ
عین حیات تھے۔ اور دور دور آپ کو تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ لوگوں کو زیادہ ضرورت پڑی کہ آپ سے روایت
کریں۔ اور اس وقت لوگوں کی رائے میں باہم زیادہ اختلاف بھی ہوا۔ اور یا بھی نزاع بھی زیادہ ہوئی۔ اور اس وجہ سے
بھی زیادہ ضرورت پڑی کہ آپ سے حدیث روایت کی جائے۔ تاہم آپ کی روایت سے صرف پانچ سو چھیالیس احادیث
ثابت ہیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ کی مدت حیات اور اس وقت کے موافق روایات کا موازنہ دوسرے صحابہ کے زمانہ حیات اور موافق
روایات کے ساتھ کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا علم دوسرے صحابہ کے علم سے کم نہیں زیادہ تھا اور اسی پر
فتاویٰ کو قیاس کرنا چاہیے۔ اور ایسا ہی حال حضرت عمر بن خطاب کا بھی ہے۔ اس واسطے کہ آپ
کے مسندات سے پانچ سو تینتیس احادیث ہیں اور فتاویٰ اس سے بھی زیادہ بے شمار ہیں۔ بلکہ فقہ کے ہر مسئلہ میں آپ نے
تحقیق فرمائی ہے۔ اور امر حق کی تلقین کی ہے۔ عقائد اور شکوک اور تفسیر کے مسائل بھی کمال طور پر بیان فرمائے ہیں جتنی کہ حق
آپ کے احکام اور روایات جمع کرنے سے ایک مستقل کتاب تینوں علم میں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ صاحب از اللہ الخلفاء

نے اس بارہ میں کامل سعی فرمائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب روایات اور فتاویٰ جو کچھ مسائل فقہ میں جمع کر کے ایک مستقل رسالہ مرتب کیا ہے اور عقائد اور سلوک میں بھی بقدر کافی تالیف کی ہے۔

واضح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قریب سترہ برس زیادہ نبوت حضرت عمرؓ کی حیات طیبہ کے زیادہ رہی اور اس مدت دراز میں مساند حضرت علیؓ کے بنسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صرف بمقدار انچاس حدیث کے زائد ہے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متانت تقریر اور قوت تفہیم اور حسن تعلیم کی طرف نظر کرتا ہوں تو مراعات تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں کوئی مسئلہ اخلاقیہ پیش نہ آیا بخلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ علم قرآن اور اس کی قرأتیں مشغول ہونا حضرت عمرؓ کی شان میں ثابت ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے علم قرآن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زائد نہ تھے اور یہ امر بالاتفاق مورخین اور اہل سیر کے نزدیک ثابت ہے بلکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم قرأت میں ایک درجہ میں تھے۔ اور ظاہر طور پر یقیناً ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس امر میں زیادہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نماز میں مقدم فرمایا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرأت میں بھی حضرت علیؓ بنسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ رحمۃ اللہ علیہ کے زیادہ تھے اور ایسا ہی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ تھے اور زیادہ عالم نہ تھے۔

البتہ حضرت عثمانؓ رحمۃ اللہ علیہ کو قرأت کے بارے میں ترجیح ہے اس واسطے کہ لوگوں کو ایک قرأت پر متفق کیا۔ اور قرآن شریف لکھ کر مرتب کیا۔ اور لفظ اور رسم کی محافظت کی۔ مگر چونکہ قرآن شریف صحیفوں میں اول حضرت شیخینؓ نے جمع کیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے اس سے نسل کیا اور رواج کیا۔ اور ان حضرات کی سعی سے استمداد کیا تو اس درجہ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس امر اہم میں بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرات عثمانؓ رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح ہے اور مجملہ وجوہ ترجیح کے تقویٰ اور اتباع شریفیت ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کبھی کوئی کلمہ خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں کہا ہے۔ چنانچہ یہ امر صلح حدیبیہ اور جنگ بدر میں فدیہ لینے کے بارے میں جو معاملہ ہوا اس سے ظاہر ہے اور آپؐ نے اراۃ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجالانے میں کبھی مستثنیٰ نہ کی

اور حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں وارد ہے کہ ابوجہل کی لڑکی سے نسبت کرنے کے بارے میں اور نہج کی قید کے بارے میں مورد عتاب ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ سے چند امور جو کہ خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلاح و مشورہ کے وقوع ہیں آئے۔ تو اس کی وجہ صرف یہ ہوئی۔ کہ حضرت عمرؓ دین کے بارے میں تشدد زیادہ فرماتے تھے۔ اور آپؐ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں حمیت اور نہایت غیرت تھی۔ اور اگر ایسا ہوتا تھا کہ وحی آپؐ کی لفظ کے موافق نازل ہوتی تھی۔ تو اس طرح کی مخالفت گویا بین اتباع اور موافقت ہے بلکہ اس سے بہتر ہے اور اسی وجہ سے آپؐ کی رائے کے موافق وحی کا نازل ہونا آپؐ کے مناقب میں شمار کیا گیا ہے اور من جملہ وجوہ ترجیح کے زہد ہے۔

تفضیل یہ کہتے ہیں کہ سب لوگوں میں زیادہ زہاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ زہد سے مراد یہ ہے کہ بے رغبتی ہو دنیا کی لذتوں سے اور ایسا ہی بے رغبتی ہو اولاد اتباع اور زواج اور شرم اور فہم کے بارے میں اور یقیناً معلوم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت آپؐ کے پاس مال بہت تھا۔ اور وہ سب مال اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضامندی حاصل ہونے کے لئے خرچ کر ڈالا اور رضائے مسلمین سے ایک عمت کے لوگوں کو خرید کر آزاد کیا۔ جس کی کچھ درم آپؐ کے مال سے باقی نہ رہے اور آپؐ نے اس جہان سے انتقال فرمایا اور کچھ مزدور اور ملکیت اپنے لئے اپنے عین حیات میں خرید فرمائی۔ اور اپنی اولاد کے لئے کچھ چھوڑا۔ اور بیت المال سے صرف بقدر خوراک لیتے تھے زیادہ کبھی نہ لیا۔ مال غنیمت سے جو اپنا حصہ ہوتا تھا۔ وہ بیت المال میں صرف کرتے تھے بجز ان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمین اور ملکیت بہت حاصل کی اور مزدور حاصل کیا اور باغ نصب کیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حال کے موافق حضرت عمرؓ کا بھی حال ہے۔ چنانچہ اس وقت کے سب صحابہ کرام نے آپؐ کے زہد ہونے کی شہادت دی ہے اور جب حضرت علیؓ نے انتقال فرمایا تو چار زوہر چھوڑیں اور انیس کینز اور خادم اور غلام بہت چھوڑے اور عیس کے قریب اولاد چھوڑے اور ان کے لئے مزدور اور ملکیت چھوڑی کہ وہ حضرات اس کے سبب سے غنی تھے اور قصب جس سے کہ ہزار و سق پھل ملتا تھا۔ سواغہ اور زراعت کے آپؐ نے متروک چھوڑا۔ بخلاف حضرت عمرؓ کے کہ آپؐ نے اس قدر مال و اسباب نہ چھوڑا۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ زہد حقیقی یہ ہے کہ نہ خود دنیا کی لذت میں مشغول ہوئے اور نہ قارب اور اولاد کو اس میں مصروف کرے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہی حال ہوا کہ مثلاً طلحہ بن عبید آپؐ کے بھتیجے تھے اور عبدالرحمن بن ابوبکرؓ آپؐ کے صاحبزادے تھے۔ اور حضرت عائشہؓ آپؐ کی صاحبزادی تھیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے ان میں سے کسی کو عامل مقرر نہ فرمایا۔ اور ایسا ہی حضرت عمرؓ نے اور کسی کو بنی عدنان سے عامل مقرر نہ فرمایا۔ صرف نعمان بن عدی کو تہان پر عامل مقرر فرمایا تھا۔ پھر حلب معزول کر دیا۔

حالانکہ بنی عدنان سے سعد بن زید اور ابوجہم بن مزیلہ اور خازرجہ بن خراہ اور عمر بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن عمرؓ اس عمل کے لئے نہایت قابل تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا اور عبد اللہ بن عباسؓ کو مین کا عامل مقرر فرمایا اور قثم بن عباسؓ کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر فرمایا اور سعد بن عباسؓ کو مدینہ منورہ پر اور حنفہ بن علیؓ کو بصرہ پر اور آپؐ کے ہمیشہ زادو تھے کو فیر عامل مقرر فرمایا۔ اور محمد بن ابی بکرؓ کو کہ آپؐ کے ربیب تھے۔ مصر پر عامل مقرر فرمایا اور حضرت ام حسنؓ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ یہ حضرات ان اعمال اور اشغال کے مستحق تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تائب اور خویش میں بھی ان منصبوں کے مستحق تھے۔ چنانچہ ان کا ذکر اوپر ہم نے کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان دونوں حضرات کا زہد زیادہ کامل تھا بنسبت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زہد کے کتاب کا زہد صرف اپنی جان کے بارے میں تھا اور اپنے اقارب کے بارے میں نہ تھا۔ اور وہ بھی کھانے پینے میں زہد کا نیل تھا۔ اور زمین اور ملکیت ازواج اور کینز اور غلام کے بارے میں نہ تھا۔

باحت و فصاحت، جلاوت، شمشیر بازی اور نیزہ بازی جیسے امور کو فضل تنازعہ فیہ سے کچھ تعلق نہیں۔

گیارہواں مقدمہ

گیارہواں مقدمہ یہ ہے کہ حقین یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں علماء و کرام کا ہم اتفاق ہے کہ ان دونوں حضرات میں کون صاحب افضل ہیں۔ اور اس بارے میں ہم لوگوں کے لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک پر یقین کریں۔ اس واسطے کہ ان دونوں حضرات کے فضائل برابر ہیں۔ چنانچہ اجماع سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن شریف کے ترتیب دینے میں اور کثرت قرأت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فتویٰ اور اجتہاد اور احادیث کی روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ذات خاص جہاں کرنے میں اور نیزہ اور تلوار چلانے میں افضل ہیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جہاد میں مال جہاد کا مال دونوں کی فضیلت برابر ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَعَلَّ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ أَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً

ترجمہ: یعنی برابر نہیں وہ لوگ کہ جہاد سے بیٹھ گئے جو کہ مؤمنین سے ہیں اور معذور نہیں ہیں اور وہ لوگ جو کہ جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے۔ فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے اُن کو کہ وہ جہاد کرتے ہیں اپنی جان و مال سے اُن پر کہ وہ بیٹھ گئے جہاد سے۔ اور یہ فضیلت باعتبار درجہ کے ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہایت احتیاط تھی اور قنایت درجے کا توڑ دے تھا کہ کوئی مسلمان قتل نہ کیا جائے اور خود قتل ہو جائے میں اور حصار کی مشقت برداشت کرنے میں آپ نے نہایت درجے کا صبر کیا اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس امر میں نہایت فضیلت ثابت ہے کہ دشمنوں کو بھی بُرا نہ فرماتے تھے۔ اور ان کے لئے میں احق کلام کسی ارشاد نہ فرماتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حقین کے فضائل باہم متوازن ہیں اور فضل اختصاصی میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصاہرت کی قرابت ہونے میں دونوں حضرات شریک ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والی۔ اور جب یہ گیارہ مقدمات تیار ہوئے تو اسی وقت خاتمہ تختہ اثنا عشر کا بھی تمام ہوا۔ و الحمد للہ

من جملہ وجوہ ترجیح کے صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وصف میں بھی حضرت علی مرتضیٰ کی مشارکت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نہیں البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس میں سبقت لے گئے ہیں۔ چنانچہ مسجد نبوی کی عمارت میں مبلغ کثیر صرف کیا اور ہر روز مہر خرید کر اس کو فی سبیل اللہ وقف فرار دیا اور حبشہ المسلمہ کا سامان مہیا کیا اور اعلیٰ درجہ کا جہاد مال کے ذریعے سے کیا۔ لیکن آپ سے بھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جہاد اور علم اور زہد میں افضل تھے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی جنت کی پرستش نہ کی۔ بخلاف حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے تو اس کے جواب میں یہی کہتا ہوں کہ جنت نہ پوچنا کہ سبب مغنہ کے ہو۔ اس میں کچھ فضیلت نہیں اور اجماع سے ثابت ہے کہ عمر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۳۴ تریسٹ برس کی ہوئی۔ اور ششم ہجری میں آپ کی شہادت ہوئی اور ہجرت سے تیرہ برس پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہوئی۔ تو عمر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعثت کے وقت دس برس کی بھی ہوگی۔ اور اس عمر تک برابر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان مبارک میں پرورش پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ جنت پرستی سے نفرت رہی اور بچوں کا قاعدہ ہے کہ جو فعل بزرگوں کا دیکھتے ہیں اسی کے مطابق بھی عمل کرتے ہیں اور اگر صرف جنت نہ پوچنا اہل ہونے کا باعث کہا جائے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ چلو کا اہل اسلام کا پیدا ہو، وہ حضرات حمزہ اور جعفر اور سلمان اور مقداد اور عمار رضی اللہ عنہما سے افضل ہو، حالانکہ یہ ثابت نہیں۔

من جملہ وجوہ ترجیح کے خلافت اور خیرن سیاست اور انجام کرنا مہمات کا ہے کہ فی الواقع مرجع جمیع اعمال خیر کا ہے۔ اس میں بھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا افضل ہونا ظاہر ہے اس واسطے کہ اول بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنہ مرتدین کا ہوا۔ اور اس مشکل واقعہ میں کوئی زیادہ ثابت قدم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تھا۔ آپ کی فطرت تدبیر اور خیرن سیاست سے وہ فتنہ دفع ہوا۔ پھر کسریٰ اور قیس کے ساتھ نزاع واقع ہوا۔ اور غلبہ اسلام کا روز بروز قریب پر ہوا۔ حتیٰ کہ فارس اور عراق اور شام دارالاسلام ہو گیا۔ فخر اور مساکین غنی ہوئے۔ اہل اسلام کو عزت حاصل ہوئی اور اہل اسلام میں کوئی اختلاف واقع نہ ہوا۔ سب لوگ قرآن شریف کی قرأت اور دین کے مسائل حاصل کرنے میں مصروف ہوئے۔ اور عبادات اور ریاضات میں مشغول ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ امور اپنے کمال کو پہنچے۔ بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، آپ کے وقت میں زیادہ فتنہ ہوئی۔ صرف باہم اہل اسلام میں جنگ اور جدال رہا اور قرآن شریف کی قرأت اور عبادات میں کمی ہوئی۔ اور گُبرائے اہل اسلام کی شان میں ظلم کرنا اور تحشش عیوب اور بعض کا بعض کو بُرا کہنا اہل اسلام نے باہم علی کیا۔ تو آفتاب کی طرح روشن اور ظاہر ہوا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا جہاد، علم، قرأت، زہد، تقویٰ، خوف خدا، صدقہ، خیرن سیاست، یاقوت اور خلافت، طاعت خدا و رسول، اشاعت دین اور ترویج احکام شریعت میں ایسا مرتبہ ہے کہ وہ دوسرے کو ہرگز حاصل نہیں۔ اور شارح نے ان ہی امور کو فضل اور بزرگی کے لئے باعث قرار دیا ہے اور سابق میں بیان کیا گیا کہ سیاست اور قرابت خیرہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا

جواب

جو مسئلہ کہ استفسار کیا گیا ہے نہایت اوق اور معرکہ الارادہ ہے، فقیر کے نزدیک جو امر منقح ہے وہ کھانا ہے لیکن ضرور ہے کہ جواب کے قبل دو مقدمے بطور تمہید کے بیان کئے جائیں گے۔

پہلا مقدمہ

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ مسائل قطعیہ خواہ اعتقادیہ ہوں خواہ عملیہ ہوں، انکی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اول قسم یہ ہے کہ ان مسائل کے تعارض نہ ہو۔ اور علماء کرام میں باہم اختلاف واقع نہ ہو۔ اور جن مسائل سے وہ مسائل ثابت کئے گئے ہوں ان دلائل میں تاویل کا بھی احتمال واقع نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید کا مسئلہ ہے اور ایسا ہی صفات سبعہ کے ثبوت کا مسئلہ ہے۔ یا اس کے مانند جو مسائل ہیں اور ہدایت ظاہر ہے کہ تفصیل کا مسئلہ اس جنس سے نہیں اور اس قسم میں داخل نہیں۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ان مسائل اولہ میں تعارض واقع ہو۔ اور علماء کرام میں باہم اختلاف واقع ہو۔ اور ان مسائل کے دلائل میں تاویل کا احتمال بھی رہا ہو۔ لیکن مجتہدین نے ایک جانب کو ترجیح دی ہو اور اس وجہ سے نزاع نہ ہوئی ہو۔ اور دونوں جانب سے ایک جانب منقح اور ثابت قرار پائی ہو تو اس قسم کے مسائل اگرچہ ابتداً قطعی نہ تھے، لیکن آخر میں قطعی ہو گئے۔ جیسے رؤیت اخرویہ اور عدم خلق قرآن کا مسئلہ ہے یا اور جو اس طرح کے مسائل ہیں تفصیل کا مسئلہ اسی قسم سے ہے۔ اس واسطے کہ اس مسئلہ میں صدر اقل میں اختلاف تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا میلان اس طرح تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیگر صحابہ کرام پر فضیلت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اولہ میں کچھ سے اس جماعت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور جن دلائل سے نہایت ہوتا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت ہے۔ ان دلائل میں تاویل اور تخیل کا احتمال تھا۔ لیکن آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں یہ مسئلہ اہل اسلام میں نہایت مشہور ہوا۔ اور لوگوں نے اس میں تحقیق فرمائی حتیٰ کہ وہ سب تعارض درہم برہم ہو گیا۔ اور قطعی طور پر امر منقح قرار پایا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دیگر سب صحابہ پر فضیلت ہے اور ان سب روایات کی تفصیل کے لئے ایک لؤل طویل دفتر چاہیئے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اجلہ صحابہ کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

اجاب سے آہنی (۸۰) حضرات نے تفصیل شیخین رضی اللہ عنہما کو مسئلہ روایت کیا ہے اور ان حضرات نے مختلف مواقع میں یہ مسئلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا ہے اور دارقطنی اور دوسرے بعض محدثین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح روایات بیان کی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

لَا يَفْضُلُنِي أَحَدٌ عَلَى ابْنِ مَكْرٍ وَعَمْرٍا لَأَجْلَدُ شَيْئًا حَدَّثَ الْمَفْتُورُ تَرْجُمَةً: یعنی جو شخص مجھ کو فضیلت دے گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر تو میں اس کو لٹنے دے دوں گا کہ جس قدر دے اس شخص کو مارنا چاہیئے کہ جو افراد کا مرتکب ہوتا ہے۔

اور ان الفاظ سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ قطعی ہے اس واسطے کہ اجماع سے ثابت ہے کہ امور ظنیہ میں سزا نہیں۔

دوسرا مقدمہ

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ قطعی ہوتا ہے لیکن اس کی کیفیت کی تعیین ظنی ہوتی ہے۔ مثلاً صفات سبعہ کا ثبوت بلاشبہ قطعی ہے، لیکن یہ امر ظنی ہے کہ آیا وہ صفات ذات باری تعالیٰ پر لازم ہیں یا عین ذات ہیں یا لایعین اور لایغیر ہیں۔ ایسا ہی مسئلہ قطعی ہے کہ قرآن شریف مخلوق نہیں، لیکن اس کی کیفیت کی تعیین ظنی ہے کہ قدیم کلام نفسی ہے یا الفاظ کلامی بلخصوصیات محل کے۔ اور یہ دونوں مثال اعتقادات کی ہیں۔ اور عملیات کی اکثر مثالیں ہیں۔ مثلاً اس کی ایک مثال حجۃ الوداع کا مسئلہ ہے کہ اصل حج کا ثبوت قطعی ہے کہ اس میں شک کو دخل کو نہیں، لیکن اس کی کیفیت کی تعیین ظنی ہے کہ قرآن تعالیٰ واقع تھا۔ یا افراد تھا۔ اور اسی وجہ سے اس امر میں علماء کرام میں اختلاف واقع ہوا۔ یا وجوہ اصل مسئلہ میں اتفاق ہے۔ تفصیل کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس واسطے کہ اصل تفصیل قطعی ہے، البتہ یہ مسئلہ نزاع اور تعارض کے بعد قطعی ہوا ہے لیکن اس تفصیل کی کیفیت کی تعیین ظنی ہے کہ کس چیز میں تفصیل ہے، یعنی تفصیل باعتبار کثرت ثواب کے ہے یا باعتبار اس امر کے ہے کہ اسلام میں نفع کس کی وجہ سے زیادہ ہوا۔ یا باعتبار کسی دوسرے امر کے ہے تو ان امور میں کسی ایک امر پر یقین حاصل ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے کہ چند امور کا گمان ہوتا ہے اور ان امور میں تعارض ہے۔ مثلاً اس کا یہ ہے کہ تفصیل کے اقام اور اس کے وجود بہت زیادہ ہیں۔ کچھ شخص ان تمام وجوہ کو مفصل طور پر معلوم کرنا چاہے تو چاہیئے کہ کتاب السرائر الجلیل فی مباحث التفصیل کو مطالعہ کرے جس کا کچھ خلاصہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ تفصیل کبھی اصطلاحی ہوتی ہے کہ بلا عمل کے حق تعالیٰ بعض مخلوقات کو دوسرے بعض مخلوقات پر ترجیح دیتا ہے۔ جیسے فضیلت کعبہ شریف کے مسجد کی ہے باقی سب جگہوں پر اور فضیلت حجر اسود کی ہے باقی سب جگہوں پر ہے فضیلت شب قدر کی باقی سب راتوں پر ہے۔ فضیلت روز جمعہ کی باقی سب ایام پر ہے فضیلت ماہ رمضان

کی باقی سب بیعتوں پر ہے۔ فضیلت انبیاء کی امت کے لوگوں پر ہے۔

اور بعض فضیلت ایسی ہوتی ہے کہ وہ تنہا ہوتی ہے۔ ذاتی نہیں ہوتی ہے جیسے فضیلت حضرت ابی بکرؓ کی اور علیؓ سے اللہ علیہ وسلم کی باقی سب اطفال پر ہے اور فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی اور ازواج مطہرات کی باقی سب صورتوں پر ہے اور فضیلت بنی ہاشم کی باقی سب قبائل پر ہے۔ اس قسم کی تفصیل میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ اور کبھی فضیلت جزائی ہوتی ہے کہ عمل کے عین ہوتی جلد و جی تندرست وغیرہ ہے اور فضیلت کے وجوہ نہایت مختلف ہیں۔ منجملہ ان کے بعض وجوہ کا شرع کی اصطلاح میں کچھ بھی اعتبار نہیں۔ مثلاً قوت بدن کی، فراست اور باطن اور خوبی سیاست ملک کی اور حسن تدبیر دنیاوی امور میں اور منجملہ ان کے بعض وجوہ کا شرع میں اعتبار ہے اور وہ بہت ہیں۔ من جملة اس کے تقویٰ ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے:-

إِنَّ أَكْرَهَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَىٰ ۚ تَرَجِمَ: یعنی زیادہ بزرگ تم لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے

کہ تم لوگوں میں سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اور منجملہ اسکے علم کے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَالَّذِينَ لَا يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ ۚ تَرَجِمَ: یعنی کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ کہ جانتے ہیں اور وہ لوگ جنہیں نہیں جانتے؟

اور منجملہ اس کے جہاد ہے چنانچہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے:-

وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى السَّالِفِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۚ تَرَجِمَ: اور فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے

مجاہدوں کو ان لوگوں پر کہ وہ جہاد سے بیٹھے اور یہ فضیلت باعتبار اجر عظیم کے ہے؟

اور منجملہ اس کے حسن خلق ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے:-

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ ۚ تَرَجِمَ: یعنی بہترین شخص تم لوگوں میں وہ ہے کہ بہتر ہے تم لوگوں

میں اپنے اہل کے حق میں؟

اور منجملہ اس کے زیادہ محبت لکنا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس کتاب و سنت کے دلائل کا تتبع کرنے سے فضیلت کی اکثر وجوہ ظاہر ہوتی ہیں کہ کہیں کسی محل اور

کسی مقام میں کوئی وجہ اعتبار کی گئی ہے یا کبھی دوسرے محل اور دوسرے مقام میں کوئی دوسری وجہ اعتبار کی گئی ہے۔

جب دونوں مقدمے کی تہید سے فراغت ہوئی۔ تو اب اصل مدعا کی تحقیق کرتا ہوں کہ اصل فضیلت حضرات شیعینؑ

کی حضرات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر قطعی طور پر ثابت ہے اور قطعی مسائل کے قسم ثانی سے ہے۔ اور تعین فضیلت کی وجہ ظن کے

ذریعے سے ہوتی ہے۔ تو مؤمن محتاط کو چاہیے کہ اصل فضیلت کا اعتقاد رکھے۔ اور فضیلت کی وجہ کا متعین ہونا اللہ جل شانہ کے

علم پر توکل کرے۔ اور اگر دلائل کے متبع سے منجملہ وجوہ کے کسی وجہ کو اس کے نزدیک ترجیح ثابت ہے تو بہتر ورنہ اصل اس منجملہ

سے کہ قطعی ہے باہر نہ ہو۔

خلاصہ میں لکھا ہے:-

الرَّافِضِيُّ أَنْ فَضَّلَ عَلِيًّا عَلَى غَيْرِهِ ۖ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ۖ وَكَوَانُكَ خِلَافَةَ الصِّدِّيقِ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ ۖ فَهُوَ كَافِرٌ ۚ تَرَجِمَ: یعنی رافضی اگر فضیلت دیوے حضرت علیؓ کو دوسرے پر یعنی حضرت

ابوبکر صدیقؓ پر تو وہ بدعتی ہے اور اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے انکار کرے تو

وہ کافر ہے۔

اور سمر الرافضی شرح کثر الدقائق میں یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:-

وَالْحَقُّ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ عَمْرٍاءُ الصِّدِّيقِ فِي هَذَا الْحُكْمِ وَلَعَلَّ مَرَادَهُمْ بِانْكَارِ الْخِلَافَةِ

انکار استحقاق قہماً لہا فہو مخالفت لاجتماع الصحابة۔ تَرَجِمَ: یعنی لاحق کیا ہے فتح

القدير میں حضرت عرفت و حق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مکہ میں اور شاید

علماء کی مراد خلافت کے انکار سے یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے استحقاق خلافت سے انکار ہو اور

یہ صحابہ کے اجماع کے خلاف ہے۔

وفی شرح مواہب الرحمن وَلَا خَلْفَ أَيْ لَا يَجُوزُ الْعُقُولُ خَلْفَ مَنْكَرِ خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ

اور عمر او عثمان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَيَمْنَعُ أَيْ مَعَ انْكَارِهِ خَلْفَ مَنْ يَفْضَلُ عَلَيْهِ رَضِيَ اللَّهُ

عَنْهُ لِأَنَّهُ مُبْتَدِعٌ ۚ تَرَجِمَ: "شرح مواہب الرحمن میں لکھا ہے اور جائز نہیں نماز پیچھے اس شخص کے

کو اس کو انکار ہو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم کی خلافت سے اور صحیح ہے

نماز یعنی ساتھ کہ بہت کے، پیچھے اس شخص کے کہ فضیلت دیتا ہو حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضرت ابوبکرؓ

پر اس واسطے کہ وہ بدعتی ہے۔

وفی المحيط من محمد رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ الصَّلَاةُ خَلْفَ الرَّوَافِضِ ثُمَّ قَالَ لَانْكَارِهِمْ انْكَارُ خِلَافَةِ

أَبِي بَكْرٍ وَقَدْ أَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلَى خِلَافَتِهِ ۚ تَرَجِمَ: یعنی اور محیط میں لکھا ہے کہ روایت ہے

امام محمد علیہ الرحمۃ سے کہ جائز نہیں نماز پیچھے روافض کے، پھر کہا اس واسطے کہ ان لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے انکار ہے۔ حالانکہ آپ کی خلافت پر اجماع ہے۔

وفی شتمة الفتاوی والرافضی العالی الذی یُنْكَرُ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ لَا يَجُوزُ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ

تَرَجِمَ: یعنی اور شتمة الفتاوی میں لکھا ہے کہ اور رافضی کہ اس کو اپنے مذہب میں غلو ہو اور انکار کرتا ہو حضرت ابوبکرؓ

رضی اللہ عنہ کی خلافت سے جائز نہیں نماز پیچھے اس کے؟

وفی الموعظانی ویکرہ الصَّلَاةُ خَلْفَ صَاحِبِ هَوَىٰ أَوْ بَدْعَةٍ وَلَا يَجُوزُ خَلْفَ الرَّافِضِيِّ

ثُمَّ قَالَ وَحَاصِلُهُ أَنَّ كَانَ هَوَىٰ يَكْفُرُ بِهِ لَا يَجُوزُ وَلَا يَجُوزُ وَيَكْفُرُ ۚ تَرَجِمَ: اور موعظانی

نے لکھا ہے اور مکروہ نماز پیچھے اس شخص کے کہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہو۔ یا بدعتی ہو۔ اور جائز

نہیں ہے اور مکروہ نماز پیچھے اس شخص کے کہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہو۔ یا بدعتی ہو۔ اور جائز

نہیں ہے اور مکروہ نماز پیچھے اس شخص کے کہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہو۔ یا بدعتی ہو۔ اور جائز

نہیں نماز پچھے رافضی کے۔ پھر کہا کہ حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر وہ خواہش نفسانی ایسی ہو کہ اس سے کفر لازم آتا ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ورنہ جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

وفي الفتاوى البديعية من انكر امامة ابي بكر رضي الله عنه فهو كافر وقال بعضهم هو مبتدع والصحيح انه كافر وكذا الك من انكر خلافة عمر بن اما الشافعية فقد قال القاضي حسين روى في تعليقه من سب النبي كفرن بالله ومن سب اصحابه فشق امام من سب الشيخين والخثنين فوجهان احدهما يكفر لان الامة اجتمعت على امامهم والثاني يفتق ولا يكفر واما المالكية والاصح عنه هو ترك التكفير وقال محمد بن يوسف الغرماني وسئل همن شتم ابا بكر فقال يقال كافر قيل لا يفتق عليه قال لا ومن كفر الراضی احمد ابن یونس وابو بکر ابن هانی وقال لا یوکل ذیاً لهم لانهم مرتدون وقال عبد الله بن ادریس احد ائمة المکوفة لیس للرافضی شفعة واما الشفعة للمسلم ترجمہ : اور فتاویٰ بدیعہ میں لکھا ہے کہ جس نے انکار کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا تو وہ کافر ہے اور کہا بعض علماء کرام نے کہ وہ بدعتی ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور ایسا ہی حکم اس شخص کے بارے میں بھی ہے کہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار ہو۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک ہے کہ رافضی جیسے اپنی تعلیق میں کہ جو شخص پیغمبر خدا کو بڑا کہے تو اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے گا۔ اور جو شخص صاحب کو بڑا کہے تو اس کے بارے میں فاسق ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ کفر کا حکم نہ ہوگا۔ اور لیکن جو بڑا کہے شیخین اور فقہین رضی اللہ عنہم کو تو اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے گا۔ اس واسطے کہ ان حضرات کے امام ہونے پر امت کا اجماع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے بارے میں فاسق ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ کفر کا حکم نہ ہوگا۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کے بارے میں کفر کا حکم نہ دیا جائے گا۔ اور محمد بن یوسف عزرائی سے پوچھا گیا اس شخص کا حال کہ جو حضرت ابو بکرؓ کو بڑا کہے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے گا۔ تو پوچھا گیا کہ کیا جب ترجمہ جائے گا تو ہم لوگ اس کے جنازے کی نماز پڑھیں گے؟ انہیں نے کہا نہیں۔ اور منجملہ ان علماء کرام کے کہ جن لوگوں نے رافضی کو کافر کہا ہے احمد بن یونس ابو بکر بن مانی میں اور کہا انہوں نے کہ چاہیے نہ لکھا جائے۔ ذبیحہ ان کے ہاتھ کا۔ اس واسطے کہ یہ لوگ مرتد ہیں۔ اور کہا عبد اللہ بن انس ادریس نے جو ائمہ کوفہ سے ایک ہیں کہ نہیں ہے رافضی کے لئے حق تغیر اور حق تنقیر صرف سلمان کے لئے ثابت ہے :

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ کی اکثر روایات سے تکفیر ہوتی ہے اور حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر..... جب القتل ہے اور اکثر شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص خلفاء اربعہ میں سے کسی خلیفہ کو بڑا کہے تو وہ مستوجب قتل کئے جائے گا ہے۔ بعض کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو جو شخص بڑا کہے اس کے بارے میں حنفیہ

ایک قول یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی وہ کافر ہے اور احمد کے نزدیک وہ نزدیک ہے کہ وہ قتل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ شخص ذرہ سے مارا جائے گا تو یہ فعل ان کے بارے میں کفر نہ ہوگا۔ اس مقام میں دو مقدمے ہیں اس پر لحاظ کرنا چاہیے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ اشتباہ حل ہو جائے گا۔

اول مقدمہ

اول مقدمہ یہ ہے کہ حضرات شیخین رحمہم کو بڑا کہنا کفر نہیں اور یہی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے البتہ جیسا شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرات شیخین کو بڑا کہنا جائز ہے یہ کفر ہے۔ اس واسطے کہ یہ انکار ہے اس چیز کا کہ بدعتاً معلوم ہے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہیں تو اب یہ اشکال وارد نہیں ہوتے کہ بعض صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کہا لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کفر کا حکم نہ دیا۔ اور ایسا ہی بعض صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بڑا کہا اور یہ کہا کہ آپ قتل کرتے ہیں یا یہ کہا کہ آپ فاجر کرتے ہیں اور ایسا ہی صحیحین میں وارد ہے :-

ان عتبا ساجداً الى عمرو ومعه على رضي الله عنهما وهو يقول يا امير المؤمنين
ارحني من هذا النادر الاشو الظالم

ترجمہ : یعنی تحقیق کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کہا کہ یا امیر المؤمنین راحت دیجئے مجھے کو اس بے وفا گنہگار ظالم سے :

اور اس طرح اور بھی بعض روایات آئی ہیں اور ایسے ہی وہ روایت بھی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے کہ آپ نے اپنے بڑا کہنے والے کو کافر نہ فرمایا اور اس کے قتل کا حکم نہ دیا۔ بلکہ فرمایا کہ بڑا کہنے کے بدلے میں بڑا کہنا چاہیے یا معاف کر دینا چاہیے۔ ان سب روایات کے موافق اس شخص کے بارے میں حکم ہو سکتا ہے کہ جس کا یہ اعتقاد نہ ہو کہ بڑا کہنا اور گالی دینا جائز ہے بلکہ شدت تعصب اور زیادتی محبت والفت کی وجہ سے اس شخص سے اضطراب و تفریط و توقع میں آئے تو اس سے استدلال اس امر پر نہ کیا جائے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ بڑا کہنا اور گالی دینا جائز ہے۔ جیسے لڑکا اپنے باپ کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔ باوجودیکہ مقتضائے انسان کی طبیعت کا یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہر انسان کا ہوتا ہے کہ باپ کی تعظیم کرنی چاہیے۔ اس توجیہ سے روایات کا ظاہر اتنا ہی واضح ہو جاتا ہے۔

دوسرا مقدمہ

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ لزوم کفر اور الزام کفر دونوں دو چیز ہیں اور اس صورت میں لزوم کفر مستحق ہوتا ہے اور الزام کفر مستحق نہیں ہوتا ہے۔ امام احمد علیہ الرحمۃ نے اصطلاح قرار دی ہے کہ جو کوئی ایسا عقیدہ رکھے کہ اس سے اس کے حق کفر کا لازم آتا ہو تو اس کو زندقہ کہا جائے گا۔ اگرچہ وہ ظاہر اسلام کا اقرار کرتا ہو اور اسی کو زندقہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کا عقیدہ ایسا ہو کہ اس سے کفر لازم آتا ہو اور ظاہر اسلام کو ظاہر کرتا ہو۔ اور یہ امر اس وجہ سے ثابت ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا کتا ہے۔ تو اس کا خاص کر مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص ان حضرات کو معاذ اللہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ شخص ادعا کرتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے معاذاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے خلاف عمل کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا حق غصب کر لیا تو وہ شخص اپنے عقیدہ میں معاذ اللہ ان دونوں حضرات کو فرعون اور لٹمان کے مانند جانتا ہے لیکن وہ جائز نہیں جانتا ہے کہ ان حضرات کو بڑا کتا چاہیے۔ اس واسطے کہ اس کا خیال ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے اور وزیر اور محبوب ہیں ورنہ اگر اس کا عقیدہ یہ ہو تو یہ الزام کفر کا ہوگا۔ لیکن اس کا ادعا قابل سماعت نہیں اس واسطے کہ ان حضرات کی شان میں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے صحتی ہونے کی شہادت دی اور ان حضرات کی نہات ہونا یقیناً ثابت ہے۔ اور یہ امر بدیہیات دین سے ہے۔ تو جس شخص کو ان دونوں حضرات کی خلافت کا انکار ہو وہ کافر ہے اور یہ جانتا کہ ان دونوں حضرات کو بڑا کتا جانتا ہے کفر، زندقہ اور اسکا دہ ہے کفر محمود نہیں اور یہ مقدمہ روایات متخالفہ کے حل کر لے کے لئے مفید ہے۔ واللہ الباہدی الی سبیل الرشاد۔

فائدہ

جب کوئی شخص کسی ایسی مجلس میں موجود ہو کہ وہ لوگ صحابہ کبار کو بڑا کہتے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ اگر قاعدہ ہو تو اختیار میں ہو تو اپنے قول اور فعل کے ذریعہ سے باز رکھے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دلائل سے فرمایا ہے کہ:-

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مَشْكُوكًا فَلْيُفِيضْ بِهِ ۖ (الحديث) ترجمہ: یعنی جو شخص کوئی امر خلاف شرع دیکھے تو چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ آخر حدیث تک

اور اگر باز رکھنے پر قیادہ ہو تو چاہیے کہ وہ اس سے اٹھ کر چلا جائے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-
وَإِذَا مَنَّ الَّذِينَ يَخْفَوْنَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَلَا تَقْعُدْ بِمَعْدِ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

یعنی جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو کہ فکر و غم من کرتے ہیں۔ یعنی اشتباہ کی گفتگو کرتے ہیں۔ ہماری آیات میں تو چاہیے کہ آپ ان سے اعراض کریں اس وقت تک کہ وہ لوگ کسی دوسری بات میں غور اور فکر کریں۔ اور اگر شیطان آپ کو بھلائے تو پھر یاد ہونے پر اس ظالم قوم کے ساتھ آپ نہ بیٹھیں۔ یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے۔

اگر وہ شخص اس پر بھی قادر نہ ہو کہ اس مجلس سے اٹھ کر چلا جائے۔ اور اس کو خوف ہو کہ یہ لوگ ضرر پہنچائیں گے تو چاہیے کہ صبر کرے اور دل سے برا جانے اور اس پر کتفا کرے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے:-

وَإِذَا مَنَّ الَّذِينَ يَسْتَبُونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا الْعِنَةُ اللَّهُ عَلَىٰ شُرَكَاهُمْ وَهَذَا شَأْنُ سَائِرِ الْمُنْكَرَاتِ۔ ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دیکھو ان لوگوں کو کہ بڑا کہتے ہوں ہمارے اصحاب کو تو کہو کہ اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر پر اور یہی حال باقی سب منکرات کا ہے۔ یعنی امور خلاف شرع کا ہے۔ واللہ اعلم

اب یہ امر بیان کرتا ہوں کہ شیعہ کے پیچھے نماز میں اقتدار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کا عقیدہ اس درجے تک نہ پہنچا ہو کہ صحابہ کبار نے اور امامات المؤمنین کو کافر جانتا ہو۔ بلکہ صرف ظلم اور غصب اور ہتک کے ذکر پر کتفا کرتا ہو تو ضرورت کی حالت میں اس کے پیچھے نماز میں اقتدار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو بخاری اور مسلم میں وارد ہے اور مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے وہ روایت یہ ہے:-

ان عدي بن خيارد دخل على عثمان رضي الله عنه وهو محصور فقال انك امام عامه ونقول بلك ما تنوي ويصلي لنا امام فقتله وقتل حتى قتلوا لصلوة ائمتنا ما يكمل الناس فاحسن معهم واذا اسأوا فاجتنب اسألتهم

یعنی عدی بن خیارد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور آپ محصور تھے یعنی باغیوں نے آپ کا حصار کیا تھا۔ تو عدی بن خیارد نے کہا کہ آپ عام طور پر سب لوگوں کے امام ہیں اور آپ پر جو زندقہ آیا ہے وہ آپ پر ظاہر ہے اور ہم لوگوں کے آگے فتنہ کا امام یعنی مشد نماز پڑھتا ہے اور ہم لوگوں کو اس میں حرج معلوم ہوتا ہے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز لوگوں کے اعمال میں نہایت بہتر عمل ہے تو جب لوگ نیک عمل کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیک عمل کرو اور جب لوگ برا عمل کریں تو تم ان کے بُرائی سے پرہیز کرو۔ یہ ترجمہ روایت مذکورہ کا ہے۔

لیکن شیعہ کے پیچھے نماز میں اقتدار کرنا بحالت ضرورت بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ان نماز اور واجبات

ائمہ اثناعشریہ میں ثابت ہے۔ وہ مسند غریبہ ہے۔ اہل سنت و اجماعت کے نزدیک ثابت نہیں کہ سوا انبیاء کرام اور ملائکہ اور کسی دوسرے کے لئے بھی عصمت ثابت ہو۔ تو ان دونوں مسئلوں میں مخالفت اور تعارض ہے۔ تو اس مخالفت اور تعارض کا جواب کیا ہے۔ تینوا تو جروا (انظر احسن علی)

جواب : صوفیاء کے نزدیک عصمت و حکمت اور وجاہت کا کچھ معانی اصطلاحی ہے۔ وہ حضرت والدہ ماجدہ قدس اللہ سرہ کی تصانیف میں مفصل مذکور ہے۔ اس وقت بسبب شدت بیماری طاقت نہیں کہ وہ معانی مفصل لکھے جائیں۔ اگر جناب موصوف کی تصانیف موجود ہوں تو دیکھنا چاہیے۔ یہ امر واضح ہو جائے گا۔ اور شرح افہام جو شاہ محمد عاشق پھلنی قدس اللہ سرہ کی تصنیف ہے۔ اگر وہ مل جائے تو اس سے بھی جواب کافی اور شافی معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال موافق علماء ظاہر کے کچھ جواب لکھا جاتا ہے۔

عصمت کے دو معنی ہیں ایک معنی عصمت کے یہ ہیں :-

”منع ہونا صدور گناہ کا باوجود قدرت ہونے کے اُس گناہ پر“

اور اصل شہادت کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہ معنی انبیاء کرام اور ملائکہ کے سوا اور کسی دوسرے میں نہیں ہو سکتے اور دوسرے معنی عصمت کے یہ ہیں :-

”نا سادہ ہونا گناہ کا کسی شخص سے باوجود اس کے کہ جائز ہو کہ اس شخص سے گناہ صادر ہو جائے اور اس شخص سے گناہ صادر ہونے سے شرح کے کسی اصول میں کچھ نقصان لازم نہ آئے“

اور صوفیاء کرام اس معنی میں محفوظیت کہتے ہیں اور بعض دعاء میں جو اپنے لئے عصمت کا سوال ہے تو اس عصمت سے مراد صوفیاء کے نزدیک یہی معنی ہیں چنانچہ مشروع دعاء حزب البحر میں واقع ہے :-

”سَأَلْتُكَ الْبُصْمَةَ فِي الْحَوَاسِّ وَالشَّكَاكِ وَالْأَدَامِ وَالْأَخْطَابِ“۔ ترجمہ : یعنی سوال کرتے ہیں ہم لے پروردگار ! تجھ سے کہ یہ عصمت مرحمت فرما تو ہم کو محرکات و سکناات اور ارادہ اور خطرہ میں جو دل میں گذرنا ہے۔

اور عصمت کے دوسرے معنی مخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ نہیں جناب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اپنے اہل بیت کے لئے دعا کی ہے :-

”اللَّهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا“ ترجمہ : یعنی لے پروردگار ! دور کر ان سے (اہل بیت سے) پلیدی کو اور پاک کر ان کو بخوبی پاک کرنے کے طور پر

تو اس دعاء میں بھی عصمت کے دوسرے معنی مذکور فرما دیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں وارد ہے :-

”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَفْتِنُ مِنْ عَمْرِ“ ترجمہ : یعنی شیطان بھگاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اور یہ بھی وارد ہے :-

”إِنَّ الْحَقَّ يَنْطِقُ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ“ ترجمہ : یعنی حق جاری ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہے :-

”يَنْفَعُ الْعَبْدَ صَهْبَيْتُ لَوْ كَمْ يَخُوفُ اللَّهُ لَعَدِيصِهِ“

ترجمہ : اشکال باقی نہ رہا۔ حکمت بمعنی علم نافع ہے تو اگر وہ علم کسی ہو تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو حکمت نہیں کہتے بلکہ اگر وہ علم وہی ہو تو اس کو حکمت کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

”وَأَمَّا سِنَّةُ الْحِكْمَةِ فَفَصَّلُ الْخُطَابِ“ یعنی اور دیا ہم نے داؤد کو حکمت اور خطاب فاضل

درمیان حق اور باطل کے

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

”وَكَلَّا أَمَّا سِنَّةُ الْحِكْمِ وَالْعِلْمِ“ ترجمہ : یعنی اور ہر ایک کو دیا میں نے حکم اور علم خواہ وہ علم متعلق

ساتھ عقائد کے یا ساتھ اعمال کے یا ساتھ اخلاق کے

علم باعتبار اس معنی کے بھی انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

”وَلَقَدْ أَسْمَيْنَا لِمَنْ أَلَمْنَا الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ“ ترجمہ : یعنی اور وہی ہم نے لقمان کو حکمت اور کہا کہ تم شکر کرو اللہ تعالیٰ کا اور اس آیت کے بعد پھر یہ آیت ہے :-

”وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ“ الخ آخر رکوع تک تو اس آیت میں حضرت لقمان کی بعض حکمتوں کا بیان ہے اور

حضرت لقمان نے اپنے لڑکے کو اس حکمت کی تعلیم کی۔ البتہ اس طرح کا علم جو وحی کے ذریعے سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے وہ علم انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ علم وہی عام ہے یہ علم نبی کو بھی ہوتا ہے اور نبی کے سوا دوسرے کو بھی ہوتا ہے

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے :-

”أَنَا ذَا الْحِكْمَةِ وَعَلَى بَابِهَا“ یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ”میں حکمت کا گویا مکان

ہوں اور علی اس مکان کے دروازے ہیں“

اور یہ بھی روایت مشہور میں وارد ہے :-

”أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں گویا علم کا

شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازہ ہیں“ تو اس علم سے مراد یہی علم وہی ہے۔

وجاہت کا معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے حق میں کوئی ایسا امر کرے کہ اس امر سے معاندین کا

لہجہ اس بندہ کے حق میں ہو دفع ہو جائے۔ اور معاندین نے اس بندہ کے حق میں عیوب کی جو تہمت لگائی ہو وہ زائل ہو جائے۔ اور بادشاہوں کی ایذا رسانی سے وہ بندہ محفوظ رہے یا اسی عرض سے امر اپنے متوسلین مقررین درگاہ کے بارے

میں لگائی نہ کریں۔ اور وجاہت باعتبار اس معنی کے منجملہ انبیاء اولوالعزم کے دوسری کے حق میں نص قرآنی میں وارد ہے۔

مہجدان دونہی کے ایک حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں کہ جب ان کے حق میں بنی اسرائیل نے تہمت لگائی کہ ان کو مرض اور ہر برس کا ہے تو یہ تہمت دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَأْنَا اللَّهُ مِنَّا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ
وكان عند الله وجيهًا ترجمہ : یعنی اے ایمان والو ! جاہلیہ کے نہ ہو تم مانند لوگوں کے کہ اذیت دی ان لوگوں نے موسیٰ کو، ہیں پاک کیا اللہ نے موسیٰ کو اس تہمت سے جو ان لوگوں نے تہمت لگائی تھی اور موسیٰ اللہ کے نزدیک وجیہ یعنی صاحب وجاہت ہے۔ یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے۔

اگرچہ اس تہمت سے کوئی شرعی قباحت لازم نہ آتی تھی لیکن حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ ایسی تہمت ہو جس سے موسیٰ علیہ السلام کی شان میں لگائی جائے اس واسطے حق تعالیٰ نے اس تہمت کو دفع فرمایا اور مہجدان دونہی کے دوسری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ یہودیوں نے ان کے حق میں زنا زادگی کی تہمت لگائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عین برائت کے وقت میں ان کی زبان سے امر حق کہلا کر یہ تہمت دفع کر دی۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں فرمایا ہے :-

وَجَبِّحْ لِغُلَامَيْهِمَا الْآخَرَةَ وَمَنْ مَلَكَتْ أَيْمَانُ الْفَاسِقِ
ترجمہ : یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجیہ یعنی صاحب وجاہت ہیں دنیا اور آخرت میں اور قرین سے ہیں

اور کلام کیا لوگوں سے گہوار میں یعنی طفولیت میں اور یہ معنی وجاہت کا اکثر اولیاء کرام کے حق میں بھی ثابت ہے۔ بن جہد ان اولیاء کرام کے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ ان کے حق میں وارو ہے :-

إِنَّ اللَّهَ يَكُونُ فَوْقَ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ أَنْ يَحْطَأَ أَبُو بَكْرٍ فِي الْأَرْضِ ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ ناپسند جانتا ہے سات آسمان کے اوپر یہ کہ زمین پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں خطا کی نسبت کی جائے۔

اور بن جہد ان اولیاء کرام کے دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ ان کے حق میں بھی وجاہت ثابت ہے

أَلَمْ يَكُنْ أَدْرَأَ الْحَقِّ حَيْثُ دَارَ ترجمہ : یعنی اے پروردگار ! پہنچا تو حق کو جہاں وہ جائیں :-

اور یہ نہ کہا :-

ادس لا حیثیت : اس الحق ۔ یعنی پہنچا تو ان کو جہاں حق ہو :-

قطبیت باطن کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو خاص کرے اس واسطے کہ مقام نزول فیض الہی ملے اور بالذات وہ بندے خاص ہوں اور پھر خاص بندوں سے وہ فیض الہی دوسرے بندوں کو ملے۔ اگرچہ ظاہر نہ ہو کہ ان خاص بندوں سے کسی دوسرے نے تلمذ اور کتاب کے ذریعے سے وہ فیض الہی حاصل کیا ہو۔ جیسے کہ آفتاب کی شمع روزنہ نما سے گھر کے اندر پڑتی ہے۔ تو پہلے وہ روزنہ روشن ہوتا ہے۔ یعنی روشنندان وغیرہ جو گھر کے اندر آفتاب کی روشنی کے

لے لایا جاتا ہے تو جب آفتاب اس کے مقابل آتا ہے۔ تو پہلے اس روشنندان وغیرہ میں روشنی ہوتی ہے پھر اس کے ذریعے سے اس کے سامنے سے آفتاب کی شمع گھر کے اندر بھی آجاتی ہے اور اگر وہ شمع گھر کے اندر تک پہنچے تو صرف اس روشنندان کی روشنی سے گھر کے اندر کی تمام چیزیں روشن یعنی ظاہر ہو جاتی ہیں اس کو قطب شاد بھی کہتے ہیں اور یہ قطب مدار کے سوا ہے۔

حاصل کلام تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات اربعہ ثابت کرنا اہل سنت کے مذہب کے خلاف نہیں اگرچہ وہ لوگ جن کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے ان الفاظ کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں اور تفصیل شیخین کی خلاف بھی نہیں کہ اس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ اس واسطے دار مدار اس تفصیل کا متکلمین کے نزدیک زیادتی ثواب پر ہے اور جائز ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو بقدر زیادتی ثواب کے خاص فرمائے۔ اگرچہ دوسری فضیلتیں اور صفات کمال ان تمام بندوں کے سوا دوسرے بعض بندوں میں زیادہ ہوں بمصنعت کتاب ہمعانت قدس سترہ نے تفصیل شیخین کا دار مدار تفسیر دیا۔ پرکھئے کہ یہ تشبہ سیاست اُمت و دفع شبہات و ترویج دین میں ہے اور تشبہ لوگوں کو بدعت سے بچانے اور جہاد قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فضیلت شیخین نہ کی دوسرے لوگوں پر ان امور میں انہیں من الشمس والہیں من اللامس ہے۔ چنانچہ اکثر متکلمین کا قول ہے :-

التفضیل عندنا بالتوفیق لا بالفضائل یعنی زیادتی فضیلت ہمارے نزدیک توفیق اعمال کی بنا پر ہے نہ باعث بار فضائل کے : فقط

سوال : ایمان اور کفر کے مسائل میں کافر کا اطلاق کس پر ہوگا :-

جواب : قال فی شرح العقائد والجمع بین قولہما لا یکفر احد من اهل القبلة وقولہم یکفر من قال بخلق القرآن واستحالة البریۃ اوسب الشیخین اولئہما اوامثال ذلک مشکل انتہی :-

ترجمہ : یعنی شرح عقائد میں کہل ہے کہ علماء کے ان دونوں قول میں مطابقت مشکل ہے ایک قول یہ ہے کہ ایسے کسی شخص کو کافر نہ کہنا چاہیے کہ جو اہل قبلہ سے ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کو کافر نہ کہنا چاہیے جس نے یہ کہا کہ قرآن شریف مخلوق ہے۔ یا یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت محال ہے یا اس نے شیخین کو بُرا کہا یا شیخین رہا پرست کی۔ تو وہ بالذات اور ایسا ہی جو لوگ اس کے مانند ہوں ان کو بھی کافر نہ کہنا چاہیے۔

یہ معنوں شریع عقائد کی عبارت مذکور کا ہے۔

وقال المدق شمس الدین الخیالی فی حاشیۃ وقولہ ومن قواعد اهل السنة ان لا یکفر فی المسائل الاجتہادیۃ اذ لا نزاع فی تکفیر من انکوصرور یا ت الدین ثم ان هذه القاعدة للشیخ الاشعری وبعض متابعیہ واما البعض الآخر فلم یوافقوہ وہم الذین کفروا المعتزلۃ والشیعۃ فی بعض المسائل فلا احتیاج الی الجمع

لعدم اتحاد القائل انتہی

ترجمہ: یعنی علامہ شمس الدین خیالی نے اس قول کے ومن قواعد اہل السنۃ ان لاکفر کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ معنی اس قاعدہ کا یہ ہے کہ کافر نہ کہا جائے۔ مسائل اجتہاد میں اس واسطے کہ اس میں نزاع نہیں کو اس شخص کو کافر نہ پایا جائے جس شخص نے انکار کیا ضروریات دین سے اور اس مقام میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ شیخ اشعری رحمہ اور ان کے بعض تابعین کے نزدیک ہے لیکن دوسرے بعض علماء کرام کے نزدیک یہ قاعدہ ثابت نہیں۔ اور وہ علماء وہ ہیں کہ جن کا قول یہ ہے کہ معتزلہ اور شیعوں اپنے بعض مسائل کے سبب سے کافر ہیں۔ اس لئے اب ان دونوں اقوال میں مسابقت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس واسطے کہ یہ دونوں اقوال ایک ہی شخص کے قول نہیں ہیں۔

ولای یخفی ان الجواب الاول تخصیص و تقييد للكلام بلا دليل فالجواب الثاني مبني على اختلاف القائلين بالتقويل وهو خلاف الواقع بل القائلون بتلك القاعدة هم الذين يكفرون بخلق القرآن وسب الشيخين و تقدم العالم ونفع العلم بالجزئیات الى غير ذلك

ترجمہ: یعنی ظاہر ہے کہ جواب اول میں تخصیص و تقييد ہے کلام کی بغیر دلیل کے اور دوسرے جواب کی بناء اس پر ہے کہ دونوں اقوال کے قائل دو شخص ہیں حالانکہ یہ بھی خلاف واقع ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ اس قاعدہ کے قائل وہی لوگ ہیں جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ شخص کافر ہے جو یہ کہے کہ قرآن شریف مخلوق ہے یا وہ شیخین کو برا کہے یا وہ شخص اس امر کا قائل ہو کہ عالم متیم ہے یا وہ شخص علم بالجزئیات کی نفی کرے یا اس طرح کا اس کا کوئی عقیدہ فاسد ہو۔

قال السيد في شرح المواقف اعلم ان عدم تكفير اهل القبلة موافق لكلام الشيخ الاشعري والفقهاء كما مر لكن اذا انتشنا عقائد فروع الاسلاميين وجنا منها ما يوجب الكفر قطعاً كالعقائد الراجعة الى وجود اله خير الله سبحانه او الى حلوله في بعض اشخاص الناس او الى انكار نبوته محمد صلى الله عليه وسلم او الى ذمهم او استخفافهم او الى استباحة المحرمات واسقاط الواجبات الشرعية انتهي.

یعنی کہا سید نے شرح موافق میں کرنا چاہیئے کہ عدم تکفیر اہل قبلہ کی اس قول کے موافق ہے جو قول شیخ اشعری اور فقہاء کا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ لیکن ہم نے جب تفتیش کی کمالیہ اسلام کے فرقوں کے عقائد کس طرح کے ہیں تو ہم نے ایسا پایا کہ مجملہ ان عقائد کے بعض عقائد کفر لازم آتا ہے۔ مثلاً یہ عقیدہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا بھی ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں میں

حلول کیا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار یا ایسا عقیدہ کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت یا توہین ہوتی ہو یا یہ عقیدہ کہ جس سے محرمات کو مباح جاننا اور واجبات شرعیہ کو ساقط کر دینا ثابت ہوتا ہے یعنی ان جیسے عقائد کفر لازم آتا ہے۔

بل التحقيق ان المراد باهل القبلة هم الذين لا ينكرون ضروریات الدین لا من یوجب وجهه الى القبلة فی العسلوة قال الله تعالى: ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله واليوم الآخر الخ

فمن انكر ضروریات الدین لم یبق من اهل القبلة لان ضروریات الدین منحصرة عندهم فی ثلاثة مدلول الكتاب بشرط ان يكون نصاً صریحاً لا یمکن تاویلہ كتحريم الخمر والميسر واثبات العلم والقدرة والامارة والكلام له تعالى وكون السابقين الاولين من المهاجرين والانصار مريدین عند الله تعالى وانه لا یجوز ان هانتهم والاستخفاف بهم مدلول السنة المتواترة لفظاً ومعنى سواء كان من اعتقادیات او من العملیات وسواء كان فرضاً او نفلاً كوجوب محبة اهل البيت من الازواج والبنات والمجمعة والعيال والمجمع علیه اجماعاً قطعياً كخلافة الصديق والفاروق ونحو ذلك ولا شبهة ان من انكر امثال هذه الامور لم یصح ایمانه بالكتاب والنبیین اذ فی تحطینه الاجماع القطعی تضلیل لجميع الامة فیکون انکاراً بقوله تعالى: كنتم خیر امة اخرجت للناس وقوله تعالى: ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیین له الهدی ویشتع ھدی سبیل المؤمنین وبقوله علیه السلام: لا یجتمع امتی علی الضلالة وهو متواتر منقول فلا یمکن منکر هذه الامور من اهل القبلة.

یعنی بلکہ تحقیق یہ ہے کہ مراد اہل قبلہ سے وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد نہیں جو محض نماز میں قبلہ کو کمر سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اگر یہ کی نہیں کہ پیغمبر تو تم اپنا منہ لوہا اور پچم کی طرف بلکہ نیکی اس شخص نے کی جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر الخ

یعنی اور نیکی کی اس شخص نے جس نے وہ کام کیا جس کی تفصیل اس آیت میں آخر آیت تک مذکور ہے۔ تو جو شخص ضروریات دین سے منکر ہو گیا وہ اہل قبلہ سے باقی نہ رہا۔ اس واسطے کہ ضروریات دین علماء کرام کے نزدیک تین امور میں مختصر ہیں۔ ایک امر یہ ہے کہ مدلول کتاب یعنی صریح معنی کسی آیت قرآن شریف کا بشرطیکہ وہ نص صریح ہو۔ اس کی تاویل ممکن نہ ہو۔ مثلاً حرام جاننا ماں اور بیٹی کو اور حرام جاننا شراب اور جود کو اور یہ ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ میں مغفرت علم اور قدرت اور ارادہ اور کلام کی ہے اور یہ جاننا کہ سابقین الاولین مہاجرین و الانصار اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان صاحبوں کی امانت جائز نہیں۔

تفصیل طویل و الشان فی معرفة من مؤمن اهل القبلة ومن ليس منهم فلم يمتنع
الفهم قد بالغوا في تكفير من يتكبر بعض المسائل الاجتهادية المشهورة عند قوم دون
قوم كحرمة لبس العصفرة وخود لك وهو مذهب ركب جدها واقام من فرق بين الاموال
والفروع فكفر في احد امما دون الاخرى فان اراد نفس الاعمال فنعيم ومرحبا وان اراد اعتقا
وجوبها وشتيتها فلا اذ لاشبهة في ان من انكر وجوب الزكوة او وجوب الوفاء بالعهد
او وجوب الصلوة الخمس او كون الاذان مسنونا فقد كفر كما يدل عليه قتال مانعي
الزكوة في صدر الاسلام فنعو في بعضها يكون كفرا تاويليا لكن التاويل غير مسموع في
امثال هذه الامور الجلية كماله يسمع تاويل مانع الزكوة متمسكين بقوله تعالى :
ان صلاتك سكن لكهم وكما لم يسمع تاويل الحذورية في انكار العلم بالجنائيات على الوجه
الجزئي مع القول بشبوت العلم على وجه كلي فلا يمتنع في الاقتدام عليه اذ ليس مخالف هذه
الاحكام منصوفا متعاجليا لا في الكتاب ولا في السنة المتواترة هذا والله تعالى اعلم

ترجمہ : یعنی حاصل یہ کہ علماء کرام کا قول ہے کہ اس کو کافر نہیں کہتے جو اہل قبلہ سے ہو یہ کلام مجمل ہے اپنے عموم
پر باقی ہے لیکن اس کلام میں بڑی تفصیل ہے بحث اس امر میں ہے کہ کون لوگ اہل قبلہ سے ہیں اور کون
لوگ حل قبلہ سے نہیں تو بعض فقہائے کیوں مبالغہ کیا کہ اس شخص کو کافر کہہ دیا جو منکر ہوا ان بعض مسائل
اجتہاد پر کا جو بعض قوم کے نزدیک مشہور نہیں مثلاً حرام ہونا پہننا کسم کارنگا موال اور مانند اس کے اور جو امور
ہیں ان کا وہ منکر ہے اور یہ مذہب نہایت رکیک ہے لیکن جس نے تفریق کو درمیان اصول اور فروع کے
پس کافر کہا ایک میں نہیں دوسرے میں تو اگر اس کی مراد نفس اعمال میں تو یہ بہتر ہے اور اگر اس کی مراد اعتقاد
وجوب اہل و شیت اعمال میں تو اس میں اس کا خیال صحیح نہیں اس واسطے کہ اس میں شبہ نہیں
کہ وہ شخص کافر ہے جو ان امور میں سے کسی امر کا منکر ہو زکوة کا واجب ہونا اور عہد کا ایفاء واجب ہونا
اور پنج وقتی نماز کا واجب ہونا اور آذان کا مسنون ہونا اس واسطے کہ مانعین زکوة سے شروع اسلام میں
جہاد کیا گیا البتہ من جہلان امور کے بعض امور کے انکار سے کفر تاویلی لازم آتا ہے لیکن ایسے ظاہر امور میں تاویل قابل
سماعت نہیں جیسا کہ مانعین زکوة کی تاویل نہ سنی گئی کہ ان لوگوں نے اپنے مدعا کے ثبوت میں اللہ جل شانہ کا یہ
کلام پیش کیا۔

ان صلاتك سكن لهم تحقیق کہ آپ کی دعائیں ان کے دل میں سکون دیتی ہیں اور جروریہ کی تاویل انکار حکم میں نہ سنی گئی
کہ ان لوگوں نے اپنے مدعا کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پیش کیا۔ ان الحكم الا الله یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے
حکم کا اعتبار ہے لیکن جو شخص قرآن شریف کو مخلوق کہے یا اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا انکار کرے یا انکار کرے
علم بالجنائیات سے بطریق جزئی ۔ مگر وہ قائل ہو ثبوت علم کا بطریق کلی تو ایسے شخص کی تکفیر کی جرأت نہ کرنی چاہیے

اور ان صاحبوں کی شان میں کوئی کلمہ خفیت کہنا جائز نہیں یعنی یہ امور ضروریات دین سے ہیں اس واسطے
کہ یہ امور نفس صریح قرآن شریف سے ثابت ہیں اور دوسرا امر مجہولان تین امور کے یہ ہے کہ مدلول سنت
یعنی جو امر حدیث متواتر سے صراحتاً مفہوم ہو۔ وہ حدیث متواتر باعتبار لفظ کے ہو یا صرف باعتبار معنی کے
متواتر ہو۔ خواہ وہ امر متعلق اعتقاد یا متعلق عمل کے ہو اور خواہ وہ امر فرض ہو یا نفل ہو اس کی مثال یہ ہے
واجب ہونا محبت اہل بیت کی یعنی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کی اور صاحبزادیوں کی اور
واجب ہونا جمعہ اور عیدین کا۔ اور تیسرا امر من جہلان تین امور کے اجماع قطعی ہے مثلاً خلافت حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اور خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور ایسے ہی اور جو امور ہیں۔ اس میں شبہ
نہیں کہ جو شخص ایسے امور کا منکر ہو اس کا ایمان قرآن شریف اور پیغمبروں پر صحیح نہیں اس واسطے کہ جب
اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ایسا امر جس پر اُمت کا اجماع قطعی ہو اسے خطاب ہے۔ تو وہ شخص اپنے خیال میں اس
اُمت کے تمام لوگوں کو گمراہ سمجھتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کو انکار ہے اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک
سے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے بارے میں فرمایا کہ جس قدر کہ اُمت
ہوئی ان میں سے تم لوگ بہترین اُمت ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو بہترین اُمت فرمایا اور اس کی پیروی
اس شخص کا خیال ہے کہ اس اُمت کے لوگ گمراہ ہوئے کہ غلط امر کو ان لوگوں نے صحیح سمجھ لیا ہے اور یہ بھی
لازم آتا ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے بھی انکار ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ
یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں خطاب فرمایا جس شخص کو سیدھی راہ معلوم ہو جائے اور پھر وہ
شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار کرے
اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث ثریا
سے انکار ہے۔

لَا تَجْتَمِعْ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ ترجمہ : یعنی میری اُمت کے لوگوں کا اجتماع گمراہی
پر نہ ہوگا :

تو جو شخص ان امور کا منکر ہو وہ اہل قبلہ سے نہیں سمجھا جائے گا۔
وَقَدْ عَرَفَتْ بَعْضُهُمْ مَنْزِلَ بَيَاتِ الدِّينِ بِأَنَّهُمْ أُمُورٌ قَدْ شَرَّكَتْ فِي مَعْرِفَتِهَا الْمُتَدِّينَ بِدِينِ
الْإِسْلَامِ وَعَبِيرُ الْمُتَدِّينَ بِهِ

ترجمہ : یعنی بعض علماء کرام نے ضروریات دین کی یہ تعریف کی ہے کہ ضروریات دین وہ امور ہیں جن کو وہ لوگ
بھی جانتے ہیں جو پابند دین اسلام ہیں اور وہ لوگ بھی جانتے ہیں جو دین اسلام کے پابند نہیں۔

وبالجملة قولهم لا تكفرا أحدًا من أهل القبلة كلام مجمل باق على عمومہ لكن لـ

اس واسطے کہ ان احکام کی مخالفت کے لئے نفس جلی میں کوئی صاف حکم نہیں نہ بظاہر قرآن شریف میں ہے اور نہ حدیث متواتر میں ہے اس امر کو بغور سمجھنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے والہ ہے۔

فان قيل ما الدليل على ان المواد من اهل القبلة هم المصدقون بجميع ضروريات الدين اى دلالة بلفظ اهل القبلة قلنا الدليل عليه ان الكفر يتقابل الايمان تقابل العدم والسكنة اذ الكفر عدم الايمان والمتقابلان بالعدم والملكة لا يكون بينهما واسطة بالنظر الى خصوص الموضوع وان امكن بينهما واسطة بالنظر الى الواقع كالعلمى والبصر فان الذى من شأنه البصر لا يخلو عن احد عما ولا شبهة ان الايمان مفقود الشرع المعبر به في كتب الكلام والمقامد والتفسير والمحدث هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم بحقيقة به ضرورياتهما من شأنه ذلك ليخرج الصبي والمجنون والحيوانات والكفر عدم الايمان عما من شأنه ذلك التصديق فظهر ان الكفر هو عدم تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم بحقيقة به ضرورياتها وهو بعينه ما ذكرنا من ان الكفر واحد من ضروريات الدين اقص بالکفر نعم عدم التصديق له مراتب اربع فيحصل للكفر ايضا اقسام اربعة الاول كفر الجاهل وهو تكذيب النبي صلى الله عليه وسلم صريحاً فيما علم بحقيقة به مع العلم بكونه عليه السلام كما ذكرنا في دعواه وهذا هو كفر ابي جهل وامرأته والشاقي كفر الجحود والعناد وهو تكذيبه مع العلم بكونه صادقاً في دعواه وهو كفر اهل الكتاب كقوله تعالى الذين اتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون اياتهم وقوله تعالى وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلماً وعلواً. وكفر ابليس من هذا القبيل والثالث كفر الشك كما كان لاكثر المنافقين. والرابع كفر التاويل وهو ان يجعل كلام النبي صلى الله عليه وسلم على غير محمله او على التقية والمراعاة والمصالح ونحو ذلك ولما كان التوجه الى القبلة من خواص معنى الايمان سواء كان شاملة او غير شاملة مقبلاً عن الايمان باهل القبلة كما ورد في الحديث نهيت عن قتل المسلمين والمواد المؤمنين مع ان نفس القرآن على ان اهل القبلة هم المصدقون بالنبي صلى الله عليه وسلم في جميع ما علم بحقيقة به وهو قوله تعالى ومنه عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهلها منه اكبر عند الله قلنا مثلاً

ترجمہ: یعنی اگر یہ شبہ ہو گیا دلیل ہے اس امر پر کہ مراد اہل قبلہ سے وہی لوگ ہیں جو تصدیق کر لیں جو قرآن و دین کی۔ تو اہل قبلہ کے لفظ سے یہ کہاں سمجھا جا تا ہے۔ ہم اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ اس امر پر دلیل یہ ہے کہ کفر اور ایمان میں تقابل و عدم ملکہ کا ہے۔ اس واسطے کہ کفر سے مراد عدم ایمان ہے اور جن دو چیزوں میں

عدم و ملکہ کا تقابل ہوتا ہے تو ان دونوں چیزوں میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا باعتبار خصوص موضوع کے اور اگرچہ ممکن ہے کہ ان دونوں چیزوں میں واسطہ ہو باعتبار واقع کے مانند علمی اور بصری کے اس واسطے کہ جس کی شان میں بصریہ وہ ضرور ہے اس میں یا علمی ہو یا بصری ہو۔ ان دونوں امر میں سے کسی ایک امر سے وہ مالی نہیں ہو سکتا اور اس امر میں کچھ شبہ نہیں کہ کتب کلام و عقائد و تفسیر و حدیث میں ایمان کی تعبیر یہ ہے کہ ایمان تصدیق ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان امور میں بدانتہا معلوم ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا ہے۔ اور یہ تصدیق اس شخص کی طرف سے ہو جس کی شان سے یہ ہو کہ وہ تصدیق کر سکتا ہے۔ تو مفہوم کفر کا یہ ہوا عدم تصدیق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان امور میں جو بدانتہا معلوم ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور مفہوم کفر کا بعینہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ جو شخص ضروریات دین سے کسی ایک امر کا بھی منکر ہو تو اس شخص میں کفر پایا جائے گا۔ البتہ عدم تصدیق کے چار مراتب ہیں۔ اس اعتبار سے کفر کی بھی چار قسمیں ہوں گی۔

۱۔ پہلی قسم کفر کی جہل ہے۔ اور کفر جہل سے مراد تکذیب کرنا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحتاً ان امور میں جن کے بارے میں معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا ہے اور یہ عقیدہ باطل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں کاذب تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی طرح کا کفر ابوجہل کا کفر تھا اور جو کفار اس کے مانند ہوئے ان کا کفر بھی ایسا ہی تھا۔

۲۔ دوسری قسم کفر کی کفر جحود و عناد ہے اور اس قسم کے کفر سے مراد تکذیب ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی باوجود اس علم کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں صادق ہوئے اور اسی طرح کا کفر اہل کتاب کا کفر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی یعنی جو لوگ اہل کتاب سے ہیں وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا وہ لوگ اپنے لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کافروں نے انکار کیا اس امر کا، حالانکہ اس امر کا صحیح ہونا یہ لوگ یقیناً جانتے ہیں۔ یہ انکار صرف بے انصافی اور تکبر سے ہے اور اسی طرح کا کفر ابلیس کا کفر بھی ہے۔

۳۔ تیسری قسم کفر کی شک ہے جیسا کہ اکثر منافقین کا کفر تھا۔

۴۔ چوتھی قسم کفر کی کفر تاویل ہے اور کفر تاویل سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ایسے معنی پر حمل کرنا جو فی الواقع اس کلام کا معنی نہ ہوں۔ یا محمول کرنا اس کلام کو تفسیر اور رعایت مصلحت پر یا ایسا ہی کسی اور امر غلط پر اس کو حمل کرنا اور چونکہ نمازیں قبلہ رکھ کر اہل ایمان کے خاصہ سے ہے خواہ شامل ہو یا خاصہ غیر شامل ہو۔ اس واسطے اہل شرع نے ایمان کی تعبیر اہل قبلہ کے لفظ کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ

حدیث شریف میں وارد ہے۔

کہ میں منہ کیا گیا قتل سے نمازیوں کے؟ اس حدیث میں مراد نمازیوں سے مسلمان ہیں۔ حالانکہ نص قرآن شریف

سے صراحتاً ثابت ہے کہ اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جن لوگوں نے تصدیق کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سب امور میں جن کے بارے میں معلوم ہو کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جنگ کرنا ہaram میں نہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے راہ سے اور کفر کرنا ہے اسکی شان میں اور کفر کرنا ہے مسجد حرام کی شان میں اور کفر کرنا دینا مسجد حرام کے لوگوں کو زیادہ بڑا ہے نزدیک اللہ تعالیٰ کے۔ یہ مسئلہ قابل غور ہے۔

سوال : کس امر سے کفر لازم آتا ہے اور کس امر سے نہیں؟

جواب : امام عزالی علیہ الرحمۃ کا ایک رسالہ اس بیان میں ہے کہ کس امر میں کفر لازم آتا ہے اور کس امر سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس رسالہ میں کلام طویل کے بعد یہ لکھا ہے :-

اعلم ان شرح ما یکفر بہ وما لا یکفر بہ فیستدعی شرحاً طویلاً فیستدعی ذکر المقالات والذکر
و ذکر شبهة کُل واحد ودلیلہ و وجہ بعدہ عن الظاہ و وجہ تاویلہ و ذلک لا
یحترکہ مجلّد اث و لیس یسع شرح ذلک اوقاتی فاقتنع الان بوصیة وقانون اما الوصیة
فان تک لسانک من اهل القبلة ما امکنک ما داموا فاشلین لا اله الا الله محمد رسول الله
غیر منافقین لها والمنافقة تجوز هم الکذب علیہ بعد زواجر عذر فان التکفیر فیہ خطا و السکوت
لا یخطر فیہ اما القانون فہو ان تعلم ان اصول الایمان ثلاثہ الایمان بالله وبالرسول وبالیوم
الآخر و ما عدا ذلک فروع فاعلم انه لا تکفیر فی الفروع اصلاً لکن فی بعضها تخطیئة کما فی
الفقہیات و فی بعضها تیدیع کما لخطا المتعلق بالامامة و اقول الصحابة و اعلم ان الخطا
فی الامامة و تقیئها و شرعها و ما یصلح بها لا یوجب شیء منہا التکفیر ولا یلتفت الی قیوم
یعظمون امر الامامة و یجعلون الایمان بالامام مقروناً بالله و برسولہ و لا الی خصوصاً منہم للکفر
لہم مجدد مذہبہم فی الامامة فکل ذلک اسراف اذ لیس فی الواحد من القولین تکذیب
الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و معہما وجد التکذیب و وجب التکفیر۔

یعنی جانا چاہیے کہ تفصیل اس مسئلہ کی کس امر سے کفر لازم آتا ہے اور کس امر سے کفر لازم نہیں آتا ہے اس کے لئے ایک شرح طویل کی ضرورت ہے کہ اس بارے میں لوگوں کے جو اقوال اور مذاہب ہیں ذکر کئے جائیں اور ہر ایک شے کا ذکر کیا جائے۔ اور اس کی دلیل بیان کی جائے۔ اور یہ بیان کیا جائے کہ کس وجہ سے وہ قول ظاہراً قیاس سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس کی تاویل کس طرح ہوتی ہے اور ان امور پر طول و طویل کتابیں مادی نہیں ہو سکتی ہیں اور نہ میرے اوقات میں اس قدر گنجائش ہے کہ اس کی شرح کی جائے۔ لہذا فی الحال ایک وصیت اور ایک قانون کے بیان کرنے پر قناعت کرتا ہوں تو وہ وصیت یہ ہے کہ اپنی زبان و اسکان اہل قبلہ کی تکفیر کرنے سے روک رکھو۔ جب تک اہل قبلہ سے کوئی شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے اور یہ کلمہ چھپے اور نفاق سے یہ کلمہ نہ کہتا ہو۔ اس کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ اور نفاق سے مراد یہ ہے کہ وہ جائز جانا

جو کہ عذر سے یا بلا عذر یہ کلمہ دروغ کے طور پر کہا جائے۔ یعنی دل سے تصدیق نہ کی جائے۔ صرف زبان ایمان ظاہر کیا جائے۔ اس واسطے کہ تکفیر میں خطرہ میں ہے اور سکوت میں خطرہ نہیں۔ لیکن قانون یعنی شرعی کا عہدہ یہ ہے کہ جانا چاہیے کہ اصول ایمان کے تین ہیں۔ یعنی ایمان لا الہ الا اللہ پر اور رسول پر اور آخرت کے دن پر اور اس کے سوا سب فروع میں تو جانا چاہیے کہ فروع کے بارے میں ہرگز تکفیر ثابت نہیں البتہ بعض فروع میں تخفیف ہے یعنی اس کے بارے میں کسی کی طرف خطا کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ جیسے مسائل فقہیہ میں اور بعض فروع کے بارے میں بدعت کی نسبت کی جاسکتی ہے جیسے خطا جو امامت اور صحابہ کے احوال سے متعلق ہے اور جانا چاہیے کہ خطا اصل امامت میں اور اس کی تعیین، شروط اور اس کے متعلقات میں سے کوئی امر تکفیر کے لئے موجب نہیں اور ان لوگوں کا قول قابل لحاظ نہیں کہ امامت کے مسئلہ کو حد سے بڑھا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایمان لا الہ الا اللہ اور کے رسول پر ایمان لانے کے برابر ہے اور نہ ان کے خصم یعنی مخالفین کا قول قابل لحاظ ہے کہ ان لوگوں کو امامت کے بارے میں جو کہ ان کا مذہب ہے صرف اس مذہب کی وجہ سے کافر کہتے ہیں۔ تو ان دونوں اقوال میں حد سے تجاوز کیا گیا ہے۔ اس واسطے کہ معتدلان اقوال کے کسی قول سے نہ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم نہیں آتی اور جب تک تکذیب لازم آتی ہے تو اس صورت میں تکفیر کی جاتی ہے۔

یہ مضمون امام عزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے رسالہ مذکورہ کی عبارت کا ہے اور اس بارے میں اس رسالہ میں اس عبارت کے بعد کلام طویل ہے۔ امام عزالی علیہ الرحمۃ کا یہ کلام اس کے موافق ہے جو عقائد میں مذکور ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا چاہیے امام عزالی علیہ الرحمۃ کا یہ کلام اس کے خلاف ہے جو کہ فتاویٰ میں مذکور ہے کہ جس شخص کو حضرات شیعیین کی خلافت سے انکار ہو وہ کافر ہے۔

سوال : لزوم کفر اور انکار کفر میں کیا فرق ہے؟

جواب : لزوم کفر اور انکار کفر میں فرق یہ ہے کہ کوئی شخص کسی امر میں وارد ہوئی ہو۔ اور کوئی شخص اس نص کی تاویل نہ کرے۔ کہ وہ تاویل باعتبار قواعد عربیہ اور اصول کے درست نہ ہوتی ہو۔ اور وہ شخص تاویل بعید کرے اس نص کے ظاہر معنی سے انکار کرے۔ تو اس سے کفر لازم نہ آئے گا۔ البتہ کفر اس وقت متحقق ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص مدلول نص کو مدلول نص سے انکار کرے اور باوجود اس کے اس نص سے بلا تاویل انکار کرے اور کہے اگرچہ نص وارد ہے مگر میں اس معنی کو قبول نہیں کرتا تو اس سے باعتبار واقعہ اور نص الامر کے کفر لازم آئے گا۔ اور باعتبار اعتقاد منکر کے الزام کفر کا ہوگا اور معنی لزوم کفر کے یہ ہیں کہ کوئی عقیدہ مثلاً فی الواقع کفر ہو اور اس کے قائل کے بارے میں جو دعویٰ انکار لازم آتا ہو۔ لیکن اس کا قائل نہ جانا جو کہ یہ عہدہ کفر ہے۔ لولا کہ لما خلقت الافلاک کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔

سوال : اہل کتاب کے ایمان کے فضائل کیا ہیں؟

جواب : یہ حدیث شریفہ میں ہے :-

ثَلَاثَةً يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ وَحُجْلٌ ۖ وَامْنٌ يَتَسَبَّحُ ۖ وَامْنٌ يَسْتَحْمِدُ ۖ وَامْنٌ
ترجمہ : یعنی تین شخص ہیں کہ ان کو دو چند اجر دیا جاتا ہے، "مجد ان کے ایک شخص وہ ہے کہ اہل کتاب
سے ہے اپنے نبی پر ایمان لایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا
اور بعض روایات میں ہے :-

وَحُجْلٌ ۖ وَامْنٌ يَتَسَبَّحُ ۖ ترجمہ : من جملہ ان تین شخصوں کے ایک وہ
شخص ہے کہ اہل کتاب سے ہے اپنے نبی پر ایمان لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا
شرح حدیث نے اس کا مطلب بیان کرنے میں نہایت اضطراب کیا ہے اور ان میں سے متاخرین نے
عبدالرؤف منادی اور دیگر محققین نے یہ اختیار کیا ہے کہ اس قول سے مراد صرف نصاریٰ ہیں۔ اس واسطے کہ یہود کا ان اور
باقی سب دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے منسوخ ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنا کفر ہے
جو شخص ایسا ہو کہ اس نے بحالت کفر منسوخ پر عمل کیا ہو وہ اس عمل کی وجہ سے مستحق اجر و ثواب کس طرح ہو سکتا
اس فیتر نے آیت :-

اولئك يؤتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ کی تفسیر میں اس امر کی عمدہ تحقیق لکھی ہے مگر یہاں مسودہ موجود نہیں
اس وجہ سے نقل کرنا ممکن نہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ کلام عام ہے۔ اس واسطے کہ اس امر میں جو روایات
ان سب روایات میں یہ امر عام طور پر مذکور ہے بلکہ نص قرآنی سے بھی عموم ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمایا ہے :-

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ۚ وَمَن يَلْحَقْ بِهِمْ ذُرِّيَّتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمَا فِيهَا دٰۤیْمًا
ترجمہ : جو لوگ ایمان لائے اور ان کے پیچھے ان کے بچے بھی ایمان لائے تو ان کے بچے ان کے ساتھ
جنت میں جائیں گے۔

یعنی وہ لوگ کہ دین ہم نے ان کو کتاب قبل اس کے کہ وہ لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب ان پر ہماری
کتاب پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے تھے تحقیق کہ یہ حق ہے یہ ہے پروردگار کی طرف سے
تحقیق کہ ہم پہلے اس سے مسلمان تھے یہ لوگ اپنا ثواب دوسرے پر نہیں لے سکتے۔ سبب اس کے کہ صبر کیا ان لوگوں
نے اور دفع کرتے ہیں نیکی کے ذریعہ سے بُرائی کو اور جو دین ہم نے ان کو اس سے خرچ کرتے ہیں۔
یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا مستلزم ہے اس امر کے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی
ایمان لانا ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو اس ایمان لانے سے ثابت
جاتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لے آئے تو اس ایمان کے مستحق ہونے سے ان کا سابق کفر حضرت عیسیٰ

کفر تھا جو ہوا آپ ہے جیسا کہ جب یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کا سابق کفر کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے حق میں جھٹھا محو جاتا ہے۔ تو اب اس کی سابق طاعت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور اس کے عوض میں وہ اجر و
ثواب مستحق ہو جاتا ہے اور اس امر کے لئے ظاہر دلیل یہ ہے کہ مثلاً نصاریٰ سے کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لایا اور اس کے قبل وہ اپنی تمام عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کفر اور انکار کرتا رہا۔ بلکہ ہمیشہ اہل اسلام سے سب
کے اور بدال کرنے میں مصروف رہا۔ تو بلاشبہ اس کے حق میں ثابت ہے کہ اس کو دوسرے اجر دیا جائے گا۔ اور اس کے
پیشے ہی پر جو ایمان لایا تھا اب اس کا اعتبار ہوگا۔ حالانکہ اس وقت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کفر اور انکار
نہ تھا۔

اس امر میں سر یہ ہے کہ مجد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہر نبی پر ایمان لانے کی یہ تاثیر ہے کہ اس سے
ان کی تعبیر ہوتی ہے اور نفس کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کا معارض وجود
ہوتا ہے۔ وہ معارض یہ ہے کہ دوسرے نبی کے حق میں اس کو کفر اور انکار رہتا ہے۔ تو جب وہ معارض دفع ہو جاتا ہے
اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس سبب کے ثبوت کے لئے شواہد بے شمار ہیں کہ امور طبعیہ اور امور صناعیہ وغیرہ محسوسات
موجود ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب کوئی یہودی اسلام سے مشرف ہوا اور یہ امر متحقق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
اس کا صحیح ہے۔ تو اس ضمن میں یہ بھی متحقق ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور باقی سب انبیاء علیہم السلام پر وہ دفعتاً
پر ایمان لایا اور ایمان صحیح ہوا۔ اور یہ جائز قرار پایا کہ یہ ایمان اور اس کے قبل کا ایمان کہ سابق میں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
دین تھا۔ ان دونوں ایمان کا اب اثر ظاہر ہو تو دونوں ایمان کے عوض اس کو دو چند اجر دیا جائے۔ تو عذر کرنے سے
بچ جاتا ہے کہ اس بارے میں جو حال انسانی کا ہے وہی حال یہودی کا بھی ہے۔ اور اس بارے میں یہود اور نصاریٰ
میں باہم کچھ تفاوت نہیں اور یہ جو سوال میں لکھا تھا کہ کفر سب یہود کا خصوصاً اجار اور ربانیین کا کفر بعد بعثت
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثابت ہے۔ تو یہ کلام مقام تعجب ہے۔ مہربان من ! بحیرہ راہب نصرانی تھا۔ یہودی نہ تھا۔
اجار یہود کے مذہب منورہ میں طبعاً سکونت پذیر ہوئے اور وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے قبل تھے۔
سبب اجار اور عبداللہ بن سلام کے بارے میں کہنا ہوں کہ مخالفت کے وجود اور سبب مفسل تفسیر فتح العزیز وغیرہ
میں ملتا ہیں۔ وہ دیباخت ہو جانے کے بعد اس بارے میں کچھ تعجب باقی نہیں رہتا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مخالفت کے لئے سبب کبھی فاسد تعلق کا ہونا ہوتا ہے اور سبب عام ہے۔ علماء اور فاضلین
میں یہ سبب کبھی واقع ہوتا ہے۔ فاسد تعلق کے معنی یہ ہیں کہ کوئی امر مشہور ہو جائے۔ جیسے معاذ اللہ جناب حضرت عیسیٰ
کے بارے میں یہود میں مشہور تھا۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ امر مشہور کسی عالم کے ذہن میں اس طرح مستحکم ہو جاتا
ہے کہ اس کے خلاف جو امر واقعی ہوتا ہے وہ بھی اس کو معلوم ہوتا ہے کہ باطل ہے۔ اور امر مشہور کے خلاف جو امر
ہوتا ہے اس کی وجہ کی طرف کچھ التفات نہیں کرتا ہے۔ ورنہ اس شخص میں یہ مادہ ہوتا ہے کہ اگر اس امر مشہور کے

خلافت وجود پر التفات کرے تو اس کو امر حق معلوم ہو جائے گا۔ مثال اس کی یہ ہے کہ بلا دایران کے منتہی مقام میں جو لوگ ہیں اور وہ اہل سنت کے ساتھ اختلاط نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے لوگ اور ان کی عورتیں اگرچہ کامل طور پر اپنی کتابیں پڑھیں مگر مگر ان کے ذہن میں حضرات شیخین رحمہ اور حضرت عثمان رحمہ کے نام مبارک کی امانت مضافاً لہذا مانند فرعون، لہذا ان کے نام کی امانت کے اس طرح قرار پائی ہے کہ ان حضرات کے مناقب اور صلاح کا خیال ہرگز ان کے ذہن میں قرار نہیں پاتا ہے۔ اور ان کے ذہن میں یہ خیال مستحکم ہے کہ اہل بیت کو اذیت دی گئی۔ اور ان حضرات کے حق میں غصب اور ظلم اور حیل کیا گیا۔ اس خیال کی وجہ سے حضرات شیخین رحمہ اور حضرت عثمان رحمہ کے مناقب اور صلاح کا خیال ان کو مطلقاً نہیں ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ ان میں مادہ ہے کہ امر حق دریافت کریں۔ لیکن وہ لوگ ان حضرات کا حال دریافت کرنے میں مطلقاً توجہ اور التفات نہیں کرتے ہیں۔ یہی حالت اجارہ ہودی بھی تھی۔ کہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال دریافت کرنے میں مطلقاً توجہ اور التفات نہیں کرتے تھے۔

اس واسطے کہ ان کی قوت مدکرہ ان خیالات باطلہ پر تھی کہ مضافاً انہی خیالات کی وجہ سے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متنفر تھے۔ اور جب توجہ اور التفات نہ ہو تو بدہیات دریافت نہیں ہو سکتی ہیں تو نظریات کا ذکر کیا۔ اس بے التفاتی کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے تابعین حضرت یحییٰ کی شان میں زندہ اور الحاد کے کلمات اور آپ کی شان میں صفت و ثناء کرنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور تثلیث کا قول کہا کرتے تھے۔ اس کے سوا کوئی اور دوسرا امر حضرت عیسیٰ کی شان میں ذکر نہ کرتے تھے۔ ان خرافات کے سننے سے یہود کا متنفر زیادہ ہوا۔ حتیٰ کہ جب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور جو امور محتاج دلیل کے تھے۔ وہ اعلانیہ طور پر ظاہر ہو گئے اور جو بات سنی جاتی تھی۔ وہ دیکھنے میں آتی تھی اور کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ تو بعض یہود دونوں حضرات پر مٹا ایمان لے آئے۔ یعنی ہر ایک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اس ضمن میں ان کا ایمان لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی متحقق ہو گیا اور ان یہود کے علم کے کمال کا اثواب ظہور میں آیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ ترجمہ: یعنی لوگوں میں میں زیادہ قریب ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں۔

تو اس حدیث کے مقصد سے یہ بھی مقصد ہے جو کہ مذکور ہوا ہے اور اس کا عکس بھی، انشاء اللہ العزیز ہونے والا ہے۔ یعنی جب پیغمبر آخر الزمان علیہ التحیۃ والتسلیم کی وفات کے بعد زیادہ زمانہ گزر جائے گا۔ اور مخالفین مذہب کا غلبہ ہوگا۔ خصوصاً دجال ملعون نکلے گا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لوگوں کے دل میں شکوک اور شبہات کا دخل ہوگا۔ تو حضرت علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ مخالفین کو دفع کریں گے۔ شکوک اور شبہات زائل فرمائیں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین متین روشن کریں گے۔

ابن مندہ نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباس رحمہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر رحمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک اختیار کی اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی عمر میں برس کی تھی۔ ان دونوں حضرات نے تجارت کے ذریعہ سے ملک شام کا ارادہ فرمایا۔ تو ایک مقام میں آپ۔ دونوں سے ملتے ہوئے۔ تو وہاں بیر کا درخت تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابوبکر کے پاس گئے کہ اس راہب کو بخیر کہتے تھے۔ اور بخیر اسے کچھ پوچھا تو بخیر نے کہا کہ درخت کے سایہ میں کون کون ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ تو راہب نے کہا کہ قسم ہے خدا کے کہ میں اس کے سایہ میں بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی نہ بیٹھا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟

یہ ابن مندہ کی روایت کا ترجمہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دوسرا سفر تھا۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے ساتھ سفر کیا تھا۔ ایسا ہی اصابعہ میں ہے۔ اور اجارہ ہودی اولاد کے جو لوگ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام سے دور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مال سے ان لوگوں کو کچھ نیکی نہ ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت اسلام خاص ملک شام کے بنی اسرائیل کے حق میں ہوئی مدینہ منورہ کے یہود کا اختلاط مشرکین کے ساتھ تھا۔ اس وجہ سے ان کے خیال کے ناظران لوگوں میں ہوئی۔ اور اس کے علاوہ وہ بھی سبب ہیں کہ جن کی وجہ سے ان لوگوں کی توجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل کی طرف نہ ہوئی۔ حدیث لولاک لما نزلت الافلاک کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہ گذری۔ فقط۔

سوال: کتب معتبرہ عقائد کے متون اور شروح میں لکھا ہے کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور مؤمنین جنت میں جائیں گے۔ خواہ بلا عذاب کے جائیں یا بعض مؤمنین بعد عذاب کے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ تو ان لوگوں میں جو جنت میں جائیں گے۔ مشرکین اور اہل کتاب اور اہل بدعت کہ جن کی ہوائے نفسانی کفر تک پہنچی ہو اور جو تکفیر کرنے والے بنین کے ہوں اور دوسرے لوگ جو منکر ضروریات دین کے ہوں داخل ہیں کہ نہیں اور یہ جو آیت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نہیں بخشنے گا یہ کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخشنے گا اس کے سوا جس کو چاہے۔

تو اس کلام پاک سے احتمال ہوتا ہے کہ کفار غیر مشرکین کی بھی مغفرت ہوگی۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے سوا اور سب لوگ دوزخ سے نکلے جائیں گے۔ مشرکین کی قید عقائد میں نہیں لکھی ہے اور چوتھے مرتبہ میں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت باقی جہنمیوں کی فرمائیں گے اور حکم ہوگا کہ اب آپ کی شفاعت سے نہ بخشوں گا۔ مگر آخر میں ہر لوگ بخشے جائیں گے۔ تو وہ کون لوگ ہیں۔ یہی کفار غیر مشرکین ہیں یا وہ مؤمنین ہیں جن کے دل میں ذرہ ایمان ہے اس کا تفصیل اور آیت مذکورہ کا ترجمہ تحریر فرمائیں۔ اور یہ کہ ان تشرک سے کیا مراد ہے۔ یہ کن لوگوں کے بارے میں ہے؟

جواب: علماء کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ مخلوق کا عذاب کفر کا خاصہ ہے مطلقاً خواہ شرک ہو۔ یا نہ ہو۔ انکار ہو یا احکام قرآن کا انکار ہو۔ اس میں کچھ فرق نہیں اور یہ جو آیت کریمہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ تو اس آیت میں مراد لفظ مَا دُونَهُ ذَلِكَ سے اس بات ہے۔ بلکہ اذون واسفل مراد ہے یعنی جو گناہ مشرک سے کم ہو۔ تو ایسے گناہ والوں سے جس کو اللہ چاہے گا۔

ہیں۔ خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ ہوں اور یہ مراد اس وجہ سے کہی جاتی ہے تاکہ جس قدر دل اس بارے میں میں ان میں ملایا

سوال : تحفۃ اثناعشریہ میں لکھا ہے کہ جو امور دین کے ظاہر میں ان کا منکر کافر ہے۔ یہ امر احادیث سے ثابت ہے بلکہ آیات قطعیہ متواترہ سے اس کا ثبوت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایمان کا بڑا درجہ ہوا اور آپ بہشتی ہوئے۔ اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے قابل ہوئے۔ جو شخص ان باتوں کا منکر ہو وہ کافر ہے چنانچہ خواہ احکام اخروی میں کافر ہیں۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت نہ کی جائے اور نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے تو اس صورت میں شیعہ کے بارے میں بھی یہ حکم ہونا چاہیئے کہ وہ کافر ہیں۔ کیونکہ جس قدر نصوص قطعیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہیں ان سے کہیں زیادہ نصوص قطعیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں ہیں اور ایک شخص کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عداوت تھی۔ اس کے جنازہ کی نماز خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو اہل سنت کے نزدیک شیعہ کے کفر میں کیوں اختلاف ہے۔

جواب : خوارج کا ایک ہی مذہب ہے اس وجہ سے ان کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف نہیں۔ کیونکہ باوجودیکہ خوارج کے چند فرقے ہیں مگر ان سب فرقہ کا ان مسائل میں اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایمان کے وسب منکر ہیں۔ اور آپ کے بہشتی ہونے سے ان سب کو انکار ہے اور ان سب کا یہ قول ہے کہ آپ میں خلافت کی لیاقت نہ تھی۔ نفوذ باللہ من ذلک۔ بخلاف شیعہ کے کہ ان کے مذہب میں اختلاف ہے۔ بعض کا صرف یہی قول ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت تھی۔ بعض شیعہ نے اس پر زیادتی کی وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیخین اور عوال خطا پر تھے۔ بعض شیعیان صاحبوں کے بارے میں فتنی اور بدعت کی تہمت لگاتے ہیں جتنی کہ امامیہ کی ایک جماعت ان صاحبوں کے کفر کی قائل ہو گئی۔ اس لئے شیعہ کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہوا۔ شیعہ کے ان گروہوں میں سے پہلے گروہ کو بعض علماء کرام نے شیعہ قرار دیا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ دوسرے فرقے کے لوگ شیعہ ہیں اور بعض علماء نے تیسرے فرقہ کو شیعہ کہا ہے۔ اب اس پر فتویٰ ہے اور اسی کو ترجیح ہے کہ یہ شیعہ بھی خوارج کے مانند احکام اخروی میں کافر ہیں اور تحفۃ اثناعشریہ کے عبارت کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ خوارج بالاتفاق احکام اخروی میں کافر ہیں۔ اور دنیوی احکام میں یہ احتمال ہے کہ خوارج بعض علماء کرام کے نزدیک مسلمان ہیں جتنی کہ خوارج اور اہل حق میں باہم کلاخ جائز ہے ان میں ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے وارث ہو سکتے ہیں ایسا ہی شیعہ کے بارے میں احکام اخروی میں اختلاف نہیں صرف احکام دنیوی میں اختلاف ہے تو فی الواقع شیعہ اور خوارج میں کچھ فرق نہیں۔

سوال : فرقہ امامیہ کی زمانہ ان کا مذہب مروج ہے ان کے ایمان و اسلام کے بارے میں کیا کہا جائے اور بوقت ملاقات ان کو سلام کرنا چاہیئے یا نہیں؟ (از سوالات شاہ بخارا)

جواب : بلاشبہ فرقہ امامیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے منکر ہے اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے جس نے انکار کیا وہ اجماع قطعی کا منکر ہوا اور کافر ہو گیا۔ چنانچہ

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

الرافضی اذا کان یست الشیخین ویلعنہما المیاذ باللہ فہو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لایکون کافرًا لکنہ مبتدع ولو قذف عائشۃ رضی اللہ عنہا بالزنا فقد کفر۔

ترجمہ : رافضی جو بڑا کہتا ہو حضرات شیخین کو اور ان حضرات پر لعنت بھیجتا ہو۔ نفوذ باللہ من ذلک کافر ہے اور اگر بڑا نہ کہتا ہو مگر اس امر کا قائل ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت ہے تو وہ کافر نہیں البتہ بدعتی ہے اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں قذف کا مرتکب ہو تو وہ بھی کافر ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں یہ بھی لکھا ہے کہ :-
من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فہو کافر علی قول بعضہم مؤ مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذا الک من انکر خلافتہ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال ویجب انکار الروافض فی قولہم برجع الاموات الی الدنیا وتناسخ الاموالح۔

یعنی جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امام ہونے سے انکار ہو تو وہ کافر ہے۔ بعض علماء کرام کے نزدیک وہ بدعتی ہے کافر نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور ایسا ہی جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے امام ہونے سے انکار ہو تو زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ روافض کا جو یہ قول ہے کہ "اموات دنیا میں پھر واپس آتے ہیں اور تناسخ ارواح ثابت ہے تو روافض کے اس قول سے انکار رکھنا چاہیئے" یہ ترجمہ عالمگیری کی عبارت کا ترجمہ ہے :-

اس بیان میں یہ بھی ہے کہ :-
وقولہ القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامہم احکام الموتدین۔ ترجمہ : یعنی یہ قوم روافض (مذہب اسلام سے خارج ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں وہی احکام ہیں جو مرنے والوں کے بارے میں ہیں) یہ ترجمہ عالمگیری کی عبارت مذکورہ کا ہے۔

جب روایات فقہ سے روافض کا کفر ثابت ہے تو ان کی ملاقات کے بارے میں وہی حکم ہے جو حکم کفار کی ملاقات کے بارے میں ہے۔ یعنی ان کو پہلے سلام نہ کرنا چاہیئے البتہ جب سلام نہ کرنے سے ان ضرر عظیم پہنچنے کا خوف ہو تو اس وقت ان کو ابتداء سلام کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور رد جواب میں بھی قدر ضرورت کے اقتدار کرنا چاہیئے۔ اگر سلام کے سوا کوئی دوسرا فعل تنظیم کا وہ خود کریں تو اس کی مکانات بعد شروع کرنا چاہیئے ایسا ہی عبادت، تعزیت، تہنیت اور اجابت دعوت میں صرف مکانات کا اہل مکانات چاہیئے چنانچہ یہ حکم اور دوسرے کفار کے بارے میں بھی ہے اور یہی حکم خوارج اور نواسب کے بارے میں ہے (ماخوذ از سوالات عشرہ شاہ بخارا)

سوال : اگر کوئی شخص قذف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا مرتکب ہو اور اس

کو کوئی شخص قتل کرے تو اس کے قصاص کے بارے میں کیا حکم ہے اور علیٰ هذا القیاس خوارج اور روافض معتزلوں
کیا حکم ہے؟

جواب : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قاذف بلاشبہ مرتد ہے اس کو حاکم کے پاس لے جانا چاہیے۔ جب گواہوں
سے ثابت ہو جائے کہ فی الواقع اس نے قذف کیا ہے تو اس کو قتل کرنا چاہیے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔
مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ ترجمہ : یعنی جو شخص اپنا دین تبدیل کرے تو اس کو قتل کرو۔

یہ حکم اس واسطے ہے تاکہ قاتل پر قصاص نہ عائد ہو، ورنہ جب کوئی شخص اپنے کان سے یہ کلام شنیع سنے اور اس
کلام کے منکرم کو قتل کرے تو وہ عند اللہ ماخوذ نہیں البتہ اگر اس کا معیار گواہ نہ ہو تو وہ قاضی کے نزدیک مستوجب قصاص ہو
گا۔ اگر خوارج اور روافض قذوف دست کریں تو ان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ (ماخوذ از سوالات عشرہ شاہ بخارا)
سوال : اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے کہ تفصیل شیخین پر اجماع ہے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ

وجہ پر شیخین کی تفصیل ہر وجہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب : حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی تفصیل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے بلکہ علماء محققین
نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما میں بھی کسی سے ایک صاحب کی تفصیل دوسرے صاحب پر ہر وجہ سے ثابت ہونا
محال ہے۔ اس واسطے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جہاد سیفی و سنائی میں اور فن قضا و کثرت روایت حدیث میں اور
باشیئت اور حنفیت میں اور علیٰ انھما اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زوجیت کی قرابت ہے
افضل ہیں ان وجوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر قطعی طور پر ثابت ہے اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قطعی طور
پر ان امور میں ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور ایسا ہی پہلے نماز بھی پڑھی۔ مگر اس امر سے کہ حضرت شیخین کو
حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے یہ ہے کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عرفان امور میں فضیلت ہے سیاست امت و حفظ دین و سد باب فتنہ
و ترویج احکام شرعیہ و ممالک میں شاعت اسلام و اقامت حدود تعزیرات یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے مانند انجام دینے میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے۔ ایسا ہی مقاصد خلافت کبریٰ کے ہیں اور اسی
وجہ سے اس امر پر صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبریٰ کے مقاصد میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما مقدم ہیں۔ بلکہ صواعق محرقة اور دیگر
کتب حدیث معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

سَأَلْتُ اللَّهَ أَنْ يَهْدِيَنِي إِلَى خَيْرِ رِجَالٍ يَكُونُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ أَجِبُكَ بِرَجْمِهِ : یعنی اے علی! میں نے
سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کہ وہ تم کو مقدم کرے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کسی دوسرے
کو مقدم کرنے سے انکار کیا۔ (ماخوذ از سوالات عشرہ شاہ بخارا)

سوال : تفصیل کو امام بنا جائز ہے یا نہیں اور اگر اس کے پیچھے اہل سنت نمازیں اقامت کریں تو اس
بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : تفصیل کی دو قسم ہے ایک قسم کے وہ لوگ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں۔ مگر

شیخین کی محبت اور تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں اور حضرات شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور شیخین کے طریقہ
ان کی روش کی اتباع کرنے اور شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں۔ جیسا کہ اصل
سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور میں کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے۔ مگر حضرت علی رضی
اللہ عنہ کی محبت اور اتباع میں نہایت سرگرم ہیں۔ اور ان جناب کے قول و فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں۔ تفصیل کی یہ قسم
اہل سنت میں داخل ہے۔ البتہ ان لوگوں نے اس مسئلہ تفصیل میں خطا کی ہے اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا خلاف ایسا ہی
سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ اشعریہ اور ماتریدیہ میں خلاف ہے۔ اس قسم کے تفصیل کی امامت جائز ہے اور اہل سنت
کے بھی بعض علماء اور صوفیاء اس روش پر ہوئے۔ مثلاً عبدالرزاق محدث اور سلمان فارسی اور حسان بن ثابت اور بھی
بعض دیگر صحابہ کرام کا ایسا ہی خیال تھا۔

اور تفصیل کی دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور کتب
کی اولاد کی محبت کافی ہے اور ایسا ہی ان حضرات کے طریقہ و اقوال و افعال کی اتباع کافی ہے اور وہ لوگ یہ بھی کہتے
ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو ہم لوگ برا نہیں کہتے۔ لیکن ان حضرات سے ہم کو سروکار بھی نہ محبت نہ عداوت
نہ اتباع نہ ترک اتباع نہ ان حضرات کے قول و فعل پر عمل کرنا نہ اس سے اعراض کرنا یعنی ان امور کی جانب کچھ لحاظ نہیں
اس قسم کے تفصیل بلاشبہ بدعتی ہیں۔ جو حکم بدعتی کی امامت کہے وہی حکم ان لوگوں کی امامت کے بارے میں بھی ہے
اور معتبر اہل سنت سے کوئی اس قسم کا تفصیل نہیں ہو سکتا۔

سوال : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟
جواب : اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت اور محبت اہل بیت سے ہے
کو مروان علیہ لعنہ کو برا کہنا چاہیے۔ اور اس سے دل سبب زار رہنا چاہیے۔ علی انھما اس نے نہایت بدسلوکی کی اور
حضرت امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھنا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے
نہایت بے زار رہنا چاہیے۔ لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابی ہیں۔ اور ان جناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔
ان جناب کے بارے میں علماء اہل سنت میں اختلاف ہے۔ علماء ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی
اللہ عنہ کے حرکات جنگ و جدال جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئیں۔ وہ صرف خطا اجتہادی کی بنا پر نہیں۔ محققین اہل حدیث نے
بہت قبیح روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شاہد انسانی سے خالی نہ تھے۔ اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جو قہقہہ امویہ اور قریشیہ میں تھا۔ اسی کی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے وقوع
ہوئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیئے جائیں۔

وَالْقَاسِي لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْعَيْنِ ترجمہ فاسق قابل لعن نہیں۔
تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محقق
ہو سکتا ہے اور اگر برا کہنے سے مراد لعن و شتم ہے تو معاذ اللہ کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد و جاسے۔ اس واسطے کہ

اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کے حق میں استغفار کرنا چاہیے تو لعن کرنا حرام ہے۔ اہل تشیع
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی زیادہ امید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے
کہ صاحب حق لینے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا حق معاف فرمادیں گے اور یقیناً معلوم ہے کہ بعض صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً ماعز السلمی کہ زنا کیا تھا اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ
میں شریک ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کفر کا حکم نہ فرمایا اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جس وقت کفر
میں شریک تھے۔ اس وقت ابھی قرآن شریف میں حکم میں نازل ہوا نہ تھا۔ کہ حضرت عائشہ الصدیقہ کی شان میں قذف
کرنا حرام ہے۔ بخلاف اس وقت کے کہ اب یہ حکم صریحاً قرآن شریف میں موجود ہے تو اب جو شخص حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا
کی شان میں قذف کرے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ تو وہ شخص بلاشبہ کافر ہے۔ اس واسطے کہ اس کو قرآن شریف سے انکار ہے
(ماخوذ از سوالات عشرہ شاہ بخارا)

سوال : جو شخص کفر کا کلمہ کہتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ کفر کا کلمہ ہے یا نہیں تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے یا نہیں ہوتا۔

جواب : ایسے شخص کے گھر میں فقہاء میں اختلاف ہے اور اس مسئلہ کی روایتیں خزانۃ الروایات وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بہر حال ایسے شخص کو اس قول سے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔

سوال : جو شخص علم اور علما و کرام کی امانت کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : جو شخص دین اور علماء کرام کی امانت کرتا ہے۔ اس خیال سے کہ اس علم اور علماء کے سبب سے امر مال اختیار کیا جاتا ہے اور حق کی امانت ہوتی ہے۔ اور اس کا یہ خیال ہے کہ یہ علم محض نزاع اور حق تلفی کے لئے موضوع ہے۔ تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر کوئی شخص علم بخیر یا اس کے مانند دوسرے علم کی امانت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو علم ان علوم کی مانند نہیں اور وہ علم دین بھی نہ ہو تو اس کی امانت سے کفر لازم نہیں آتا۔ البتہ اس کی امانت بھی منع ہے۔ اس کی ممانعت اس علم کے مرتبہ کے موافق ہے۔ اگر وہ ایسا علم ہے کہ اس کی زیادہ فضیلت ہے مثلاً صرف سختو جس قدر اس علم کی امانت منع ہے اس قدر دوسرے علم کی امانت منع نہیں جس کی فضیلت کم ہے۔

سوال : ایک شخص اہل قبلہ اور اہل شہادت سے ہے اور حتی المقدور اکثر احوال میں ظاہر اور باطن میں مخفی رہتا ہے۔
 پر قائم ہے تو اس کو کافر کہنا اور ارتداد کا حکم اس پر جاری کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور جو شخص ایسا حکم جاری کرے اس کے
 بارے میں کیا حکم ہے۔؟

جواب : جو شخص کہ اہل قبلہ سے ہو۔ یعنی اصل سنت کے عقائد کا اعتقاد رکھتا ہو۔ اس کو کافر کہنا اور اس پر کفر کا حکم جاری کرنا اہل اسلام کے طریقہ کے خلاف ہے۔ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو وہ قابل تعزیر ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

مَنْ قَذَفَ مُسْلِمًا بِمَا فَاسِقٌ يَابُنُّ فَاسِقٌ يَا كَاذِبٌ يَا يَهُودِيَّ يَانَصْرَانِيَّ

پھر کچھ عبارت کے بعد ہے مقرر یعنی جو شخص کسی مسلمان پر یہ تہمت لگائے کہ اس سے کہے "یا فاسق" حالانکہ وہ
مسلم نہ ہو یا یہ کہے کہ اے کافر، یا یہ کہے کہ اے یہودی یا یہ کہے کہ اے نصرانی تو اس کو سزا دی جائیگی اور
مگر مشریت کی حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کی طرف کھڑکی نسبت نہ کرنی چاہیے اور اس کو سلام سے
بے نیاز رہے۔ خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

ثَلَاثٌ مِّنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ أَكْفَى عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَكْفُرُوا لِأَيِّ مَبْلَغٍ أَخْرَجَهُ
مِنَ الْإِسْلَامِ يَقِيلُ إِلَى أَخْبَرِ (رداء العبد اؤد)

ترجمہ: یعنی تین چیزیں اصل ایمان ہیں۔ بازرہنا اس کی بدگوئی سے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا۔ چاہیے کہ ان کو کافر نہ کہا جائے۔ اور نہ گنہگار کہا جائے اور نہ خارج کرجہ و ان کو اسلام سے کسی عمل کی وجہ سے۔ آخر حدیث تک۔

سوال: کفار سے موالات (دوستی) کا کیا حکم ہے؟

سوال : کفار کے مولات اور بیٹے کی نفی کیا ہے ؟
 جواب : مولات کفار کے بارے میں فقہاء نے جو کچھ ہے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مولات جو بمعنی دوستی کے ہے اگر کفار کے ساتھ بلحاظ دین ان کفار کے جو نو بالاجماع کفر ہے اور اگر صرف طبعی محبت ہو مثلاً اپنا لڑکا کافر ہو یا زوجہ کافر ہو، اور اس کی محبت صرف طبعاً بمقتضاء بشریت ہو تو یہ حرام نہیں۔ البتہ ان کی تذلیل میں ہر امکان کو شش کرنا چاہیئے اور اس بارہ میں جو آیات اور احادیث وارد ہیں، اس میں تطبیق باعتبار تفصیل مذکور کے ہوتی ہے۔
 اس میں چنداں شکوک کی ضرورت نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے :-

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ ترجمہ: یعنی چاہیے کہ دوست نہ بنائیں مسلمان کافروں کو علاوہ مؤمنین کے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے :-

آپ اس قوم کو جو ایمان لائی ہے اللہ تعالیٰ پر اور دن آخرت پر کروہ محبت رکھے اس سے جس نے مخالفت کی اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ۞

اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک ہے :-

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ فَاِنَّهُمْ سَاءَ لِمَنْ يَتَوَلَّهُمْ اَوْسَادٌ بَلِيغٌ ۝۱۰۰

اور اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں اس بارہ میں لیکن موالدات جو معنی معاونت و مناصرت کے ہے تو اس کے جو حکم ہے اس کی بناء اصل شرعی پر ہے کہ اعانت کفر اور محصیت میں بالاتفاق معصیت ہے اور یہ ثابت ہے کہ اس کلام پاک سے ۱۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ - یعنی با ہم ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو گناہ اور ظلم میں۔“

یہ ترجمہ آیت مذکور کا ہے :

اور یہ معاہدہ نہ کبھی باجرت ہوتی ہے اور اس کو : میں چاکری یعنی نوکری کہتے ہیں اور کبھی بلا اُجرت ہوتی ہے اس کو مدد اور کمک کہتے ہیں۔ اور دونوں طرح کی معاہدہ میں ایک ہی حکم ہے یعنی اگر کفار کا ارادہ ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ کریں یا کوئی ملک اور شہر اصل اسلام کا اپنے تصرف میں لے آئیں۔ تو ان کفار کی نوکری حرام ہے اور ان کی مدد اور کمک بھی حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اگر کفار باہم قتال کریں۔ اور اس غرض سے مسلمانوں کو نوکر رکھیں۔ تو باعتبار ظاہر شرع کے یہ بایں ہے۔ اور ایسا ہی اگر کفار اپنے مال کی حفاظت کے لئے مسلمان کو نوکر رکھیں یا جو ملک پہلے سے کفار کے تصرف میں ہے اور اس کے ملکی انتظام کے لئے مسلمانوں کو نوکر رکھیں تو یہ بھی باعتبار ظاہر شرع کے مباح ہے اور یہ حکم بقیاس بانی اقسام اجارہ کے ہے۔ جیسا کہ خیانت یعنی سلفی اور تجارت وغیرہ میں کفار کی نوکری جائز ہے اور کیوں یا امر جائز ہو اس واسطے کہ ثابت ہے کہ بزرگان دین نے مشرکین کا کام اُجرت پر کیا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت سے غافل نہیں رہے ان خصوص اس زمانہ میں کہ نوکری کفار کی خاص کر دشمنانوں کے حق میں مفاسد دینی کے لئے نہایت باعث ہوتی ہے۔ اور کم سے کم یہ نمایاں ہیں کہ ان کے افعال قبیحہ کے انکار کرنے میں مستعد ہوتے ہیں اور ان کی سبب دی اور خیر خواہی کرنا پڑتی ہے اور ان کی گروہ زیادہ ہوتی ہے اور ان کی شوکت ہونے میں مدد کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ ضرور ہوتا ہے کہ ان کی تعظیم حد سے زیادہ کی جائے۔ اور ان کو صاحب اور قبلا کہا جائے۔ اور حد سے زیادہ ان کی محبت ظاہر کی جائے۔

اور اس کے علاوہ ان کی نوکری میں طرح طرح کا فساد ہے۔ اگر ایسا اجارہ ہو کہ صاحبکاران راہ خطرناک میں کچھ مسلمانوں کو ساتھ میں بغرض حفاظت کے لیتے ہیں اور کفار سے زیادہ سبقت نہیں دیتی ہے اور اس میں دیگر مفاسد بھی نہیں ہوتے اور اجارہ بلا شہرہ جائز ہے اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ کفار کی نوکری جائز ہے تو اس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کی نوکری ہے اور اگر اس صورت میں ان کفار کے ساتھ جان سے مارا جائے تو وہ مثل عام اموات کے ہوگی جو اپنے گھروں میں مرنے ہیں اور شرعاً ان کے حق میں شہادت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ وہ مسلمان جو اس صورت میں کافر کے ہمراہ مارا جائے اس کے حق میں اس مارے جانے سے کچھ ثواب ہوگا اور نہ اس کا کچھ گناہ ہوگا۔ اور اسی طرح کی اعانت کفار کی اس صورت میں اُجرت بھی جائز ہے جب ان کفار نے سابق میں کسی امر جائز میں مسلمان کی اعانت کی ہو اور اس کے صلے میں وہ مسلمان کسی امر جائز میں ان کفار کی اعانت کرے اس واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ نے :-

لَا يَنْفِكُ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ لَعَنُوا لَعْنَتَهُمْ فِي الْبَيْنِ وَلَكِنْ يَجُوزُ كَذَلِكَ مِنْ دِيَارِ كُفْرٍ
ان تَجْعَلُوهُمُ دَفْعًا لِقِيَامِهِمْ اِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ ترجمہ : یعنی نہیں منع کرتا ہے اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ان لوگوں کے حق میں جو نہیں قتال کرتے تم لوگوں سے دین کے بارے میں اور نہ نکالتے ہیں تم لوگوں کو تمہارے دیار سے یہ کہ احسان کرو ان کے ساتھ اور انصاف کرو ان کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے یعنی پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔ یہ ترجمہ آیت مذکور کا ہے۔

وَقَدْ ثَبَتَ فِي الصَّحَاحِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ خِزَاةَ قَبْلِ اَنْ يَسْلُمُوا عَلَى ثَقِيفٍ وَكَانَ

بَيْنَهُمْ حَرْبٌ

اور اس طرح کی نوکری میں بھی فرق کرنا چاہیے یعنی فرمانبرداری کفار معاندین اور فرمانبرداری مثلاً سکھوں اور فرنگیوں اور مشرکین کی ان دونوں فرمانبرداری میں فرق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یعنی فرمانبرداری ان کفار کی جو معاندین کے ہوں زیادہ قبیح ہے نسبت فرمانبرداری ان کفار کے جن کو دین اسلام سے عناد نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال : کفار کی مشابہت کس چیز میں کرنا منع ہے ؟

جواب : جس چیز کو خصوصیت کفار کے ساتھ ہو اور مسلمان اس کو استعمال میں لے آئیں خواہ لباس میں ہو خواہ اُپہ شرب میں ہو تو یہ تشبیہ میں داخل ہے اور منع ہے اور جس چیز کو خصوصیت کفار کے ساتھ نہیں۔ اگرچہ کفار اس کو زیادہ استعمال میں لے آتے ہیں اور مسلمانوں کے استعمال میں وہ بہت کم ہے تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہیں اور ایسا ہی اگر ان چیزوں میں سے جس کو خصوصیت کفار کے ساتھ ہے بعض چیزوں کو مسلمان اپنے استعمال میں لے آئیں۔ اور اس سے صرف یہ غرض ہو کہ آرام ہو یا جس کوئی فائدہ معلوم ہو اور کفار کی مشابہت منظور نہ ہو تو اس سے کوئی قباحہ لازم نہیں آتی۔ البتہ وہ مشابہت منع ہے جس سے منظور ہو کہ خود کو گویا ان کفار کے زمرہ میں داخل کریں۔ اور یہ غرض ہو کہ ان کی مشابہت اختیار کریں تاکہ ان کے دل کا میلان ہماری طرف ہو۔ اور ایسا ہی کفار کی زبان اور ان کا خط سیکھنا اس حالت میں منع ہے جبکہ وہ سیکھنے سے ان کی مشابہت ہو لیکن جب منظور ہو کہ کفار کی غرض سے آگاہی ہو جائے۔ یا یہ کہ کفار کے خطوط کو پڑھ لیں۔ تو ایسی صورت میں کفار کی زبان اور ان کا خط سیکھنے میں کوئی نقص نہیں اور عبادات اور عہد میں کفار کی مشابہت کرنا مطلقاً منع ہے اور یہ ممانعت اکثر احادیث سے ثابت ہے اور اس غرض سے کہ بدن کا کچھ فائدہ ہو کفار کی پوشاک پہننے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

سوال : جس شخص کو اس کے ماں باپ نے عاق کر دیا ہو اس کی بخشش ہوگی یا نہیں۔

جواب : عوام میں مشہور ہے کہ عاق کرنا اس کو کہتے ہیں کہ لڑکے کو اپنے نسب سے خارج کر دیا جائے یہ بے اصل ہے۔ اور اس سے لڑکے کے احکام سے لڑکا خارج نہیں ہو جاتا۔ مثلاً ایسا نہیں کہ وہ لڑکا اپنے باپ کی وراثت سے محروم ہو جائے۔ اور شرع میں حقوق والدین سے یہ مراد ہے کہ والدین کو اذیت دی جائے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اصل سنت کا یہ مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والا ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ تو جس نے اپنے والدین کو اذیت دی ہو۔ وہ ان حالتوں میں بخش دیا جائے گا کہ اس کے ماں باپ نے پہلے ہی معاف کر دیا ہو۔ یا اس وقت معاف کر دیں گے جب اللہ تعالیٰ اس شخص کی دوزخی عبادتوں سے راضی ہو جائے گا اور اس کے ماں باپ حکم فرمائے گا کہ تم لوگ اس کا قصور معاف کر دو۔ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاف کر دینے کے لئے فرمائیں گے۔ یا جب وہ شخص حقوق والدین کے عوض میں دوزخ کے عذاب کی سزا پا چکے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال :

اگر کوئی شخص قرآن شریف یا کوئی آیت قرآن شریف کی کھانے پر پڑھے تو اس بارے میں کیا حکم ہے

ایک شخص کہتا ہے کہ قرآن شریف کھانے پر پڑھنا ایسا ہے کہ گویا جائے ضرور میں پڑھنا ہے۔؟ نعوذ باللہ من ذلک
جواب : ایسا کہنا جائز نہیں بلکہ بے ادبی ہے البتہ یہ کہے کہ ایسی جگہ یعنی جس جگہ لوگ کھانا کھاتے ہیں ضرور
 ہوں وہاں قرآن شریف پڑھنے میں بے ادبی ہے تو اس میں قباحت لازم نہیں آتی۔ یہ بھی اس وقت ہے کہ بطور وعظ و
 کے نہ پڑھا جائے۔ ورنہ بطور وعظ و بند کے اور شرک و بدعت سے منع کرنے کی غرض سے ہر جگہ قرآن شریف پڑھنا جائز ہے
 بلکہ بدعت دفع کرنے کے لئے پڑھنا واجب و مطلوب ہے۔

سوال : جو شخص حلال کو حرام جانے اور حرام کو حلال جانے اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب : جو شخص جاننا ہو کہ فلاں چیز منکر میں حرام ہے اور صرف اتباع نفس سے کہے کہ وہ چیز حلال ہے
 تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہ جانتا ہو تو کافر نہیں ہوتا اور یہی حکم اس شخص کے بارے میں بھی ہے جو حلال کو حرام کہے۔

سوال : زید حدیث شریف کے معنی میں توجیہات و اہمیر اور رکیکہ کرتا ہے اور ان توجیہات سے معلوم
 ہوتا ہے کہ فی الواقع زید کو اس حدیث سے انکار ہے لہذا شرعاً اس پر گناہ لازم آتا ہے۔ وضاحت فرمائیں؟ (از سرکار
 خشتی نجم الحق)

جواب : قرآن شریف کی تفسیر اور حدیث کے معنی بیان کرنے کے لئے ضرور ہے کہ پہلے علم صرف اور
 واستحقاق لغت معانی و بیان علم فقر و اصول فقر و عقائد یعنی علم کلام و علم حدیث و آثار و تواریخ میں کامل واقفیت حاصل کرے
 اگر ان علوم میں کامل واقفیت حاصل نہ ہو تو قرآن شریف اور حدیث کے معنی بیان کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور یہ علوم معلوم ہونے
 کے بعد تو ہر صاحب مذہب قرآن شریف اور حدیث شریف سے حکم شرعی ثابت کرتا ہے اور اس غرض سے کہ وہ مخالفین کا
 شبہ دفع کرے۔ اس کو تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور قرآن شریف اور حدیث شریف کی تاویل جو اس کے مذہب کے موافق
 ہوتی ہے اس کو وہ حق جانتا ہے۔ اور جو تاویل اس کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے اس کو باطل سمجھتا ہے اور ایسی شریعت
 میں حق اور باطل کی تمیز اس طور پر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے کسی حدیث کے جو معنی سمجھے ہیں۔ اس کے موافق اس حدیث
 کی جو تاویل ہوگی وہ صحیح ہوگی اور جو تاویل اس معنی کے خلاف ہوگی۔ وہ باطل ہوگی۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی تعلیم سے اور تابعین نے صحابہ کی تعلیم سے اور قرآن عالی و مقالی سے حدیث کے جو معنی سمجھے ہیں۔ اس کے موافق اس حدیث
 کی تاویل کوئی صاحب مذہب کرے وہ واجب التسلیم ہے۔ جو شخص توجیہات رکیکہ کرتا ہے اگر اس کو علوم مذکور میں کامل
 واقفیت نہیں تو اس کے حق میں نہایت تہدید اور وعید وارد ہے۔ چنانچہ یہ وعید اس کے بارے میں ہے۔

مَنْ قَسَرَ الْقُرْآنَ بِمَا يَهْدِيهِ فَتَعَدَّ كَقَدْرِهِ : جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے تو وہ کافر ہو جائیگا
 اور یہ وعید بھی وارد ہے۔

مَنْ قَسَرَ الْقُرْآنَ بِمَا يَهْدِيهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَ الْبَشَرِ مَا نَزَّحَهُ : یعنی جو شخص اپنی رائے سے قرآن
 حکم کی تفسیر بیان کرے تو چاہیے کہ اپنے رہنے کی جگہ دوزخ میں تلاش کرے۔

قرآن کریم اور حدیث متواترہ دونوں کی تاویل کرنے کے بارے میں ایک حکم ہے۔ اس واسطے کہ دونوں پر دین کی بناء

ایک زبان میں حقیقت اور مجاز اور ظاہر اور باطن ناسخ اور منسوخ ہے۔ یہ سب جاننا ضرور ہے اور جو شخص توجیہات رکیکہ
 کرتا ہے اور اس کو علوم مذکورہ میں واقفیت کامل حاصل ہے اور باوجود اس کے وہ غلط توجیہات رکیکہ کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے
 جس قدر اول کے خلاف توجیہات رکیکہ کرتا ہے تو اس کی بدعت پر کھانا کرنا چاہیئے۔ اگر خلاف اولہ قطعہ کے ہے
 وہ بدعت نصوص متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہے تو اس کو کافر سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر وہ بدعت خلاف اولہ ظنیہ
 ہے کہ وہ اولہ ظنیہ قریب یقین کے مثلاً وہ بدعت اخبار مشہورہ اور اجماع عرفی کے خلاف ہے تو اس شخص کو گمراہ جاننا
 چاہیئے۔ کافر نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کی توجیہات غلط نہ ہوں اور محورت ہائے مذکور میں داخل نہ ہوں تو اس کو اس قبیل سے
 چاہیئے۔ جو حدیث میں ہے کہ۔

اِخْتِلَافُ اُمَّتِي رَحْمَةٌ : چونکہ ان مراتب کی تمیز کے لئے علم وافر کی ضرورت ہے تو ظاہر ہے کہ جو شخص
 توجیہات رکیکہ اختراع کرتا ہے۔ وہ تجال کے زمرہ سے ہے اس کو وحید جہنم اور زجر و توبیخ کے ذریعہ سے اس
 شخص سے باز رکھنا چاہیئے۔ اور عوام الناس کو تاکید کرنا چاہیئے کہ اس کی صحبت میں نہ رہیں۔ اور اس کی بات نہ سنیں۔
 اس شخص کا کوئی مذہب باطل ہے کہ وہ مذہب معلوم ہے۔ مثلاً دوافض یا خوارج یا معتزلہ یا جہمہ سے ہے تو اس
 مذہب کی کالج لوگوں پر ظاہر کر دینا چاہیئے اور اگر وہ شخص اپنے کو اہل حق سے ظاہر کرتا ہے اور اس پر وہ میں لوگوں کو گمراہ کرتا
 ہے تو اس کی توجیہات کلمہ کر یہاں بھیج دینا چاہیئے۔ تاکہ اس کا حکم کھاجائے۔ والسلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بَابُ الْفَقْه

مسائل فقهیہ

سوال : فوائد تسمیۃ الحمد، لا الہ الا اللہ، بیان فرمائیے؟

جواب: جو کلام بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر شروع کیا جائے اس میں برکت ہوگی۔ یہ مسئلہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم میں انیس حرف ہیں وہ سبب ہے اس امر کے لئے کہ اس کی برکت سے انیس نجات یعنی نوکھان دوزخ سے نجات ہو جاوے گی۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لڑکے کے والدین کے یہ ثابت ہے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور یہ حدیث مرفوع ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لڑکے کوئی شخص دریا کی موج میں پڑ جائے اور کہے:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

تو موت سے نجات پانے کا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں ہے اور یہ حدیث بھی مرفوع ہے اللہ اعلم

شریف ہے :-

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَهَوَا قَطْعُ بَرْجَمِهِ بِبَيْتِهِ

ذیشان نہ شروع کیا جائے۔ ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے تو وہ ناقص رہے گا۔

تو یہ حدیث بروایت صحیح حضرت ابوہریرہؓ سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی مرفوع ہے اور عطا سے روایت ہے

حضرات کو بولے تو یہ کہنا چاہیے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اور یہ بھی حدیث ثابت

ابواب اور کپڑا اور دیگر اشیا و نفیس پر تاکہ جن کا اثر اس ابواب وغیرہ میں نہ ہو سکے اور جو
 علیہ السلام رحمہ اللہ الرحمن الرحیم پڑھتا ہے اس کو چار ہزار نیکی ملتی ہے اور چار ہزار درجہ حاصل ہوتا ہے اور چار ہزار گناہ
 اس کے دور کر دیئے جاتے ہیں۔ اور دوسری روایت سے ثابت ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی
 رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي فِي يَدَيْهِ الْمَقَالِدُ ﴿١٠٠﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا پس وہ سبکدوش دیا گیا "

اور بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ مرفوع ثابت ہے کہ یا بسم اللہ کی دراز نکھنا چاہیے تاکہ میں کے

يَا مُعَاوِيَةُ اِنَّ ذَاكَ لَشَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ وَاَحْرَفِ الْقَوْمَ وَالْصَّبَّ الْبَاءَ وَفَرَّقِ السِّينَ وَلَا تَقْوِ الْمِيمَ وَحَسِّنْ

اللَّهُ وَمَدِّ الرَّحْمَنُ وَحَقُّهُ الرَّحِيمُ

یعنی اے معاویہ بن رکھو دوات کو اور بناؤ قلم اور دراز لکھو یاہ کو اور جدا کرو سین کو اور ناقص نہ لکھو میم اور

بہتر نکھو اللہ اور کھینچ کر نکھو رحمن اور بہتر نکھو رحیم

اور ابو داؤد نے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جناب آ

وہ کہتا ایک جوان سے جو آپ کے ہمراہ تھا فرمایا:-

لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هَذَا ترجمہ : یعنی اس پر لعنت ہے جس نے یہ فعل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو جب رکھو تو مقام مناسب میں رکھو۔ یعنی مقام محترم میں رکھو اور تطبیق کے برآں

انس رہے بطریق مرفوع و ذکر کیا ہے کہ جو شخص کوئی کاغذ زمین سے اٹکھائے جس میں بسم اللہ شریف لکھی ہوئی ہو

خواص السحید شریف

الْحَمْدُ لِلّٰهِ اصل شکر ہے اور واقعہ ردِ ناقہ میں جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کلمہ یعنی

انفرما کر شکر ادا فرمایا۔ چنانچہ روایت طبرانی نے کی نواس بن سیمان سے اور خواص سے اس حدیث کے یہ ہے کہ یہ قائم مقام دعا کے

۱۔ پنچ ترمذی وغیرہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل الذكر لا اله الا الله و افضل الدعاء الحمد لله

ترجمہ: یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بہتر ذکر لا الہ الا اللہ ہے بہترین دعا الحمد بشار ہے

اور خواص سے الحمد کے یہ بھی ہے کہ یہ پڑھ کر گناہ کا میزان کو یعنی پڑھ کر گناہ کا میزان کے پتھر کو قیامت میں نیکی سے اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ:-

التَّوْحِيدُ ثَمَنُ الْجَنَّةِ وَالْحَمْدُ ثَمَنُ كُلِّ نِعْمَةٍ - ترجمہ: یعنی توحید قیمت ہے بہشت کی اور حمد قیمت ہے ہر نیک کی

اور یہ بھی حدیث میں ہے:-

كُلُّ أَمِيرٍ ذِي بَالٍ لَا يَبْدُو فِينَهُ بِحَمْدِ اللَّهِ فَهُوَ أَقْطَعُ - ترجمہ: یعنی جو امر نشان

شروع نہ کیا جائے ساتھ حمد کے تو وہ ناقص رہے گا

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص بوقت چھینک کہے:-

الحمد لله رب العالمين على كل حال مما كان له

تو اس شخص کے دانت اور کان میں درد نہ ہوگا اور یہ بھی حدیث مرفوعہ میں آیا ہے واللہ بن اقلع سے کہ شخص چھینک کے وقت فوراً الحمد للہ کہے تو اس کے حق میں یہ کہنا امن امر کے لئے باعث ہو جائے گا کہ امر اللہ سے اس کو شفا ہو۔ اور شکر کے روانہ کرنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر مافی حق کر لا شکرانہ حق شکر یعنی البتہ شکر کروں گا اللہ تعالیٰ کا جو حق اس کے شکر کرنے کا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شکر پر اکتفا فرمایا۔ یعنی صرف الحمد للہ فرمایا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہنے سے اللہ تعالیٰ کا کامل شکر ادا ہو جاتا ہے۔

سوال: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے وہ مسائل جن سے ہر اعتراض رد ہوتا ہے بیان فرمائیے؟

جواب: علماء متاخرین نے بغرض محض رد بحث مذہب امام الامیر غلام کے چند قواعد جمع کئے ہیں اس میں سے کہ ان قواعد سے وہ لوگ رد کرتے تھے جملہ ان اعتراضات کو جو اس بنا پر ہوتے تھے کہ مثلاً فلاں مسئلہ اس مذہب

کا حدیث صحیح کے خلاف ہے۔

اللہ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ وہ پروردگار ہے اور شکر ہے ہر حال میں جو حال ہو

قاعدہ اول

قاعدہ اول خاص کے بارے میں حکم ہے کہ وہ صاف طور پر بیان کیا جولاہے تو اس کے ظاہر معنی کے سوا دوسرے کوئی معنی نہیں کہا جاسکتا۔ علماء متاخرین نے اس قاعدہ سے ان امور کو رد کیا ہے۔ فرضیت قرأت سجدہ فاسح کی نماز میں اور فرضیت تعدیل مکان وغیرہ کی اور علماء کرام کا بیان ہے کہ لفظ اُسجدوا اور اقرؤوا کا خاص ہے اس کے معنی صاف طور پر بیان کئے ہوئے ہیں۔ تو اگر اس کے معنی میں کچھ اور بڑھا کر بیان کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ اس کے ظاہر اصل معنی کے کوئی دوسرا معنی بیان کیا گیا۔

قاعدہ دوسرا

قاعدہ دوسرا زیادت کتاب پر بمنزلہ نسخ کے ہے تو یہ زیادت نہ ہوگی۔ مگر آیت صریح یا حدیث مشہور صریح ہے۔

قاعدہ تیسرا

حدیث مرسل مانند حدیث مسند کے ہے۔

قاعدہ چوتھا

ترجیح نہ ہوگی کسی حدیث کو بسبب کثرت راویوں کے بلکہ ترجیح بسبب فقہ راوی کے ہوگی

قاعدہ پانچواں

جرح قابل قبول نہیں مگر جب اس کی تفسیر کی جائے اور یہ قاعدہ اس سبب سے ثابت ہے کہ جرح اور تعدیل اکثر اجمالی ہے۔

قاعدہ چھٹا

ان ہمام نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے جس روایت کو صحیح کہا امام بخاری اور مسلم نے اور ان لوگوں نے جو ان کے مانند ہوئے تو ہم لوگوں پر واجب نہیں کہ ہم لوگ اسے قبول کریں اور کس طرح ہم لوگ اس کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس واسطے کہ اکثر راویوں میں لوگوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر اختلاف کیا ہے۔ کسی راوی کے بارے میں بعض نے جرح کیا ہے اور بعض نے تعدیل کی ہے تو ممکن ہے کہ جس راوی کو لوگوں نے مجروح کیا ہو وہ ہمارے امام کے نزدیک عادل ہو اور ایسا یہ بھی ممکن ہے کہ جس راوی کو لوگوں نے ضعیف کہا ہو یا اس کے بارے میں وضع حدیث کی تہمت لگائی ہو وہ راوی ہمارے امام کے نزدیک مستوجب اس طعن کا نہ ہو تو ہم لوگوں پر واجب نہیں کہ ان لوگوں کا قول قبول کریں۔ اور کس طرح ہم لوگ قبول کر سکتے ہیں اس واسطے کہ ممکن ہے کہ جس راوی کو لوگوں نے مجروح کیا ہو وہ عادل ہو قابل اعتناء ہو تو اب لوگ اسی قول پر اعتقاد کریں گے جو ہمارے مذہب کے اصحاب نے ذکر کیا ہے۔

قاعدہ ساتواں

کما بعض صاحب فتاویٰ نے کہ جب کسی مسئلہ میں قول امام اعظم اور صاحبین کا ہو اور اس مسئلہ میں کوئی حدیث بھی ہو اور اس حدیث کے بارے میں حکم صحت کا دیا گیا ہو تو واجب ہے کہ امام اعظم رحمہ اور صاحبین کے قول کی اتباع کی جائے نہ حدیث کی اس واسطے کہ ہم جانتے ہیں شان میں حضرت امام اعظم رحمہ اور صاحبین کے یہ کہ باوجود صحیح ہونے احادیث کے، آپ صاحبوں نے یہ دریافت فرمایا ہے کہ کس حدیث میں معارضہ ہے اور کس حدیث سے استنباط صحیح ہے یعنی یہ سب تحقیق کر کے ان حضرات نے کسی مسئلہ میں حکم فرمایا ہے کہ ان کے قول کا قول حدیث کے خلاف نہیں اور ان کے کلام کی شان میں ہمارا گمان نہیں کہ ان کے حدیث نہ پہنچی ہو۔ اس واسطے کہ ان کے زمانہ قریب ہوا ہے زمانہ سے آنحضرت

سے اللہ علیہ وسلم کے اور ان ائمہ کا علم وسیع تھا۔

قاعدہ آٹھواں

جس روایت کو راوی غیر فقیہ نے روایت کیا ہو اور وہ ایسی روایت نہیں کہ اس میں رسلے کو دخل ہو سکے تو اس کو قبول کرنا واجب نہیں۔

قاعدہ نواں

عام قطعی ہے مانند خاص کے تو تخصیص نہیں ہو سکتی عام میں خاص کے ذریعے سے۔ مگر اس وقت میں ایسی تخصیص ہو سکتی ہے کہ وہ خاص قطعی ہو تو یہ تخصیص بمنزل نسخ کے ہوگی۔ البتہ جب عام مخصوص منہ البعض ہو تو تخصیص میں یہ شرط نہیں کہ اس قطعی ہو۔ روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ:-
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ دُمُوعُهُ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ (رواہ مسلم)
 ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص فوت ہوا اور وہ یہ جانتا ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود قابل پرستش سوا اللہ کے تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔
 اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایمان سے مراد صرف تصدیق ہے اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے:-
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تَسْمَعُونَ كَلِمًا سَائِلَ (رواہ الدارقطنی) ترجمہ:
 یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو لازم ہوتا ہے خون بہنے والے سے؟ روایت کیا ہے اس حدیث کو دارقطنی نے۔
 اور استدلال کیا حنفیہ نے اس حدیث سے اس مسئلہ میں کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اس نجاست کے نکلنے سے
 بھی جو غیر مسلمین سے خارج ہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَيْتُمُ النَّاسَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْعِبْدَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوا مَا وَلَكِنْ شَرُّهُمَا أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ (مفق علیہ)

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جاؤ پاسے خانہ کے لئے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو بلکہ پورب رخ یا پچھم رخ بیٹھا کرو۔ روایت کیا اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث مدینہ منورہ میں فرمائی اور وہاں پورب رخ اور پچھم رخ بیٹھنے میں قبلہ طرف نہ رخ ہوتا ہے اور نہ پیٹھ ہوتی ہے اس واسطے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پورب رخ یا پچھم رخ بیٹھا کرو۔ تو ہر جگہ قبلہ کا حال چاہیئے کہ پاسخانہ کے لئے بیٹھنے میں منہ یا پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہو۔ یہ حدیث بھی امام مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ کے ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل ببعض آذنیہ عن علی ولا یتوضأ (رواہ الترمذی) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوسر لیتے تھے بعض اڑوں کا پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ (روایت کیا ہے اس حدیث کو ترمذی نے؟)

امام ابو حنیفہ رحمہ نے اس حدیث کی بابت فرمایا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مس الرجل ذکراً بعد ما یتوضأ قال فمسل هو الا یستعینا (رواہ النسائی والترمذی والبیہقی) یعنی پوچھا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اگر کوئی شخص بجمالت وضو پانا ذکر چھوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کیا ہے سوا اس کے کہ ایک پارہ گوشت ہے تمہارا؟

روایت کیا ہے اس حدیث کو نسائی اور ترمذی اور ابو داؤد نے؟ یہ حدیث دلیل ہے امام ابو حنیفہ رحمہ کی اس مسئلہ میں کہ من ذکر ناقض وضو نہیں یعنی ذکر کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أسفروا بالفتح فإِنَّهُ أَعْظَمُ ثَلَاثٍ (رواہ الترمذی) یعنی روشنی میں پڑھو فجر کی نماز اس واسطے کہ اس میں زیادہ ثواب ہے؛ ظاہر ہے کہ اس حدیث شریف سے تائید ہوتی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ کے مذہب کی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَمِنْ مَوَاقِفِ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَأَعْيُنُهُمْ فِي غُفُلَةٍ (رواہ ابو داؤد وأحمد والترمذی)

ترجمہ: یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام خاص میں ہے اور مؤذن امانت دار ہے اسے پروردگار رہنمائی فرمائے اور مغفرت فرمائے مومن کی؟ روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ابو داؤد اور ترمذی نے؟

ظاہر ہے کہ اس حدیث سے تائید ہوتی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ کی اس مسئلہ میں کہ نماز مقتدی کی موقوف ہے امام کی نماز پر۔

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَوِي الْأَعْرَافَ فِي رَكَعَتَيْنِ (رواہ النسائی)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے میں مغرب کی اور دونوں رکعت میں سورہ اعراف پڑھی؟ روایت کیا ہے اس حدیث کو نسائی نے۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ وقت مغرب کا بہت تنگ نہیں اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَمِنْ مَوَاقِفِ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَأَعْيُنُهُمْ فِي غُفُلَةٍ (رواہ ابو داؤد وأحمد والترمذی)

ترجمہ: یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام اس غرض کیلئے ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے۔ تو وہ جب اللہ اکبر کہے تو تم لوگ بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرآن شریف پڑھے تو تم لوگ چپ رہو۔ روایت کیا اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی نے۔

اس حدیث سے تائید ہوتی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ کے مذہب کی یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنا چاہیئے۔ فہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَتَّبِعَهُ الرَّجُلُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا تَخَضَّعَ فِي الْقُلُوبِ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: یعنی منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرد زمین پر ٹیک لگا کر نماز میں اٹھے یعنی کھڑا ہو؟ روایت کیا اس حدیث کو ابو داؤد نے۔

یہ حدیث دلیل ہے امام ابو حنیفہ رحمہ کے مذہب کی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُبْتَلًى بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيَصِلْ أَمْرًا (رواہ مسلم)

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص تم لوگوں سے نماز پڑھتا ہو بعد جمعہ کے تو چاہیئے کہ وہ نماز پڑھے چار رکعت؟ روایت کیا اس کو مسلم نے؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت بعد فرض جمعہ کے چار رکعت ہے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَامَ عَنْ قِشْرٍ فَلْيَصِلْ إِذَا أَصْبَحَ (رواہ الترمذی)

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص سو جائے نماز وتر میں تو چاہیئے کہ صبح کو پڑھے؟ روایت کیا ہے اس حدیث کو ترمذی نے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ نماز وتر کی واجب ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا حَدَّثَ أَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يَسْلِمَ وَقَدْ جَا زَمَتْ صَلَاتُهُ (رواہ الترمذی)

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بے وضو ہو کر کسی تم لوگوں میں سے اخیر قعدے میں قبل سلام پھیرنے کے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی؟ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔

یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ کا ہے۔ اس واسطے کہ لفظ سلام کا کونا آخر نماز میں امام عظیم رحمہ کے نزدیک فرض نہیں۔
عن علقمۃ قال قال لنا بن مسعود الا اُمتی بکرم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فصلی ولم یزف یحییہ الامرۃ والحدۃ مع تکبیر الافتتاح (رواہ الترمذی والنسائی)
ترجمہ: یعنی روایت ہے علقمہ سے کہ کہا ابن مسعود نے کہ کیا نماز پڑھوں ساتھ تم
لوگوں کے کو مثل نماز پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر نماز پڑھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اور نہ
اٹھائے اپنے دونوں ہاتھ مگر ایک مرتبہ ساتھ تکبیر افتتاح کے۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور نسائی
نے۔

اس حدیث سے تائید ہوتی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ کے مذہب کی اس امر میں کتب تکبیر افتتاح کے سوا اور کسی تکبیر
رفعیہ نہیں۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رحمہ اور حضرت عمر رحمہ شروع کرتے تھے نماز ساتھ الحمد
لہ رب العالمین کے۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ سے نہیں۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی مسلوۃ کلمۃ یقرأ فیہا بام القرآن فیص
خدا ج ثلاثا غیر قائم (رواہ الترمذی)

ترجمہ: یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے ایسی نماز پڑھی کہ اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو
وہ نماز ناقص ہوگی یہ تین مرتبہ فرمایا یعنی وہ نماز نامتام ہوگی۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی
جائے۔ تو اس نماز کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ خدا ج کا فرمایا اور خدا ج ناقص کو کہتے ہیں تو اس سے
معلوم ہوا کہ پڑھنا سورہ فاتحہ کا فرض نہیں۔ اس واسطے کہ اگر فرض ہوتا تو دوسرا لفظ فرماتے مانند خدا یا عدم جواز کے۔ تو
معلوم ہوا کہ پڑھنا سورہ فاتحہ کا نماز میں واجب ہے۔ فرض نہیں اس واسطے کہ فرض چھوڑ دینے سے نماز میں صرف نقصان
ہو نہیں ہوتا بلکہ وہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔

عن ابی ہریرۃ انہ کان یقول من اذکرک الرکۃ اذکرک البیتۃ لا یمن فائتہ ام
القرآن فائتہ حیو کثیر (رواہ مالک)

یعنی روایت ہے ابوہریرہ رحمہ سے کہ وہ کہتے تھے کہ جس نے یا اکر کوح کو پس پائی اس نے وہ رکعت
اور جس سے فوت ہوئی سورہ فاتحہ تو اس سے فوت ہوگئی بہت نیکی۔

روایت کیا اس حدیث کو مالک نے یہ بھی دلیل ہے اس مسئلہ کے لئے کہ سورہ فاتحہ نماز میں فرض نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ

کا مذہب ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرء بام القرآن فصاعدا (رواہ مسلم)
ترجمہ: یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ ہوگی نماز اس کی جس نے سورہ فاتحہ اور اس سے زیادہ نہ پڑھا
"روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔

اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ کی۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا لا صلوة تو اگر اس سے یہ مراد کہی جائے کہ اصل نماز نہ ہوگی۔ تو لفظ فصاعدا کا درست نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ بالا جہاں کہ
کا کوئی قائل نہیں کہ سورہ فاتحہ سے زیادہ پڑھنا واجب ہے تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں مراد فقہی نماز سے نفی کمال ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اُفعل فی تطوعہ فلیقضہ (رواہ احمد)
یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے افطار کیا روزہ نفل میں تو اس پر لازم ہے کہ اس کا قضا روزہ
رکھے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

یہ دلیل ہے مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ کی اس مسئلہ میں کہ نفل لازم ہو جاتی ہے شروع کر لینے سے۔

سوال: ماخذ مذہب ائمہ اربعہ کی توضیح فرمائیے؟

جواب: تفریق کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اور دُروود بھیجتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے نبی پر اور آپ کی آل و اصحاب
صحابانِ فضیل عظیم پر جانو تم رحمت فرمائے تم پر اللہ تعالیٰ یہ کہ مجتہدین نے کہ دلائل احکام شرعیہ اور اس کے ماخذ میں بحث کیلئے جب
دیکھا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تعارض ہے اور آثار صحابہ کرام و تابعین عظام بھی باہم مختلف ہیں اور وہ احادیث آثار
عامہ پر ماخذ ہیں اور اگر احکام اس سے ثابت ہونے ہیں تو مجتہدین کو حیرت ہوتی اور باہم مجتہدین کی رائے اس بارے میں مختلف
ہوتی کہ تناقض و اختلاف سے بچنے کی کیا صورت ہے۔ تو امام مالک رحمہ نے اختیار کیا کہ ایسے محل میں اہل مدینہ کے عمل پر اعتبار کرنا
چاہیئے اس واسطے کہ مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے۔ اور وطنِ خلد کا وطن ہے اور اولاد صحابہ کرام رحمہ اور اصل
بیتِ نہ کا مسکن ہے۔ اور نزول وحی کا مقام ہے اور اہل مدینہ معانی وحی سے زیادہ واقف ہیں توجہ حدیث یا اثر اہل مدینہ
کے عمل کے خلاف ہو تو ضرور ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہوگی یا ماقول یا مخصص یا محذوف الفقہ ہوگی تو ایسی حدیث پر احکام
شرعیہ کا مدار نہیں ہو سکتا۔ اور امام شافعی رحمہ نے اختیار کیا کہ ایسے محل میں اہل حجاز پر اعتبار کرنا چاہیئے اور باوجود اس کے امام شافعی
نے اس میں فہم کو دخل دیا اور بعض روایات کو کسی حالت پر حمل کیا اور بعض کو دوسری حالت پر حمل کیا۔ اور ان امکان روایت میں تطبیق
دہی۔ پھر جب امام شافعی رحمہ معرور عراق تشریف لے گئے اور اس بلاد کے ثقافت سے روایات کثیرہ سنیں اور آپ کو معلوم ہوا
کہ اس میں سے بعض روایات کو عمل اہل حجاز پر ترجیح ہے تو اس وجہ سے شافعی مذہب کے امام شافعی رحمہ کے دو قول ہوئے۔ قول
قدیم اور قول جدید اور امام احمد بن حنبل رحمہ نے اختیار کیا کہ ہر حدیث کو اس کے ظاہر معنی پر حمل کیا لیکن حدیث میں بصورت مستحب
ملت حکم کے اس کے مورد کے ساتھ تخصیص کی تو امام احمد بن حنبل کا مذہب خلاف قیاس ہوا۔ اور اس مذہب میں اختلاف

حکم میں ہوا۔ وجہ فرق کے نہ ہونے کے باوجود اور اس واسطے وہ مذہب ظاہریہ کے ساتھ مشوب ہوا۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اور آپ کے تابعین نے جو امر امتیاز کیا ہے وہ نہایت صاف ظاہر ہے اور بیان اس امر کا یہ ہے کہ جب ہم نے تحقیق کی تو شریعت میں دو قسم کے احکام پائے۔

ایک قسم قواعد کلیہ ہے اور وہ جامع و مانع ہے مثلاً ہمارے قول ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ میں ملوث نہ ہوگا۔ اور یہ قول ہے کہ غم بسبب غم کے ہے اور یہ قول ہے کہ حراج بسبب ضمان کے ہے اور یہ قول ہے کہ عتاق یعنی آزاد کرنا دفع نہیں ہو سکتا۔ اور یہ قول ہے کہ بیع کامل ہوتی ہے ایک باب و متبول سے۔ اور یہ قول ہے کہ گواہ مدعی کے لئے ہے اور قسم منکر پر ہوتی ہے اور ایسے ہی اور بھی شمار احوال ہیں

اور قسم احکام کی وہ جو حوادث جزئیہ اور اسباب مختصہ میں وارد ہو گیا اس قسم کا حکم بمنزلہ استثناء کے ہے۔ ان کلیات سے جو احکام کی قسم اول ہے اور ان کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے تو مجتہد پر واجب ہے کہ ان کلیات کو محفوظ رکھے اور جو امور ان کلیات کے خلاف ہوں۔ ان کو ترک کرے۔ اس واسطے کہ شریعت حقیقت میں عبارت اسی کلیات سے ہے اور جو احکام اس کلیات کے خلاف ہیں کہ اس کے اسباب اور مخصصات ہمارے نزدیک یقینی طور پر ثابت نہیں تو وہ قابل اعتبار نہیں اور مثال اس کی یہ ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب بیع میں کوئی فاسد شرط ہو تو وہ بیع باطل ہو جاتی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حال میں جو وارد ہوا ہے کہ انہوں نے اونٹ فروخت کیا اور شرط رکھی کہ یہ اونٹ ہمارے مصرف میں مدینہ منورہ تک رہے گا۔ تو یہ قصہ شخصہ جزئیہ ہے یہ معارض واسطے قاعدہ کلیہ مذکورہ کے نہ ہوگا اور ایسا ہی حدیث صراط اس قاعدہ کلیہ قطعی طور پر شرع میں ثابت ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ غم بسبب غم کے ہے اور ایسے ہی اور بھی مسائل ہیں اور اس سے لازم آئے کہ بہت سے ایسے احادیث پر عمل نہیں ہوتا جن میں ایسے امور جزئیہ کا ذکر ہے جو حنفی مذہب کے کسی قاعدہ کلیہ کے خلاف ہیں لیکن علماء حنفیہ اس کا خیال نہیں کرتے۔ بلکہ مجتہد کے اجتہاد کی جانب ان کی توجہ رہتی ہے اور کلیات کی محافظت کا خیال رہتا ہے اور یہی کوشش رہتی ہے کہ تا امکان جو کلیات ان کلیات میں مندرج ہیں۔ یہ کلام اجمالی طور پر یہاں بیان کیا گیا ہے اور اس کی تفصیل طویل ہے۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں اور اللہ تعالیٰ ہادی حقیقی ہے۔

سوال : اس امر کا کیا سبب ہوا کہ مفتیوں یعنی امام اعظم وغیرہ علیہم الرحمۃ کے اقوال میں اختلاف ہوا۔
جواب : علماء کرام میں اختلاف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بعض علماء کا عمل ظاہر آیت اور حدیث پر ہوتا ہے اور بعض علماء کرام آیت اور حدیث میں تاویل کرتے ہیں۔ یہ اختلاف فی الواقع اصول میں اختلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ ملت کا یہ قول ہے۔

اختلاف العلماء رحمہم - ترجمہ : یعنی علماء کرام کے اختلاف میں رحمت ہے۔

اس کلام سے ثابت مقابہ ہے کہ یہ سب علماء اپنے طور پر حق پر تھے بخلاف فرقہ خلائیہ کے کہ ان علماء کرام میں اصول میں اختلاف ہے کیونکہ فرقہ خلائیہ کے علماء میں سے کوئی اس امر کا قائل ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ہوئی۔ اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کو پیغمبری ملی۔ بعض حضرات علی کو خدا کہتے ہیں۔

۵ : میں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ والسلام علی من اتبع الهدی

سوال :

اختلاف مسائل اصول دین میں درمیان مجتہدین اربعہ مذہب اہل سنت و الجماعت کس کس مسئلہ میں ہے ہر مسئلہ میں کس کی توجیہ کے ارشاد فرمائیں اور جب اصول دین میں مجتہدین اربعہ کے درمیان اختلاف کا فرما رہا ہے۔ تو ایک دوسرے کو اپنے سے بیگانہ کیوں نہیں جانتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ چاروں مذہب میں حق دائر ہے حالانکہ مجتہدین اہل سنت و الجماعت کا باہمی اختلاف جائز ہے۔ گو اختلاف کم مسائل میں ہے لیکن اختلاف کا وجود ضرورتاً ثابت ہے۔ تو مذہب امامیہ پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذہب امامیہ میں اصول دین میں آپس میں اختلاف ہے تو اب یہ اختلاف خود دفع ہو گیا۔ گو اس مذہب میں زیادہ اختلاف واقع ہو۔ ہمارے زمانہ کے شیعہ اثنا عشریہ کو اس اختلاف سے بالکل اجنبی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فیما بین مجتہدین اثنا عشریہ اصول دین میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔ یہی امر یعنی اصول دین میں اختلاف نہ ہونا وہ اپنے مذہب کے حق ہونے پر دلیل لے آتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب کو اپنے مذہب سے علیحدہ جانتے ہیں اور اپنے مذہب میں شامل نہیں کرتے۔ (از منشی عاشق ملازم حکیم مہدی علی نقوی کفری اسحال بسبب عتاب و ملوں کے حاکم فرخ آباد میں زیر سایہ حمایت صاحبان عالیشان سکونت پذیر ہیں)

جواب :

یہ جواب کہ اسی مجلس میں لکھا گیا اور جواب دیکھ کر سائل متحیر ہوا اور اس امر کا مقر ہوا کہ مولانا صاحب کے ہاتھ کوئی دوسرا عالم اس زمانہ میں نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے علماء کرام کا اختلاف دین کے اصول و فروع میں صرف بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف لفظی فیما بین علماء واقع ہوا۔ اس اختلاف کی وجہ سے علماء کفرین فرقے ہوئے۔ عشریہ، ماتریدیہ اور حنابلہ۔ اصل یہ ہے کہ علماء اہل سنت کو حق تعالیٰ نے دو چیزیں مرحمت فرمائی ہیں ایک ذہن رساکہ جس کی وجہ سے اصل مطلب تک پہنچتے ہیں الفاظ کے پابند نہیں ہو جاتے۔

اور دوسرے انصاف اور قلت حد علماء کرام میں ہے کہ اس کی وجہ سے ہر قائل کے کلام کی بہتر توجیہ کرتے ہیں تاکہ امکان تزیل اور تکفیر نہیں کرتے۔ مثلاً ماتریدیہ قائل ہیں صفت نامیدہ کے کہ اس کو کوئی نہیں کہتے ہیں۔ وہ اس صفت کو قبول جانتے ہیں۔ اشعریہ صفت تکوین کو اعتباری جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قدرت اور ارادہ کے تعلقات سے یہ صفت حادث ہوتی ہے۔ جیسا کہ سب صفات کے تعلقات حادث ہیں۔ اسی طرح یہ صفت بھی حادث ہے

ماتریدیہ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ صفت قدیم ہے ماتریدیہ کے اس کلام کو اشعریہ اس پر حمل کرتے ہیں کہ ماتریدیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس صفت کا مبدؤ قدیم ہے اور وہ مبدؤ قدرت اور ارادہ ہے اور اشعریہ ماتریدیہ کی تفصیل و تکفیر نہیں کرتے اور یہی حال دوسرے مسائل کا بھی ہے جس میں ان تینوں فرقوں میں باہم اختلاف ہے۔ مثلاً اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور اس سے مراد کلام نفسی ہے الفاظ امر نہیں۔ اس واسطے کہ کیفیات اصوات غیر قارہ ہیں الفاظ کا حدوث بدیہی ہے اور بدیہی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

خالف کہتے ہیں کہ الفاظ اگرچہ کیفیات اصوات غیر قارہ ہیں۔ لیکن عیدم القرار ہونا الفاظ کا وجود ملفظی میں ہے۔ اور الہام یعنی الفاظ میں ایک دوسرا وجود ہے کہ وہ وجود سامعین کی قوت تخیل میں ہے۔ اور وہ وجود بطریق تہجد و مثال عرضہ

وہ ایک قرار پذیر رہتا ہے مثلاً شیخ سعدی رحمہ کی گستاخ کو اسی وجود کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ چھ سو تیس برس سے موجود ہے یعنی یہی الفاظ "منست مرحمہ" راہ آخر تک

پہلے قوت تخیل میں شیخ سعدی رحمہ کے وجود پذیر ہوا۔ پھر سامعین کے تخیل میں آیا اور اسی طرح ایک شخص سے دوسرے کے تخیل میں یکے بعد دیگرے آج تک موجود ہے تو کلام لفظی الہی علم الہی میں کلام نفسی قدیم کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اگر طرح بدیہی کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ ہم سے بعید ہے کہ نفس کلام اللہ غیر مخلوق کو ظاہر سے صرف کر کے کلام نفسی پر مچل کر ان اشعریہ اور ماتریدیہ نے جانا کہ خدا کا کلام باعتبار بدیہی کے ہے ان کی تفصیل اور تکفیر کرنا چاہیے۔

اور اشعریہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح افعال میں یعنی ایجاب ثواب و عقاب ذاتی افعال کے نہیں ورنہ شروع میں ہی جائز نہ ہوتا اس واسطے کہ ذاتیات نہ مختلف ہوتی ہیں اور نہ اس میں مختلف ہوتا ہے۔

ماتریدیہ کہتے ہیں کہ افعال کے بارے میں مشرع وارد ہونے کے قبل کوئی حکم نہیں وجوب کا نہ حرمت کا ایسا ہی معتزلہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن نفس فعل میں کوئی چیز ضرور ہے جو کہ مقتضی وجوب کا ہے مثلاً نماز کہ اس میں حدود کے حصول میں مناجات کرنا ہے۔ بعض فعل میں کوئی ایسی چیز ہے کہ وہ مقتضی حرمت کی ہے مثلاً زنا کہ موجب اختلاف انساب ہے اور چونکہ شارع حکیم مطلق ہے اس واسطے کہ اس کا حکم محض اندازی نہیں بلکہ جو فعل قابل وجوب کے ہے اس کو واجب کیا ہے اور جو فعل قابل حرمت ہے اس کو حرام کیا ہے۔ البتہ بعض افعال کا حسن و قبح ہماری ناقص عقل سے معلوم نہیں ہوتا اور اس واسطے اشعریہ نے کہا ہے کہ حسن و قبح افعال کا ذاتی نہیں تاکہ حوام اپنی ناقص عقل کو میدان پر خطر میں جولاں نہ کریں اور جادۂ ایمان سے باہر نہ ہو جائیں۔ اسی ضمنوں کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اشارہ فرمایا ہے:-

لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّغْبِ لَكَانَ بِالْطَّنِ الْخُفِّ أَذَى بِالْمَسِّحِ مِنْ ظِلِّهِ

ترجمہ: یعنی اگر دین رائے پر موقوف ہوتا تو موزہ پر قدم کے اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا کہ قدم کے نیچے موزہ

مسح کریں۔ یعنی اس واسطے کہ قدم کے نیچے نجاست کا زیادہ گمان ہے تو وہاں مسح کرنا بہتر ہوتا

تو اشعریہ تفصیل و تکفیر ماتریدیہ کے قائل نہیں۔ اور ایسا ہی جمہور متکلمین کا یہ خیال ہے جو کہ حق تعالیٰ کی صفات کو سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی ذات کے سوا ہے یعنی ذات ہے اور کہتے ہیں کہ اثبات قدماء یعنی ذات متعددہ کا اثبات کرنا یہ ثابت کرنا ہرگز کھڑ نہیں کہ ایک ذات قدیم ہے اور اس ذات کے تابع صفات کا قدیم ہونا ہے۔ علماء ماوراء النہر نے اثبات قدماء متعددہ کو صفات متعددہ سے احتراز کیا ہے اور ان کا کلام یہ ہے کہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں۔ اس واسطے کہ اگر عین ذات کہیں تو نفی صفات کی لازم آتی ہے اور یہ معتزلہ اور فلاسفہ کا مذہب ہے کہ صفات عین ذات ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ صفات غیر ذات ہیں تو مخالفین کا لعن و تشنیع ہم لوگوں پر ہوگا۔ کہ یہ لوگ قدماء متعددہ کے قائل ہیں۔ تو اس واسطے علماء ماوراء النہر عینیت اور غیریت دونوں کی نفی کے قائل ہیں۔ تو اس واسطے جمہور متکلمین نے سمجھا کہ نفی غیریت سے غیریت مستقل کی نفی ہی ہے۔ ہمارا قول بھی یہی ہے۔ صفات سے انکار منقود نہیں اور اسی وجہ سے علماء ماوراء النہر نے عینیت کی بھی نفی کی ہے۔ حالانکہ عینیت کی نفی حقیقت کی نفی ہے۔ کسی چیز کی حقیقت اس چیز

کی نامرتباً باطل ہے۔ ایسا ہی علماء ماتریدیہ کہتے ہیں کہ سعید کہی شفی ہو جاتا ہے اور شفی کہی سعید ہو جاتا ہے اور اشعریہ کہتے ہیں کہ سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے شکم میں سعید ہوا اور شفی وہ ہے جو اپنی ماں کے شکم میں شفی ہوا۔ اور دونوں فریق سے ہر ایک فریق نے دوسرے فریق کی غرض سمجھ کر تکفیر و تضلیل سے زبان بند کی ہے۔ اس واسطے ایک فریق نے انجام پر نظر کی۔ تو اس نے کہا کہ فی الواقع سعید وہی ہے جس کا انجام یعنی نامہ بہتر ہو۔ اور فی الواقع شفی وہ ہے جس کا انجام یعنی نامہ بُرا ہو۔ اور انجام یعنی نامہ جو مقدر میں ہوتا ہے وہ اسی وقت لکھ دیا جاتا ہے جب انسان اپنی ماں کے شکم میں رہتا ہے۔ تو اس فریق نے تقدیر کا لحاظ کیا اور یہ کہا کہ فی الواقع سعید اور شفی ہو تا تقدیر کی بنا پر ہے کہ مقدر میں جو ہوتا ہے وہی جب انسان اپنی ماں کے شکم میں ہوتا ہے اسی وقت لکھ دیا جاتا ہے۔ اور دوسرے فریق نے اس امر پر لحاظ کیا کہ انسان کی حالت تبدیل ہو کر تی ہے۔ کبھی گناہ کرتا ہے کبھی نیکی کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اس اعتبار سے یہ دوسرا فریق تبدیل شدت و سعادت کا قائل ہوا۔

ایسا ہی اختلاف ایمان کے بارے میں واقع ہوا۔ تو شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کے جمہور محدثین کی رائے یہ ہے کہ ایمان تصدیق و اقرار و عمل ہے یا ایمان تصدیق و عمل کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ یقینی طور پر اپنے کو مؤمن نہیں کہتے۔ اس واسطے کہ عمل کا حال معلوم نہیں کہ قابل قبول ہوتا ہے یا نہیں۔ اور یہ کہتے ہیں۔

إِنَّمَا مَوْنُ مَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى؛ یعنی اگر خدا کو منظور ہے تو میں مؤمن ہوں۔

اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق ہے اور اقرار سے تصدیق کا حال معلوم ہوتا ہے تو اس واسطے حنفیہ کہتے ہیں کہ ایمان حقیقی نہیں یقینی مؤمن ہوں۔ اس واسطے کہ اگرچہ کمال ایمان میں شبہ ہے کیونکہ ایمان عمل کے سبب سے ہوتا ہے اور عمل میں شبہ ہے کہ قابل قبول ہے کہ نہیں اور نفس ایمان تصدیق ہے کچھ شبہ نہیں۔ ایسا ہی اختلاف اہل سنت کے سبب فرقوں میں ہے کہ صرف مسائل فرعیہ میں اختلاف ہے اور فیما بین اثنا عشریہ بعض اصول دین میں بھی اختلاف ہے مثلاً بعض اثنا عشریہ بداد اور مراجعت کے قائل ہیں اور بعض کو اس سے انکار ہے اور ایسا ہی جمہور اثنا عشریہ کا قول یہ ہے کہ کلام اللہ کا زیادہ حصہ مخالفین اثنا عشریہ نے کم کر دیا ہے اور ایسا ہی کتاب اعتقادات میں صدیق ابن بابویہ کو اس قول سے نہایت انکار ہے اور نہایت سختی سے اس قول کی نفی کی ہے اور بیٹہ اللہ اثنا عشری اس امر کا قائل ہے کہ قیاس حجت ہے۔ اور اثنا عشریہ کے اور لوگوں کو اس قول سے انکار ہے اسی وجہ سے یہ لوگ ابن بابویہ کو ثلاث عشریہ کہتے ہیں۔ تاہم اس بارے میں ایک دوسرے کی تفصیل و تکفیر نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ ابن بابویہ کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور صدوق باسی کا لقب رکھا ہے تو اثنا عشریہ کا جو یہ طعن ہم لوگوں پر ہے کہ یہ لوگ باہمی اختلاف کے باوجود کے ایک دوسرے کی تفصیل نہیں کرتے۔ تو اس کا جو جواب اثنا عشریہ دیں گے وہی جواب ہمارا بھی ہے۔ فقط۔

سوال: کوئی مقلد کہ کسی ایک مجتہد کے ساتھ اس کا حزن ظن ہے اور اس کی اقتدا کرتا ہے اور بعض شرعی احکام میں اس مجتہد کے قول کو اس میں اس مجتہد کا قول کتاب و سنت کے خلاف ہے اور اکثر علماء دین کا بھی قول ان احکام میں اس مجتہد کے قول کے خلاف ہے تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ کہ قیامت میں مؤخذہ سے بری ہو۔ اس واسطے کہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیز

میں اگر وہ مقلدان احکام میں اپنے مجتہد کی تقلید کرے تو اس پر الزام آتا ہے کہ اس کے لئے جس کی اطاعت کا حکم نہ تھا اس کی تقلید کی۔ بعض مروج اور حدیث صحیح کو چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے بارے میں جو آیتیں ہیں ان کو فراموش کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَاتَّبِعُوا لَكُمْ مَن تَشَاءُونَ ۝ ترجمہ: یعنی تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو مگر اگر وہ اپنا

پاؤں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَاتَّبِعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ یعنی تا بعد ازیں کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۝ ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تم لوگوں کو حکم فرمایا اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع فرمایا ہے اس سے باز رہو۔ تو بموجب حکم اللہ تعالیٰ کے کہ ارشاد فرمایا ہے:-

فَاسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ تُكْمِلُونَ ۝ ترجمہ: یعنی اگر تم نہ جانتے ہو تو اہل ذکر سے دریافت کر لو۔ یعنی بموجب اس آیت کریمہ کے اس بارے میں سوال کرتا ہوں اور امیدوار ہوں اب شافی کا ہوں۔

جواب: متاخرین مجتہدین سے چند طرح کے گزے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی ہے

کہ ان لوگوں کو کچھ اجتہاد اور ترجیح کا درجہ حاصل تھا۔ ایک جماعت ایسی ہوئی ہے کہ ان لوگوں کو دوسرے علوم میں کمال حاصل تھا۔ لیکن علوم شرعیہ میں یعنی تفسیر و حدیث و فقہ میں ان لوگوں کو کم مزاولت حاصل تھی۔ وہ لوگ خود اجتہاد نہیں کر سکتے تھے

اور مجتہدین کی پہلی جماعت جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ ان میں سے بعض مجتہدین فقہ میں زیادہ مزاولت رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں کو قرآن و حدیث میں کم مزاولت تھی۔ ان لوگوں کو بھی اجتہاد کا درجہ حاصل نہ تھا۔ اور پہلی جماعت میں سے اکثر مجتہدین

کو قرآن و حدیث سے استنباط کرنے کا ملکہ حاصل نہ تھا۔ البتہ ان لوگوں نے فوائد قیود اور رفع اختلافات کتب میں ملکہ حاصل کیا تھا۔ بعض مجتہدین کو استنباط کا ملکہ حاصل تھا اور کتاب و سنت پر عبور تھا اور اختلافات فقہاء سے ان لوگوں کو زیادہ

معرفت حاصل تھی مگر صلوات ان لوگوں نے اجتہاد کی راہ میں قدم نہ رکھا۔ وہ مصیبت یہ ہے کہ آدمی کے مقتضایہ طبعیت ہے کہ ہر شخص اپنے فہم پر ناز کرتا ہے اور اگرچہ دوسرے کے کمال کا بھی اعتراف کرتا ہے لیکن جب کسی امر میں اس کی اپنی کوئی خاص رائے قرار پاتی ہے تو اگر اس کے خلاف دوسرے کسی ایسے شخص کی بھی رائے ہو جو اس کے گمان میں

افضل ہو تب بھی اس کی رائے قبول نہیں کرتا۔ تو جب اس کے کسی ہم درجہ کی رائے اس کی رائے کے خلاف ہو تو اس ہم درجہ کی رائے پر اس کو کیا لحاظ ہوگا تو اگر کوئی شخص کسی وقت میں شرع و اجتہاد کو حاصل کرے اور ہر شخص کی ناقص اور کیا

متوسط اپنی استعداد کے موافق اجتہاد میں قدم رکھے تو اس قدر اختلاف واقع ہوگا کہ شریعت میں عبادات اور معاملات

میں اختلاف و رہم برہم ہو جائے گا۔ اور امر معروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ مسدود ہو جائے گا۔

چنانچہ جب تک لوگوں نے چار مذہب کو مستحکم نہ پکڑا تھا۔ اور چار آدمی کی تقلید اختیار نہ کی تھی تو اسلام میں کچھ بڑا

مشر فرقہ سے ہو گئے اور ان کے بعد ہر فرقہ کے تابعین باقی رہ گئے۔ اور پھر کوئی دوسرا مذہب اختراع نہیں کیا گیا اور متاخرین

مجتہدین نے جو عور کیا تو جو فہم و کثرت، عبور و صلاح قلب و نور و باطن و بے طبعی و خلوص خواہش نفسانی سے اور باطن تقویٰ، یہ

دو جو جس قدر سابقین مجتہدین میں تھے۔ وہ اپنے میں نہ پاس تھے۔ تو اور کچھ چارہ نہ دیکھا۔ سوا اس کے کہ صرف سابق مجتہدین کے

اقوال میں جو رجحان اور تعذیل کریں اور عرفی کی لغت قدیم کی واقفیت میں بھی اپنے کو خامر یا اور ان قرآن سے بھی اپنے کو محروم یا

کراس کے ذریعہ سے استنباط ہو سکے۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے اجتہاد کی راہ مسدود کر دی تو ان لوگوں کا یہی عذر ربنا لعنہ

کے حضور میں ہے کہ خداوند اپنی جدیدہ رائے اختراع کرنے میں طرح طرح کا فساد دیکھا اور اتباع سلف میں دین کا استحکام زیادہ

ہوا۔ اور اسی میں طاعت کے قبول ہونے کے زیادہ آثار دیکھے۔ اس وجہ سے ناسخ و فسخ ظاہر و ماضی و مستقبل کی معرفت

سلف کے ذمہ چھوڑا۔ اس واسطے کہ ان کے مانند ہماری قوت ان امور میں نہ تھی۔ یہی صحتیں آج بھی موجود ہیں۔ لیکن باوجود

اس کے یہ ثابت نہیں کہ کسی مذہب کے اجتہاد کو حرام کہنا چاہیے۔ مگر ہر فرقہ کے متعصبین نے لَنْ تَنفَرَكَا مَا وَجَدْنَا

هَلَكَةً اَبَاؤَنَا کو اپنا درو زبان کر لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے چنانچہ اکثر فقہائے شافعیہ نے دوسرے کے مذہب

پر فتویٰ دیا ہے۔ لیکن حنفیہ اور حنبلیہ میں بالنسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ تعصب ہے۔ چنانچہ صاحب الاشیاء والنظائر نے کہا ہے کہ اگر ہم سے لوگ پوچھیں کہ تمہارا مذہب کیا ہے اور تمہارے مخالف

کا مذہب کیا ہے اور اصول سے ثابت ہے کہ مجتہد سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے اور کبھی اس کی رائے مناسب بھی ہوتی ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمارا مذہب حق ہے۔ اس میں احتمال خطا کا ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہے۔ اس میں احتمال

ہے کہ حق ہو۔ اگر تحقیق کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھولا جائے۔ پھر وہی خوف موجود ہے کہ لوگ ہماری تحریک کو قابل حجت نہ

جائیں گے۔ اور مذہب کی ایک اختراع کریں گے۔ حلال کو حرام کہیں گے اور حرام کو حلال کہیں گے اور شریعت میں خلل انداز

ہوں گے۔ حق تعالیٰ اگر کسی کو واقعی اجتہاد کی قوت دے دے تو ظاہر ہے کہ وہ تقلید کا پابند نہ ہے گا۔ لیکن سب کو اپنا مذہب اختیار کر لینے کے لئے نہ کہے گا۔ اس واسطے کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔ اس لئے کہ وہ ایسا نہ

کے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اس وقت کوئی شخص اجتہاد کرنا چاہے۔ تو چاہیے کہ پہلے چند امور کو اپنے لئے لازم کر لے

۱۔ ناظر رب العالمین مالک یوم الدین کے زور و شوہر مند نہ ہو۔

۲۔ اول استنباط میں جو دقت فہم اور ملکہ تدقیق حاصل کرے اور کتب عربیت و قواعد منطق میں کمال حاصل کرے اور

مناظر فہم و تکمیل تحصیل ان کتابوں میں حاصل کرے۔

۳۔ دوسرے یہ کہ کتاب و سنت میں بطریق عبور و تدقیق کے مزاولت حاصل کرے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اپنا نفس خواہش نفسانی و تعصب سے خالی کرے

۴۔ چوتھے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتصال روحانی حاصل کرے۔

۵۔ ۱۔ پانچواں امر تصفیۃ نفس کا ہے تاکہ ہینات ظلماتیہ اور عمل لودانی میں جو فرق ہے اس کو اختیار کرے چنانچہ یہ وارو ہے

استغفرت قلبک و کذا افتاتک المفیتون یعنی اپنے قلب سے فتویٰ طلب کر اگرچہ تجھ کو مفتیوں نے فتویٰ دیا ہے

۶۔ چھٹا امر یہ ہے کہ مذہب فقہاء سے اس کو خبر ہو تاکہ نقض اجماع لازم نہ آئے اور مذہب رکیک کی طرف میلان نہ کرے۔

اگر یہ سب شروط و طیسریوں تو اجتہاد اس کے لئے زیادہ ہے لیکن جو اس درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ وہ اگر چاہے کہ تقلید سے باہر نکلے اور بعض مسائل میں دوسرے کے مذہب پر عمل کرے تو اس کے لئے چند چیزیں لازم ہیں اور اس جمیع غلبہ پر عمل کرتے کہتے ہیں اور اس کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ از روئے دلیل کے بعض ائمہ کا قول اس نے قابل ترجیح پایا ہو اور اس کے مخالف کے اول پر بھی اس کو عبور ہو تو ایسی صورت میں کوئی قید نہیں۔ اس مسئلہ میں حدیث صحیح غیر منسوخ ظاہر الدلالة کے موافق عمل کرے۔ اگرچہ دوسرے مسائل میں وہ کسی دوسرے مجتہد کا مقلد ہو۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی عمل جو مثلاً وضو یا نماز یا روزہ یا کوئی معاملہ ہو اور اس میں کسی ایک مجتہد کے مذہب کے موافق عمل کرے تو اس صورت میں اگر بعض عمل شرط ہے کسی دوسرے بعض عمل کے لئے۔ جیسا کہ مسائل حیض اور نفقہ وضو کے یہ شرط ہے نماز کے واسطے تو اس صورت میں اختیار کرنا چاہیے کہ ایسا ہو کہ عمل کسی مذہب کے موافق درست نہ ہو اور اگر وہ عمل سب مذہب کے موافق درست ہو تو اس کو اخذ بالاعتیاد کہتے ہیں۔ اور اگر کسی ایک مذہب کے موافق وہ عمل درست ہو تو اس کو اخذ بالقول کہتے ہیں

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ایک عمل کو دوسرے عمل سے کچھ علاقہ نہ ہو جیسا کہ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ ہے اور جیسا کہ نکاح اور بیع ہے تو اس صورت میں اختیار ہے کہ بعض مسائل میں کسی مجتہد کے مذہب کے موافق عمل کرے اور بعض مسائل میں کسی دوسرے مجتہد کے مذہب کے موافق عمل کرے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جس مذہب میں جو مسئلہ اپنی خواہش نفسانی کے موافق ہو اس کے موافق عمل کرے یہ درست نہیں۔ اس واسطے کہ یہ خواہش نفسانی کی اتباع ہے۔ حکم خدا کی اتباع نہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ وہ شخص اشتیاء سے ہے جو معاملہ سود اور مشروبات میں حنفی کے موافق عمل کرے۔ اور کھانے کی چیزوں میں مالکی کے موافق عمل کرے اور طہارت میں شافعی کے موافق عمل کرے اور ایسا ہی یہ جو مسئلہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح کیا جائے اور بعد نکاح کے اس کے ساتھ جماع کیا جائے۔ تو اس عورت کی لڑکی حرام ہو جاتی ہے اور ایسا ہی جس عورت کے ساتھ نہ نکاح کیا جائے تو اس کی لڑکی حنفی مذہب کے موافق حرام ہو جاتی ہے۔ اور شافعی مذہب میں زنا کی صورت میں اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی۔ تو اس مسئلہ میں وہ شخص اپنی خواہش نفسانی کی اتباع سے شافعیہ کے موافق عمل

کرے تو وہ شخص اشتیاء سے شاکر کیا جائے گا۔

۵۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ دوسرا جو مذہب اختیار کرے تو اس مذہب کی روایت موجود کو اختیار کرے کہ اس مذہب کے اکثر علماء نے اس روایت کو ترک کر دیا ہو تو یہ بھی درست نہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو علوم عربیہ میں مزاولت حاصل ہو اور کتاب و سنت کو بلا تامل سمجھ لیتا ہو اور وہ شخص کوئی حدیث پائے کہ محققین فن حدیث نے اس حدیث کو صحیح کہا ہو اور فقہاء اہل سنت کی جماعت کثیر نے اس کے موافق حکم دیا ہو اور اجماع کے خلاف نہ ہو اور محترم اسنادوں سے اس حدیث کو دریا منت کیا ہو اور شروع اور حواشی سے اس کی تحقیق کی ہو کہ وہ حدیث منسوخ نہیں ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ حدیث چاہے کسی مذہب کی ہو اس کے موافق عمل کرے اور جس مسئلہ میں ایسی حدیث نہ پائی جائے۔ تو چاہیے کہ جس مجتہد کے ساتھ اس کا حنطن ہو اس مسئلہ میں اس کی تقلید کرے اور اس صورت میں شارع کے قول واضح کو صرف اس گمان سے ترک نہ کرے کہ صاحب مذہب نے اس کے ترک کرنے کی دلیل بیان کی ہے اور ایسا ہرگز نہیں کہ صرف اس قدر مخالفت سے وہ اس مذہب سے خارج ہو جائے۔ چنانچہ ائمہ اربعہ سے صراحتاً اور تاکیداً ثابت ہے کہ جو شخص ہمارے قول کے خلاف حدیث صحیح پائے تو چاہیے کہ وہ حدیث پر عمل کرے کہ فی الحقیقت ہمارا مذہب وہی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو اس واسطے کہ اگر اس کے خلاف وہم کیا جائے۔ تو سلب ایمان کی نسبت اکابر کے خلاف لازم آئیگی اور گویا رسالت کا دعویٰ اپنے مقتدا کے حق میں ہوگا۔ اور دیدہ و دانستہ مقتدا کو مجوز خلاف امر رسول گمان کرنا لازم آئے گا۔ بخود باللہ من ذلت اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مذہب کے گنہگار اس مجتہد کے حکم کے خلاف عمل کرتے تو بغیر کی اقتدار کرنے سے اپنے مذہب سے کیوں خارج ہو جائیں گے۔

سوال میں جو آیات مذکور ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کرنے کے بارے میں ہیں۔ وہ آیات اسی معنی پر محمول ہیں اور اس امر میں کسی کو کچھ حذر نہیں اور فی الواقع اگر مقلدین مذہب کی تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے کہ تقلید کی وجہ سے یہ لوگ اس حد تک پہنچے کہ فقہاء کا قول حدیث کے مقابلہ میں لے آتے ہیں اور فقہاء کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ اس قبیل سے ہے کہ علماء کو پیغمبری تک پہنچا دیا جائے۔ بلکہ ایسا ہی کہ ان کو خدا کے درجہ تک اپنے گمان میں پہنچا دیا جائے۔ اس وجہ سے کہ تمدنی کی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ عدی بن حاتم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیت

"احمدوا احرام و ربنا ہم اربابا من دون اللہ" کی تفسیر کے بارے میں عرض کیا کیا رسول اللہ کیا یہ لوگ ان لوگوں کو یعنی اپنے ظہار اور زکا کو خدا کی پرستش کے طور پر پوجتے تھے۔ اور ان لوگوں کو خدا جانتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کے قول کے موافق حلال و حرام جانتے تھے۔ تو عدی بن حاتم نے عرض کیا کہ کون یسینی فی الواقع یہ امر ثابت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی مطلب رب بنا لینے کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ منصب تکلیف شرعی مقرر کرنے کا اور منصب شریعت قائم کرنے کا خاص خدا کے لئے ہے اور اس کے حکم صریح کے بغیر کسی دوسرے کے لئے گمان کرنا کہ یہ منصب اس کو حاصل ہے ترک محض ہے۔ بخود باللہ من ذلت۔ اور نص قاطع یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم صریح یعنی مثلاً

اطيعوا الله واطيعوا الرسول له اور من يطع الرسول فقد اطاع الله ثم قل ان كنتم تحبون

الله فاتبوني يحببكم الله - ثم

یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہیں کسی دوسرے کی شان میں نہیں اور اہل الامر کی اطاعت کا حکم

مباحثات میں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

فان تنازعتم فی شئ فرددوا الی الله والرسول ترجمہ : یعنی پس اگر منازعت کرو تم لوگ کسی چیز میں

تو چاہیے کہ رجوع کرو اس میں طرف اللہ اور رسول کے :-

یہ ترجمہ آیت مذکورہ کا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَا تَصِلُ إِلَيْكُمْ الْقَصْرَ إِلَّا بِبَنِي خَدِيجَةَ ترجمہ : یعنی ہرگز نہ پڑھے کوئی قوم کو لوگوں میں سے ہرگز

بنی قریظہ میں :-

اور لفظ حین کے بارے میں فتاویٰ خلفاء اربعہ میں جو اختلاف ہوا اس کے سوا اور بھی بعض مسائل میں اختلاف

کرتے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ مجتہدین کی رائے کو فروغ میں بھی فرمایا کرتے

تھے۔ اگرچہ ایک کی رائے بہ نسبت کسی دوسرے کے زیادہ صحیح ہوتی تھی۔ ایسا ہی اس شخص کا بھی قول ہے جو مجتہدین

کے مذہب کو حق کہتا ہے یہ حکم بالاتفاق چاروں مذہب میں ہے۔ چنانچہ یہی صورت ہے کہ چاروں اہل مذاہب اتفاق کرتے

ہیں کہ اصل حق دائر ہے اور بعض مسائل زیادہ صحیح ہیں بہ نسبت دوسرے مسائل کے اور رجحان کسی ایک مذہب کا دل میں

ہونے سے گمان ہو سکتا ہے کہ شاید اس حدیث کا معارض کوئی دوسری حدیث ہو یا اس حدیث میں کوئی تاویل ہو سکتی ہے

اور جو فقیر نے لکھا ہے وہ اولاً باعتبار افضلیت اور اولویت کے ہے اور اسی وجہ سے ترک دفع بدین کہتا ہوں دوسری

وجہ یہ ہے کہ عدم وجوب کی بنا پر ہے تاکہ موجب اتہام رخص نہ ہو اور غیبت کا دروازہ نہ کھلے۔ اس واسطے کہ عوام کو فتنہ

اور اصل حق اور اصل باطل کی کیفیت معلوم نہیں خصوصاً افغانہ اور تورانی کہ سابق میں غالب تھے اور زیادہ تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں محابہ کلام کا بھی اختلاف ہے تو اس وجہ سے بھی کسی ایک جانشین کی تعیین

مناسب نہیں۔

سوال : کیا وجہ ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صاحبین رضی اللہ عنہم کرتے ہیں لیکن شافعی رحمہ کی تقلید ممنوع

جانتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ خیال ہے کہ اصول میں اہم اعظم رحمہ کا اتفاق ہے۔ اس وجہ سے بعض مسائل میں

صاحبین کی حجت قائم کرتے ہیں۔ تو اصول میں سب ائمہ میں اتفاق ہے تو چاہیے کہ شافعی رحمہ کی بھی اقتداء بعض مسائل میں کریں

۱۔ ترجمہ : تا بعد ازیں کہ رسول اللہ کی - ثم ترجمہ : اور جو تا بعد ازیں کہ رسول کی تو اس نے تا بعد ازیں کہ رسول اللہ

کی - ثم ترجمہ : کہہ دیجئے لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر در دست رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کو تو تا بعد ازیں کہ رسول کی دوست رکھتے ہو اللہ تعالیٰ

کو اللہ تعالیٰ ۲۔

اس امر کو ممنوع نہ جانیں اور اگر یہ خیال ہے کہ فروغ میں اہم اعظم اور اہم شافعی رحمہ میں اختلاف ہے اس واسطے اہم شافعی

کی تقلید منع ہے تو فروغ میں سب ائمہ کا اختلاف ہے تو چاہیے کہ حنفیہ کے لئے صاحبین کی بھی تقلید ممنوع ہو۔

جواب : صاحب من اس کی دو وجہ ہے :-

ایک وجہ یہ ہے کہ جمہور حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اہم اعظم رحمہ نے اپنا مذہب اپنے اجتہاد صاحب کی تحقیق پر موقوف

رکھا۔ مثلاً زفر بن الہذیل رحمہ اور ابو یوسف اور حنین بن زیاد رحمہ اور ابن سماعہ رحمہ اور قاضی اسد اور محمد بن الشیبانی رحمہ

اور حضرت علی رحمہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو قرار دیا ہے اور یہ احادیث

آئنا فقہاء کو فہم سے اہم اعظم رحمہ کو پہنچے اور یہی بلا تفاوت بعینہ مسلک صاحبین رحمہ اور اہم اعظم رحمہ کا ہے۔ اور

اہم شافعی رحمہ نے ان قواعد استنباط میں اور نہ ماخذ اجتہاد کے قرار دینے میں اہم اعظم رحمہ کی اتباع نہیں کی ہے

اور ایک مثال سے اس امر کی توضیح بیان کرتا ہوں کہ مثلاً طب میں علاج کے دو طریقے ہیں۔ یونانی اور ہندی۔

اور مثلاً طب کے یہ قواعد ہیں کہ تنقیہ قبل نفع کے جائز نہیں۔ اور تحریک باہم بجزان میں جائز نہیں اور استعمال

اقراص بخار میں جائز نہیں البتہ جو دویں دن کے بعد جائز ہے اور یہ جائز نہیں کہ زیادہ دن تک ترک غذا کر کے قوت

نہایت ضعیف کر دی جائے۔ بلکہ حفظ قوت تا امکان واجب ہے اگرچہ غذا سے مرض میں زیادتی ہو جائے اور

الماء مع البجات میں اپنا ماخذ وہی قرار دیتے ہیں جو قول جالینوس اور بطران کا ہے

اور ان جیسے اور دوسرے حکماء کا قول ہے تو اطباء یونانی کا طریقہ علاج باہم مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً علوی خان اور

واصل خان کہ دونوں طبیعوں کے علاج میں بہت فرق ہے لیکن اطباء یونانی کا ایک ہی مسلک ہے یونانی طب

ہے اور اس طریقہ علاج یونانی اور دوسرے طریقہ علاج ہندی میں باہم بہت فرق ہے اور اصول قواعد میں نہایت

تفاوت ہے اور بطور تشبیل کے سمجھنا چاہیے۔ کہ مثلاً یونانی طب اور ہندی طب میں خاص اصول میں نہایت

فرق ہے۔

ایسا ہی مذہب حنفی اور مذہب شافعی میں باہم خاص اصول میں نہایت فرق ہے اور جیسا کہ طریق بقراط اور

طریق جالینوس یہ اصول میں فرق نہیں۔ بلکہ صرف فروغ میں فرق ہے۔ اسی طرح سے اہم اعظم اور صاحبین کا اصول

ایک ہی ہے اصول میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ صرف بعض فروغ میں باہم اختلاف ہے تو طریقہ اہم اعظم رحمہ کا اور طریقہ

صاحبین کا یہ دونوں طریقہ گویا بمنزلہ دو صنف کے ہیں۔ نوع واحد سے اور مذہب اہم اعظم کا اور مذہب اہم شافعی

کا گویا بمنزلہ دو نوع قبا میں کے ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل طویل ہے اور اس مسئلہ کی پوری تفصیل مولانا شاہ ولی اللہ

صاحب رحمہ نے اپنے رسالہ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف اور عقد المجید فی مسائل الاجتہاد والتقلید میں لکھی

ہے اور وہ قابل ملاحظہ ہے۔

سوال : اگر حنفی بعض احکام میں شافعی مذہب پر عمل کرے مثلاً رفع یدین وغیرہ کرے تو اس کے بارے میں کیا

حکم ہے۔

جواب : اگر حنفی بعض احکام میں مذہب شافعی پر عمل کرے تو یہ امر منجملہ تین وجوہ کے کسی ایک وجہ سے جائز ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ باعتبار دلائل کتاب و سنت اس کی نظر میں اس مسئلہ میں مذہب شافعی کو ترجیح ہو۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ کسی شیعہ میں مبتلا ہو جائے کہ بلا اس کے گزارہ نہ ہو کہ مذہب شافعی پر عمل کسے قطعاً اس قبیل سے مفقود کے احکام ہیں۔ ایسا ہی پانی کے متعلق جو احکام ہیں۔ وہ بھی اس و بار میں اسی قبیل سے ہیں۔
تیسری وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص صاحب تقویٰ ہو اور اس کو منظور ہو کہ احتیاط کریں اور کسی عمل میں مذہب اور مذہب کی مانند اور جو اہل اصحاب ام عظم کے ہوئے۔ ان اصحاب کی تحقیق پر ام عظم رحمہ نے اپنے مذہب کی بنا کر ام عظم رحمہ نے فرمایا ہے کہ ہائے اجلہ اصحاب میں ہر ایک کا جو مذہب ہے وہ میرا ہی مذہب ہے تو میرے عقیدے سے جو چاہے ان اصحاب کی تقلید کرے۔ چنانچہ یہ ضمون قصص کثیرہ سے ثابت ہے اور وہ قصص طبقات کو فیہ و دیگر حنفیہ مذکور ہیں۔ اس واسطے حنفیہ نے ان اجلہ اصحاب ام عظم رحمہ کے مذہب کو مذہب ام عظم کا قرار دیا ہے اور حنفیہ بوقت حاجت بعض مسائل میں ان اصحاب کی تقلید کرتے ہیں اور چونکہ یہ تقلید بھی حضرت ام عظم رحمہ کے حکم کے موافق ہے۔ اس واسطے اس تقلید کو بھی یہ جانتے ہیں کہ یہ بھی ام عظم رحمہ کی تقلید ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ محققین حنفیہ کے نزدیک ثابت ہے کہ اجتہاد کے چار مرتبہ ہیں۔

۱۔ اجتہاد استقلالی ۲۔ اجتہاد اقتسابی ۳۔ اجتہاد فی المذہب ۴۔ اجتہاد ترجیح

ام شافعی رحمہ کا زمانہ حضرت ام عظم رحمہ کے زمانہ کے بعد ہوا۔ اور یہ دونوں ام یعنی ام عظم رحمہ اور ام شافعی رحمہ مستقل تھے۔ ام شافعی رحمہ نے اپنے مذہب میں کسی امر میں ام عظم رحمہ کی متابعت نہ کی۔ یہ خلاف صاحبین رحمہ اور ام نظر ادا ہے۔
مانند ادا اجلہ اصحاب ام عظم رحمہ کہ یہ ائمہ مجتہد منسوب تھے۔ اور مجتہد منسوب مجتہد مستقل کا تابع ہوتا ہے اور بالاستقلال اجتہاد نہیں ہوتا ہے اور مجتہد منسوب کا وہی مذہب ہوتا ہے جو مذہب اس کے مجتہد مستقل کا رہتا ہے جس کا وہ مجتہد منسوب بنا رہتا ہے اور ایسے اجتہاد کے باقی دو مرتبہ دوسرا یعنی بالاجماع تابع اجتہاد استقلالی کا ہوتا ہے۔

اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مجتہد مستقل اس کو کہتے ہیں جو آیات اور احادیث و احکام میں اور آثار صحابہ تابعین میں جرح اور تعدیل کرے۔ اس کے بعد ان آیات اور احادیث و آثار میں جو مناسب سمجھے اس کو اپنا ماہہ الاجتہاد قرار دے اور پھر قواعد و استنباط کو وضع کرے تاکہ بوقت استنباط تناقص و تنافس واقع نہ ہو۔ اور یہ مرتبہ خاص ام عظم اور ام شافعی رحمہ اور ان کے مانند اور دوسرے مجتہدین مستقل کا ہوا۔ بخلاف صاحبین رحمہ اور ام زفر وغیرہما اور مجتہدین غیر مستقل کے کہ ان مجتہدین غیر مستقل نے انہی احادیث و آثار فقہاء و تابعین کو اپنے قول کا ماخذ اور اپنا ماہہ الاجتہاد قرار دیا اور اسی احادیث اور آثار پر اپنے مذہب کا دار و مدار رکھا۔ جو احادیث و آثار حضرت ام عظم رحمہ کا ماہہ الاجتہاد اور ماخذ تھا اور قواعد استنباط کو بھی ام عظم رحمہ کے کلام سے اخذ کیا تاکہ اصول میں ام عظم رحمہ کے طریقے کے موافق عمل کرتے رہیں۔ اگرچہ فروغ میں ام عظم رحمہ کی مخالفت ہوئی اور یہ مخالفت فی الواقع مخالفت مذہب میں نہیں بلکہ مادہ اجتہاد و طریق استنباط میں ہے۔ ام عظم رحمہ کے

کے تابع ہیں۔ مثلاً امام عظم رحمہ نے قرار دیا ہے کہ عام قطعی سے مانند خاص کے اور خاص صاف طور پر بیان کیا ہوا ہے تو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور عموم واسطے مشترک کے اس کے معانی میں نہیں اور حقیقت و مجاز دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور خبر واحد جو خلاف قیاس ہو۔ اس پر عمل نہ ہوگا۔ بلکہ قیاس پر عمل ہوگا۔ مانند حدیث صحرا کے اور ام عظم رحمہ نے ماہہ الاجتہاد احادیث و آثار حضرت عمرؓ شافعی رحمہ میں زیادہ احتیاط دیکھے۔ مثلاً صدقہ دوسرے زیادہ دینا اور عاوس کا گوشت نہ کھانا۔ علیؓ بھائی اس اوجہ مسائل ہیں کہ اسمیں مذہب شافعی میں وہ شخص زیادہ احتیاط دیکھے اور صرف بنظر احتیاط ان مسائل میں مذہب شافعی پر عمل کرے۔ لیکن ان تینوں صورتوں میں دوسری شرط بھی ہے کہ تعلق واقع نہ ہو۔ تعلق سے مراد یہ ہے کہ مثلاً وہ مذہب پر عمل کرنے کی کسی صورت متحقق ہو جائے کہ وہ دونوں مذہب میں سے کسی مذہب میں جائز نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص کے نزدیک ثابت ہو کہ قصد ناقض وضو ہے اور وہ بعد وضو کے قصد کھولنے۔ اور پھر اسی وضو سے نماز امام کے پیچھے پڑھے اور وہ فاتحہ نہ پڑھے کہ ایسی نماز کسی مذہب میں درست نہیں۔ وضو مذہب حنفی کے موافق باطل ہو گیا اور اسی وجہ سے وہ وہ نماز بھی مذہب حنفی میں درست نہ ہوئی۔ سورہ فاتحہ پڑھی اور اس وجہ سے وہ نماز مذہب شافعی میں بھی درست نہ ہوئی۔ اور جب یہ تین وجوہ نہ پائے جائیں اور کوئی حنفی مذہب اس حال میں مذہب حنفی کو ترک کرے۔ اور شافعی کی اقتداء کرے تو یہ بھی قریب حرام کے ہے اور ایسا ہی اگر کوئی شافعی مذہب اس حال میں مذہب شافعی کو ترک کرے۔ اور مذہب حنفی کی اقتداء کرے تو یہ بھی قریب حرام کے ہے اس واسطے کہ یہ دین میں کھیل کرنا ہے۔ (ماخوذ از سوالات عشرہ شاہ بخارا)

مسائل فقہ

سوال : محدثین علم فقہ پر عمل کرتے ہیں یا نہیں بعض شخص کہتے ہیں کہ محدثین علم فقہ پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

(از سوالات قاضی)

جواب : علماء محدثین کسی ایک مذہب پر مذاہب مجتہدین سے نہیں سمجھتے ہیں تو علماء محدثین کے بعض اعمال مطابق کتب فقہ کے ہوتے ہیں اور بعض اعمال دوسری کتابوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ فقط

سوال : اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حدیث سے انکار کرے۔

جواب : اس مسئلہ میں چند احتمالات ہیں۔

- ۱۔ اول یہ کہ تمام حدیثوں سے انکار کرے یہ بعینہ کفر ہے۔
- ۲۔ دوسرے یہ کہ حدیث متواتر سے انکار کرے۔ اور اسمیں کچھ تاویل نہ کرے یہ بھی کفر ہے؟
- ۳۔ تیسرے یہ کہ حدیث صحیح سے جو قسم احاد سے ہے انکار کرے اور یہ انکار خواہش نفسانی سے ہو۔ اس وجہ سے

کہ وہ حدیث طبیعت کے موافق نہ ہو یا دنیوی مسکحت کے خلاف ہو یہ انکار گناہ کبیرہ ہے۔ ایسا منکر بدعتی ہے۔ بدعت سیدہ کرتا ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اس وجہ سے کسی حدیث سے انکار کرے کہ اس کے خلاف کوئی دوسری قوی حدیث ہو یا یہ کہ نازل کے قول پر اس کو اعتماد نہ ہو۔ اس وجہ سے وہ شخص یہ سمجھتا ہو کہ فی الواقع یہ حدیث نہیں ہے اور اس خیال سے اس کو اس حدیث سے انکار ہو اور یہ انکار خواہش نفسانی سے نہ ہو اور نہ کسی دنیوی غرض سے ہو اور نہ کلام کی سرسبزی بھی منظور نہ ہو۔ اور نہ کوئی دوسری غرض فاسد مقصود ہو۔ بلکہ اس وجہ سے اس کو انکار ہو کہ وہ حدیث اس کے گمان میں علم اصول حدیث کے قواعد کے خلاف ہو یا کسی آیت قرآنی کے خلاف ہو۔ یا ایسی ہی کوئی اور مناسب وجہ انکار کی اس کے نزدیک ہو۔ تو ایسے انکار میں کچھ حرج نہیں۔

سوال : جس شخص کو فخر کی کتاب سے انکار ہو اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب : اس مسئلہ میں بھی چند احتمال ہیں :-

- ۱۔ اول یہ کہ وہ شخص اگر مثلاً شافعی مذہب ہو اور اس کو حنفی کی کتاب سے انکار ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔
- ۲۔ دوسرے یہ کہ جس کتاب سے اس کو انکار ہو۔ وہ کتاب معتبر اور مشہور نہ ہو اس انکار میں کچھ قیاحت نہیں۔
- ۳۔ تیسرے یہ کہ اس وجہ سے اس کو انکار ہو کہ یہ کتاب علم دین کی کتاب ہے یہ بعینہ کفر ہے۔؟
- ۴۔ چوتھے یہ کہ اس وجہ سے انکار ہو کہ اصل سنت کی یہ کتاب ہے تو وہ شخص بدعتی ہے کیونکہ اس کو اس وجہ سے انکار ہے کہ اس کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ کتاب صحیح نہیں اگرچہ یہ کتاب اصل سنت کی احادیث صحیحہ کے مطابق ہے۔ بخلاف اس مؤردت کے کہ شافعی مذہب کو حنفی کی کتاب سے انکار ہو کہ شافعی کے نزدیک اس کے مذہب کو حنفی کے مذہب پر ترجیح ہوتی ہے اس کا یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ حنفیہ کے اصول و فروع باطل ہیں۔

سوال : امام زمانہ سے شرعاً قرآن ہے یا کوئی فرد؟

جواب : کیا شیخ بہاء الدین عاقلی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین کی چھتیسویں حدیث میں کہ یہ حدیث اور اسی طرح وہ حدیث کہ فاس و عام سب میں متفق علیہ۔ سے یعنی آنحضرت کا جو یہ قول ہے :-

مَنْ مَاتَ، وَكَفَّ تَعْبِيرَهُ، إِذَا مَاتَ مِثْلَهُ جَاهِلِيَّةً، رَجَعَهُ بَيْنَ جَوْشَنَ مَرَادٍ

اس نے اپنے زمانہ کا امام نہ پہچانا تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔

اس حدیث کے خلاف امامیہ کا یہ خیال ہے کہ ہمارے زمانہ کا امام غائب ہے اور منتظر ہے کہ جب موقع مناسب ہو تو ظاہر ہو شیعیہ کے مخالفین شیعیہ پر طعن کرتے ہیں کہ جب ممکن نہیں کہ اس امام تک کوئی پہنچے اور مسائل دینیہ اس سے اخذ کرے تو صرف اس کی معرفت سے کیا فائدہ ہوگا۔ کہ جس کو اس کی امام کی معرفت نہ ہو اور وہ مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ امامیہ کہتے ہیں کہ فائدہ منحصر اس پر نہیں کہ امام کا مشاہدہ ہو اور اس سے مسائل اخذ کئے جائیں، بلکہ جب تصدیق ہو جائے کہ امام زمانہ موجود ہے اور وہ دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ تو نفس تصدیق مقصود بالذات ہے اور ایک رکن ارکان ایمان جیسا کہ

ان لوگوں کی تصدیق تھی۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود و حیات کی تصدیق کی تھی۔ یہ بھی امامیہ کہتے ہیں کہ جو طعن تم لوگ ہم پر کرتے ہو۔ وہی طعن تم لوگوں پر مقلوب ہو جائے گی اس واسطے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ امام زمانہ سے مراد اس حدیث میں یہ ہے کہ صاحب شوکت ہو اور ملک دنیا سے ہو۔ خواہ وہ جو خواہ جاہل ہو، خواہ فاسق ہو تو جاہل فاسق کی معرفت سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ کہ جو شخص مر جائے اور اس کو معرفت اس جاہل کی نہ ہو تو کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اور جب شیعیہ کے بعض مخالفین اس طعن سے واقف ہوئے تو ان لوگوں نے کہا کہ مراد امام سے اس حدیث میں کتاب ہے تو امامیہ نے کہا کہ امام کی اضافت اس شخص کے زمانہ کی طرف ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار تبدیل زمانہ کے امام میں بھی تبدیل ہوتا ہے۔ حالانکہ جس قدر زیادہ زمانہ گزرتا ہے مگر قرآن شریفیت میں تبدیل نہ ہوگا اور یہ بھی شیعہ کہتے ہیں کہ اگر امام سے مراد کتاب ہے تو کتاب کی ایسی معرفت سے کیا مراد ہے کہ جب وہ معرفت کسی شخص کو حاصل نہ ہو اور وہ شخص مر جائے تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ اگر یہ مراد ہے کہ کتاب کے الفاظ کی معرفت ہو اور اس کے معانی سے خبر نہ ہو۔ تو یہ امر اکثر لوگوں کے حق میں نہایت مشکل ہے اگر یہ مراد ہے کہ صرف تصدیق اس کے وجود پر ہو۔ تو یہی ہم کہتے ہیں۔ تو اس صورت میں ہم پر بھی طعن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اصل سنت کے طعن کرنے کا حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کا علم واجب صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کسی عمل اور عمل کا تعلق ہوتا ہے اور جس علم کو عمل اور معاملہ سے تعلق نہیں ہوتا ہے تو اس کے واجب ہونے میں کوئی فائدہ نہیں اور اس سے لاعلم ہونے پر وعید نہیں اور ایسے علم کے واجب ہونے کی شرح میں کوئی نظیر نہیں۔ چنانچہ یہ شراح کے ہاتھ سے ثابت ہے۔ اسی وجہ سے فقہ میں اسروہی کا استنباط صحیح اور فاسد کی بناء پر ہوتا ہے بلکہ علم کلام میں بھی ثابت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام عباد کے فوائد سے خالی نہیں۔

یہ مسئلہ ان لوگوں کے نزدیک نہایت ظاہر ہے جو کہ قائل ہیں کہ افعال کا حسن و قبح عقلی ہے تو علم بطریق جزئی نفسی کے صرف اس صورت میں واجب ہو نا ہے کہ ضرورت ہو کہ اس شخص سے واقفیت حاصل ہو۔ مثلاً نبی اور کسی خاص کتاب کا علم امت کے حق میں مستحب سے واقفیت ہونا عباد کے حق میں اور زوج سے واقفیت ہونا زوجہ کے حق میں واجب ہے اس واسطے کہ اس علم جزئی سے اگر علم عام حاصل ہونے میں کہ یہ علم جزئی صغریٰ اور کبریٰ کے تعلقات سے ہوتا ہے۔

مثلاً کہا جائے کہ خیر میثم صلی اللہ علیہ وسلم و امیہ و سلم کی ہے اور خبر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حق ہے تو خبر حق ہے اور مثلاً کہا جائے کہ یہ حکم قرآن کا ہے اور حکم قرآن کا حق ہے تو یہ حکم حق ہے اور اسی وجہ سے شایع کہ جانب سے وارد ہوا ہے کہ دریافت کر دینے نسب کے لوگوں سے وہ طریقہ کہ جس طریقہ سے اپنے قرابت مند دوی العالم کے ساتھ صلہ رحم کرو۔ اور جب کسی خاص شخص کے علم کی احتیاج نہ ہو۔ جیسے انبیاء سابقین اور ائمہ مقررین ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ اس شخص کی نوح دریافت کی جائے۔ مثلاً انبیاء سابقین کی شان میں دریافت کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ

فتاویٰ مریدی
مذکورہ ہے۔

پس مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ وہ شخص جاہلیت کی موت مرا کہ جس نے اپنی زندگی میں اپنا امام نہ پہچانا یعنی وہ کاتب نہ پہچانی اپنے زمانہ میں اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا فرض ہے اور اس نے معلوم نہ کیا کہ کتب سابقہ منسوخ ہو گئیں ہیں نہ انجیل اور سائر اور زند اور اسنا اور مید منہود اور دیگر کتب سابقہ جو کہ موجود ہیں اور ان لوگوں کا اس پر عمل ہے یہ کتابیں منسوخ ہو گئی ہیں اور جس شخص نے یہ معلوم نہ کیا کہ اس کے بعد جو کتابیں اختراع کی گئی ہیں وہ باطل ہیں۔ مثلاً گرتھ سکواور تینین کذا میں کا کلام باطل ہے اور جس نے معلوم نہ کیا کہ ائمہ مذاہب کی کتابیں قرآن شریف کی طرح واجب الاتباع ہیں بلکہ ہر مذہب کے جہال مقلدین کا خیال ہے اس حدیث کے یہی معنی صحیح ہیں اور درست ہیں اور زمانہ کے زیادہ گذرنے کے باوجود قرآن شریف کا باقی رہنا اس کے منافی نہیں۔

یہ جو شیعہ کا کلام ہے کہ کتاب کی معرفت سے کیا مراد ہے اگر اس کے الفاظ اور معانی کی معرفت مراد ہے تو یہ امر کہ لوگوں کے حق میں مشکل ہے اور اگر صرف وجود کتاب کی تصدیق مراد ہے تو اس صورت میں ہم پر طعن کی کوئی وجہ نہیں اس واسطے کہ ہم بھی ایسا ہی کہتے ہیں کہ امام کے صرف وجود کی تصدیق ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ صرف۔۔۔۔۔ کتاب کے وجود کی تصدیق ہو۔ بلکہ چاہیے کہ اس امر کی تصدیق ہو کہ یہ کتاب حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ امام ہے کہ اس کی اتباع واجب ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ جس کو علم نہ ہو کہ قرآن شریف ہے اور حق ہے تو وہ شخص وعید کا سزاوار ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ جیسے شیعہ کا گمان ہے کہ جس شخص کو علم نہ ہو کہ امام زمانہ کہیں موجود ہے مگر غائب ہے تو وہ شخص وعید کا سزاوار ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اس واسطے کہ قرآن شریف لوگوں کے پاس موجود ہے لوگ اس کی تلاوت کرتے ہیں ممکن ہے کہ ہر خاص و عام بلا واسطہ یا بالواسطہ اس کے احکام کو دریافت کر لیں اور اس پر اجمالی طور پر ایمان لائے ایک اصل ہے کہ جس سے بے شمار علوم مستنبط ہوتے ہیں اور حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے علمدار کونسا قابل ضرور ہے کہ مورد وعید ہو۔ یہ حالت امام غائب کی نہیں۔ مہادی الیاس میں واقع ہے:-

طالبوہ ولا یکن الوصول الیہ الا لمن ركب جناح العنقاہ و اتخذ مراد اللہواہ
یعنی طلب کرو امام کو اور ممکن نہیں پہنچنا اس کے پاس مگر وہ شخص پہنچ سکتا ہے کہ عنقاہ کے پر کے اوپر سوار اور ہوا کا توشہ لئے ہو۔

اس پر طعن کی وجہ یہ ہے کہ اس خیال کے مطابق لوگوں کے حق میں وعید لا طائل عائد ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تاویل مفید نہیں کہ اس واقفیت سے روحانی اتصال حاصل ہو گا اور اس سے معاد میں امام کا تقرب حاصل ہو گا۔ لان سے دنیا میں تقرب حاصل کرنے کی استعداد حاصل ہوگی اور ان کے خروج کی توقع ہوگی جس سے نصرت و تائید کا لقب حاصل ہو گا۔ تو یہ تاویل اس وجہ سے بھی مفید نہیں کہ یہ بات اسی پر موقوف نہیں کہ امام کے موجود ہونے کی

اور اس کے عباد کے درمیان یہ غیر تھے۔ اس صورت میں ان اجمالی طور پر ایمان لانا کافی ہے اور جس کی فوج کے علم کو نہ ہو نہیں جیسے کہ کاتب و سیارہ کی حرکت ہے تو اس کا علم کسی وجہ پر واجب نہیں نہ بوجہ کلی واجب ہے اور نہ بوجہ جزئی ہے جو چیز ایسی ہے کہ اس کے ساتھ حاجت بطور جزئی متعلق ہے بطور کلی متعلق نہیں۔ تو اس کا علم بطور جزئی کافی ہے ضروری نہیں کہ اس کا علم بوجہ کلی حاصل کیا جائے جس طرح حلال رمضان کا ہے اور اوقات نماز کے ہیں۔ جب یہ معلوم ہو تو اب جاننا چاہیے کہ شیعہ کے گمان کے موافق ہو جو امام غائب ہے اگر فرض بھی کیا جائے کہ وہ امام ہے تو ظاہر ہے کہ یہ نہیں گمان ہو سکتا ہے کہ اس کی شریعت جدید ہے اور اس کے احکام ناسخ ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بوقت نبوت اس کا حکم ہمارے پاس نہیں پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً ضرورت ہو کہ امیر اور قاضی مقرر کئے جائیں۔ اور بیعت المال کا مال تقسیم کیا جائے اور ان احکام کا نفاذ ہو جو کلام اللہ سے متعلق ہیں اور مذاہب سے جو حق اور باطل ہے اس میں تمیز کی جائے۔ اور اس میں مجتہد کی ضرورت ہے تو ثابت ہو کہ ایسے امام کی معرفت واجب ہونا لا طائل ہے اور اس سے ناواقفیت پر وعید بے فائدہ ہے۔ چنانچہ ملائکہ مقررین اور انبیاء سابقین پر ایمان لانا واجب ہے مگر ان کو پہنچانا بالمشخص واجب نہیں اس سے ظاہر ہو کہ اگر شیعہ کا جو یہ اعتراض ہے کہ یہ طعن اہل سنت کی طرف راجع ہوتا ہے تو یہ اعتراض صحیح نہیں اس واسطے بادشاہ عادل ہونا جابر اس کی اطاعت بعض مباحات پر واجب ہے اگر اس سے واقفیت نہ ہو تو اس کے حکم سے حکم و قورع میں آئے گا۔ اس کے حکم کی تعمیل نہ ہوگی۔ اور اس وجہ سے واجب ترک ہو گا۔ یہ امر اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

اِمامٌ نہ ساء کہ امام کی اضافت مکلف کے زمانہ کی طرف ہے اور امام کا لفظ مفرد ذکر فرمایا ہے۔ اس واسطے کہ سابق ملوک کی اطاعت واجب نہیں تو ان کو پہنچانا بھی واجب نہ ہوا۔ لیکن ائمہ اور اوصیاء کے جو لوگ قائل ہیں ان کے خیال کی بنا پر ضروری ہے کہ ان سب ائمہ اور اوصیاء کی معرفت واجب ہو نہ یہ کہ صرف امام زمانہ کی معرفت واجب ہو کہ چاہیے کہ ان کے نزدیک سابق کے ائمہ کی معرفت زیادہ واجب ہو۔ اس واسطے کہ ان سے اخبار اور احکام مروی ہیں وہ قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

جس طرح یہ ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اخبار اور احکام مروی ہیں جن کا شہر قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے یہ امر امام زمانہ میں پایا نہیں جاتا ہے اور یہ جو شیعہ کا کلام ہے

کہ اس حدیث میں امام سے قرآن مراد ہے صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ امام کی اضافت اس شخص کے زمانہ کی طرف ہے اور اس سے واضح ہے کہ ائمہ میں تبدل ہوتا ہے مگر ائمہ اللہ کے جس قدر بھی زمانہ گذرے گا قرآن شریف میں تبدل نہ ہو گا۔ تو یہ کلام اس وجہ سے صحیح نہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ حال کا زمانہ تیسرے قسم کا زمانہ نہیں جو کہ زمانہ ماضی اور زمانہ استقبال کے علاوہ بلکہ حال کا زمانہ جو ہے زمانہ ماضی اور زمانہ استقبال کا متصل ہے۔ زمانہ حاضر کے ساتھ اس جُز کا امتداد مختلف ہوتا ہے اعراض کے اعتبار سے۔ مثلاً یہ ساعت، یہ دن، یہ مہینہ، یہ برس یہ قرن اور ہجرت کی یہ صدی یہ سب زمانہ

تصدیق جو بکریہ امر اموات کی محبت سے بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کی محبت سے بھی حاصل ہوتا ہے کہ جس کے ائمہ ہدایت اور خارج ہونے کا انتظار ہو۔ واللہ اعلم

جواب دیگر

(یہ جواب کسی دوسرے عالم نے دیا ہے) کہ شیعہ کا جو یہ قول ہے کہ فائدہ صرف اس میں منحصر نہیں کہ امام کا شاہد ہو اور اس سے مسائل اخذ کئے جائیں بلکہ صرف یہ بھی مفید ہے اور مقصود بالذات ہے کہ تصدیق کی جائے کہ امام موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ زمین پر ہے اور وہ ایک رکن ہے ارکان ایمان سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر قابل تسلیم نہیں کہ اس واسطے کہ امامیہ نے جو دلائل اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں ان سے ثابت کیا ہے کہ امام کی حاجت اس لئے ہے کہ اس سے مسائل اخذ کئے جائیں اور اختلافات دفع ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر بالفرض امام موجود ہو مگر اس سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوں تو یہ حاجت اس کے ذریعے سے دفع نہ ہوگی تو اس کا وجود کالعدم ہوگا اور جب ثابت نہ ہوگا اس کا وجود مفید ہے نہ اس کے وجود کی صرف تصدیق سے کیا فائدہ ہوگا۔ بلکہ اس کے وجود کی تصدیق مناسب نہیں۔ البتہ اس صورت میں کہ ہے کہ یہ لحاظ ہو کہ اس سے فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ جو قول ان کا ہے کہ تم جو طعن ہم پر کرتے ہو۔ وہ طعن تم پر ہی مائد ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:-

یہ طعن اہل سنت و جماعت پر عائد نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ رئیس کی اطاعت اہل سنت کے نزدیک اس امور میں واجب ہے جو شہر اور ملک کی سیاست کے متعلق ہیں اور یہ اطاعت اس صورت میں ممکن ہے کہ پہلے وہ واقفیت حاصل ہو۔ پھر اس کے بعد فرمانبرداری کی جائے جس طرح ضروری ہے کہ اولاد اپنے والدین سے واقف ہوں اور انہیں اپنے مولا سے واقف ہو اور زوج اپنے شوہر سے واقف ہو۔ اس واقفیت کے وجوب میں اس وجہ سے نقص لازم نہ آئے گا کہ والدین فاسق ہوں یا جاہل ہوں اور یہ یعنی مولا جاہل ہو یا فاسق ہو۔ اس واسطے کہ مثلاً اگر مولا جاہل بھی ہو۔ جب بھی اس کی اطاعت واجب ہے اور جب تک اس سے واقفیت نہ ہو ممکن نہیں کہ اس کا حق ادا کیا جاسکے اور اس چیز واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہے یہ جو امامیہ کا قول ہے کہ اس حدیث میں امام کی اضافت زمانہ کی طرف ہے اہل اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زمانہ میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اور مشران شریعت کبھی تبدیل نہ ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:-

اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی باعث اختلاف زمانہ کے تبدیل ہوتی ہے اس واسطے کہ نبی اسرائیل کے زمانے میں امام توریت تھی اور نصاریٰ کے زمانے میں امام انجیل تھی۔ اور اس وقت کے زمانے میں امام قرآن شریعت ہے اور عدم تبدیل مشن کا منافی نہیں اس امر کے کہ امام کی اضافت زمانہ کی طرف ہے البتہ یہ اس کے منافی ہے کہ ثابت ہو کہ کبھی امام زمانہ کا تبدیل نہ ہوا یعنی یہ ثابت ہو کہ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ کی تبدیل نہ ہوتی۔ اور حالانکہ یہ ثابت نہیں بلکہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ

کتاب تبدیل ہوتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ترکیب اس قول کی اس طرح ہے کہ کہا جائے کہ ہمارے زمانہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ زمانہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور فلاں شخص اپنے زمانے کے نبی ایمان لایا ہے اور ایسی ترکیب شائع و ذائع ہے تو معلوم ہوا کہ جو اعتراض کیا گیا ہے وہ صرف مخالف ہے۔

امامیہ کا جو یہ قول ہے کہ اگر یہ مراد ہو کہ قرآن شریف کے الفاظ اور معانی دریافت کئے جائیں۔ تو اکثر لوگوں کو دقت ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسمیں کچھ وقت نہیں اس واسطے کہ قرآن شریف کے معانی جس قدر جاننا دین اسلام پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ وہ معانی علماء اور مفسرین سے عام لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں بلکہ متواتر طور پر معلوم ہیں حتیٰ کہ وہ معانی بمنزل محسوسات کے ہو گئے ہیں۔ جیسے یہ احکام میں کو نماز فرض ہے اور زکوٰۃ واجب ہے اور زنا حرام ہے۔ اور سر قتلہ کبیر و سہ اور علیٰ هذا القیاس اس طرح کے اور جو دوسرے احکام ہیں۔ اس واسطے کہ ایسے احکام کے دریافت کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ قرآن شریف کے الفاظ کے صیغہ کی تحقیق ہو اور ترکیب نحوی معلوم ہو اور وجود عربیہ معلوم ہوں اور یہ بات صاف ہے۔ فقط۔ جمعہ ۹ صفر ۱۳۸۷ھ

سوال: یہ جو حدیث شریف ہے۔

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَبْعَثْ اِمَامًا نَزَّاهًا مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ ترجمہ: یعنی جو شخص مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کا امام نہ چھانا تو وہ جاہلیت کی موت مرنا کی کیا تشریح ہے؟

جواب: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پاک ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب امام موجود ہو تو واجب ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اس سے نزاع نہ کی جائے۔

اور اس کی مخالفت سے پرہیز کیا جائے۔ چنانچہ مضمون لفظ مات میتہ جاہلیہ سے ظاہر ہے اس واسطے کہ اہل جاہلیت ایک رئیس کی اتباع نہ کرتے تھے۔ اور ہر فرقہ کے لوگ اپنے اپنے لئے خدا خدا رئیس مقرر کرتے تھے۔ فقط

مترجم: اہل بیت کا امامت کے بارے میں نزاع کرنا جو منقول ہے یہ اکثر شیعہ نقل کرتے ہیں۔ اہل سنت کی تاریخ میں صرف ملک گیری اور میراث وغیرہ کا دعویٰ مذکور ہے۔ حضرت یحییٰ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ:-

مَنْ مَاتَ يَلْتَمِسُ فِي عَتَقِهِ بَيْعَةَ الْاِمَامِ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ ترجمہ: جو شخص مرا اور اس کی گردن میں امام کی بیعت نہیں یعنی اس نے امام سے بیعت نہ کی تو وہ جاہلیت کی موت مرنا

صحیح ہے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب امام کی امامت اہل مل و عقد کے اجماع سے منعقد ہو جائے اور وہ عادل ہو اور اس کا تسلط ہو جائے اور اس کی امامت میں کوئی نزاع کرنے والا نہ ہو۔ تو اس وقت اس کی بیعت قبول کرے

میں توقف کرنا جائز نہیں اور بعض صحابہ نے کہ اپنے وقت کے خلفاء سے بیعت نہ کی۔ اور توقف کیا۔ تو اس وقت تکسان خلفاء کی خلافت منعقد نہیں ہوئی تھی اور ان کا تسلط نہ ہوا تھا۔ فقط

ابن تیمیہ رحمہ کا کلام جو کہ منہاج السنہ وغیرہ کتابوں میں ہے اور اس کے عین کلام سے نہایت وحشت ہوتی ہے۔

خصوصاً ان امور سے بہت زیادہ وحشت ہوتی ہے کہ اس نے اہل بیت کے حق میں تعزیر کی ہے اور حضرت صلوات اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے منع کیا ہے اور غوث اور قطب اور آبدال سے انکار کیا ہے اور صوفیاء کرام کی تحقیر کی ہے اور اہل طہ کے اور بھی امور اس کے بعض کلام سے ثابت ہوتے ہیں اور ان مقامات کی نقل میرے پاس موجود ہے۔ اس کے زمانہ میں شام اور مغرب اور مصر کے علماء کرام نے اس کے کلام کی تردید کی۔ پھر اس کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کے کلام کی توجیہ کرنے میں نہایت کوشش کی۔ اور توجیہ کی مگر وہ توجیہ علماء کرام نے قبول نہیں کی۔ حتیٰ کہ محمد بن معین الدین مندی نے سیدنا صاحب کے زمانہ میں اس کے رد میں طویل رسالہ لکھا۔ اس کے کلام کو علماء اہل سنت نے رد کیا ہے اور علماء اہل سنت کے نزدیک اس کا کلام باطل ہے تو اس کے کلام کی وجہ سے اہل سنت پر کیونکر لعن ہو سکتا ہے۔

سوال : مسئلہ منصف کے احکام بیان فرمائیے ؟

جواب : اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ محدث اور حائض اور نفاس کے لئے قرآن شریف چھونے کے بارے میں کیا حکم ہے اور آپ نے مذاہب مختلفہ حنفیہ، شافعیہ اور بخاری کا لکھا ہے اس کے امداد کی ضرورت نہیں لیکن آپ نے جو لکھا ہے کہ :-

جس اونٹ پر قرآن شریف محمول ہو تو جائز نہیں کہ اس کی مہار جنب اور محدث اور حائض اور نفاس پر اس پر آپ نے لکھا ہے کہ یہ حکم شافعیہ کے نزدیک ہے تو کتب شافعیہ میں یہ موجود نہیں اور غلط ہذا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے یہ طریق مبالغہ کے کہا ہوگا۔ البتہ شافعیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ جس صندوق میں قرآن شریف رکھا ہو اور وہ صندوق وغیرہ اشخاص مذکورین کو اٹھانا نہیں چاہیے اور ایسا ہی اگر چمڑے کے ظرف میں مثلاً بیگ میں قرآن شریف رکھا ہو تو وہ وغیرہ اشخاص کو مذکورین کے لئے جائز نہیں کہ اس کو اٹھاویں اور یہ حکم بھی شافعیہ کے نزدیک ہے۔

بخاری کا مذہب جو آپ نے لکھا ہے تو بخاری نے اپنی کتاب میں اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے جنب کے لئے جائز رکھا ہے کہ قرآن شریف پڑھے تو اس سے استبراء ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک جنب کے لئے منصف بھی جائز ہو۔ اب چاہیے کہ سمجھ لیا جائے کہ ان سب مذہب کا اصل کیا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ مطالب حل ہو جائیں گے۔ اور سب شبہ و فح ہو جائے گا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں بخاری ہے۔

لَا يَسْتَسْئِرُ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ۔ ترجمہ : یعنی نہ چھونے قرآن حکیم کو کوئی سوا اس شخص کے کہ وہ پاک ہو۔ قرآن شریف کے چھونے کے مسئلے میں یہ حدیث اصل ہے اور قرآن شریف پڑھنے کے بارے میں یہ حدیث اصل ہے۔

لَا أَجِلُّ الْقُرْآنَ لِحَائِضٍ وَلَا لِحَنْبٍ ترجمہ : یعنی میں حلال نہیں کرتا قرآن شریف کو حائض اور جنبی کے لئے۔

اور جس صندوق میں قرآن شریف رکھا ہو اس کو اٹھانے کے بارے میں حائض اور جنب اور محدث اور

بے۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ یہ جو حدیث ہے۔
لَا يَسْتَسْئِرُ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ۔ یعنی قرآن شریف کو نہ چھونے سوا اس کے کہ وہ پاک ہو۔
تو اس حدیث میں قرآن سے حقیقت قرآن کی مراد نہیں۔ اس واسطے کہ حقیقت قرآن کی کلام نفسی ہے اور کلام نفسی معانی باری تعالیٰ سے ہے اس کو چھونا ناممکن نہیں اور ایسا ہی اس کلام نفسی پر جو وال ہے کہ وہ کلام نفسی ہے وہ بھی مراد نہیں اس واسطے کہ کلام نفسی کیفیت ہے کہ ہوا کے ساتھ قائم ہے اور اس کو بھی چھونا ناممکن نہیں اور جس کو چھونا ناممکن ہی نہیں تو اس کے لئے میں کیوں حکم ہو سکتا ہے کہ پاک شخص کے سوا دوسرا کوئی یعنی ناپاک شخص نہ چھونے معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف میں کلام نفسی مراد ہے اور نہ کلام نفسی مراد ہے بلکہ نقوش مراد ہیں کہ اس سے کلام نفسی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی مکتوب مراد ہے مفسرین کے کلام میں مثلاً کشف اور مدارک التنزیل وغیرہ میں اس معنی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین لکھا ہے :-

الْمَادَّةُ مِنَ الْمَرْقُوعِ مِنَ الْمَكْتُوبِ ترجمہ : یعنی مراد قرآن شریف کو چھونے سے حروف مکتوبہ کا چھونا ہے۔

اور اس عبارت سے مراد توجیہ ہے کسی کا مذہب بیان کرنا مقصود نہیں۔ اب یہ بیان کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں حنفی اور شافعی میں اختلاف کس طرح ہوا۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ :-

اس مقام میں بالاجماع قرآن شریف سے مراد مصحف ہے اور نفی سے ثابت ہے کہ محدث وغیرہ اشخاص مذکورین کے لئے مصحف کا چھونا حرام ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مصحف کس چیز کو کہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ مصحف سے لکھ کر کتاب کے نام سے عرف میں صرف اسی قدر مراد نہیں جس قدر جگہ میں حروف لکھے رہتے ہیں۔ بلکہ حوائش مصحف اور کتاب کے اور اہل الشطور اور جلد کر کتاب کے ساتھ متصل ہو اور خلافت کے جلد کے ساتھ متصل ہو ان سب کو مصحف اور کتاب کہتے ہیں۔

تو محدث وغیرہ اشخاص مذکورین کے لئے مصحف کی ان سب چیزوں کا چھونا حرام ہے جو حکم مکتوب کا ہے وہی حکم ان چیزوں کے بارے میں بھی دیا گیا ہے اس بنا پر کہ متصل اور منفصل دونوں کے حکم میں فرق ہے۔ چنانچہ ثابت ہے کہ زمین کی بیج میں وہ چیز بھی بیج میں داخل ہوتی ہے جو زمین کے ساتھ متصل ہو اگرچہ اس چیز کا ذکر نہ ہوا ہو۔ جو چیز اس زمین سے منفصل ہو وہ بیج میں داخل نہیں ہوتی مثلاً قتل اور برتن اور جانور جو اس زمین میں ہو، بیج میں داخل نہ ہوگا۔ بخلاف رحمت اور عمارت کے کہ یہ چیزیں بلا خلاف بیج میں داخل ہو جاتی ہیں جنہ کا مذہب صحیح ہوا۔ مثلاً قرآن شریف بخیر زمان

میں ہو اور جزو دان جملہ کے ساتھ چسپاں نہیں رہتا تو محدث وغیرہ اشخاص مذکورین کے لئے جزو دان کے اوپر سے چھونا جائز ہے خواہ لشکالے کے لئے فیتہ لگایا ہو۔ اور اس فیتہ وغیرہ کو پکڑا کے اٹھانے یا فیتہ وغیرہ نہ ہو۔ خاص مجزہ کو چھوئے۔

ایسا ہی چمڑے کے ظرف میں قرآن ہو مثلاً چمڑے کا خلاف ہو اور قرآن شریف کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو کہ اس کے اندر قرآن شریف ہو تو وہ بیگ بھی چھونا جائز ہے۔ اس واسطے کہ ان چیزوں کو اگر کوئی شخص چھوئے تو وہ اور نہ حقیقتاً پہنچا جائے گا کہ اس شخص نے قرآن شریف کو چھوا۔ شافعی حضرات کہتے ہیں کہ جب ظرف میں نور کیا جائے اور ایک کی جانب نظر کی جائے۔ اور احتیاط منظور ہو تو یہی کہا جائے گا کہ کسی شیء کا ظرف ہے۔ اگرچہ اس شیء سے مفصل ہو۔ مگر وہ ظرف حکم میں اسی شے کے ہوگا تو جس ظرف میں قرآن شریف ہو۔ اس ظرف کو اٹھانا اور وغیرہ اشخاص مذکورین کے لئے حرام ہے۔ اس واسطے کہ اٹھانے میں اس ظرف کو چھونا ضرور ہوگا۔ جو حکم ظرف کا ہے وہی حکم مظروف کا ہے۔ چنانچہ جس ظرف میں کوئی چیز جس کی عظمت کی جاتی ہے، رکھی ہو تو عرف میں اس کا چھونا جائز نہیں جانتے اور مقام ادب کو اس سے بھی زیادہ قابل لحاظ سمجھتے ہیں اور اب قیاس مساوات کو ہم درست کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی شیء کا ظرف ہو یا کسی شیء کے ظرف کا ظرف ہو اس کے لئے وہی حکم ہے جو اس شیء کے لئے حکم ہے جو اس ظرف میں ہو۔ قیاس مساوات اس جگہ صحیح ہے اس واسطے کہ مقدمہ بعینہ صادق ہے کیونکہ ظرف کا ظرف بھی ظرف ہوتا ہے لیکن اس مقام میں ممکن ہے کہ شافعیہ کو مناظرہ دیا جائے۔ اس طور پر کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جس گھر میں قرآن شریف کا صندوق رکھا ہو اس گھر کی دیوار کو بھی چھونا محدث کے لئے جائز نہ ہو تو اس کا جواب ثانی کی طرف سے یہ ہو سکتا ہے کہ ظرف شیء کی دو قسم ہے۔

- ۱۔ ایک یہ کہ جب کہا جائے کہ وہ شیء دوسری جگہ منتقل کی گئی تو اس سے عرف میں سمجھا جائے کہ وہ ظرف بھی اس شے کے ساتھ منتقل ہوا ہوگا۔ تو اس صورت میں وہ ظرف مقصود ہوتا ہے جو خاص اس شیء کے لئے ہوتا ہے۔
- ۲۔ دوسری قسم ظرف شیء کی وہ ظرف ہے کہ اس شیء کے منتقل ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ظرف بھی منتقل ہوا ہوگا۔ جیسا کہ مثلاً گھر ہوتا ہے اس واسطے کہ کہا جائے کہ موتی ڈبہ میں ہے اور ڈبہ گھر میں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موتی گھر میں ہے۔ لیکن موتی کے منتقل ہونے سے گھر نہیں منتقل ہوتا بخلاف ڈبہ کے کہ موتی کے منتقل ہونے سے ڈبہ بھی منتقل ہوتا ہے تو اس قسم کا ظرف خاص اس شیء کے لئے نہیں ہوتا اور اضافت واسطے اختصاص کے ہے۔ تو اس قسم کے ظرف کا چھونا حرام نہ ہوا۔ اس واسطے کہ حرام اس ظرف کو چھونا ہے جو خاص قرآن شریف کے لئے ہو۔ اور اسمیں قرآن شریف موجود ہو۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بالاجماع ثابت ہے کہ جس میں قرآن شریف کے الفاظ مکتوب ہوں بوجہ قرآنیت حتیٰ کہ اس کو بعض مصحف کر سکیں تو اس کو چھونا حرام ہے۔ چنانچہ کاغذ کا ایک پرچہ کہ اس پر قرآن شریف کی ایک آیت لکھی ہو یا توہیدان میں قرآن شریف کی آیت لکھی ہو۔ یا روپیہ کہ اس پر آیت قرآنی منقوش ہو تو حنفیہ کے نزدیک ان چیزوں کو چھونا حرام ہے ایسا ہی

یہی شے کے نزدیک بھی حرام ہے اس واسطے کہ الزام میں مرقوم ہے:-

وَلَا يَحْتَدُّ حَمْلُهُ فِي الْأَمْتَةِ وَالْعَدْلِ إِذَا لَوِيكُنْ مَقْصُودًا بِالْحَمَلِ دَانَ عَلِيمًا
ترجمہ: یعنی حرام نہیں اٹھانا اس اسباب کو جس کے اندر قرآن شریف ہو اور ایسا ہی نہیں اٹھانا اس بار شتر کو کہ اس کے اندر قرآن کریم ہو جبکہ خاص قرآن شریف کو اٹھانا مقصود ہو اگرچہ معلوم ہو کہ اس اسباب اور اس بار شتر میں قرآن کریم ہے۔

یہ ترجمہ انوار کی عبارت مذکورہ کا ہے بخلاف صندوق کہ اس میں صرف قرآن شریف رکھا ہوا ہو، یعنی شافعیہ کے نزدیک وہ صندوق اٹھانا محدث وغیرہ اشخاص مذکورین کے لئے حرام ہے اور ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے اس کا اشارہ یہ ہے کہ کسی شیء کا ظرف اس ظرف کو کہتے ہیں کہ وہ ظرف خاص اس شے کے لئے ہے بخلاف اس ظرف کے کہ اس شے کے لئے بھی ہو اور کسی دوسری شے کے لئے بھی ہو۔ بخاری کا مذہب چونکہ نہایت متروک العل ہے اس واسطے اس کی توجیہ کی ضرورت نہیں بخاری کی کتاب سے کوئی امر منقح نہیں معلوم ہوتا ہے بخاری کا استدلال صرف اس پر ہے کہ قیصر کے پاس جو خط بھیجا گیا تھا۔ اس میں قرآن شریف کی دو آیت لکھی تھیں تو صرف اس بنا پر یہ قول صحیح نہیں ہو سکتا کہ جب اور محدث کے لئے مصحف جائز ہے اس واسطے کہ کسی خط میں یا کسی کتاب میں دو ایک آیت لکھنا قرآنیت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ درجہ چاہیئے کہ محدث اور جب کے لئے کتاب گلستان کا بھی چھونا حرام ہو جائے۔ اس واسطے کہ اس میں قرآن شریف کی آیتیں ہیں، مثلاً یہ آیت ہے:-
اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقِيلَ لَهُ مِنْ عِبَادِيَ الشُّكْرُ

اس کے علاوہ اور بھی آیات اسمیں ہیں۔ ایسا ہی چاہیئے کہ ان خطوط کو بھی چھونا حرام ہو جائے جس میں مقام تعزیرت میں اٹھانے والا اللہ را جعون لکھا ہو اور مقام شکر میں الحمد للہ رب العالمین لکھا ہو۔ حالانکہ ایسی کتاب اور ایسے خطوط چھونا حرام نہیں چنانچہ کتب تفاسیر کہ جس میں بنسبت عبارت تفسیر کے قرآن شریف زیادہ نہ ہو تو اس کو چھونا جائز رکھا گیا ہے۔ یہ توجیہ اس مسئلہ میں مذاہب مختلفہ کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الاحال

قرأت قرآن حکیم مخارج کا بیان

سوال : مخارج حروف اور ضروریات قرأت کے بارے میں بیان فرمائیے ؟

جواب : ابتدائے سلام میں معمول تھا کہ رکوع اور سجدہ میں کہتے تھے ۔

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ فَالْكَبِيرُ بَيِّنَاتٍ وَالْعَظِيمَةُ تَوَجَّهَ سُورَةُ وَقَعْرَمِ نَازِلٌ هُوَ
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ یعنی پس تسبیح کی جسے اپنے پروردگار بزرگ کے نام کے ساتھ ۔ تو حکم ہوا کہ رکوع میں سُبْحَانَ
بہر بی العظیم کہ اگر پھر سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی ۔ تو حکم ہوا کہ سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَى کی تلاوت
کیا کریں ۔

اگر کوئی شخص قصد اور کوشش کرے اور یاد جو داس کے حرف ظا اس سے ادا نہ ہو سکے تو اسمیں کچھ مضائقہ نہیں اور
اس واسطے کہ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص قرآن شریف میں
ماہر ہو ۔ یعنی قرآن شریف کے الفاظ آسانی سے نکلیں اس کی زبان سے تو اس کا ثواب نیک بزرگ فرشتوں کے ساتھ
لکھا جاتا ہے اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور یاد جو کوشش کے اس کی زبان لغزش کرتی ہے اور اس سے حروف مشکل
سے نکلتے ہیں تو اس کو دو چند ثواب ہوتا ہے ۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُرْدَانِ مَعَ الشَّعْرَةِ الْكَرَامِ الْبَرْدَةِ وَالْكَرَامِ الْبَرْدَةِ
الْعُرْدَانِ وَيَتَخَفُّ فَيَنْبَغُ عَلَيْهِ شَأْنٌ لَهُ أَحْبَدَانِ ترجمہ : یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو
شخص قرآن شریف میں ماہر ہوتا ہے تو اس کا یہ درجہ ہے کہ گویا وہ ان نیک بزرگ فرشتوں کے
ساتھ ہے جو اعمال کے لکھنے والے ہیں اور جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے اور پڑھنے میں تلا ہے ۔
اور مشکل سے اس سے حروف ادا ہوتے ہیں تو اس کو دو چند ثواب ہوتا ہے ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے ۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۔

وَمِثْلُ الْقُرْآنِ تَنْزِيلًا ترجمہ : اور قرآن شریف کو واضح پڑھا کرو ۔

تزیل کا معنی لغت میں واضح پڑھنا چاہیئے ۔ قرآن شریف پڑھنے میں چند امور پر سکاٹ رکھنا ضروری ہے تاکہ قرآن
نزہت کے حروف وغیرہ بخوبی آجائیں ۔ اول تصحیح حروف ہے کہ ضاد کی جگہ ظا نہ نکلے اور تا کی جگہ ظا نہ نکلے ۔

دوسرا تحسین وقوف ہے کہ وصل اور وقف بے محل نہ ہو اور کلام میں تبدیل لازم نہ آئے ۔

تیسرا یہ ہے کہ اشباع حرکات ہے یعنی ضمۃ اور فتحہ اور کسرہ کو اس طرح ادا کرنا کہ ہر ایک میں فرق معلوم ہو

اور ایک دوسرے کے ساتھ مشتبہ نہ معلوم ہو

اور چوتھا امر یہ ہے کہ آواز کو کچھ بلند کرنا چاہیئے تاکہ بخوبی قرآن شریف کے الفاظ معلوم ہوں ادا ان الفاظ کا اثر دل پہ
اور یہ کیفیات مطلوبہ دل میں ظاہر ہوں مثلاً شوق و ذوق اور خوف و بیم ۔

اور پانچواں امر تحسین صوت ہے ۔

اور چھٹا امر یہ ہے کہ شد و مد کا لحاظ ہونا چاہیئے اس واسطے کہ شد و مد کی رعایت سے کلام کی عظمت معلوم ہوتی
ہے اور اس کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے اور جب وعید کی آیت پڑھے تو چاہیئے کہ توقف کرے اور دعا کے کراس
وعید سے پناہ ملے اور جب ثواب کی آیت پڑھے تو دہل بھی توقف کرے ۔ اور خدا سے وہ مطلب اپنے لئے
چاہے جس مقام میں حکم ہو کہ دعا کرنا چاہیئے تو بھی چاہیئے کہ توقف کرے اور وہ دعا کرے اور جس مقام میں حکم ہو کہ اللہ
تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے تو دہل بھی توقف کرے اور وہ ذکر کرے اور ان امور سے مقصود یہ ہے کہ قرآن شریف
میں فکر و غم نہ کرنا چاہیئے اور بخوبی سمجھ کر پڑھنا چاہیئے ورنہ اگر ان امور کی رعایت نہ کی جائے ۔ تو وہ تلاوت شعر
خوانی کے مانند ہوتی ہے ہمیشہ یہی خیال رہتا ہے کہ کب سورت ختم ہوگی کہ اس سے فراغت ہو جائے ۔

آداب تلاوت قرآن حکیم

سوال : آداب تلاوت قرآن حکیم کیا ہیں ؟

جواب : آداب تلاوت قرآن حکیم یہ ہیں :-

۱- باتہذیب قبلہ رو ہو کر بیٹھنا

۲- حروف بخوبی ادا کرنا ۔

۳- مد و شد کا لحاظ رکھنا کہ وہ نہ چھوٹے

۴- وقف کرنا ۔

یہ سب آداب ظاہری ہیں اور آداب باطنی یہ ہیں :-

۱- بتدی کو چاہیئے کہ وہ تصور کرے کہ گویا رب العزت کے حضور میں تلاوت کرتا ہوں ۔

۲- اللہ جل شانہ گویا امتداد کی جگہ پر بیٹھ کر سناتا ہے ۔

۳- منہ ہی کو چاہیئے کہ تصور کرے کہ یہ کلام بلا واسطہ خاص رب العزت سے سناتا ہوں ۔

فرق دونوں صورت میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں اپنی زبان سے پڑھنا ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ کا سنا ہوتا ہے
اور دوسری صورت میں حضرت رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے اور اپنے کان سے سنا ہوتا ہے اور یہ حضرت ام جعفر صادق رضی

ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الشیوخ رحمہ اللہ نے عوارض المعارف میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

اِنِّیْ لَا اَخْتَارُ الْاِیْمَةَ حَتّٰی لَا تَسْمَعُهَا مِنْ قَابِلِهَا۔ ترجمہ: آیت پڑھتا ہوں اور بار بار اس کا تکرار کرتا ہوں اس وقت تک کہ وہ آیت اس کے قائل سے یعنی اللہ تعالیٰ سے سن لیتا ہوں۔

اور شیخ الشیوخ نے عوارض میں یہ کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس وقت بمنزلہ وراثت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہوتے تھے۔ اور انی انا اللہ رب العالمین کہتے تھے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال: دارالاسلام دارالحرب ہو سکتا ہے یا نہیں۔
جواب: معتبر کتابوں میں اکثر یہی روایات بخاری ہے کہ جب تین شرطیں پائی جائیں تو دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے درمختار میں لکھا ہے:-

لَا تُصَيِّرُ دَارُ الْاِسْلَامِ دَارَ الْحَرْبِ اِلَّا بِمُؤَيَّدَةٍ ثَلَاثَةٍ بِاِجْزَاءِ اَحْكَامِ اَهْلِ الشَّرَاةِ بِاِثْمَالِهَا بِدَاِئِرِ الْحَرْبِ دِيَانًا لَا يَتَّبِقُ فِيْهَا مُسْلِمٌ اَوْ تَحْتِ اَمْنًا لَا اَمَانٌ اَدْلَ عَلَى نَفْسِهِ وَدَاِئِرِ الْحَرْبِ تُصَيِّرُ دَارَ الْاِسْلَامِ بِاِجْزَاءِ اَحْكَامِ الْاِسْلَامِ فِيْهَا اَنْتَهٰی۔

یعنی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو سکتا مگر جب تین امور پائے جائیں۔

۱- دہاں مشرکین کے احکام جاری ہو جائیں۔

۲- اور وہ دارالاسلام دارالحرب سے مل جائے۔

۳- اور وہاں کوئی مسلمان باقی نہ رہے اور نہ وہاں کوئی ایسا ذبحی کافر رہ جائے جو پہلے مسلمانوں سے پناہ لے کر رہا ہوا ہو اب بھی اسی پناہ کی وجہ سے ہو۔

اور دارالحرب اسی حالت میں دارالاسلام ہو جاتا ہے کہ اہل اسلام کے احکام اس میں جاری ہو جائیں اور کافی میں لکھا ہے:-

اِنَّ الْمَوَازِيْدَ اِلَى الْاِسْلَامِ بِلَاذٍ تُجْبَرُ فِيْهَا حُكْمُ اِمَامِ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَكُوْنُ تَحْتَ قَهْرِهِ

وَيَبْدَاُ الْحَرْبُ بِلَاذٍ تُجْبَرُ فِيْهَا اَمْوَالُهُمْ طَيِّبَةً وَتَكُوْنُ تَحْتَ قَهْرِهِ اَنْتَهٰی

ترجمہ: یعنی دارالاسلام سے مراد وہ شہر ہیں جن میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ شہر اس کے زیرِ حکومت ہوں اور دارالحرب سے وہ شہر مراد ہیں جن میں ان شہروں کے سردار کا حکم جاری ہو اور اس کے زیرِ حکومت ہو، یہ کافی کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہرگز جاری نہیں۔ نصاریٰ کے حکام کا حکم ہے وغیرہ جاری ہے اور احکام کفر کے جاری ہونے سے یہ مراد ہے کہ مقدمات انتظام سلطنت اور بندوبست رعایا و تحصیل خراج اور باج و عشر اموال تجارت میں حکام بطور خود حاکم ہوں اور لوگوں اور چوروں کی سزا اور بنایا کے باہمی معاملات اور مجرموں کی سزائے مقدمات میں کفار کا

کام جاری ہو اگرچہ بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ وعیدین اور اذان اور گواہی میں کفار تعرض نہ کریں۔ لیکن ان چیزوں کا اصل اصول ان کے ایک بے فائدہ ہے کیونکہ مسجدوں کو بے تکلف منہدم کرتے ہیں۔ جب تک یہ اجازت مذہب کوئی مسلمان اور کافر ذمہ ان اطراف میں نہیں آسکتا۔ مسلماً وادین اور مسافریں اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے۔ دوسرے امر مثلاً شجاع الملک اور دلتی بیگم اجازت ان کے شہروں میں نہیں آسکتے اور اس شہر سے کلکتہ تک ہر جگہ نصاریٰ کا عمل ہے۔ البتہ دائیں اور بائیں مثلاً حیدر آباد، کھنوا اور امپور میں ان کا حکم جاری نہیں کیونکہ ان مقامات کے والیان ملک نے ان سے صلح کر لی۔ اور ان کی فرمانبرداری منظور کر لی اور احادیث اور صحابہ کرام اور خلفائے عظام کی رائے سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ نبی پر بوجہ دار الحرب ہے۔ حالانکہ جمعہ اور عیدین اور اذان اس جگہ جاری تھا مگر وہاں کے لوگوں کو سکر زکوٰۃ سے انکار تھا۔ اور ایسا ہی سماعہ اور اس کے اطراف اور جوانب کے بارے میں یہ حکم تھا کہ دارالحرب ہے حالانکہ ان شہروں میں مسلمان بھی تھے۔

علیٰ حذا القیاس خلفائے کرام کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ بلکہ حضرت سیف بن حرب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں یہ حکم فرمایا تھا کہ مذکورہ دارالحرب ہے۔ حالانکہ ان مقامات میں اہل اسلام کے تجارتی بلکہ وہاں کے بعض باشندے بھی وہاں قریبی مسلمان تھے اور فداک اور خیر مدینہ منورہ سے نہایت متصل تھا

باقی یہ مسئلہ کہ کفار حرب کے بارے میں کیا حکم ہے آیا وہ آزاد ہیں یا غلام ہیں تو اس مسئلہ میں بھی روایتیں نہایت مختلف ہیں۔ اکثر فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ کفار حربی کے غلام ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ مغلوب ہو جائیں۔ اور زیرِ نگرانی دارالاسلام رہ جائیں۔ تو وہ مسلمانوں کی ملک میں داخل ہو جاتے ہیں یعنی غلام ہو جاتے ہیں۔ اور بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کفار حربی اپنی خوشی سے یا مجبور ہو کر اپنی اولاد اور اہل گھر کو فروخت کر دیں اور اس معاملہ کا ان لوگوں میں رواج بھی ہو تو ان کی اولاد اور ان کا گھرانہ غلام ہو جائیں گے اور حدیث شریف سے یہی مذہب قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اکثر غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت اسی طور پر ہوتی۔

مثلاً زید بن حارثہ اور سلمان فارسی وغیرہ بعض کی بیع اسی طور پر ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ملکیت تسلیم فرمائی تھی اور جامع الرموز میں لکھا ہے۔

وَيَسْمَلُكَ بِهٖمَا بِالْاِسْتِیْلَاءِ وَالْاِحْرَانِ حَرْبُهُمْ لَاسْتِیْلَاءٍ عَلٰی مِیَاحٍ فَلَوْ اَهْدٰی مَلِکٌ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ اِلٰی مَسْلَمٍ هَدِیَّةً مِنْ اِحْرَارٍ هَدِیَّةً مَلَکَةً اِذَا كَانَ ذَا قَرَابَةٍ لِّهٖ وَلَوْ خَلَّ دَاِیْمًا مَسْلُوْیًا مِّنْ اَحَدٍ شَرِّیٍّ مِنْ اَحَدٍ هَدِیَّةً لِّهٖ اَوْ اَخْرَجَهُ اِلٰی دَاِیْمًا مَلَکَةً وَاکْثَرُ الْمَشَاخِعِ عَلٰی اَنَّهُ لَا یَسْتَلِکُہُ فِیْ دَاِیْمٍ هُوَ وَالصَّحِیحُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ یَسْلَکُہُ حَتّٰی یُجْبَرَ عَلٰی اَخْرَاجِہٖ وَعَنْ ابْنِ یُوْسُفَ لَا یُجْبَرُ وَقَالَ الْکُتُبُیُّ مِمَّنْ اَنْ کُنُوْا یَوْنٌ جَوَانِ الْبِیْعِ فَالْبِیْعُ جَائِزٌ وَالْاِفْلَکُ مَا فِی الْمَحِیْطِ وَفِیْہِ اشْعَارٌ بِانْ الْکُفَّارِ فِیْ دَاِیْمٍ هُوَ اِحْرَارٌ وَلِیْسَ کَذٰلِکَ فَاَنْهٰی اَرْسَادُہٗ فِیْہَا وَانْ لِّوَلِیِّکُمْ مَلَکٌ لَّا یُحَدِّثُہٗ عَلٰی مَا فِی عِتَاقِ الْمُسْتَصْفٰی وَغَیْرُہٗ

یعنی کفار کے آزاد جب مغلوب ہو جائیں یا زیرِ سرِ است ہو جائیں تو وہ مملوک یعنی غلام ہو جاتے ہیں کبیر کو یہ براح چیز پر قبضہ کر لینا ہے تو اگر دارِ الحرب کے کسی بادشاہ نے کسی مسلمان کے پاس بطور تحفہ کچھ بھی اپنے آزادوں میں سے کسی آزاد کو تو وہ مسلمان اس کافر کا مالک ہو جائے گا۔ مگر جب اس مسلمان اور اس کافر میں کوئی قرابت ہو تو وہ مسلمان اس کافر کا مالک نہ ہوگا۔ اگر دارِ الحرب میں کوئی مسلمان داخل ہو اگلیس پناہ لے کر پھر اس مسلمان نے وہاں کسی کافر سے اس کا لو کا خرید لیا۔ پھر اس لڑکے کو دارِ الاسلام تک جبرائے آئے۔ تو وہ مسلمان اس لڑکے کا مالک ہو جائے گا اور اکثر مشائخ کے نزدیک یہ ہے کہ دارِ الحرب میں اس لڑکے کا وہ مسلمان مالک نہ ہو سکے گا۔ اور یہی صحیح ہے اور امام محمد رحمہ سے روایت ہے کہ وہ مالک ہو جائے گا۔

حتیٰ کہ وہ مسلمان مجبور کیا جائے گا کہ اس لڑکے کو دارِ الاسلام میں لے آئے۔ اور امام ابو نعیم کے نزدیک یہ ہے کہ اس امر کو مجبور کیا جائے گا اور امام کنی رحمہ کا یہ قول ہے کہ اگر وہاں کے کفار کے نزدیک ایسی خرید و فروخت جائز ہو تو وہ بیع جائز ہو جائیگی ورنہ وہ بیع جائز نہ ہوگی۔ ایسا ہی محیط میں ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار دارِ الحرب میں آزاد ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں وہ لوگ دارِ الحرب میں غلام ہیں۔ اگرچہ وہ کسی کی ملک میں نہیں یہ مسئلہ مستثنیٰ وغیرہ کے آزاد کے بیان احکام میں مذکور ہے۔

مسائل نماز

سوال : اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ كَيْ تَشْرِيْعُ فَرَمِيْعُ

جواب : قول مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے :

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ يَنْجُسُ مَوْسِمٌ نَجَسٌ نَجِسٌ نَجِسٌ

یہ کلام مبارک جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کے وارد ہوا۔ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب تھے اور اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے پرہیز کیا تو پھر غسل کیا اور مسجد مبارک میں آئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چلے جانے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں جب تھا تو مجھ کو بڑا معلوم ہو کہ میں اس حالت میں آپ کے حضور میں بیٹھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ تَرْجِمَ : تحقیق کہ مؤمن نجس نہیں ہوتا ہے۔

تو مراد اس سے یہ ہے کہ مؤمن نجس نہیں ہو جاتا ہے کہ اس نجاست کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف اور کلام کرنا اور صحبت رکھنا منع ہو جائے۔ مقتصد اس سے یہ ہے کہ مؤمن کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور اس کے اعمال اچھے ہوتے ہیں اور اس کے اخلاق عمدہ ہوتے ہیں تو مؤمن اگر بہرہ جنب بھی ہو مگر ان خوبیوں کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کہ اس کی صحبت سے

ظہر کی جائے بخلاف کافر کے کہ کافر اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ صحبت رکھی جائے اور اس کی چہنیشی اختیار کی جائے بلکہ مراد ہے کہ اس کے ساتھ ہم چٹھی بھی نہ کی جائے۔ مامم بن ثابت کا واقعہ جو سنہ ۷۰ھ میں ہوا کہ انہوں نے عہد کیا تھا اللہ تعالیٰ سے کہ ان کو مشرک کبھی مس نہ کرے گا تو شہادت کے بعد ان کا بدن اشرفی سے داغ لگایا تو یہ ان کے کمالِ نفس کی وجہ سے ہوا یا اس وجہ سے ایسا کیا گیا کہ انہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ عہد ان کے حق میں لازمی مذکر کے مانند تھا۔ اگر کہا جائے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ مؤمن مطلقاً کسی حالت میں نجس نہیں ہوتا ہے تو یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ مؤمن کبھی محدث ہوتا ہے کہ اس پر وضو واجب ہوتا ہے اور کبھی جنب ہو جاتا ہے کہ اس پر غسل واجب ہے اور اس حالت میں اس پر نماز پڑھنا اور قرآن شریف پڑھنا اور سجدہ داخل ہو یا صرام ہو جاتا ہے اور جب نجاست کے انواع سے ایک طرح کی نجاست کے بارے میں خاص حکم قرار پایا کہ اس نجاست کی نفی مؤمن سے کی گئی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ خاص طرح کی نجاست خاص مشرکین میں ہے اور عام طور پر ان میں نجاست نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ متواتر طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ کسی خاص ضرورت سے احتیاط رکھا اور ان کے ساتھ مصافحہ کیا اور ان کے ساتھ نشست رکھی اور ان کو مس کیا اور ان کے ساتھ کھانا اور پھل کھایا۔ اور ان کا بنا جو اکر لپٹا پہنا کس طرح کہا جائے کہ یہ ثابت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جب پہنا اور اس وقت اہل شام کفار تھے۔ البتہ اگر مشرکین کا کوئی فرقہ ایسا ہو کہ ان لوگوں کے بارے میں یقین ہو یا ظن ہو کہ وہ لوگ نجاست کو بڑا نہیں جانتے ہیں مثلاً ہنود کو بر سے پرہیز نہیں رکھتے ہیں اور مثلاً انصاری کہ وہ لوگ شراب اور خنزیر سے پرہیز نہیں رکھتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ کھانا حرام ہے کہ ان کے برتن میں بلا دھوئے پانی پیا جائے۔

سوال : کیا مشرکین نجس ہیں شرعی نجاست کی تفصیل بیان فرمائیے ؟

جواب : تفسیر آیت اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ مَا عَاهَدُوْهُ

ترجمہ : مشرکین نجس ہیں تو چاہیئے کہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں :-

تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اس آیت سے مشرک کی نجاست معلوم ہوتی ہے تو اس نجاست کی تحقیق میں علماء کرام میں اختلاف ہے ائمہ زیدیہ سے ہادی نے کہا ہے کہ کتے اور خنزیر کے مانند ان کا بدن نجس ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ البوشی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :

مَنْ صَافَحَ مُشْرِكًا فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ اَوْ لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ تَرْجِمَ : ترجمہ جو شخص مشرک سے مصافحہ کرے، تو

چاہیئے کہ وہ مؤمن نہ ہو۔ یا اپنی دونوں ہتھیلی دھو لے :-

اور ابن مردویہ نے ہشام بن عروہ کی روایت بیان کی ہے کہ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ انہوں نے کہا :-

اَسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَاقَلَهُ يَدَهُ فَاَبَى اَنْ يَقْبَلَهُ فَقَالَ

يَا جِبْرِيلُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاخُذَ بِسَيْدِي قَالَ اِنَّكَ اخَذْتَ بِرَبِّكَ فَيُحْيِي فَتَكْفُرُ اَنْ يَخْلُصَ يَدِي
يَدَا اَقْدَمَهَا يَدَكَ فَاذْهَبْ عَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا دَفَعَتْهُمَا فَمَنَّاوَلَهُ يَدَا
فَمَنَّاوَلَهُمَا

ترجمہ: روح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف۔ پس اپنا ہاتھ ان کی طرف
بڑھایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ہاتھ پکڑنے سے انکار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
جبرائیل کس چیز نے باز رکھا آپ کو میرا ہاتھ پکڑنے سے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے
ایک یہودی کا ہاتھ پکڑا ہے۔ مجھ کو کراہت پیدا ہوئی۔ کہ میرا ہاتھ ایسے ہاتھ کو مس کرے کہ اس کو کافر
کے ہاتھ نے مس کیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا اور پھر اپنا ہاتھ بڑھایا
تو حضرت جبرائیل نے دست مبارک پکڑ لیا۔

ظاہر ہے کہ اس استدلال میں تامل ہوتا ہے اس لئے کہ شرع میں وارد نہیں کہ نجس چیزیں مس کرنے سے وضو واجب
ہو جاتا ہے۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ صرف جس جگہ نجاست لگی ہے وہ جگہ دھوئی جائے۔ تو اگر مشرک نجس العین بھی ہوتا تو اس کو
مس کرنے سے وضو لازم آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ اس کی نجاست دوسری طرح کی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیق آئندہ
آنے گی یہ استدلال نہایت مہربانی کے ساتھ کالمان ہے۔ فلان یقرؤ المسجد المحرم سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرک کا بدن نجس ہے
وجہ یہ ہے کہ یہ حکم اگر اس وجہ سے ہوتا کہ مشرک کا بدن نجس ہے تو یہ حکم صرف مسجد محرام کے بارے میں نہ ہوتا اور یہ اعتراف
ہے اور علاوہ اس کے مسند عبد الرزاق اور تفسیر ابن جریر اور ابن نظر اور ابن مردودہ اور ابن ابی حاتم اور ابی الشیخ میں مذکور ہے
کہ قتادہ کی روایت مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ

لَا يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ مُشْرِكٌ بَعْدَ عَامِي هَذَا أَبَدًا إِلَّا أَهْلَ الْعَهْدِ وَخَدَّ مَكَّةَ تَرْجَمَ: یعنی
مسجد الحرام میں اس سال کے بعد مشرک کبھی داخل نہ ہوں۔ سوائے کفار کے کہ ان کے ساتھ اہل اسلام نے
صلح کا عہد کیا ہو اور سوائے کفار کے کہ وہ تم لوگوں کے خادم ہوں ۱۱

اگر مشرک کی نجاست بذاتہ ہوتی تو اہل عہد اور غلام متثنیٰ کیوں کہتے جاتے۔ اسی وجہ سے فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے
کہ مشرک کا بدن ظاہر ہے اور یہ مسئلہ دلیل نقلی اور دلیل عقلی سے ثابت کیا ہے۔

دلیل نقلی یہ ہے کہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اب تک برابر شائع اور رائج ہے کہ اہل اسلام مشرکین کے بدن سے
پانی پیتے ہیں اور مشرکین اپنے ہاتھ سے پانی لے آتے ہیں اور وہ پانی اہل اسلام پیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے مدائن
میں ایک دہقان کے ہاتھ کا پانی پیا۔ اور ایسا ہی حضرت عمرؓ نے نحرانی کے گھر کے پانی سے وضو کیا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات
وقوع میں آئے ہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ ہندو اور سندھ اور حبش اور بربر سے اور جو کس فارس کے یہاں سے اور خراسان
سے کپڑا عریض جاتا تھا۔ اور وہ کپڑاؤں کے اہل اسلام پہنتے تھے۔ اور اس سے کچھ انکار نہ رکھتے تھے اور مثلاً شہداء اور گمراہی

مشرکین کے یہاں کی کھاتے تھے۔ تو اگر مشرکین کا بدن نجس ہوتا تو اہل اسلام ایسا کیوں کرتے اور خصوصاً اہل کتاب
اور انصاری سے ہیں ان کی عورتوں کے ساتھ بالاجماع نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ ظاہر دلیل اس امر کے لئے ہے کہ مشرکین
بذاتہ نجس پاک ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر مشرکین کا بدن نجس العین ہوتا تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا بدن تبدیل کس طرح ہو جاتا ہے اس
عقلی دلیل سے ثابت ہے کہ اسلام کا اثر صرف ان کی روح میں پہنچتا ہے اور میرے نزدیک اس میں بحث ہے
بذاتہ کا اجماع سے ثابت ہے کہ انقلاب حقیقت سے طہارت حاصل ہوتی ہے چنانچہ علماء کرام نے کہا ہے کہ جب
انکس کی کان میں ڈال دیا جائے اور نمک ہو جائے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے ایسی اور بھی صورتیں ہیں کہ جب کافر اسلام سے
طہارت ہوتا ہے تو اس کے احکام متغیر ہو جاتے ہیں کہ اسلام کی وجہ سے معصوم الدم ہو جاتا ہے یعنی اس کے قتل سے ممانعت ہو جاتی
ہے اور وہ شہادت اور کفایہ اور ولایت وغیرہ کا قابل ہو جاتا ہے۔ اس کی حقیقت حکماً تبدیل ہو جاتی ہے اگرچہ حقیقتاً تبدیل
نہ ہوتی ہے۔

مثلاً لڑکی جب بالغ اور غلام جب آزاد کر دیا جائے۔ تو اس کی حقیقت بھی حکماً تبدیل ہو جاتی ہے تو یہ بعید نہیں کہ یہ
بذاتہ حقیقت انقلاب شمار کیا جائے۔ اور کہا جائے کہ بحالت شرک اس کا بدن نجس تھا اور بعد اسلام اس کی طہارت کا حکم ہوا۔
یہ علماء کرام کا یہ قول ہے کہ اسلام کی تاثیر ان کے بدن میں نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ صرف ان کی روح میں ہوتی ہے تو اس کے جواب
میں کہتے ہیں کہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اسلام کی تاثیر بالذات ان کے بدن میں نہیں ہوتی ہے تو یہ مسلم ہے اور اس سے حکایت
میں ضرر نہیں۔ اس واسطے کہ ہم تاثیر ذاتی کے قائل نہیں اور نہ اس کی اس امر میں کچھ ضرورت ہے کہ نجاست کی صفت
ذات کے ساتھ منقلب ہو جائے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اسلام کی مطلقاً تاثیر ان کے بدن میں نہیں ہوتی ہے تو یہ قابل تسلیم
ہے اس واسطے کہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ اسلام کے بعد وہ معصوم الدم ہو جاتے ہیں اور یہ صرف بدن کے احکام سے ہے
بذاتہ یہ حکم طہارت کا بھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روح اور بدن میں نہایت درجہ کا امتزاج ہے کہ ایک کا حکم دوسرے میں اثر
کرتا ہے تو جب روح بالذات ظاہر ہوتی تو بدن بھی بالعرض ظاہر ہوتی۔

سوال: شرعی نجاست کے طبقات کی تفصیل کیا ہے مشرکین نجس بذاتہ ہیں کیا؟

جواب: اس مقام کی تحقیق کیا ہے کہ شرعی نجاست کے چند طبقات ہیں اور ہر طبقہ کے لئے علیحدہ حکم ہے
اور اہل نجاست جیسے ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

ایک ایسی نجاست ہے کہ وہ صرف وہم کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے عقل کے نزدیک اس کی نجاست ثابت
نہیں بلکہ وہ نجاست عقل کے خلاف ہے۔ جسے ناک کا پانی اور نگوک اور وہ یقیناً کذاص بول اور براز کے لئے
بنایا گیا ہو اور ہنوز اس میں بول و براز نہ لگا ہو۔ یا بول و براز لگنے کے بعد دھو کر پاک کیا گیا ہو۔ اس طرح کی نجاست
کو معتدرات کہتے ہیں۔ نجاست نہیں کہتے۔ اور جو اس سے پرہیز نہ کرے اس کو معتطف کہتے ہیں معتطف نہیں
کہتے اور یہی فرق تنطیع اور تطہیر میں ہے۔ شرح میں اس کا اعتبار مساجد اور نماز کے مقام میں ہے۔ چنانچہ مسجد

میں تھوکنے کے بارے میں وحید وار وہی اداؤنٹ کے رہنے کی جگہ میں اور حمام وغیرہ ایسی جگہوں میں نماز پڑھنا منع ہے۔

۱۔ نجاست جسمیہ ایسی نجاست ہے کہ وہم اور عقل دونوں کے ذریعے معلوم ہوتی ہے اور وہ نجاست حقیقیہ ہے مثلاً بول اور برازا اور دم مسفوح یعنی جاری خون اور حیوانات کا فضلہ وغیرہ اور جو اس طرح کی چیزیں اس نجاست کا شرع میں بھی انتہا ہے چنانچہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو ایسی نجاست کا وضو واجب ہے اور بلا اشد ضرورت کے ایسی نجاست بدن اور کپڑے میں لگنا حرام ہے۔

۲۔ نجاست حکمیہ ایسی نجاست ہے کہ صرف عقل کے ذریعے معلوم ہوتی ہے اور وہم کو اس میں دخل نہیں اور یہ نجاست چند طرح کی مختلف طور پر ہے۔ بعض ایسی نجاست ہے کہ اس وقت عقل سے معلوم ہوتی ہے کہ جب عقل شرع کے نور سے منور ہو جائے۔ اور وہ نجاست حکمیہ ہے مثلاً حدیث اور منی اور حیض اور نفاس کا خون نکلنے سے وہم کے ذریعے سے نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ جب عقل شرع کے نور سے منور ہوتی ہے تو اس وقت عقل کے ذریعے سے یہ نجاست معلوم ہوتی ہے جو حدیثیات کی حالت ہے اس وقت انسان کو اس نجاست سے اسی قدر نفرت ہوتی ہے کہ جس قدر نجاست حقیقیہ سے نفرت ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ متفرق ہو جاتا ہے۔

بعض نجاستیں ایسی ہیں کہ عقل کے ذریعے بھی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ جب ملائکہ کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔ اور ان کی مصاحبت کا اتفاق ہوتا ہے تو اس وقت عقل کے ذریعے سے وہ نجاست معلوم ہوتی ہے جیسے کذب اور غیبت اور پختی کی نجاست ہے اور اسی طرح کی نجاست بعض اخلاق ذمیمہ کی بھی ہے کہ ایسے اخلاق بعض نفس میں ہوتے ہیں مثلاً صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتے اس شخص کے پاس سے دور چلے جاتے ہیں اور اسی طرح کی یہ سب نجاست ہیں۔ یعنی شراب اور مسکرات کی نجاستیں اور سود کے رویہ کی نجاست اور زانی اور زانیہ کی نجاست، نجاست کی قییم حقیقیہ طبقہ ثانیہ سے یعنی نجاست روحانیہ ہے لیکن چونکہ اس کی تاثیر اعمال اور اخلاق میں ہوتی ہے۔ اس وجہ سے جب وہ اعمال اور اخلاق بدن کے ساتھ معلق ہوتے ہیں اور ملائکہ کے ساتھ مصاحبت ہوتی ہے تو اس کا اثر بدن میں بھی معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کے تناول فرماتے سے یہ بیز فرماتے تھے کہ اس میں بقولات ہنس اور بیاڑ وغیرہ جیسی چیزیں ہوتیں اور اگر کسی محل میں کھانا ایسی چیز حاضر کی جاتی تو اپنے ساتھ کے صحابہ کرام رکھ کر فرماتے کہ تم کھاؤ۔ اس واسطے کہ میں اس کے ساتھ مخاطب ہوں ہوں کہ تم اس کے ساتھ مخاطب نہیں ہوتے۔

۳۔ چونکہ طبقہ نجاست کا نجاست روحی ہے۔ اس کی قسموں میں سب سے زیادہ قبیح شرک ہے اور یہ نجاست کسی طرح عقل کے ذریعے سے دریافت نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ طبقات نجاست کے مختلف ہیں اس وجہ سے ہر طبقہ کے بارے میں حکم بھی علیحدہ ہے۔ طبقہ اولیٰ کی نجاست کے بارے میں حکم یہ ہے

کتاب خاص و عام پر واجب ہے کہ ہر جگہ ہر وقت اس سے پرہیز کریں۔ البتہ بوقت ضرورت معاف ہے مثلاً دعا و اتم ہو یا ایسا ہی اور کوئی عذر ہو اور طبقہ ثانیہ کی نجاست کے بارے میں حکم ہے کہ خاص اذکیہ صاحبان شرف پر واجب ہے کہ اس سے پرہیز کریں مثلاً صدقہ کا مال بنی ہاشم کے حق میں حرام ہے۔ دوسروں کے حق میں حرام نہیں اور مثلاً روزہ کی حالت میں فساق کے ساتھ اختلاط رکھنا ہے اور اسی قبیل سے روزہ کی حالت میں غیبت اور کذب بھی ہے۔ نجاست کے طبقہ ثالثہ کے بارے میں حکم ہے کہ کسی پر واجب نہیں کہ اس سے پرہیز کرے۔ بلکہ اس کا حکم صرف مسجد حرام کے بارے میں علیحدہ ہے کہ وہ قید نماز کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے اور امام مالک رحمہ نے باقی سب مساجد کو بھی مسجد حرام پر اس بارے میں قیاس کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ سب مساجد میں بھی مشرکین کا جانا منع ہے۔ لیکن جہور کے نزدیک مسجد حرام اور دوسری مساجد میں فرق ہے اس واسطے کہ اور مساجد بمنزلہ خلیفہ مسجد حرام کے ہیں۔ اور بمنزلہ اس کے ظل کے ہیں اور مسجد حرام اس امر میں اصل ہے کہ قبلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے۔ تو مسجد حرام کا خاص مرتبہ ہے کہ وہ مرتبہ دوسری مساجد کا نہیں اور اگر اس کی زیادہ توضیح منظور ہو۔ تو لحاظ کرنا چاہیے کہ سب زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور اسی وجہ سے شارع نے فرمایا ہے۔

بُجِعِلْتُ إِلَى الْأَرْضِ مَسْجِدًا وَطَهُورًا أَنَا بِنَاءٌ مَجْلٍ وَمِنْ أُمَّتِي أَذْمَرْتُ الصَّلَاةَ قَلِيلًا
یعنی زمین ہمارے لئے مسجد کی جگہ اور پاک بنائی گئی ہے تو میری امت کے ہر شخص کے لئے حکم ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز پڑھے۔

لیکن چونکہ زمین میں بندہ کا دعویٰ ملکیت کا ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ سب زمین کا خالص اللہ ہونا محل اشتباہ اور فرق ہو اگر زمین کا بعض حصہ علیحدہ کر دیا جائے تاکہ وہ خالص اللہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مقرر کر دیا جائے اور مسجد کہتے ہیں تو ایسے مواضع اس کے مالک کی تخصیص کرنے سے خالص اللہ ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ خاص اللہ تعالیٰ نے وہ مواضع خاص کر دیئے ہوں کہ خالص اللہ ہوں اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کو خاص اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرما دیا ہے کہ وہ خالص اللہ ہیں تو جس قدر مواضع کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان سب میں یہ دونوں مسجد افضل ہیں۔ بلاشبہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی قبیلم کا کوئی بادشاہ جو نوکھا جائے گا کہ وہ سب اقلیم اس بادشاہ کی ہے اور اس تعلیم کے سب مواضع کی نسبت اللہ تعالیٰ اس کی طرف ہوگی۔ پھر بعض مواضع کی تخصیص اس بادشاہ کے ساتھ ہو جائے مثلاً ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر قریہ میں ہر حکام کے اجلاس کے لئے ہو تو گویا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک عام مساجد ہیں۔

مثلاً بعض مواضع کو خاص سلطان بذاتہ اپنے لئے مخصوص کرے مثلاً قلعہ کہ دار الخلافہ ہو تو جو لوگ بادشاہ کی طرف توجہ رکھیں گے گویا وہ جگہ ان لوگوں کے لئے مخصوص بمنزلہ قبلہ کے ہوگی۔ اسی طرح مسجد حرام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس وجہ سے اس کے گرد اگر دھرم قرار دیا کہ وہاں منع کرنا کیا جائے یا کوئی دشمن قتل کیا جائے اور حکم ہے کہ جب جانا جائے تو زینت اور شو و شبر وغیرہ جو اشیاء احرام میں ممنوع ہیں۔ اس سے پرہیز کرے اور سلاطین کا معمول ہے

وقت کر دیا جائے۔ تو دودھ بھی موقوف کر دیا جائے۔

سوال : حنفی مذہب کے لئے جائز ہے یا نہیں کہ نماز میں شافعی اور مالکی اور حنبلی سب کے پیچھے اقتداء کرے۔ (از سوالات نجم الحق صاحب)

جواب : حنفی مذہب کی نماز شافعی اور مالکی اور حنبلی سب کے پیچھے جائز ہے اس واسطے کہ اصول میں ان باروں مذہب میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ حکم احادیث اور فقہ کی کتب معتبرہ سے ثابت ہے۔ لیکن فی زمانہ بعض علماء ماوراء النہر اپنی کم فہمی کے سبب سے تعصب رکھتے ہیں اور اس بارہ میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا قول قابل رد ہے اور فقہ وحدیث کے خلاف ہے یہ صرف ان کا مسئلہ اجتہاد ہے۔ ہرگز قابل سماعت اور لائق اعتبار نہیں اور مکہ معظمہ میں اب تک یہی طریقہ جاری ہے کہ ان چار مذہب کے لوگ دوسرے مذہب والے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اگر ایسا حکم نہ ہو تو پھر مذہب اہل سنت اور فرقہ خلائیہ میں کیا فرق رہے گا۔ اہل سنن اور سب فقہاء کرام کے محققین کے نزدیک چاروں مذہب میں حق واثب ہے اور یہ مسئلہ اصول کے کتب معتبرہ میں دیکھنا چاہیئے تاکہ اطمینان کلی حاصل ہو جائے۔ (کتبہ فقیر عبدالعزیز عفی عنہ وکفر عنہ سینا نام)

سوال : اگر کوئی شخص کسی قوم سے جو جس کی عورتیں پردہ نہ کرتی ہوں اور وہ شخص امام ہو تو اس کے پیچھے نمازیں اقتداء کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : پردہ شرعی شریعت میں یہی ہے کہ عورت سر سے قدم تک ڈھکے ہوئے ہو کہ کسی کے گھر کی عورتیں بیزار کے پھر کرتی ہوں۔ لیکن زنا کاری ان عورتوں کی لوگوں میں مشہور نہ ہو تو نمازیں ایسے شخص کے پیچھے اقتداء کرنا مکروہ ہے اور اگر زنا کاری ان عورتوں کی مشہور ہو تو اس شخص کے پیچھے اقتداء کرنا حرام ہے اور مردوں پر فرض ہے کہ اپنی عورتوں کو زنا کاری اور بے پردگی سے باز رکھیں اور اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کو طلاق سے دینا چاہیئے۔ ورنہ جو لوگ اپنی عورتوں کو زنا کاری اور بے پردگی سے باز نہ رکھیں گے وہ دیوث ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے پیچھے نمازیں اقتداء کرنا منع ہے۔ لیکن اگر وہ لوگ خواتین ہوں تو ان کے پیچھے نمازیں اقتداء کرنے سے نماز جائز ہو جائے گی۔ اس کی قضا لازم ہوگی۔ اس واسطے کہ ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نمازیں اقتداء کرنا جائز ہے۔ نماز ہو جاتی ہے۔

سوال : تفصیلیہ کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں اور اگر اس کے پیچھے اہل سنت نمازیں اقتداء کریں تو اس بارے میں کیا حکم ہے (از سوالات عشرہ شاہ بخارا)

جواب : تفصیلیہ کی دو قسم ہے ایک قسم کے وہ لوگ ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین پرفضیلت جیتے ہیں۔ مگر شیخین کی محبت اور تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں۔ شیخین کے مناقب و مناقب بیان کرنے اور شیخین کے طریقہ اور ان کی روش کی اتباع کرنے اور ان کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور میں کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں فضیلت ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور اتباع میں نہایت سرگرم ہیں اور انجناب کے قول اور فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں۔ تفصیلیہ کی

کہ ان کی رمایا سے جب کوئی شخص جرم کرتا ہے تو اس کو سزا دیتے ہیں اور جب کوئی ایسا کوئی جرم عظیم کرتا ہے کہ اس کی قیاس کسی دوسرے جرم پر نہیں ہو سکتا تو اس کو منع کر دیتے ہیں کہ سلطان کے حرم میں یا دربار خاص میں نہ آئے پاسے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشرک ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی نجاست اس میں ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منع فرمایا ہے کہ بیت اللہ احرام میں نہ آئے اس واسطے کہ بیت اللہ احرام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص خصوصیت ہے اور جو خصوصیت مسجد حرام کو ہے دوسری مساجد کو نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال : استبراء یعنی پیشاب سے بچنے کے احکام بیان فرمائیے۔

جواب : استبراء کا بیان فقہاء کرام نے استبراء کے بارے میں نہایت تاکید فرمائی ہے اور فقہاء کرام کا یہ اس حدیث سے ماخوذ ہے جو کہ عذاب قبر کے بیان میں وارد ہے۔

أَمَّا أَحَدُكُمْ فَكَانَ لَا يَسْتَبِرُّ أَهْمًا مُبْلَغًا ترجمہ : یعنی ایک ان دونوں شخصوں سے کہ وہ اپنے پیشاب سے بخوبی پرہیز نہ کرتا تھا۔

استبراء کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز سے پرہیز، برأت چاہنا اور پیشاب سے برأت چاہنا فرض ہے یعنی یہ پہلا فرض ہے کہ پیشاب بدن میں نہ لگا ہے۔ اس واسطے کہ فرض اور واجب کے سوا کسی دوسرے امر کے چھوڑنے نہ ہوتا ہے نہیں اور ہر شخص کے لئے استبراء کے بارے میں اس شخص کے مناسب حال حکم ہے ایسا ہی ہر وقت کے لئے استبراء کے بارے میں اس وقت کا مناسب حکم ہے۔ اسی وجہ سے حضرت جن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ لا یستل عن حال الصحابة وَاذْكُرُوا كَيْفَ كُنْتُمْ فِي الْاِسْتِجَابَةِ عَنْ الْبَرَاءَةِ بِالْاِحْجَادِ انھم كانوا یبغضون بغير اذ انفسهم تشلطون شلطا۔ ترجمہ : چاہیئے کہ استبراء کے بارے میں صحابہ کا حال نہ پوچھا جائے۔ وہ لوگ پائخانہ کے بعد صرف پتھروں سے نجاست دور کر دیتے تھے اور اسی کو لٹکا کرتے تھے اس واسطے کہ ان کا پائخانہ بیگنی کی طرح خشک ہوتا تھا اور لم لوگوں کا پائخانہ سریش کی طرح ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ چپاں ہو جاتا ہے۔

طریقہ مذکور استبراء کے تارک کو جو لوگ بدعتی کہتے ہیں تو صرف یہ اس فرقہ ظاہرین کے مخالفت سے ہے اور قابل اعتبار نہیں۔ بخاری شریف اور اس کی شروح میں مذکور ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عذاب قبر کی حدیث سنی تو اس وجہ سے وہ پیشاب سے نہایت احتیاط کرتے تھے حتیٰ کہ جب پیشاب کی حاجت ہوتی تھی۔ تو وہ پیشاب کا مقام شیشی کے اندر داخل کرتے تھے۔ اور اس کے اندر پیشاب کرتے تھے۔ اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں بدن لٹکا پر چھینٹ پڑ جائے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بطور انکار کے ان سے کہا جائے کہ میں نے دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی سباط یعنی کوڑا پیسنے کی جگہ میں گئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کید اور اس میں شبہ نہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں چھینٹ پڑنے کا گمان ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب استبراء کرنے میں مبالغہ کیا جاتا ہے تو شانہ سے پیشاب ٹپکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دودھ جب دوڑا جاتا ہے تو دودھ جانور کے تھن میں آ جاتا ہے اور جب دودھ

یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے۔ البتہ ان لوگوں نے اس مسئلہ تفصیل میں خطا کی ہے اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا اختلاف ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ عشریہ اور ماتریدیہ میں خلاف ہے۔ اس قسم کے تفصیلیہ کی امامت جانتا ہے اور اہل سنت کے بھی بعض علماء اور صوفیاء اس روش پر ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرزاق رحمہ اللہ محدث اور سلمان فارسی اور عثمان بن ثابت رحمہ اللہ اور بھی بعض دیگر صحابہ رحمہ اللہ کا ایسا ہی خیال تھا اور تفصیلیہ کی دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حضرت علی مرتضیٰ رحمہ اللہ اور آنجناب کی اولاد کی محبت اور ان حضرات کے طریقہ و اقوال و افعال کی اتباع کافی ہے اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرات شیعین رحمہ اللہ اور دیگر صحابہ کرام کو ہم لوگ بڑا نہیں کہتے لیکن ان حضرات سے ہم کو سروکار بھی نہیں ہے۔ محبت نہ عداوت نہ اتباع نہ ترک اتباع، نہ ان حضرات کے قول اور فعل پر عمل کرنا نہ اس سے اعراض کرنا یا نہیں ان کی اور کی جانب کچھ لحاظ نہیں۔ اس قسم کے تفصیلیہ بلاشبہ بدعتی ہیں جو حکم بدعتی کی امامت کا ہے وہی حکم ان لوگوں کی امامت کے بارے میں بھی ہے اور معتبر اہل سنت سے کوئی اس قسم کا تفصیلیہ نہیں ہوا ہے۔ (ماخوذ از سوالات عشر و مشاہیر بخارا۔)

سوال : فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ظہر کا وقت بعض علماء کے نزدیک اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصل کے سوا دوشل ہو جائے۔ یعنی دوچند ہو جائے۔ اور بعض علماء کرام کے نزدیک ظہر کا وقت صرف اُس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک شل ہو جائے۔ یعنی اس کے برابر ہو جائے۔ تو اس اختلاف کا منشا کیا ہے معلوم نہیں کہ بعض مجتہدین رحمہ اللہ نے دوشل کہاں سے ثابت کیا ہے اور بعض مجتہدین رحمہ اللہ نے ایک شل کہاں سے ثابت کیا ہے۔ اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔

جواب : ہدایہ میں لکھا ہے :-

و اول وقت الظہر اذا زالت الشمس لا مائة جبریل علیہ السلام فی اليوم الاول حين زالت الشمس واخروا وقتها عند ابي حنيفة رحمہ اللہ اذا صار ظل كل شيء مثليه سوى في الزوال وقالوا اذا صار ظل كل شيء مثليه وهو رواية عن ابي حنيفة وفي اليوم الاول في العصور في هذا الوقت وله قول عليه السلام ابرؤا بالظہر فان شدة الظہر من فيج جهنم واشد الحر في هذا الوقت واذا تعارض الاشارت لا ينقضي الوقت بالشك انتهى۔

یعنی ظہر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب آفتاب ڈھل جائے۔ اس واسطے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے تاکہ ظہر کے وقت سے آگاہ کر دیں پہلے دن جب آئے تو ظہر کی نماز میں اس وقت امامت کی جب زوال کا وقت ہوا۔ یعنی آفتاب ڈھل گیا تو ظہر کا آخر وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی

کے سوا دوشل ہو جائے یعنی دوچند ہو جائے۔ صاحبین رحمہ اللہ (یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف) نے کہا ہے کہ ظہر کا آخر وقت یعنی منتہی وقت اُس وقت ہو جائے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک شل ہو جائے۔ یعنی اس کے برابر ہو جائے۔ اور یہی حکم ہونا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایک روایت میں آیا ہے۔ زوال کے وقت ہر چیز کا جس قدر سایہ ہوتا ہے اسی کو سایہ اصلی کہتے ہیں۔ صاحبین رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ پہلے دن جب حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آئے تاکہ عصر کے اول وقت سے آگاہ کر دیں تو اسی وقت عصر کے نماز میں حضرت جبریل علیہ السلام نے امامت کی۔ امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھو۔ اس واسطے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے اور ان کے ملک میں گرمی کی شدت اسی وقت ہوتی ہے۔ جب آثار میں تعارض ہے تو شک کی حالت میں حکم نہ ہوگا کہ وقت تمام ہو گیا۔ (یہ ترجمہ حدیث کی عبارت مذکور کا ہے)

بھراؤقی میں لکھا ہے:

والظہر من الزوال الى بلوغ كل شئ مثله سوى في الزوال أي وقت الظہر أما أوله فجمع عليه لقول عليه السلام: أقيم الصلوة ليدلوك الشمس اي لزوالها وأما آخره ففيه روايتان عند ابي حنيفة روى محمد بن ماف في الكتاب والثانية رواية الحسن رحمہ اللہ اذا صار ظل كل شئ مثله سوى في الزوال وهو قولنا لهما أما مائة جبریل في اليوم الاول في هذا الوقت وله قول عليه السلام ابرؤا بالظہر فان شدة الظہر من فيج جهنم واشد الحر في هذا الوقت واذا تعارض الاشارت لا ينقضي الوقت بالشك وذكر شيخ الإسلام ان الاحتياط ان لا يتيخذا الظہر الى المثل وان لا يمسلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤقبا للصلاتين في وقتها بالإجماع كذا في السراج انتهى مختصرا۔

ترجمہ: یعنی ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک شل ہو جائے یعنی اس کے برابر ہو جائے ظہر کے اول وقت کی تعیین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایات ہیں۔ جو روایت اس کتاب میں مندرج ہے وہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔ دوسری روایت وہ ہے کہ حسن نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ظہر کا آخری وقت یعنی منتہی وقت اُس وقت ہو جائے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے سوا ایک شل ہو جائے۔ یعنی اس کے برابر ہو جائے۔ یہی صاحبین رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے دن اسی وقت عصر کی نماز میں امامت کی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھو اس واسطے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے اور ان کے ملک میں گرمی کی شدت اسی وقت ہوتی اور جب آثار میں تعارض نہ ہوا تو ٹھنڈے کی حالت میں حکم نہ ہوگا کہ وقت گزر گیا اور شیخ الاسلام رحمہ نے ذکر کیا کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر میں ایک ایک مثل سے زیادہ دیر نہ کرے اور عصر دو مثل کے بعد پڑھے تاکہ دونوں نمازیں اپنے وقت میں پڑھ لیں اور اہول۔ ایسا ہی سراج میں لکھا ہے پیر الراجح کی عبارت کا ترجمہ ہے :

عن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت الظہر اذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله ما لم يحضرا العصر الحديث ترجمہ : یعنی روایت ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ کہا کہ انہوں نے فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کا وقت وہ وقت ہے کہ آفتاب دھل جائے اور ہر شخص کا سایہ اس کے قدر کے برابر ہو جائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے ۔

ترجمہ مشکوٰۃ میں شیخ جلیل الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بیان میں لکھا ہے کہ جانا چاہیے کہ امام یوسف اور امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ اور بعض دیگر علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ آخر وقت ظہر کا اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر شخص کا سایہ اس کے قدر کے برابر ہو جائے اور اس کے بعد عصر کا وقت آجاتا ہے۔ یہی حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے اور یہی حکم امام ابو حنیفہ رحمہ سے بھی ایک روایت میں آیا ہے بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے یعنی دو چند ہو جائے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی دلیل حدیث میں ہے کہ حدیث شریف میں ہے :

أَبُو دَاوُدَ وَالْطَّهَرِيُّ : یعنی ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھو ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھنڈے وقت یعنی جب گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ تو اس وقت ظہر کی نماز پڑھنا چاہیے اور گرمی کی شدت ان کے ملک میں اس وقت ہوتی ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے ہے۔ اور دونوں حدیث میں تعارض ہے اور احتیاط اس میں ہے کیونکہ اسیں شک ہے کہ ایک مثل کے بعد وقت ظہر کا گزر جاتا ہے تو شک کی بنا پر نہ کوئی چاہیے کہ سایہ اصلی کے سوا جب ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت گزر جائیگا۔ دوسری دلیل بھی شرح میں مذکور ہیں بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ ظہر ایک مثل کے قبل پڑھ لینا چاہیے۔ اور عصر دو مثل کے بعد پڑھنا چاہیے واللہ اعلم

یہ مضمون شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت کا ہے جس حدیث کا حوالہ ترجمہ میں دیا گیا ہے

حدیث یہ ہے :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَشْتَدَّ الْحَرُّ

ترجمہ : فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی کی شدت ہو تو نماز میں سردی کرو۔

یعنی ظہر کی نماز اول وقت سے کچھ دیر کر کے پڑھو۔ تاکہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ بخاری شریفین کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضہ ظہر کی نماز پڑھنے میں اس وقت تک تاخیر کرتے تھے کہ ٹیلہ کا سایہ زمین پر پڑ جاتا تھا اور ٹیلہ منبسط ہوتا ہے یعنی چیلار ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا سایہ زوال کے بعد دیر میں پڑتا ہے۔ بخلاف دروازہ چیزوں کے جیسے منارہ زوال کے بعد اس کا سایہ جلد ظاہر ہو جاتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب پانچ قدم سایہ آجائے تو اس وقت ظہر پڑھنا چاہیے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ بخاری شریفین کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضہ ظہر کی نماز پڑھنے میں اس وقت تک تاخیر کرتے تھے کہ ٹیلہ کا سایہ زمین پر پڑ جاتا تھا اور ٹیلہ منبسط ہوتا ہے یعنی چیلار ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا سایہ زوال کے بعد دیر میں پڑتا ہے۔ بخلاف دروازہ چیزوں کے جیسے منارہ زوال کے بعد اس کا سایہ جلد ظاہر ہو جاتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب پانچ قدم سایہ آجائے تو اس وقت ظہر پڑھنا چاہیے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ بخاری شریفین کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضہ ظہر کی نماز پڑھنے میں اس وقت تک تاخیر کرتے تھے کہ ٹیلہ کا سایہ زمین پر پڑ جاتا تھا اور ٹیلہ منبسط ہوتا ہے یعنی چیلار ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا سایہ زوال کے بعد دیر میں پڑتا ہے۔ بخلاف دروازہ چیزوں کے جیسے منارہ زوال کے بعد اس کا سایہ جلد ظاہر ہو جاتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب پانچ قدم سایہ آجائے تو اس وقت ظہر پڑھنا چاہیے۔

ترجمہ : حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی حکم فرماتے تھے کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھی جائے۔ حالانکہ وہاں سب لوگ ایک جگہ جمع رہتے تھے۔ ترجمہ یہ ہے کہ جو قول ہے کہ گرمی کی شدت ظہر میں تاخیر کرنا چاہیے تو یہ قول زیادہ بہتر ہے اور بہت مناسب ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

حکم کی زیادہ اتباع ہوتی ہے۔ یہ ترجمہ سے لکھا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ کی دلیل وہ حدیث ہے کہ اس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی امامت کے لئے ہے کہ ہر چیز کا سایہ جب سایہ اصلی کے سوا ایک مثل ہو گیا۔ تو اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلے دن صبح نماز پڑھائی اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی دلیل وہ حدیث ہے کہ اسمیں حکم ہے کہ ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز پڑھنا چاہیے اور اس کی تصریح اور گزری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

سوال : نماز میں جب لوگ التیمات میں عبدہ و رسولہ پڑھتے ہیں تو دامنہ ہاتھ کی گھم کی انگلی اٹھاتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں ؟

جواب : گھم کی انگلی اٹھانا شہادتین پڑھنے کے وقت سنت ہے احادیث صحیحہ سے نہیں ہے اور فقہ کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے :-

وَبِمَثَلِ هَذَا اجَاءَ عَنْ عَلِيٍّ اَيْضًا - ترجمہ : اور ایسا ہی ہمارے علماء کرام سے بھی ثابت ہے :-

چنانچہ امام محمد رحمہ نے اپنی مؤطا میں اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی انگلی اٹھاتے تھے۔ امام محمد رحمہ نے اس حدیث کے بعد کہا کہ ہمارا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے اور بعض کتب فقہ میں جو لکھا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت اشارہ کرنا منع ہے تو یہ قول محض غلط ہے اس واسطے کہ اس قائل نے اپنے پیغمبرؐ کو اپنے مجتہد کے خلاف کہا ہے۔ اس کے قول کا اعتراف نہیں۔

سوال : نماز میں التیمات پڑھتے وقت اشہدان لا الہ الا اللہ پر حکم کی انگلی اٹھانا کیا مستحب ہے ؟

جواب : سب تعریف اور احسان کے جملہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں۔ رحمت کاملہ اور سلام و شریعت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد اور اصحاب پر نازل ہو کہ آپ کی آل اور اصحاب سے ہر حق ظاہر ہوا۔ اور رحمت کاملہ اور سلام ائمہ پر نازل ہو۔ جانا چاہیے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ ہمارے قول کو کسی مسلمین دلیل قرار دے۔ جب تک اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے۔ کہ اس قول کا ماخذ کتاب یعنی قرآن شریف اور سنت یعنی حدیث اور اجماع اور قیاس علی میں سے کیا ہے حضرت امام اعظم رحمہ کا یہ اصول ہے کہ اگر فقہ چار اصل سے ماخوذ ہوتا ہے۔

پہلی اصل کتاب اللہ یعنی قرآن شریف

دوسری اصل سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی حدیث شریف

تیسری اصل ایک وقت کے مجتہدین کا اجماع

چوتھی اصل قیاس نظری اس مسئلہ میں جس میں نص نہ ہو اور قیاس نظری اس مسئلہ پر قیاس کرنے سے ثابت ہوتا ہے

جس میں نص ہو اور جو حکم کتاب اور سنت سے ثابت ہو۔ وہ کتاب اور سنت کے سوا دوسری چیز سے فسوخ نہیں

یعنی وہ اجماع اور قیاس باطل ہے جو کتاب یعنی قرآن شریف اور سنت کے خلاف ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو حکم ثابت ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فسوخ نہیں ہو سکتا اور مجتہد سے کسی خطا ہوتی ہے اور کبھی اس میں صحت ہوتا ہے۔ جب مجتہد کی خطا کسی مسئلہ میں ظاہر ہو جائے تو اس مسئلہ اور اس مجتہد کی تقلید حرام ہے۔

امام اعظم رحمہ کا یہ اصول ہے اب خیال کرنا چاہیے کہ امام اعظم رحمہ اور صاحبین رحمہ مالک اور امام شافعی رحمہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضرت پیغمبرؐ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب التیمات پڑھتے تھے۔ تو اشہدان لا الہ الا اللہ پر اشارہ فرماتے تھے اور یہ اشارہ خداوند تعالیٰ کی توحید کی جانب تھا۔

تیسری اور چوتھیں اشارہ و انجاء نبویہ علیہ السلام نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی کوئی آیت اور حدیث نہیں جس سے اشارہ بہت ثابت ہوتی ہو۔ بعض لوگوں کو اماموں کے اقوال کی سند میں حدیث نہ ملی تو ان لوگوں نے اشارہ کو صرف قیاس کے تحت کیا ہے۔ کتاب اور سنت سے منع نہ کیا۔ ایسا اجماع اور قیاس باطل ہے جو نص کے خلاف ہو تو اس بارے میں ان لوگوں سے خطا ہوئی۔ اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کی تقلید حرام ہے جس میں ان لوگوں کی خطا ظاہر ہو جائے۔ اس مسئلہ میں ایک مقدمہ اور تین فصلیں ہیں۔ مقدمہ اس بیان میں کہ اُمت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔

پہلی فصل صحیح حدیثوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں۔

دوسری فصل فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہوئیں۔

تیسری فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے بیان میں ہے جو اشارہ کو منع کرتے ہیں اور ان کے جواب میں

مقدمہ اس بیان میں ہے کہ اُمت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو سنت یعنی حدیث پر عمل کرنا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَا اتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔

ترجمہ : یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو جو حکم فرمایا وہ کرو اور جس سے منع فرمایا اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

یعنی جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر سخت عذاب کرتا ہے چنانچہ

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَبِّحْهُ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ بَسْتَنِي فَتَسْكُتُوا بَعْدَ عَقْبِهِ أَعْلَيْهَا يَا نَوَاجِدَ (سواء احمد والترمذی)

یعنی پیغمبرؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم لوگوں سے میرے بعد زندہ رہے گا۔ وہ لوگوں میں بہت

امام اعظم رحمہ کے دوش گرام محمد رحمہ اور امام ابو یوسف رحمہ

اختلاف دیکھیے گا۔ اس وقت تم لوگوں پر لازم ہوگا کہ میری سنت کو ہاتھوں اور دانتوں سے چکڑ لیا۔
یعنی سنت کو مضبوط چکڑ لیا اور اُس پر تم لوگ عمل کرنا اور حدیث شریف میں ہے کہ:-
وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنْ أَحَبَّ سُنِّي فَقَدْ أَحَبَّ نَبِيَّيْ وَمَنْ أَحَبَّ نَبِيَّيْ كَانَتْ مَعَهُ كَلِمَاتُ
سِرِّ كَلِمَاتِ الْقَوْمِ (

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت کی محبت کی اس نے بے شک میری محبت کی اور جس نے میری محبت کی وہ بے شک میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

ان صحیح حدیثوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں، روایت کیا گیا۔

پہلی فصل

روایت کی مسلم بن ابی مریم سے اور انہوں نے روایت کی علی بن عبد الرحمن معادی سے کہ علی بن عبد الرحمن معادی نے کہا کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھ کو دیکھا اور میں نماز میں شگریزوں سے کھیل رہا تھا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھ کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم نماز میں وہ فعل کرو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ میں خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے؟ تو عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ :-

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں بیٹھتے تھے تو دامنہ کی پتیلی کو دامنہ ران پر رکھتے تھے اور سب انگلیوں کو بند رکھتے تھے۔ اور انگوٹھے کے نزدیک جو انگلی ہے اس سے اشارہ کرتے تھے اور دامنہ کی پتیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے۔

امام محمد رحمہ نے یہ کہا کہ ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختیار کیا۔ مثلاً امام محمد رحمہ کی عبارت کہ ترجمہ ہے۔ بدائع اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ امام محمد نے کتاب شیخہ میں اشارہ کرنے کے لئے تصریح کی ہے اور وہ اس بارے میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے۔ امام محمد رحمہ نے پھر یہ کہا کہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ ہم نے بھی وہی اختیار کیا اور امام ابوحنیفہ رحمہ کا اور ہمارا یہی قول ہے۔

ذخیرہ اور شرح نہادہی میں لکھا ہے کہ امام محمد رحمہ نے یہ حدیث بیان کی۔ پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہم نے بھی وہی کیا اور امام ابوحنیفہ رحمہ کا اور میرا یہی قول ہے۔ کفایہ اور تاتارخانی میں امام محمد کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔ امام محمد رحمہ نے یہ حدیث بیان کی۔ پھر یہ کہا کہ میرا اور امام ابوحنیفہ رحمہ کا یہی قول ہے۔ عنایہ میں بھی قول لکھا ہے کہ امام محمد رحمہ نے کتاب متجنس میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے۔ اس بارہ میں حدیث الائمہ ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کرتے تھے۔ اہم امام محمد رحمہ اور ابن السکیت نے بھی اپنے صحاح میں عبد اللہ بن عمر رحمہ سے روایت کی ہے کہ:-

بعض پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انھوں نے اشارہ کرنا الوہی سے زیادہ شیطان پر سخت گداز ہے

اور حدیث کی کتابوں میں شافعی مذہب کے اماموں کی جو روایتیں ہیں وہ قریب متواتر ہونے کے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور کلمہ کُن انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور انگوٹھے کو درمیان انگلی پر رکھتے تھے۔“

عبدالرزاق نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

یہ ہم ایک خُزْءِ اُنْکَلِی سے نماز میں اشارہ کرنا ہے۔“

حاکم نے عقیدہ بن عامر رحم سے روایت کی ہے کہ :-

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں اٹھا دے کہ تپا ہے تو ہر اشارہ کے عوض دین میں ایک سال لکھی جاتی ہیں اور ایک سال لکھی کے مقابلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

اشارہ کی بہت سی فضیلتیں ہیں۔ اس مختصر میں ان کی گنجائش نہیں۔ اس کے حال پر افسوس ہے جو اشارہ نہیں فضیلتوں سے محروم رہتا ہے۔

دوسری فصل

فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہیں، یہاں وہ روایتیں حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے لکھی جاتی ہیں۔ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ

مذہب کو منع کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے، ملقط میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف نہیں ہے۔
 میں نے لکھا ہے کہ یہ بلا اختلاف علماء کرام سے ثابت ہے کہ النبیات میں لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا چاہیئے
 لکھا ہے میں مذکور ہے کہ علامہ نجم الدین زاہدی کا یہ قول ہے کہ بالاتفاق اس بارے میں ہمارے اصحاب سے روایتیں ثابت
 ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور علماء کو فخر اور علماء مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور اشارہ کرنے کے بارے میں بہت اخبار اور آثار
 قرآن پر عمل کرنا بہتر ہے یعنی اشارہ کرنا چاہیئے۔ امام ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور صاحب کفایہ کا بھی یہ قول ہے
 کہ صحیح چلیبی نے تحفۃ المہتدی میں لکھا ہے اور شیخ شمسی نے شرح نفاہ میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ
 کرنا بہتر ہے انگلیوں کو بند کرے اور اشارہ کرے تاکہ دونوں طریق پر عمل ہو جائے۔ امام ابویوسف رحمہ نے اپنی امالی میں لکھا ہے
 کہ صحیح النکلی اور اس کے بعد کی انگلی کو بند کر کے اور درمیان کی انگلی اور گونٹے سے حلقہ کرے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے
 شرح فقہاء میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کرام کے نزدیک اسی طور سے اشارہ کرنا ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ نے مختار النکلی
 میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے اور فیۃ المصلیٰ میں یہ لکھا ہے کہ جب پڑھے اشہدان لا الہ الا
 اللہ و اشہدان محمد اعدہ و رسولہ۔ تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔

تیسری فصل

ان لوگوں کی دلیلوں کے مطابق میں جو اشارہ کرنے کو منع کرتے ہیں، اور یہ فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے جواب میں بھی ہے۔ بعض علماء کرام نے جو یہ کہا ہے کہ اشارہ کرنا بہتر ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اس واسطے کہ نماز کی بنا سکون اور وقار ہے اور اشارہ کرنے میں سکون اور وقار نہیں رہتا اس کا جواب یہ ہے کہ:-

یہ دلیل کوئی آیت نہیں اور نہ حدیث اور نہ اجماع ہے بلکہ قیاس ہے جب کسی مسئلہ میں حدیث موجود نہ ہو اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس نے اشارہ کو منع کیا اس کو صحیح نہیں نہ پہنچیں اور اس نے حنفی مذہب کے فقہ کی دوایتوں کو نہ جانا۔ اور جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارے میں یہ کہے کہ یہ فعل کون اور وقار کے خلاف ہے خصوصاً وہ نماز کے کسی فعل کے بارے میں ایسا کہے۔ تو وہ شخص بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک کافر چہ جائیگا۔

صلوٰۃ معصومی میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا علماء متقدمین کی سنت ہے۔ علماء متاخرین نے آخر میں اشارہ کرنے سے منع کیا۔ اس واسطے اشارہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو اس واسطے منع کیا ہے کہ علماء متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا ہے کہ اشارہ کرنا چاہیئے۔

پہلی بات جو یہ ہے کہ علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل حضرت امام اعظم کے اصول کے خلاف ہے اس واسطے کہ یہ دلیل قیاس ہے۔ اور جب حدیث صحیحہ جو موجود ہو تو اس کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔

دوسری بات یعنی علماء متقدمین کا قول منسوخ ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم منسوخ ہو۔

تیسری بات یعنی یہ کہ علماء متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا تھا کہ اشارہ کرنا چاہیئے اس واسطے علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کی مخالفت ان کی بدعتوں میں چاہیئے۔ رافضیوں کا جو یہ فعل فی الواقع سنت ہے اس میں رافضیوں کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے اس واسطے کہ جب رافضیوں کی مخالفت کے لحاظ سے کوئی سنت ادا نہ کی جائے گی تو ہمیں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور بسم اللہ سے کام کو شروع کرتے ہیں اور دلہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ اور بائیں ہاتھ سے استیجاد کرتے ہیں اور رافضیوں کے ان افعال میں درود بھیجنا، بسم اللہ کہنا، حمد و ثنا کرنا۔ وضو میں پے پیچے بدن کو دھونا اور ناخن کٹوانا اور بغل کے بال منڈوانا اور زیر ناف بال منڈونا اگر اس شخص سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہو تو سنتوں کو چھوڑنا ضروری ہو تو منیوں کو چاہیئے کہ اس خیال سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہو تو اکثر ان سنتوں کو ترک کر دیں جو عبادت اور عبادت کے متعلق ہیں اور اس بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھیں اور پھر اپنے کو سنی کہیں اور یہ صرف شیطان کا فریب اور تعصب ہے۔

میں میں یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے قول میں ثابت ہو تا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے

اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے اگر وہ سب ہم یہاں ذکر کریں تو بات طویل ہو جائے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کی جہالت اور تعصب نفسانی ہے جو دلیل یا کسی کے گمان کی بناء پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور امام کے خلاف مذہب کوئی مسئلہ اختیار کریں اور باوجود اس کے اپنے کو سنی سمجھیں۔ یہی وہ ہے جو سنت پر عمل کرتا ہے اور رافضی وہ ہے جو سنت کو ترک کرتا ہے اور امام کے خلاف مذہب اس کا عمل ہے۔ لہذا رسالہ عبدالعزیز عفا اللہ عنہ نے لکھا تمام ہوا رسالہ جو اس بارے میں ہے کہ نمازیں جب التحیات پڑھے تو لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیئے۔

سوال : کیا نمازیں التحیات میں کلمہ کی انگلی اٹھانا منسوخ ہے ؟

جواب : رفع سابع نماز میں سنت ہے یعنی التحیات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت انگشت شہادت اٹھانا سنت ہے اور یہ علماء حنفیہ کے نزدیک بھی سنت ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تہذیب میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں پورے طور پر روایات نقل کی ہیں۔ اس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔ اور وہ عبارت یہ ہے

رَفَعَهَا إِلَى الْقَبْلَةِ لِحَدِيثِ سَدَاةِ الْبَيْهَقِيِّ وَأَنَّ يَتَوَيَّ بِسُجُودِهَا التَّوْحِيدَ وَالْإِحْلَاصَ لِحَدِيثِ فِيهِ سَدَاةُ الْبَيْهَقِيِّ وَأَنَّ لَا يَجُوزُ بَصْرُهُ أَشَاهِرَهُ لَاتَّبَاعِ الْمَرْفُوعِ وَأَنَّ يَخْتَصِمُ الرُّفْعَ بِقَوْلِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَمَا فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ وَأَنَّ يَسْتَمِرَّ عَلَى الرُّفْعِ إِلَى آخِرِ التَّشَهُّدِ كَمَا قَالَ الْبَعْضُ وَاحْتَرَضَ بِهِ عَنْ قَوْلِ جَمْعٍ بَانَ الْأَوَّلَى عِنْدَ الْفُرْعِ اعَادَتْهَا أَنْتَهَى وَالْأَوَّلُ هُوَ الْمَعْمُولُ لِأَنَّ الْإِعَادَةَ يُحْتَاجُ رِوَايَةً۔

ترجمہ : یعنی اور سنون ہے یہ کہ اٹھائی جائے انگشت شہادت قبلہ کی جانب اور یہ حکم حدیث سے ثابت ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے اور سنون ہے کہ جب انگشت شہادت اٹھائی جائے تو نیت توحید اور اخلاص کی کرے اور یہ حکم بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی بیہقی نے روایت کی ہے اور سنون یہ ہے کہ بخلاف نہ کرے نظر مصلیٰ کی اس کے اشارہ سے تاکہ حدیث کی اتباع ہو۔ اور خاص اس وقت انگشت شہادت کو اٹھائے جب لا الہ الا اللہ پڑھے۔ اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں ہے اور بعض علماء کرام کے نزدیک یہ ہے کہ آخر تشہد تک انگلی اٹھائے ہے اور یہ احتراز ہے ان لوگوں کے قول سے جو کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ جب تشہد سے فارغ ہو تو پھر دوبارہ انگلی اٹھائے اور عمل اول قول پر ہے اس واسطے کہ اس حکم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ کسی روایت سے ثابت ہو کہ

تشہد سے فارغ ہونے کے بعد پھر دوبارہ انگلی اٹھانا چاہیئے۔

سوال : نمازیں جب لوگ التحیات میں عیدہ و رسول پڑھتے ہیں تو داہنے ہاتھ کی انگلی اٹھاتے ہیں

دائیں موجود ہیں وہ آیت اور وعار ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ فَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتَكَ وَنَسْكَ وَحْيَايَ وَمَسَابِقِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذُنُوبِي فَأَعْفِنِي لَا تَجْعَلْ لِي جَعِيلًا إِنَّهُ لَا يُعْفِيكَ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَأَمْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ لَبِيكُ وَسَعْدُكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدِكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَابُكَ وَالْيَقِينُ يَا مُرْكُتُ وَتَعَالَيْتُ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔

ترجمہ : میں نے متوجہ کیا اپنا منہ اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اور انحالیکہ میں توحید کرنے والا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں، بے شک میری نماز اور میری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو سب جہان کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اس توحید کا حکم کیا گیا اور میں اول مسلمانوں میں سے ہوں۔ لمے پروردگار تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنے گناہ کا اقرار کیا تو میرے سب گناہوں کی بخشش ہے۔ گناہوں کے بخشنے والا تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں اور بہترین خصلتوں کے لئے مجھ کو توبہ ہدایت کر۔ بہترین اخلاق کے لئے تیرے سوا کوئی دوسرا ہدایت نہیں کرتا میں حاضر ہوں تیرے حکم کی تعمیل کے واسطے اور تیرے حکم کی تعمیل میں مدد کرنے کے لئے۔ سب بہتر امور تیرے اختیار میں ہیں۔ اور بُرائی تجھ میں نہیں۔ میں تیرے حکم سے ہوا۔ اور تیری طرف متوجہ ہوں اور تُو صاحب برکت ہے۔ اور تو برتر ہے۔ میں تجھ سے ہی بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

سوال : تسبیح کے مخاطب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں تو یہ حکم عام کیسے ہوا۔

جواب : تسبیح کی حدیث میں مخاطب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اصول کا مسئلہ ہے کہ جو حکم ایک شخص کے لئے ہو۔ وہ حکم سب کے لئے ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی دلیل تخصیص کی موجود نہ ہو۔ چنانچہ ابوالیسر کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے :-

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ۔ ترجمہ : یعنی نیکیاں بُرائیوں کو دفع کرتی ہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے جو اس پر عمل کرے سب کے حق میں اس آیت کی فضیلت عام طور پر ثابت ہے۔

سوال : اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد سلام علیک کرتے ہیں یہ سنت ہے یا نہیں؟

جواب : ہمیشہ اس کا التزام کر لینا بدعت ہے۔

سوال : تہجد کی نماز کا وقت، شب بیدار کس وقت نماز تہجد پڑھے؟

جواب : تہجد کے اول وقت کے بارے میں صحابہ کرام رحمہ اللہ کے زمانہ میں اختلاف تھا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ وغیرہما کے مذہب کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کا اول وقت عشا کے بعد سو کرنے کے اٹھنے کے بعد ہے اس بارے میں ان صحابہ کرام رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف میں موجود ہے۔
وَمِنَ اللَّيْلِ فَسُجِّدْ لَهُ۔ ترجمہ : یعنی رات کو تہجد کی نماز قرآن کے ساتھ ادا کیجیے۔

لغت میں تہجد کے معنی یہ ہیں کہ سونے کے وقت معمول میں نیند ترک کرنا۔ اس قول میں شبہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص تمام رات بیدار رہے تو لازم آتا ہے کہ اس کو تہجد کا وقت نہ ملے۔ بعض لوگوں نے ان صحابہ کرام رحمہ اللہ کے مذہب کی توجیہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر عشاء کے بعد سوئے تو جب نیند سے اٹھے تو وہی وقت تہجد کا اول وقت ہوگا۔ اور اگر نہ سوئے تو جب اس کے سونے کا معمول لا وقت گزر جائے تو تہجد کا اول وقت ہو جائے گا۔ اس بارے میں بہتر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

مَنْ كَلَّ اللَّيْلَ أَوْ تَوَسَّوْا لِلَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَتْهُ إِلَى السَّجْدِ

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رات میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکی نماز پڑھی ہے حتیٰ کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے ترکی نماز سحر کے وقت بھی پڑھی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوترہ کے لفظ سے تہجد کا وقت مراد نہیں بلکہ ترکی نماز مراد ہے اس کا وقت بالاتفاق عشاء کے بعد ہے چنانچہ اکثر صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے اور سالکان طریق عبادت کا اسی پر عمل ہے کہ تہجد کا اول وقت آدمی رات کے بعد ہو جائے خواہ اس کے قبل سوئے یا نہ سوئے۔ اور اکثر احادیث سے اس وقت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے تو اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تہجد کا وقت یہی ہے مثلاً

أَيُّ الشُّعَارِ أَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرِ۔ ترجمہ : یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا گیا کہ کون بہتر ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دعا افضل ہے جو آخری شب میں کی جائے۔ - -

اور یہ بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ عشا کی تاخیر یا کراہت آدمی رات تک جائز ہے اور اس پر بھی علماء کرام کا اتفاق ہے کہ تہجد کی نماز عشاء کے توابع سے نہیں تو ضرور ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد تہجد کا وقت ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

سوال : از غلام علی شام صاحب رحمہ

حضرت سلامت : السلام علیکم ورحمۃ اللہ

قرار تصویر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے تو شرع میں یہ حکم کس واسطے ہوا کہ کعبہ شریف کی دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس واسطے کہ اس طور سے نماز پڑھنے میں بھی قریب طواف نماز پڑھنے کی مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ حکم ہے کہ حجر اسود کو انبیاء علیہم السلام نے بوسہ دیا۔ تو حجر اسود کی نسبت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے اور مقام ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انوارِ خلعت کا اثر مقام ابراہیم میں ہو۔ اور کعبہ شریف کی دیوار کی طرف انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ علیہم السلام نے طواف کیا ہے اور اس سے وہ محل درود و برکات ہے تو اس واسطے نمازیں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم صادر ہوا۔ لیکن ہمارا خدا شہدِ باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے سامنے سجدہ کرنا کس واسطے جائز ہوا۔ بینوا و تو عجبوا

جواب : اصل حقیقت یہ ہے کہ کعبہ شریف قبلہ ہے۔ اس واسطے کہ سیٹ اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہے۔ اس امر کا لحاظ نہیں کر کے نبیاء و سابقین علیہم السلام نے اس کا طواف کیا اور اسی وجہ سے شرعیہ حکم ہے کہ اگر کعبہ شریف کی دیوار منہدم ہو جائے۔ نفوذِ بائد من ذلک

جیسا کہ حجاج کے وقت میں وقوع میں آیا یا حجرِ اسود وہاں سے دور کر دیا جائے۔ جیسا کہ قرامطہ کے وقت میں آیا یا مقام ابراہیم دور کر دیا جائے۔ تو کعبہ کی فضا کے بارے میں قبلہ کا حکم برقرار رہے گا۔ کعبہ شریف کا قبلہ ٹاس کی اینٹ اور کروی اور چھری موقوف نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ کعبہ شریف کی دیوار، مقام ابراہیم اور حجرِ اسود کی طرف جو نماز پڑھنے کا حکم ہے تو اس میں کچھ لحاظ نہیں کہ کسی نبی کا وطن کا قدم پڑا۔ اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء کرام نے اس کا طواف کیا۔ اور انبیاء علیہم السلام نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ بلکہ صرف یہی لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کعبہ شریف کی نسبت ہے تو اس واسطے کعبہ شریف اور مقام ابراہیم اور حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں شرک کا گمان نہیں ہو سکتا۔ بخلاف قبورِ انبیاء علیہم السلام اور قبورِ اولیاء کرام اور بخلاف بزرگوں کی تصویروں کے صاف ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی نسبت ان بزرگوں کے ساتھ ہے۔ جن کی وہ قریباً تصویر ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جو لوگ ان چیزوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہتر جانتے ہیں۔ ان کا خیال یہی ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی نسبت بزرگوں کے ساتھ ہے اس واسطے یہ چیزیں متبرک ہیں اور ان کے سامنے منہ کر کے نماز پڑھنا بہتر ہے تو کعبہ شریف اور حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور قبورِ انبیاء کرام اور اولیاء کرام یا بزرگوں کی تصویروں کی طرف جو بعض لوگ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ان دونوں دونوں میں جو فرق ہے۔ وہ اب ظاہر ہوا۔ مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کے سوا کسی دوسرے امر کا لحاظ نہیں۔ اور کسی کو امام بنانا دوسری چیز ہے اور کسی کو سجدہ کرنا دوسری چیز ہے اور یہ بھی صرف متبع ہے کہ مقام ابراہیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے واجب نہیں۔ حتیٰ کہ مسجد حرام میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے جس جگہ چاہے نماز پڑھے۔ نماز درست ہو جائے گی۔ جیسا کہ کعبہ شریف کے حق میں ثابت ہے بیت اللہ ہے۔ اسی طرح حجرِ اسود کے حق میں بھی وارد ہے :-

الحجر لا سود یحیی اللہ فی الارض۔ ترجمہ : یعنی حجرِ اسود گویا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے زمین میں۔

تو حجرِ اسود کو چوں گویا بمنزلہ خدا کی دست بوسی ہے اس کی عظمت بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس کی نسبت خدا کے ہاتھ سے ہے تو کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ معلوم ہوئی۔ البتہ اس نسبت کے ثبوت کے لئے نصِ صریح متواتر چاہیے۔ اور کعبہ شریف اور بیت المقدس کے بارے میں اس نسبت کے ثبوت کے لئے نصِ صریح

اور اب کوئی ایسی چیز جہاں میں نہیں جس کی نسبت بلا واسطہ حضرت حق کے ساتھ ہو۔ سو افضاء و حجرِ معلق کے اور منسوخ ہے اور سو افضاء کعبہ شریف کے کبریا برقرار ہے اور باقی چیزوں کی طرف سجدہ کرنا بعض اشخاص بہتر جانتے ہیں اور وہ چیزیں تصاویر اور مجاہد سلاطین کے قبیل سے ہیں۔ تو ان چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف ہے بہر کیف دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے اور تفسیر فتح العزیز میں پارہ الم کے آخر میں یہ جو آیت ہے :-

وَعَهْدَنَا إِلَىٰ ابْنِ إِسْرَٰءِیْمَ وَاسْمَعِیْلَ أَنَّ طَهْرًا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ

اس آیت کی تفسیر میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور شروع پارہ سنیقول میں جو آیت ہے :-

قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرُوعُ وَالْمَعْبُودُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

اس آیت کی تفسیر میں بھی تفسیر فتح العزیز میں یہ مسئلہ مذکور ہے اس کو دیکھنا چاہیے۔ تاکہ اسرارِ عجیبہ ظاہر ہوں اس قدر خیال کرنا یہ اشکال دفع کرنے کے لئے کافی اور شافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے تو ان کے نزدیک ان دونوں چیزوں کی عظمت کس وجہ سے ثابت تھی اگر یہ وجہ تھی کہ ہر نبی کو یہ خیال ہوا کہ ہمارے سابق کے نبی نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا تو یہ لازم آئے گا کہ انبیاء کرام میں تسلسل ہوا اور کعبہ شریف قدیم ہوا اور حادث ہوا اور انبیاء کرام کو صرف یہ خیال ہوا کہ کعبہ شریف اور حجرِ اسود کی نسبت خدا کے ساتھ ہے اس وجہ سے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حجرِ اسود کو چومنے کا حکم ہے تو اب بھی وہی علت موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ کعبہ شریف اور حجرِ اسود کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس واسطے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا حکم ہے اور کوئی دوسری وجہ نہیں اور قبورِ انبیاء علیہم السلام اور قبورِ اولیاء کرام کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں۔ اس واسطے ان چیزوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا نہیں چاہیے۔ والسلام والا کرام

سوال : قبرستان میں نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

جواب : حدیث میں وارد ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ اس کی شرح میں جو کچھ علماء کرام نے لکھا ہے اس میں بہتر قول یہ ہے کہ اس میں ایک طرح کی مشابہت کفار کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے اس سبب سے یہ حکم ضروری ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے خفیہ کی کتب فقہ میں لکھا ہے کہ :-

اگر قرب نمازی کے سامنے ہو تو یہ زیادہ مکروہ ہے اور اگر قبر دائیں یا بائیں جانب ہو تو اس سے کم مکروہ ہے اور اگر قرب نمازی کے پیچھے ہو تو یہ اس سے بھی کم مکروہ ہے۔

یہی قول اصح ہے اور علماء کرام کا اسی پر عمل ہے۔ شافعیہ کے فقہانے لکھا ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا وجہ سے مکروہ ہے کہ وہ نجاست کی جگہ ہے یہ صحیح نہیں؟

سوال : صلوٰۃ وسطیٰ کون نماز ہے اور اگر بالفرض کوئی ایک ہی نماز صلوٰۃ الوسطیٰ ہے اور چار نماز باقی نہ باقی ہیں تو ان کے بارے میں کامل تصدیق نہ رہی۔ (از سوالات ام شاہ خان)

جواب : صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں سات قول ہیں۔ پانچ قول یہ ہیں کہ نماز بیچگانہ سے ہر ایک صلوٰۃ الوسطیٰ ہے۔ اور تین میں اختلاف ہے کسی نے کسی ایک نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے اور کسی نے دوسری نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے اور چھٹا قول یہی ہے کہ مجموعہ پنج وقتہ نماز صلوٰۃ الوسطیٰ ہے۔ ساتواں قول یہ ہے کہ جس طرح ساعت جمعہم ہے کہ میں مزدور دعا قبول ہوتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس شب قدر اور اسمِ عظمِ مبہم ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ الوسطیٰ بھی مبہم ہے اور اصح اور ارجح یہ قول ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ عصر کی نماز ہے لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ باقی چار نماز کے لئے تاکید کم ہے۔ اس واسطے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید بنفس اس کے نہیں بلکہ زیادہ تاکید محافظتِ آداب و قاعدہ میں ہے مثلاً وقتِ مستحبِ ہر صلوٰۃ و مسجد و اسباب وضو و مسواک اور اذان و اقامت اور مزید اطمینان و کثرت اذکار یعنی صلوٰۃ الوسطیٰ میں ان امور میں زیادہ لحاظ ہونا چاہیے صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید اس قبیل سے ہے کہ جس طرح افضل میں زیادہ فضیلت ہوتی ہے بہ نسبت فاضل کے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاضل میں فضیلت نہ ہو بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ فاضل میں بھی فضیلت ہے۔ لیکن افضل میں زیادہ فضیلت ہے اور صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید اس قبیل سے نہیں کہ جیسے زیادہ فضیلت فاضل میں ہوتی ہے باعتبار ناقص اس میں شک نہیں کہ اس قدر تفاوت جو افضل اور فاضل میں ہوتا ہے وہ یہاں ثابت ہے۔ واللہ اعلم

عورتوں کے لئے نماز کے احکام

سوال : عورتوں کے لئے نماز کے خصوصی احکام بیان فرمائیے؟

جواب : نماز کے احکام جو مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے واسطے بھی ہیں۔ صرف چند امور میں فرق ہے۔ اول یہ کہ عورتوں کو چاہیے کہ اپنا تمام بدن ایسے کپڑے سے چھپائیں کہ بدن یا بال کارنگ معلوم نہ ہو۔ اگر عورتیں بے یار یک کپڑے سے بدن چھپائیں کہ بدن یا بال کارنگ معلوم ہو تو بدن کا چھپانا ثابت نہ ہوگا۔ اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ جس قدر کامل طور سے بدن چھپایا جائے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں اور پاؤں کو کبھی چھپانا بہتر ہے۔ اور امتیاطاً یہ چاہیے کہ تا آسمان عورت اپنے دونوں قدم اور دونوں ہاتھوں کو چھپائے۔

دکے لیکن منہ ایسا نہ چھپائے کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر نہ پڑے کہ سجدہ کی جگہ نظر نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کو چاہیے کہ اذان اور تکبیر نہ کہیں۔ عورتوں کے حق میں یہی سنت ہے کہ بغیر اذان اور تکبیر کے نماز پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ نماز شروع کرنے کے وقت عورتیں جب اللہ اکبر کہیں تو ہاتھوں کو کانوں تک نہ اٹھائیں۔ بلکہ دونوں کندھوں تک ہاتھوں کو اٹھائیں زیادہ بلند نہ کریں۔

چوتھے یہ کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے نہ باندھیں بلکہ پستان کے نیچے رکھیں۔

پانچویں یہ کہ بلند آواز سے کسی وقت کی نماز میں قرأت نہ پڑھیں اور نہ تکبیر کو بلند آواز سے کہیں یہ سب آہستہ آہستہ کہیں کسی جگہ آواز بلند نہ کریں سلام بھی آہستہ کہیں۔

چھٹے یہ کہ سب نمازیں بیٹھیں خواہ سجدہ کے واسطے خواہ التیحات پڑھنے کے لئے تو مردوں کی طرح بائیں پاؤں پر نہ بیٹھیں بلکہ عورتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال دیں اور بائیں ٹھرن پر بیٹھیں۔

ساتویں یہ کہ سجدہ میں ٹھرن کو بلند نہ کریں بلکہ سجدہ میں شکم رانوں سے ملا رہنا چاہیے اور ایسی حالت میں یہ ضرور ہے کہ زانو سے سر ملا ہے گا۔ مردوں کی طرح زانو سے سر جدا نہ ہے گا۔ فقط

سوال : بوقت فجر دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض ہیں اور بوقت ظہر چار رکعت سنت اور چار رکعت فرض ہیں اور دو رکعت سنت ہے اور بوقت عصر چار رکعت فرض ہے اور بوقت مغرب تین رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت ہے اور بوقت عشاء چار رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت ہے اور تین رکعت وتر ہے یہ سب

میں پڑھنا ہوں اس کے سوا پانچ وقت میں کون کون نماز کس کس وقت پر پڑھنا ضروری ہے ارشاد ہو۔

جواب : فرض اور سنت منوکہ اسی قدر ہے اور اگر جو کے تو چار رکعت نماز ایک سلام سے نوال آفتاب تک بعد اور نماز ظہر کے قبل ادا کرنا چاہیے یہ سنو کہ ہے اور چار رکعت نماز فرض عصر کے قبل مستحب ہے اور نماز مغرب اور عشاء کے درمیان صلوٰۃ الاقارب ہے اور یہ بھی مستحب ہے یہ نماز چھ رکعت بھی ثابت ہے اور میں رکعت بھی ثابت ہے جس قدر جو کے ادا کرنا چاہیے۔ اور نماز اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے ایک پہر دن آنے تک رہتا ہے۔ اور چاشت کی نماز کا وقت ایک پہر دن گذرنے کے بعد سے قریب زوال تک رہتا ہے اور تہجد کی نماز اور گدات کے بعد سے صبح صادق تک ادا کرنا چاہیے۔ اور اشراق کی نماز دو رکعت ہے اور چار رکعت بھی ثابت ہے۔ اور

باشت کی نماز چار رکعت اور تہجد کی نماز دو رکعت سے بارہ رکعت تک ہے۔ یہ نماز بطور تراویح کے پڑھنا چاہیے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا چاہیے اور چار رکعت کے بعد بیچ اور تہلیل پڑھنا چاہیے۔ اور پھر دوسرا تراویح پڑھنا چاہیے۔

لڑنا چاہیے۔

سوال : نماز تراویح کی تفصیل بیان فرمائیے؟

جواب : نماز تراویح کا بیان اکثر فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

روایت کی اس حدیث کو بخاری، ابن ماجہ اور ابوداؤد اور نسائی نے۔ اور روایت ہے نعمان بن بشیر سے کہ کہا انہوں نے کہ کھڑے ہوئے ہم لوگ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان میں تیسویں رات کو شروع رات میں تنہائی رات تک۔ پھر کھڑے ہوئے ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں تیسویں رات کو اس قدر دیر تک کہ ہم لوگوں نے گمان کیا کہ ہم لوگ فلاح یعنی سحری آج نہ کھائیں گے۔ یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔

اور ان احادیث سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں دوسرے مہینوں سے زیادہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ باعتبار رکعات کے بھی زیادہ نماز پڑھتے تھے۔ اور باعتبار خشوع اور خضوع کے بھی زیادہ اور میں نماز پڑھتے تھے۔ اور نماز میں قرأت بھی زیادہ کرتے تھے۔ اور ان احادیث کے قبل جو روایت مذکور ہوئی ہے اس سے بظاہر گمان ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مہینوں سے زیادہ نماز پڑھتے تھے تو ان احادیث میں اور اس سابق روایت میں تطبیق اس طور پر دی جاتی ہے کہ وہ ایک روایت صرف نماز تہجد کے بارے میں ہے کہ رمضان شریف اور رمضان شریف کے سوا ہر مہینہ میں اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر مہینہ میں رمضان شریف ہو یا دوسرا مہینہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا کہ نماز تہجد مع نماز وتر کے گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ یعنی آٹھ رکعت نماز تہجد کی اور تین رکعت نماز وتر کی پڑھا کرتے تھے۔ اور بارہ رکعت تہجد کی نماز پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ امر کہ وہ ایک روایت سابق تہجد کے بارے میں ہے تو اس امر کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس روایت کے آخر میں کہا ہے :-

تَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَتَّامُ قَبْلُ أَنْ تُؤْتِيَ
قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنْ عَيَّيْتُ سَتَأْمَانُ وَلَا يَسَامُ قُلُوبِي. رواه البخاري ومسلم

ترجمہ: یعنی اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آسمتے
ہیں قبل ادا کرنے نماز وتر کے تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے عائشہ رضی میری دونوں پسین
سوئی ہیں اور میرا دل نہیں ہوتا ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے

تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز تہجد اور وتر آخر شب میں نیند سے اٹھنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اور کوئی دوسری نماز سوا تہجد اور وتر کے ثابت نہیں کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب میں نیند سے اٹھنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے بارے میں فرمایا کہ آپ بعد نماز تہجد کے بھی قبل وتر کی نماز ادا کرنے کے سونے نہیں۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وتر کی نماز قضا ہو جائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب جواب میں فرمایا کہ صرف میری آنکھ سوئی ہے میرا دل بیدار رہتا ہے۔ یعنی احتمال وتر کے قضا ہو جانے کا نہیں اور

وسلم کی ہے اور بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نماز تراویح سنت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے اور فتاویٰ میں اس مسئلہ میں بہت فرق و جرح ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ نماز تہجد کی نفل کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ ادا کی اور بخاری میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اور رمضان کے سوا دوسرے مہینوں میں رات میں بعد نماز عشاء کے گیارہ رکعت سے زیادہ نماز ادا نہیں کی۔ البتہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے اور وہ حدیث بیہقی کے نزدیک ضعیف ہے کہ رمضان میں میں میں رکعت نماز بھی ثابت ہے اور نہیں معلوم ہوتا کہ غلط ہے یا شدید نے یہ نماز پڑھی ہے بلکہ روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا :-

نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذَا الَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا خَيْرٌ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ بِهَا۔ ترجمہ: یعنی یہ کیا خوب بدعت ہے جس سے غافل ہو کر مٹے ہوئے بہتر ہے اس سے جس کے لئے تم کمر طے ہوتے ہو۔“

سوال : تراویح اور ماہ رمضان کی فضیلت بیان فرمائیے؟

جواب : یہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ تراویح کے بارے میں یہ حدیث صحیح و درست ہے کہ :

مَا كَانَ يَرِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى الْحَدِيثِ عَشْرَةَ رَكَعَةً. ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔
ایسا ہی یہ بھی احادیث صحیحہ میں کہہ۔

قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي رَمَضَانَ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهَا كَانَ إِذَا دَخَلَ الْعَشِيرَةُ الْأَخْرَجَهُ مِنْ رَمَضَانَ أَحْيَى لَيْلَتَهُ وَنَقِظَ أَهْلَهُ وَجَدَّ الْمَرْءُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَالْبُؤَدَاءُ وَالْيَتَامَى. وَعَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ ثُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لَيْلَةً ثَلَاثَ عَشْرِينَ إِلَى بَعْضِ اللَّيْلِ ثُمَّ ثَمْنَا مَعَهُ لَيْلَةً خَمْسَ عَشْرِينَ إِلَى بَعْضِ اللَّيْلِ ثُمَّ ثَمْنَا مَعَهُ لَيْلَةً سِتَّةَ عَشْرِينَ حَتَّى طَفْنَا أَنْ لَا نَذْرَكَ الْعَلَا حِمْ أَى السُّحُودَ

یعنی فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محنت فرماتے تھے عبادت میں رمضان میں اس قدر زیادہ کہ اس قدر محنت عبادت میں رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں نہ فرماتے تھے۔ روایت کی اس حدیث کو مسلم نے اور یہ بھی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ جب عشرہ آخر رمضان المبارک کا ہوتا تھا تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ کرتے تھے رات کو یعنی زیادہ شب بیداری عبادت میں فرماتے تھے۔ اور اپنے اہل کو جگاتے اور عبادت میں نہایت محنت کرتے تھے۔ اور ازارا ماندھ لیتے تھے۔ یعنی اعتکاف کی وجہ سے وطی سے ریزہ فرماتے تھے۔

رکعت اور ایک روایت میں گیارہ رکعت ہے اور علامہ سیوطی نے ان دونوں روایت میں اس طور پر تطبیق دی ہے کہ مشہور یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد آٹھ رکعت اور نماز وتر تین رکعت جملہ گیارہ رکعت نماز بوقت تہجد پڑھا کرتے تھے۔

تو اس خیال سے کہ تراویح اور تہجد یہ دونوں نمازات میں پڑھی جاتی ہیں۔ صحابہ کرام پہلے آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو پھر جب صحابہ کرام رحمہ اللہ کے نزدیک یقیناً ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں اس سے زیادہ نماز پڑھتے تھے یعنی تراویح کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں رکعت پڑھتے تھے۔ تو پھر صحابہ کرام رحمہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فعل اختیار کیا گیا کہ تراویح کی نماز میں رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور تراویح کی بیس رکعت ہونے پر صحابہ کا اجماع ثابت ہے تو یہ امر بھی ضروریات دین سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تراویح کی نماز میں رکعت ہے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ اور اسی وجہ سے فقہاء کرام اس بارے میں نہایت تاکید کرتے ہیں کہ تراویح کی نماز میں رکعت پڑھنا چاہیے۔ اور اکثر اہل امور شریعت ہیں کہ ان کے بارے میں جس قدر شرفا ہے وہ پہلے معلوم نہ تھی۔ وہ تاکید اجماع سے ثابت ہے اور اجماع بھی شرعی حجت ہے۔ چنانچہ اجماع کا منکر کافر ہے۔ علی الخصوص جس امر پر اجماع ہوا وہ شعار اصل حق کا ہو جائے۔ اور وہ امر اس کے لئے ماہ الاقنیا ہو جائے کہ جو شخص اس اجماع کے موافق عمل کرے وہ اصل حق سے ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرے وہ بدعتی ہے۔ تو اس اجماع پر عمل کرنے کے بارے میں نہایت تاکید ہے۔ چنانچہ سنن روا تب پنج وقتی کی تاکید بھی جس قدر زمانہ صحابہ میں تھی۔ اس سے زیادہ تاکید روایات سے بعد زمانہ صحابہ کے ثابت ہوئی۔ اور یہ امر اس پڑھا رہے جس نے اس بارے میں روایات کی جستجو کی اور بیس رکعت تراویح کی نماز ہونے کے لئے اور بھی وجہ ترجیح ہیں۔ جملہ اس کے ایک وجہ یہ ہے کہ رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں صلوٰۃ القبل کو اس سے مراد تہجد مع وتر ہے گیارہ رکعت ثابت ہیں تو رمضان کا زیادہ عبادت کرنے کا مہینہ ہے گویا وہ نماز دو چند کر دیجی۔

سنن روا تب پنج وقتی کی بھی تعداد رکعت اکثر شافعیہ کے نزدیک دس ہے اور اس کا دو چند بیس رکعات ہیں اور تین رکعت وتر کی اس میں ملائے سے تیس رکعات ہو جاتی ہیں۔ تو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات نماز وتر جملہ تیس رکعات ہوئیں۔

بہر حال اس مقام میں قاعدہ کلیہ پر لحاظ فرمانا چاہیے کہ جس وقت امور شریعت سے کسی امر پر اصل حل و عقد کا اجماع اتفاق ہوتا ہے تو اس امر کے بارے میں دلائل اور ماخذ طرق مختلفہ اور سالک متعددہ سے اس وقت کے اصل عصر کے قلوب پر وارد ہوتا ہے اور باعتبار مہیت اجتماعی کے ان دلائل اور ماخذ سے اس امر کے حکم کے بارے میں یقین یا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ دوسرے لوگ جو اس اجماع کے وقت حاضر نہ تھے جب وہ لوگ اس امر کے ہر ماخذ اور دلیل پر فرداً فرداً نظر کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں کو یقین یا ظن غالب نہیں ہوتا۔ لیکن ان کے حق میں دلیل ہونے کے لئے زمانہ سابق کا اجتماع کافی ہے۔ اور اس اصل سے اکثر مسائل نکلتے ہیں کہ اگر متاخرین چاہیں کہ اجماع کے سوا کوئی

جن روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھتے تھے۔ تو اس نماز سے مراد تراویح کی نماز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ کہ اس وقت عرف میں تراویح کی تعمیر قیام رمضان کے ساتھ کرتے تھے۔

اب اس امر کی تحقیق بیان کرتا ہوں کہ قیام رمضان یعنی تراویح میں کس قدر رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ تو روایات صحیحہ مذکورہ میں رکعت کی تعیین نہیں آئی۔ لیکن ان روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں زیادہ نماز پڑھتے ہیں بہت زیادہ محنت کرتے تھے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت مذکور ہے:-

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصَلِّي رَدَفَ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ بَعْدَ شُرُوتِ رَكْعَةٍ دِيَوْمَ

ترجمہ: یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بلاجماعت کے بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور وتر پڑھتے تھے۔

یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔ بیہقی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے۔ اس بنا پر کہ اس حدیث کے راوی عبد البکر بن ابی شیبہ ہیں۔ حالانکہ البشیر کے نزدیک عبد البکر بن ابی شیبہ میں اس قدر ضعف ثابت نہیں کہ ان کی حدیث قطعیاً متروک کر دیجائے۔ البتہ اگر اس حدیث کے معارض کوئی دوسری حدیث صحیح ہو تو وہ حدیث سا قاطع ہو سکتی اور اوپر بیان کیا گیا ہے کہ یہ جو بعض لوگوں کا گمان ہوتا ہے کہ اس حدیث کے معارض حدیث البوسلہ ہے جو ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رحمہ سے روایت کی ہے اور وہ حدیث اوپر مذکور ہوئی ہے تو یہ گمان صحیح نہیں۔ درحقیقت یہ حدیث البوسلہ کی معارض نہیں۔ تو وہ حدیث جس سے بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جو اوپر مذکور ہے۔ صحیح و سالم ہے۔ قابل عمل ہے اور کیوں اس حدیث میں شبہ کیا جائے۔ حالانکہ فعل صحابہ رحمہ سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ بیہقی نے اپنی کتاب سنن بیہقی میں اس حدیث سے روایت کی ہے:-

عَنِ الثَّابِتِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً دَرَدَى مَا لَكَ فِي الْمَشْطَاعِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ سَدَّامَانَ قَالَ كَانَتِ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ بِثَلَاثَةِ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً بِرَأْيِ قَوْمٍ بَاحِذِي عَشْرَةٍ - ترجمہ: یعنی روایت ہے ثابت بن زید رحمہ اللہ سے کہ کہا ثابت بن زید رحمہ اللہ نے کہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے حضرت عمر رحمہ اللہ کے زمانہ میں رمضان شریف میں بیس رکعت اور روایت کی امام مالک نے مؤطا میں یزید بن رومان سے کہ کہا یزید بن رومان نے کہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے زمانہ میں حضرت عمر رحمہ اللہ کے تیس

یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر جملہ تیس رکعت۔

دوسری دلیل ان مسائل کے لئے ثابت کریں تو مختصر ہو جاتے ہیں۔ اور اس پر ان کو یقین اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک وہ دلائل محیثت اجتماعی مہیا نہیں ہوتے تو متاخرین کو چاہیئے کہ اس امر میں اپنی رائے کو دخل نہ دیں۔ بلکہ ایسی باتوں پر عمل کریں۔

امام مالک رحمہ سے جو منقول ہے کہ وتر کے سوا چھتیس رکعات پڑھنا چاہیئے اور وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل اسی پر تھا تو اہل تاریخ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مکہ معظمہ کے لوگ دو ترویج کے درمیان میں سات شوط طواف کرتے تھے۔ تو چونکہ مدینہ منورہ میں طواف تو ہو نہیں سکتا تھا۔ اس واسطے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اختیار کیا کہ دو ترویج کے درمیان چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ تو اس وجہ سے ان لوگوں کی مجموعی نماز چھتیس رکعات ہو جاتی تھیں۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ان کا بن قیس سے روایت ہے کہ:-

قَالَ أَحْمَدُ رَكَتُ النَّاسِ بِالْمَدِينَةِ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَكَانَ ابْنُ عَثْمَانَ يُسَلِّتُ سِتًّا وَثَلَاثِينَ رَكَعَةً وَيُؤْمِنُونَ بِثَلَاثِ انْتَهَى ترجمہ: کہا داؤد بن قیس نے کہ میں نے پایا لوگوں کو مدینہ میں زمانے میں عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان کے کہ وہ لوگ چھتیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور بن قیس وتر کی نماز پڑھتے تھے۔

یہ داؤد بن قیس کی روایت کا ترجمہ ہے اور ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ یافعی رکعتوں کی جو نوافل کے ملا لینے سے ہوئی تو یہ ام عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں ہوا۔ یعنی جب وہ مدینہ منورہ میں امیر تھے۔ تو ان کی امارت کے زمانے میں ایسا ہوا تھا اس واسطے کہ اس وقت عبادت میں لوگوں کی رغبت بہت زیادہ ہو گئی تھی جس قدر عبادت سابق سے ماثور و منقول تھی صرف اس قدر سے ان کو آسودگی نہ ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

اعمال کے ثواب میں کمی اور زیادتی

سوال: کیا اعمال کے ثواب میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے؟

جواب: بعض صورت میں عمل کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اور بعض صورت میں عمل کا ثواب کم ہوتا ہے اس بارے میں ایک عمدہ تحقیق ہے کہ اس سے سارا شبہ دفع ہو جاتا ہے۔ یہ تحقیق اجمالی طور پر رسالہ السراج الجلیل فی تحقیق التفصیل میں لکھی گئی ہے ملاحظہ ہو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

یہ سات وجوہ ہیں جن کے اعتبار سے کسی شخص کے عمل کا ثواب بہ نسبت دوسرے شخص کے زیادہ ہوتا ہے:-
اول وجہ ماہیت عمل کی ہے یعنی ذات عمل کی ہے مثلاً نماز کا ثواب بہ نسبت دوسرے اعمال کے زیادہ ہے دوسری وجہ مقدار عمل کی ہے مثلاً چار رکعت نماز کا زیادہ ثواب ہے بہ نسبت دو رکعت نماز کے بشرطیکہ

باقی سب وجوہ میں دونوں نماز برابر ہوں

تیسری وجہ کمیت عمل کی ہے۔ یعنی عمل کے حقوق ظاہرہ اور باطنہ کو ادا کرنا اور اس کے آداب اور سنن کی رعایت کرنی اور جو اس بل کے منافی ہوں اور ان سے پرہیز کرنا جیسا تو ربیع اور تقویٰ

چوتھی وجہ عمل کی نیت۔ اور غرض ہے چنانچہ عمل میں جس قدر زیادہ خلوص ہوگا۔ اسی قدر اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا

پانچویں وجہ عمل کا وقت ہے مثلاً شروع اسلام میں جو لوگ اسلام سے شرف ہوئے ان کی فضیلت زیادہ ہے بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے اور مثلاً جو لوگ عسرت کی حالت میں صدقہ دیں تو ان کی فضیلت زیادہ ہے۔

بہ نسبت دوسرے صدقہ دینے والوں کے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے:-
لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مَدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا يَنْصِفُهُ ترجمہ: یعنی جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگوں سے کوئی شخص بمقدار جبل احد کے سونا خرچ کرے تب بھی وہ کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ صحابہ کے نصف درجے کو بھی پہنچ سکتا۔
اللہ تعالیٰ سے فرمایا ہے:-

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْمُنْجِ وَقَاتِلٍ أَوْ لِيكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتِلُوا وَكَفَّلَ اللَّهُ الْحُسْنَى ترجمہ: تم میں سے کوئی اس شخص کے برابر نہیں جس سے عرصہ کیا قبل سح ہونے کے اور لڑائی کی۔ وہ لوگ زیادہ ہیں درجہ میں ان لوگوں سے کہ خرچ کیا ان لوگوں نے بعد فتح ہونے کے اور لڑائی کی اور ہر ایک کے لئے اللہ نے بہتر وعدہ کیا ہے۔

چھٹی وجہ عمل کی جگہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
سَلَاةٌ فِي مَجْدِي هَذَا خَيْرٌ ثَلَاثِينَ أَلْفَ سَلَاةٍ فِي خَيْرِ سَائِرِ الْأَسْجِدِ الْحَرَامِ ترجمہ: یعنی ایک نماز کہ اس میری مسجد میں پڑھی جائے بہتر ہے مزار نماز کے کہ اس کے سوا دوسری جگہ پڑھی جائے سوا مسجد حرام کے۔

ساتویں وجہ عمل کرنے والے کی فضیلت کی بنا پر ہے اور اس امر کی بنا پر ہے کہ اس کے ہمراہ عمل کیا جائے مثلاً جو عبادت نبی نے کی ہو یا نبی کے ہمراہ کی گئی ہو، اس کا زیادہ ثواب ہے بہ نسبت اس عبادت کے کہ نبی کے سوا کسی دوسرے نبی نے کی ہو یا نبی کے سوا کسی دوسرے کے ہمراہ کی گئی ہو مثلاً نماز اور ذکر اور روزہ اور صدقہ اور تلاوت وغیرہ کہ نبی نے کی ہو یا نبی کے ہمراہ کی گئی ہو۔ تو اس کا زیادہ ثواب ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کی نماز وغیرہ کے۔

تو معلوم ہوا کہ سات وجوہ ہیں۔ ان اعتبارات سے عمل کا ثواب زیادہ ہوتا ہے تو جو عبادت کہ کسی بزرگ نے کی ہو یا جس عبادت میں زیادہ محنت کی گئی ہو تو اس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ یا کوئی عبادت زیادہ کی گئی ہو۔ تو اس کا

ثواب زیادہ ہوگا۔ بہ نسبت دوسرے شخص کی عبادت کے۔ بشرطیکہ یہ دونوں طرح کی عبادات اور دوسری تکمیل میں برابر ہوں ورنہ زیادتی ثواب میں اور سب وجوہ کا یہی لحاظ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مالک کے علم میں اس عمل کا جو ثواب مقرر ہے ان وجوہ کے لحاظ سے اس میں کمی زیادتی ہوگی۔ یہ ایک اجمالی کلام ہے کہ اس مسئلہ کی جو اصلیت ہے بیان کی گئی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل دشوار ہے اس واسطے کہ اس میں نہایت تطویل ہے البتہ آپ کے کلام مبارک میں تین سوال کا ذکر ہے وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

- ۱۔ پہلا سوال یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی عورت نے صبح سے دوسرے دن کی صبح تک تسبیح کہی۔ آخر حدیث تک۔ نہ
- ۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھنے کا ثواب قرآن شریف کے ختم کے برابر ہے۔
- ۳۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ کسی نے ہزار مرتبہ کوئی درود شریف پڑھا اور دوسرے نے ایک مرتبہ یہ درود شریف پڑھا اللہ صلی علی سیدنا محمد و آلہ وسلم یعنی نشان سوالات کا یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ زیادہ عمل کے مقابل میں کم عمل کا ثواب ان صورتوں میں زیادہ ہے۔ یا اس کے برابر ہے۔

آخر حدیث تک اس سے مراد یہ ہے۔ عن جوبیدیۃ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِلْدِهَا بُكْرَةً جَائِعًا مَلَى الْبُشَّعَ وَهِيَ فِي مَسْجِدٍ مَا تَقَرَّجَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَائِلَةٌ قَالَ مَا نَزَلْتُ عَلَى الْبَحَالِ الَّتِي نَارُكَ عَلَيْهَا نَارُ نَعْمَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكَ أَرْبَعُ كَلِمَاتٍ ثَلَاثُ مَرَّةٍ لَوْ فُزْتُ بِمَا قُلْتُ مِنْهُ الْيَوْمَ لَوَزَّتُهُنَّ سَبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَذَّ دَخَلْتُهُ وَمِنْهُ عَرْشُهُ وَمَعْدَادُ كَلِمَاتِهِ دَوَاهِمُ يَعْنِي خُصْرَتِ جَوِيْرِ يَدْنِهِ رَوَايَتُ هِيَ كَوَيْفِ مَعْلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کے پاس یہ باتیں لائے۔ صبح کے وقت جب فجر کی نماز سے فارغ ہوئے اور چہرہ انہی جگہ میں تھیں کہ وہ نماز پڑھی تھی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والہاں تشریف لائے بوقت چاشت کے اور ابھی وہ بیٹھی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم برابر اسی حال پر رہی ہو کہ جس شغل میں میں نے تم کو چھوڑا تھا۔ تو جو میری رہنے لگاؤں۔ تو پھر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمہ کہا ہے کہ اگر وہ وزن کیا جائے بمقابلہ اس کے کہ تم نے آج کہا ہے تو اس کے برابر ثواب اور فضیلت میں وہ کلمات ہوں گے اور وہ کلمات یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَذَّ دَخَلْتُهُ وَمِنْهُ عَرْشُهُ وَمَعْدَادُ كَلِمَاتِهِ دَوَاهِمُ یعنی پاک ہے اللہ تعالیٰ اور حمد کی میں نے اللہ کی باغاذہ خلق اس کے اور بمقدار رضامندی اس کے اور برابر عرض کے اس کے اور باندازہ کلمات اس کے۔ روایت کی یہ حدیث مسلم نے اور مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث ہے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ کسی عورت نے صبح سے دوسرے دن کی صبح تک تسبیح کہی تو تسبیح لیتینا خلق اللہ کی تعداد سے کم تھی مگر خلق اللہ کی تعداد کا لحاظ ہمیں اجمالی طور پر تھا اور اس عورت کی تسبیح کی تعداد تفصیلی طور پر تھی۔ تو اس اعتبار سے وہ تفصیل اس اجمال پر غالب ہوتی ہے مگر جب اس اجمال کے مقابل میں استعداد زیادہ ہو اور اس کا ذہن وسیع ہو تو یہ اس کا اجمال ہزار درجہ تفصیل سے بہتر ہے اسی اعتبار سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے حق میں یہ حدیث فرمائی۔

سورہ قل جو اللہ احد میں حق تعالیٰ کی فاعل کو حید اور تنزیہ کا بیان ہے اور اس میں احکام اور قصص اور ترغیب اور ترہیب کا ذکر نہیں تو یہ سورہ بمنزلہ ذکر شخص کے ہے۔ اور دوسری آیات کہ ہمیں احکام اور قصص اور وعدہ و وعید کا ذکر ہے۔ گویا حکم میں کتب فقہ و حدیث کے ہے تو یہ سورہ پڑھنے میں نفس عمل کو بذاتہ ترغیب دوسری آیات پر ہے اگرچہ قرآن شریف ہونے میں سب آیات برابر ہیں۔ اور جب چند چیزوں کی ذات میں تغایر ہو تو ان کی مقدار برابر ہونے کا ان کی فضیلت میں اعتبار نہیں۔ مثلاً یا قوت کہ چند رتی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ چند من لوہے اور دوسری مفید دعوات سے قیمت میں زیادہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی یہ سورہ بھی ہے کہ اس سورہ کی فضیلت بذاتہا بہ نسبت دوسری آیات کے زیادہ ہے۔

ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا اور اللہ صلی علی سیدنا محمد و آلہ وسلم ایک مرتبہ پڑھنا اس میں بھی اجمال اور تفصیل کا اعتبار ہے اور پڑھنے والے کی استعداد کی بناء پر اس مقام میں بھی فضیلت کا اعتبار ہے۔ بہر حال اللہ صلی علی سیدنا محمد و آلہ وسلم ایک مرتبہ پڑھنا اور اللہ صلی علی سیدنا محمد و آلہ وسلم ایک مرتبہ پڑھنا برابر نہیں ہو سکتے۔

سوال: جو شخص کوئی عمل منجملہ اعمال نفل و صدقہ و تلاوت قرآن شریف و درود شریف وغیرہ کے کرتا ہے تو کیا اس کے ثواب کا وہ مالک ہو جاتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-
مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَكَانَتْ عَشْرًا مِثْلَهَا۔ ترجمہ: جس نے نیکی کی تو اس کا دس گنا اس کو ثواب دیا جائے گا۔

تو بمقتضائے اس آیت کے ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہر شخص کو ہوتا ہے اور باعتبار خلوص وغیرہ یا کسی اور وجہ سے زیادہ ثواب بھی کسی کو ہوتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اس کا سب ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے اور جب بہت لوگوں کو ثواب رسانی کرے گا۔ تو باعتبار حساب کے وہ ثواب سب میں تقسیم ہوگا۔ لیکن حق تعالیٰ مالک ہے اگرچہ اس کا کل ثواب منجملہ ان لوگوں کے ہر شخص کو برابر بخشے۔ مگر ایسا ہونا ضروری نہیں اور جو شخص ثواب رسانی کرتا ہے تو اس سے ثواب رسانی کا عمل صادر ہوتا ہے اور یہ بھی نیک عمل ہے اس سے بھی توقع ہے کہ اس کو ثواب رسانی کا بہت زیادہ ثواب ہو۔ اگرچہ یہ چیز صراحتاً روایات میں نظر سے نہیں گذری ہے۔ واللہ اعلم

سوال : عبادات اور اعمال کو اجرت پر دینے کا کیا حکم ہے ؟

جواب : حافظان قرآن شریف جو اجرت قرآن شریف کے پڑھنے پر لیتے ہیں، اس کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جو قرآن شریف پڑھے اس کا ثواب کچھ روپے کے عوض کسی کے ہاتھ بیچ ڈالے اصل سنت کا اس پر اجماع ہے۔ یہ صورت محض باطل ہے۔ البتہ امامیہ میں اس کا رواج ہے بلکہ روزہ اور حج وغیرہ کے ثواب کو بھی لوگ بیچتے ہیں۔ اس امر کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بیع کی حقیقت ہے مبادا مال کا ساتھ مال کے عبادت کا ثواب مال نہیں، بلکہ وہ حق ہے جو اس شخص کو موافق وعدہ اللہ تعالیٰ کے ثابت ہوتا ہے اور اس وعدہ کو خدا تعالیٰ آخرت میں پورا کرے گا۔ اور حقوق کی بیع خواہ وہ حق دنیاوی ہو خواہ اخروی جائز نہیں جیسے حق اولاد، حق وراثت، حق راستہ گزرنے کا اور حق چھت پر رہنے کا اور مثل ان کے عام حقوق کی بیع نامہاد ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو قرآن شریف ختم کرنے کے لئے اجرت پر مقرر کریں اور اس سے مقصود یہ ہے ختم کا ثواب اجرت دینے والے کو ہو۔ یہ صورت حنفی مذہب میں ناجائز ہے اور شافعی کے نزدیک اس حکم میں طول اور تفصیل ہے۔ اس صورت کے ناجائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفی مذہب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے مبادا کہ شرح وقایہ وغیرہ میں لکھا ہے :-

الْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّه لَا يَجُوزُ الْأَجْرُ عَلَى الطَّاعَاتِ وَعَلَى الْمَعَاصِي لَكِنَّا وَقَعَ الْفَتْوَى فِي الْأُمُورِ الَّتِي يَنْبَغِي بِهَا تَحْقِيقُهَا التَّعَلُّمُ الْقُرْآنَ وَالْفَعْلُ تَجَوُّزُ مِنَ الْأَمْرِ مَا س. ترجمہ : اصل مذہب ہمارا یہ ہے کہ نہیں جائز ہے اجرت طاعات پر اور نہ گناہوں پر لیکن چونکہ امور دینیہ میں فتوہ واقع ہوا اس لئے اجرت کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے واسطے سیکھنے قرآن شریف اور فقہ کے تاکہ یہ علوم رست نہ جائیں۔

اور طاعات پر خواہ نفل ہوں یا فرض اجرت کے ناجواز کا سر یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے حکم کے موافق آخرت میں اجرت پانے کا مستحق ہوتا ہے اگر وہ شخص ایک کے اجر کو مخلوق سے چاہے تو دو عوض اور دو اجر ایک آدمی کو ایک کام پر ملنا لازم آتا ہے جیسے کہ کوئی شخص ایک آدمی کا خاص نوکر ہو گیا ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اسی زمانہ میں وہ آدمی دوسرے شخص کا بھی خاص نوکر ہو۔ ایسا ہی ہدایہ میں لکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْهُ رِجَالًا مَعَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی پڑھو تم لوگ قرآن کو اور مت کھاؤ اس پر اجرت۔

جیسے کوئی شخص کسی آدمی کو اس واسطے نوکر رکھے کہ وہ آدمی قبر کے پاس قرآن پڑھا کرے کہ فقہاء کرام نے کہا ہے اس پڑھنے سے کوئی ثواب کا مستحق نہ ہوگا اور پڑھنے والا انتہی۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص خالصتاً اپنے پڑھنے کے ثواب کسی دوسرے کو بخش دے یا اس دوسرے

شخص کو ثواب پہنچانے کی غرض سے پڑھے اور عوض لینے کا خیال اس کے دل میں بالکل نہ گزرے اور وہ دوسرا آدمی اس پڑھنے کے عوض میں بعد پڑھنے کے یا درمیان پڑھنے کے پڑھنے والے کو کچھ دیدے یا اور کوئی احسان اس کے ساتھ کرے یا کوئی ایسا شخص ہو کہ برسوں کسی دوسرے شخص پر انعام اور احسان کرتا ہو۔ اور وہ دوسرا شخص اس کے عوض میں قرآن شریف اور کھم لا الہ الا اللہ اور مانند اس کے پڑھے اور اس کا ثواب اس شخص کو بخش دے یہ صورت بلاستنبہ جائز ہے بلکہ یہ مستحب ہے اس واسطے کہ احسان کے صلے میں احسان کرنا جائز ہے۔ اور حدیث میں ہے :-

مَنْ مَتَّحَ إِلَيْكَ مَعْرُوفٌ تَكَافُلُوا. ترجمہ : جو شخص تم لوگوں کے ساتھ احسان کرے تم بھی اس کے صلے میں اس کیساتھ احسان کرو۔

لیکن اس امر میں بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر پڑھنے والے کی نیت ہے کہ احسان کے صلے میں احسان کرے تو یہ جائز اور مستحب ہے اور اگر اس نیت سے پڑھتا ہے کہ اس پڑھنے کے عوض آئندہ کچھ ملے تو فی الواقع یہ اجارہ ہے البتہ احسان کا صلہ جاننے میں حرج نہیں لیکن دونوں صورتوں میں جو فرق ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ خواہش ہے کہ علم دین حاصل کرے یا قرآن شریف یاد کرے یا کسی دوسری عبادت میں مشغول ہو لیکن وہ تنگدست ہو اور کوئی صورت بسر اوقات کی اس کے لئے نہ ہو۔ اور اس وجہ سے وہ ان امور میں فراغت کے ساتھ مشغول نہ ہو سکے اور کوئی دوسرا شخص مالدار اس کی بسر اوقات کا ذمہ دار ہو جائے تاکہ وہ شخص فارغ البال ہو کر عبادتوں میں مشغول ہو تو اس کی ہر عبادت پر دونوں شخص کو کامل اجر حاصل ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ :-

لِلْفَقِيرِ وَالْأَعْيُنِ أَحْصُوا الْغَنَى. اور عبادت میں مدد کرنے سے یہی مراد ہے جس کی فضیلت جا بجا حدیثوں میں مذکور ہے لیکن اس پر اجرت کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن شریف پڑھے۔ اور اس کی نیت عبادت کی نہ ہو بلکہ صرف اس خیال سے پڑھے کہ قرآن شریف پڑھنا شایع ہے اور اس پر اجرت ملے۔ مثلاً دم کرے یا لکھ کر تعویذ پڑھے یا قرآن شریف کی بعض سورتوں کو اس غرض سے پڑھے کہ کوئی خاص دینی مطلب حاصل ہو یا قبر کا عذاب ہو۔ یا خوش الحانی کے ساتھ پڑھے اس غرض سے کہ زندہ یا مردہ کو ضرور ہو۔ اب بھی بلاکراہت بھی جائز ہے اور یہی اس حدیث سے مراد ہے :-

إِنْ أَحَقَّ مَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ أَنْ يَأْخُذَ بِكِتَابِ اللَّهِ. یعنی جن چیزوں پر تم لوگ اجرت لیتے ہو ان میں سے زیادہ بہتر اللہ تعالیٰ کتاب ہے کہ اس پر تم لوگ اجرت لو۔

اور یہ جو واقعہ ہو کہ کسی شخص کو بچپن یا سانپ نے کاٹا تھا اور کسی صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا اور اس پر انہوں نے اجرت لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجرت کو جائز فرمایا۔ یہ اجرت لینا بھی اسی قسم ہے

فرض ہے شریعت میں ایک طرح کی تحریف ہے۔

سوال : نماز جنازہ کے لئے جو وضو کیا گیا ہو اس وضو سے نماز پنجگانہ میں سے کوئی نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟
جواب : جائز ہے اس واسطے کہ وضو میں نیت شرط نہیں چاہیے جس نیت سے وضو کرے اس وضو سے نماز ادا کرنا جائز ہے اور تیمم میں کر نیت شرط ہے اس میں بھی جائز ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

لَوْ تَيَمَّمُوا لِمَصَلَاةٍ الْجَنَائِزَةِ وَمِنْ جَدَةِ الشَّلَاةِ أَجْزَأُ أَنْ صَلَّى بِهِ مَكْتُوبَةً بِإِلْخِلَافٍ كَذَا فِي الْمَحِيطِ۔ ترجمہ : یعنی اگر نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کے لئے تیمم کیا تو بلا خلاف علماء کرام کے نزدیک جائز ہے کہ اس تیمم سے فرض نماز پڑھے اور ایسا ہی محیط میں ہے فقط۔

سوال : فقہاء حنفیہ کے نزدیک چوتھائی دائرہ کا مسح کرنا فرض ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھڈی کے نیچے بھی تر فرمایا لو اگر چوتھائی دائرہ کا مسح کرنا فرض ہے تو ٹھڈی کے نیچے تر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب : چوتھائی دائرہ کا مسح کرنا فرض ہے اور ٹھڈی کے نیچے تر کرنا سنت ہے۔ بہتر ہے کہ فرض پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بلکہ سنت کے موافق عمل کیا جائے۔ یعنی ٹھڈی کے نیچے تر کیا جائے۔ ٹھڈی کے نیچے مس کرنے کی ضرورت نہیں اس واسطے کہ اس کا وضو فرض نہیں۔ ایسا ہی جس کی دائرہ گہنی ہو تو اس کے لئے سنت ہے کہ دائرہ کا مسح کرے جس قدر منہ چھپا ہو۔ وہ بھی دھوئے۔ ان دونوں امر میں کچھ تعارض نہیں کہ چوتھائی دائرہ کا مسح کرنا فرض ہے اور ٹھڈی کے نیچے دھونا سنت ہے یعنی اگر چوتھائی دائرہ کا مسح کر لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ اور وضو درست ہو جائے گا اگر نہ ادا ہو تو چاہیے کہ صرف مسح پر نہ کیا جائیگا۔ بلکہ ٹھڈی کے نیچے دھویا جائے۔

سوال : کبیل اور عمدہ پر نماز پڑھنا اور سجدہ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (از سوالات مولوی جیل ملی)
جواب : جائز ہے بشرطیکہ پیشانی اس پر قرار پا جائے۔ یعنی سجدہ کرنے میں بمقام سجدہ سختی معلوم ہو اور پیشانی بخوبی قرار پا جائے۔

سوال : زید ریاح کے مرض میں ایسا گرفتار ہے کہ ایک رکعت تک بھی ریح ضبط نہیں کر سکتا ہے تو ہر تازہ لئے تازہ وضو کرے اور بعد ادا کے نماز جو کچھ اس کا معمول ہو وہ طیفہ کے تعلق سے ہو۔ مثلاً منزل کلام اللہ کی پڑھنا ہو اور حدیث شریف پڑھنا ہو۔ اور درود شریف پڑھنا ہو تو اسی وضو سے یہ سب بھی پڑھے گا۔ یا ان سب وظیفوں کے لئے تازہ وضو کرنا ہوگا۔ اور بعد نوافل کے مثلاً تہجد و اشراق اور چاشت کے بعد جو کچھ ورد اور وظیفہ اس کا معمول ہے اسی سابق وضو سے ادا کرے گا جو نوافل کے لئے وضو کیا تھا۔ یا تازہ وضو کرنا ہوگا۔ (از سوالات مولوی جیل ملی)

جواب : پھر تازہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں اگر کوئی دوسرا ناقص وضو صادر نہ ہوا ہو تو وہی سابق وضو کافی ہوگا۔

مسائل دعاء

سوال : دعاء انبیاء کرام کی تاثیر کیا ہے؟

جواب : اس بارے میں روایات مختلفہ وارد ہیں کہ واجب ہے یا نہیں کہ انبیاء کرام کی دعاء ضرور قبول کی جائے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب نہیں والد ماجد مرحوم کے حضور میں اس بارے میں بہت گفتگو ہوئی اور آخر میں ثابت ہوا کہ نبی کی دعاء جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہو یا اس دعا کے لئے منشاء نبی کی نفس نبوت ہو۔ تو ان صورتوں میں ضروری ہے کہ دعا قبول ہو اگرچہ اس بارے میں زیادہ دعا کی جائے۔ ایسا ہی کتب سیر سے ثابت ہے اور اسی توجیہ سے روایات مختلفہ میں تطبیق ہوتی ہے واللہ اعلم۔

سوال : اذکار کی تحقیق اور ان کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب : اس مسئلہ کی تحقیق فیکر کی بعض تالیفات میں مذکور ہے کہ تقریباً سب اذکار ماثورہ لہ کے صرف دو صیغہ ہیں۔ غالباً اس کے علاوہ کسی ذکر کا کوئی دوسرا صیغہ نہیں۔ پہلا تسبیح، دوسرا حمد و تیسرا صیغہ تکبیر، چوتھا صیغہ تہلیل، پانچواں صیغہ تلوین اور نوکل کا ہے اور چھٹا صیغہ تعویذ اور التجا اور تحنن کا ہے اور ساتواں حصہ حلاوت یعنی درود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھنا اور آٹھواں صیغہ استغفار کا ہے اور نواں صیغہ ان اودعیہ جامعہ کا ہے کہ وہ ہر ہر مطالب کے لئے باعتبار حاجات اور اوقات کے وارد ہیں۔ ان صیغوں کے ہر صیغہ کے لئے اجمل اور تفصیل ہے اور ہر صیغہ کے آثار ہیں کہ ذکر کے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ہر صیغہ کے خواص علیحدہ علیحدہ ہیں جو مطالب حاصل ہونے کے لحاظ سے ہیں اور تعویذ اور نوکل کے کلمات تاثیر میں تریاق کے مانند ہیں اور ظاہر طور میں تجربہ میں آیا ہے کہ ان کلمات کی برکت سے یا کسی حالت میں حاجت روائی ہوتی ہے اور میرے بعض احباب نے ایک دسواں صیغہ بھی ذکر کیا ہے اور وہ تسمیہ ہے مگر اس فیکر کے نزدیک یہ صیغہ مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ صرف وسیلہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے سب اذکار سے نفع حاصل ہوتا ہے البتہ بعض مقامات میں اس کی خاص تاثیر بھی ہے مثلاً :-

بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَشْرُكُ بِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ترجمہ : یعنی شروع کرتا

لہ یہ مادی صورت بھی ہو سکتی ہے اور محسوسات بھی اور مقدمات بھی ثواب کی ملکیت اس کے علاوہ منہدم ہے گی۔ ماثورہ حدیث سے ثابت ہوں بعض صحابہ سے بھی۔

ترجمہ : ہمیں ہے کوئی معبود قابل پوچھنے کے سوا اللہ کے کہ وہ دانا اور کریم ہے اور پاک ہے اللہ کہ وہ ملک عرش عظیم کا ہے۔ اے پروردگار سوال کرتا ہوں تجھ سے ان امور کے لئے جو تیری رحمت کے واسطے ہیں۔ اور سوال کرتا ہوں تجھ سے کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے اور سوال کرتا ہوں تجھ سے ہر طرح کی نیکی کے لئے اور اس کے لئے کہ ہر گناہ سے مجھ کو تو بچانا اور میرے سب گناہ تو بخش دے اور میرا سب رنج دفع فرما دے اور دین اور دنیا کی میری سب حاجتیں تو پوری کر دے یا ارحم الراحمین ۛ

یہ ترجمہ دماغ ذکرہ کا ہے۔ اور اعمال مشائخ میں حکم خواجگان بھی مجرب ہے اور اس کی ترکیب مشہور و معروف ہے اور یہ حکم بھی مضبوط ہے کہ :-

يَا بَدِيعَ الْعَجَائِبِ الْخَيْرِ يَا بَدِيعَ اَكْبَرِ هَذَا دُوسوم تہ پڑھے خواہ تنہا پڑھے یا وہ اور دوسرے لوگ
مشترک ہو کر سب لوگ مل کر یہ ختم پڑھیں۔

مسائل جنازہ

سوال : ہر مسلمان کے حق میں یہ سنت ہے یا نہیں کہ کفن کے واسطے کپڑا اپنے پاس رکھے بعض کا یہ قول ہے کہ ایک برس سے زیادہ کفن کا کپڑا نہ رکھنا چاہیے جب ایک برس گزر جائے تو وہ کپڑا کسی دوسرے کو دے ڈالے اور دوسرے کفن کے واسطے اپنے پاس رکھے۔

جواب : اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ مسلمان اپنے کفن کے واسطے کپڑا خرید کرے یا کسی سے لیوے اور اس کو اپنے پاس رکھے۔ یہ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور اسمیں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک ہی کپڑا رسول رہ جائے۔ مگر ایسا پُرانا نہ ہو جائے کہ مُردہ کو اس میں بیٹھنے سے اس کے پھٹ جانے کا خوف ہو۔ جب ایسا پُرانا ہو جائے تو اس کو فقیر کو دے دے یا اپنے مصرف میں لے آئے۔ اسمیں کچھ مضائقہ نہیں۔ صحیح بخاری میں سہیل سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر نبی ہوئی لے آئی۔ اس میں عاشقہ بھی تھی۔ اس عورت نے یہ کہا کہ میں نے یہ چادر اپنے ماتھے سے نبی ہے اس اُتید سے یہ چادر لے آئی ہوں۔ کہ آپ اس کو اپنے مصرف میں مشرف فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر لے لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس چادر کو بطور رگی کے پہنے ہوئے تھے اصحاب کے پاس شریف لے آئے۔ حاضرینِ مجلس میں سے ایک صحابی نے اس چادر کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ اسے مجھ کو دے دیجیے۔ یہ چادر بہت بہتر ہے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے اچھا نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چادر مانگی اور آپ یہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کو رد نہیں فرماتے انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ چادر اس غرض سے نہیں مانگی ہے کہ بالفعل میں اس کو اپنے مصرف

ہے۔ آئی، بلکہ اس غرض سے لکھی ہے کہ میرے کفن میں یہ چادر کام آئے۔ حضرت سہیل رنہ نے کہا کہ وہ چادر ان کے کفن میں آئی۔

جواب : انشاء اللہ تعالیٰ دیا جائے گا۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار جنازے جمع ہو گئے اور

اور ایک جنازہ بالغ مرد کا ہے اور ایک جنازہ بالغہ عورت کا ہے تو کیا چاروں

جواب : بہتر ہے کہ ہر خانے کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی

سب کے جانے کی نماز پڑھی جائے۔ اس منورت میں چابھی کے چاروں جانے قبلے کی طرف آکے پیچھے

آگے دوسرا رکھے جائیں۔ اس ترتیب سے کھنا چاہیے کہ ام کے سامنے اس کے نزدیک پہلے بالغ

پھر اس کے بعد نابالغ لڑکے کا جنازہ رکھا جائے۔ اور اس کے بعد بالغ عورت کا جنازہ

میں نے۔ پھر اس کے بعد نابالغ لڑکی کا جنازہ رکھا جائے۔ اور سب کی نیت کرنی چاہیے اور ایک جی عا

ہے۔ ایسا ہی دُرِ مختار اور حاشیہِ محامی میں ہے۔ واللہ اعلم

مسائل روزہ

سوال: شیخ محی الدین ابن عربی نے فضائل شہر میں کہا ہے کہ:-

إِنَّ أَفْضَلَ الشُّهُورِ عِنْدَنَا رَمَضَانٌ ثُمَّ شَهْرُ رَجَبٍ الْاَوَّلُ ثُمَّ رَجَبُ الثَّوْنِي ثُمَّ شَعْبَانُ ثُمَّ

ذو الحجة ثم شوال ثم ذو القعدة ثم المحرم ترجمه: یعنی سب مہینوں میں افضل

ہم لوگوں کے نزدیک رمضان ہے۔ پھر ربیع الاول ہے، پھر رجب ہے پھر افضل شعبان ہے اور

پھر ذی الحجہ ہے پھر شوال ہے پھر ذیقعدہ ہے پھر محرم ہے۔

محمی الدین ابن عربی نے اس کی بہت وجہیں بیان کی ہیں اور پھر کہا ہے کہ شہر قمریہ کہ بارہ ہیں یہ بھی میرے

دیک ثابت ہوا ہے اور باقی مہینہ یعنی صفر اور ربیع الاول اور ربیع الثانی اور جمادی الاول اور جمادی الثانی ہے۔

یعنی فیصلت میں باجم برابر ہیں اور یہی میرا گمان غالب ہے۔ اس واسطے کہ میرے نزدیک ثابت نہ ہو گا کہ چار گروہوں

نہیں کہ فضیلت و حقارت کی ہر ایک کیفیت محلِ نزاع ہے اور یہ مناسب نہیں کہ وہ بات کہوں جو میرے نزدیک ثابت نہیں اور

ابن عربی نے دوسرے مقام میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مہینوں میں رمضان کو زیادہ فضیلت دی ہے

اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے یہ مہینہ منسفی ہے اس واسطے کہ ثابت ہے کہ رمضان شریف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اس وجہ سے اس کی زیادہ فضیلت باعتبار اور سب مہینوں کے ہوئی۔ احکام شرعیہ شہور قمریہ کے اعتبار سے ہیں۔ شہور شمسیہ کے اعتبار سے نہیں۔ اب سوال چند امور کے بارے میں ہے کہ کیا مہینوں کے فضائل مذکورہ صحیح ہیں کیا رمضان اللہ تعالیٰ کے اسمارت سے ہے تو رمضان کا معنی کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ شرعی احکام شہور قمریہ کے اعتبار سے ہوتے اور شہور شمسیہ کے اعتبار سے نہ ہوتے۔

جواب :

ظاہر ہے کہ کسی چیز کی فضیلت دوسری چیز پر باختلاف مقاصد کے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً امرائے نزدیک پر نسبت گھوڑے کے ہاتھی زیادہ بہتر ہے۔ مجاہدین کے نزدیک بہ نسبت گھوڑے ہاتھی کے گھوڑا زیادہ بہتر ہے۔ کھیتی کرنے والے کے نزدیک عرب میں بہ نسبت ہاتھی اور گھوڑے کے اونٹ زیادہ بہتر ہے۔ اب اس تمہید کے بعد کہتا ہوں کہ رمضان شریف کی برکت تمام طور سے ہے۔ اس واسطے کہ اس میں قرآن شریف نازل ہوا ہے۔ روزہ فرض ہے اور اس میں شب قدر ہے۔ شب قدر کے فضائل شہور ہیں اور ربیع الاول کو فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس وجہ سے اس امت کے لئے یہ مہینہ باعث برکت ہوا کہ اس مہینہ میں جس قدر درود شریف کا ورد کیا جا آئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب رسانی کی جاتی۔ اسی قدر زیادہ برکت اس کے حق میں ہوتی ہے۔ جو زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے اور زیادہ ثواب رسانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہے اس کو زیادہ برکت ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ برکت عامہ الہیہ کے بعد درجہ باعتبار فضیلت کے برکت عامہ نبویہ کا ہے اور جب کہ برکت خالصہ اللہ ہے اور برکت شعبان کی برکت خاصہ نبویہ ہے کہ خاص ان لوگوں کے لئے یہ برکت ہے کہ وہ لوگ عبادت میں زیادہ محنت کریں اور نوافل میں زیادہ مشغول رہیں۔ اس واسطے کہ اس مہینہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہے۔ اور بعد برکت عامہ فضیلت برکت خاصہ کی ہے اور نبی کی برکت خالصہ اللہ ہے اور ایک خاص مقام میں ہے۔ یعنی مکہ معظمہ میں کہ وہاں اس مہینہ میں حج ہوتا ہے۔ لیکن اس سے مستفید ہر جگہ کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسا ہی شوال اور ذیقعدہ کی برکت خالصہ اللہ ہے اس واسطے کہ ان مہینوں میں بعض افعال حج کے ادا کئے جاتے ہیں اور شوال میں رمضان شریف کی برکت بھی باقی رہتی ہے اور یہ امر ذیقعدہ میں نہیں اور اس وجہ ذیقعدہ پر فضیلت میں شوال مقدم ہے اور محرم کی برکت زیادہ زائم سابقہ میں تھی۔ البتہ اس مہینہ میں اگر ظاہراً سید الشہداء یعنی حضرت ام حنین رضی اللہ عنہا کی تکلیف ہوئی۔ لیکن اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت کا عطا فرمایا۔ اور اس وجہ سے یہ مہینہ باعتبار فضیلت کے بزرگ مہینوں سے منحصر ہے اور باقی مہینوں میں کسی مہینہ کو کچھ خصوصیت نہیں۔ شعبان کی برکت شب براءت کی وجہ سے ہے اور اس سے بھی ہے کہ ایک سال آئندہ کے لئے غلے کے حق میں رزق وغیرہ ان کے حوائج کے بارے میں اندازہ کر دیا جاتا ہے اور ذی الحجہ کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :-

ما من ايام العمل الصالح فيها احب الى الله من عشرة ذي الحجة يعبدك فيها ميام كل يوم منها بعباد سبعة دقيام كل ليلة بقيام ليلة القدر۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل صالح کی جس قدر زیادہ فضیلت عشرہ ذی الحجہ میں ہے اس قدر زیادہ فضیلت کچھ دوسرے دن میں نہیں۔ عشرہ ذی الحجہ کے ایک روزہ کا ثواب ایک برس کے روزہ کے ثواب کے برابر اور عشرہ ذی الحجہ کی ہر رات کی یہ فضیلت ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کا اس قدر ثواب ہے کہ جس قدر ثواب شب قدر میں نماز پڑھنے کا ہے :- یہ ترجمہ حدیث مذکورہ کا ہے

دور عرفی برکت یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھنے سے دو برس گذشتہ اور دو برس آئندہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ محرم کی فضیلت یہ ہے کہ اس سال شروع ہوتا ہے تو شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے ادھر توجہ نہ کی اور اس کے اصل یہ ہے کہ شیخ نے جو ترتیب بیان کی ہے وہ ہذا ہے۔ اس سے تعارض کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں صرف ان امور کو بیان کیا ہے جو اس سے خلاف ہیں تو اس امر کو بغور و فکر سمجھ لینا چاہیے۔ یہ امر کہ اللہ تعالیٰ رمضان بھی ہے تو مجاہد کے قول سے ثابت ہے اور غالباً مجاہد نے کسی ثقہ سے سنا ہوگا۔ اس واسطے کہ اللہ کے اسماء توفیقہ شرع میں وارد ہونے پر موقوف ہیں، عقل کو اس میں مستقل طور پر دخل نہیں۔ ممکن ہے کہ سبب یہ ہو کہ لفظ رمضان سے حرارت اور سوزش مفہوم ہوتی ہے اور یہ اثر اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ میں ہے۔ چنانچہ

حجاب النور کو کشف لا حرقت شجحات وجہ ما انتہی الیہ بصراً من خلفہ ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے حجاب نور کا ہے اگر وہ پردہ اٹھا دے تو اس کی شعاع وحالت تک جلا دے گی جس مقام تک اس کی توجہ ظاہر ہوگی :- یہ مضمون حدیث مذکور کا ہے۔

اس امر سے بھی ثابت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا :-

لَوْ مَنَوْتُ أَسْتَلِیْلَ لَأَحْزَنْتُ۔ ترجمہ : یعنی اگر اپنے مقام سے اوپر اپنی انگلی کا سر بھی بڑھاؤں تو وہ انگلی جل جائے گی۔

اور یہی روایت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے کوہ طور جل گیا، تو جو سکتا ہے کہ اس وجہ سے اللہ کا نام رمضان بھی ہو۔ اور شہور صرف یہ ہے کہ یہ ایک مہینہ کا نام ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف فضائل اختلاف ایام اور اختلاف ظلال شمس کی بنا پر خلق کی پیدائش کا انتظام کر رکھا ہے اور یہی صحیح ہے کہ حج اور روزہ عین شریعت میں چاند کے اعتبار سے ہیں۔ اور سراسر میں دو امر ہیں۔ لے ظاہر اور لے باطن۔ ظاہر اس پر ہے کہ اگرچہ اختلاف اس اعتبار سے ہے کہ جس میں شہور قمریہ میں ظاہراً اختلاف معلوم ہوتا ہے اور شہور شمسیہ جو باطن میں ہے وہ ظلمت سے خالی نہیں کسی قدر اس میں تواضع ہے تاکہ ظلمت طبعیہ دفع ہو اور ضوابط محفوظ ہوں اور شمس حقیقی ظلمت ظاہری کو دور کرتا ہے تو اس وجہ سے مناسب ہو کہ شرح کا انتظام اس پر

لکھا جائے اور تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نصابی اور ہمدانی عبادت اور عید کی بنا بھی شہر قمریہ پر ہے۔ ہمدانی کا اعتبار اس کی بنا پر نہیں۔ واللہ اعلم

سوال : رمضان شریف کے سوا اور کس کس مہینہ میں روزہ رکھنا چاہیئے۔

جواب : رمضان شریف کے سوا ہر ذی الحجہ کے روزے کا نہایت ثواب ہے اور اس سے دوسرے برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ۱۰ محرم کو روزہ عاشورہ ہے۔ اس کے دن روزہ کا بھی نہایت ثواب ہے اور وہ روزہ سنوں سے ایک برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے سوا یہ بھی سنوں سے ہر مہینے میں تین روزے رکھے جائیں بہتر ہے کہ تیرہویں اور چودھویں اور پندرہویں تاریخ کو یہ روزے رکھے جائیں۔ اور اس طرح بھی سنت ادا ہو جاتی ہے کہ اول عشرہ میں ایک روزہ رکھا جائے۔ اور دوسرے عشرہ میں ایک روزہ رکھا جائے۔ اور تیسرے عشرہ میں ایک روزہ رکھا جائے۔

اور دو شنبہ اور پچنبہ کا روزہ مستحب ہے اور صبح شب براءت کے دن کا روزہ اور شش بید کا روزہ بھی مستحب ہے اور عشرہ ذی الحجہ کا روزہ بھی مستحب ہے مگر عیدین کے دونوں دن اور بقرعید کے بعد تین دن روزہ رکھنا زیادہ چاہیئے اور جس قدر ہر کے رجب میں روزہ رکھنا مستحب ہے اور اس میں بہت ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

مسائل ج

سوال : حدیث شریف میں وارد ہے :-

شَهْرَانِ لَا يَنْقُصَانِ سَمَضانَ وَذُو الْحِجَّةِ . ترجمہ : یعنی دو مہینے ہیں کہ وہ ناقص نہیں ہوتے ہیں یعنی رمضان شریف اور ذو الحجہ ۔

شراح حدیث تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں مہینوں کا ثواب کسی حال میں کم نہیں ہوتا تو یہ توجیہ رمضان میں درست ہوتی ہے کہ خواہ ماہ کامل ہو یعنی پورا تیس دن کا مہینہ ہو یا ماہ ناقص ہو یعنی اتیس دن کا مہینہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تمام ماہ رمضان کے روزوں کا ثواب برابر ہوتا ہے۔ ماہ ناقص ہونے سے رمضان کا ثواب میں کمی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن یہ توجیہ ذی الحجہ میں درست نہیں ہوتی ہے اس واسطے کہ شاعر اور مناسک حج کے صرف آخر ایام شریف تک ہوتے ہیں اور آخر ماہ سے کچھ تعلق نہیں خواہ ماہ کامل ہو یا ناقص ہو۔ یہ حدیث کلمی میں متعدد طریقے سے وارد ہے اور اس کے الفاظ مصرح ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ان دونوں مہینوں کے دن کبھی کم نہیں ہوتے ہیں۔

جواب : یہ جو حدیث ہے۔ شہْرَانِ لَا يَنْقُصَانِ۔ تو اکثر علماء کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے

یہ اتفاق نہیں ہو سکتا کہ کسی سال میں ان دونوں مہینوں کے دن تیس دن سے کم ہو جائیں۔ یعنی دونوں مہینے اتیس دن کے ہوں۔ اور بعض علماء کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں مہینوں کا اجر و ثواب کبھی کم نہیں ہوتا ہے۔ تو رمضان شریف میں یہ امر ظاہر ہے اور ذی الحجہ میں یہ امر اس اعتبار سے ہے کہ یہ مہینہ حج کے مہینوں سے ہے اور ماہ حرام سے ہے اور ان مہینوں میں عمل کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اگر ذی الحجہ کسی سال کامل نہ ہو۔ یعنی تیس دن کا نہ ہو۔ بلکہ صرف اتیس دن کا ہو تو اس صورت میں بھی اس کا اجر کامل ہوتا ہے اور بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ شروع ذی الحجہ میں چاند نظر آئے۔ اور دو ایک دن گذر جائیں۔ اور حاجیوں کو معلوم نہ ہو کہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا۔ اور اس وجہ سے احرام میں مشغول نہ ہوں یا جس شخص کا ان مہینوں میں معمول ہو وہ اس غلط فہمی کی وجہ سے ترک ہو جائے مثلاً کوئی شخص عشرہ ذی الحجہ میں روزہ رکھتا ہو اور اس غلط فہمی کی وجہ سے روزہ نہ رکھے۔ اور رویت ہلال کا ثبوت مثلاً عرفہ کے دن ہو تو ان سب آیات گذشتہ کا اجر لوگوں کو ملے گا۔ یہ شرح اس حدیث کی ہے۔ کلمی کی روایت چنداں قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ یہ رواۃ کثیر الاولاد سے ہیں کہ اپنے خیال سے جو سمجھ لیتے ہیں اس کو ویسا ہی گمان کرتے ہیں۔ مگر گو ایسی معتبر شخص سے سنا ہے۔

سوال : احرام باندھنے کے طریقے افراد عمرہ، تمتع وغیرہ اور ان کی نیت کی توضیح فرمائیے؟
جواب : جاننا چاہیئے کہ جس کا ارادہ حج کا ہو۔ اور ہندوستان سے روانہ ہو اور مسرت کی راہ سے ہجاز پر مکہ معظمہ کی طرف جانے تو چاہیئے کہ جب جہاز میلیم کے سامنے پہنچے تو احرام باندھے اور احرام باندھنے کے چار طریقے ہیں۔

- ۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھے تو اس کو افراد کہتے ہیں۔
- ۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھے اور جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو عمرہ کے افعال حج کے مہینوں میں ادا کرے اور حلال ہو جائے۔ یعنی احرام اُتارے اور پھر حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے تو اس کو تمتع کو کہتے ہیں۔
- ۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حج کے مہینوں کے علاوہ کسی دوسرے دوسرے مہینہ میں عمرہ کا احرام باندھے اور حج کے مہینے یہ ہیں۔ شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور عمرہ کے افعال ادا کرے اور احرام اُتارے۔
- ۴۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جب میقات پر یا اس کے سامنے پہنچے تو حج اور عمرہ دونوں کا ایک ہی ساختہ احرام باندھے اور جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو عمرہ کے افعال ادا کرے۔ لیکن ابھی احرام نہ اُتارے گا۔ بلکہ احرام کی حالت میں رہے گا۔ جب حج کے ایام آجیں تو حج کے افعال ادا کرے اور احرام اُتارے۔ تو اس کو قرآن کہتے ہیں۔

یہ قسم یعنی قرآن امم اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک تمتع اور افراد سے افضل ہے اور جب ارادہ ہو کہ احرام باندھے تو چاہیئے کہ کھانا اور پاؤں کے ناخن کٹوائے۔ اور بغل کے بال منڈوائے۔ اور زیناف کے بال دور کرے۔

اور مونچھ کے بال کٹولے یا منڈولے اور اگر سر منڈولنے کی عادت ہو تو سر بھی منڈولے ورنہ صرف گھسی کرے اور اگر نوچ یا شرمی لٹٹی ہمراہ ہو تو اس کے ساتھ جماع کرے اور خوشبو لگائے۔ احرام کے وقت یہ سب افعال کرنا مستحب اور بہتر ہے لیکن احرام کے واجبات اور ضروریات سے نہیں پھر وضو کرے اور مستحب ہے کہ غسل کرے اور پاکیزہ اور نئی لنگی اور چادر پہنے یا دھونی ہوئی لنگی اور چادر پہنے اور دو رکعت نفل کی نماز پڑھے۔ اگر قرآن کا ارادہ ہو تو اس طرح نیت کرے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي تَرْجُمَ: یعنی اے پروردگار! حج و عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں آسان فرما ان دونوں کو میرے حق میں۔ اور یہ دونوں میری عبادت قبول فرما۔ اور اگر تمتع کا ارادہ ہو تو اس طرح نیت کرے:-

اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي تَرْجُمَ: یعنی اے پروردگار! عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں آسان فرما اور قبول فرما مجھ سے۔

پھر حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ کرے تلبیہ کی عبارت یہ ہے:-

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ تَرْجُمَ: یعنی اے پروردگار تیری طاعت کے لئے حاضر ہوں، تیری طاقت کے لئے حاضر ہوں، بتحقق کر سب حمد تیرے لئے ثابت ہے اور سب نعمت تیری طرف سے ہے اور ملک تیرے واسطے ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

ان الفاظ سے کم نہ کرے اور اگر اس سے زیادہ کہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر اس کے بعد اکثر اوقات تلبیہ پکارتا بلند کہتا ہے۔ خصوصاً زیادہ بہتر ہے کہ فرض اور نفل کی نماز کے بعد ہمیشہ برا بکھا کرے اور ایسا ہی حجر کے وقت بھی تلبیہ کہنا بہتر ہے اور جب قافلہ سے ملاقات ہو تو اس وقت بھی بہتر ہے کہ تلبیہ کہے۔ اور جب میدان میں بلند جگہ پر چڑھے یا بلندی سے نیچے اترے تو اس وقت بھی تلبیہ کہنا بہت بہتر ہے۔ غرض یہ کہ سفر گویا بمنزلہ نماز کے ہے تو جیسے نماز میں ایک رکن سے دوسرے رکن میں جاتے ہیں تو تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اسی طرح اس سفر میں بھی جب بلندی سے اترے یا نیچے سے بلندی پر چڑھے تو اس وقت تلبیہ کہے بلکہ تلبیہ اکثر و زیادہ کرے۔

احرام کی حالت میں واجب ہے کہ چند چیزوں سے پرہیز کرے یعنی:-

سلا ہوا کپڑا نہ پہنے مثلاً کرتہ، پاجامہ، نیمہ، جبہ، قبا، پانچامہ، بارانی، موزہ، دستانہ اور ٹوپی وغیرہ سلا ہوا کپڑا نہ پہنے اور جو کپڑا ازعفران سے رنگا ہوا ہو یا کسم کے پھول سے رنگا ہوا ہو۔ یا اور کسی خوشبو دار رنگ سے رنگا ہو۔ وہ کپڑا بھی استعمال میں نہ لائے اور اگر گیمیاں یعنی ڈونر اک جس میں روپیہ نکجا جاتا ہے کہیں باندھے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں اور جماع نہ کرے۔ اور عورت کا بوسہ بھی نہ لے اور نہ ہی اس کو شہوت کی حالت میں چھوئے۔ اور نہ کوئی دوسرا ایسا

فل کے کسے کہ اس سے جماع ہو جانے کا خوف ہو اور بے ہودہ بات نہ کہے اور عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر بانی پر دلانے اور فحش و فجور نہ کرے اور جنگ و جدال نہ کرے اور صحرائی جانور کا شکار نہ کرے حتیٰ کہ نہ اسمیں مدد کرے نہ نہ اس کی طرف اشارہ کرے۔ اور نہ کوئی دوسرا فعل کرے کہ احتمال ہو کہ اس سے کسی دوسرے شخص کو صحرائی جانور معلوم ہو جائے۔ اور وہ شکار کرے اور بیانی جانور کا شکار مثلاً مچھلی کا شکار جائز ہے اور خوشبو کے استعمال سے پرہیز کرے اور ناخن نہ کٹوائے۔ اور سر اور داڑھی وغیرہ بدن کے کسی جگہ کے بال دور نہ کرے۔ نہ منڈولے نہ کترولے اور سر اور داڑھی کے بال خطمی وغیرہ سے نہ ڈھوئے۔ اپنا منہ اور سر کسی چیز سے نہ چھپائے۔ اور سلا ہوا کپڑا جس طرح اس پرے کے پہننے کا معمول ہو اس طرح نہ پہنے اور اگر خلاف معمول دوسری طرح استعمال کرے۔ تو اسمیں مضائقہ نہیں مثلاً کرتہ اور پانچامہ کو لنگی کی طرح پہنے تو اسمیں مضائقہ نہیں۔ چند جانور ہیں کہ سبالت احرام ان کو مار ڈالنا جائز ہے۔ نہ دم واجب ہوتا ہے نہ صدقہ واجب ہوتا ہے اور وہ جانور یہ ہیں:-

زارع، چیل، سانپ، بچھو، موش، چھپرٹی، کچھوا، بھیڑیا، شغال، پردانہ، کھٹی، مورچہ، آفتاب پرست رنبور، پٹو، ساہی، مچھر اور درندے جانور کہ حملہ کرتے ہیں اور باقی جو دوسرے موذی جانور ہیں۔

فرائض ج

حج میں چار چیزیں فرض ہیں:-

۱۔ احرام باندھنا۔

۲۔ عرفات میں ٹھہرنا ہے عرفہ کے دن اس کا وقت عرفہ کے دن زوال کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور دو روز دوسرے دن یعنی عید الاضحیٰ کی فجر تک باقی رہتا ہے۔

۳۔ طواف زیارت ہے۔ عید الاضحیٰ کے دن طواف کرنا بہتر ہے اور ایام نحر کے بعد تک طواف کرنے میں دیر کرنے سے دم لازم آتا ہے۔

۴۔ یہ ہے کہ یہ افعال بترتیب ادا کرے۔ یعنی پہلے احرام باندھے پھر اس کے بعد عرفات میں وقوف کرے۔ یعنی ٹھہرے پھر اس کے بعد طواف زیارت کرے اور اگر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے۔ تو حج ادا نہ ہوگا۔

واجبات ج

حج میں واجب چند چیزیں ہیں اور وہ یہ ہیں:-

- ۱- مزدلفہ میں وقوف کرنا یعنی ٹھہرنا۔
- ۲- سعی کرنا درمیان صفا اور مروہ کے
- ۳- کنکری پھینکنا
- ۴- آفاقی پر واجب ہے طواف رخصت کرنا
- ۵- سر کے بال منڈانا یا کٹوانا
- ۶- احرام میقات سے باندھنا
- ۷- عرفات میں وقوف کرنا یعنی ٹھہرنا غروب آفتاب تک۔
- ۸- طواف مشروع کرنا حجر اسود سے اور بعض علماء کے نزدیک یہ سنت ہے۔
- ۹- طواف مشروع کرنا داہنی طرف سے۔
- ۱۰- جب عذر نہ ہو تو طواف پیادہ پا کرنا۔
- ۱۱- طواف باطہارت کرنا۔
- ۱۲- طواف میں ستر عورت چھپانا
- ۱۳- سعی کرنے میں درمیان صفا اور مروہ کے صفا سے شروع کرنا۔
- ۱۴- سعی درمیان صفا اور مروہ کے پیادہ پا کرنا جب کہ عذر نہ ہو۔
- ۱۵- ذبح کرنا بکری یا اس کے مانند کوئی دوسرا جانور، یہ قارن اور متمتع پر واجب ہے
- ۱۶- ہر سات شوط کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔
- ۱۷- ترتیب سے کنکری پھینکنا، اور بال منڈانا اور ذبح کرنا۔ ترتیب یہ ہے کہ پہلے کنکری پھینکے پھر اس کے بعد ذبح کرے پھر بال منڈائے، پھر طواف زیارت کرے۔
- ۱۸- طواف زیارت ایام نحر میں کرنا، یعنی طواف زیارت کرنا عید الاضحیٰ اور پھر اس کے بعد کے دو دن ہیں
- ۱۹- طواف میں اس طرح کرنا کہ حطیم بھی طواف میں داخل ہو
- ۲۰- سعی درمیان صفا اور مروہ کے کرنا۔
- ۲۱- بال منڈانا مقام معین اور وقت معین میں۔ یعنی حرم کے مقام میں ایام نحر میں بال منڈانا۔
- ۲۲- ممنوعات سے باز رہنا بعد وقوف عرفہ کے مثلاً جماع وغیرہ نہ کرنا

سنت اور مستحب اور آداب حج

سنت اور مستحب اور آداب حج وہ امور ہیں جو مذکورہ بالا افعال حج کے علاوہ ہیں۔ جن چیز کے ترک کرنے

سے دم لازم آتا ہے۔ وہ چیز واجب ہے دم سے مراد تین چیزیں ہیں

- ۱- اونٹ
- ۲- گائے
- ۳- بکری

بکری کا دم دینا کافی ہے مگر دوسوڑوں میں کافی نہیں۔ ایک بکر طواف فرض جنابت کی حالت میں کیا جائے اور دو رکے کہ جماع بعد وقوف کے کیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں بکری کا دم دینا کافی نہیں۔ بلکہ گائے یا اونٹ ذبح کرنا چاہیے۔ قرآن اور متمتع کی ہدی کے گوشت میں سے خود کھانا جائز ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ یہی حکم قربانی کے گوشت کا بھی ہے۔ نفل ہدی کے گوشت میں سے بھی خود کھانا جائز ہے ان صورتوں کے علاوہ اور کسی دوسری صورت میں جو حج میں دم دیا جائے اس کا گوشت خود کھانا جائز نہیں۔ اگر قرآن اور متمتع کا ہدی دینے سے عاجز ہو تو اس پر لازم ہے کہ دس روزہ رکھے۔ اس ترتیب کے تین روزہ یوم نحر کے قبل اس ترکیب سے رکھے کہ تیسرا روزہ عرفہ کے دن پڑے اور سات روزہ حج سے فراغت ہونے کے بعد رکھے۔ اور یہ سات روزہ جس جگہ چاہے رکھے۔ اگر بال منڈانے کے قبل ہدی پڑاؤ ہو تو اس پر ہدی لازم ہے، روزہ اس کے عوض نہیں ہو سکتا ہے۔

مکہ معظمہ میں داخلے کا وقت

جب مکہ معظمہ میں جانے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ غسل کرے اور مستحب ہے۔ مکہ معظمہ کی بلند زمین کی طرف سے داخل ہو۔ اور بلندی کی جگہ مشیت علیا ہے اور اس کو مشیت ابراہیم بھی کہتے ہیں اور بہ نسبت رات کے دن کو داخل ہونا بہتر ہے اور جب مکہ معظمہ میں داخل ہو تو چاہیے کہ پہلے مسجد حرام میں جائے۔ پھر اس کے بعد جہاں اپنا مال و اسباب رکھنا منظور ہو وہاں رکے اور مستحب ہے کہ جب مسجد حرام میں داخل ہو تو تلبیہ کہے۔ اور بنی شیبہ کے دروازے کی طرف سے کس کو باب السلام بھی کہتے ہیں مسجد حرام میں جائے۔ اور نہایت ادب اور تعظیم اور خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ جانے اور جب بیت اللہ پر نظر پڑے۔ یعنی اس کو دیکھے تو تہلیل کرے یعنی یہ کہے:-
اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ یعنی اللہ بڑا ہے اور نہیں ہے کوئی معبود قابل پرستش کے سوا خدا کے؟

کعبہ شریف میں داخلہ، حجر اسود کا بوسہ

جب کعبہ شریف کے اندر جانے کا اندر کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یاد کرتا ہوا جائے اور طواف عمرہ اور طواف تہودم بجالائے۔ اور یہاں اس قارن اور مفرد کے لئے سنت ہے کہ وہ مکہ معظمہ کا رہنے والا نہ ہو اور اس طرح

طواف کرے کہ پہلے منہ حجر اسود کی طرف کرے اور تکبیر اور تہلیل کہے۔ اور جب بوسہ دینے کے واسطے حجر اسود کے پاس جائے۔ تو دونوں ہاتھ اٹھائے۔ جیسے تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اور حجر اسود کو بوسہ دے۔ بشرطیکہ ممکن ہو کہ کسی کو ایذا پہنچائے بغیر بوسہ دے سکے اور اگر جھوم اور جمع زیادہ ہو اور اس سبب سے بوسہ نہ دے سکے تو حجر اسود کو ہاتھ سے لمس کرے اور ہاتھ کو چومے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی دوسری چیز سے حجر اسود کو لمس کرے اور اس چیز کو چومے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کے سامنے اپنا رخ کرے اور تکبیر اور تہلیل اور حمد کہے اور درود شریف پڑھے۔

طواف کرے اور درود شریف پڑھے۔ مفرد کے حق میں بہتر ہے طواف زیارت کے بعد منہ اور وہ کے درمیان سعی کرے اور اگر بعد طواف قدوم کے سعی کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ مسجد حرام سے باہر نکل کر صفا کے پاس آئے اور صفا کے اوپر اس قدر بلندی پر جائے کہ وہاں سے خانہ کعبہ نظر آئے۔ اور وہاں کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھائے اور تکبیر و تہلیل اور تہجد کہے۔ اور درود شریف پڑھے اور جو چاہے دعا دے۔ پھر پیرائہ کمروہ کے پاس آئے اور سعی کرے اور جب بطن وادی میں پہنچے تو میل اخضر سے دوسرے میل تک سعی کرے۔ یہی تیز چلا جائے اور مروہ کے اوپر جائے اور قبلہ کو کھڑا ہو اور حمد، تہلیل اور ثناء کرے اور درود شریف پڑھے اور جس طرح صفا پر تکبیر اور رفع یدین کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی کرے اور اسی طرح سات مرتبہ آمد و رفت کرے صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ سعی میں شرط ہے کہ طواف کے بعد ہو اور اگر طواف کے قبل سعی کرے تو مذکور ہے کہ پھر دوبارہ سعی کرے اور اس سعی کے لئے طہارت ضروری نہیں اور اگر با طہارت سعی کرے تو بہتر اور اولیٰ ہے بلکہ عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لئے بھی طہارت شرط نہیں۔ ایسا ہی کنکری پھینکنے میں بھی طہارت شرط نہیں۔ طواف کے لئے طہارت ضروری ہے۔ طواف اور سعی کرنے کے وقت بات کرنا مکروہ ہے اور جب سعی سے فارغ ہو تو پھر مسجد حرام میں جائے۔ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھے۔ اور یہ بہتر ہے واجب نہیں۔ پھر اس کے بعد مکہ منظم میں آگیاں کرے۔ اور جس قدر چاہے نفل کے طور پر طواف کرے اور اگر کوہ نامہ ڈالا ہو تو ترویہ کے دن یعنی چھٹی ذی الحجہ کو پھر حج کا احرام باندھے۔ ساتویں ذی الحجہ کو امام خطبہ پڑھے اور اس میں حج کے احکام بیان کرے۔

مذللہ عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لئے جانا اور کنکری پھینکنا۔ اور بال شہداء اور جانور ذبح کرنا اور طواف کرنا اور منی میں رہنا وغیرہ حج کے احکام بیان کرے تو بہتر ہے کہ خطبہ شہداء اور ایسا ہی عرفہ کے دن عرفات میں امام خطبہ پڑھے اور سب لوگ سنیں، گیارہویں ذی الحجہ کو منامیں حج کے احکام بیان کئے جاتے ہیں تو چاہیے کہ وہ بھی سننے آٹھویں ذی الحجہ کو احرام باندھے ہوئے فجر کے بعد آفتاب طلوع ہونے پر منامیں جائے۔ اور اگر ظہر پڑھ کر کے ملے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں اور عرفہ کی رات منی میں گزائے اور فجر کی نماز تاریکی میں عرفہ کے دن پڑھے۔ اس کے بعد عرفات کی طرف چلے۔ اور اگر آٹھویں ذی الحجہ کو منی میں نہ گئے۔ اور صرف عرفہ کے دن عرفات میں جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن سنت کے خلاف ہے۔ اور عرفات میں جہاں چاہے وہاں اترے۔ مگر بطن عرفہ میں نہ اترے اور نفل ہے کہ پہاڑ کے نزدیک ٹھہرے اور سنت ہے کہ عرفہ کے زوال کے بعد نفل کرے اور فرض ہے کہ عرفات میں ٹھہرے کہ بغیر اس کے حج ادا نہیں ہوتا۔ اور امام کا خطبہ شہداء اور امام کے ساتھ احرام باندھے ہوئے ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھے۔ اور نہایت خشوع اور خلوص کے ساتھ استغفار اور تلبیہ اور تہلیل اور تسبیح اور ثناء کرے اور درود شریف پڑھے اور اپنی حاجت کے واسطے دعا مانگے۔

آفتاب غروب ہونے کے وقت امام کے ہمراہ مزدلفہ میں جائے اور آفتاب راہ میں استغفار اور تلبیہ اور ذکر اور حمد کرے اور درود شریف اکثر پڑھتا ہے اور مزدلفہ میں جا کر امام کے ساتھ مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں ایک

طواف کعبہ

طواف کعبہ شریف حجر اسود کی طرف سے شروع کرے اور سات مرتبہ کعبہ شریف کے گرد اگر طواف کرے اور طواف کے ساتھ تقلیب اضطباع کے کرے۔ تقلیب اضطباع سے مراد یہ ہے کہ اپنی چادر دامن بنی نفل کے نیچے کرے اور دوسرے کنارہ بائیں ہونڈھے پر ڈال دے اور اسی ہیئت کے ساتھ سات مرتبہ حطیم کے طواف کرے اور پہلے جڑین مرتبہ دور کرے تو اس میں رمل بھی کرے یعنی تیز چلے اور دونوں ہونڈھے ہلاتا ہوا چلے اور جب حجر اسود کے سامنے پہنچے تو جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا۔ اسی طرح استلام اور تہلیل اور تکبیر کہے اور درود شریف پڑھے استلام حجر اسود سے مراد یہ ہے حجر اسود کو بوسہ دے۔ بشرطیکہ بوسہ دینے میں دوسرے کو ایذا نہ پہنچائے۔ اور اگر جھوم کے سبب سے بوسہ نہ دے سکے ہاتھ سے چھو کر ہاتھ جو ملے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی چیز سے حجر اسود کو چھوئے اور وہ چیز جھوم لے اور یہ بھی اگر ممکن نہ ہو تو اس کے سامنے رخ کر کے کھڑا ہو۔ اور جب طواف ختم ہو جائے تو اس وقت بھی ایسا ہی کرے اور بہتر ہے کہ کنکری مانی کو بوسہ دے اور کنکری مانی حجر اسود کے مقابل میں ہے اور پھر اس کے بعد :-

مقام ابراہیم پر نماز

مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھے اور یہ نماز حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور اگر سبب جھوم کے دن نہ پڑھ سکے تو مسجد حرام میں جہاں چاہے وہاں پڑھے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد قل ہو اللہ پڑھے۔ نماز کے بعد اپنی مراد کے لئے دعا کرے۔

پھر چار و نرم زم پر جائے۔ اور نرم زم کا پانی شکم سیر ہو کر پیئے۔ اور پھر طہنزم کے مقام میں گئے اور حجر اسود کو بوسہ

وادی محصب میں آنا

ان افعال کے بعد وادی محصب میں آئے وہاں ایک ساعت ٹھہرے اور پھر مکہ معظمہ بجائے اور طوافِ اقدس کرے اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہاں سے مراجعت کرنے کا ارادہ ہو ورنہ مکہ معظمہ بجائے اور طوافِ اقدس کرے اور یہ طواف واجب ہے اور اس طواف میں رمل اور سعی نہیں۔ طواف کے بعد چاہے زمزم پر پہنچے اور مکہ پر جو زمزم کا پانی ہے، چند مرتبہ کر کے پانی پئے اور ہر مرتبہ ایک بڑی کیل طرف نظر کر کے پانی پئے اور ہر مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرف نظر کر کے پانی پئے اور اگر اندر داخل ہونا ممکن نہ ہو تو بیت اللہ کی طرف آئے۔ اور اگر ہو سکے تو کعبہ شریف کے اندر داخل ہوا اور اگر اندر داخل ہونا ممکن نہ ہو تو آستانہ اور مقام طہرہ کو بوسہ لے اور اپنا منہ اور سینہ اس پر رکھے اور ملتمس سے سینہ کو لپٹا لے اور کعبہ کا آستانہ پکڑے اور نہایت گریہ و زاری کرے اور اس وقت بھی تکبیر و تہلیل وغیرہ اشغال واذکار حمد و ثنائیں متغول ہے اور اپنی حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرے اور کعبہ شریف کی طرف منہ کئے ہوئے پس یا مسجد حرام سے باہر آئے اور جہاں چاہے جانے۔

عمرہ

عمرہ سنت ہے واجب نہیں اور ہر سال چند مرتبہ ادا ہو سکتا ہے، عمرہ کا وقت تمام سال ہے، مگر ایام حج میں مکروہ ہے، ایام حج کے روز عرفہ اور روزِ نحر اور ایام تشریق ہیں، ایام حج میں بھی عمرہ اس کے حق میں مکروہ ہے کہ وہ قارن نہ ہو، عمرہ میں احرام اور طواف ہوتا ہے، عمرہ میں دو چیزیں واجب ہیں۔

- ۱۔ سعی کرنا درمیان صفا اور مروہ کے
- ۲۔ دوسرے بالِ منڈانا یا کتر وانا۔ حج میں جو شرائط ہیں وہی عمرہ میں بھی ہیں اور حج میں جو سنن اور آداب ہیں وہی عمرہ میں بھی ہیں۔

احکام جنایات

احکام جنایات کے یہ ہیں مگر بحر کسی ایک عضو میں کامل طور پر خوشبو استعمال کرے، یا اپنے سر میں مندی

ساتھ پڑے اور عشاء کے بعد رات وہیں گزارے اور رات کو وہاں رہنا واجب ہے اور مستحب ہے کہ تمام رات نماز اور قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر اور دعا میں مشغول رہے اور بیدار رہے اور بچہ و فحشہ ہونے کی ساری چیزیں منع ہیں اور جہاں چاہے مزدلفہ میں ٹھہرے مگر وادی محصب میں نہ ٹھہرے اور جب اس وادی میں گزے تو نہایت تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل جائے۔ اور فجر کے بعد روشنی ہونے تک وہاں ٹھہرا رہے اور جب روشنی ہو جائے تو منیٰ کی طرف آئے اور منیٰ میں حجرہ عقبہ پر سات کنکری پھینکے اور ہر کنکری پھینکنے کے وقت تکبیر کہے اور جب پہلی کنکری پھینکے تو تلبیہ پڑھ کرے۔ پھر چاروں درج کرے، پھر بالِ منڈائے یا بالِ کتر لے کر اس کے بعد مکہ معظمہ میں آئے۔ اور زیارت کرے اور اگر کسی سعی کر چکا ہو تو اس وقت سعی کی ضرورت نہیں اور اگر پہلے سعی کی ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی کرے جیسا کہ سعی کی طواف اُپر مذکور ہو ہے۔ بالِ منڈانے کے بعد مستحب ہے کہ آخن کٹوائے اور مونچھوں کے بال لٹوائے۔ اور زیر ناف کے بال دور کرے۔

اور جو چیز احرام کی وجہ سے حرام تھی وہ سب چیزیں اس کے لئے بالِ منڈانے کے بعد حلال ہو جاتی ہیں مگر جماع اور توالیع جماع حلال نہیں ہوتا ہے بلکہ جماع اور توالیع اس کا زیارت کے بعد حلال ہوتا ہے اور طواف زیارت کے بعد منیٰ میں آئے اور تین رات وہاں شب باقی رہے اور دن کے وقت مکہ معظمہ میں ہر کعبہ کی زیارت اور طواف اُقدس راست کے وقت منیٰ میں اقامت کرے اور یومِ نحر کے دوسرے دن تینوں حجرہ پر کنکری پھینکے اور اگر وہاں سے کوچ کیا تو اس کے دوسرے رومی سا قحط ہو جائے گی۔ اور رومی کا وقت ان تینوں دن میں زوال کے بعد ہے، لیکن چونکہ دن اگر فجر کے بعد قبل زوال کے رومی کرے تو جائز ہے مگر مستحب اور سنون ہے کہ زوال کے بعد رومی کرے اور دوسرے دن تیسرے دن زوال کے قبل رومی جائز نہیں۔

مستحب ہے کہ کنکری چھوٹی چھوٹی ہو بہت بڑی نہ ہو اور پاک ہو اور کنکری حمرات کے نزدیک سے نہ لے بلکہ مزدلفہ میں یا راہ میں لے لے۔ اور انگوٹھ اور کلمہ کی انگلی کے درمیان کنکری لے کر پھینکے اور رومی کے وقت حمرات سے پانچ ہاتھ سے کم فاصلہ پر نہ رہے اور اگر زیادہ فاصلہ ہو تو مضائقہ نہیں اور جس رومی کے بعد پھر رومی ہو، وہ رومی پیادہ کرے۔ اور جس رومی کے بعد رومی نہیں آئیں دونوں برابر ہیں۔ چاہے پیادہ رومی کرے چاہے سوار ہو کر رومی کرے۔ اور وادی میں کھڑا ہو اور اوپر کنکری پھینکے اور چاہے کنکری پھینکے وقت منیٰ داہنے طرف ہو اور کعبہ شریف بائیں طرف ہو۔ اور اگر کنکری حمرات سے دور کر لے گی۔ تو کنکری پھینکنا درست نہ ہوگا۔ چاہے کنکری حمرات پر پڑے یا اس کے نزدیک گرے اور داہنے ہاتھ سے پھینکے اور ہر کنکری علیحدہ علیحدہ پھینکے، اگر سب کنکری ایک ہی مرتبہ ہاتھ میں لے کر پھینکے گئے تو درست نہیں وہ صرف ایک مرتبہ پھینکنا شمار ہوگا۔

بنیات قصدا کرے یا سہوا ہو جائیں دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے اور اسی طرح اس کو معلوم ہو کہ یہ جنابات ہے یا معلوم ہو دونوں برابر ہیں اور خوشی سے کرے یا کسی غیر کے جبر کرنے سے کرے۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے۔

اگر محرم خالص نحو شبو زیادہ استعمال کرے تو دم لازم آئے گا۔ اور اگر محرم خوشبو دار چیز سو گئے یا خوشبو دار میوہ سو گئے تو اس پر کوئی امر لازم نہ آئے گا مگر یہ فعل مکروہ ہے اور اگر محرم جوئیں مار ڈالے تو کچھ گہوئیں مثلاً ایک مٹھی کے انداز سے مدق سے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اپنے بدن یا اپنے سر یا اپنے کپڑے سے جوئیں نکال کر مار ڈالے اور اگر زمین سے اٹھا کر مار ڈالے تو کچھ لازم نہ آئے گا۔ اور کپڑا دھوپ میں اس غرض سے نہ ڈالے کہ جوئیں وغیرہ مری جائیں۔ اور اگر ایسا کرے اور جوئیں مری جائیں تو اس پر لازم آئے گا کہ نصف صاع گہوئیں دے اور اگر کپڑا دھوپ میں خشک ہونے کی نیت سے ڈالے اور یہ غرض نہ ہو کہ جوئیں مری جائیں۔ لیکن دھوپ میں کپڑا رکھنے سے الفا قاجوئیں مری جائیں۔ تو اس پر کچھ لازم نہ آئے گا۔ (از رسالہ احکام حج)

مسائل قربانی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس صورت میں کہ کتاب مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ قربانی کا وقت عید الاضحیٰ کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور بارہویں ذی الحجۃ کی مغرب کی نماز کا وقت شروع ہونے تک باقی رہتا ہے اور اس کتاب میں حوالہ کسی دوسری کتاب کا نہیں دیا ہے اور مصر اور غیر مصر کی بھی اس میں قید نہیں۔ یہ مسئلہ ظاہراً جمہور کے خلاف ہے۔

جواب : اول وقت قربانی کا شہر میں عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ہوتا ہے اور یہاں اور دیہات میں کہ وہاں عید الاضحیٰ کی نماز نہ ہوتی ہو۔ اول وقت قربانی کا طلوع فجر کے بعد روزِ نحر میں ہو جاتا ہے۔ یعنی دسویں ذی الحجۃ کی صبح صادق کے وقت اول وقت قربانی کا ہو جاتا ہے۔ اور آخر وقت تیسرے دن آفتاب کے غروب ہونے سے پچھلے دن تک رہتا ہے۔ تو ایک دن روزِ نحر اور دو دن اس کے بعد قربانی کے ہیں اور یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک بعد نماز عید الاضحیٰ کے بھی جب تک امام قربانی نہ کرے۔ دوسرے لوگوں کے لئے جائز نہیں کہ قربانی کریں۔ امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں۔ یعنی ایک دن عید الاضحیٰ کے روز یعنی دسویں ذی الحجۃ کو اور تین دن اس کے بعد تک قربانی کرنا جائز ہے۔ چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے۔

وَأَقْلَ دَقَّتْهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ أَنْ ذَبَحَ فِي مَشْرِقِ أَمِي بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ يَوْمَ النَّحْرِ وَبَعْدَ طُلُوعِ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ وَأَنْ ذَبَحَ فِي غَيْرِهَا وَآخِذًا قَبْلَ غُرُوبِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ وَبَعْدَ مَا لَيْلٍ وَالثَّانِي

مہ قولہ فی ای خرع التوقایہ ۱۲

کا خضاب لگائے یا روغن زیتون استعمال کرے۔ یعنی بدن میں لگائے۔ یا ایک روز تمام دن سلا ہو اگر اس طرح پہنے ہے کہ اسی طرح اس کے کپڑا پہننے کا معمول ہو۔ یا ایک روز تمام دن اپنا سر چھپائے ہے یا چونٹائی سر کے بل منڈا ہے۔ یا ایک بغل کے بال دور کرے یا زیر ناف کے بال دور کرے یا گردن کے بال دور کرے یا اپنے ہاتھ کے ناخن کٹوائے یا دونوں پاؤں کے ناخن کٹوائے یا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے ناخن کٹوائے یا طواف قدوم یا طواف صدر جنابت کی حالت میں کرے یا طواف فرض بلا وضو کرے۔ یا عرفات سے جو دن واپس آئے کا ہے اس سے پہلے آجائے یا سچی ترک کرے۔ یا منڈائے کا وقوف ترک کرے یا پوری رمی ترک کرے یا ایک دن کی رمی ترک کرے یا روز اول کی رمی ترک کرے یا احرام کی حالت میں اپنی عورت کا بوسہ لے یا اپنی عورت کو شہوت کے ساتھ چھوئے۔ یا سر منڈانے میں آیام نحر سے تاخیر کرے۔ یا طواف زیارت میں آیام نحر سے تاخیر کرے یا حج کے اعمال سے کوئی عمل دوسرے عمل پر شرع کے خلاف مقدم کرے۔

مثلاً رمی کے قبل سر منڈانے یا جانور ذبح کرنے کے قبل سر منڈانے تو ان سب صورتوں پر دم واجب ہے اور اگر تارن نے جانور ذبح کرنے سے قبل سر منڈایا تو اس پر دو دم لازم ہوں گے۔ اگر احرام کی حالت میں کسی عضو میں خوشبو لگائے مگر اس عضو میں تمام جگہ خوشبو نہ لگائے یا اپنا سر چھپائے یا ایک دن سے کم وقت سلا ہو اگر پہنے ہے۔ یا چونٹائی سر سے کم منڈا ہے یا پانچ انگلیوں سے کم انگلیوں کے ناخن کٹوائے یا پانچ انگلیوں کے ناخن کٹوائے مگر ایک ہی جگہ نہ کٹوائے۔ بلکہ دو تین جگہ کٹوائے۔ یا طواف قدوم یا طواف صدر بلا وضو کرے یا تین جمرہ سے کسی ایک جمرہ کی رمی بعد یوم نحر کے ترک کرے یا دوسرے کا سر منڈائے تو ان سب صورتوں پر صدقہ واجب ہے۔ صدقہ آدھا صاع گہوئیں اور اگر محرم کو بیماری کا عذر ہو اور اس وجہ سے وہ خوشبو استعمال کرے یا بل منڈانے یا سلا ہو اگر پہنے تو اس صورت میں محرم پر لازم آئے گا کہ تین چیزوں سے کوئی ایک چیز عمل میں لائے یا ایک بکری ذبح کرے یا چھ مسکین کو تین صاع گہوئیں تین دن تک ہر روز دے۔ اس طرح کہ ہر مسکین کو آدھا آدھا صاع دے اور تین دن پہلے درپے دے یا متفرق دے یا تین دن روزہ رکھے۔

وجوب سبزا

اگر محرم سحرانی جانور کا شکار کرے یا اشارہ وغیرہ سے دوسرے کو شکار کے جانور سے آگاہ کرے تو اس پر جمرہ لازم آئے گی اور جس جگہ شکار کرے وہاں اس جانور کی جو قیمت ہو وہی اس کی جزا ہوگی۔ پھر اس قیمت سے ہدی خرید کرے اور وہ ہدی مکہ منظمہ میں ذبح کرے یا گہوئیں خریدے اور چھ مسکینوں کو ہر روز نصف نصف صاع تین دن تک دے اور تین دن تک پہلے درپے دے یا متفرق دے یا ایک مسکین کو گہوئیں یا جو دینے کے بدلے ایک روزہ رکھے اور یہ

اور اس سے نفع حاصل ہو یا اس ذبح سے کوئی اور امر جائز مقصود ہو۔ تو ان سب صورتوں میں وہ ذبیحہ حلال ہے اور ذبح سے اگر کوئی دوسری غرض فاسد ہے تو وہ ذبیحہ حرام ہے تفسیر فیثا پوری میں کلام پاک اللہ جل شانہ و ما أحل لہ فیہ الذبح کی تفسیر میں لکھا ہے :-

قَالَ الْعَلَمَاءُ لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلَى عَذِيرِ اللَّهِ صَارَ مُتَقَرِّبًا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةً مُرْتَدَّةً انْتَهَى

ترجمہ : یعنی علماء کرام کا یہ قول ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی ذبیحہ کیا اور اس ذبح سے اس کا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی نزدیکی حاصل ہو تو وہ شخص مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کے مانند ہو گیا۔

وَفِي الذَّبْحِ الْمُخْتَارِ ذَبْحُ لَقْدِيمِ الْأَمِيرِ وَنَحْوِهِ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ وَيَحْرُمُ لَأنَّهُ أَهْلٌ بِهِ لِنِعْرِ اللَّهِ وَلَوْ ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى وَلَوْ ذَبَحَ لِلصَّيْفِ لَاحْتِرَامِ لَأنَّهُ سَنَةُ الْخَلِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَوَلَمُ الْعِصْفِ أَكْرَامُ اللَّهِ تَعَالَى وَالْفَارِقُ أَنَّهُ قَدْ مَهَالِكَلْ مِنْهَا كَانَ الذَّبْحُ لِلَّهِ وَالْمَنْفَعَةُ لِلنَّبِيِّ أَوِ الْوَلِيَّةِ أَوِ اللَّذِيحِ وَإِنْ لَعَدِ قَدْ مَهَالِكَلْ بِلَيْدِ فَعَدَهَا الْغَيْرُ كَانَ تَعْظِيمُ غَيْرِ اللَّهِ فِيهِ حَرَمٌ وَعَلَّ يَكْفُرُ قَوْلَانِ بِزَانِيَةٍ وَشَرَحَ وَهَبَانِيَّةٌ قُلْتُ فِي مَعْنَى الْمَنِيَّةِ أَنَّهُ يَكْرَهُ وَلَا يَكْفُرُ لَأنَّهُ لَا يَنْتَهِي بِالْمُسْلِمِ أَنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَى الْأَدَمِيِّ بِهَذِهِ النُّعْوَةِ وَنَحْوِهَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَنْ الذَّخِيرَةِ وَنُظْمَةُ نَقَالَ حَوْفَاعِلَهُ جَمْعُهُمْ وَمِنْ قَوْلِهِ كَاخِرًا وَفَضْلُ وَاسْمَعِيلِ لَيْسَ يَكْفُرُ هَكَذَا فِي مَطَالِبِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْأَشْيَاءِ وَالنِّظَامِ

یعنی در مختار میں لکھا ہے کہ کوئی جانور، امیر وغیرہ کسی سردار کے آنے کی خوشی میں ذبح کیا گیا۔ تو وہ ذبیحہ حرام ہے کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اگرچہ وہ جانور اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح یا لیا ہو۔ اور اگر مہمان کے واسطے ذبح کیا گیا ہو تو وہ ذبیحہ حرام نہیں۔ اس واسطے کہ یہ سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے اور مہمان کی تعظیم کرنا کیا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے اور ذبیحہ کے حلال اور حرام ہونے میں فرق یہ ہے کہ اگر اس ذبیحہ سے گوشت کا کھانا مقصود ہو تو ذبح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے واسطے ہوگا اور یہ مقصود ہوگا کہ مہمان کو اس سے فائدہ ہو۔ یا وہ گوشت طعام ولیمہ میں خرچ ہوگا یا وہ گوشت فروخت کیا جائے گا۔ تاکہ اس سے نفع حاصل ہو اور اگر وہ گوشت کھانے کے واسطے مہمان کو نہ دیا۔ بلکہ کسی غیر کو دے دیا۔ تو وہ ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ہوا۔ تو وہ ذبیحہ حرام ہو گیا اور ایسا ذبح کرنے والا کیا کافر ہو جائے گا۔ اس میں دو قول ہیں۔ یہ بزاز یہ اور شریعت وہابیہ میں ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ مذہب میں شکار کے بیان میں ہے کہ اس طور سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور ذبح کافر نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ ہم لوگ مسلمان کے ہاتھ میں یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ مسلمان اس نیت سے ذبح کرے گا کہ آدمی سے نزدیک کی حاصل کرے اور ایسا ہی شریعت وہابیہ میں ذبیحہ سے منقول ہے اور اس مسئلہ کو نظم میں بیان کیا ہے۔ اس کا یہ معنیوں ہے۔ ایسا ذبح کرنے والا جہود کے

لَا يَجُوزُ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَبْلَ تَحْرِيرِ الْأَمَامِ وَيَجُوزُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِي أَسْرِ بَعْدَ أَيَّامٍ

یعنی اول وقت قربانی کا بعد نماز عید الاضحیٰ کے ہوتا ہے اگر شہر میں ذبح کرے یعنی ۱۰ روزی لکھتے کہ بعد نماز عید الاضحیٰ کے قربانی کا اول وقت ہوتا ہے اور اگر شہر کے سوا دوسری جگہ قربانی کرے تو وہ دن قربانی کا اول وقت ۱۰ روزی ذی الحجہ کو فجر کے بعد ہوتا ہے۔ اور آخر وقت قربانی کا تیسرے دن آفتاب کے غروب ہونے سے کچھ قبل تک ہوتا ہے اور امام مالک اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی جب تک امام قربانی نہ کرے۔ دوسرے لوگوں کو جائز نہیں کہ قربانی نہ کریں اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک چار دن تک قربانی کرنا جائز ہے اور حدیث میں لکھا ہے وَقَدْ الْأَضْحِيَّةُ يَنْتَظِرُ حُلَّ يَطْلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ لَا أَنْ لَا يَجُوزُ لِأَهْلِ الْأَمْثَلِ الذَّبْحُ حَتَّى يُصَلِّيَ الْأَمَامُ الْعِيدَ فَأَمَّا أَهْلُ الشَّوَابِ فَقَدْ بَحَّوْهُ بَعْدَ الْفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي يَوْمِ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بَعْدَهُ

ترجمہ : یعنی قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ فجر کے بعد ہوتا ہے۔ مگر شہر کے لوگوں کے لئے جائز نہیں کہ قربانی کریں جب تک امام عید الاضحیٰ کی نماز نہ پڑھ لے اور قربانی کا وقت اس کے بعد دو دن تک رہتا ہے۔ امام شافعی رحمہ نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد تین دن تک قربانی کا وقت رہتا ہے۔ واللہ اعلم

مسائل ذبیحہ

سوال : کسی شخص نے یہ نیت کی کہ اگر فلاں کام کا انجام میرے حسبِ خواہ ہو جائے تو سید احمد کی قبر کا لائے یا شیخ سعد وغیرہ کا کبرا میں دوں گا۔ پھر جب مراد اس کی حاصل ہوئی۔ تو اس نے خدا کا نام لے کر گائے ذبح کی۔ مگر اس نے دل میں سید احمد اور شیخ سعد کے ساتھ گائے کی نسبت کی اور یہ حدیث شریف میں ہے کہ انما الاعمال بالنیات یعنی عمل کا دار و مدار نیت پر ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرِكَ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قَلْبِكَ وَنِيَّتِكَ ترجمہ : یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی صورتوں کی طرف نظر نہیں کرتا بلکہ تم لوگوں کے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے :

وَنِيَّةُ الْمُؤْمِنِ حَبِيبٌ مِّنْ عَمَلِهِ یعنی مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

اس بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیت کو ضرور دخل ہے تو صورت مذکورہ میں ایسی گائے وغیرہ گوشت کھانا درست ہے یا نہیں۔

جواب : یہ امر کہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام۔ اس کا دار و مدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے۔ اگر اس کی یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں نزدیکی حاصل ہو یا یہ غرض ہو کہ اس کا گوشت خود کھائے۔ یا یہ منظور ہو کہ وہ گوشت فروخت کیا جائے

کافر ہے اور فضل اور اسمیل کے نزدیک کافر نہیں ایسا ہی مطالب المؤمنین اور اشرار و الظالمین ہے۔

وفي الحديث لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لغير الله دماً واحداً وابتغى ما ملعون من ذبوح لغير الله (رواه أبو داود وفي غرائب أبي عبيد وبستان الفقيه وكنز العباد أنه لا يجوز ذبح البقر والغنم عند القبور لقوله عليه السلام لا اعترف في الإسلام بمعنى عند القبور هكذا في سنن أبي داود وهكذا لا يجوز على البناء الجديد وعند شراء الدار لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ذبائح الحن بناء على أنهم يكرمون فابطل النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وهكذا في كتب الشافعية كما قال النووي في شرح صحيح مسلم في تفسير ما أخرجه عن قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله من ذبح والد أو ولد أو لغير الله من ذبح لغير الله فالمراد به ان يذبح باسم غير الله كمن ذبح للصنم أو للصلب أو للموسى وعيسى عليهما السلام أو للكعبة ونحو ذلك فكل هذا حرام ولا تحل هذه الذبيحة سواء كان الذابح مسلماً أو نصرانياً أو يهودياً كما نفع عليه الشافعي واتفق عليه اصحابنا فان قصد مع ذلك تعظيم المذبح بغير الله والعبادة له كان ذلك كفرًا فان كان الذابح مسلماً قبل ذلك صار بالذبح مرتدًا وذكره الشيع ابراهيم المروزي عن اصحابنا ان ما يذبح عند استقبال السلطان تقرباً اليه انه افترى اهل بخارا بتحريره لانه مما امل به لغير الله وقال الرافعي هذا اثمنا به بحنة استبشاراً لقدومه فهو كذبح العقيقة لولادة المولود ومثل هذا لا يجزى فيه التحريم والله اعلم :

یعنی حدیث شریف میں ہے کہ لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر کہ جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا اس حدیث کو احمد نے روایت کیا۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ وہ ملعون ہے جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور غرائب ابو عبیدہ اور بستان الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ذبح کرنا گائے اور بکری کو قبروں کے نزدیک، اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقرب یعنی قبروں کے نزدیک ذبح کرنا اسلام میں نہیں۔ ایسا ہی سنن ابو داؤد میں ہے اور ایسا ہی بزر نہیں ہے۔ ذبح نئی عمارت بنانے کے وقت اور مکان خریدنے کے وقت۔ اس واسطے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ جن کے ذبیحہ سے اس بناء پر کہ اس ذبح سے جن کی تعظیم مقصود ہوتی ہے تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ذبیحہ کو باطل فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا۔ ایسا ہی شافعیہ کی کتابوں میں ہے چنانچہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے کہ لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر کہ جس نے اپنے باپ پر لعنت کی۔ اور لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا۔ تو اس سے ۱۔ ہے کہ ذبح کرے غیر اللہ کے نام سے مثلاً ذبح

کرے بفرص تعظیم بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی غرض سے یا کعبہ وغیرہ کی تعظیم کے لئے تو یہ سب حرام ہے اور ایسا ذبیحہ حلال نہیں۔ خواہ ذابح مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی۔ ایسا ہی امام شافعی رحمہ نے تصریح کی ہے اور اسی پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے تو اگر باوجود اس کے ذابح کا یہ ارادہ ہو کہ اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت ہو تو یہ کفر ہے۔ پس اگر ذابح مسلمان ہوگا تو اس ذبح سے مُردہ ہو جائے گا۔ اور شیخ ابراہیم مروزی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ جو ذبیحہ کیا جاتا ہے۔ بادشاہ کی مشوائی کے وقت اس سے نزدیک حاصل ہونے کے لئے ایسے ذبیحہ کے پاس میں اہل تجارت نے حرمت کا فتویٰ دیا ہے اس واسطے کہ وہ ان ذبیحہ میں سے ہے جن پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اور کہا رافعی نے کہ یہ ذبح بادشاہ کے آنے کی خوشی میں ہوتا ہے۔ تو یہ ذبح مانع ذبح عقیقہ کے ہے جو لڑکے کی پیدائش کے سبب سے ہوتا ہے اور ایسی صورت میں حرمت کا حکم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فان قيل قوله تعالى : وما لكم الا تاكلوا من ذكرا سموا الله عليه وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه وكذا قوله تعالى : وكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم باياتهم مؤمنين عام يتناول ما قصد به التقرب الى الله وغيره فيكون الكل حلالاً قلنا هذه الايات عامة مخصصة بالنسب الاخر وهو قوله تعالى في سورة المائدة حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير الله به او المنخنقة والموقدة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع الا ما ذكيتم وما ذبح على النصب فلان رجلاً مسلماً خنق شاة وذكر اسم الله عليها لا تحل مع انه ذكر اسم الله عليها وكذا الذبح شاة على نصب من الانصاب او على قبر من القبور وقصد به التقرب الى صاحب القبر او صاحب النصب وذكر اسم الله عليها لا تحل بهذا النص الصريح ومدار كل ذلك على قصد التقرب الى غير الله او تغيير الطريق المشهور في الذبح من استعمال الاله المحيطة ونحو ذلك فعلمنا انها الى قوله وقد فصل لكم حواله على ما ذكر في الايات الاخرى كما المائدة وغيرها وكان سبب نزول هذه الايات شبهة المشركين حيث كانوا يوقنون للملین بطريق الزام ان لا تاكلون الميتة وقد قتلها الله وتاكلون ما تقتلون بايدكم فقد تجسم مقتولكم على مقتول الله فاجاب الله تعالى : عن ذلك بان الميتة لو يذكر معها اسم الله فلا ذك حرمته وكذا الموقدة والمتردية والنطيحة لو تقبل على الوجه المذكور فيه من الله فحرمته وما قتلناه بايدنا ما راحلنا لان قتلها وقت بان الله تعالى

وبالوجه المشروع بحيث خرج منه الدم المسفوح ومع ذكر اسو الله فتحليل هذا
او تحريمه ذلك عين التعظيم لا مر الله واما حديث القتل فغالبه وهمية لا
الكل مقتول الله سواء كان بايدينا او بايدي غيونا او ماتت تحت انفها اذ لا
موت عندنا الا باذن الله كما قال الله تعالى: يتوفى الانفس حين موتها وبذلك
اجمع اهل السنة والجماعة على ان المقتول ميت لاجله. والله اعلم:

ترجمہ: یعنی اگر یہ شبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور کیا سبب ہے کہ تم لوگ نہیں کھاتے اگر
جس پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل فرمادی تم لوگوں کے لئے حرام چیزوں کی
مگر سبالت اضطراب وہ حرام بھی کھانا بقدر جان بچانے کے جائز ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے۔ اور کھاؤ تم اس کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ اگر تم لوگ اس کی آیتوں پر ایمان لائے ہو
اللہ تعالیٰ کا یہ کلام عام ہے ذبح سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مقصود ہو یا غیر اللہ کا سب کو یہ کلام
پاک شامل ہے تو سب حلال ہوا۔ اس شبہ کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں عام ہیں۔ ان
کی بعض صورتیں خاص کر لی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں دوسری نس میں دوسرا حکم ہے۔ وہ نص سورۃ
مائدہ میں ہے۔ اس کا یہ حاصل ہے کہ حرام کیا گیا تم لوگوں پر مردار اور خون اور سوا کا گوشت اور جس پر
غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھونٹا ہوا اور عصا سے مار ڈالا ہوا۔ اور جو اوپر سے گر کر مر جائے
اور وہ جانور جس کو دوسرے جانور نے سینک سے مار ڈالا ہو۔ اور وہ جس کو کھایا ہو درندہ نے، مگر
ان میں سے وہ جانور حلال ہے جس کو تم لوگ زندہ پاؤ اور اس کو ذبح کرو۔ اور وہ جانور بھی حرام ہے جو تین
پر ذبح کیا جائے تو اگر کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی بکری کا گلا گھونٹا تو وہ بکری بھی حلال نہیں۔
باوجودیکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ اور اس صریح نص سے ثابت ہے کہ وہ بکری بھی حلال نہیں جس
کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی میت پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس غرض سے کہ اس جگہ تقریباً مل ہوا اس کو کسی بکرے نزدیک اللہ کا نام
لیکر ذبح کیا اس غرض سے کہ صاحب قرآن تقریباً مل ہوا ان سب صورتوں میں حرمت کا بار اس پر نہیں پڑتا جو میں نے بیان کیا ہے کہ اللہ کا نام
حاصل ہو۔ اور بعض صورتوں میں یہ خلل ہے کہ وہ جانور ذبح کے مشہور طریقہ کے موافق نہیں ذبح کیا گیا۔
مثلاً تیرا کہ سے ذبح کرنا اور ایسے ہی بعض امور کہ ذبح کرنے میں ان پر لحاظ ہونا چاہیے اس کا لحاظ نہ ہوا
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کی تفصیل فرمادی
ہے تو اس سے وہ چیز ہے کہ اس کی تفصیل دوسری آیتوں میں مثلاً سورۃ مائدہ وغیرہ میں ہے اور یہ
آیت مذکورہ۔

وَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ
کہ تم لوگ مردار نہیں کھاتے ہو۔ حالانکہ اس کی موت محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے اور اپنا

ذبح کھاتے ہو کہ اس کو تم لوگ قتل کرتے ہو تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقتول سے اپنا مقتول اچھا جانتے
ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا جواب فرمایا کہ مردار پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا ہے۔ اس واسطے وہ
حرام ہے اور ایسا ہی وہ جانور بھی حرام ہے جو عصا سے مار ڈالا جائے یا اس کا گلا گھونٹا جائے یا وہ اوپر سے
گر کر مر جائے تو یہ سب جانور اس واسطے حرام ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے
اس طور سے ذبح نہیں کئے گئے اور ہمارا ذبیحہ اس واسطے حلال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق
شرعی طور پر ذبح کیا جاتا ہے۔ یعنی اس جانور سے خون نکالا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا
جاتا ہے۔ اور مردار شرعی طور پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح نہیں کیا جاتا۔ اس واسطے وہ حرام ہے اس
میں اللہ تعالیٰ کے نام اور حکم کی عین تعظیم ہے اور شکرین کا شبہ محض منافق وہم ہے کہ اہل اسلام
جس جانور کو ذبح کرتے ہیں مسلمانوں کا مقتول ہوتا ہے۔ یہ شبہ سراسر غلط ہے اس واسطے کہ ہر حال میں
میں موت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے خواہ اہل اسلام ذبح کریں یا غیر اسلام ذبح کریں یا
بغیر ذبح کے خود مر جائے۔ اس واسطے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ سب کی موت صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے
ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا ۖ تَرْجِمُ: یعنی اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے جان کو جب
اس کی موت کا وقت آتا ہے۔

اور اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ مقتول اپنی موت سے مرنا ہے

واللہ اعلم

واما ما وقع في البيضاوي وغيره من التفسير انهم قالوا ما اهل به لغير الله اي ما رفع القوت
به عند ذبحه للصنوف بنى على ما جرى عادة المشركين في ذلك الزمان ولذا لم يرفعوا في
التفسير القدسيه بين ذكر اسو غير الله عليه وبين ما قصده بذبجه التقرب الى غير الله لان
مشركين ذلك الزمان كانوا مخلصين في الكفر وكانوا اذا قصدوا التقرب بذبج بهيمه
الى غير الله ذكروا عليها عند الذبح اسو ذلك الغير بخلاف مشرك المسلمين فانهم يخلطون
بين الكفر والاسلام فيقصرون التقرب بالذبح الى غير الله ويذكرون اسو الله عليه وقت
الذبح فالاول كفر صريح والثاني كفر صوته صوته الاسلام وكانوا يعتقدون ان لا طريقت
للذبح الا هذه اسو الله كان الله اول غير الله وقد يجري هذه العادة في زماننا ايضا فانهم يشتهرون
فلان يذبح بقرة لاجل السيد احمد كبير مشايخ اسو الله ذكروا اسو الله عليها عند امر التكين
اولا۔

ترجمہ: یعنی بیضاوی وغیرہ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ مفسرین نے وہ اہل بہ لغير اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

کہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ جانور حرام ہے جس پر آواز بلند کریں جب اس جانور کو موت کے واسطے ذبح کریں تو مفسرین کا یہ قول صرف اس بنا پر ہے جو مشرکین کی عادت سابق زمانہ میں تھی اور اسی وجہ سے تفاسیر قدیمہ پر کچھ فرق نہیں کیا ہے اس جانور میں جو غیر اللہ کے نام سے پکارا جائے اور اس بات میں جو غیر اللہ کے تعرب کے لئے ذبح کیا جائے اس واسطے کہ اس زمانہ میں مشرکین کا کفر خاص تھا جب ان کا ارادہ ہوتا تھا کہ کوئی جانور ذبح کریں کہ اس کے ذبح سے غیر اللہ کا تعرب حاصل ہو تو مشرکین وہ جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے اور یہ صریح کفر ہے۔ پھر ایسے لوگ ہوئے کہ اپنے کو مسلمان جانتے تھے۔ اور فی الواقع شرک کرتے تھے۔ وہ لوگ کفر اور سلام میں خطا کرتے تھے کبھی ایسا کرتے تھے کہ جانور ذبح کرتے تھے کہ اس ذبح کے وسیلے سے غیر اللہ کا تعرب حاصل ہو اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے طریقہ پر ذبح ہوا۔ حالانکہ فی الواقع یہ بھی کفر ہے ان لوگوں کا خیال تھا کہ ذبح کا یہی طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے خواہ یہ ظہور ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ یا یہ غرض ہو کہ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کریں بعض لوگوں میں یہ عادت اس زمانہ میں بھی جاری ہے۔ ایسے لوگ مثلاً مشہور کرتے ہیں کہ فلاں شخص سید احمد کبیر کے واسطے گائے ذبح کرتا ہے اور اس میں اس کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا ہے کہ جب وہ گائے ذبح کی جائے تو بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ یا اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔

واما ما وقع في الهداية وغيره ان يذكر مع اسم الله تعالى شيئاً آخر ومما ان يقول عند ذبح اللهم تقبل من فلان وھذا ثلاث مسائل احداھا ان يذكر موصلاً لا معطوفاً فيكفر ولا يحرم الذبيحة وهو المراد بما قال وتظير ان يقال بسم الله محمد رسول الله لان الشربة لو توجده فلم يكن الذبح واقعاً الا انه يكفر لوجود القرآن صوراً فيتصور بيقوت المحرم والثانية ان يذكر موصلاً على وجه العطف والشربة بان يقول بسم الله واسم فلان او يقول بسم الله فلان او بسم الله ومحمد رسول الله بكسر الدال فيحرم الذبيحة لانه اهل به بغير الله والثالثة ان يقول مفصلاً عنه صوراً ومعنى بان يقول قبل التسمية وقبل ان يضع الذبيحة او بعد الذبح وهذا باس من به لما روي ان النبي صلى الله عليه وسلم

قال بعد الذبح اللهم تقبل هذا من امة محمد ممن شهد ذلك بالوحدانية والى بالبلاغ والشروط هو الذكر الخالص المجرد على ما قال ابن مسعود جرداً في التسمية انتهى ما في الهداية صريحاً فيما ذكرنا من ان قصد التعرب الى غير الله محرم للذبيحة سواء كان بطريق الاستقلال او بطريق الشربة فلو ذكر ذكرًا مجزئاً عن غير قصد التعرب الى غير الله ففيه تفصيل فان ذكر موصلاً لا معطوفاً يكفر مثلاً ان يقول بسم الله محمد رسول الله والله تقبل من فلان

لا يحرم الذبيحة لعدم قصد التعرب اليه وانما كره لاجل المشابهة في ذلك بكسر اسم الله بقصد التعرب ولو ذكر موصلاً يحرم ايضاً وان لم يكن فيه معنى التعرب لكنه صريح في الشربة والصريح لا يحتاج الى النية واذا ذكر مفصلاً لا بطريق العطف ولا بطريق الوصل لا يكفر ولا يحرم لامتياز المشابهة صوراً ومعنى مثلاً ان يقول بسم الله وتوقف ثوباً قال محمد رسول من غير قصد التعرب الى غير الله واذا عرفت معنى هذا الكلام عرفت ان صاحب الهداية وضع المسئلة فيما اذا لم يكن المذكور مقروناً بقصد التعرب الى غير ذكرًا مجزئاً فهو بمعزل من مسئلتنا الموضوعات فيما قصد التعرب الى غير الله فانها حرام مطلقاً وعرفت ايضاً ان ما وقع في التفسير الاحمدى من تفريع قوله على ما وقع في الهداية ونقله في ذلك التفسير كما ذكرنا وهو قوله ومن ههنا علم ان البقرة المنذرة لا وليا كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله وقت الذبح وان كانوا يذرون ذبحها لهما شطى مبني على النفلة عن قول صاحب الهداية وهو قوله والثالثة ان يقول مفصلاً عنه صوراً ومعنى فان الانفصال المعنوي كيف يتصور اذا كان النذر لا ولياً فان عین التعرب اليهم فينتهي دائماً الى وقت الذبح فلا انفصال معنى اصلاً كما تقر في قواعد الفقه من استدامة النية الى آخر العمل وايضاً مبني على عدم الفرق بين الذكر المجرد الذي وضع صاحب الهداية المسئلة فيه وبين ما قصد به التعرب الى غير الله الذي وضعنا المسئلة فيه واین هذا من ذاك يعني حلاله وغيره میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی چیز ذکر کی جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذبح کے وقت کہے۔ اللهم تقبل من فلان یعنی میرے پروردگار اس ذبیحہ کو فلاں شخص کی طرف سے قبول فرما اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دوسری چیز کو اللہ تعالیٰ کے نام کے بعد متصل ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کا عطف ذکر کرے تو یہ مکروہ ہے اور ایسا ذبیحہ حرام نہیں مثلاً ذبح کے وقت کہے۔ بسم اللہ محمد رسول اللہ اس صورت میں ذبیحہ حرام نہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کی شرکت نہیں تو ایسا ذبیحہ غیر اللہ کے واسطے نہ ہوا۔ البتہ مکروہ ہے اس واسطے کہ بظاہر غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا لیا گیا تو بظاہر صورت حرام کی ہوئی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اور غیر اللہ کا نام بطریق عطف اور شرکت کے مذکور ہو۔ مثلاً کہا جائے۔ بسم اللہ واسم فلان یا بسم اللہ وفلان یا بسم اللہ و محمد رسول اللہ ساتھ کسرہ وال کے کہے اس صورت میں ذبیحہ حرام ہو جائے گا اس واسطے کہ اس ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لیا گیا۔

۲۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام اس طور سے ذکر کرے کہ غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے ظاہر ہو اور یا من میں جدا ہو۔ اس طور پر کہ پہلے غیر اللہ کا نام ذکر کرے پھر اس کے بعد جانور کوٹا لے اور بسم اللہ کہے یا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے اس میں مضائقہ نہیں۔ اس واسطے کہ روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے بعد فرمایا :-

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ هَذَا مِنْ اُمَّةٍ مُحَمَّدٍ مَسْنٍ شَهِدَ لَكَ بِالْوَحْدَةِ اَيْتَةً وَلِيَّ بِالسَّلَاحِ تَرْجُو
یعنی اے میرے پروردگار تو قبول فرما اس ذبیحہ کو امت محمدیہ کی طرف سے کہ ان لوگوں نے تیری وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دی۔

ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام ذبح کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ ذبح کرنے کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے۔ تیرہ منہوں ہدایہ جہارت مذکورہ بالا کہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب ذبح سے مقصود ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ خواہ غیر اللہ کا نام مستقل طور پر کہا جائے یا غیر اللہ کا نام بطور شرکت کے مذکور ہو۔ دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے البتہ جب نیت نہ ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو مگر غیر اللہ کا نام ذکر کیا جائے تو اس صورت میں تفصیل کی ضرورت ہے۔ یعنی اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام متصل ذکر کیا جائے۔ مگر غیر اللہ کا نام بطریق عطف کے مذکور نہ ہو۔ تو یہ مکروہ ہے۔ مثلاً ذبح کے وقت کہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ وَاللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ تَوْذِیْحِیْ حَرَامٍ نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اس صورت

میں غیر اللہ سے تقرب حاصل ہونا مقصود نہیں۔ مگر یہ مکروہ ہے۔ صرف اس واسطے کہ اس صورت میں مشابہت اس حرام طریقہ ذبح کے ساتھ ہوئی جس میں ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے اور وہ حرام طریقہ ذبح کا یہ ہے کہ ذبح سے مقصود ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بطریق شرکت کے ذکر کیا گیا۔ اور ظاہر امور میں حکم ظاہر کے موافق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نیت کا اعتساب نہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا کر کے غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ یعنی غیر اللہ کا نام نہ بطور عطف کے مذکور ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ متصل ذکر ہو تو یہ نہ مکروہ ہے اور نہ حرام ہے۔ اس واسطے کہ اس صورت میں حرام طریقہ ذبح کے ساتھ مشابہت نہیں پائی جاتی۔ مشابہت نہ ظاہر میں ہے نہ بالاعتبار معنی کے ہے۔ مثلاً ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے پھر ٹھہرے۔ پھر کچھ دیر کے بعد محمد رسول کہے اور یہ منظور نہ ہو کہ اس ذبح سے غیر اللہ کا

تقرب حاصل ہو تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام ہے۔ اب ظاہر ہو کہ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کا حکم لکھا ہے جس میں نیت نہ ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہو اور یہ حرام ہے۔ ہمارے بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تفسیر احمدی میں ہدایہ کا یہی قول متفق ہے اور تفسیر احمدی میں اسی قول کی تائید لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو رسم ہے کہ اولیاء اللہ کے واسطے گائے نذر کی جاتی ہے یہ

حلال اور طیب ہے۔ اس واسطے کہ اگرچہ اولیاء اللہ کے لئے گائے نذر کرنے میں مگر جب وہ گائے ذبح کرتے ہیں تو غیر اللہ کا نام نہیں لیتے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کا نام اس وقت ذکر کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ گائے حلال ہے۔ تفسیر احمدی میں غفلت

یہ مسئلہ اس طور پر غلط مذکور ہو گیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو تیسری صورت لکھی ہے اس پر لحاظ نہ ہوا۔ وہ صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام اس طور سے ذکر کیا جائے کہ ظاہر میں بھی غیر اللہ کا نام اللہ کے نام سے جدا ہے اور اعتبار معنی کے بھی جدا ہے تیسری صورت مذکورہ ہے اس میں غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے باعتبار معنی جدا نہیں اس واسطے کہ جب گائے لے جائے اس میں اولیاء اللہ کی نذر کی نیت ہوتی۔ تو اس سے خاص یہی منظور ہوگا کہ اس گائے کے ذبح کے وسیلہ سے اولیاء اللہ کو تقرب حاصل ہو۔ اور ذبح کے وقت تک یہی نیت رہی تو باعتبار معنی کے ہرگز غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اصول فقہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ نیت کا حکم عمل میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک کہ وہ عمل تمام ہو جائے۔ صاحب ہدایہ نے تیسری صورت میں اس مسئلہ کی تحقیق لکھی ہے جس میں خالص اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے اور ہم نے اس مسئلہ کا حکم لکھا ہے جس میں یہ منظور ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہو۔

تفسیر احمدی میں ان دونوں صورتوں کے فرق کی جانب لحاظ نہ کیا گیا۔ حالانکہ ان دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے۔ جب کوئی جانور خالص اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا جائے اور یہ مگر منظور نہ ہو کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ اور اگر یہ نیت ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو۔ تو اگرچہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں، نیت میں وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔

نذر کا ذبیحہ

سوال : کوئی شخص نذر مانے کہ میرا کام میری حاجت کے موافق ہو جائے تو میں سید احمد کبیرؒ کی گائے اور شیخ سدو کا بکرا دوں گا اور حاجت پوری ہونے کے بعد خدا کا نام لے کر گائے ذبح کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس گائے وغیرہ کی نعت سید احمد کبیرؒ اور شیخ سدورم کے ساتھ ہے۔ حدیث شریف میں ہے :-

اَنْسَا الْاِحْمَالُ بِالْنِّسَاتِ یعنی عمل کا دار و مدار صرف نیت پر ہے۔

اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى صُوْرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلَى حُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا ہے

تمہاری صورتوں کو لیکن اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہاری نیتوں کو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل میں نیت کو ضرور دخل ہے۔ وَنِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ یعنی مؤمن کی نیت

اس کے عمل سے بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت کو دخل ضرور ہے تو صورت مذکورہ میں گائے وغیرہ کا کھانا

درست ہے یا نہیں؟

جواب : یہ جواب شاہ صاحب رحمہ اللہ نہیں ہے کسی عالم کا جواب ہے اس جواب پر شاہ صاحب رحمہ

نے جو جواب (متصر) دیا ہے وہ آگے بیان ہوا ہے۔

گائے وحیرہ صورت مذکورہ میں حلال ہے۔ اس کا کھانا درست ہے۔ علی الخصوص اس وقت جب کہ ذبیحہ کرنے والے کی یت نہ ہو کہ سید احمد کبیرؒ وغیرہ کی تعظیم اس ذبیحہ سے ہو۔ یہی معمول ہے کہ سید احمد کبیرؒ کی گائے ذبیحہ کرنے میں ذبیحہ کے وقت سید احمد کبیرؒ وغیرہ کی نیت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ امر کہ وہ گائے حلال ہے اور اس کو کھانا جائز ہے۔

فکلوا مما ذکراکم اللہ علیہ ان کنتم علیہ مؤمنین ۵ و ما کنتم الا کلوام ما ذکروا
اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم ترجمہ یعنی اس کا ذبح ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان لائے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم نہیں کھاتے جو وہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل فرمادی ہے اس کی جس کو حرام کیا ہے تم لوگوں پر؟

تو یہ کلام پاک عام ہے اس سے عام طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے وہ حلال ہے پھر دوسری آیت میں بعض صورتیں خاص کر دی گئی ہیں کہ ان خاص صورتوں میں حرمت کا حکم ہے اور وہ صورتیں یہ ہیں۔ مردار جانور، خون، سور کا گوشت جس پر غیر اللہ کا پکارا جائے۔ گلا گھونٹا ہوا۔ جو عصا سے مارا جائے جو جانور اوپر سے گر کر مر جائے، جس جانور کو دوسرا جانور سنگ سے مار ڈالے، جس جانور کو درندہ جانور نے کھایا ہو، وہ جانور جو ثبت پر ذبیحہ کی جائے۔ وہ جانور جس سے غیر اللہ سے تقرب حاصل کرنا مقصود ہو؟

اور جو حکم عام ایسا ہو کہ اس کی بعض صورتیں خاص کی گئی ہوں۔ اور ان بعض خاص صورتوں میں دوسرا حکم ہو تو ایسے حکم عام کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس حکم عام کے خاص کرنے کے بعد جو افراد باقی ہوں۔ ان سب باقی افراد کو وہ حکم عام شامل رہتا ہے اگرچہ یہ شامل باعتبار ظن ہوتا ہے تو اس مقام میں جو صورتیں حرمت کی خاص کی گئی ہیں۔ ان صورتوں میں وہ ذبیحہ داخل نہیں ہے جو سوال میں مذکور ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس ذبیحہ سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو، اس کے سوا اور جو باقی صورتیں حرمت کی اوپر مذکور ہوں۔ ان باقی صورتوں میں وہ ذبیحہ داخل نہیں جو سوال میں مذکور ہے۔ لیکن حرمت کی صورتوں میں اوپر یہ صورت بھی مذکور ہے کہ جس سے غیر اللہ کا تقرب بھی مقصود ہو وہ بھی حرام ہے تو اب یہ امر ثابت کرنا ہوتا ہے کہ جو ذبیحہ سوال میں مذکور ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اس سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو۔ تو البتہ اس حال میں وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ اور یہی ثابت کرنا مقصود ہے تو اس امر کا بیان یہ ہے کہ جس ذبیحہ سے غیر اللہ کا تقرب منظور ہو اس سے وہ ذبیحہ مرنے سے جس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ مقصود ہو کہ گوشت کسی غیر کو دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کا مفصل بیان آئندہ آئے گا۔ اور جو ذبیحہ سوال میں مذکور ہے وہ ذبیحہ ایسا نہیں کہ اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو۔ اس کا حلال ہونا حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وہ سب ذبیحہ حلال ہے جو ذبیحہ مہمان کے لئے ہو یا غیر

طعام ولیمہ و اعزاز یا وہ ذبیحہ جو عقیقہ میں ذبح کیا جائے یا بغرض تجارت ذبح کیا جائے جیسا کہ مثلاً ذبیحہ قصاب کا ہوتا ہے تو ان صورتوں میں ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا گیا۔ اور اس کے ذبح میں غیر اللہ کی بھی نیت ہے مثلاً مہمان کو کھانا، یا طعام ولیمہ میں لوگوں کو کھانا جو صورت ذبیحہ کے سوال میں مذکور ہے۔ اس میں بھی ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ ذبح کیا گیا اور اس کے ذبح میں غیر اللہ کی نیت بھی ہے مثلاً شیخ سدا وغیرہ کی نیت ہے تو اس ذبیحہ میں اور ان سب ذبیحہ میں جن کا حلال ہونا حدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ دونوں میں اور اس امر میں کچھ فرق نہیں۔ کیونکہ دونوں میں ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح ہوا ہے اور غیر اللہ کی بھی نیت ہے اور ان دونوں امر میں فرق کرنا محض دعویٰ بلا دلیل ہے یہ امر کہ جو ذبیحہ سوال میں مذکور ہے اس کا حلال ہونا فقہاء کرام کے قول سے ثابت ہے تو اس امر کا بیان یہ ہے کہ فتاویٰ سر اجیہ میں لکھا ہے:-

والکتاب اذا ذبح باسم المصحح لا یحل ولو ذبح باسم اللہ و اراد به المصحح علیہ السلام یحل

ترجمہ: یعنی اصل کتاب جب ذبح کرے حضرت مسیح علیہ السلام کے نام سے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں اور اگر اصل کتاب نے ذبح کیا اللہ کے نام سے۔ اور اس کی مراد اللہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو وہ ذبیحہ حلال ہے اس بیان سے کوتاہ نظروں کا یہ قول دفع ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نیت اگرچہ ذبیحہ میں شرط نہیں۔ لیکن نیت فارسیہ و خبیثہ ذبیحہ کو حرام کرے گی اور ہدایہ میں مذکور ہے:-

والثالثة ان یقول مفصولا عنه سورة ومعنی بان یقول قبل التسمیة وقبل ان یضیع الذبیحة او بعداً وهذا لا یاس بہ۔ صاحب ہدایہ کے اس قول تک والشرط الذکر الخالص المجتہد

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تیسری صورت ذبیحہ کی یہ ہے کہ ذبیحہ کرنے والا غیر اللہ کا نام اس طرح ذکر کرے کہ غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا ہو۔ باعتبار ظاہر اور باطن۔ اس طرح کہ غیر اللہ کا نام بسم اللہ سے پہلے ذکر کرے خواہ غیر اللہ کا نام ذکر کرے جانور کو ٹانے سے پہلے یا جانور کو ٹانے کے بعد اور اس میں مضائقہ نہیں۔ پھر صاحب ہدایہ اسی مقام میں کچھ اور عبارت کے بعد لکھا ہے کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط ہے کہ ذبیحہ کے وقت خالص ذکر اللہ تعالیٰ کا کیا جائے۔ اور وہ ذکر مجرد ہو غیر اللہ کی نیت سے۔ تو مراد اس ذکر خالص مجرد سے فقط ذکر باللسان ہے اس واسطے کہ اس بیان سے قبل صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔ بان یقول قبل التسمیة الخ اپنے اس قول کی تفسیر میں صورت و معنی اور عنایت میں صاحب ہدایہ کے قول مذکور کی شرح میں لکھا ہے:-

والبامور یہ ہئنا الذکر علی الذبح والمراد بالذکر المتعدی یعنی الذکر باللسان تقدر واحتج بہ المالك فی حرمۃ متروک التسمیة ناسیاً فلا تدخل الذبیحة تحت قوله تعالی ولا تأکلو مما لیس ذکرا باسم اللہ علیہ۔ ایضاً۔

یعنی ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذبح کے وقت ذکر کیا جائے۔ اور چونکہ متعدی ساتھ علی کے ہوا اس سے مراد ذکر باللسان ہوتا ہے۔

اور یہی دلیل ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلہ میں کہ وہ ذبیحہ حرام ہے جس کو ذبح کرتے وقت بھول سے اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہو تو وہ ذبیحہ جو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا جائے گا۔ وہ ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک میں بھی داخل نہ ہوگا کہ:-

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ تَرْجَمَهُ: اور مت کھاؤ وہ جانور جس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہ کیا جائے۔

اور یہ مسئلہ مفسرین کے قول ہے اس طرح ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر احمدی میں مذکور ہے:-
ان البقرة السندرة كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لو لم يذكر اسم الله وقت الذبح وان كانوا يذبحونها لله انتهي۔

یعنی گائے نذر مانی ہوئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال طیب ہے اس واسطے کہ اس گائے پر ذبح کرنے کے وقت نام غیر اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ وہ گائے غیر اللہ کی نذر مانی ہوئی رہے۔ اس مسئلہ میں حق ظاہر ہے۔ صاف امر یہ ہے کہ جس کو مولانا محمد مبین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا اس مسئلہ میں لکھا ہے۔ رسالہ نذر کے بیان میں ہے کہ نذر شیخ سدو کی اور ان کے مانند اوروں کی حرام ہے اور بکرا وغیرہ جو شیخ سدو کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ اگر بوقت ذبح کے شیخ سدو کا نام لیا ہو تو اس بکرا وغیرہ کا گوشت مردار ہو جاتا ہے اس کا کھانا ناجائز ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ تَرْجَمَهُ: اور مت کھاؤ وہ جانور جس پر کیا جائے نام اللہ تعالیٰ کا یہ ذکر نہ کرنا فسق ہے۔

اور اگر اس بکرا وغیرہ کو خدا کے نام سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو تو اگرچہ دل میں نیت فاسد ہو تاہم وہ کھانا حلال ہے لیکن متقی اور پرہیزگار کو چاہیے کہ اس کو نہ کھائے ورنہ جانوروں کا یہ گھانا ہوگا کہ ایسی نذر حلال ہے جو جاہل گمراہ ہوں گے۔ یہ مضمون مولانا محمد مبین کے کلام کا ہے۔

لیکن جو گائے غیر اللہ کی نذر ہو اس کی حرمت کا فتویٰ انہی لوگوں نے دیا ہے جن کا قول ان کے فعل کے مطابق نہیں مثلاً وہ لوگ فرقہ شیعہ کو مطلق بالاجماع کافر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَشْرَکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا بِالْعِزَّةِ وَتُؤْمِنُوْا بِالْحَیْرِ مَنْ مَّشَرَکٌ فَلَوْ اَعْبَدْتُمْ
الابیۃ۔ ترجمہ: اور مت نکاح کرو مسلمان عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور

البتہ بندہ مؤمن بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ مشرک تم کو اچھا معلوم ہو۔
تو وہ لوگ جو باوجود اس کے کہ شیعہ کو کافر مطلق کہتے ہیں اور اس آیت کے خلاف لڑکیوں وغیرہ کا نکاح

شیعہ کے ساتھ کر دیتے ہیں وہ لوگ اپنے مسکن کو دائر الحرب قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعد
اَلَمْ تَتَّكِنِ اَرْضَ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا مِنْهَا یعنی کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ
تھی کہ وہاں تم ہجرت کر جاتے۔

تو اس کلام پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ دائر الحرب سے ہجرت کرنا فرض ہے۔ دائر الحرب نو کہتے ہیں
اور اس آیت کے خلاف وہاں اقامت کئے رہتے ہیں۔ ہجرت نہیں کرتے۔ وہ لوگ اپنے بزرگوں کا عرس اپنے
گھر اس آیت کے خلاف وہاں اقامت کئے رہتے ہیں اور کھانا اور شیرینی لے جا کر وہاں تقسیم کرتے ہیں اور
اپنے فرض جانتے ہیں اور سال بسال مقبرہ پر لوگوں کا جمع کرتے ہیں اور کھانا اور شیرینی لے جا کر وہاں تقسیم کرتے ہیں اور
مقبرہ کو بت بناتے ہیں جس کی پیش کی جاتی ہے نہایت تعجب کی بات ہے اور وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ حربی کا کیا کام کہ وہ مسلمانوں کے پاس
مقبرہ کی فتویٰ ہے۔ بلکہ وہ لوگ اس فتویٰ کی وجہ سے اس امر کے مصداق ہو جاتے ہیں کہ وہ لوگ خود گمراہ ہو چکے اور اکثر
میں فتویٰ ہے۔ اس واسطے کہ ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم و اکرام کے لئے ہو۔ وہ ذبیحہ حرام ہے اور ذبح کرنے والا اس صورت میں
لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس واسطے کہ ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم و اکرام کے لئے ہو۔ وہ ذبیحہ حرام ہے اور ذبح کرنے والا اس صورت میں
مرد ہو جاتا ہے اور اس کی عورت کو طلاق بائن ہو جاتی ہے۔ فقہاء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ایک ذبیحہ وہ ہے جو
غیر اللہ کی تعظیم و اکرام کے لئے ہو اور وہی ذبیحہ و ما اُحِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی "وہ کہہ کر اُحِلَّ واسطے غیر اللہ کے۔

اور دوسرا ذبیحہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اکرام کے لئے ہو۔ ان دونوں ذبیحہ میں یہ فرق ہے کہ جس کے لئے
وہ ذبیحہ ذبح کیا جائے اگر اس ذبیحہ کا گوشت اس شخص کو دیا جائے تاکہ وہ کھائے تو یہ ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا۔ اور
اس ذبیحہ کے گوشت کا فائدہ مہمان وغیرہ کے لئے ہوگا۔ اور اسی وجہ سے ذبیحہ قصاب کا حلال ہوگا اور وہ ذبیحہ بھی
حلال ہے جو طعام ولیمہ وغیرہ میں صرف کرنے کے لئے ہو۔

ایسا ہی بزاز میں مذکور ہے اور اگر وہ ذبیحہ جس کے لئے ذبح کیا جائے اس کو کھانے کے لئے اس ذبیحہ کا گوشت
دیا جائے بلکہ یہ ارادہ ہو کہ یہ گوشت اس شخص کے سوا کسی غیر کو دے دیا جائے گا۔ تو وہ ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ہو
گا۔ اور وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور اس وجہ سے وہ ذبیحہ حرام ہے جو امر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ ایسا ہی در مختار

بزاز میں ہے
تو جب ان لوگوں نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ ذبیحہ حرام ہے جو سوال میں مذکور ہے تو ان لوگوں نے حلال کو حرام کیا اور
وہ لوگ مصداق ضالین کے ہوئے یعنی گمراہ ہوئے اور اس فتویٰ کی وجہ سے اس ذبیحہ کا گوشت نہ نذر کرنے والے نے
کھا اور نہ کسی غیر نے کھایا تو ذبیحہ کرنے والا مرد ہو گیا۔ جن لوگوں نے حرمت کا فتویٰ دیا وہ لوگ ضالین میں داخل ہونے
یعنی گمراہ ہونے۔ اور سوا سلام کے۔ جو عبادات خالصہ ہیں ان عبادات خالصہ کے سوا اور دوسرے اعمال کی صحت
وفا میں نیت کو کچھ دخل نہیں۔ مثلاً نیت کو اشیا کی حلیت و حرمت میں کچھ دخل نہیں جیسے صرف ذکر سانی کا حکم
ہے جیسا کہ یہ مسئلہ ہے جس کی تحقیق ہم یہاں کر رہے ہیں اور اس کا مفصل بیان اوپر مذکور ہوا ہے۔ اس واسطے کہ نکاح بغیر
نیت کے حرام نہیں ہو جاتا۔ یا نکاح میں نیت زانی ہو تو وہ نکاح بھی حرام نہیں ہو جاتا اور زنا اس وجہ سے حلال نہیں
ہو سکتا کہ یہ نیت بھی ہو کہ اس زنا سے ولد صالح پیدا ہو۔ اور عبادات میں فراغت حاصل ہو۔

اور شراب اس وجہ سے حلال نہیں ہو سکتی کہ وہ شراب اس نیت سے پی جائے کہ نماز اور جہاد کی قوت حاصل ہو اور یہ جو حدیث ہے: **انما الاعمال بالنیات** : تو اس حدیث کی یہ تاویل ہے کہ اس حدیث میں مضاف محدود ہے مثلاً ثواب الاعمال۔ یا اس حکم سے بعض اعمال خاص کر لئے گئے ہیں چنانچہ مسئلہ اصول اور فروع میں ثابت ہوا ہے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

جواب : (یہ جواب شاہ صاحب کا ہے اسمیں اوپر کے جواب پر اعتراضات اور تنقید بھی ہے) یعنی مجیب کا جو یہ قول ہے کہ ذبح کر نیولے کی نیت نہ ہو الخ۔

تو جاننا چاہیئے کہ ذبح کرنے والا ضرور ہے کہ وکیل اور نائب اس شخص کا ہو گا کہ جس شخص کی نیت یہ ہے کہ وہ جانور غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ تو اس موکل اور مفیہ کی نیت حل و حرمت میں تاثیر کرے گی۔ جیسا کہ قرآنی حکم ہے۔

مجیب کا جو یہ قول ہے اور وہ یہ کہ قصد کیا جائے اس سے تقرب غیر اللہ کا الخ۔ تو تخصیص اس فرد کی قرآن شریف سے ثابت نہیں ہو سکتی مگر اس وقت میں کہ اس معنی پر حمل کیا جائے یہ قول اللہ تعالیٰ کا۔

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعِبَرِ اللَّهِ مجیب کے اس قول میں تکرار لازم آتی ہے۔ اس واسطے کہ مجیب نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو خاص گنہگار ہیں اور وہ حرام ہیں ان چیزوں کی تفصیل میں وما اهل به لغیر اللہ کو ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے بعد یہ ذکر کیا ہے۔ **وَمَا قَصْدُ بِهِ التَّقَرُّبُ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ** تو مجیب کے اس بیان میں تکرار لازم آتا ہے اور تخصیص اس فرد کی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہو سکتی مگر جب حمل کیا جائے اسی معنی پر جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول :- **ملعون من ذبح لغیر اللہ ترجمہ** : یعنی وہ ملعون ہے جو ذبح کرے غیر اللہ کے لئے۔

کہ جس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث سے لیے ذبح کی حرمت نہیں معلوم ہوتی ہے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے بلکہ اس حدیث سے ایسے طریقہ ذبح کی حرمت سمجھی جاتی ہے۔ جو ذبح غیر اللہ کے لئے ہو۔ جیسا کہ ذبح کیا اس بکری کو جو غضب کی گئی ہو۔ اور پھر اس بکری کی قیمت اس کے مالک کو تاوان سے دیا۔ یعنی اس مال میں وہ بکری جو ذبح ہے وہ حرام نہ ہوگی بلکہ اس کو ذبح کرنا حرام ہوا۔

یہ جو قول مجیب کا ہے کہ عام مخصوص منہ بعض اپنے باقی افراد پر شامل ہوتا ہے اگر یہ شمول بطریق ظن کے ہو۔ تو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ایسے عام میں دوسری تخصیصات بھی جاری ہوتی ہیں۔ جو لائل غلیظہ سے ثابت ہوں۔ مثلاً اخبار اہل اودا و قبا مجتہدین جس سے اس جانور کی حرمت ثابت ہوتی ہے جو غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ تو اس آیت کو قیاساً مجتہدین کے معارضہ میں پیش کرنا مفید نہیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ لیکن داخل نہ ہوتا اس جانور کا اس میں جس سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو الخ۔ تو یہ ظاہر ہے کہ مجیب کا یہ قول محدود ہے اس واسطے وما اهل به لغیر اللہ اگر حمل کیا جائے۔ اس پر جس سے مقصود ہو

تقرب غیر اللہ کا کہ عدم دخول اس جانور کا جو غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا گیا ہو۔

مَا قَصْدُ بِهِ التَّقَرُّبُ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ وہ کہ قصد کیا جائے اس سے تقرب غیر اللہ کا۔ میں حاضر نہیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ اس واسطے کہ مقصد بہ التقرب الی غیر اللہ سے وہ ذبیحہ مراد ہے جس کے ذبح سے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو۔ تو مجیب کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ معنی ما قصد بہ التقرب الی غیر اللہ کا لغوی معنی نہیں تو مجیب پر لازم ہے کہ یہ بیان کرے کہ کس وجہ سے یہ لفظ اس معنی پر دلالت کرتا ہے اور اگر مجیب اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکتا تو یہ قول اس قابل ہے کہ مجیب پر ہی رد کر دیا جائے۔ اور یہ قول کیوں مردود نہ ہو۔ اس واسطے مثلاً قربانی سے مقصود ہوتا ہے کہ تقرب اللہ تعالیٰ کا حاصل ہو۔ اور یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھایا جائے تو جب کہ اس امر میں جس سے تقرب اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے یہ دونوں امر پائے جاتے ہیں۔ یعنی قصد تقرب اور گوشت کھانے کا قصد اور باوجود اس کے کہ وہ امر تقرب الی اللہ کے لئے ثابت ہوتا ہے تو جس امر سے کہ غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو تو اس سے اگر یہ بھی مقصود ہو کہ اس کا گوشت کھایا جائے۔ تو بطریق اولیٰ وہ امر غیر اللہ کے تقرب کے لئے ہوگا۔

مجیب کا یہ قول ہے کہ بلکہ ما قصد بہ تقرب الی غیر اللہ سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کسی غیر کو دیدیا جائے تو مجیب کی مراد غیر سے کیا ہے چاہئے کہ وہ بیان کرے تاکہ اس غیر میں ہم کلام کریں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ جو ذبیحہ مثلاً اس عرض سے ہوتا ہے کہ مہمان وغیرہ اس کا گوشت کھائیں اور جو ذبیحہ اس عرض سے ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے تقرب حاصل ہونان دونوں ذبیحہ میں نیت غیر اللہ کی ہوتی ہے۔ تو مجیب کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جو ذبیحہ مثلاً مہمان کے لئے ہوتا ہے تو خاص اس ذبح سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ مہمان سے تقرب حاصل ہو۔ بلکہ صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ مہمان اس ذبیحہ کا گوشت کھائے۔ تو معلوم ہوا کہ اس قائل کو شبہ اس وجہ سے ہوا کہ ذبح اور مذبح میں وہ فرق نہیں جانتا تو جاننا چاہئے کہ ذبح سے مراد ہے خون بٹانا اور مذبح سے مراد ہے ذبیحہ کا لحم و شحم یعنی گوشت اور چربی تو یہ یہ مقصود ہو کہ خون بٹانے سے غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو تو ذبیحہ حرام ہو جائیگا اور جب یہ مقصود ہو کہ خون بٹانا اللہ کی تعظیم کے لئے ہو اور غیر کا تقرب گوشت کھانے سے حاصل ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ اس واسطے کہ ذبح سے مراد خون بٹانا ہے۔ مذبح کا لحم و شحم خون بٹانا نہیں۔ بلکہ مذبح سے وہ چیز مراد ہے جو ذبح کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ یعنی لحم و شحم یعنی گوشت اور چربی اور اسی بنا پر ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ بلاشبہ حلال ہے کہ بازار سے گوشت خرید لیا جائے۔ یا گائے یا بکری ذبح کیا جائے اس ارادہ سے کہ گوشت اور کھانا پکا کر فقراء کو کھلایا جائے۔ اور اس کا ثواب کسی میت کی روح کو پہنچایا جائے۔ یعنی اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور یہ امر کہ ایسی حالت میں صرف ثواب رسانی مراد ہوتی ہے اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میت کے نام سے کوئی خاص کام نہیں کیجاتی۔ اور نہ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں گائے فلاں نیت کے نام پر ذبح کی جائے گی۔ بلکہ یہی خیال رہتا ہے کہ خواہ بازار سے گوشت خرید لیا جائے یا گائے ذبح کی جائے۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی بات ہے ہر حال میں ثواب رسانی کی نذر پوری ہو جائیگی۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ جو ذبیحہ اس عرض سے ہو کہ اس کا گوشت کھلایا جائے ان دونوں ذبح میں فرق کرنا غلطی

ہے غیر کے تقرب کی نیت ہو تو ایسا ذبیحہ حرام ہے اور مجیب نے یہی قرار کیا ہے۔

اور مجیب کا جو یہ قول ہے کہ اس واسطے کہ مراد ذکر خالص مجرد سے صرف ذکر بالسان ہے تو مجیب کے اس قول میں غلطی ہو چکی ہے اس واسطے کہ مراد ذکر خالص مجرد ذکر لسانی ہے لیکن مجیب کی مراد خلوص و مجرد سے صرف یہی ہے کہ وقت ذبح غیر کا ذکر زبان سے نہ ہو۔ اور مجیب کی مراد یہ نہیں کہ بوقت ذبح کے تقرب غیر کی نیت بھی نہ ہو۔ تب ذبیحہ حلال ہو گا۔ تو مجیب کا یہ خیال غلط ہے اور مجیب نے عنایہ شرح ہدایہ کا جو قول نقل کیا ہے۔ اس قول کو یہاں کی نزاع سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس واسطے کہ کسی عاقل کو اس امر میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے میں یہ حکم ہے کہ ذکر لسانی خالص مجرد ہو۔ دوسرے یعنی ہر عاقل یہ ضرور جانتا ہے کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہ لینا چاہیے بلکہ یہاں کی نزاع اس امر میں ہے کہ بوقت ذبح اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔ لیکن اس ذبح سے مقصود یہ ہو کہ غیر کا تقرب حاصل ہو تو ایسے ذبیحہ میں شرعاً کیا حکم ہے۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ مفسرین کے اقوال سے ایسے ذبیحہ کی حکمت ثابت ہوتی ہے تو مجیب نے تفسیر احمدی کا جو یہ قول نقل کیا ہے وہ قول اقوال جم غفیر فقہاء کرام کے خلاف ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بیان کیا جائے گا۔ تو مجیب کے قول کی تاہم صرف تفسیر احمدی کے قول سے کس طرح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ وہ قول علماء کبار کے اقوال کے خلاف ہے اور یہ بھی جانتا چاہیے کہ تفسیر احمدی میں جو یہ لکھا ہے کہ ایسا ذبیحہ حلال طیب ہے تو یہ بھی اشکال سے خالی نہیں۔ اس واسطے کہ اس میں شک نہیں کہ ایسے ذبیحہ کی حکمت میں اختلاف ہے اور اس مسئلہ کے ادلہ میں تعارض ہے تو یہ مقام محسوساً اشتباہ ہوا اور اصول فقہ میں ثابت ہے کہ جب کسی امر کی حکمت و حرمت میں شبہ ہو تو احتیاطاً اس کی حرمت کا حکم لگا دیا جائیگا۔

چنانچہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور درمیان حلال اور حرام کے بعض امور مشتبہ ہیں۔ ان امور کو اکثر لوگ نہیں جانتے تو جس نے پرہیز کیا ان امور مشتبہ سے اس نے سچا اپنا دین اور اپنی عزت اور جو واقع ہو امور مشتبہ میں تو وہ واقع ہو حرام میں مانند اس چرواہے کے جو چرواہا ہے کسی غیر کے چرواہے کے گرد جو محفوظ ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کے جانور اس چرواہے میں پڑ جائیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ اگر بنا م حنابلہ اسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو ظاہراً وہ ذبیحہ حلال ہے اگرچہ دل میں نیت فاسد ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ظاہر اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ذبیحہ کی حکمت میں اس کو بھی شک ہے اور اسی وجہ سے متقی کو اس کے کھانے سے منع کیا ہے اور جم غفیر فقہاء اقوال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مذکور ہونگے ان سے بلا شک ایسے ذبیحہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے تو اب حرمت کا اعتمار زیادہ بہتر ہوا۔ اس واسطے کہ شک کرنے والے کے قول کا اعتبار نہیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ فرقہ شیعہ کو کافر مطلق کہتے ہیں تو مجیب کا یہ قول بھی غلط ہے۔ اس واسطے کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ شیعہ بالاجماع کافر ہیں۔ بلکہ شیعہ کے بائیس میں اختلاف ہے۔ ماوراء النہر کے علماء نے شیعہ کو کافر کہا ہے

بلا دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں ذبیحہ میں فرق ہے۔ وجہ فرق کی اوپر بیان ہوئی۔ یعنی فرق یہ ہے کہ پہلی ذبیحہ میں خون بٹانا صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوتا ہے۔ یہ مقصود نہیں ہوتا کہ اس خون بٹانے سے غیر کا تقرب حاصل ہو۔ بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ فقرا کو یہ گوشت کھلایا جائے اور اس کا ثواب کسی کی روح کو پہنچایا جائے۔ یا یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ گوشت کھانے کھلانے کے مصروف میں آئے۔ مثلاً طعام ولیمہ یا عرا میں وہ گوشت صرف ہو اور دوسری طہارت میں یعنی جب خاص ذبح سے غیر اللہ کا تقرب ہونا منظور ہو۔ تو یہ مقصود ہوتا ہے کہ بنفسہ خون کا بٹانا اس غرض سے ہو کہ اس خون کے بٹانے سے غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ اہل کتاب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں اور اگر وہ ذبح کرے اللہ تعالیٰ کے نام سے تو وہ ذبیحہ حلال ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو عین مذہب اسی شخص کا ہے جو اس امر کا قائل ہے کہ وہ ذبیحہ حرام ہے۔ جس کے ذبح سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو۔ اس واسطے کہ جو حرمت کا قائل ہے۔ اس کا کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کے سامنے یہ کہے کہ میں نے یہ ذکر کیا گائے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے ذبح کروں۔ اور اس شخص کی مراد اللہ سے سید احمد کبیر ہوں۔ تو اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے۔ سید احمد کبیر میں ہو یا بدست من ذلک۔ تو جو گائے وہ ذبح کر بیگا وہ حلال ہوگی۔ اس واسطے کہ اس شخص کی نیت میں خلل نہیں بلکہ اس کی خالص نیت اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے ہے۔ لیکن اس کا عقیدہ غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سید احمد کبیر میں حلول کیا ہے۔ جیسا کہ نصرانی کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا ہے اس واسطے کہ نصرانی کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم میں۔ تو نصرانی کا خطا معنوں میں ہے عنوان میں نہیں۔ تو عنوان اس کا حق ہے البتہ اس کا منکر باطل ہے۔ بخلاف اس شخص کے کہ جس نے یہ کہا کہ میں نے مذمانی ہے کہ گائے سید احمد کبیر کے لئے ذبح کروں۔ تو اس شخص نے خطا کی عنوان اور معنوں دونوں ہیں۔ جیسا کہ مثلاً ذبح کیا نصرانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے تو یہ بھی خطا ہے عنوان اور معنوں دونوں میں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ اس بیان سے کوئی ناظرین کا قول دفع ہو گیا تو مجیب کے بیان سے ان لوگوں کا قول دفع نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ ان لوگوں کی مراد نیت خبیثہ سے یہ ہے کہ نیت کرنے والے سے عنوان میں خطا ہو یا یہ مطلب نہیں کہ معنوں میں خطا ہو۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تیسری صورت ذبح کی یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام بٹا کر لیا جائے اللہ تعالیٰ کے نام سے ظاہر اور باطن میں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بیان کو یہاں کی نزاع سے کچھ تعلق نہیں۔ اس واسطے کہ صاحب ہدایہ کا یہ قول اس باب سے ہے کہ ذکر لسانی مجرد ہونیت تقرب غیر سے یعنی ان حال میں ذبیحہ کے حلال ہونے میں خلاف نہیں کہ ذبح کرنے والے نے پہلے غیر اللہ کا نام لیا ہو لیکن ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے اور نہ ذبح کے وقت غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہو۔ چنانچہ اس کا بیان مفصل انشاء اللہ آئندہ آئے گا تو یہاں کی نزاع اس امر میں ہے کہ ذبح کے وقت غیر کا نام بہ نیت تقرب ذکر کیا یا نہ کیا۔ لیکن اگر ذبح کے وقت ذبح

اور مصر و عراق کے علماء حنفیہ نے ان لوگوں کو کافر نہیں کہا ہے۔ بلکہ ان علماء کرام نے شیعہ کو بدعتی اور گمراہ قرار دیا ہے اور علماء شافعیہ نے بھی ان لوگوں کا کفر ثابت نہیں کیا ہے بلکہ ان علماء کرام نے بھی شیعہ کو بدعتی اور گمراہ کہا ہے۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ یہ لوگ لڑکیوں کا نکاح شیعہ کے ساتھ کر رہے ہیں تو یہ قول بھی غلط ہے اس واسطے کہ تزویج بنات وغیرہ سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص ولی یا مالک کسی عورت کے امور میں ہو اور وہ شخص اس عورت کا نکاح کسی کے ساتھ کرے اور اگر وہ شخص اس عورت کا ولی نہ ہو اور نہ وہ اس عورت کے امور میں مالک ہو بلکہ وہ عورت اس شخص کے اقارب سے ہو۔ مثلاً لڑکی کی لڑکی ہو اور اس کا باپ زندہ ہو یا لڑکی چچا کی یا ماموں کی لڑکی ہو۔ اور اس کے دوسرے ولی موجود ہوں اور اس شخص کو اس عورت اور اس کے ولی کے بائے میں جبر و ولایت کا استحقاق حاصل ہو اور اس عورت کا نکاح کیا جائے۔ تو یہ ظاہر ہے کہ اس شخص کی طرف نکاح کر دینے کی نسبت ہو سکتی ہے چنانچہ عرب کا یہ قول ہے کہ ہم سے پوتے ہمارے لڑکے ہیں اور ہمارے نواسے غیر کے لڑکے ہیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ یہ لوگ اپنے مسکن کو دائر الحرب قرار دیتے ہیں اور پھر وہاں سے ہجرت نہیں کرتے تو جانا چاہیے کہ جس دائر الحرب سے ہجرت کرنا فرض ہے اس سے مراد وہ دائر الحرب ہے کہ کفار حربی وہاں کے باشندوں کو اظہار اسلام و روزہ و نماز جمعہ و جماعت، اذان اور ختنہ کرنے سے منع کریں اور اگر ایسا نہ ہو وہاں کے مسلمان اظہار اسلام بے تامل کرتے ہوں اور جمعہ و جماعت قائم کرتے ہوں اور وہاں احکام اسلام بے تامل بیان کرتے ہوں تو ایسے دائر الحرب سے ہجرت کرنا فرض نہیں اور بتقدیر وجوب بھی ہجرت فی الضرور واجب نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس وقت ہجرت واجب ہوگی۔ جب کوئی پناہ کی جگہ پائی جائے گی۔ اس واسطے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس مکہ معظمہ میں بعد از ہجرت کے اقامت فرمائی اور باوجود اس کے کہ کفار مکہ اظہار دعوت اسلام سے منع کیا کرتے تھے اور احل اسلام کو مار پیٹ اور جبر کہنے کی اذیت دیا کرتے تھے۔ اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے منع کیا کرتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے انصار کو بعد تیرہ برس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناصر و معین کیا اور مدینہ منورہ میں سکونت کے لئے جگہ ملی۔ تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو مجیب کا یہ طعنہ ہرگز صحیح نہیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کا عرس فرض جان کر کرتے ہیں تو یہ بھی مجیب کی صرف جہالت ہے۔ اس واسطے کہ سوائے فرائض شریعہ مقررہ کے کوئی شخص کسی دوسرے امر کو فرض نہیں جانتا۔ البتہ یہ امور صحیح ہیں۔ یعنی شہادت قبور اور برکت حاصل کرنا زیارت قبور صالحین سے اور استمداد صالحین سے کرنا عبادت قرآن حکیم اور ثواب رسانی کے ذریعہ سے اور دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی یعنی یہ امور باتفاق علماء بہتر ہیں اور تعین روز و عرف کی طرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ دن یا روزگار ہوتا ہے کہ اس دن انہوں نے دائر العمل سے دائر الثواب میں انتقال فرمایا ورنہ جس دن یہ عمل کیا جائے۔ باعث فلاح و سبب نجات ہے اور خلعت کو لازم ہے کہ اپنے سلف کے ساتھ اس طریقہ سے نیکی و احسان کریں۔ چنانچہ عادت میں مذکور ہے کہ ولد صالح اپنے باپ کے لئے دعا کرتا ہے اور یہ خیال نہایت

جہات ہے کہ تلاوت قرآن و ثواب رسانی اہل مشہور کی عبادت ہے۔ البتہ مشابہت بہت پرستوں کی ان میں شبہ ہوتا ہے۔ یعنی قبر کو مسجد کہنا اور اس کا طواف کرنا اور اس طرح دعا کرنا کہ اے فلاں تم ایسا کرو، تم ایسا کرو اور شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ مستوجب لعن نہیں۔ چنانچہ مشہور سبیل میں مذکور ہے۔

اخرجہ ابن منذر و ابن مردويه عن انس رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ياتي احدى اكل عام فاذا اتى الشعب سلم على قبور الشهداء وقال سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار و اخرج ابن جرير عن محمد بن ابراهيم قال كان النبي صلى الله عليه وسلم ياتي قبور الشهداء على رأس كل حول فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار و ابو بكر و عمر و عثمان انتهي و قال الشيخ الكبير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان ياتي قبور الشهداء و رأس كل حول فيقول السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار و الخلفاء الاربعة هكذا يفعلون انتهى يعني حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد کے پاس ہر سال تشریف لے جاتے تھے۔ نوحہ غار کے منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچتے تھے تو قبور شہداء کے پاس کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار۔ یعنی تم لوگوں کے لئے سلامتی ہو تم لوگوں کے صبر کے اجر میں۔ پس کیا خوب ہوا انجام دار آخرت کا۔

اور ابن جریر نے حدیث بیان کی محمد بن ابراہیم کی روایت سے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال تشریف لے جاتے تھے قبور شہداء کے پاس اور یہ فرماتے تھے۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار۔ اور حضرت عمر اور حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبور شہداء کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور یہ وہاں یہ فرماتے تھے۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

اور خلفاء اربعہ کا بھی ایسا ہی معمول تھا۔ (ترجمہ عبارت مشہور سیوطی)

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ جو ذبیحہ واسطے تعظیم غیر اللہ کے ہو وہ حرام ہے اور ذبح کرنے والا مشرک ہے اور اس ذبح سے اس کی عورت کو طلاق بائن ہو جاتی ہے تو جانا چاہیے کہ یہی بعینہ مذہب ان علماء کرام کا ہے جو ایسے ذبیحہ کی حرمت کے قائل ہیں تو مجیب نے حق لیطرت، رجوع کیا اور ان سے حق کا اقرار لیا یا بے انقیاد اس کی زبان پر حق جاری ہوا۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ جو ذبیحہ واسطے تعظیم غیر اللہ کے ہو وہی و ما اهل بہ لغیر اللہ ہے تو اس قول

غذائی غریزی
وہ گائے تو حرام ہوگی اور حقیقہ لوگوں کیلئے جو گائے نذر مانی جائے اور ان کی تعظیم کے لئے ذبح کی جائے وہ گائے حلال ہوگی۔
اسماصل ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عجیب کا یہ کلام خبط ہے اور دوسری وجہ اس امر کی کہ عجیب کا یہ کلام باہت
عجب ہے یہ ہے کہ جو گائے مثلاً سید احمد کبیر کی تعظیم کے لئے ذبح کی جاتی ہے۔ اس کا گوشت دفت اور رقاص کو دیا
جاتا ہے اور وہ لوگ وہ گوشت پکاتے ہیں اور وہ گوشت ذابج اور غیر ذابج کھاتے ہیں۔ تو عجیب کے قول کے موافق وہ گائے
حرام ہے کہ جس کے ذابج بھی اس کے کھانے میں شریک ہوتا ہے۔

یہ کلام ہوگی جبکہ ذرا سچ بھی اس کے کھانے میں شریک ہونا ہے۔
 مجیب کا جو یہ قول ہے کہ جب اس شخص نے یہ فتویٰ دیا کہ ذبیحہ مذکورہ حرام ہے تو وہ شخص حلال کو حرام کہنے کی
 وجہ سے گمراہ ہوا۔ تو مجیب کا یہ کلام بھی غلط ہے۔ اس واسطے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ سوسا حرام
 ہے تو مجیب کے قول کے مطابق امام شافعی رحمہ کے نزدیک تحريم حلال کا طعن حضرت امام شافعی رحمہ کی شان میں لازم آئے
 گا اور حضرت امام شافعی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ طافس حرام ہے تو مجیب کے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ حنفی کے نزدیک
 حضرت امام شافعی رحمہ کی شان میں تحريم حلال کی طعن ہو۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی شان میں تحریم حلال کی معین ہو۔
نعوذ باللہ من ذلک اس غلط کلام سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ صاحبان فضائل پر غصے تو مجیب جو جواب اس عزیز نے
لائے گا وہی ہمارا جواب بھی مجیب
کا اعتراض دفع کرنے کے لئے کافی ہو گا۔
خداوند ازناہر تعجب ہے کہ محبت نے

لائے گا وہی ہمارا جواب بھی عجیب
عجیب کا جو یہ قول ہے کہ نیت کو اشیاء کے حل و حرمت میں دخل نہیں تو نہایت تعجب ہے کہ عجیب نے

اور بغیر کو مینا بہ نظر ملے گی۔ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے۔

سوال : معنی آیت و مَا أَهْلَ الْغَيْرَةِ کا کیا ہے اور صدق اس آیت کا کیا ہے ؟

جواب : اللہ جل جلالہ کا جو یہ کلام پاک ہے :-

جواب : اللہ جل جلالہ کا جو یہ کلام پاک ہے :-
وَمَا أَمِلْتُ لَهُ لَيْفًا لَّئِي تَوَاسَّيْ سَعْدًا يَدِي بِهِ كَرَاهِيَةً
جانور غیر اللہ ہے یعنی غیر خدا کے لئے ہے خواہ وہ غیر نیت ہو یا کوئی رُوح خبیث ہو کہ بطریق بھوک کے اس کے نام پر
جانور دیں یا جن ہو جو کسی گھر پر تسلط ہو اور وہاں کے لوگوں کو ایذا دیتا ہو اور بغیر جانور جیسے ایذا رسانی سے باز نہ آتا ہو۔
توبہ روانہ کرنے نہ دے خواہ وہ غیر خدا پر جو اس طریق سے کوئی جانور قرار دے تو ان سب صورتوں میں وہ جانور حرام
الہام اور حدیث شریف میں وارد ہے :-

۱۰۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے:-
 مَلْعُونٌ مَنْ دَبَّحَ لَعْنَةَ اللَّهِ تَرْجُمَةً، یعنی جو شخص جانور دبیج کرے بغیر تقریبِ غیرِ حُسد کے تو وہ
 شخص ملعون ہے۔

ۛ ذوات یعنی دقالی بینے دف بجانے والے۔ ۛ رقص یعنی ناچنے والے۔

سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ محجیب نے ان علماء کے قول کی جانب رجوع کیا جو ایسے ذبیحہ کی حرمت کے قائل ہیں اور محجیب کا اب یہ خیال ہوا کہ نذر کی گائے داخل ہے۔ وما اهل به لعنوا اللہ میں تو یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محجیب کا جو یہ قول ہے کہ فقہاء کرام کا اس امر میں اجماع ہے کہ جو ذبیحہ غیر اللہ کی تعظیم کے واسطے ہو۔ اور جو ذبیحہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے واسطے ہو۔ ان دونوں ذبیحہ میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ذبیحہ کھانے کے لئے دیا جائے تو وہ ذبح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے واسطے ہو گا۔ اور اس کا گوشت سے فائدہ مہمان وغیرہ کو ہو گا۔ اور اسی واسطے ذبیحہ قصاب وغیرہ کا ملال ہے اور وہ ذبیحہ بھی ملال ہے جو طعام ولیمہ وغیرہ میں صرف کرنے کے لئے ہو۔ اور جو ذبیحہ کھانے کے لئے نہ دیا جائے بلکہ کسی غیر کو دیا جائے تو وہ ذبح واسطے تعظیم غیر اللہ کے ہے تو وہ ذبیحہ حرام ہو گا۔ محجیب کو چاہیے کہ اس اجماع کے ثبوت کے لئے فقہاء کے اقوال کو نقل کرے ورنہ اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں۔

محبیب نے جو یہ کہا ہے کہ وہ ذبیحہ کھانے کے لئے دیا جائے تو محبیب کی اس سے مراد کیا ہے اگر یہ مراد ہے کہ ذبیحہ سے یہ مقصود ہو کہ ذبیحہ کو ذبیحہ کرنے والا خود کھائے تو اس سے قصاب کا ذبیحہ خارج ہو جاتا ہے بلکہ اکثر ذبیحہ خارج ہو جاتا ہے جو اس عرض سے ہوتا ہے کہ طعام ولیمہ یا اعراس میں صرف کیا جائے۔ اس واسطے کہ ایسے ذبیحہ سے یہ منشاء نہیں ہوتا کہ ذبیحہ کو نبی والا خود کھائے اور نہ یہ صرف معمول ہے تو محبیب کا جو یہ قول ہے کہ ذبیحہ واسطے تعظیم اللہ کے ہو گا، اور اس گوشت کا فائدہ مہمان کے واسطے ہو گا۔ یہ سہو ظاہر ہے۔ اس واسطے کہ مہمان کا کھالینا ذبیحہ کا کھالینا نہیں۔ تو اس سے یہ غلط لازم آتا ہے کہ ذبیحہ قصاب کا اور وہ ذبیحہ جو طعام ولیمہ یا اعراس میں صرف کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ حرام ہو جائے اور اس قسم میں داخل ہو جائے اور قسم اول میں داخل نہ ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ ذبیحہ قصاب کا حلال ہے اور وہ ذبیحہ بھی حلال ہے جو طعام ولیمہ یا اعراس میں صرف کرنے کے لئے ہو۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ غیر کھائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ سب ذبیحہ یعنی جو ذبیحہ جزائے ممنوعات، احرام میں ہو اور نہ خاص اللہ کی اور جنایات منہیات کے کفارہ میں یہ سب بھی حرام ہو جائے تو غیر کو دینا اگر طلال ہے تو یہ سب ذبیحہ حرام کیونکہ نہ گا۔ اور غیر کو دینا اگر حرام ہے تو حکم شرعی کا مدار ایسے ذبیحہ پر کیونکہ نہ گا۔ اس واسطے کہ حرام کا اعتبار نہیں ہے۔

مجبب کا جو یہ قول ہے کہ اسی واسطے وہ ذبیحہ حرام ہے جو امراء کی تعظیم کے لئے ہو۔ تو مجبب کے اس قول پر بھی نہایت تعجب ہے اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ سید احمد کبیر رحمہ اللہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ تو اگر مجبب یہ کہے کہ سید احمد کبیر امراء میں داخل ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہوگی کہ جو گائے سید احمد کبیر کی تعظیم کے لئے ذبح کی جائے وہ حرام نہیں۔

یعنی اس سے لازم ہوگا کہ وہ گائے حرام ہو جائے حالانکہ محجیب نے ظاہر طور پر تفسیر احمدی سے نقل کیا ہے کہ وہ گائے حلال ہے اور شروع فتویٰ میں بھی یہی کہا ہے کہ ایسی گائے حلال ہے اور اگر محجیب یہ کہے کہ سید محمد کلبلا میں داخل نہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہوگی کہ امراء کے لئے ہوگا نئے نذر مافی جائے اور ان کی تعظیم کے لئے ذبح کی جائے تو

تو اہل وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے۔ اس واسطے کہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور واسطے قتل کے ہے تو وقت ذبح کا نام لینے میں فائدہ نہیں اس واسطے کہ وہ جانور منسوب ہو گیا غیر اللہ کے ساتھ اور اس جانور میں ایک طرح جثہ پیدا ہو گیا جو مہار سے زیادہ ثبت ہے اس واسطے کہ مردار کی جان جانے کے وقت خدا کے نام کا ذکر نہ ہوا اور جان اس جانور کی ملک فوج خدا کے قرار دے کے ہار ڈال دیا اور یہ عین مشرک ہے اور جب یہ نیا نشت اس جانور میں سرایت کر گئی تو اس جانور خدا کے ہاں سے حلال نہیں ہو سکتا اور ستر اس مسئلہ کا یہ ہے کہ جان کو غیر خیرین کے واسطے شکر کرنا درست نہیں اور مالکوت اور مشرکوبات و دیگر اموال کو بھی بطور صدقہ کے دینا بہ نیت فقر تبغیر اللہ کے حرام اور شرک ہے لیکن ثواب ان چیزوں کا جو حیثیت سے لے کر ہوتا ہے وہ کسی غیر کو پہنچا یا جائے۔ اس واسطے جائز ہے کہ اپنے مال کا ثواب کسی نیک کو بخش دیا جائے جیسا کہ جائز ہے کہ اپنا مال کسی غیر کو دے دیا جائے۔ اور جانور کی جان آدمی کی ملکیت نہیں کہ وہ کسی غیر کو بخش سکتا ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ مال دینا اس واسطے بھی باعث ثواب ہے کہ آدمی اس سے فتنع یا ہوتا ہے اور حلو لگ فوت ہو گئے ہیں۔ وہ اس جہان سے مفارقت کے بعد اس قابل نہ رہے کہ کسی خاص مال سے فتنع یا ہوں اور طریقہ کو ان کو نفع پہنچانے کا شرع میں یہ قرار پایا ہے کہ مال مستحقین صدقہ کو دیا جائے اور اس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے اور جان جانور کی ہرگز قابل انتفاع زندہ کی ہی نہیں تو بعد مرے لکھی و نال انتفاع نہ ہوگی البتہ اگر فوت ہو جائے تو یہ لکھی و نال انتفاع بھی یہی ہے کہ جان کا دینا یعنی ذبح کرنا واسطے خدا کے ہوتا ہے۔ اور ثواب اس ملکیت کو بخش دیا جائے کہ یہ ذبح کرنا میت کے واسطے ہوتا ہے۔

بعض جہاں مسلمان اس مسئلہ میں کچھ فہمی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ جائز ہے کہ گوشت پکایا جائے اور بنام میت کے دے دیا جائے تو یہی مراد ہماری اس وقت بھی ہوتی ہے جب جانور بنام میت کے ذبح کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے صرف ایک نقطہ کافی ہے کہ ان سے کہا جائے کہ تم جب نذر مانے ہو کہ جانور بنام غیر خدا ذبح کریں گے تو اگر عوض اس جانور کے گوشت اسی قدر خرید لو۔ اور اسی کو پکاؤ اور فقرا کو کھلا دو، تو تمہارے نزدیک وہ نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ اگر نذر ادا ہو جائے گی تو البتہ سچ کہتے ہو کہ تمہارا مقصود ذبح سے یہی ہے کہ گوشت کھلا کر میت کو ثواب رسائی کی جائے۔ تمہاری کوئی دوسری نیت نہیں اور اگر بصورت مذکورہ تمہارے نزدیک نذر ادا نہ ہوگی تو بے شک ایسی نذر میں تمہاری نیت یہی ہوتی ہے کہ خاص ذبح کرنا یہ نیت تقریب غیر خدا کے ہوگا۔ اور اس سے شک و شبہ صحیح لازم آتا ہے اور یہ آیت چار جگہ قرآن شریف میں وارد ہوئی ہے۔ اس آیت کے لفظ میں غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا أَصْلَیْہِ لَعَنِوْا اللہ فرمایا ہے۔ ماذبح غیر اللہ نہیں فرمایا۔ تو جب یہ مشتہر کیا جائے اور پکارا دیا جائے زحلاں گمائے فلاں کے نام پر ہے اور فلاں بکرا فلاں کے نام پر ہے اور وہ جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو گوشت اس جانور کا حلال نہیں ہو جائے گا۔ اور یہ کہنا اگر اصل سے مراد ذبح ہے خلاف عقل اور خلاف عرف ہے

بزمانہ نزول مشران شریف جو لغت عرب کی غمی اور جو عرف و ملان کا تھا۔ اس لغت اور عرف میں ہرگز احوال بمعنی فوج نہیں آیا ہے نہ کسی شعر میں ایسا آیا ہے نہ کسی عبارت میں۔ بلکہ احوال کا معنی لغت عرب میں یہ ہے "بلند کرا"۔

U.S. 100

اور شہرت دنیا : چنانچہ احلال اس معنی میں بھی آیا ہے۔ لڑکے کا بوقت پیدائش اول مرتبہ آواز بلند کرنا : اور احلال بمعنی قبیحہ حج وغیرہ بھی متعلیٰ ہے اور اگر کہا جائے۔ اہلکلت اللہ تو ہرگز اس کا معنی ذبحت اللہ مفہوم نہ ہوگا۔ اور اگر احلال کا معنی ذبح کہا جائے تو ذبح لغیر اللہ معنی اس کا ہوگا اور ذبح باسم غیر اللہ معنی اس آیت کا نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایسے جانور کو حلال کہتے ہیں۔ ان کا بیان یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور حرام ہے جو ذبح کیا گیا ہو غیر اللہ کے نام سے تو جو جانور اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو وہ حلال ہے۔ اگرچہ قبل ذبح کے غیر اللہ کے نام سے پکارا گیا ہو۔ حالانکہ وہ لوگ اس آیت کا جو معنی کہتے ہیں ذبح باسم غیر اللہ وہ معنی کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا اور اس آیت میں احلال کو بمعنی ذبح کے کہنا اور غیر اللہ کی طرف اشارہ کرنا ناگوار ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے۔

اجمع العلماء لو ان ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مؤثماً وذبيحته ذبيحة مؤثمة انتهى.

ترجمہ: یعنی علماء و کرام کا اس پر اجماع ہے کہ ذبیحہ کیا کسی نے کوئی ذبیحہ اور قصداً کیا اسی ذبح سے تقرب
غیر اللہ کا تو وہ شخص مرتد ہو جائے گا۔ اور ان کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کے مانند ہوگا۔ یہ مضمون تفسیر
فیشا یوری کی عبارت کا ہے۔

فیش پوری کی عبارت کا ہے۔
اور کفار زمانہ جاہلیت میں جب مکہ معظمہ کا قصد کرتے تھے۔ توجب وہ اپنے مکان سے باہر ہونے
تھے تو راہ میں بتوں کو پکارتے تھے۔ اور جب مکہ معظمہ میں پہنچتے تھے تو خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تو یہ طواف ان
کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہ تھا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا :-
فَلَا يَسْعَوْنَ فِي الْفَنَاءِ بِغَيْرِ غَيْرِهِمْ هَذَا۔ پس چاہیے کہ کفار نزدیک نہ جائیں مسجد الحرام کے

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ۖ إِلَّا بِضِلَّةٍ عَنِ الْبَيْتِ ۚ

بعد اسی سال کے ۔

بعد اس سال کے تو اس مقام میں بھی ایسا ہی ہے کہ جب پکار دیا اور شہرہ کر دیا کہ یہ جانور فُشَلان کے نام پر ہے اور اس کو اس فُلال کے واسطے قرار دیتا ہوں اور بوقت ذبح خدا کے نام سے ذبح کرایا۔ تو اب یہ امر اس جانور کی حلت کا موجب نہ ہو گا۔ دوسرے اس مسئلہ کا یہ ہے کہ عوام کا یہ خیال ہے کہ ہر حال میں طریقہ ذبح کا یہی ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے۔ زودہ لوگ اسی طریقے اس حال میں بھی ذبح کرتے ہیں۔ جب ان کا مقصود ہوتا ہے کہ جان کسی جانور غیر خدا کے نام پر دیں۔ چنانچہ فاختہ اور قل و دود پر حنا یہ طریقہ متبعین ہے۔ واسطے پہنچانے ماکولات اور شروبات کے ادراج کو خواہ مقصود بابت رسانی ہو۔ خواہ بہ نیت تقرب غیر اللہ کے ہو اور بقصد دفع شر اور بارادہ چلو سی و تملق غیر اللہ کے ہو۔ البتہ بوقت ذبح ذکر کرنا نام حُشدا کا اس صورت میں مفید ہو گا۔ جب پہلے قصد تقرب غیر حُشدا کا دل سے دُور کر دے اور بیشتر کر دے کہ میں اس کام سے باز آیا۔ اب یہ نکتہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سورہ میں یعنی سورہ بقرہ میں نطق کا لفظ بغیر اللہ

ہے اور تیسری قسم کی وہ مچھلی ہے کہ کسی آفت کی وجہ سے مرنے یا جانے کے موسم میں بہت سردی پڑے اور اس سردی کی وجہ سے مچھلی مر جائے یا گرمی پڑے اس گرمی کی وجہ سے مچھلی مر جائے تو اس قسم کی مچھلی علماء حنفیہ میں سے امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک حلال ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مسائل نکاح

سوال : اگر نکاح کرنے والا اہل سنت والجماعت سے ہو اور منکوحہ کا مذہب امامیہ ہو تو ایسے مرد اور عورت میں مذہب اہل سنت والجماعت کے موافق نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب : مرد شیعہ اور عورت شیعہ میں نکاح کا حکم اس پر موقوف ہے کہ شیعہ کافر ہیں یا نہیں۔ مذہب حنفی میں اس پر فتویٰ ہے کہ فرقہ شیعہ کے بارے میں مرتد کا حکم ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے تو اہل سنت والجماعت کے لئے یہ درست نہیں کہ شیعہ عورت سے نکاح کریں۔

اور مذہب شافعی میں دو قول ہیں۔ ایک قول کی بناء پر شیعہ کافر ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ فاسق ہیں ایسا ہی صواعق محرقة میں مذکور ہے لیکن قطع نظر اس سے اس فرقہ کے ساتھ نکاح کرنے میں طرح طرح کا بہت فساد ہوتا ہے مثلاً مذہب ہو نا اہل خانہ اور اولاد کا۔ اور ایک ساتھ بسر کرنے وغیرہ میں باہمی اتفاق نہ ہونا تو اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

سوال : غنئی مشکل کے بارے میں کیا حکم ہے اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب : غنئی مشکل کی دونوں شہوتیں برابر نہیں ہوتیں بلکہ کوئی ایک شہوت زیادہ ہوتی ہے اور دوسری شہوت کم ہوتی ہے اگر فرج کی شہوت زیادہ ہو تو چاہیے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے اگر ذکر کی شہوت زیادہ ہو تو چاہیے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور ہر حال میں دوسری شہوت کے بارے میں حکم ہے کہ اس پر صبر لازم ہے۔ (از سوالات عشرہ شاہ نجھارا)

سوال : دختر صغیرہ کا نکاح کر کے اس کے شوہر کو دنیا ماں باپ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب : یہ مسئلہ کلام اللہ کی چند آیات سے ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔
وَأَسْكُنُوا إِلَيْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ ذَوَاتِ الْأَعْيُنِ
ترجمہ: یعنی اور نکاح کرو وہ بیوہ کا جو تم لوگوں میں ہو اور نکاح کر دو اپنے نیک غلام اور لونڈیوں کا۔
اور یہ مسئلہ اس آیت سے اس طرح نکلتا ہے کہ لفظ ایامی جمع ہے لفظ ایم کی اور ایم لغت میں عام طور پر صغیر

پر مقدم ہے اور سورہ مائدہ اور انعام اور نحل میں لفظ بہ کا لغیر اللہ سے مؤخر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہ۔
بامتنصل فعل کے ذکر کیا جائے۔ دیگر تعلقات پر مقدم ہے اس واسطے کہ باکس مقام میں واسطے تعدیہ فعل کے ہے مانند ہمزہ وتضعیف کے یعنی فعل لازم باکے ذریعے سے متعدی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی متعدی بنانے کا طریقہ ہے کہ فعل لازم کے مصدر کے شروع میں ہمزہ لے آئیں۔ یعنی وہ فعل باب افعال سے ذکر کریں یا فعل لازم میں تضعیف کریں۔ یعنی میں کلر شند کر کے باب تفعیل سے وہ فعل ذکر کریں۔ تو جب منظور ہو کہ فعل لازم باکے ذریعے سے متعدی بنا یا جائے تو چاہیے کہ فعل لازم بامتنصل فعل کے مذکور ہو۔ اور یہ آیت اس مقام میں یعنی سورہ بقرہ میں اول مرتبہ مذکور ہوئی ہے۔ تو اس مقام میں بالہی اسی اصل کے مطابق متصل فعل کے مستعمل ہوئی ہے اور دوسری صورتوں میں کہ محل انکار و مقام سزلنش ہے ذبیح بقصد خیر اللہ یا پر مقدم مذکور ہو ہے اور اسی وجہ سے باقی صورتوں میں جملہ فلاثم علیہ کو موقوف رکھا۔ اس واسطے کہ یہ جملہ شریعہ قرآن میں معلوم ہو چکا ہے اور یہ چار چیز جو اس آیت میں مذکور ہوئی ہے یعنی:-
مردار خون گوشت خوک اور وہ جانور جو غیر خدا کا قرار دیکر ذبح کریں۔

یہ چار چیزیں اس جنس سے ہیں جو ہر فرقہ پر ہر حال میں حرام ہیں اور اس جنس سے نہیں جو کسی پر حرام ہو اور کسی پر حلال ہو۔ مانند مال زکوٰۃ اور صدقات کے کہ عینی پر اس کا لینا حرام ہے اور فقیر کے لئے حلال ہے اور یہ چار چیزیں اس جنس سے بھی نہیں جو کسی حال میں حرام ہو اور کسی حال میں حلال ہو، مانند دولے گرم سمی مضر کے کہ محرم مزاج کے لئے حرام ہے۔ اور اسی کے مزاج میں جب برودت آجائے تو اس کے لئے یہ دو احوال ہو جائے گی۔ البتہ بحالت اضطرابان چیز دل کا کھانا باوجود حرمت کے معاف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فمن اضطر الخ

سوال : جس مچھلی کو کافر نے پکڑا ہو اس کے کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے۔ (از سوالات مولوی محمد جمیل)

جواب : حلال ہے چنانچہ کتب فقہ میں مذکور ہے:-

لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الشَّكَلِ الَّذِي يَصِيدُهُ الْمَجُوسِيُّ

یعنی وہ مچھلی کھانے میں مضائقہ نہیں جس کو مجوسی نے شکار کیا ہے اور حاصل یہ ہے کہ مچھلی کے پکڑنے کے بارے میں وہ حکم نہیں جو ذبح کے بارے میں ہے تاکہ اس مچھلی کے بارے میں گمان کیا جائے کہ وہ کافر کا ذبیحہ ہے۔

سوال : جو مچھلی کہ دریا میں خود بخود مرنے لگے۔ امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمۃ کے نزدیک حلال ہے اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک حلال نہیں۔ مگر حنفیہ کے مذہب میں بھی ایک قول یہ ہے کہ سب حلال ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مچھلی کو کوئی صدمہ نہ پہنچے اور خود بخود مرنے لگے اور مرنے کا پانی کے اوپر آجائے تو اس کو طاقی کہتے ہیں تو امام شافعی اور امام مالک علیہما الرحمۃ کے نزدیک اس طرح کی مری ہوئی مچھلی کھانا درست اور حلال ہے اور اگر مچھلی کو دریا کی موج باہر ڈال دے یا دریا کا پانی خشک ہو جائے اور خشکی کے سبب سے مچھلی مر جائے تو یہ دونوں قسم کی مچھلی علماء کرام کے نزدیک حلال ہے اور ایسا ہی جو مچھلی شکار کرنے سے مرنے تو وہ بھی چاروں مذہب میں حلال

اور کبیر اور مرد اور عورت کو کہتے ہیں کہ اگر وہ مرد ہے تو اس کی زوجہ نہ ہو اور اگر وہ عورت ہے تو اس کا شوہر نہ ہو۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے زمرہ میں جو مرد ایسا ہو کہ اس کی عورت نہ ہو اور جو عورت بلا شوہر کے ہو اس کا نکاح کرو۔ اور دختر صغیرہ بالغہ بھی اس میں داخل ہے اور اس طریقہ کو اصول اصطلاح میں درج فی العموم کہتے ہیں۔ مجملہ ان آیتوں کے دوسری آیت یہ ہے۔

وَيَسْتَأْذِنُكَ عَنِ النِّسَاءِ قُلْ إِصْلَاحٌ لِّهِنَّ خَيْرٌ مِّنْ مَّوَدَّتِكُمْ بَلْ غَضَبٌ مِّنِّي وَغَضَبُ اللَّهِ وَلَئِنَّ اللَّهَ كَانَ غَدِيرًا
حال پوچھتے ہیں۔ تو آپ کہہ دیجیے ان حق میں بھلائی کرنا بہتر ہے۔

آدمیوں میں تنہا اس کو کہتے ہیں جو صغیر الشن ہو اور اس کا باپ مر گیا ہو عید کا جانوروں میں تنہا اس جانور کو کہتے ہیں جس کی ماں مر گئی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے تنہا کے حق میں فرمایا کہ اُن کے حق میں بھلائی کرنا بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ تنہا کے حق میں جو مصلحت ہو وہ کرنا چاہیے۔ اکثر اوقات اس میں مصلحت ہوتی ہے کہ تنہا کا نکاح کر دیا جائے۔ علی الخصوص جب لڑکی تنہا ہو کہ نکاح کے بعد اس کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہو جائے اس کا بہتر تر ہو جاتا ہے اس میں سراسر مصلحت ہے۔ تو جو لڑکی تنہا ہو کہ اپنے زمرہ میں ہو۔ اگرچہ اس سے قرابت قریبہ نہ ہو لیکن نکاح کر کے اس کو سے دینا جائز ثابت ہوا تو اپنی لڑکی کو اس سے نہایت قرابت قریبہ ہے اگر اس کے حق میں یہ امر مصلحت معلوم ہو تو ایسا کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ تو نہایت ہو کہ دختر صغیرہ کا نکاح کر کے سے دینا جائز ہے اور اس طریق اثبات کو اصول میں بالاولیٰ اور دلائل اللہ کے کہتے ہیں۔

سوال : اگر لڑکی چاہے کہ غیر کفو سے نکاح کرے تو اس کے ماں باپ کے لئے یہ حق ثابت ہے کہ نہیں کر اس کو منع کریں؟

جواب : یہ مسئلہ بھی کلام اللہ شریف کی چند آیات سے مستنبط ہوا ہے۔

اول یہ کہ قرآن شریف میں اکثر جگہ واقع ہے۔ وبالوالدین احساناً۔ یعنی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور عقل سے یہ ثابت ہے کہ کسی امر کے کرنے کا حکم ایسا ہے کہ اس امر کے خلاف کرنے سے منع کرنا ہے۔ یعنی جب حاکم حکم دینا ہے کہ مسئلہ کام کیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کے خلاف کرنا نہ چاہیے اس واسطے کہ اجتماع شہدین محال ہے تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ والدین کو ایذا نہ دینا چاہیے اس واسطے کہ ایذا دسانی احسان کی ضد ہے جب لڑکی غیر کفو کے ساتھ نکاح کرے گی۔ تو اس کے والدین کو نہایت اذیت ہوگی اور عار ہوگا۔ تو یہ حرام ہوا۔

دوسری آیت یہ ہے کہ پندھوں پاسے میں واقع ہے۔

وَقَضَىٰ رَبِّي وَأَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا أَمَّا بِتِلْكَ الْكَلِمَاتِ
إِذَا هُمَا أَوْ كَلَامًا فَلَا تَقُولُ لَهَا أَيْتٌ وَلَا تَقُولُ لَهَا قَوْلًا لَّا يَكُونُ ۚ

ترجمہ : تمہارے پروردگار نے حکم کیا ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی پروردگار کی اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر کوئی ان میں سے حدیسی کو یا دونوں پہنچیں تو سنگدل ہو کر ان کو کلمہ اُف کا نہ کہو اور ان کو جھڑکی بھی نہ دو۔ اُن سے ایسی بات کہو کہ اس سے ان کی تعظیم معلوم ہو۔

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ والدین کی امانت کرنا اور کوئی ایسا امر کرنا جو ان کی عار کا باعث ہو۔ ان کو ذلیل کرنا حرام ہے جب لڑکی غیر کفو کے ساتھ نکاح کرے گی۔ تو اس کے والدین کو اس امر سے منع کرنا ہوگا۔ اور ان کی ذلت ہوگی۔ لڑکی کو ایسا نہ کرنا چاہیے اور والدین کے لئے جائز ہے کہ لڑکی کو اس فعل سے منع کریں۔

سوال : اگر کسی شخص نے نکاح کے قبل عورت کے ماں باپ سے شرط کی کہ میں تمہارے گھر رہوں گا اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کرو۔ پھر اس کے بعد وہ شخص اپنی عورت کے ماں باپ کے گھر نہیں رہتا۔ تو نکاح باطل ہو گیا یا نہیں۔

جواب : نکاح باطل نہیں ہوا اس واسطے کہ نکاح کا دار و مدار دو شخص پر ہے۔ ۱۔ عورت ۲۔ شوہر یہ دونوں آپس میں زن و شوہر کا تعلق حاصل کریں تو یہ صرف ضرور ہے کہ عورت شوہر کے ساتھ رہے اور ماں باپ اپنی لڑکی کا نکاح کر دینے کے بعد نکاح سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ شوہر کا ان کے گھر رہنا کیا ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں پانچویں پارہ کے شروع میں محرمات کے بیان کے بعد ہے۔

أَحِلَّ لَكُمْ مَا دَرَسَ آذَانُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُوا أَبَاكُمْ مَوْلَاكُمْ مَحْصِنِينَ عَزَّ وَجَلَّ

یعنی حلال کی گئیں تم لوگوں کے واسطے عورتیں جو سوا ان محرمات کے ہیں۔ یہ کہ ان کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش کرو۔ اپنا مال خرچ کرنے کے ذریعہ سے یعنی مہر اور نان اور نفقہ میں اس مال میں کہ ان کو اپنے گھر میں پابند رکھو۔ اور محض شہوت رانی کا قصد نہ کرو جو کہ خفیہ ہوتی ہے۔ بلکہ بالا علان اور گواہوں کے سامنے نکاح کرو۔

معلوم ہوا کہ دار و مدار نکاح کا انہیں چیزوں پر ہے۔ دوسری شرط معتبر نہیں کہ مسئلہ گھر میں رہنا ہو گا یا دوسرا نکاح نہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر شوہر نے عورت کے ماں باپ کے ساتھ اپنی خواہش سے شرط کی ہے کہ میں تمہاری لڑکی تمہارے گھر سے باہر نہ لے جاؤں گا اور میں بھی تمہارے ہی گھر رہوں گا۔ تو یہ عہد ہوا۔ اور لازم ہے کہ تا امکان عہد ضرور پورا کیا جائے۔ اگر شوہر بلا عذر عہد شکنی کرے تو عند اللہ گناہ ہوگا۔ لیکن نکاح میں کچھ خلل نہ ہوگا۔ اور جو لوگ عہد کو پورا کرتے ہیں ان کی فضیلت قرآن شریف کے دوسرے پاسے میں مذکور ہے کہ

وَالْمُؤْمِنُونَ يَتَّبِعُونَ مَا وَدَّعَاهُ ذَا۔ ترجمہ : بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب عہد کرتے ہیں تو اس

کو پورا کرتے ہیں۔

قرآن شریف میں دوسرے بھی اکثر مقامات میں دنا عہد کی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ نے :-

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا - ترجمہ: عہد کو پورا کرو تحقیق کہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟

اس آیت سے صراحتاً وفاء عہد کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

سوال: عقد نکاح کے وقت زوجین کو کلمہ اور ایمان مجمل اور مفصل کی تعلیم کسے ہے۔ اس سے کیا فائدہ ہے آیا یہ منظور ہوتا ہے کہ زوجین کو یہ چیزیں معلوم ہو جائیں۔ یا یہ غرض ہوتی ہے کہ ان چیزوں کی تعلیم پانے سے عقد نکاح مستحکم ہو جائے۔

جواب: مترغاموں اور کافر کے درمیان نکاح منع نہیں ہوتا اور بیٹا ہر ہے کہ لاعلمی سے یا سہواً کفر کا کلمہ اکثر صادر ہو جائے اور لوگوں کو اس امر کی خبر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے علماء متاخرین جو محتاط ہیں۔ احتیاطاً ایسا کرتے ہیں کہ ایمان مجمل اور مفصل کی صفت زوجین کے سامنے کہتے ہیں اور ان سے کہلاتے ہیں تاکہ نکاح حالت اسلام میں منع نہ ہو۔ علماء متاخرین نے جو احتیاطاً یہ امر عقد نکاح میں بڑھادیا ہے۔ یہ فی الواقع برکت اسلامی سے خالی نہیں جن لوگوں کو اسلام سے بہرہ نہیں ان لوگوں کو اس کا کیا لطف ملے۔ کیلکہ یہ معلوم نہیں کہ اموات کی تلقین اکثر فرقہ خلافت کے نزدیک جائز ہے اس امر کا سبب ان لوگوں کے نزدیک کیا ہے۔ کیونکہ کل فرقہ اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان بعد البعث درست نہیں۔ بعثت سے مراد انتقال روحانی ہے۔

سوال: برہنہ ہونے کی حالت میں کلام حرام ہے اور جب عورت اور شوہر باہم جمع ہوں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور ہے اور ان دونوں امر میں منافات ہے۔

جواب: برہنہ ہونے کی حالت میں کلام حرام نہیں البتہ مکروہ ہے اور یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب برہنہ ہو کر لوگ آپس میں بات کریں اور محض کوئی لفظ زبان سے نکالنا مکروہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ تمام نجات میں اور جہاں بدبو منع ہے اور قبل جماع کے منع نہیں اور علماء کرام نے لکھا ہے کہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت اس کے اندر جانے کے قبل ذکر مسنون ہے اور ایسا ہی بوقت جماع ستر کھولنے کے قبل ذکر مسنون ہے تو ان دونوں امر میں منافات نہیں۔ واللہ اعلم

مسائل نفقہ

سوال: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف اپنے شوہر کے گھر سے باہر نکلے اور شوہر کی ممانعت کا کچھ خیال نہ کرے اور اس نا فرمانی سے اس کو اذیت پہنچائے تو اس عورت کا مہر اور نفقہ اور کپڑا اور اپنے کے لئے مکان ملنے کا حق باطل ہو جاتا ہے۔

کما فی تحفۃ الفقہاء المراءۃ اذا اخرجت عن البیت بغیر اذن من وجہا بطل مہرہا

ونفقہا وکسوتہا و فی الذخیرۃ اذا اخرجت المراءۃ مع المحارم بغیر اذن من وجہ

ودخلت فی بیت الوالدین۔ وغیرہم بیطل مہرہا ونفقہا وکسوتہا وسکنہا

وعن الطحاوی فی قول محمد بن الحسن الشیبانی فی الفتاویٰ علیہ کذا فی فتاویٰ الصدوق والشہید

وفی النہایہ شرح الہدایۃ اذا اخرجت المراءۃ من بیت زوجہا باغیۃ بلا اذن زوجہا

وضاحبہا وذهب من قریۃ الی قریۃ آخری سقطت نفقہا ومہرہا من ذمۃ

من وجہا ہذا النقل من التجنیس فی شرح الہدایۃ من الذخیرۃ المراءۃ اذا اخرجت

من وجہا مع غیر المحرم وبغیر اذن الزوج ودخلت بیت الوالدین وغیرہا بطل مہرہا

ونفقہا وکسوتہا وسکنہا فی المحیط وعلیہ الفتاویٰ کذا فی المضممرات

ترجمہ: یعنی تحفۃ الفقہاء میں لکھا ہے کہ جب عورت بلا اجازت شوہر کے گھر سے نکلی تو اس کا مہر اور

نان اور نفقہ اور کپڑا پانے کا حق باطل ہو گیا اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جب عورت بغیر محرم کے بلا اجازت

شوہر کے باہر نکلی اور اپنے والدین کے یا کسی دوسرے کے گھر میں گئی تو اس کا مہر اور نفقہ اور کپڑا اور

رہنے کے لئے مکان پانے کا حق باطل ہو گیا۔ حتامیر میں لکھا ہے کہ جب عورت گھر بغیر محرم کے بلا اجازت

شوہر کے باہر نکلی تو اس کا مہر اور نفقہ اور کپڑا اور رہنے کے لئے مکان پانے کا حق باطل ہو گیا۔ اور

طحاوی سے روایت ہے کہ محمد بن شیبانی کے قول سے کہ اسی پر فتوٰ ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ صدوق و الشہید

ہے اور نہایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ جب عورت بغاوت سے بلا اجازت اپنے شوہر اور اپنے مالک کے باہر

نکلی اور ایک موضع سے دوسرے موضع میں گئی تو اس کا نفقہ اور مہر اس کے شوہر سے ساقط ہو گیا۔ یہ نقل تجنیس سے

ہے، شرح حدایہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ جب عورت بغیر محرم کے شوہر کے گھر سے بلا اجازت شوہر کے

نکلی اور اپنے والدین یا کسی دوسرے کے گھر میں گئی۔ اس عورت کا مہر اور نفقہ اور کپڑا اور رہنے کے لئے

مکان پانے کا حق باطل ہو گیا۔ محیط میں لکھا ہے کہ اسی پر فتوٰ ہے۔ ایسا ہی مضممرات میں ہے۔

جواب: فقہ کی روایتیں ملاحظہ سے گزریں جو اس بارے میں ہیں کہ جب عورت شوہر کے گھر سے بلا اجازت

باہر نکلی تو اس کا مہر ساقط ہو گیا۔

میرے مہربان! ان سب روایتوں پر فتوٰ نہیں۔ یہ روایتیں قواعد شرع و متون کے خلاف ہیں۔ اس واسطے

کہ عورت کے مہر کو فقہاء نے دین صحیح لکھا ہے اور فقہاء کرام کا یہ قول ہے۔

کسآثر الذیون لا یسقط الا بالاداء و بالامبراؤ ترجمہ: یعنی دین مہر بھی اور سب دیون کے مانند ہے

اور وہ ساقط نہیں ہو سکتا سوا اس کے کہ شوہر ادا کرے یا عورت معاف کرے

اور اس امر کا سبب فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کل مہر پہلے تک جماع کے وقت ہوتا ہے۔ جب ایک مرتبہ شوہر نے

تو وہ روایت تفاسیر میں مشہور ہے اور وہ روایت متعدد طریقہ سے آئی ہے کہ بعض طریق کو بعض طریق سے فوت ہوتی ہے تو اس وجہ سے وہ روایت حسن کے درجے تک پہنچتی ہے اسی روایت سے علامہ حلبی نے کتاب منہج الحق میں اس امر پر استدلال کیا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ کے حق میں طعن ثابت ہے اور صاحب البطلان الباطل نے اس کے چند جواب دیئے ہیں۔ پھر ان جوابات کو صاحب احقاق الحق نے اپنی تحقیق سے رد کیا ہے اور وہ سب تطویلات اس وقت مجھ کو یاد نہیں اور محجب وہ جواب ہے کہ بعض اہل سنت نے دیا ہے کہ اس قول کے قائل وہ طلحہ بن عبید اللہ نہیں کہ وہ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ بلکہ وہ قائل دوسرا طلحہ ہے کہ بنی عبد الدار سے ہے۔ اور وہ منافقین سے تھا۔ ان بعض اہل سنت نے طلحہ کو جاقول ہے۔ بنات عننا " اس کو اس پر حمل کیا ہے کہ یہ قول صرف اس بنا پر کہا گیا کہ قریش ہونے میں شرکت تھی۔ جیسا کہ اللہ کے اس کلام پاک میں ہے:-

وَبَنَاتٍ عَصِيَّتٍ وَبَنَاتٍ عُصَايَاكَ وَبَنَاتٍ خَالَاتِكَ

اس واسطے کہ عرب کا معمول ہے کہ اکثر کہا کرتے ہیں۔ هِيَ ابْنَةُ عَمَّتِهِ یعنی یہ عورت اس کے چچا کی لڑکی ہے اور ایسا ہی عرب میں یہ بھی کہا کرتے ہیں۔ هُوَ ابْنُ عَمَّتِهِ یعنی وہ مرد اس کے چچا کا لڑکا ہے اور صرف جدا علی میں مذاکرہ رہتی ہے لیکن صحیح جواب یہ ہے۔ کہ طلحہ بن عبید اللہ نے جب یہ کلام کہا تھا۔ اس وقت آگاہ نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حجاب کا حکم نازل ہوا بلکہ ان کا گمان تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مشورہ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے یہ حکم فرمایا ہے۔ گویا وہ اس امر میں مجتہد قرار پائے۔ پھر جب ان کو خبر ہوئی کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ تو اودم ہوئے اور استغفار کیا۔ تو اب ان کے حق میں طعن باقی نہ رہا کہ قرآن شریف کی مخالفت کی۔ ان کے حق میں جو طعن کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا:-

لَئِنْ مَاتَ فَلَانٌ لَّا نَدَّخِنَ فَلَاحَةً تَرْجَمُهُ : اگر فلاں شخص فوت ہوگا تو میں فلاں عورت کے ساتھ نکاح کروں گا۔

اگر یہ صحیح ہے کہ انہوں نے یہ کلام کہا ہے تو اس میں بھی استبعاد نہیں اس واسطے کہ ان لوگوں کی عادت تھی کہ اقارب کے بعد ان کی ازواج سے نکاح کیا کرتے تھے۔ اور طلحہ بن عبید کو خبر نہ تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات حرم کے لئے حرام ہیں اور وہ امہات المؤمنین ہیں۔ جیسا اس میں استبعاد نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اپنا نکاح کریں۔ باوجودیکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی کی لڑکی تھیں۔ اس واسطے کہ ابولہب رضی اللہ عنہ کی کنیز کا دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا تھا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا دودھ پیا تھا۔ یہ بھی متحقق ہے کہ عادات اور بلاد اور اوقات اور زمانہ کے اختلاف کی بنا پر مروت اور آداب مختلف ہو کر گئے ہیں۔ تو ضروری نہیں کہ جو امر کسی وقت اور کسی خاص شخص کے نزدیک خلافت مروت ہو۔ جب کسی شخص کو کسی امر کے بارے میں حکم شرعی کا علم نہ ہو اور معلوم نہ ہو کہ اس بارے میں

جماع کیا تو عورت سے اس کو کامل فائدہ حاصل ہو گیا اور مہر کہ بمنزلہ قیمت کے ہے وہ واجب الادا ہو گیا۔ پھر اگر دوسری وجہ جماع کا اتفاق نہ ہو۔ یا دوسری خدمتیں عورت سے نہ لی جائیں۔ یا عورت شوہر کے گھر میں نہ رہے تو ان وجوہ سے مہر کے وجوب میں کچھ نقصان نہیں لازم آتا بلکہ زنا اور لعان سے بھی مہر نہیں ساقط ہوتا۔ البتہ ان اور نفقہ اس وجہ سے شوہر پر لازم ہوا ہے۔ عورت شوہر کے گھر میں بائند رہتی ہے۔ تو اگر عورت گھر سے بلا اجازت شوہر کے نکلے تو نفقہ اور کپڑا پانے کا اس کا حق شوہر پر واجب نہیں رہتا۔ فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ نفقہ پابندی کے عوض میں لازم ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی کام میں مشغول کریں تو اس شخص کو اس کام سے یا اس کام کے مالک سے نفقہ ملنا چاہیے۔

چنانچہ جو شخص زکوٰۃ تحصیل کرنے پر مقرر ہوتا ہے اس کو نفقہ مال زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے اور قاضی اور مفتی اور محاسب کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ ملتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی لوگوں کے نفقہ کا یہی حکم ہے۔ فقط

مسائل تحریم

سوال : تفسیر مدارک سے بعض آیات کی تفسیر کی تشریح فرمائیے ؟

جواب : تفسیر مدارک سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوالات کے مدارک وغیرہ بعض تفاسیر میں مذکور ہیں۔ اور ذکر مشور میں بھی موجود ہے صحیح طور پر ثابت نہیں۔ اگر صحیح فرض بھی کیا جائے تو اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ ولایت جو آپ کو پہنچی وہ بھی حق ہے اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت منعقد ہوئی تو ابتدا میں اس بارے میں اکثر لوگوں کو شکوک اور شبہات ہوئے اور ان لوگوں کو انکار ہوا جب کسی حکم کی تخصیص طرف یا شرط کے ساتھ ہو اور وہ ظرف یا شرط نہ پائی جائے تو طرف یا شرط کے نہ پائے جانے سے حکم کی نفی صرف اس صورت میں ثابت ہوگی۔ کہ تخصیص میں حکم کے سوا اور کوئی دوسرا فائدہ نہ ہو۔ لیکن ایسی صورت میں کوئی دوسرا فائدہ ہو تو اس ظرف یا شرط کے نہ پائے جانے سے حکم کی نفی ثابت نہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی علماء اصول کے نزدیک ثابت ہے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت میں کسی نے اس وقت شک و شبہ نہ کیا اور امیں اختلاف واقع نہ ہوا۔ تو اس وجہ اس وقت اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوئی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مفہوم مخالفت کی بنا پر استدلال کرنا اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ کوئی صریح کلام اس کے معارض نہ ہو۔

خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے جو دلائل ہیں وہ صریح ہیں بلکہ اس میں صریح نصوص وارد ہیں تو یہ مفہوم مخالفت اس کے مقابل میں قابل لحاظ نہیں۔ جو روایت کی تفسیر مدارک میں اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے۔

وَلَا اَنْ تَنْتَكِبُوا اَنْ رَّا جَهَنَّمَ اَنْتُمْ كَيْدًا : ترجمہ : جائز نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ازواج مطہرات کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی نکاح کرو ؟

حکم نازل ہوا ہے تو اس شخص کے حق میں اس امر کے بارے میں کسی کے لئے طعن کی جگہ نہیں اور کس طرح ایسی صورت میں طعن ہو سکتا ہے۔

روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد میں اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ فرمایا کہ شہید ہو گئے تھے۔ اور مشرکین نے مثلاً کیا تھا۔ یعنی ان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مشرکین پر قدرت دی تو میں ضرور ان میں سے ستر مشرکین کو قتل کروں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عَاقَبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ مَسَّرْتُمْ لَهُمْ خَيْرَ الْخَيْرَاتِ لَغَرَبَتْ

یعنی اور اگر تم سزا دو تو چاہیے کہ سزا دو مانند اس کے کہ تم لوگوں کو سزا دی گئی ہو۔ اور اگر تم لوگ

صبر کرو تو یہ بہتر ہے صابرین کے حق میں

شیخ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کتاب المغازی کی شرح میں اہل نجران کے قصہ میں لکھا ہے کہ اصول شرع سے ہے کہ مخالف کے ساتھ مباہلہ کیا جائے جب حجت ظاہر ہونے کے بعد اصرار کرے اور یہی تحقیق اوزاعی کے نزدیک بھی ثابت ہے اور علماء کرام کی ایک جماعت نے ایسا کیا بھی ہے اور تجربہ سے بھی معلوم ہوا ہے کہ جس نے مباہلہ کیا۔ اور وہ بطلان کرتا تھا اور اس نے مباہلہ میں ذکر کیا کہ اگر میرا کلام ناحق ہو تو چاہیے کہ ایک برس گزرنے نہ پائے کہ اس کے قبل اللہ تعالیٰ مجھ کو موت دے دے۔ تو ایسا ہوا کہ اس مباہلہ کے بعد وہ شخص دو مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ یہ مضمون ابن حجر عسقلانی کے کلام کا ہے۔

لیکن اصول فقہ کی بناء پر اس میں بحث ہے۔ اس واسطے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کا مباہلہ جو واقع ہوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے تھا۔ لیکن اب معجزات کا زمانہ منقطع ہو گیا۔ حق اور باطل کی تمیز اب صرف حجت اور برہان کے ذریعے ہو سکتی ہے اور یہ بھی اس میں بحث ہے کہ اگر اب بھی مباہلہ کا حکم باقی ہے تو چاہیے کہ سرقہ ثابت کرنے میں اور دنیاوی خصوصیات کا فیصلہ کرنے میں مباہلہ کرنا جائز ہو اور اس کا کوئی قائل نہیں اور شاید شیخ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسی وجہ سے کہا ہے۔ بعد ظہور کجۃ یعنی اصل یہ ہے کہ حجت کے ذریعے سے دعویٰ ثابت کیا جائے اور اس کے بعد بھی اگر مخالف کو اصرار ہو تو مباہلہ کیا جائے۔

قصہ سالم

مولا ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے لیکن اس کے ظاہر معنی متروک العمل ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قصے سے استدلال کیا اور فرمایا کہ کبیر کی رضاعت سے بھی نکاح کی حرمت ثابت ہوتی اور باقی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو اس حکم سے انکار تھا۔ اور وہ اس حدیث سے استدلال

راتی تھیں۔ لا رخصۃ بعد فطام یعنی ایام رضاعت کے بعد اگر رضاعت وقوع میں آئے تو اس سے نکاح کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اور دیگر صحابہ کرام بھی یہی قول پسند کرتے تھے۔ اور حضرت سالم کا قصہ ان کے مخصوصا سے شمار کرتے تھے۔

حرمت متعہ

سوال : متعہ حرام ہے یا حلال ہے ؟

جواب : ابتداء اسلام میں حلال و حرام کے احکام رفتہ رفتہ نازل ہوتے تھے۔ چنانچہ شراب اور شہوات کی حرمت کا حکم نبوت سے اکیسویں سال میں صادر ہوا۔ اور ہجرت سے آٹھویں سال ہوا تھا۔ ایسا ہی جب تک متعہ کے بارے میں حکم الہی نازل نہ ہوا تھا۔ اس وقت تک جاہلیت کی عادت کے موافق متعہ کیا کرتے تھے جبیر کی لڑائی میں متعہ حرام ہوا۔

چنانچہ یہ روایت حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ اور وہ وقت ماؤن سال ہجرت کا تھا۔ پھر اس کے بعد آٹھویں سال کے آخر میں جنگ اوطاس کا واقعہ ہوا۔ اور اس میں تین دن تک متعہ کی شرعاً اجازت رہی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے واسطے مکہ تشریف لے آئے تو کعبہ شریف سے تشریف لے جانے کا ارادہ ہوا تو کعبہ شریف کے دروازہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے فرمایا کہ متعہ قیامت تک کے لئے ہمیشہ کے واسطے حرام کیا گیا۔

یہ کلام مبارک رات کے وقت فرمایا کم لوگ حاضر تھے۔ یہ حکم جیسا چاہیے تھا مشہور ہونے پایا تھا کہ بعض لوگوں نے ناواقفیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس فعل کا انکاب کیا۔ جب حضرت عمر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ ممبر پر چڑھے اور خطبہ فرمایا کہ متعہ گاہ گاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا تھا لیکن آخر میں اس کی حرمت ثابت ہوئی ہے۔ چونکہ میں نے اس کے قبل یہ حکم نہ دیا تھا۔ لہذا اس مرتبہ درگزر کرتا ہوں۔ لیکن اب اگر کوئی ایسی حرکت کریگا۔ تو اس پر زنا کی حد جاری کروں گا۔ جس سے پھر یہ کام موقوف ہو گیا۔ روافض کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احکام سے نہایت عناد رکھتے ہیں۔ جب قابو پاتے ہیں تو اس حیلہ سے زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف کی چار آیات سے ظاہر طور پر متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے من جلد ان کے ایک آیت یہ ہے :-

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ الْأَعْلَىٰ أَرْجَاهُ ۚ أَوَمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَبِأَنفُسِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ غَيْرِ مُكُونِينَ ۚ فَمَنْ آذَىٰ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۚ

تین دن کے بعد جو متعہ حرام کر دیا گیا۔ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کی بنا پر اجتہاد پر وقت پھر حرام کر دیا گیا اور ہر حال میں ہمیشہ کے لئے متعہ حرام نہ ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کی بنا پر اجتہاد پر ہے کہ ان آیات اور فقہ اوطاس کی بنا پر اجتہاد کیا۔ لیکن یہ امر واقعی نہیں بلکہ اس اجتہاد میں خطا ہوئی۔ چنانچہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سنا تو آپ نے فرمایا کہ "آپ ایک شخص ہیں کہ صرف رائے سے کچھ کہہ دیتے ہیں" یہ مقام اسی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اس مسئلہ میں بہتر تحقیق یہی ہے۔ (جواب اس سوال کا مضمون سوال کا جواب سے مفہوم ہوتا ہے)

سورہ مؤمنین اور سورہ معارج کی آیت سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہ صحیح طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحابہ کبار اور فقہاء تابعین سے منقول ہے۔ ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ الصدیقہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور یہ امر بیان کیا ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یعنی قرآن شریف موجود ہے اور اس سے متعہ کی حرمت ثابت ہے اور یہ آیت پڑھی:-

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ ذَوِّجِهِنَّ حَفِظُونَ ۚ اَلَا عَلَىٰ اٰمَرٍ وَّاجِهٍ ۚ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ۚ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ مَنۡ اَبْتَغَىٰ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۚ

یعنی فلاح اور بہتری ان لوگوں کے لئے ہے کہ نگہبانی کرتے ہیں اپنی شرمگاہ کی۔ مگر اپنی بیوی یا شرعی لونڈی سے لحاظ نہیں کرتے کہ وہ قابل ملائت نہیں ہیں جو شخص اس کے سوا کرنا چاہے تو وہ شرع کی حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔

یعنی جو شخص اپنی بیوی یا شرعی لونڈی کے سوا دوسری عورت سے جماع کرنا چاہیے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ عبد الرزاق اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ قاسم بن محمد سے متعہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو کہا کہ میں جانتا ہوں کہ قرآن شریف میں وہ متعہ مذکور ہے جو حرام ہے اور یہی آیت مذکورہ پڑھی۔ ایسا ہی محمد بن کعب قرطبی اور قتادہ اور سدی اور ابو عبد اللہ سلمیٰ وغیرہ مشاہیر تابعین سے روایت بھی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ اور ان دونوں سورتوں میں یہ آیت واقع ہے تو یہ کلام کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے۔ اس میں ایک طرح کا اشکال ہے اور جواب اس کا چند وجوہ ہیں۔

۱۔ اول وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں لیکن یہ آیت مدنی ہے اور اتفاق میں جو لکھا ہے کہ یہ آیت مدنی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ اور مشاہیر تابعین، نسخ اور نسخہ ۱۰ درمقدم اور مؤخر سے زیادہ واقف تھے۔ اور ان لوگوں نے اس آیت سے متعہ کی حرمت ثابت کی ہے تو یہ نہایت قوی دلیل اس امر کے لئے ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ اتفاق کا قول اس کے لئے معارض نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ کئی

اور مدنی کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے نزدیک باعتبار غالب کے ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ اتفاق میں جو لکھا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے تو وہ صرف اسی بنا پر کہ صحابہ اور تابعین سے روایت ہے کہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ یہ اس امر کے لئے منافی نہیں کہ ان دونوں سورتوں کی بعض آیات مدنی ہوں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بالفرض تسلیم کرتا ہوں کہ یہ آیت مکی ہے، لیکن اس صورت میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم کہ اس آیت سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے نزول سے کچھ دنوں کے بعد مفہوم ہوا تو یہ آیت بعد حقوق بیان کے نسخ قرار پائی اور یہ مجموع قبل تحریم کے متحقق نہ تھا۔ اور متعہ کے بارے میں اباحت اصلہ کا حکم باقی تھا۔ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ بعض آیات سے بعض احکام بطور اشارہ کے مفہوم ہوتے ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تھا کہ وہ حکم واضح کر دیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرماتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ حکم لوگوں سے صاف طور پر بیان فرمادیں۔ تو اس وقت اس آیت سے وہ حکم صراحتہ معلوم ہو جاتا تھا اور اس حکم کے مکلف سب عوام اور خواص ہو جاتے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تھا کہ وہ حکم عام طور پر ظاہر نہ کیا جائے تو اس کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہ فرماتا تھا۔ اگرچہ خاص اور اذکار دہانے وہ حکم سمجھ لیا ہو تو اس کے مکلف عام طور پر سب لوگ نہیں ہوتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ مَسْکُوۡدًا وَّ مَرۡثًا حَسَنًا۔ ترجمہ: یعنی بناتے ہو تم اس سے نشہ والی چیز اور بہتر روزی۔

روزی کی صفت حسن کے ساتھ فرمائی اور مسکو کے لئے یہ وصفت نہ فرمایا تو اس سے اشارہ مفہوم ہوتا ہے کہ شراب حرام ہے۔ حالانکہ یہ آیت مکی ہے۔ شراب حرام ہونے کے بہت دن قبل نازل ہوئی۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک بھی ہے:-

فِيۡهَآ اَشۡمَکُۢمۡ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ترجمہ: یعنی شراب اور جوئے میں بہت گناہ ہے اور ان دونوں میں لوگوں کا نفع ہے۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرام ہیں۔ اس واسطے کہ نفع حاصل کرنے پر مقدم ہے کہ ضرر دفع کیا جائے۔ علی الخصوص جب اس چند روزہ دنیا کا نفع ہو اور اس سے ہمیشہ کا ضرر اخروی ہوتا ہو تو بالاتفاق عقلاً اور شرعاً اس ضرر سے نفع پر مقدم سمجھا جائے گا کہ ضرر کے دفع ہونے کی تدبیر کی جائے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں دعا کرتے تھے:-

اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَّنَا فِی الْخَمْرِ بَيِّنًا شَافِیًا۔ ترجمہ: یعنی اے پروردگار ارشاد فرما ہمارے لئے شراب کے بارے میں ایسا بیان کہ اس سے اطمینان حاصل ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے کہ لے پروردگار ہم پر شراب حرام فرما۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحیح دلیل

یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے بعد اس مسئلے کے موافق متباح تھا۔ اس واسطے کہ نہ ہمارے یہاں ثابت ہے نہ تمہارے یہاں ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی نے متعہ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام! نے ایسا کیا تھا تو تمہاری کیا دلیل ہے اس پر کہ متعہ مباح ہے۔ اگر تمہاری شراہ اجتہاد سے یا احتیاطیہ ہے۔ یعنی اس کی ممانعت کا حکم کبھی صادر نہ ہوا تو یہ بحث صرف ان آیات کی بناء پر اور ان آیات سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے۔ ایسے بھی احکام ہیں کہ صراحتاً قرآن شریف میں مذکور ہیں مگر جب تک ان کی ضرورت نہ ہوئی اور نہ کسی نے پوچھا۔ اس وقت تک ان کی تائید جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی اور نہ اس کی شرح و بسط کی طرف توجہ دی۔ یہی اتفاق متعہ کے بارے میں بھی ہوا کہ جنگ خیبر کے وقت تک نہ کوئی واقعہ متعہ کا ہوا اور نہ کسی نے یہ مسئلہ پوچھا۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی حرمت کی تاکید فرمانے کی جانب توجہ فرمائی۔

چنانچہ نکاح اور تزوج کے بارے میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی اور ان امور کے متعلق واقعات و وقوع میں آنے لگے اور ان کے شرح و بسط کی ضرورت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف توجہ فرمائی۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس کے وقت اشد ضرورت کی حالت میں اجازت فرمائی تھی کہ نکاح موقت کیا جائے اور اس وقت بھی متعہ کے لئے اجازت نہ فرمائی تھی۔ چنانچہ اس کی تصریح عمران بن حصین اور ابی موسیٰ اشعری وغیرہ کی ہدایت میں ہے۔ جو کہ صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح میں مذکور ہے۔

قَدْ رَخَّصَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُوطَاسٍ أَنْ تَتَّكِفُوا الْمَرْأَةَ بِالشَّوْبِ وَالْإِجْبِلِ. ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے لئے غزوہ اوطاس کے سال بوجہ ضرورت اجازت فرمائی تھی کہ عورت کے ساتھ کپڑے کے عوض کسی وقت تک کے لئے نکاح کر لیا جائے۔

اس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ نکاح موقت کے لئے اجازت فرمائی تھی اور متعہ کے لئے اجازت نہ فرمائی تھی جس نے اس کو متعہ کہا ہے تو صرف مجازاً کہا ہے نہ باعتبار مشابہت کے کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد سے یہ اجازت فرمائی تھی۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ یہ بھی نکاح ہے اور اسمیں وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ پھر وقت تک کیلئے نکاح کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے متعہ کے ساتھ یہ نکاح مشابہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متعہ کی طرح ہے۔ اس سے بھی نسب میں خلل واقع ہوگا۔ اور اولاد ضائع ہوگی۔ اور وارث اور مورث کی تمیز نہ ہوگی۔

جب وحی سے معلوم ہوا کہ یہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا ہے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کی حرمت کا حکم فرمایا۔ ان آیات کے نزول کے بعد متعہ کبھی حلال نہ کیا گیا تھا۔ البتہ تین دن تک نکاح موقت حلال کیا گیا تھا۔ اور اسی کو بعض لوگوں نے مجازاً متعہ کہا ہے اور چونکہ متعہ کے حرام ہونے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً فرمایا تھا اس واسطے جنگ خیبر میں مرثامہ سے منع فرما دیا۔ تو اس وقت اس کی حرمت کے بارے میں صرف تاکید فرمائی۔ ایسا نہیں کہ اس وقت ابتدا حرمت کا حکم فرمایا ہو۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں تاکید فرمائی کہ متعہ حرام ہے اور ایسا

نہیں کہ اس وقت ابتدا اس کی حرمت کا حکم صادر ہوا۔ یہ مقام مشکل ہے چاہیے کہ اسی طور پر سمجھ لیا جائے۔

سوال: قرآن شریف میں ہے۔ مَا مَنَعَ مَنْ مَنَعَ مِنْهُ أَنْ يَأْتِيَ الْخَاطِبَ وَأُورَاقُ الْخَاطِبِ أَوْ يَأْتِيَ الْخَاطِبَ وَأُورَاقُ الْخَاطِبِ مَنَعَهُمْ مِنْهُ. اس آیت کا یہ سبب کہ ہر حکم کے منسوخ ہونے کے لئے شرط ہے کہ کوئی دوسرا حکم جو اس حکم کے مانند ہو یا اس سے بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے صادر ہو۔ اور بعض کے نزدیک ثابت ہے کہ متعہ کے حلال ہونے کا حکم اس آیت سے معلوم ہوا۔

فَمَا اسْتَنْتَعْتُمْ بِهِ مِنَهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ الْخَاطِبِ

اور پھر وہ حکم متعہ کا اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک سے منسوخ ہوا۔

فَمَنْ ابْتَدَعَ وَصِيًّا فَذَلِكَ فَادْرَاكُ الْعَادَةِ. یعنی جو شخص چاہے سوا اس کے وہ حد سے

تجاوز کرنے والا ہے۔

تو جب کہ بعض کے نزدیک متعہ کا حکم اس آیت سے منسوخ ہوا تو اس بعض کے نزدیک دوسرا کون حکم نازل ہوا ہے یعنی دوسرا کون حکم نازل ہوا جو متعہ کے مانند ہو یا اس سے بہتر ہو۔ جیسا کہ کسی حکم کے منسوخ ہونے کے لئے شرط ہے۔

جواب: یہ جو آیت ہے مَا مَنَعَ مَنْ مَنَعَ مِنْهُ أَنْ يَأْتِيَ الْخَاطِبَ وَأُورَاقُ الْخَاطِبِ اس آیت سے یہ ہے کہ جو حکم منسوخ کیا جاتا ہے تو دو کسی دوسرے حکم سے منسوخ کیا جاتا ہے اور وہ حکم ناسخ حکم منسوخ سے بہتر ہوتا ہے۔ باعتبار فائدہ کے حق میں عباد کے اور باعتبار ثواب کے یا حکم منسوخ کے برابر ہوتا ہے حتیٰ میں اعتبار نفع اور ثواب کے تو متعہ کے حلال ہونے کا حکم منسوخ ہوا۔ اور اس حکم حل متعہ کے عوض میں یہ دوسرا حکم ہوا کہ متعہ حرام ہے تو جیسا کہ حلال ہونا اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ اسی طرح حرام ہونا بھی منجملہ احکام خداوند تعالیٰ کے ایک دوسرا حکم ہے اور متعہ کے حلال ہونے سے متعہ کا حرام ہونا حق میں عباد کے زیادہ مفید ہے۔ اس واسطے کہ حفظ نسب و کفو ہونا محرم کا اور توارث یہ امور متعہ کے حلال ہونے کی صورت میں باقی نہ رہیں گے۔

چنانچہ اس کی تفصیل تحفۃ اشاعریہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرور نہیں کہ حکم ناسخ جنس سے حکم منسوخ کے ہو۔ یعنی یہ ضرور نہیں کہ جب کسی حکم ناسخ سے کسی چیز کا حلال ہونا منسوخ کیا جائے۔ تو اس حکم ناسخ سے کسی چیز کا حلال ہونا ثابت ہو۔ بلکہ جائز ہے کہ جب کسی حکم ناسخ سے کسی چیز کا حلال ہونا منسوخ کیا جائے تو اس حکم ناسخ سے اسی چیز کی حرمت ثابت ہونا مقصود ہو۔ چنانچہ سود اور شراب اور قمار کے حرام ہونے کے عوض میں کوئی دوسری چیز حلال نہ ہوئی۔ اور ایسا ہی حلال کثیر معاصی کا ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ضروری ہے کہ حکم ناسخ اور حکم منسوخ دونوں ایک جنس سے ہوں اور متعہ کے مسئلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ متعہ کا حلال ہونا منسوخ ہوا۔ اور اس کے عوض میں شرعی کثیر معاصی حلال ہوئی کہ اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے جو متعہ میں فائدہ تھا۔ اس واسطے کہ اگر مسافر کو خواہش جماع کی ہو تو ممکن ہے کہ وہ شرعی لونڈی خرید لے اور نامزد نکاحات اس سے منع ہو۔ جب اس کی ضرورت نہ ہے تو اس کو فروخت کر ڈالے

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متعہ کا حلال ہونا منسوخ ہوا تو اس کے عوض میں طلاق حلال ہوئی اور تفصیل اس مقام کی

تفسیر فتح العزیز میں ہے کہ منشی منہاج الدین صاحب نے اس کی نقل لکھوائی تھی۔ وہ اس آیت کی تفسیر میں ملاحظہ کرنا چاہیے

سوال : ایک شخص عینک کی حالت میں بے خبر بوقت شب اپنے بستر پر سو رہا تھا اور اسی جگہ اس کی عورت بھی دوسرے بستر پر علیحدہ سوئی تھی۔ اتفاقاً اس عورت کی ماں بھی اسی جگہ آکر اپنی لڑکی کے ساتھ سو رہی اور مرد کو اس حالت سے مطلع نہ تھی۔ مرد مستی اور شہوت کی حالت میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی عورت کے بستر پر ملے گیا اور دونوں پاؤں پکڑے۔ وہ پاؤں اس کی خوش دامن کے تھے۔ کہ وہ اپنی لڑکی کے ساتھ سوئی ہوئی تھی۔ اور وہ شخص ناواقفیت سے اپنی عورت سمجھا تھا۔ لیکن پاؤں چھونے کے ساتھ ہی وہ اس کی آواز سن کر فوراً پہچان گیا کہ یہ پاؤں اس کی خوش دامن کا ہے تو ملے اٹھالیا اور اس کا پاؤں چھوڑ دیا اور پھر اپنے بستر پر چلا گیا۔

اب عوام کہتے ہیں کہ اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی وہ ایک مفلس شخص ہے محتاج اور نہایت بے قدر نہایت وقت سے ایک عورت اس کو ملی اس کے ساتھ نکاح کیا اور اپنا گھر آباد کیا تھا۔ اب ایسی حرکت ناکامی بے اختیار کی جو کہ اوپر مذکور ہوئی ہے اور اس کا گھر برباد ہوتا ہے۔

جواب : مذہب حنفی میں اس واقعہ کا کوئی علاج ممکن نہیں اور اس شخص نے اپنی عورت کی ماں کو شہوت کی حالت میں چھو دیا ہے۔ اس واسطے اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ ایسا ہی کتب فقہ میں لکھا ہے۔ مذہب شافعی کے موافق عورت حرام نہیں ہوئی۔ اس واسطے کہ اس شخص نے اپنی عورت کے گمان سے اس کی ماں کو چھو دیا ہے۔ البتہ اگر وہ شخص اپنی عورت کی ماں کے ساتھ جماع کرتا تو اس کی عورت حرام ہو جاتی۔ ایسا ہی کتب فقہ میں لکھا ہے۔ واللہ اعلم

مسائل طلاق

سوال : جب عورت نافرمانی اور خطا کرے۔ تو اس وقت طلاق دینا جائز ہے یا نافرمانی پر بوقت نہیں جب چاہے طلاق دے دے۔؟

جواب : طلاق کا دینا دو طور پر ہے۔ ایک مسنون اور دوسرا مباح ہے۔ مسنون یہ ہے کہ بلا سبب طلاق نہ دے۔ اس واسطے کہ طلاق دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چیز بڑی پسندیدہ سے نہیں۔ بلکہ طلاق دینا مجبوری کی حالت میں مباح ہے۔ اور مباح اس کو کہتے ہیں جس میں آدمی کو اختیار دیا گیا ہے۔ تو اگر کوئی شخص بلا سبب بھی طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور عورت اس کی اطاعت سے باہر ہو جائیگی۔ اگر خالص نیت یہ ہے کہ طلاق دے کہ دوسرا نکاح کیا جائے۔ تاکہ زیادہ نکاح کرنے سے زیادہ ثواب نکاح کرنے کا حاصل ہو تو یہ قریب سنت کے ہے۔ بلکہ خلفاء راشدین کی سنت میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن رحمہ عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔ اور پھر ان کو طلاق دے

دیتے تھے۔ اور پھر دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے تھے۔ اور ایسا بے نیت ثواب کرتے تھے۔ تو جبکہ خالص نیت ثواب کی ہو تو یہ امر طلاق کے مسنون ہونے کے لئے کافی سبب ہو سکتا ہے۔ اس امر کا سبب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ :-

میں چاہتا ہوں کہ زیادہ اقوام اہل اسلام کو میرے سبب سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ مصاہرت حاصل ہو جائے۔ اور یہ رشتہ ان لوگوں کے حق میں قیامت میں کام آئے۔

سوال : ایک طلاق کا حکم کیا ہے؟

جواب : اگر شوہر نے غصہ کی حالت میں اپنی عورت کو ایک طلاق دی مگر بے ہوش نہ تھا تو وہ طلاق واقع ہو گئی لیکن جائز ہے کہ پھر وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرے۔ اور اگر دو طلاق دی تو اس صورت میں بھی حکم ہے۔ لیکن اگر تین طلاق دیدے خواہ ایک دفعہ تین طلاق دے خواہ متفرق تین طلاق دے تو اس صورت میں جائز نہیں ہے کہ وہ اس عورت کے ساتھ پھر نکاح کرے۔ جب تک حلالہ نہ کیا جائے۔ حلالہ سے مراد یہ ہے کہ وہ عورت دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے اور اس کا دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ جماع کرے اور اس کے بعد طلاق دے تو اس طلاق کی مدت گزر جانے کے بعد جائز ہوگا کہ پہلا شوہر اس کے ساتھ پھر نکاح کرے اور یہ بلا حلالہ کے جائز نہیں کہ پہلا شوہر اس کے ساتھ پھر نکاح کرے۔

مسائل وراثت

مسئلہ :-

سوال : زاید خان مورث اعلیٰ کے دولہ کے پردل خان اور روشن خان۔ کنیزک کے لطن سے ہیں اور زاید خان مذکور کا ایک لڑکا حسین علی خان زوجہ منکوحہ کے لطن سے ہے۔ تو پردل خان مذکور کی اولاد کو زاید خان مورث اعلیٰ مذکور کے ترکے سے کچھ پہنچتا ہے یا نہیں (سوالات قاضی)

جواب : شرعی حکم ہے کہ مسلمان کا فعل تا امکان زنا پر محمول نہیں کیا جاتا ہے لہذا پردل خان اور روشن خان مذکورین کی اولاد کو شرعی حصہ پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مسائل بیع

سوال : یہ جائز ہے یا نہیں کہ آدمی کو بیچا جائے

جواب : ایسی بیع تین طور پر مشتمل ہے :-

- ۱۔ اول یہ کہ کفار کا کوئی گروہ بادشاہ وقت کی فرمانبرداری نہ کرتا ہو۔ اور جزیرہ اور خراج لینے سے ان لوگوں کو نکال دیا ہو۔ ایسے کفار کے بچے اور عورت کو غلام اور لونڈی بنا کر لے آئیں۔ جیسا کہ مرہٹہ اور سکھ اور راجپوت دور دست اور رومان کو ہستان میں اور ان کو فروخت کریں تو اس طور کی بیع بلاشبہ بالاتفاق جائز ہے۔
- ۲۔ دوسرے طور یہ ہے کہ اسی قسم کے کفار مثلاً کوہستانی اور دیگر اقوام مذکورہ اپنی اولاد فروخت کریں۔ اور سوداگران کو خرید کر لے آئیں۔ تو اس طور کی بیع میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کرام نے اس کو جائز کہا ہے۔ اور بعض نے ناجائز کہا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح اور زیادہ قوی یہ ہے کہ اس طور کی بیع بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی بیع اسی طور پر ہوئی تھی کہ ان کو بادشاہ مصر نے قبطیوں سے خرید لیا تھا اور ان کو حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیہ کیا۔

۳۔ تیسرے طور یہ ہے کہ ان دونوں قسموں سے کسی قسم کی کنیز کسی شخص کے پاس ہو۔ اور وہ شخص اس کنیز کا نکاح کسی اجنبی مرد کے ساتھ کرے تو جو بچہ اس کنیز سے پیدا ہوگا۔ وہ بچہ بھی اس شخص یعنی کنیز کے مالک کی ملک میں داخل ہوگا۔ اس شخص کے لئے جائز ہوگا کہ اس بچہ کو فروخت کرے یا مہر کرے۔ البتہ وہ شخص اگر اس کنیز کا نکاح اپنی اولاد میں سے کسی کے ساتھ کرے یا اپنے بھائی کے ساتھ اس کا نکاح کرے تو ان دونوں صورتوں میں جو بچہ اس کنیز سے پیدا ہوگا وہ بچہ آزاد ہو جائے گا۔ اس بچہ کو فروخت کرنا یا مہر کرنا ناجائز ہے اور انسان کو فروخت کرنے کے دو طریقے دوسرے بھی ہیں۔ بعض علماء نے ان کو جائز کیا ہے اور اکثر علماء نے منع کیا ہے۔

۴۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ بوقت گرسنگی و قحط مسلمان اپنے بچہ کو فروخت کرے اور کوئی دوسرا اس کو خرید کرے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اہل مصر نے قحط میں اپنے کو اور اپنی اولاد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ اس طور کی بیع کو ملا الہداد شارح ہدایہ نے جائز کہا ہے اور اس بارے میں کتاب محیط سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ لیکن اکثر علماء کرام اس امر کو جائز نہیں رکھتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص زمانہ حضرت یوسف میں تھا، اب منع ہو گیا۔

۵۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہندو اور دیگر کفار جو دارالاسلام میں ہوں اور بادشاہ وقت کے فرمانبردار ہوں وہ اپنی اولاد فروخت کریں تو اس قسم کی بیع امام شافعی کے نزدیک جائز ہے مگر حنفی مذہب میں ناجائز ہے۔

سوال : غلام و کنیز کے حلال کی شرعی قیمن کیا ہیں ؟

جواب : غلام اور کنیز کے حلال شرعاً صحیح مذہب کے موافق تین قسم کے ہیں :-

- ۱۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ جو ملک کفار میں نہ ہو بطریق تاخت ملک کفار میں جائے اور ان کی اولاد قید کر لائے۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کفار حملی اپنی اولاد کو فروخت کریں اور مسلمان ان کو خرید کر لے آئیں بشرطیکہ ان کا مالک فروخت کرے۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ان دونوں قسم کی کنیز اپنے مالک کے لئے بغیر نکاح حلال ہے۔ لیکن خاص اس صورت میں کہ مالک کے سوا کسی دوسرے سے اس کا نکاح کیا جائے۔ اور اس سے لڑکی یا لڑکا پیدا ہو تو وہ بھی مالک کی ملک میں داخل ہو جائے گا۔ مالک کے لئے وہ لڑکی بھی بغیر نکاح کے حلال ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی ماں کے ساتھ مالک نے کبھی جماع نہ کیا ہو۔ اور اگر ایسے قسم سے غلام کنیز کی ہے اس میں اختلاف ہے۔ اس قسم کا معاملہ صرف بعض علماء کے نزدیک جائز ہے اور وہ قسم یہ ہے کہ مسلمان بوقت اشد ضرورت تنگی اور گرسنگی اپنی اولاد کو فروخت کرے تو اس بارے میں صاحب محیط کا قول موافق نقل ملا الہداد شارح ہدایہ کے ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اس قسم کے غلام اور کنیز کے بارے میں بھی ملک ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن فتویٰ اس پر نہیں بلکہ زیادہ صحیح امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں بقصد ثواب کے اس کو خرید کرے تاکہ وہ عذاب گرسنگی سے رهایی پائے لیکن اس کو پانا غلام اور کنیز کا معاملہ اس کے بارے میں نہ کرے۔ اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ اور ایسی لڑکی بغیر نکاح کے حلال نہیں۔

سوال : کیا امر مباح حرام ہے جب وسیلہ فعل حرام کا ہو

جواب : امر مباح حرام ہو جاتا ہے جب فعل حرام کے لئے وسیلہ ہو خطابی کا قول ہے کہ :-
كُلُّ اَمْرٍ يَتَدَبَّرُ بِهٖ اِلٰى اَمْرٍ مَحْظُوْرٍ فَهُوَ مَحْظُوْرٌ۔ جو امر اس غرض سے کیا جائے کہ اس کے ذریعے سے کوئی امر ممنوع صادر ہو۔ تو وہ امر بھی ممنوع ہے :-

اس سے مراد یہ ہے کہ جب مباح کو حرام کے لئے وسیلہ قرار دے تو وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ جیسے ابن ابی لیلیٰ کو ہدیہ قبول کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ تو وہ ہدیہ قبول کرنا بنفس مباح ہے۔ لیکن چونکہ وہ ہدیہ اس غرض سے دیا جاتا تھا کہ اس ذریعے سے زکوٰۃ کم لی جائے اور زکوٰۃ لینے میں شکی کی جائے۔ تو اس وجہ سے وہ حرام قرار دیا گیا۔ اس واسطے کہ حرمت میں جو حکم مقاصد کے بارے میں ہوتا ہے۔ وہی حکم وسائل کے بارے میں بھی ہوتا ہے اور یہ جو خطابی کا قول ہے :-

كُلُّ دَخِيلٍ فِي الْعُقُوْدِ هَلْ يَكُوْنُ حَكْمُهُ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ كَحَكْمِهِ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ اَمْ لَا۔
تو اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک معاملہ دوسرے معاملہ میں شامل کیا۔ مثلاً عارۃ کا معاملہ جن کے معاملہ میں شامل کیا یا اجارہ کا معاملہ جن کے معاملہ میں شامل کیا یا تحن کا معاملہ میں شامل کیا تو دیکھا جائیگا کہ جو معاملہ شائع ہے جب وہ معاملہ متناہوتا ہے۔ تو اس وقت جیسی رضامندی فریقین کی اس کے بارے میں ہوتی ہے۔ اسی طرح کی رضامندی اس صورت میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب وہ معاملہ دوسرے معاملہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے تو اس صورت میں جو معاملہ شامل کیا گیا ہو صحیح ہے۔ اور اگر اس طرح کی رضامندی نہ پائی جاتی ہو۔ تو وہ معاملہ صحیح نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کسی شخص نے کوئی اسباب کم قیمت پر فروخت

فروخت کیا تاکہ خریدار بائع کو ہزار روپیہ قرض سے تو اگر بائع کو قرض کی امید نہ ہوتی تو کم قیمت پر فروخت نہ کرتا اور اس پر راضی نہ ہوتا۔

اسی طرح مثلاً یہ صورت ہو کہ اگر گھر زیادہ روپیہ کے عوض میں رہیں نہ رکھا جاتا تو راہن راضی نہ ہوتا کہ مرنہیں کو کم کر کے عوض میں اس کی اجازت سے کہ وہ گھر اپنے مصرف میں رکھے۔ یا راہن اس پر راضی نہ ہوتا کہ مرنہیں کو وہ گھر بطور عاریت کے سے تو یہ معاملات کہ شامل کئے گئے ہیں جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اگر یہ معاملات تنہا ہوتے تو ان کے بارے میں رضامندی مالک کی نہ ہوتی۔ بلکہ صرف اس وجہ سے رضامندی ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا معاملہ کیا جاتا ہے اور اگر راہن اور مرنہیں میں باہم دوستی ہوتی۔ اور صرف دوستی کے لحاظ سے اعادہ کا معاملہ ہوا ہو یا عوض کم چیز کے اعادہ دیا گیا ہو اور راہن کے معاملہ کا کچھ لحاظ نہ ہو تو یہ اعادہ اور اعادہ صحیح ہے۔ اس واسطے کہ بکالت الغرادر کے جیسی رضامندی ہوتی اسی طرح کی رضامندی اس صورت میں بھی باہمی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

حکم بیع الوفا

سوال : حکم بیع الوفا کیا ہے ؟

جواب : بیع الوفا کا مسئلہ ایک معتبر مفتی سے پوچھا گیا تو فی الفور جواب دیا کہ متاخرین نے اس کے بولے کا فتویٰ دیا ہے جب سند طلب کی گئی کہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ عبادت کی عبارت کہ جو اہر سے نقل کی گئی ہے لکھ کر لکھا دی اور وہ عبارت یہ ہے :-

مُسَوِّدَ بَيْعِ الْوَفَاءِ فِي الْبَابِ الْأَوَّلِ مِنَ الْجَوَاهِرِ أَنْ يَقُولَ بَعْتُ مِنْكَ عَلَى أَنْ تَبِيعَهُ
مَنْ حَيْثُ بِالْخَمْنِ وَحُكْمُ حَكْمِ الرَّهْنِ وَالْمَذْكُورُ هُنَا أَنَّ مَسْئَلَهُ أَنْ يَقُولَ بَعْتُ
مِنْكَ سَيَكُونُ وَيَقُولُ الْأَخْرَاشْتَرِيْتُ وَكَيْفَ يَذْكُرُ فِي الْعَقْدِ سَوْا لِإِجَابِ وَالْعَقُولِ الْأَنْتُمْ
ذَكَرَ الْقَبْلَ الْعَقْدَ أَنْتُمْ مِيرَةَ الْبَيْعِ إِذَا مَرَدَّ عَلَيْهِ الْخَمْنُ إِذَا كَانَ قَصْدُهُمَا ذَلِكَ وَحُكْمُ ذَلِكَ
أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا لَا مَرَدَّ إِذَا خَالَفَ الْمَذْكُورُ هُنَا تَمَّتْ -

ترجمہ : یہ بیع الوفا کا بیان ہے اور جو اہر کے باب اول میں لکھا ہے کہ بیع الوفا کی صورت یہ ہے کہ بائع شرعی سے کہے کہ میں نے یہ چیز تمہارے لئے تمہارے فروخت کی۔ اس طور پر کہ فلاں قیمت پر میرے ہاتھ فروخت کر دینا تو اس بیع کا حکم وہی ہے جو رہن کے بارے میں حکم ہے اور یہاں یہ صورت مذکور ہے کہ بائع خریدار سے کہے کہ میں نے خرید کیا اور دونوں شخصوں نے ایجاب اور قبول کے سوا اور کچھ ذکر نہ کیا تھا کہ جب دونوں کا ارادہ ہو گا تو بائع قیمت واپس کرے گا اور خریدار بیع فسخ کرے گا اور کسی

مبیعہ واپس کر دے گا۔ اس صورت میں شرعی حکم ہے کہ بیع لازم ہو جائے گی اور سابق کے تذکرے بیع میں کچھ حرج لازم نہ آئے گا، یہ ترجمہ عبادت کی عبارت کا ہے کہ جو اہر سے منقول ہے۔

اس عبارت سے ہرگز مفہوم نہیں ہوتا کہ بیع الوفا جائز ہے بلکہ پہلی صورت میں کہ وہ متعارف ہے رہن کا معاملہ قرار پاتا ہے۔ اس واسطے کہ معاملات میں مقصود پر لحاظ ہوتا ہے۔ الفاظ کی جانب لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں بیع کا فسخ آئندہ واجب ہونا ثابت نہیں اور ظاہر ہے کہ بیع وفا کو جائز قرار دینا اصول کے خلاف ہے۔ البتہ بیع حدریث سے ثابت ہے اور اس کے لئے تین دن وقت مقرر ہے اور بعض کے نزدیک ایک مہینہ ہے اور بیع کے روکی شرط اگر اعتبار کی جائے۔ تو یہ بیع اس شرط کے ساتھ ہوگی اور اس وجہ سے بھی بیع فاسد ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بیع وفا کے جواز کی کوئی سند قابل اعتبار ہے اور نہ اس کے لئے کوئی صحیح وجہ ہے۔

سوال : ایسی بیع کہ خریدار کو مہلت دی جائے کہ وہ قیمت کچھ دنوں کے بعد ادا کرے جائز ہے یا نہیں؟
جواب : یہ بیع بلاشبہ جائز ہے کہ خریدار کو مہلت دی جائے کہ وہ قیمت کچھ دنوں کے بعد ادا کرے اور اس وجہ سے قیمت زیادہ قرار دی جائے اور اس طرح کی بیع میں بھی وجہ برکت کی ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے
الْبُرْكَ فِي الثَّلَاثِ فِي شُرْكََةِ فِي الْبَيْعِ إِلَى أَجَلٍ وَفِي خُلْطِ الْبُرْكَ بِالْشُعَيْرِ لِلْأَكْلِ
لالبیع ترجمہ : یعنی تین چیزیں برکت ہوتی ہیں شرکت میں اور بیع نیسہ میں اور اس میں گریہوں میں جو ملایا جائے کھانے کے لئے نہ بغرض فروخت کرنے کے :-

اور کچھ دنوں کے بعد قیمت لینے کے عوض میں زیادہ قیمت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس واسطے کہ جس قدر کوئی چیز دیکھا وے اس سے زیادہ لینا اور کچھ دنوں کے بعد کسی چیز کا عوض لینا اس صورت میں حرام ہے جب دونوں جنس متقابل ہوں یا حکم میں متقابلین کے ہوں مانند نقدین کے یعنی مانند سونے اور چاندی کے۔

سوال : بیع کنیز اور غلام کے احکام کیا ہیں؟

جواب : لونڈی اور غلام کی باعتبار ملک و عدم ملک کے چھ قسمیں ہیں :-

۱۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اصل اسلام دار الاسلام سے دائر الحرب میں جائیں اور جبر و غلبہ سے کفار حربی کو گرفتار کریں اور ان کو غلام اور لونڈی بنا کر دار الاسلام میں لے آئیں۔ خواہ کافر حربی مرد ہو خواہ عورت ہو، خواہ لڑکا ہو خواہ لڑکی ہو۔ یا کسی ایک ملک کے کفار حربی اپنے ملک دائر الحرب سے دوسرے ملک دائر الحرب میں اسی طور پر جائیں اور اس ملک کے کفار حربی کو جبر و غلبہ سے گرفتار کریں اور ان کو غلام اور لونڈی بنا کر اپنے ملک میں لے جائیں۔ تو ان دونوں صورتوں میں غلام اور لونڈی بنانے والے خواہ مسلمان ہوں یا کافر ان غلام اور لونڈیوں کے مالک ہو جائیں گے۔ اور بیع اور رہن اور جبر کرنا ایسی لونڈی اور غلام کا اور جماع کرنا ایسی لونڈی سے بغیر نکاح کے جائز ہے
إِذَا اسْتَبْنَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَخَذُوا وَلَهُمُ الْوَبْعُ إِذَا اسْتَبْنَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَخَذُوا وَلَهُمُ الْوَبْعُ إِذَا اسْتَبْنَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَخَذُوا وَلَهُمُ الْوَبْعُ إِذَا اسْتَبْنَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَخَذُوا وَلَهُمُ الْوَبْعُ
بِأَمْرِهِمْ مَكْلُوهٌ وَنَمْلُوكَ بِالْغَلْبَةِ حَرَهُ وَمَا هُوَ مَكْلُوهٌ

شرح وقایہ۔ یعنی جب بعض کفار نے بعض کفار کو لوندی اور غلام بنا لیا اور ان کا مال لے لیا۔ یا وہ اونٹ لے لیا جو ان کی طرف بھاگ کر آیا ہو۔ یا کفار غالب ہوئے اہل اسلام کے مال پر اور وہ مال اپنے دار الحرب میں لے جا کر جمع کیا تو وہ کفار اس مال کے مالک ہو جائیں گے۔ اور جب ہم لوگوں کا غلبہ کفار اور ان کے مال پر ہو تو ہم لوگ ان کفار اور ان کے مال کے مالک ہو جائیں گے۔
یہ ترجمہ مضمون شرح وقایہ کی عبارت مذکور کا ہے۔

اذا سبى كافراً عاصراً اخربته من الحرب، واخذ ماله ملكه لاستيلائه على مال مباح، ومملكنا ما مملكنا ما نجد من ذلك الشيء لكافران غلبنا عليهم اعتباراً بسائر املاكهم۔

ترجمہ۔ یعنی جب کوئی کافر کسی دوسرے کافر کو دار الحرب میں لوندی اور غلام بنا لے اور اس کا مال لے لے تو وہ کافر اس مال کے مالک ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ اس کافر کا غلبہ مال مباح پر ہوا ہے اور پھر جو کچھ اس مال میں سے جب ہم پائیں گے تو ہم اس مال کے مالک ہو جائیں گے۔ جیسا کہ پہلے غلبہ کی صورت میں ہم کفار کے خاص مال کے مالک ہو جاتے ہیں۔
یہ مضمون ترجمہ فقار کی عبارت مذکور کا ہے۔

دوسری قسم لوندی اور غلام کی یہ ہے کہ کفار حربی اپنی اولاد یا اپنے دوسرے خویش کو فروخت کریں اور اہل اسلام ان کو خرید کر اپنے ملک میں یعنی اپنی اقامت کی جگہ میں لے آئیں۔ خواہ وہ جگہ دار الاسلام ہو یا دار الحرب ہو تو اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ کہ اس قسم کی لوندی شرعاً لوندی قرار دی جائے یا نہیں۔ تو اجماع اور اقویٰ باعتبار دلیل کے یہ ہے کہ اس قسم کی لوندی بھی شرعاً لوندی ہو جاتی ہے جس کو بیع اور ہبہ اور رہن کرنا جائز ہے اور اس کے ساتھ جماع کرنا بھی بغیر نکاح کے جائز ہے۔

پنابچہ روایات سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور بعض علماء نے یہ شرط کی ہے کہ اس قسم کی لوندی اور غلام اس صورت میں شرعی لوندی اور غلام قرار دینے جائیں گے۔ جب کہ وہ کفار حربی جو اپنی اولاد یا اپنے خویش کو فروخت کرتے ہیں۔ ان کفار میں یا ہم بھی حکم یا رواج اس طرح کی خرید و فروخت کا ہو۔ اور بعض علماء نے یہ شرط نہیں کی ہے۔ غرضیکہ اگر یہ شرط پائی گئی تو بہتر ورنہ روایت ارجح و اقویٰ کی بنا پر ایسی لوندی اور غلام شرعی لوندی اور غلام قرار دینے جائیں گے ان کفار کے حکم و رواج کا اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ کفار حربی کے بارے میں حکم ہے کہ کفار حربی دار الحرب میں بمنزلہ شکار اور جلانے کی لکڑی کے ہیں تو جو شخص جلانے کی لکڑی جو کسی کی ملک نہ ہو لے لے۔ تو وہ شخص اس لکڑی کا مالک ہو جائے گا اور ایسا ہی جو شخص شکار پکڑ لے وہ اس کا مالک ہو جائیگا۔ اسی طرح کفار حربی کو جو شخص لے لے وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کافر حربی پر غلبہ ہو جائے اور دار الکفر سے دار الاسلام میں لے آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہلاہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

فاما الملك فاما يثبت بعد الاحراز بدار الاسلام والاستيلاء اشبات اليد للحفاظه والتاقله۔ (ہا۔ ایتہ)

یعنی ملک ثابت ہوتی ہے بعد جمع کرنے کے دار الاسلام میں اور بعد غلبہ ہونے کے۔ جیسا کہ ملک ثابت ہوتی ہے۔ اس صورت میں کہ بطور جائز کوئی چیز کسی کے پاس منتقل ہو۔ ہدایہ

ولو دخل دارهم مسلم بائناً واشترى من احدهم ابنة ثم اخرجته الى دارنا قهرام ملكه واكثر المشايخ صلى الله عليه وسلم لا يملكهم في دارهم هو المصحيح وقال الكرخي ان كانوا يبيعون جواز البيع جائز والا فلا كذا في المحيط

یعنی اگر دار الحرب میں کوئی مسلمان کفار سے پناہ لے کر جائے۔ پھر وہاں کسی کافر سے اس کا لڑکا خرید کرے پھر وہ مسلمان اس لڑکے کو جبراً دار الاسلام میں لے آئے۔ تو وہ مسلمان اس لڑکے کا مالک ہو جائیگا اور اکثر مشائخ کے نزدیک ثابت ہے کہ مسلمان دار الحرب میں کفار حربی کا مالک نہ ہوگا اور یہی صحیح ہے اور کرخی رحمہ اللہ کا قول یہی ہے کہ اگر ان کفار کے نزدیک اس طرح کی بیع جائز ہوگی تو مسلمان کا خریدنا بھی کافر حربی کے لڑکے کو شرعاً جائز ہو جائے گا۔ اور اگر ان کفار حربی کے نزدیک اس طرح کی بیع جائز نہ ہوگی۔ تو مسلمان کا خریدنا بھی جائز نہ ہوگا۔ ایسا ہی محیط میں ہے

وفيه اشعار بان الكفار في دارهم احراز وليس ذلك فانهم ابرقاء فيها وان لم يكن ملك لاحد عليهم على ما في عتات المستصفي وغيره كذا في جامع الرموز

یعنی اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ کفار اپنے ملک میں یعنی دار الحرب میں آزاد ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس واسطے کہ وہ لوگ دار الحرب میں غلام کے حکم میں ہیں۔ اگرچہ وہ کسی کی ملک میں نہیں۔ یہ مسئلہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے جو مستصفی میں آزاد کرنے کے بیان میں ہے ایسا ہی جامع الرموز میں ہے۔

ولو دخل دارهم واشترى من احدهم اخته او بنته وينبغي له ذلك اذا كان هذا حكم دارهم وان ليس من حكم الدار ذلك لا ينبغي له ان يشتري كذا في الملتقط في كتاب البيوع۔

یعنی اگر داخل ہوا کوئی مسلمان دار الحرب میں اور خرید کسی کافر حربی سے اس کی بہن یا اس کی لڑکی کو اور یہ مناسب ہے اس وقت میں جب اس دار الحرب میں یہ حکم جاری ہو۔ اور اگر یہ اس دار الحرب میں جاری نہ ہو تو مسلمان کو سزاوار نہیں کہ وہاں کسی کافر حربی سے اس کی بہن یا لڑکی خرید کرے۔ ایسا ہی ملقط کی کتاب البيوع میں ہے۔

تیسری قسم لوندی اور غلام کی یہ ہے کہ اوپر کی دونوں قسم کی لوندی کی اولاد بھی اپنی کے مانند مملوک ہو جاتی ہے۔

اس واسطے کہ کتب فقہ میں لکھا ہے۔

الولد یثبغ الاثر فی الحرّیۃ والترقیۃ یعنی اولاد تابع ہوتی ہے اپنی ماں کے آزاد اور غلام ہونے میں بشرطیکہ لونڈی کی وہ اولاد اس لونڈی کے مالک سے پیدا نہ ہوئی ہو اور نہ اس مالک کے کسی قرابت مند ذی رحم سے پیدا ہوئی ہو۔ اور اگر وہ اولاد ان دونوں شخصوں میں سے کسی شخص سے پیدا ہوئی ہوگی تو وہ اولاد آزاد ہو جائے گی۔ موافق اس حدیث کے۔

مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ تَحْرِمَ عَتَقَ عَلَيْهِ یعنی جو شخص مالک ہو جائے گا ذرا رحم محرم کا لینے اپنے قرابت مند محرم کا تو ذرا رحم محرم آزاد ہو جائے گا۔ اور اس کے بارے میں یہ حکم ہوگا کہ گویا اس مالک نے خود اس کو آزاد کیا ہے۔

۴۔ چوتھی قسم لونڈی اور غلام کی یہ ہے کہ کفار ذمی یعنی جو کفار تابع مسلمان بادشاہ کے ہوں وہ اپنی اولاد یا اپنے اقارب کو فروخت کریں اور کوئی مسلمان خرید کرے تو کفار کی وہ اولاد وہ اقارب اس مسلمان کے مملوک نہ ہوں گے اور ایسا ہی اگر دوسرے ملک کے کفار حربی دارالاسلام میں آئیں۔ اور دارالاسلام میں کفار ذمی کو گرفتار کریں اور ان کو غلام بنا کر لے جائیں۔ تو وہ کفار ذمی بھی ان کفار حربی کے مملوک نہ ہوں گے۔ ان دونوں صورتوں میں کفار کی اولاد اور اقارب اور کفار ذمی کے بارے میں لونڈی اور غلام کا حکم نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ کفار ذمی یعنی جو کہ دارالاسلام میں آزاد ہیں۔ تو جب کفار ذمی آزاد قرار دیے گئے۔ تو کوئی مسلمان یا کافر اگر کسی کافر ذمی کو خریدے یا بچہ لے تو وہ مسلمان یا کافر اس کافر ذمی کا مالک نہ ہوگا۔ چنانچہ کتاب قدس سرہ میں باب استیلاء الکفار میں لکھا ہے :-

فلوسنی اهل الحزب اهل الذمة من دارنا لا یملکونہم لانہما احرار۔ یعنی اگر کفار حربی لونڈی و غلام بنائیں دارالاسلام کے کفار ذمی کو تو وہ کفار حربی ان کفار ذمی کے مالک نہ ہوں گے اس واسطے کہ کفار ذمی آزاد ہیں۔

۵۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی لونڈی ہو کہ اس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ کفار حربی کے قسم سے ہے یا کفار ذمی کی قسم سے ہے تو اگر وہ صغیرہ ہو جو کہ حد بلوغ کو نہ پہنچی ہو تو وہ لونڈی جس کے قبضہ میں ہو اسی کے قول کا اعتبار ہوگا۔ جو کہ کہے گا وہی صحیح مان لیا جائے گا اور اگر وہ کبیرہ بالغہ ہو تو اس بارے میں جو وہ کہے گی اسی کا اعتبار کیا جائے گا چنانچہ یہ حکم کتاب الشہادۃ والنظار کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے

الجارية المجهول الحال المرجع فیہا الی صاحب البیت ان کانت صغیرۃ والی اقرارها ان کانت کبیرۃ وان علم حالها فلا اشکال

یعنی وہ لونڈی جس کا حال معلوم نہ ہو تو اس کے بارے میں اس شخص کا قول معتبر ہوگا جس کے قبضہ میں وہ لونڈی ہو اور اگر وہ لونڈی صغیرہ ہو۔ اور اس لونڈی کے کہنے پر اعتبار ہوگا جب وہ کبیرہ ہو اور اگر اس کا حال کسی دوسری

وجہ سے معلوم ہو جائے۔ تو پھر کچھ اشکال نہ ہے گا۔

۶۔ چھٹی قسم یہ ہے کہ آزاد مسلمان بحالت شدت گرسنگی قحط کے وقت اپنی اولاد فروخت کریں اور کوئی دوسرا خریدے تو مسلمان کی وہ اولاد شرعاً غلام یا لونڈی نہ ہوگی۔ اگرچہ بعض کا قول یہ ہے کہ ایسی خرید و فروخت سے لونڈی کا حکم ہو جائے ہے لیکن اس قول پر فتویٰ نہیں اور نہ اس قول پر عمل ہوا ہے۔ اس واسطے کہ جمیع متون میں بلکہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل اصول ہے کہ آزاد مال نہیں اور جس شخص کے پاس اس قسم کی عورت ہو تو اس عورت کے ساتھ جماع کرنا نکاح کے بغیر جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

صورت فاسدہ بیع سلم

سوال : زید نے دو یا چار مہینہ قبل روپیہ دیا اور یہ اقرار ہوا کہ جب فضل خلیف یا فضل ربیع تیار ہوگی یا غلام فروخت کیا جائے گا تو اس وقت زیادہ سے زیادہ جو نرخ ہوگا اسی نرخ سے جو بایں جو قرار پایا ہو لیا جائے گا زید نے وقت اور وزن کی قید نہ لگائی۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہے دونوں میں قرار پایا۔ تو یہ صورت بیع سلم کی ہے یا نہیں اور بیع شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب : یہ صورت بیع سلم کی نہیں۔ بیع سلم میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سات شرطیں لازمی اور ضروری ہیں چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے :-

ولا یصح السلم عند ابی حنیفۃ الا بیع شرائط جنس معلوم ونوع معلوم وصفۃ معلومة ومقدار معلوم واجل معلوم ومعرفة مقدار کمال المکیل والموزن والمعدودات وتسمية المكان الذی یوفیہ اذا کان له حمل ومؤنة

یعنی نہیں صحیح ہے بیع سلم امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک مگر اس وقت کہ سات شرطیں پائی جائیں۔ یعنی ۱۔ جنس معلوم ہو کہ کون چیز لیجائے گی ۲۔ نوع معلوم ہو کہ کس قسم کی چیز لی جائے گی۔ ۳۔ صفت اس کی معلوم ہو کہ کس طرح کی وہ چیز لی جائے گی۔ ۴۔ اور مقدار معلوم ہو کہ کس قدر وہ چیز لی جائے گی۔ ۵۔ اور وقت معلوم ہو کہ کس تاریخ کو اور کس وقت وہ چیز لی جائے گی ۶۔ اور اس کے اندازہ کرنے کا طریقہ معلوم ہو کہ پیمانہ سے ناپ کر لی جائے گی یا وزن کر کے لی جائے گی۔ ۷۔ اور وہ جگہ معلوم ہو کہ کس جگہ وہ چیز لی جائے گی۔ جب کہ ایسی چیز ہو کہ اس کے لئے بار برداری کی ضرورت ہو۔ یہ عبارت مذکورہ ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

جب بشرط فوت ہوتی ہے تو مشروط بھی فوت ہوتا ہے۔ اس واسطے سوال میں جو صورت بیع کی مذکور ہے درست نہیں ہے۔

مسائل رہن

سوال : روپ داس گسائیں نے موازی چند بیکہ اپنی زمین باقی شاہ کے پاس رہن رکھی اور روپ داس گسائیں نے اقرار کیا کہ اس اراضی کا منافع اور اس میں جس قدر درخت ہیں۔ ان سب درختوں کا پھل جو کچھ ہو وہ سب بخوشی اور رضامندی بلا جبر و کراہ میں نے باقی شاہ مرتہن کو دے دیا ہے اور ہبہ کر دیا ہے اور یہ اقرار اس وقت تک کے لئے ہے جب تک انفکاک رہن نہ ہو۔ اب بارہ برس کے بعد روپ داس گسائیں جو راہن ہے باقی شاہ مرتہن سے طلب کرتا ہے کہ کچھ اس زمین کا منافع اور پھل کی قیمت دو۔ اب شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ صاحبان علم اس مسئلہ کا جواب دیں اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کو اس کا اجر مرحمت فرمائے۔

جواب : شرعاً یہ حکم ہے کہ وہ اراضی مرہونہ اور پھل مع منافع و درختان روپ داس گسائیں کا حق ہوتا ہے اور باقی شاہ مرتہن کا کوئی حق منافع اور پھل میں نہیں اور ہبہ منافع اور پھل کا ناجائز ہے۔ اس واسطے کہ یہ ہبہ معدوم کا ہے اور ہبہ معدوم کا ناجائز ہے۔

م و ہبۃ لبین فی مضرع و صوف علی غنم و مضرع و فخل فی ارض و تمر فی نخیل کالمشاع۔
ش، اسی لا یجوز ہذا الہبات۔ م، و نساء و الرهن کوالد و لولبتہ و صوف و تمر و ہبۃ
کذا فی شرح الوقایہ

یعنی ان چیزوں کا ہبہ ناجائز ہے۔ دودھ جب تک وہ بکری کے گھن میں ہے۔ صوف یعنی بھڑی کا بال جب تک وہ بال بھڑی کے بدن میں ہو اور زراعت اور درخت یہ دونوں چیزیں جب تک زمین میں لگی ہیں اور خرما جب تک درخت پر ہو جیسا کہ ہبہ شاع کا یعنی چیز مشترک کے حصہ کا ہبہ قبل تقسیم ناجائز ہے۔ یعنی ان سب چیزوں کا ہبہ ناجائز ہے اور شعی مرہونہ میں جو کچھ زیادتی ہو۔ مثلاً اس کا بچہ اور دودھ اور صوف یعنی بال اور اس کا پھل ہو تو یہ سب حق راہن کا ہے۔ ایسا ہی شرح وقایہ میں لکھا ہے۔

ظاہراً سمجھ کے مطابق یہ جواب درست لکھا ہے اس جواب میں لفظ ہبہ کی جانب نظر ہے۔ لیکن فقیر کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں موافق ترواج و عادت کے لفظ ہبہ سے مراد اباحت سمجھنا چاہیے۔ یعنی ایسی صورتوں میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ راہن کی اجازت ہوتی ہے کہ مرتہن شعی مرہونہ سے نفع اٹھائے۔ تو روپ داس گسائیں نے جو باقی شاہ مرتہن کو منافع اپنی زمین مرہونہ کا اور پھل درختوں کو دے دیا۔ تو اس سے مراد یہ تھی کہ روپ داس گسائیں راہن نے یہ اجازت دے دی ہے کہ باقی شاہ مرتہن زمین مرہونہ کے منافع اور درختوں کے پھل سے فائدہ اٹھائے اور اس امر کے لئے ایک دلیل یہ ہے کہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ العادۃ محکمۃ یعنی عادت حکم کر نیوالی ہے۔ ایسا ہی کتاب الاشباہ والنظائر میں موجود ہے

اور باعتبار عرف و عادت کے یہی امر مروج ہے کہ راہن کہہ دیتا ہے کہ شعی مرہونہ کا منافع مرتہن کے لئے مباح ہے۔ تو اس مسئلہ میں بھی عرف و عادت کے موافق ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بھی اصول فقہ میں ثابت ہے۔
العبرة فی العقود للمعانی لا للالفاظ۔ یعنی معاملات میں جو الفاظ مستعمل ہوں تو ان معاملات میں ان الفاظ سے جو اصل مقصود ہوا کرتا ہو۔ اسی کا اعتبار ہوگا۔ صرف الفاظ کی جانب لحاظ نہ ہوگا۔

اسی واسطے یہ کہتے ہیں کہ ہبہ بالعوض کے بارے میں فی الواقع بیع کا حکم ہے اور معاملہ کفالت میں یعنی معاملہ ضمانت میں جب اصل کو بری کر دیں تو اس کو حوالہ کہتے ہیں اور حوالہ میں جب اصل کو بری نہ کریں تو اس کو کفالت کہتے ہیں تو جب روپ داس گسائیں راہن نے یہ کہا تھا کہ ہم نے منافع اور پھل ہبہ کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ منافع اور پھل سال بسال جدید ہوا کرتا ہے۔ بالفعل موجود نہیں رہتا تاکہ اس کا ہبہ صحیح ہو۔ اور معدوم بھی نہیں تاکہ ہبہ باطل ہو جائے۔ جیسا کہ دودھ جب تک گھن میں ہو۔ اور صوف یعنی بال جب تک بھڑی کے بدن میں ہو۔ اور کچھ جب تک شکم میں ہو کہ یہ سب چیزیں معدوم معین ہے۔ اس کا ہبہ باطل ہے۔ جو مسئلہ سوال میں مذکور ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی آزاد عورت نے کسی مرد سے کہا کہ میں نے اپنا نفس تم کو ہبہ کر دیا اور بخش دیا تو اس صورت میں اس مرد کا نکاح اس عورت کے ساتھ منعقد ہو گیا۔ حالانکہ اس صورت میں ہبہ حقیقی نہیں ہوتا۔ تو جو مسئلہ سوال میں مذکور ہے وہ بھی ایسا ہی ہے۔

اب یہ امر بیان کرتا ہوں۔ جب یہ عقد عقد اباحت ہوا۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک روپ داس گسائیں نے اس اباحت کو فسخ نہ کیا اور اس سے برگشتہ نہ ہوا۔ اور وہ مطالبہ سے منافع اور پھل کے سکوت اختیار کئے رہا۔ اس وقت تک میاں باقی شاہ کے واسطے مباح اور جائز تھا کہ منافع اور پھل سے فائدہ اٹھائے۔ اور مباح چیز میں تاوان نہیں ہوتا اور روپ داس گسائیں راہن کو استحقاق تھا کہ بارہ سال کے اندر جب چاہتا اس وقت اباحت مذکورہ کو فسخ کر دیتا۔ اس واسطے کہ رعایت اور اباحت کے قائم رہنے کے لئے کوئی وقت معین نہیں۔ اس مسئلہ میں جو کچھ فقیر کے ذہن میں آیا۔ وہ یہی ہے۔ واللہ اعلم

روایت اباحت کی یہ ہے کہ کتاب و ترجمہ میں لکھا ہے :-

اباح الراهن للمرتہن اكل الشمار او سكتي الدار او لبن الشاة المرهونة فاكلها له
يضمن وله منعه انتهي :-

یعنی : مباح کر دیا راہن نے واسطے مرتہن کے یہ امر کہ مرتہن شعی مرہونہ کا پھل کھائے۔ یا جو گھر رہن ہو اس میں مرتہن ہے یا مرتہن بکری مرہونہ کا دودھ اپنے مصرفت میں لے آئے۔ پھر مرتہن نے پھل اور دودھ کھایا تو مرتہن پر یہ فائدہ ہوگا کہ پھل اور دودھ کا تاوان راہن کو دیوے اور راہن کو اختیار ہے کہ جب چاہے مرتہن کو منع کرے :- اور کتاب خزانة المفتیین میں لکھا ہے :-

ولو دهن شاة و اباح للمرتہن ان يشرب لبنها كان للمرتہن ان يشرب لبنها ولا يكون
مأمناً علی هذا جميع الشمار والزيادة انتهي :-

یعنی: اگر بکری رہن رکھی اور مرتہن کے لئے مباح کر دی کہ وہ اس بکری کا دودھ کھائے تو مرتہن کے لئے جائز ہو جائے گا کہ اس بکری کا دودھ کھائے۔ اور پھر مرتہن پر یہ عائد نہ ہوگا کہ وہ دودھ کا تاوان لین کوئے

سوال: زید نے اپنا باغ بکر کے پاس رہن رکھا اور اس باغ کا پھل ہر سال میں یا پندرہ روپیہ پر فروخت ہوتا ہے۔ بکر نے زید سے پہلے کہا کہ اس باغ کا پھل مجھ کو بخش دو، تاکہ میں روپیہ تم کو دوں، تم روپیہ ادا کر دو گے تو باغ چھوڑ دوں گا تو بے چارے زید نے اپنی غرض سے کہا کہ میں نے بخش دیا تو یہ بخشش کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یا مثلاً بکر نے کہا کہ زر رہن سے ایک روپیہ زیادہ تم کو، اور اس باغ کا پھل میرے ہاتھ فروخت کرو جب تمہارا ارادہ ہوگا۔ چاہے جو قدر زمانہ گزر جائے اصل زر رہن دینا، باغ چھوڑ دیا جائے گا۔ تو پھل کی یہ بیع درست ہے یا نہیں۔ بتینا تو چروا

جواب: ایسی صورت میں جب راہن اجازت دیدے کہ مرتہن اپنے تصرف میں پھل لے آئے۔ تو مرتہن پھل کے مواخذہ سے بری ہو جاتا ہے۔ مگر مرتہن کے حق میں مکروہ ہے کہ وہ پھل تصرف میں لائے اور اسی پر فتویٰ ہے چنانچہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے:-

اباح الراہن للمرتہن الشمار اوسكنی الدار اولین الشاة المرهونة فا کھا
لعلیضمن ولہ منع ثمة افاد فی الاشباہ انہ یکرہ للمرتہن الانتفاع بذلک فی
المضمرات لو اذن فی شریة البستان فصار اکلہ کامل الراہن ثم نکل عن
التہذیب انہ یکرہ للمرتہن ان ینتفع بالمرہن وان اذن لہ الراہن
ترجمہ: یعنی راہن نے مرتہن کے لئے پھل مباح کر دیا۔ یعنی اجازت دے دی کہ وہ پھل اپنے تصرف
میں لائے یا مثلاً اجازت دیدی کہ مرتہن مکان مرہونہ میں رہے۔ یا اجازت دی کہ بکری مرہونہ کا دودھ
راہن اپنے تصرف میں لے آئے اور اس اجازت کی وجہ سے مرتہن اس بکری کا دودھ اپنے تصرف
میں لے آیا تو مرتہن پر تاوان عائد نہ ہوگا اور راہن کو اختیار ہے کہ پھر منع کرے۔ پھر اشباہ میں لکھا
ہے کہ مرتہن کے حق میں مکروہ ہے کہ رہن سے منتفع ہو۔ اگرچہ راہن اجازت بھی دے۔
(دُرِّ مختار)

تو جب انتفاع مکروہ ہے کہ معاملہ کے قبل شرط قرار پائے کہ راہن باغ مرہونہ کا پھل مرتہن کے ہاتھ فروخت کرے گا اور بعد معاملہ کے ایسا ہی وقوع میں آئے۔ تو یہ بھی مکروہ ہوا۔ اور بصورت عدم بیع اور عدم اجازت کے اس کا پھل مرتہن کے حق میں حرام ہے۔

فی الدار لا الانتفاع بہ مطلقاً لا بالاستخدام ولا سکنی ولا لبس ولا اجارۃ سوا مکان
من راہن او مرتہن الا باذن کل الآخر۔
یعنی شے مرہونہ سے منتفع ہو نا مرتہن کے حق میں جائز نہیں۔ نہ شے مرہونہ سے کچھ کام لینا جائز

ہے۔ اور نہ اس میں رہنا جائز ہے اور نہ۔ اس کو پہننا جائز ہے اور نہ بطور اجارہ کے اس کو دنیا جائز ہے
خواہ راہن کی طرف سے ہو یا مرتہن کی طرف سے ہو۔ البتہ راہن کی اجازت سے جائز ہے۔
یعنی جب راہن خوشی سے اجازت دے اور وہ اجازت معاملہ رہن کی وجہ سے نہ ہو۔ تو جائز ہے
کہ مرتہن شے مرہونہ سے منتفع ہو۔

سوال: عمر نے اپنا موضع جو کہ اس کی زمینداری ہے۔ زید کے پاس رہن رکھا اور زید اس موضع پر قابض ہوا۔ اور زید وہاں کاشت کرتا ہے اور کاشت کی لگان تحصیل کرتا ہے اور اس کی آمدنی لیتا ہے اور وہ آمدنی زر رہن میں بھر نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ حق تحصیل کے عوض منتفع ہوتا ہوں اور اپنا زر محنتاً لیتا ہوں۔ جب عمر اصل زر رہن بکر کو دے گا تو موضع چھوڑ دیا جائے گا۔ اور جب زید سے کہا جاتا ہے کہ یہ زر منافع جو لیتے ہو سود ہے مسلمان کو لینا چاہیئے تو زید کہتا ہے کہ یہ سود میں داخل نہیں۔ میں اپنا حق المحنت لیتا ہوں۔ تو مشرعا وہ زر منافع سود میں داخل ہے یا نہیں اور اگر سود میں داخل ہے تو زید گنہگار ہوا یا نہیں۔ بتینا تو چروا

جواب: مکروہ تحریمی ہے کہ رہن سے مرتہن منتفع ہو۔

یکوی للمرتہن ان ینتفع بالمرہن وان اذن لہ الراہن فقال المصنف وعلیہ یجوز
ماعن محمد بن اسلم من انہ لا یجوز للمرتہن ذلک ولو با لاذن لانہ ربوا قلت
وتعلیلہ یفید انہا تحریمۃ (دُرِّ مختار)

یعنی مکروہ ہے مرتہن کے حق میں کہ رہن سے منتفع ہو۔ اگرچہ راہن اس کو اجازت دیدے۔ پس کہا
مصنف نے اور اسی پر مجمل ہے روایت محمد بن اسلم کی کہ یہ مرتہن کے لئے حلال نہیں اگرچہ راہن
کی اجازت بھی ہو جائے۔ اس واسطے کہ یہ سود ہے تو کہتا ہوں کہ اس کی تکلیل سے معلوم ہوتا ہے۔

کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (دُرِّ مختار)

مکروہ تحریمی کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے۔ چنانچہ درمختار میں لکھا ہے۔ ویا شہد بان نکاہ کما یا شہد بترک
العاجب یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے گنہگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ واجب کے ترک سے گنہگار ہوتا ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سوال: اراضی اپنے پاس رہن رکھنا اور اس کی آمدنی سے منتفع ہو جانا درست ہے یا نہیں۔ اور اگر
راہن اراضی کی آمدنی مرتہن کو مہر کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: رہن رکھنا اراضی ملوک کا درست ہے اور اس پر قبضہ رکھنا بھی جائز ہے اور اس کی آمدنی بھی
لینا قبضہ رکھنے میں داخل ہے۔ لیکن چاہیئے کہ اس کی آمدنی جمع کرے اور اس کو اپنے روپیہ میں یعنی اس اراضی پر جو
روپیہ قرض دیا ہے۔ اس روپیہ میں اس آمدنی کو محسوب کرے تو جب اپنا روپیہ راہن سے وصول کرے تو چاہیئے کہ اس
راضی کی جس قدر آمدنی اس کو ملی ہو۔ وہ سب اس قرض کے روپیہ میں سے منہا کرے اس کے بعد اگر مرتہن کا کچھ روپیہ

جواب : اراضی خراجیہ میں عشر واجب نہیں چنانچہ فتاویٰ مالگیری میں لکھا ہے :-

والتوسع الثاني من شرائط وجوب العشر شرط المحلقة وهو ان يكون الارض عشروية
فلا عشرو في الخاسر من ارض الحراج فكذا في بحر الرائق -

ترجمہ : نوع ثانی شرائط وجوب عشر کے لئے یہ شرط ہے کہ محل قابل وجوب عشر کے ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین عشری ہو تو خراجی زمین کی پیداوار میں عشر واجب نہیں۔ ایسا ہی بحر الرائق میں لکھا ہے (مالگیری) وہ ملکیت اور باغ جو لوگوں کو حکام کی طرف سے ملتا ہے تو اس زمین کے رقبہ کے بارے میں ان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ حکام اس زمین کی آمدنی ان لوگوں کو دیتے ہیں اور اس زمین کا رقبہ مالک کی ملکیت میں رہتا ہے زمین کے رقبہ کے بارے میں شریک و ہند میں علماء کرام میں اختلاف ہے۔ علماء و متقدمین کے نزدیک ثابت ہے کہ زمین کے رقبہ کے مالک ہند کی اراضی میں زمیندار ہیں جو کہ اپنے کو بسوہ دار کہتے ہیں۔ حضرت شیخ جلال تھانی سری قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک سال ہند کی اراضی کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ اس رسالہ میں یہ مذہب اکثر ثبوت اور دلائل سے باطل قرار دیا ہے اور یہ تحقیق کہی ہے کہ ہند کی اراضی سوا عراق کی اراضی کی طرح عام مسلمانوں کے حق میں بلا تخصیص وقف ہے۔ یعنی بیٹ المال کی ملک ہے اور زمینداروں کو سوا اس کے اور کچھ دخل نہیں کہ وہ ہتم اراضی ہیں۔

قاضی محمد قاضی علیہ الرحمۃ نے بھی اس بارے میں رسالہ لکھا ہے اور اسی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ اگر بالفرض ہند کی اراضی کے مالک زمیندار ہوں اور بادشاہ کی طرف سے خراج معاف ہو تو اس صورت میں بھی عشر واجب نہیں۔ اس واسطے کہ جو زمین خراجی ہے وہ عشری نہیں تو دوسری شق کا کیا ذکر ہے۔

مسائل ہبہ

سوال : جبہ باللفظ و ہبۃ یات حلت (ہبہ کیا میں نے، عطیہ دیا میں نے) کے درست ہونا ہے یا نہیں اور حق یہ ہے کہ بلا اس کے بھی بعض صورتیں ہبہ کی ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ برہنہ میں لکھا ہے :-

ہبہ عبارت است از تملیک میں ذکر عوض ولو مزاحاً یعنی ہبہ سے مراد ہے کہ کسی چیز کو کوئی شخص مالک بنا دیا جائے گا اور عوض کا ذکر نہ ہو اگرچہ امر بطور مزاح کے ہو۔
پھر اسی فتاویٰ میں یہ بھی ہے کہ :-

واین یعنی ہبہ بتعالیٰ روایت انتہی : یعنی ہبہ اس طرح بھی درست ہے کہ کسی شخص کو کوئی چیز اٹھا کر دے دی جائے۔

فتاویٰ برہنہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ :-

باقی رہ جائے تو صرف اسی قدر روپیہ راہن سے ہے اور یہی حکم کرایہ حویلی و مکان و آمدنی باغ کا ہے کہ ان چیزوں کو کرایہ وغیرہ پر دے اور وہ آمدنی وصول کرے اور اس کو اپنے قرض کے روپیہ میں محسوب کرے اور یہ ہبہ صحیح نہیں ہے کہ راہن اراضی وغیرہ شی دمر ہونے کی آمدنی مرتہن کو میر کرے۔ اس واسطے کہ ہبہ میں شرط ہے کہ موبوب لڑ کا قبضہ نہ ہو ہو پر ہو جائے اور یہ قبضہ اس طور سے ہو کہ واجب اپنی کوئی چیز مملوکہ اپنی ملک سے جدا کرے اور موبوب لڑ کا ایک اس چیز کو قرار دے اور موبوب لڑ کا قبضہ کر دے تو جب کہ بوقت دہن سے مرنے کی آمدنی مہنوز راہن کی ملکیت میں نہیں آئی ہے اور راہن کا خود اپنا قبضہ اس آمدنی پر نہیں ہوا ہے تو اس وقت شی دمر ہونے کی آمدنی کا میر کر صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ ہبہ ہر سال اور ہر مہینے میں ہوتا ہے اس طور پر کہ وہ آمدنی مالک زمین کی ملک میں آتی ہے۔ پھر وہ آمدنی اس مالک کی ملک سے خارج ہو کر مرتہن کی ملک میں آجاتی ہے تو اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ وہ آمدنی اس مالک کی ملک سے کیوں خارج ہو جاتی ہے اگر پہلے جو معاملہ میر کا ہوا تھا اسی اعتبار سے ہر سال اور ہر ماہ ایسا ہو کرتا ہے۔ تو یہ غلط ہے اس واسطے کہ اس وقت اس آمدنی پر نہ راہن کا خود اپنا قبضہ تھا۔ نہ اس نے اس آمدنی پر مرتہن کا قبضہ کر لیا۔ اور اگر ایسا معاملہ ہبہ کا ہر سال اور ہر ماہ کیا جائے تو یہ معاملہ متعلق رہن نامہ کے نہیں تو بہر حال شی دمر ہونے کی آمدنی ہمیشہ مالک یعنی راہن کی ملک میں داخل ہوتی ہے اور مرتہن کا قبضہ اس آمدنی پر بطور نائب کے راہن کی طرف سے رہتا ہے اور فی الواقع وہ آمدنی ملک میں راہن کے رہتی ہے۔ تو اگرچہ وہ آمدنی مرتہن کے پاس ہو۔ لیکن شرعاً وہ آمدنی راہن کے قبضہ میں تصور ہوگی۔ اس واسطے کہ مرتہن شی دمر ہونے کی آمدنی تحصیل کرنے اور جمع رکھنے کے بارے میں راہن کا صرف نائب ہے یعنی صرف بطور کارندہ و گماشتہ ہے۔

زمانہ حال میں جو رسم اور رواج ہے۔ اگر اس کے موافق یہ جیل کیا جائے کہ مرتہن وہ آمدنی راہن کو دے اور راہن اس پر قبضہ کرے کہ مرتہن کے لئے میر کر دے تو یہ بھی درحقیقت سود ہے۔ اس واسطے کہ وہ بے چارہ راہن اگر مرتہن کو آمدنی نہ دے تو مرتہن راہن سے خوش نہ ہوگا۔ اور اس معاملہ پر راضی نہ ہوگا۔ بلکہ دہن کا معاملہ منسوخ کر دے گا۔ اس زمانہ کے لوگ جو ایسا معاملہ کرتے ہیں یہ صرف جیلہ سود خوری کے لئے نکالا ہے۔ حالانکہ اس جیلہ سے کچھ فائدہ نہیں اور از روئے فقہ یہ مطلقاً ناجائز ہے اور سود میں داخل ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ جس جیلہ سے ممکن ہو۔ انسان کو دوزخ کی طرف لے جائے۔ اور یہ شیطان کا مغالطہ ہے کہ لوگ ناقص العقل اس ہبہ کو مباح جانتے ہیں اگر مباح نہ سمجھیں تو کیوں کہ شیطان کے قبضہ میں آئیں۔

حکم اراضی مدد معاش

سوال : اراضی مدد معاش کہ ہندوستان میں اس کو ملک کہتے ہیں۔ اس کی خرید و فروخت کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔

تمام میشود و یہ قبض لے بجاویت اور پس بجلت قبض نہ باشد اما تملیک رواست اگرچہ تسلیم نباشد بقول اکثر و علیہ الفتویٰ والعمل کما فی المعدن و تصریح درہمہ لازم نے تاکہ اگر مال در راہ نہند بلکہ ارفع باشد رد ابو انتہی کلامہ۔

یعنی: یہ قبضہ ہو جانے سے کامل ہو جاتا ہے۔ یعنی جب مویوب لڑکی گہبانی میں شے مویوبہ آجائے تو اس وقت یہ قبضہ کامل ہوگا۔ تو صرف مویوب کے لئے حلال کر دینے سے اس کا قبضہ ثابت نہ ہوگا البتہ کسی کو کسی چیز کا مالک بنادینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ چیز اس شخص کے حوالہ نہ کی جائے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے اور اسی فتویٰ اور عمل ہے۔ ایسا ہی معدن میں لکھا ہے۔ تصریح ہمہ میں ضرور نہیں جتنی کہ اگر مال راہ میں رکھ دیں یا کسی بلند جگہ پر رکھ دیں کہ جو چاہے لے۔ تو جائز ہے کہ جو چاہے۔ وہ مال لے لے۔

(فتاویٰ برہنہ)

جواب: ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ قبضہ اور تملیک کا معاملہ بلا لفظ قبضہ کے بھی درست ہو جاتا ہے۔ یہ جو علماء کرام نے کہا کہ یہ قبضہ کا کن ایجاب اور قبول ہے تو یہ اس بنا پر ہے کہ اکثر اور اغلب ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ بیع میں بھی ایسا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ بیع بھی اس طرح جائز ہے کہ بلا ایجاب و قبول کے بائع قیمت لے لے اور خریدار شے پر اٹھالے اور یہ فیض خیس ہر چیز کی بیع میں جائز ہے۔ واللہ اعلم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں مستیمان زید اور عمرو نے مثلاً کسی سردار کی خیر خواہی میں نہایت مشقت اور جانفشانی کی۔ اور اس وجہ سے عہد یداران سردار کی طرف سے جانفشانی اور حقوق کے صلہ میں کوئی موضع بطلان نام کے پایا اور اس انعام کی سند میں باہمی اتفاق سے صرف زید کا نام مندرج ہوا۔ اور زید نے باہمی اتفاق سے اور عمرو کے جانفشانی اور اس کے حقوق کے لحاظ سے حقوق کے لحاظ سے ایک دستاویز بنام عمرو اس مضمون کی لکھ کر دی کہ:-

"میں نے اور مستی عمرو نے مثلاً سردار کے یہاں سے محنت اور جانفشانی کر کے یہ موضع حاصل کیا ہے اور عمرو نے باہمی اتفاق اور عدم مخالفت کی وجہ سے اپنا نام سند میں داخل نہیں کرایا ہے۔ اس خیال سے کہ دوسرے بھائی اس کی ہوس کریں گے۔ لیکن ہم لوگوں میں باہم اس کی تقسیم اس طور پر ہوئی ہے کہ فلاں قطعہ زمین عمرو کا ہے۔ اور باقی موضع میرا ہے اور قطعہ مذکور کے باسے میں میرا کچھ دعویٰ نہیں جس طرح میرے بعد باقی دیہہ علاوہ اس قطعہ کے میرے وارثوں کے تصرف میں ہے گا۔ اسی طرح عمرو کے بعد قطعہ زمین مذکور بھی اس کے وارثوں کے تصرف میں ہے گا۔"

اس کے بعد مستی زید فوت ہوا اور اپنا وارث مستی خالد کو چھوڑا۔ مستی خالد نے ایک دستاویز عمرو کے نام اس

مضمون کی لکھ دی کہ:-

میرے شوہر زید نے اور مستی عمرو نے مثلاً سردار کی سرکار سے۔ فلاں دیہہ یعنی فلاں موضع محنت اور مشقت سے حاصل کیا۔ اس سے تصارف ذات و ملازم و مخارج و داخل شامل مال ہے گا۔ اگرچہ مستیمان

زید اور عمرو میں ملے پایا تھا کہ فلاں قطعہ زمین عمرو کا ہے اور باقی دیہہ میرے شوہر زید کا ہے اور ایسا ہی وہ دونوں سمجھتے تھے۔ لیکن باہمی اتفاق کے سبب سے مخالفت کا حرف درمیان میں نہ آیا انشاء اللہ

اب بھی یہ دستور اسی طرح باہمی معاملہ ہے گا۔ اور میں مستی عمرو کی صلاح کی اتباع سے باہر نہیں ہوں۔ فقط اس صورت میں کہ مستی زید نے خود اقرار کیا کہ مستی عمرو کا استحقاق دیہہ انعامی میں ہے اور دیہہ مذکور کی تقسیم کی سند لکھ کر دی اور اس کے وارث مستی خالد نے بھی اسی طرح لکھ کر دیا کہ جس طرح مستیمان زید اور عمرو دیہہ مذکور کی تقسیم آپس میں سمجھتے تھے۔ اب بھی میری طرف سے اسی طرح عمل میں آئے گا۔

تو اب اگر مستی خالد انکار کرے کہ قطعہ مذکور مستی عمرو کو نہ دیں گے اور ظاہر کرے کہ جو کچھ اس باسے میں لکھا گیا۔ اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ اس پر بھی عمل کیا جائے بلکہ معاملہ واحد ہونے کی وجہ سے لکھا گیا تھا۔ تو خالد کا انکار شرعاً قابل سماعت ہے یا نہیں اور مستی عمرو کا دعویٰ قطعہ مذکور کے باسے میں شرعاً اس وجہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں کہ مستی زید اور مستی خالد نے دستاویز مذکور لکھی تھی۔ صورت مذکورہ میں جو روایت راجح ہو اور جس پر فتویٰ ہو۔ استفتاء کے جواب میں مع نشان فتاویٰ کے تحریر فرمائیں۔ مینوا و توجروا۔

جواب: مستی زید نے جو دستاویز لکھی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستی زید نے خیال کیا کہ عمرو اس خیر خواہی اور رفاقت اور محنت اور جانفشانی میں شریک تھا کہ اس کی وجہ سے یہ انعام سردار سے ملے اور اس وجہ سے زید نے عمرو کو اپنا شریک سمجھا یا شریک قرار دیا اور ایک قطعہ زمین اس کے واسطے معین کر دیا اور باقی زمین اپنے واسطے رکھی تو یہ دستاویز اگر گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے۔ تو بموجب اس دستاویز کے شرعاً فلاں قطعہ زمین عمرو کی قرار پائی۔ یہ فقہی معتبر روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاعدی میں لکھا ہے:-

قال قوله جعلت هذا باسم ابني هبة هو الصحيح ذكره في اوائل الهبة من الواقعات انتهى۔ (فتاویٰ قاعدی) ترجمہ: یعنی اگر کوئی شخص کہے کہ یہ چیز اپنے لڑکے کے نام سے کر دی تو یہ ہبہ ہو جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ یہ واقعات اوائل ہبہ میں مذکور ہے۔ (فتاویٰ قاعدی)

مگر یہ ہبہ دو شرط سے ثابت ہو سکتا ہے:-
اول یہ کہ یہ دستاویز معتبر گواہوں کے بیان سے ثابت ہو۔ صرف خط اور مہر کا اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ جعل اور فریب ان دونوں امر میں اکثر ہوتا ہے۔ فصول عمادی میں لکھا ہے:-

ليس للمقاضي ان يقضي بالصك انما يقضي بالحجة وهي بالبينة أو الاقرار أو ما الصلح خلاصه حجة لان الخط مما يشبه ويفتعل انتهى

ترجمہ: یعنی قاضی کے لئے جائز نہیں کہ دستاویز قبالہ کے موافق حکم سے بلکہ چاہیے کہ شرعی حجت کے موافق حکم سے اور شرعی حجت گواہ یا اقرار ہے اور قبالہ حجت کے قابل نہیں۔ اس واسطے کہ ایک شخص کا خط کبھی دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے اور خط میں جعل کیا جاتا ہے۔

فتاویٰ کامل میں لکھا ہے:-

لَا يَثْبُتُ مَجْرَدُ الْخَطِّ شَيْءٌ وَلَا الْخَطُّ يَشْبُهُ الْخَطَّ (فتاویٰ کامل) ترجمہ: یعنی کوئی چیز صرف خط کی بناء پر ثابت نہیں ہو سکتی، اس واسطے کہ خط مشابہ خط کے ہوتا ہے (فتاویٰ کامل)

دوسری شرط جہہ ثابت ہونے کے لئے یہ ہے کہ مسمیٰ عمر واس قطعہ زمین پر بالاستقلال قابض اور تصرف رہا ہو اور بطور نائب اور مختار کے قابض نہ رہا ہو چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:-

وتستعمل القبض الكامل ای تستعمل الهبة بالقبض الكامل المسكن في الموهوب للموهوب له في القبض الكامل في الموهوب المنقول ما يناسبه وفي المقار ما يناسبه فقبض مفتاح الدار قبض لها والقبض الكامل فيما يحتمل القسمة بالقسمة حتى يقع القبض على الموهوب بطريق الاصلالة من غير ان يكون القبض بتسبعية قبض الكل وفيما لا يحتمل القسمة بتسبعية الكل انتهى:

ترجمہ: یعنی پورا ہوتا ہے جہہ کامل طور پر قبضہ ہونے سے، یعنی جہہ کامل ہوتا ہے اس وقت کہ موهوب کا کامل قبضہ شے موهوب پر ثابت ہو جائے۔ تو جب مال منقول جہہ کیا جائے تو اس پر کامل قبضہ ہونا اس وقت منظور ہوگا کہ اس کے مناسب اس پر کامل طور پر قبضہ ہو جائے اور اگر مکان جہہ کیا جائے تو اس کے مناسب اس پر قبضہ ہونا چاہیئے۔ تو جب مکان کی کبھی قبضہ میں آجائے گی تو اس وقت شرعاً منظور ہوگا کہ اس مکان پر قبضہ ہو گیا اور جو چیز تقسیم کے قابل ہے جب وہ چیز جہہ کی جائے تو اس پر قبضہ اس طرح ہونا چاہیئے کہ وہ تقسیم کر دیا جائے تاکہ موهوب لہ اپنے حصہ پر مستقل طور پر اصلاً قابض ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ صرف برتجیت قبضہ کل کے اپنے حصہ پر قابض ہوا اور جو چیز تقسیم کرنے کے قابل نہیں جب وہ جہہ کی جائے تو اس پر برتجیت کل کے قبضہ ہونا کافی ہے۔ (ترجمہ شرح وقایہ)

اور زید کے وارث خالد نے اپنے مورث کی دستاویز کے مطابق دستاویز لکھ کر دی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالد نے شرکت کا اقرار کیا اور شرکت کو تسلیم کیا۔ لیکن قطعہ زمین مذکورہ کی تجین میں جو سمجھنے کا لفظ لکھا ہے۔ اس سے ظاہر قبضہ کا اقرار ثابت نہیں ہوتا ہے تو خالد سے پوچھنا چاہیئے کہ اگر عمر کے قبضہ سے انکار کرے تو عمر کا قبضہ ثابت کرنا چاہیئے۔ اور اگر قبضہ ثابت نہ ہو تو تقسیم کر کے عمر کا حصہ عمر کو حصے دینا چاہیئے اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زید کا صرف ایک وارث خالد ہو اور دوسرا کوئی وارث نہ ہو۔ اور اگر دوسرا وارث بھی ہو تو اس سے بھی پوچھنا چاہیئے کہ زید کی دستاویز کو وہ صحیح تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔ اگر تسلیم کرے تو عمر کا مدعی ثابت ہوگا۔ اور اگر انکار اور تکذیب کرے تو اس اصل کے مطابق عمل کیا جائے گا کہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور جب مدعی کے پاس ثبوت نہ ہو تو منکر کو قسم دی جائے گی۔ اور اس کی قسم کی بناء پر حکم دیا جائے گا۔ ایسا ہی اگر اور بھی زید کے وارث ہوں تو سب کے بارے میں اسی طرح عمل کیا جائے گا۔ اور اگر زید کا وارث خالد اس معاملہ سے انکار کرے اور کہے کہ اس لکھنے سے یہ مقصود

یہ تھا کہ اس کے موافق عمل بھی کیا جائے بلکہ صرف اس وجہ سے لکھا گیا کہ معاملہ واحد تھا تو خالد سے پوچھنا چاہیئے کہ یہ استہزاء اور کھیل کے طور پر لکھا گیا تھا۔ تو اگر خالد کہے کہ فی الواقع اسی طور پر لکھا گیا تھا۔ تو خالد کی تصدیق نہ کرنی چاہیئے اور نہ اس کا قول قابل سماعت ہوگا چنانچہ درمختار میں کتاب الاقرار میں لکھا ہے:-

اقدام الادعی الاستهزاء له بصدد۔ یعنی اگر استہزاء کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کی تصدیق نہ کی جائے۔

اور اگر خالد کہے کہ میں نے مصلحتاً یہ جھوٹ اقرار کیا تھا۔ تو عمر کو اس پر قسم دینا چاہیئے کہ خالد نے جھوٹ اقرار نہ کیا تھا تو اگر عمر اس پر قسم کھائے تو اس کے موافق حکم دینا چاہیئے۔ اور یہ حکم امام ابو یوسف کے مذہب کے موافق ہے اکثر معتبر کتابوں میں اسی قول پر فتویٰ ہے اور امام اعظم کے نزدیک اس بارے میں یہ حکم ہے کہ خالد کی یہ بات نہ سنی جائے۔ اور باعتبار دلیل کے یہی قول ارجح ہے۔ چنانچہ شرح تنویر الابصار میں کہ شرح بھی تنویر الابصار کے مصنف لکھے ہیں:-

اقرضه ادعی المقر انه كاذب في الاقرار بحلف المقر له ان المقر لم يكن يمكن كذا في اقراره هذا عند ابی یوسف یفتی كما في كذا من الاعتبار وعند ابی حنیفة دم لا یلتفت الى قوله۔ انتهى

ترجمہ: کسی شخص نے کسی امر کا اقرار کیا۔ پھر اس نے دعویٰ کیا کہ میں نے جھوٹ اقرار کیا تھا۔ تو جس کے حق کے بارے میں اقرار کیا تھا۔ اس کو قسم دیجائے گی کہ وہ قسم کھائے کہ مقرر نے جھوٹ اقرار کیا تھا یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اس کی بات نہ سنی جائے گی۔ یہ شرح تنویر الابصار کی عبارت مذکورہ کا ترجمہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واعلم

سوال: ہندوستان کی زمین اور زمینداری کے احکام کیا ہیں اور تاہم حقیقی و حکمی واعطاء وغیرہ کی تفصیل بیان فرمائیے۔

جواب: جو کچھ دفع تعارض میں روایت تحریر فرمائی ہے سب اختلاف محل مختلف ہوا ہے بہت واقعی اور سچائے۔ بلکہ فقیر کے دل میں یہ گدڑتا ہے کہ اختلاف محل کے بعد بھی تعارض نہیں ہوا۔ اس واسطے کہ وہ اعطاء دونوں روایت میں مختلف ہے۔ روایت جواز خرید و فروخت میں مقید انعام مؤبد کے ساتھ ہے خواہ بائید حقیقتاً ہو۔ مثلاً فرمان میں جب تاہم کی تصریح ہو یا تاہم حکماً ہو۔ مثلاً جب فرمان میں تاہم کا ذکر نہ ہو۔ اور روایت منع خرید و فروخت میں اعطاء بطریق اور اروا استحقاق مقید ہے اور ظاہر ہے کہ بائید تاہم کے منافی ہے اگر انعام و نخت بیٹ المال کی زمین جو کسی طرح کی ہو بطریق انعام مؤبد کسی شخص کو بخش دے تو وہ زمین اس شخص کی ملکیت ہو جائے گی اور امام وقت وہی زمین بطریق اور اروا استحقاق کسی شخص کو بخش دے تو وہ زمین اس شخص کے پاس بطور نقت

اگر صرف اراضی بطور تملیک دی گئی ہو۔ معافی خراج کے بغیر تو اس زمین میں خراج واجب ہو جاتا ہے اور پہلوے صورت میں جس امام نے وہ زمین دی تھی۔ اس کے بعد کے امام کے لئے جائز ہے کہ اس زمین کا خراج لے۔

بہر کیف ہر حال میں یہاں کی زمین مشتبہ ہے اور یقیناً معلوم نہیں کہ کس طور پر یہاں کی زمین بادشاہان قدیم نے رعایا کو دی تھی۔ واللہ اعلم۔ بعض محققین سے معلوم ہوا کہ اکثر قسبات میں جو زمین شرفاء کے پاس ہے اس کو محدود کھیتے ہیں اور وہ زمین آباد کی ہوتی ہے۔ یعنی با اجازت امام وقت اس کو آباد کیا اور اس کے مالک ہوئے۔ اس امر کی دلیل یہ ہے کہ اس زمین میں وہاں کے زمینداروں کو کچھ دخل نہیں۔ بلکہ وہ زمین شرفاء کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہیں تو اس میں خود کاشت کریں اور اگر ان کی خواہش ہو تو اپنی طرف سے دوسرے کو کاشت کے لئے دیں تو ایسی زمین بحیثیت رقبہ البتہ قابل خرید و فروخت ہوگی اور زمین کا خراج امام وقت کی اجازت پر موقوف ہے گا۔ اور اس زمین کے تعلق سے نذر لینا اور زمین معاش کو مہر وغیرہ میں دینے سے روکنا اور ترجیح بعض وارثوں کی بعض پر دینا جو معمول شاہان تیموریہ کا ہے۔ ان امور سے ایسی زمین کی عدم ملکیت معلوم ہوتی ہے۔

مسائل مہمہ

سوال ۱: کفار نے زبردستی سے کسی ملک کو اپنے قبضہ و تصرف میں کر لیا اور مدت مدید تک وہ ملک ان کے تصرف میں رہا۔ تو ایسی صورت میں کس قدر زمانہ گزرنے کے بعد وہ کفار اس ملک کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے کیا شرائط ہیں۔ مگر اگر وہ کفار اس ملک میں سے کسی شخص کو دے دیں یا مہر کر دیں تو اس شخص کے حق میں حلال ہو جائے اور اگر اسی صورت سے اہل اسلام متصرف و قابض ہو جائیں اور وہ کسی دوسرے کو دے دیں۔ تو وہ لینا جائز ہوگا یا نہیں۔ (از سوالات امام شاہ خان)

سوال ۲: اگر کفار اشیا منقولہ پر قابض اور متصرف ہو جائیں اور کسی کو دے دیں۔ تو وہ لینا جائز ہے یا نہیں (از سوالات امام شاہ خان)

جواب: اگر کفار اشیا منقولہ پر قابض اور متصرف ہو جائیں تو جب اپنے ملک میں لے آئیں تو وہ مالک ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب کفار کسی ملک پر قابض اور متصرف ہو جائیں۔ تو اس بارے میں کہ وہ ملک کب دار الحرب ہو جائے علماء میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دار الاسلام کبھی دار الحرب نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر دار الحرب کے ساتھ مل جائے۔ تو اس صورت میں دار الحرب ہو جاتا ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جب تک دار الاسلام میں ایک شاعر بھی شعائر اسلام سے علانیہ طور پر ظاہر ہے۔ وہ دار الاسلام دار الحرب نہیں ہوتا۔ البتہ جب سب شعائر اسلام موقوف ہو جائیں تو وہ دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہے۔ اور بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ اگر شعائر اسلام سے ایک شاعر کو بھی کفار موقوف کر دیں۔ تو وہ دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہے۔ اور اصح اور ارجح یہ قول ہے کہ جب تک اہل اسلام

ہے گی۔ ان دونوں صورتوں میں تعارض نہیں۔ اس واسطے کہ وجہ اعطاء دونوں صورتوں میں مختلف ہے اگرچہ محل ایک ہی ہو۔ اس تقریر کی بناء پر اعتبار احتمالات عقلیہ کی چار صورتیں تصور ہوتی ہیں۔

- ۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ امام بیعت المال کی زمین کسی کو بطریق نابیدے دے دے۔ خواہ تابید حقیقتاً ہو یا حکماً ہو اور
- ۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام وہ زمین بطریق اورادو استحقاق دے دے۔
- ۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ امام کوئی زمین کا فرضی یا مسلمان کو بطریق تابید دے
- ۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ امام وہ زمین بطریق اورادو استحقاق دے دے

لیکن تیسری صورت محض احتمال عقلی ہے اور وہ خلاف ہے۔ صرف تین صورتیں باقی رہیں بن جملہ ان کے ایک صورت میں رقبہ زمین اس شخص کی ملک ہو جاتا ہے اور باقی دو صورتوں میں اس شخص کو صرف حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس زمین کا خراج یا عشر لیا کرے۔ لیکن یہ مشکل ہے کہ اس ملک میں جو رواج ہے وہ ان قواعد کے مطابق نہیں اس واسطے کہ زمیندار ہر جگہ اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس ملک میں کوئی ایسی زمین نہیں جو بیعت المال کی ملکیت ہو۔ ایسا ہی اس ملک میں کوئی ایسی زمین بھی نہیں جس کو موات یعنی شرفاء غیر آباد کہیں اور نہ کوئی ایسی زمین ہے جو لاوارث ہونے کی وجہ سے بیعت المال میں داخل ہوئی ہو نہ کوئی ایسی زمین ہے جو مال خراج سے خریدی گئی ہو۔ اگر ان تمام کی زمین ہو تو اس کی اقیان نہیں ہیں یہ حکم کسی جگہ معین میں جاری نہیں ہو سکتا۔ مگر اس بناء پر کہ جس کو حضرت شیخ جلال تھانی سیری قدس اللہ سرہ نے اپنے رسالہ میں اختیار فرمایا ہے کہ سواد عراق کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا تھا۔ اس کی زمین بیعت مال کی ملکیت تھی۔ ویسا ہی زمین ہندوستان کی ابتدائی فتح میں بیعت المال کی ملکیت تھی۔ اور زمینداروں کو صرف یہی حق حاصل ہے کہ زمین کو بغرض تولیت و حفاظت اپنے پاس رکھیں۔ اس سے زیادہ زمینداروں کو زمین میں دخل نہیں اور یہی امر لفظ زمیندار سے بھی سمجھا جاتا ہے اور یہی امر صراحتاً ان امور سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ تفسیر و تبدل زمینداروں کا اور موقوف اور مقرر کرنا زمینداروں کو اور پھر ان زمینداروں میں سے بعض کو خراج کر دینا اور بعض کو مقرر کر رکھنا اور بعض اراضی افغاناں و بلوچان اور سادات و قدوائیاں کو بصیغہ زمینداری دے دینا۔ تو اس صورت میں کل اراضی ہندوستان کی ملکیت بیعت المال کی ہوئی۔ اور زمینداروں کو کاشت کرنے کے لئے دی گئی اس طور پر کہ پیداوار کا نصف یا اس سے کم وہ دیا کریں اور باقی پیداوار خود لیا کریں۔ تو جس قطعہ زمین کو بادشاہ وقت نے بطریق تابید حقیقی یا حکمی کسی شخص کو بخش دیا تو وہ زمین اس شخص کی ملکیت ہو گئی اور جس قطعہ زمین کو بادشاہ وقت نے بطریق اورادو استحقاق کسی شخص کو دیا تو وہ زمین اس شخص کے پاس مانتا کے طور پر ہوئی۔

البتہ شاہان قدیم کے فرمان کو دیکھنا چاہیے تاکہ تمیز ہو جائے کہ وہ کون زمین ہے جس کو شاہان قدیم نے بطریق تابید کے دیا تھا۔ اور وہ کون زمین ہے جس کو بادشاہان قدیم نے بطریق اورادو استحقاق دیا تھا۔ پس اگر وہ زمین بطوری معافی خراج دی گئی ہو تو اس زمین میں خراج بھی واجب نہیں۔ اس واسطے کہ اس صورت میں اراضی بطور تملیک دی گئی اور گویا اس کا خراج بھی اس شخص کو دے دیا گیا جس کو وہ زمین دی گئی۔

کے نہ معلوم ہونے سے نزاع کی صورت ہوگی۔

مسائل شفعہ

سوال : ایک حویلی فروخت کی جاتی ہے۔ اس میں چند مکانات ہیں۔ اس حویلی میں چند لوگوں کا حق شفعہ ہے۔ منجملہ ان لوگوں کے ایک شفیع اپنا حق شفعہ چاہتا ہے اور باقی سب لوگوں نے اجازت سے دی ہے کہ وہ فروخت کی جائے اور جو شفیع اپنے حق شفعہ کا خواستگار ہے اس کو منظور نہیں کر کے حویلی خریدے بلکہ اس کا غرض کہ صرف وہی مکان خرید کرے جو اس کی زمین کے متصل ہے اور خریدار اس معاملہ پر راضی نہیں کہ حویلی متفرق فروخت ہو۔ بلکہ خریدار شفیع سے کہتا ہے کہ تم کل حویلی خرید کر لو ورنہ شفعہ سے دست بردار ہو جاؤ، تو کیا شفیع اس امر کا مستحق ہے کہ وہ کل حویلی خرید کرے بلکہ صرف وہی مکان خریدے جو اس کی زمین کے متصل ہے۔

جواب : اس مسئلہ میں اختلاف ہے "مختار الجوابات" میں لکھا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ جب ملکہ زمین فروخت کی جائے تو شفیع کا حق ہے کہ جس قطعہ زمین میں اس کا حق شفعہ ہوتا ہو وہی خرید کرے اور خریدے۔

فی مختار الجوابات رجل ثباع ارضین وارض کل من الشفیعین ملائق باحد الارضین کان للشفیع ان یاخذ الارض من التي تلائق ارضه دون الاخری اذا کان الاخری یطلب شفعة ما کانت تلزق - ارضه وان کان لا یطلب یقال لهذا الطالب اما ان تاخذ الكل او تدع الكل اذ المیر من المشتري بتفريق الصفقة هذا قول ابی حنیفة ثم الاول اما علی قوله الآخر وهو قولهما ان یاخذ ما کان شفعتہ وبه یفتی :

ترجمہ : مختار الجوابات میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے دو قطعہ زمین فروخت کی اور اس معاملہ میں دو شخص کا حق شفعہ ہوتا ہے۔ ایک شفیع کی زمین کسی ایک قطعہ زمین کے ساتھ متصل ہے اور دوسرے شفیع کی زمین دوسرے قطعہ سے مل جاتی ہے تو ہر شفیع مستحق ہے کہ اس کی زمین سے جو متصل ہے وہی خرید کرے اور دوسرے قطعہ خرید نہ کرے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ دوسرا شفیع بھی چاہتا ہو کہ دوسرا قطعہ زمین خرید کرے جو اس کی زمین سے متصل ہے اور اس میں اس کا حق شفعہ ہوتا ہے۔ لیکن جب دوسرا شفیع اپنے حق شفعہ کا خواستگار نہ ہو تو جو شفیع اپنے حق شفعہ کا خواستگار ہوگا اس سے کہا جائے گا کہ تم سب زمین خرید کر دو، ورنہ سب زمین چھوڑ دو، یہ حکم اس حالت میں ہوگا کہ خریدار اس امر پر

اور کفار سے لڑائی قائم ہے اور اہل اسلام اپنے ملک پر قبضہ و تصرف کر لینے سے عاجز ہو کر فرمانبردار نہ ہو جائیں۔ اور کفار کا اس قدر غلبہ نہ ہو جائے کہ شعائر اسلام سے جو چاہیں موقوف کر دیں اور مسلمان بلا ان کی پناہ کے خود اپنے ملک پر مقیم رہیں۔ اور اہل اسلام اپنی ملکیت پر خود تصرف نہیں۔ کفار کی اجازت کی ضرورت نہ ہو۔ اس وقت وہ ملک دارالاسلام بہت ہے۔ اور دارالحرب نہیں اور کفار کے تصرفات غرضی قابلِ سحاظ نہیں۔ اسلام کا تسلط ہو جانے کے بعد ان تصرفات کا اعتبار نہیں جب اہل اسلام کی شکست ہو جائے اور فرمانبردار ہو جائیں۔ اگرچہ اس فکر میں ہوں۔ کہ سامان جنگ مہیا کریں لیکن مقابلہ سے عاجز ہو گئے ہوں اور کفار کی اجازت سے وہاں سکونت پذیر ہوں اور کفار کی اجازت سے اپنی ملکیت میں تصرف کرتے ہوں۔ اور شعائر اسلام صرف اس وجہ سے جاری ہوں کہ کفار کو تعصب نہ ہو اور اس وجہ سے وہ منع نہ کرتے ہوں۔ اہل اسلام کی قوت سے شعائر اسلام جاری نہ ہوں تو وہ ملک دارالحرب ہو جاتا ہے اور وہاں کفار کا تصرف جائز ہو جاتا ہے اور ان کا جبر کرنا صحیح ہوتا ہے اور جب اہل اسلام کا غلبہ اور تسلط کفار کے ملک پر ہو جائے تو وہاں اہل اسلام کا تصرف جائز ہو جاتا ہے۔ مگر صرف ان امور میں تصرف جائز ہوتا ہے جو شرع کے موافق ہوں گے اور یہ جائز نہیں ہوتا کہ اہل اسلام کا مال غصب کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

مسائل اجارہ

سوال : کسی نے انبہ اور میوہ وغیرہ کے درخت کا پھل کسی کو اجارہ پر دیا اور اجارہ کے وقت درختوں پر پھل نہ تھا یا پھل تھا مگر ٹپختہ نہ تھا۔ یا پختہ بھی ہو گیا تھا۔ مگر اس کی مقدار مچھول (نامعلوم) تھی۔ اس لئے کہ ابھی تو پھل درخت پر تھا۔ اور اجارہ کی مدت اس وقت تک قرار پائی کہ درخت پر پھل ہے اور اس کے عوض کچھ روپیہ مقرر کیا تھا۔ یا یہ صورت ہو کہ ان درختوں کا پھل تین یا چار سال کے لئے کسی کو اجارہ پر دیا اور اس کے عوض چھ روپیہ سالانہ مقرر کیا اور سال بسال روپیہ سالانہ تاجر سے لیا۔ خواہ درختوں میں پھل لگے یا نہ لگے تو ان دونوں میں اجارہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اسی طرح جب میوہ وغیرہ کا خوشہ نکلتا ہے تو اس کا پھل اجارہ پر دیتے ہیں اور اس سے مقرر کر لیتے ہیں کہ اس قدر پھل اور میوہ کا پھول ہم لیں گے۔ اور فصل کے بعد خواہ اس کو منافع ہو یا خسارہ ہو اپنا مقدار معینہ اس سے لے لیتے ہیں تو اس صورت میں کیا مکمل ہے؟

جواب : دونوں طرح کا اجارہ شرعاً جائز نہیں۔ اس واسطے کہ دونوں صورت میں نفع معلوم نہیں۔ درخت میں لکھا ہے :-

وشرطها کون الاجرة والمنفعة معلومین لا ان جھالتھما تفصی الی المنازعة ترجمہ : یعنی اجارہ کے جواز کے لئے شرط ہے کہ اجرت اور نفع دونوں معلوم ہوں۔ کیونکہ ان دونوں

راضی نہ ہو کہ شفیع ایک قطعہ زمین خرید کرے اور وہ خریدار صرف دوسرا قطعہ زمین خرید سے یہ
اہم ابو حنیفہ رحمہ کا قول اول ہے لیکن آخر قول یہ ہے اور صاحبین رحمہ کا بھی یہی قول ہے کہ شفیع کو اختیار
ہے کہ وہ صرف وہی قطعہ زمین خرید کرے جس میں اس کا حق شفعہ ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مسائل رشوت

سوال : کسی شخص نے رشوت وغیرہ ناجائز امور سے کوئی مکان بنایا یا کوئی موضع خریدا اور ایک مدت تک
اس مکان اور موضع پر وہ قابض رہا۔ وہ شخص چاہتا ہے کہ اس مکان اور موضع کو فروخت کرے۔ تو اس مکان اور
موضع کی قیمت اس شخص پر حلال ہے یا نہیں؟

جواب : رشوت کا مال بلاشبہ حرام اور خبیث ہے۔ لیکن جب اس شخص نے اس مال کو بدل ڈالا اور
اس مال سے مکان بنایا۔ تو اس مکان کا وہ مالک ہو گیا۔ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اس مکان کو فروخت کرے لیکن
اس مال میں خبیث ہے۔ اس واسطے کہ وہ مال کسب حرام سے حاصل ہوا۔

حاصل کلام جو چیز خرید کی جائے وہ اس شرط سے خریدار کی ملکیت میں آئے گی کہ وہ چیز بیچنے والے کی ملکیت
میں رہی ہو اور یہ امر یہاں ثابت ہے اور مال کا حلال اور حرام ہونا کسب کے حلال اور حرام ہونے پر موقوف ہے۔
جب کسب حرام ہوا تو مال بھی حرام ہوا۔ اگرچہ اس شخص کی ملکیت میں تغیر واقع ہوا۔ رشوت کا یہ مال بھی اس مال کے
مانند ہے جو زنا کے عوض ملا ہو، یا کاہن یعنی نجومی اور برہمن کو بطور نذرانے دیا گیا ہو، اس عرض سے کہ وہ غیب کی بات
بتا دے، البتہ اگر وہ شخص وہ مال قرض خواہ کو دے تو وہ قرض خواہ کے حق میں وہ مال حلال ہو جائے گا۔ ایسا ہی اگر کسی
دوسرے معاملہ میں کچھ کسی کو دینا ضروری ہو۔ اور وہ مال دیا جائے، تو وہ مال لینے والے کے حق میں حلال ہو جاتا ہے اور
کسب حرام کرنے والے کے حق میں اس مال کا خبیث باقی رہتا ہے۔ لیکن احیاء العلوم کی روایت کے موافق یہ حکم ہے کہ اگر
وہ شخص اس فعل بد سے توبہ کرے تو وہ مال اس شخص کے حق میں بھی حلال ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس شخص نے اس مال کو کسی
مالک کی رضامندی سے لیا ہے۔ اور کسی کی حق تلفی نہ کی ہو۔ ورنہ جو چیز غضب سے ملی ہو اس کے حلال ہونے کے لئے یہ
شرط ہے کہ اس چیز سے مالک اس پر راضی ہو جائے۔ کہ جس نے غضب کیا۔ وہ اس مال کو بطور ملکیت اپنے معرفت
میں لے آئے۔

سوال : اگر کوئی شخص شرعی طور پر قرض لے اور اس سے مسجد بنائے۔ پھر رشوت وغیرہ ناجائز ذریعہ سے
مال حاصل کرے اور اس مال سے اس قرض کو ادا کرے تو ایسی مسجد ناجائز شرعاً درست ہے یا نہیں۔
جواب : ایسی مسجد ناجائز شرعاً درست ہے شرعاً اس کے بارے میں مسجد کا حکم ہوگا۔ ایسی مسجد بنانے میں ثواب

نہ ملے گا۔ اس واسطے کہ قرض کے مال سے وہ شخص اس مسجد کو بنائے گا۔ اگرچہ اس قرض کو خبیث مال سے ادا کرے
لیکن جب وہ شخص قرض ادا کرے گا اس وقت اس مال کے خبیث کا اثر اس سے پہلے مال میں نہ ہوگا۔ جو قرض لیا گیا تھا اللہ
اعلم وعلیہ السلام

مسائل سود

سوال : دارالحرب کے کفار کو سود دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب : کتب فقہ کی عبارت عام ہے۔ سود دینے والے اور لینے والے دونوں شامل ہیں مثلاً
لا رہبوا بین المسلم والحدیبی فی داس الحرب۔ ترجمہ: یعنی دارالحرب میں مسلمان اور حربی
کافر کے درمیان سود کا معاملہ ناجائز نہیں؟

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے اپنے رسالہ میں سود دینے کی توجیہ لکھی ہے۔ وہ اس وقت فقیر کو یاد نہیں۔
لیکن ظاہر ہے کہ کافر حربی سے سود لینا حلال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر حربی کا مال مباح ہے۔ بشرطیکہ کافر حربی کا مال
نے میں عہد شکنی ہونے کا احتمال نہ ہو۔ یعنی ایسا معاملہ نہ ہو کہ اس کافر حربی کے ساتھ اہل اسلام نے عہد کر لیا ہو کہ اس کا مال غیر
جائز طور پر نہ لیں گے۔ اس واسطے کہ ایسی حالت میں اگر ناجائز طور پر اس کافر حربی کا مال لیا جائے گا۔ تو عہد شکنی ہوگی۔ تو جب کہ
الغرضی خود بخود اپنا مال سود میں دے تو وہ مال بلاشبہ حلال ہے اور کفار حربی کو سود دینا بھی جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مال
اہل مسلمانوں کو کھانا حرام ہے اور جو چیزیں ہمارے یہاں حرام ہیں ان کو کفار حربی خود کھاتے ہیں۔

تو اگر ان کو کچھ بطور سود کے دیا جائے تو صرف یہی لازم آئے گا کہ جو چیز ہمارے یہاں حرام ہے کفار حربی اس معاملہ
میں ذریعہ کھائیں گے۔ اور جو کفار ذمی ہیں یعنی اہل اسلام سے پناہ لے کر دارالاسلام میں ہیں۔ تو اگرچہ جو چیز ہمارے یہاں حرام
ہے، وہ جو کفار ذمی کھاتے ہیں، مگر کفار ذمی کو دارالاسلام میں سود دینا حرام ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو شخص ایسا کرتا ہے
سود کے معاملہ کو دارالاسلام میں رواج دیتا ہے۔

اور دارالحرب میں کافر کو سود دینے سے یہ نقص لازم نہیں آتا۔ اس واسطے کہ دارالحرب میں کافر کو سود دینا مباح
ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ سود دینا بالیقین حرام ہے اس واسطے کہ سود دینے میں کسی دوسرے کا مال نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اپنا
مال دینا ہوتا ہے۔ اور اگرچہ اپنا نقصان ہو۔ تب بھی اپنا مال دینا مباح ہے۔ علی الخصوص جب غرض ہو کہ مال دینے سے حاجت
دانی ہو یا کسی کے ظلم سے محفوظ رہیں۔ تو اس غرض سے اپنا مال دینے میں کچھ حرج نہیں۔ صرف دوا سے سود دینا حرام ہوا ہے
اول امر یہ ہے کہ سود دینے والا غیر کو حرام کھلاتا ہے۔ یعنی جب وہ سود دیتا ہے تو اس فعل حرام کا باعث ہوتا ہے
کہ دوسرا شخص اس کے ذریعے سے سود کھاتا ہے۔ جو مال حرام ہے اور یہی قیاحت اس صورت میں بھی لازم آتی ہے
کہ قاضی یا کسی دوسرے حاکم کو رشوت دی جائے۔

۲۔ دوسرا امر یہ ہے کہ سود لینے والا اس امر کے لئے باعث ہوتا ہے کہ دارالاسلام میں سود رواج پائے اور علماء نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ بحالت اضطرار دارالاسلام میں بھی سود دیا جائے۔ غرضیکہ سود لینے اور دینے میں بہت فرق ہے اگرچہ اصل گناہ دونوں امر میں ہے۔

سوال : تمام ملک نصاریٰ کا بالاتفاق دارالحرب ہے یا نہیں اور اگر نصاریٰ کی تمام ملک دارالحرب ہے تو جائز ہے یا نہیں کہ اہل اسلام ان نصاریٰ سے سود لیں۔ دیگر جس جگہ کفار کی عملداری ہے وہاں جب جمعہ پڑھ لیا جائے تو اس دن کے ظہر کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں۔ دیگر اہل اسلام ضرورت کی وجہ سے کفار کو روپیہ دیتے ہیں اور ان سے سود لیتے ہیں یا کفار سے قرض لیتے ہیں اور ان کو سود دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب : دارالحرب ہونے کی شرطیں روایات فقہیہ میں مذکور ہیں۔ ان روایتوں کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ شرطیں اس جواب میں لکھی جا رہی ہیں۔ خیال کرنا چاہیے کہ وہ شرطیں اگر نصاریٰ کے ملک میں پائی جاتی ہیں تو وہ ملک دارالحرب ہے اور جب کوئی چیز پائی جاتی ہے تو اس کے لوازم بھی پائے جاتے ہیں۔ تو جب نصاریٰ کا ملک دارالحرب ہو تو اس ملک میں کفار سے سود لینا اور کفار کو سود دینا بھی جائز ہوا۔ اس واسطے کہ ہمارے یہ مذکور ہے :-

ولا ریبوا بین المسلم والحربی دارالحرب۔ ترجمہ : یعنی مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ روایات میں جو حکم مطلق ہوتا ہے وہ عام ہوتا ہے تو دونوں صورت یعنی سود لینا اور سود دینا حرمت کی نفی میں داخل ہوا۔ لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ کافر حربی کو سود دینے میں احتیاط کرے، بے ضرورت کافر حربی کو بھی سود نہ دے اور دارالحرب میں جمعہ قائم کرنے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر دارالحرب میں کسی جگہ مسلمان حاکم کفار کی طرف سے مقرر ہو تو درست ہے اس حاکم کی اجازت سے جمعہ قائم کیا جائے۔ اور اگر مسلمان حاکم نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ جو شخص امانت دار اور دیانت دار ہو اس کو رئیس مقرر کر لیں تاکہ اس رئیس کی اجازت سے اس کے سامنے نماز جمعہ وعیدین قائم کی جائے اور جس نابالغ کا ولی نہ ہو اس کا نکاح کیا جائے۔ اور لاوارث مال اور یتیموں کی حفاظت کی جائے اور جب کسی میت کے ترکہ کی تقسیم میں نزاع ہو تو ترکہ اس میت کے وارثوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ مگر اس رئیس کو امور ملک میں تصرف اور دخل نہ ہوگا۔ اور اگر دارالحرب میں کسی جگہ کفار کی طرف سے مسلمان حاکم مقرر نہ ہو اور نہ مسلمانوں نے کسی شخص ایماندار کو وہاں کا رئیس قرار دیا ہو۔ تو وہاں چاہیے کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد چار رکعت فرض امنیت سے پڑھے کہ وہ آخر ظہر پڑھتا ہوں جبکہ وقت میں نے پایا مگر اس کو میں نے نہ پڑھا مگر جمعہ کے وقت کافرن یقیناً ادا ہو جائے

فی الہدایۃ لا یریبوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب خلافاً لابن یوسف والشافعی لہما ان

الاعتبار بالسلم منہم فی دارنا قولہ علیہ السلام لا یریبوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب ولا ان مالہم مباح فی دارہم فی ہای طریق اخذتہ المسلم اخذتہ مالا مباحاً اذا لم

یکن فیہ بخلاف المستامن منہم لان مالہ صار محظوظاً بمقد الامان انتہی۔

ترجمہ : یعنی ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں۔ اس مسئلہ میں خلافت ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما ان دونوں صاحبوں کی دلیل یہ ہے کہ جو کافر دارالاسلام میں مسلمانوں سے امن لے کر رہتا ہو تو وہاں اس کافر اور مسلمان کے درمیان سود کا معاملہ ناجائز ہوگا۔ وہی حکم کافر حربی کے بارے میں دارالحرب میں ہوگا۔ یعنی دارالحرب میں کافر حربی اور مسلمانوں کے درمیان سود کا معاملہ ناجائز ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ حدیث شریفہ ہے کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں اور یہی دلیل ہے کہ دارالحرب میں کافر حربی کا مال مباح ہوتا ہے۔ تو جس طور سے وہ مال مسلمان لے گا یہی حکم ہوگا کہ اس مسلمان نے مال مباح لیا ہے بشرطیکہ وہ مال لینے میں عہد شکنی نہ ہو بخلاف اس کافر کے جو مسلمانوں سے پناہ لے کر دارالاسلام میں ہو۔ اس واسطے کہ اس کافر کو پناہ دے دی جاتی ہے اس وجہ سے اس کا مال لے لینا منع ہو جاتا ہے۔

وفی عالمگیریۃ من باب استیلاء الکفار علی دار الحرب تصیر دار الاسلام بشرط واحد وهو اظہار حکم الاسلام فیہا قال محمد فی الزیادات امناء تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفۃ رحمہ بشروط ثلاث احداھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہا وان لا یحکم فیہا بحکم اسلام والثانی ان یکون متصلۃ بدار الحرب ولا یتخلل بینہما بلدۃ من بلاد الاسلام والثالث ان لا یتقی فیہا مؤمن ولا دخی امنابا لایمان الاول الذی کان ثابتاً قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامہ والذی بمقد الزمۃ وصور تہ مسئلۃ علی ثلاثۃ اوجہ اما ان یغلب اهل الحرب علی دارہن دارنا اور اذ اوتہ اهل مصر وغلبوا واجروا احکام الکفار ونقض اهل الذمۃ العهد وتغلبوا علی دارہم ففی کل من ہذا العتور لا تصیر دار الحرب الا بثلاث شوائط وقال ابو یوسف رحمہ ومحمد رحمہ بشرط واحد لا غیر وهو اظہار احکام الکفر وهو القیاس انتہی ایضاً فی عالمگیریۃ من باب الجمعة بلاد علیہا ولاۃ کفار يجوز للمسلمین اقامۃ الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بموافقی المسلمین ویجب علیہم ان یلتزموا واینا مسلماً کذا فی معراج الذرایۃ انتہی۔

ترجمہ : فتاویٰ عالمگیری میں باب استیلاء الکفار میں لکھا ہے کہ دارالحرب صرف ایک شرط پائے جانے سے دارالاسلام ہو جاتا ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ اس دارالحرب میں اسلام کا حکم ظاہر کر دیا جائے۔ امام محمد نے زیادات میں لکھا ہے کہ دارالاسلام امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اس وقت دارالحرب ہو جاتا ہے جب اس دارالاسلام میں یہ تین شرطیں پائی جائیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس دارالاسلام میں کفار کے احکام جاری و شائع ہو جائیں۔ وہاں اسلام کا حکم باقی نہ ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دارالحرب کے ساتھ وہ دارالاسلام متصل ہو جائے ان دونوں مقامات کے درمیان میں اسلام کا کوئی شہر نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس دارالاسلام میں کوئی مسلمان امن کے ساتھ باقی نہ رہے۔ اس امن کے ذریعے سے جو سابق میں اس کو اسلام کے سبب سے حاصل تھا اور نہ وہاں کوئی کافر ذمی امن کے ساتھ باقی رہ جائے اس امن کے ذریعے سے جو سابق میں اس کو حاصل تھا۔

اور صورت اس مسئلہ کی تین طور پر ہے ایک یہ کہ کفار حربی کا غلبہ کسی دارالاسلام میں ہو جائے یا کسی شہر کے لوگ شہر تہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ من ذلک، اور ان لوگوں کا غلبہ ہو جائے اور وہ لوگ احکام کفر کو جاری کر دیں دوسرے یہ کہ کسی جگہ کے کفار ذمی عہد شکنی کریں اور وہاں ان کا غلبہ ہو جائے تو دارالاسلام ان صورتوں میں دارالحرب نہ ہوگا۔ البتہ دارالاسلام اس حالت میں دارالحرب ہو جائے گا کہ وہاں تین شرطیں پائی جائیں، جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اور امام محمد رحمہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی مقام میں کفر کے احکام شائع ہو جائیں تو وہ مقام صرف اسی ایک شرط کے پائے جانے سے دارالحرب ہو جائے گا دوسری شرط کی ضرورت نہیں اور یہی حکم قیاس کے موافق ہے اور یہ بھی فتاویٰ عالمگیری میں باب المجموعی مذکور ہے کہ جن شہروں میں دایان ملک کفار ہیں وہاں اہل اسلام کے لئے جائز ہے کہ جمعہ قائم کریں اور وہاں کے اہل اسلام جس شخص کے قاضی ہونے پر راضی ہوں گے وہی شخص شرعاً قاضی ہو جائے گا مگر اہل اسلام پر واجب ہو کہ کوئی مسلمان دالنی ملک تلاش کریں۔ ایسا ہی معراج الدرایہ میں ہے "یا مضمون فتاویٰ عالمگیری کی عبارت مذکور کا ہے۔

سوال : ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک جائز ہے کہ دارالحرب میں کافر سے سود لیا جائے لیکن حاجین رحمہ اور امام شافعی رحمہ کے نزدیک یہ سود بھی ناجائز ہے۔ سود منع ہونے کے باوجود میں شارح کی جانب سے کتاب وسنت میں جس قدر تشدد وارد ہے۔ اس کے اعتبار سے یہ مسئلہ امام اعظم رحمہ کا شرع کے لحاظ سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ انگریز اور ان کے مانند دوسرے لوگوں کی عملداری جو اہل اسلام سے نہیں دارالحرب ہے یا نہیں۔ جواب ارشاد فرمائیں۔

جواب : یہ جو قول ہے :

ولا یسبلو بین المسلم والحبی۔ ترجمہ : اور نہیں سود ہے درمیان مسلمان اور کافر حربی کے ؟
تو یہ قول ظاہر پر محمول ہے اور اصول فقہ کے موافق ہے اور اسی طرح کے بہت سے مسائل میں مثلاً بین المالك والمملوك۔ یعنی نہیں ہے سود درمیان مالک اور مملوک کے ؟

اور بھی اس کے مانند قول ہے اور اصل یہ ہے کہ جس جگہ مال بلا شرط معاوضہ مفت لینا جائز ہے۔ وہاں سود حرام

اگر کوئی مسلمان کافر حربی سے پناہ لے کر دارالحرب میں رہے تو وہاں اس مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کفار حربی کا مال جبراً لے لے۔ اگر کفار خوشی سے دے دیں تو بہر حال ان کا مال لے لینا جائز ہے۔ حتیٰ کہ اگر کفار حربی کسی عقد فاسد کے ذریعہ سے بھی اپنا مال اس مسلمان کو دیں۔ تب بھی مسلمان کو جائز ہے کہ وہ مال لے لے اور دارالحرب میں اس عقد فاسد کی شرط فاسد درست ہو جاتی ہے۔ اس واسطے کہ کفار حربی کا مال دارالحرب میں مسلمان کے لئے اصل میں مباح ہے لیکن جو مسلمان کہ دارالحرب میں کفار حربی سے پناہ لے کر رہتا ہے اس کے لئے حرام ہے کہ وہاں کفار حربی کا مال جبراً ان سے لے لے۔ اور یہ حرمت صرف اس وجہ سے ہے کہ وہاں کفار حربی کا مال جبراً لینے سے عہد شکنی ہوتی ہے اور جب وہ خوشی سے اپنا مال دیں تو اس مال کے بارے میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں۔ اور یہ جو سوال میں ہے کہ عملداری انگریز کی اور ان کے مانند اور لوگوں کی عملداری جو اہل اسلام سے نہیں دارالحرب ہے یا نہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ قول ہے کہ دارالاسلام کبھی دارالحرب نہیں ہو سکتا مروج ہے یعنی ضعیف ہے ! صحیح قول یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب ہو جائے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دارالاسلام کس صورت میں دارالحرب ہو جاتا ہے۔ علماء کرام کی ایک جماعت کا یہ کلام ہے کہ اگر کوئی ایک چیز بھی شعائر اسلام سے جبراً منع کی جائے مثلاً اذان یا تختہ سے جبراً دارالاسلام میں منع کیا جائے تو وہ دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔

اور علماء کی دوسری جماعت کا یہ قول ہے کہ دارو مدار اس امر کا کہ دارالاسلام دارالحرب ہو جائے اس پر نہیں اس دارالاسلام میں شعائر اسلام مثلاً ہے جائیں۔ بلکہ جب شعائر کفر بے دخل باعلان دارالاسلام میں رواج پائیں۔ اگرچہ وہاں شعائر اسلام سب قائم ہوں۔ لیکن تاہم وہ دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔

اور علماء کرام کی ایک تیسری جماعت بھی ہے اس نے اس سے بھی ترقی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں کہ وہاں کوئی مسلمان اور نہ کوئی کافر ذمی ان میں سابق پناہ کے ذریعہ سے ہو۔ خواہ بعض شعائر اسلام وہاں ترک کئے گئے ہوں یا نہ کئے گئے ہوں اور خواہ باعلان شعائر کفر نے رواج پایا ہو یا نہ پایا ہو۔ اور اسی قول ثالث کو محققین نے ترجیح دی ہے اور اعتبار اس قول ثالث کے عملداری انگریز کی اور ان کے مانند دوسرے غیر اہل اسلام کی عمل داری بلاشبہ دارالحرب ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال : یورپ کے بعض علماء امامیہ فتویٰ دیتے ہیں کہ انگریزوں سے سود لینا جائز ہے۔ اور ایک روایت مختلف فیہا پر بہ غرض فائدہ اٹھانے کے، عمل کرنا اور دوسرے نص سے کنارہ کشی کرنا جو اس بارے میں وارد ہے کہ کفار سے دوستی رکھنا ناجائز ہے۔ یعنی ان نصوص پر عمل نہ کرنا اور کفار کے ساتھ مصاحبت رکھنا اور ان کی موافقت کرنا گویا صدق ہونا اس آیت کا ہے :-

اَتَوْهُم مِّنْ بَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكَفَّرُونَ بِبَعْضٍ۔ ترجمہ : پس کیا ایمان لاتے ہو قرآن شریف کے بعض احکام پر اور کفر کرتے ہو اس کے بعض احکام کے ساتھ ؟

علاوہ اس کے اس معاملہ کو رواج دینے سے سود کے معاملے سے پرہیز کرنے میں مستی ہو جائے گی۔ اور رفتہ

رفتہ اہل اسلام کفار ہند سے بھی سود لینے لگیں گے اور پھر ایسی شے ہو جائے گی کہ اہل اسلام باہم بھی ایک دوسرے سے سود لینے میں تامل نہ کریں گے۔

جواب : کفار حربی سے سود لینے میں جو فساد آپ نے لکھا ہے واضح ہوا۔ بحث صرف یہ ہے کہ اصل میں منقسم ایسا معاملہ مباح ہے یا نہیں۔ اور باوجود اس کے آپ نے جو لکھا ہے کہ کفار حربی سے سود لینے میں طرح طرح کا فساد ہے تو اس پر نقض ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جہاد کفار کے ساتھ جائز ہے اور جہاد میں کفار مرد قتل کئے جاتے ہیں اور ان کا مال لوٹ لیا جاتا ہے۔ اور ان کے بچے گرفتار کئے جاتے ہیں۔ اور وہ لوٹدی غلام بناتے جاتے ہیں۔ اور ان کا مکان گرا دیا جاتا ہے اور ان کا باغ اور زراعت جلا دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ مسلمانوں کے ساتھ کرنا نہایت قبیح ہے اور جہاد میں کفار کے ساتھ جو یہ معاملات کئے جاتے ہیں۔ اس سے دوسرا فساد پیدا ہونا دوسرا امر ہے۔ اسمیں کلام نہیں۔ بلکہ کلام اس میں ہے کہ اگر ان معاملات سے کوئی فساد مسلمانوں کے حق میں پیدا نہ ہو۔ تو اس صورت میں یہ معاملات جائز ہیں بلکہ انور مباح اور مستحب اور مذہب میں بھی اگر کوئی امر موجب فساد شامل ہو تو وہ حرام ہو جاتا ہے تو اس مسئلہ کا کیا ذکر ہے کہ منقسم اس کے مباح ہونے میں بھی علماء و حنفیہ میں باہم اتفاق نہیں اور علماء امامیہ کی رائے کا کیا اعتبار۔ اس واسطے کہ ان کے نزدیک تو کفار ذمی اور اہل اسلام سنی سے بھی سود لینا جائز ہے۔

گفتگو صرف اس میں ہے کہ علماء و حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ بعض اشخاص کا حمل نہ کرنا ان آیتوں میں سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار سے بیزار رہنا چاہیے۔ البتہ اس امر کے لئے باعث ہے کہ ان لوگوں کی دیانتداری میں طعن کیا جائے لیکن قرآن شریف کی بعض آیتوں پر ایمان لانا موجب طعن نہیں۔ اگرچہ اس سے کوئی دنیاوی فائدہ بھی نیت ہو۔ اس واسطے شرع کا حکم ظاہر ہوتا ہے غیر کے دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔

سوال : ہندی کرانا جائز ہے یا مکروہ۔

جواب : مکتب فقر میں لکھا ہے کہ ہندی کرانا مکروہ ہے اور ہندی کو سفیجہ اور سفاتج کہتے ہیں چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے :-

ويكسر السفتجه وهي اقراض السقوط خطو الطريق في المغرب السفتجة بضام السين وفتح التادان يمدفع مالا بطريق الاقتراض ليدفع الى صديقه في بلد اخر وانا يفتونه لسقوط خطو الطريق ترجمہ : مکروہ ہے سفتجہ یعنی ہندی اور ہندی سے مراد یہ ہے کہ مال کسی کو بطور قرض دیا جائے۔ اس غرض سے کہ وہ مال اس شخص کے ذریعے سے کسی ایسے شخص کے پاس پہنچ جائے جس کے پاس وہ مال بھیجنا منظور ہو اور راہ میں وہ مال نقصان نہ ہو۔ مغرب میں لکھا ہے کہ سفیجہ (ہندی) ساتھ منہ سین اور فتح نامہ کے یہ ہے کہ کسی شخص کا دوست دوسرے شہر میں ہو۔ اور اس شخص کو منظور ہو کہ کوئی مال اس دوست کے پاس بھیجے۔ تو اس احتیاط کے خیال سے کہ وہ مال راہ میں نقصان نہ ہو۔ وہ مال کسی دوسرے شخص کو بطور قرض کے دے تاکہ وہ دوسرا شخص اس امر کا ذمہ دار ہو جائے۔ کہ وہ مال اس دوست کے

پاس پہنچا دے گا۔ اور راہ میں وہ مال نقصان نہ ہو گا اور یہ معاملہ اس غرض سے ہوتا ہے تاکہ راہ میں اس مال کے نقصان ہو جانے کا خطرہ باقی نہ رہے :-

اب ہم یہ امر بیان کرتے ہیں کہ ایسا معاملہ ہندی کا کیا نین طور پر ہوتا ہے کہ جو ساہوکار اس شرط پر روپیہ لیتے ہیں کہ کسی دوسرے خاص شخص کے پاس با احتیاط وہ روپیہ پہنچا دیں۔ وہ ساہوکار کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جس قدر روپیہ لیتے ہیں صرف اسی قدر روپیہ ہندی کے کاغذ میں لکھ جیتے ہیں۔ نہ زیادہ لکھتے ہیں نہ کم لکھتے ہیں۔ یعنی اس سے ان ساہوکار کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ جس قدر روپیہ ہم نے لیا ہے۔ اسی قدر کل روپیہ اس شخص کے پاس پہنچا دیں گے۔ جس کے پاس منظور ہے کہ روپیہ پہنچ جائے۔ اور ہم یہ روپیہ پہنچانے کے عوض میں بطور اجرت کے کچھ نہ لیں گے۔ اور اس غرض سے کہ یہ روپیہ جب تک پاس ہے گا اس سے ہم کو فائدہ ہو گا۔ ہم اس کے عوض میں کچھ دینگے بھی نہیں۔

اور ساہوکار کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ جس قدر روپیہ لیتے ہیں اس سے زیادہ لکھ جیتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک روپیہ ہمارے پاس ہے گا۔ اس سے ہم کو فائدہ ہوتا ہے گا۔ تو اس کے عوض میں اس قدر روپیہ زیادہ اس شخص کے پاس پہنچا دیں گے۔ جس شخص کے پاس وہ روپیہ پہنچ جانا منظور ہے۔

اور کبھی ساہوکار ایسا بھی کرتے ہیں کہ روپیہ زیادہ لیتے ہیں اور ہندی کے کاغذ میں اس سے کم لکھتے ہیں یعنی ساہوکار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس قدر روپیہ ہم نے لیا ہے اسمیں سے اس قدر روپیہ پہنچانے کے عوض میں بطور اجرت کے ہم لیں گے۔ اور باقی اس قدر روپیہ اس شخص کے پاس پہنچا دیں گے جس کے پاس منظور ہے کہ یہ روپیہ پہنچ جائے۔ پہلی صورت میں یعنی ہندی میں جب روپیہ پورا لکھ دیا جائے تو اس صورت میں سود ہونے کا شبہ نہیں اور باقی دونوں صورتوں میں صراحتاً سود ہے۔ دوسری صورت میں یعنی جب ہندی کے کاغذ میں روپیہ بڑھا کر لکھ دیا جائے تو اسمیں یہ قیاحت ہے کہ ہندی والا سود لیتا ہے۔

تیسری صورت میں یعنی جب ہندی کے کاغذ میں روپیہ کم کر کے لکھا جائے۔ یہ حرج ہے کہ ہندی کر کے والا سود دیتا ہے لیکن بہت آسان ترکیب یہ ہے کہ ان دونوں صورت میں بھی ایسے طور سے معاملہ کیا جائے کہ سود نہ دینا لازم اور نہ لینا لازم آئے۔

مثلاً اگر منظور ہو کہ سو روپیہ کی ہندی کرائی جائے اور شرط قرار پائے کہ ہندی کے عوض میں ساہوکار کو دس روپیہ دینے جائیں۔ تو چاہیے کہ اٹھانوہ روپیہ ساہوکار کو دیا جائے اور بارہ روپیہ کا پیسہ ساہوکار کے ہاتھ فروخت کیا جائے اس شرط پر کہ اس بارے روپیہ کے پیسہ کی قیمت ساہوکار سے صرف دو روپیہ لی جائے گی۔ تو اب ساہوکار کے ذمہ ہندی کرنے والے کا سو روپیہ بطور قرض کے ہو گیا۔ اب اس ساہوکار سے کہہ دیا جائے کہ تم سو روپیہ قرض مقام پر فلاں شخص کے پاس پہنچا دو۔ تو ایسی حالت میں یہ بھی ہو کہ ساہوکار کو کس روپیہ ہندی کے عوض میں دیا گیا۔ اور اسمیں کوئی قیاحت بھی نہ ہوئی بیٹھ غیر جنس ہونے کے سبب سے سود دینا لازم نہ آیا اور یہ حدیث صحیح مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے :-

ایک شخص خیبر سے آیا اور وہ ضرے لایا اور وہ ضرے نہایت خوب اور نفیس تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا کہ کیا خیر میں سب خرچے ایسے ہی ہوتے ہیں تو اس شخص نے عرض کیا کہ:-

لا یاس رسول اللہ انما ناخذ هذا ماعنا بصاعین۔ ترجمہ: نہیں یا رسول اللہ خیر میں سب خرچا اس طرح کا نہیں ہوتا بلکہ وہاں دوسرے طرح کا بھی خرچا ہوتا ہے۔ اور وہ خرچہ دو صاع دیتے ہیں اور اس کے عوض میں عمدہ خرچہ ایک صاع خریدتے ہیں۔
انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:-

عین السبلوا لا تفعل هذا۔ ترجمہ: یہ عین سود ہے کسی چیز کو اس کے ہم جنس سے زیادہ یا کم خریدنا ایسا کام نہ کیا کرو۔

بل بیع الجمع بالدرہم ثلثہ اتباع بالدرہم حبیباً۔ ترجمہ: بلکہ ایسا کیا کرو کہ خراب خرچہ کو درہم کے عوض میں فروخت کیا کرو اور پھر ان درہم سے بہتر خرچہ خرید لیا کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معاملہ خرید و فروخت میں غیر جنس کا واسطہ ہو جائے تو زیادہ لینے یا دینے میں سود لازم نہیں آتا یعنی تنہا کوئی چیز دوسرے اس کے غیر جنس کے عوض فروخت کی جائے اور پھر وہ چیز غیر جنس سے کر دی سابق چیز ایک سیر خرید کی جائے تو اس سے سود کا معاملہ لازم نہیں آتا۔ اور اگر یہ معاملہ ہو کہ مثلاً ساہوکار کو سود روپیہ دیا جائے کہ وہ ساہوکار سود روپیہ اس شخص کے پاس پہنچائے جس کے پاس روپیہ بھیجنا منظور ہے اور یہ شرط قرار پائے کہ ساہوکار سو روپیہ میں سے روپیہ دینے والے کو کچھ واپس دے دے گا اور اس کو پھرت کہتے ہیں۔ اور ساہوکار سود روپیہ پورا اس شخص کے پاس پہنچائے گا۔ جس کے پاس وہ روپیہ پہنچانے کی شرط ہے۔ یعنی ایسا معاملہ اس صورت میں ہوتا ہے جب ساہوکار کو روپیہ لینے کی غرض ہوتی ہے۔

مثلاً ساہوکار کی غرض ہو کہ جب تک روپیہ اس کے پاس رہے گا۔ اس روپیہ سے ساہوکار کو فائدہ ہوتا ہے گا۔ تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ ہندوی کرانے والا سود لیتا ہے۔ تو اس معاملہ کے جواز کی ترکیب یہ ہے کہ مثلاً اگر تنخواہ ہو کہ سود روپیہ کی ہندوی کرانی جائے۔ اور شرط قرار پائے کہ اس سے ساہوکار پانچ روپیہ واپس دے دے گا۔ اور ایسے معاملہ میں جو روپیہ واپس ہوتا ہے اس کو پھرت کہتے ہیں۔

تو اس معاملہ کے جواز کی صورت یہ ہے کہ سود روپیہ میں دس روپیہ ہندوی کرانے والا اپنے پاس رکھ لے اور باقی تھے روپیہ ساہوکار کو دے اور اس دس روپیہ میں سے پانچ روپیہ کا پیسہ توڑ لے اور وہ پیسہ بھی ساہوکار کو دے دے اور باقی پانچ روپیہ خود لے لے اور ساہوکار پورا سود روپیہ اس شخص کے پاس پہنچائے جس کے پاس وہ روپیہ پہنچانے کی شرط ہو۔ تو اس معاملہ میں ایسا ہو کہ گویا پانچ روپیہ کا پیسہ دیا گیا اور اس کے عوض میں دس روپیہ لیا گیا اور خلاف جنس ہونے سے اس معاملہ میں کچھ قباحت نہیں۔

مثلاً عام طور پر ایک روپیہ کا سو گنڈا پیسہ ملتا ہے اور بوقت ضرورت آٹھ گنڈا پیسہ ایک روپیہ دے کر لے لیا جائے تو یہ سود نہیں۔ اس واسطے کہ سود یہ ہے کہ کوئی چیز دیکھائے اور اس کے عوض دوسری چیز اسی کی ہم جنس کم یا زیادہ لیجائے

اور باقی اور شرطیں بھی سود کی پائی جائیں۔ تو ایسے معاملہ میں سود ہوتا ہے اور جب کوئی چیز دیکھائے اس کے عوض غیر جنس چیزوں میں سے کوئی دوسری چیز کم یا زیادہ لی جائے تو یہ سود نہیں۔

اور ہندوی کی کراہت رفع ہونے کی علامت ہے ایک اور تفسیر بھی ہے کہ ساہوکار سے پہلے ہندوی کا ذکر نہ کیا جائے صرف بطور قرض کے ساہوکار کو روپیہ دیا جائے اور اس کے بعد ساہوکار سے کہا جائے کہ یہ قرض منٹاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کرو۔ اور اسی مضمون کی تحریر ساہوکار سے لکھو لے۔ اس واسطے کہ ہندوی مکروہ ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ ہندوی کرنے والے کو اس قرض سے فائدہ ہوتا ہے۔ یعنی راہ میں روپیہ کے نقصان ہونے کا خطرہ نہیں رہتا اور قرض میں جب قرض خواہ کے نفع کی شرط ہوتی ہے تو اس میں سود کا شبہ بھی نہیں لینے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ معاملہ ہو کہ ساہوکار کو جس قدر روپیہ دیا جائے۔ اسی قدر روپیہ ساہوکار اس شخص کے پاس پہنچائے جس شخص کے پاس روپیہ پہنچانے کی شرط ہو، تو ایسے معاملہ میں بھی ہندوی کرنے میں کراہت ہے۔ اس واسطے کہ ہندوی کرانے والے کو بطور قرض روپیہ دینے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ راہ میں اس روپیہ کے نقصان ہونے کا خطرہ نہیں رہتا تو ایسے معاملہ میں سود کا شبہ ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ علماء کرام نے یہ ترکیب لکھی ہے کہ پہلے ہندوی کا ذکر نہ ہوتا۔ تاکہ قرض سے فائدہ لینے کی شرط قرض میں نہ ہو اور سود کا شبہ نہ ہو اور بلا کراہت یہ معاملہ ہندوی کا صحیح ہو جائے۔

مسائل متفرق

سوال: لنگی یا پائے جامہ ٹخنے کے نیچے ہو تو کیا مکرم ہے؟

جواب: یہ مکروہ ہے کہ مرد پائے جامہ اور لنگی اور ازار ٹخنے سے نیچے تک پہنچے

سوال: مونچھ کے بال کاٹنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مونچھ کا بال اگر کلب سے نیچے ہو جائے تو اس کو کاٹنا نہایت مؤکد ہے قریب واجب کے ہے۔ اور اگر کلب سے نیچا نہ ہو تو اس کا کاٹنا واجب نہیں ہے۔ اگر خوف ہو کہ شاید مونچھ کا بال نیچے آ جائے تو وہ بھی کاٹنا مؤکد قریب واجب کے ہے۔ اس واسطے کہ مونچھ کا بال بڑھ کر منہ میں آ جاتا ہے۔

سوال: کرکدن یعنی گینڈا حلال ہے یا حرام ہے۔

جواب: فضائل مآب و کمالات کتاب ذوالذہن الثاقب والفہم الصائب اخون زادہ مولوی عبد الرحمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وزادہ بسطۃ فی العلم والعمل وبلغ الی کل الاصل فقیر عبد العزیز کی طرف سے بعد ایلان سلام مسنون الاسلام مقرون بالتعلیم والاکرام کے واضح رائے شریف و ذہن لطیف ہو کہ رفیقہ کریمہ توشیحہ میں نواب صاحب کے وارد ہوا حق تعالیٰ مراتب علم و عمل ترقی و تزیادہ فرماتا ہے اور جمیع مکروہات و بلیات دارین سے اپنی پناہ میں محفوظ رکھے۔

فقیر عمر صد چند سال سے بسبب جھوم امراض گوناگوں مطالعہ کتب فقہ سے محروم ہے بلکہ بسبب فقدان رت کوئی کتاب مطالعہ نہیں کر سکتا ہے۔ جمیع کتاب کتب فقہ کا فضول جانا اور موقوف کر دیا ہے۔ لیکن جو کچھ سابق کا دیکھا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہے۔ آپ نے مسئلہ کرکدن میں استفسار کیا ہے تو حقیقت اس کی یہ ہے کہ۔

شیخ الاسلام نے صیدیہ میں دو قول اس کے بارے میں نقل کئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حرام ہے۔ اس واسطے مان اور دیگر حیوانات پر حملہ کرنا ہے اور مار ڈالنا ہے اگرچہ گوشت نہیں کھانا تو درندگی کا معنی اس میں پایا جاتا ہے اور اسے سب حرام ہیں اور کتاب حیوانہ الحیوان میں لکھا ہے۔

هو شد یدۃ العمدۃ للانسان یتبعۃ اذا سمع صوتہ فیقتلہ ولا یأکلہ شیء

کذا فی المستطرف۔ یعنی کرکدن انسان سے نہایت عداوت رکھتا ہے

جب انسان کی آواز سنتا ہے تو اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس کو مار ڈالتا ہے۔ لیکن اس کو کھانا نہیں ایسا ہی مستطرف میں ہے۔

دوسرا قول صیدیہ میں نقل کیا ہے کہ کرکدن حلال ہے اس واسطے کہ گھاس اور تنکا کھاتا ہے تو وہ درندہ جانوروں سے نہیں۔

بریں وقت کتاب صیدیہ موجود نہیں کہ اس کی عبارت نقل کی جائے۔ لیکن اس کی عبارت کا مضمون یقیناً یہی ہو گا لکھا گیا ہے اور کتاب حیوانہ الحیوان میں لکھا ہے کہ کمال الدین موسیٰ اور میر شافعی کا قول ہے کہ یہ جانور اسی کرکدن میں ہے اس وقت یہ کتاب بھی نہ ملی کہ اس کی عبارت نقل کی جائے۔

اور یہ یاد ہے کہ کرکدن کو حمار ہندی کہتے ہیں اور کرکدن بھی۔ لیکن یہ لفظ مشترک ہے۔ کرکدن اس جانور کو بھی کہتے ہیں کہ جو ایک اور جانور بھی ہے کہ وہ اس جانور سے چھوٹا ہوتا ہے اور گاؤں میں یعنی بھینس کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کے بارے میں روایت صحیح ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کو فہ میں فرمایا کہ یہ جانور حلال ہے۔ اس وجہ سے علماء سابقین کو اشتباہ ہو گیا۔ اور ان لوگوں نے حکم دیا کہ یہ جانور بھی جس کا ذکر پہلے ہوا ہے حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور خیال مبارک میں واضح ہو گا کہ اس جانور میں تین جانوروں کی مشابہت پائی جاتی ہے اس کا بدن اور پاؤں سی کے مانند ہوتا ہے۔ پیٹھ اور شکم اس کا گاؤں میں یعنی بھینس کی طرح ہوتا ہے اور اس کے منہ میں دانت ہوتے ہیں۔ اس کے سر پر سینگ ہوتا ہے اور کتابوں میں تصریح ہے کہ جب کسی جانور میں جانور حلال اور جانور حرام دونوں

کرکدن ایک جانور ہے جس کو ہندی میں گینڈا کہتے ہیں۔ رضیدی اور سراج اور برہان میں لکھا ہے کہ کرکدن بختین اور دونوں کا فہی ہے نام ایک پرندہ کلبہ اس کی دم دراز ہوتی ہے اور سیاہ سفید ہوتا ہے اور اکثر پانی کے کنارے بیٹھا ہے۔ اس کو عین کہتے ہیں۔ غیاث اللغات سے لکھا گیا ہے مترجم

کتاب بہت پائی جائے۔ تو اس کے بارے میں حکم اس کی صورت کی بناء پر ہو گا۔ اگر اس میں مشابہت حلال جانور کی زیادہ ہو تو وہ جانور حلال ہو گا۔ اور اگر اس میں مشابہت حرام جانور کی زیادہ پائی جاتی ہو تو وہ جانور حرام ہو گا۔ چنانچہ اگر کچھ میں تھے اور بکری دونوں کی مشابہت پائی جائے تو اس کے بارے میں بھی یہی حکم ہے تو جب اس جانور میں یعنی کرکدن میں مزید اور بھٹی کی مشابہت پائی جاتی ہے تو اولیٰ اور انسب اس کی حرمت کا حکم ہے اور اصول فقہ سے ثابت ہے جب حلال و حرام دونوں کی وجہ کسی چیز میں پائی جائے تو اس کی حرمت کا حکم درجائے گا۔

فقیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہے کہ فتاویٰ رحمانی میں لکھا ہے کہ بھٹی اور کرکدن کے بارے میں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما کے نزدیک حلال ہونے کا حکم ہے اور امام محمد کے نزدیک یہ دونوں حرام ہیں اور مسئلہ دیگر سے نقل کیا ہے اور دونوں جانب پر دلیل قائم کی ہے۔ لیکن یہ حکم ہدایہ کے خلاف ہے اس واسطے کہ ہدایہ میں باب بیع فاسد میں لکھا ہے کہ امام محمد رحمہما کو نجس العین کہتے ہیں اور ان کے نزدیک بھٹی کی جائز نہیں۔ اور ایسا ہی کرکدن بھی ہے اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما کہتے ہیں کہ بھٹی درندہ جانوروں سے ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بھٹی اور کرکدن دونوں حرام ہیں کھانا نہیں چاہیے۔ اگرچہ اس کی بیع دونوں امام کے نزدیک جائز ہے تو جو کوئی شخص اس کے کھانے کا حکم دیتا ہے۔ غلط ہے۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم

سوال : مٹرخ یا معصفر رنگ کا کپڑا پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

جواب : اس مضمون میں کہ مٹرخ کپڑا پہننے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔ دراصل علماء دُروم سے ایک عالم نے رسالہ تصنیف کیا تھا۔ اور حضرت شیخ ابو طاہر گردی نے ہمارے حضرت ولی نعمت کو فرمایا کہ آپ دو رسالہ مطالعہ کریں اور اس پر کچھ لکھیں تو انہوں نے بعد مطالعہ بطور حاشیہ اس پر کچھ لکھا۔ وہی حاشیہ ان کی تالیفات کی فہرست میں مندرج ہے اور اس بارے میں قول مختار یہ ہے کہ ہر طرح کا مٹرخ رنگ کا کپڑا حرام نہیں بلکہ صرف معصفر حرام ہے یعنی باعتبار رنگ صرف وہ کپڑا حرام ہے جو کم کے بھول سے رنگا ہوا ہو۔ اور اس کے بھی احرام ہونے کے لئے فردی ہے کہ اس کا رنگ گلابی رنگ ہو گیا ہو۔ یا گلابی رنگ سے بھی اس کی مٹرخ زیادہ ہو یا نہایت مٹرخ ہو گیا ہو تو وہ حرام ہے۔ اور اگر گلابی رنگ سے اس کی مٹرخ کم ہو مثلاً شخرفی اور پیازی وغیرہ ہو تو مباح ہے۔

اور بانات مٹرخ کہ عرب اس کو جو رخ احمد کہتے ہیں بالاجماع جائز ہے اور ایسا ہی کھاروا بھی جائز ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معصفر کی حرمت کا دار و مدار شوخی رنگ پر ہے صرف شوخی پر نہیں۔

سوال : افیون کے بارے میں کیا حکم ہے کیا اس کا استعمال حرام ہے ؟

جواب : افیون کا استعمال ناجائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ افیون زہر ہے۔ ظاہر طور پر اس سے بدن کو ضرر پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح طب میں مذکور ہے اور یا یہ وجہ ہے کہ مضمر اور مخدر ہے اور روایت کی ہے احمد نے اپنے مُسنَد میں اور ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ کہا انہوں نے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ. ترجمہ: یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسکر اور مفتر سے ۴ اور قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے:-

قال العلماء المفسر كلما يورث الفتور والخدر في الاطراف. ترجمہ: علماء کرام نے کہا ہے کہ مفسر ہر وہ چیز ہے کہ اس سے فتور اور خدر اطراف میں پیدا ہو ۵

یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے جنش یعنی تمباکو وغیرہ مخدرات کے حرام ہونے کے لئے اس واسطے کہ یہ اشیاء اگرچہ مسکر نہیں۔ لیکن مفسر اور مخدر ضرور ہیں اور اسی وجہ سے جو لوگ یہ اشیاء استعمال کرتے ہیں ان لوگوں کو نیند زیادہ آتی ہے اور سر میں گرانی معلوم ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ اس کے انجرہ دماغ پر پہنچتے ہیں

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس قدر کم تمباکو استعمال کرنا کہ اس سے فتور اور خدر نہ ہو حرام ہے یا نہیں۔ اہم نووی رحمہ نے شرح منہب میں لکھا ہے کہ کم تمباکو کھانا حرام نہیں۔ بخلاف شراب کے کہ شراب کم بھی پینا حرام ہے۔ فرق ان دونوں چیزوں کے حکم میں اس وجہ سے ہے کہ تمباکو طہر ہے اور شراب نجس ہے تو نجاست کی وجہ سے کم شراب پینا بھی جائز نہیں اور زکشی نے اس مسئلہ کی تحقیق بیان کی ہے کہ حدیث سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ ہمارے اسکو کشیرہ فعلیہ حدام۔ ترجمہ: یعنی جو چیز ایسی ہو کہ زیادہ استعمال کرنے سے نشہ

لاقی ہو تو وہ چیز کم استعمال کرنا بھی حرام ہے ۶

اہم نووی کا جو یہ قول ہے کہ تمباکو طہر ہے۔ نجس نہیں تو یہ تحقیق ابن دقیق العبد کی ہے اور انہوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایون جو کہ خشن کا دو دھبے اس کا اثر تمباکو سے زیادہ ہوتا ہے۔ حامل کلام ہے کہ جب اس کی حرمت کی علت تنجس اور تغیر ہے یا سمیت ہے تو ارجح قول یہ ہے کہ وہ اس قدر نہایت قلیل استعمال کرنا کہ جس سے یہ آثار پیدا نہ ہوں حرام نہیں۔ واللہ اعلم

سوال: فیما بین علماء لکھنؤ قانون کی ایک عبارت کے معنی کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور حضور تک نوبت پہنچی۔ اس کی تصحیح کے لئے سب علماء لکھنؤ نے جناب مولانا شاہ عبدالعزیز شاہ صاحب کے حضور میں رجوع کیا تو جناب مولانا صاحب ممدوح نے اس عبارت کے جو معنی ارشاد فرمائے وہ لکھے گئے اور وہ عبارت کتاب قانون کی یہ ہے:-

اما الهيلج الاصفر قد يستعمله قوم ما وجد عنه مذهب فعل فانته
بخش الامعاء ويقيض المسامات دان كان لابد فبعد النصج التام: انتهي
ترجمہ: یعنی بلیہ زرد کہ اسکو کبھی اطباء کی قوم استعمال کرتی ہے توجہ تک اس سے پرہیز کرنے میں چارہ ہو۔ چاہیے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ اس واسطے کہ وہ امعاء میں خشونت پیدا کرتا ہے اور مسامات کو قبض کرتا ہے۔ اور اگر اس کے استعمال سے چارہ نہ ہو تو چاہیے کہ بعد نصج نام کے استعمال

کیا جائے۔

یہ مضمون قانون کی عبارت مذکورہ کا ہے اور اس عبارت کی تحقیق یہ ہے کہ ما کا لفظ اس جگہ کس معنی میں متعل ہے۔ ما موصولہ ہے یا مانافیہ ہے یا اور کوئی دوسری قسم کا ہے اور مذہب فعل ترکیب اضافی ہے یا ترکیب توصیفی ہے۔

جواب: (از جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اما الهيلج الاصفر الخ۔ حیات قانون کے صحیح نسخہ میں حرف واؤ قبل کلمہ ما واقع ہے اور اس عبارت کی ترکیب یہ ہے کہ ما ظرفیہ ہے اور اس میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اور فضلاء کے عرف میں اس کو ما و امیہ کہتے ہیں اور وجہ مجہول کا صیغہ ہے اور عنہ کی صیغہ ملحقہ صغریٰ طرف ہے۔ اور مذہب مرفوع منون ہے اس بناء پر کہ مفعول مالم یتم فاعلا و فجد کا ہے اور فعل مجہول کا صیغہ ہے اور جزا اس شرط کی ہے جو کہ کلمہ ما سے مفہوم ہوتی ہے۔ اور اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جب تک پانی جلنے اس بلیہ زرد سے جگہ گریزی۔ تو چاہیے کہ اس سے گریز کیا جائے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ حتی المقدور بلیہ زرد استعمال نہ کرنا چاہیے۔ اس واسطے کہ وہ امعاء میں خشونت پیدا کرتا ہے اور مسامات کو قبض کرتا ہے۔ یہ مضمون اس عبارت کا ہے۔ اور دوسرے اطباء نے بھی قبل دو ہفتہ کے یعنی قبل چودھویں دن کے صاحب حمی کو بلیہ زرد سے منع کیا ہے اور شیخ کی عبارت جو اس عبارت کے سیاق میں ہے۔ صریح دلیل اس معنی پر ہے کہ اس شق کے عدیل یعنی مقابل میں شیخ نے کہا ہے:-

وان كان لابد فبعد النصج التام

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ اگر بلیہ زرد کے استعمال سے چارہ نہ ہو تو فہما اور اگر اس کے استعمال سے چارہ نہ ہو بلکہ اس کا استعمال کرنا ضروری ہو تو اس کا استعمال بعد نصج تام کے ہونا چاہیے تاکہ مادہ کا قوام معتدل ہو جائے تاکہ امعاء میں خشونت پیدا کرنے میں زیادہ ضرر نہ پہنچائے اور نصج کی وجہ سے مسامات میں انقباض ہو جائے تاکہ مسامات کو زیادہ قبض نہ کرے اور لفظ مذہب کا کہ عرف میں فقہاء اور حکماء کے خاص طور پر اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ اعتقاد اور عمل کے بارے میں مختار ہو تو یہ اس کے منافی نہیں کہ یہ فقط دوسرے مقام میں باعتبار اپنے معنی لغوی کے استعمال کیا جائے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں مذہب کا لفظ جائے ضرور کے معنی میں وارد ہے اور وہ حدیث یہ ہے:-

كان اذا ذهب المذهب بعد وتحيزي ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جائے ضرور کے ارادہ سے جاتے تھے۔ تو دُور پہلے جاتے تھے۔ اور مناسب جگہ تلاش فرماتے تھے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:-

على وجفت العبس في ضيق الدجى
تبقى من ليس لي عنه مذهب

یعنی قریب ہے کہ جائے گی ناقہ سفید سرخی مائل مشروح راست کی تاریکی میں پہونچنے کی تو اس کے پاس کہ مجھ کو اس سے پناہ کی جگہ نہیں ہے

اور زمانہ حال کی کتب درسیہ میں لایذہب علیک بجائے لایخفی علیک کے کثیرالوقوع ہے۔ غرضیکہ یہ لفظ مفر اور جائے گریز کے معنی میں اکثر مقامات میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ کلمہ مادہ نافیہ ہے۔ تو اس وقت میں چند وجوہ سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے کہ اس تقدیر پر وجد معروف کا صیغہ کہا جائے گا یا مجہول کا صیغہ قرار دیا جائے گا۔ اور جب کہا جائے کہ وجد کا مجہول کا صیغہ ہے تو عنہ کی ضمیر قوم کی طرف راجع کی جائے گی یا کہا جائے گا کہ صلیح کی طرف راجع ہے۔ اور لفظ فعل کی مذہب فعل میں واقع ہے۔ مصدر ہے یا ماضی معروف یا ماضی مجہول ہے۔ اور اگر یہ لفظ فعل کا مصدر ہے تو ذہب کا مضاف الیہ ہے یا اس کی صفت ہے۔ غرضیکہ کسی تقدیر پر معنی صحیح نہیں ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ اگر یہ کہیں کہ وجد مجہول کا صیغہ ہے تو معنی یہ ہوں گے۔ کہ یا یا نہ گیا ہے اس قوم سے مذہب کرنے کا۔

حالانکہ اس کے قبل ذکر کیا گیا ہے کہ قد استعمل قوم اور اگر وجد معروف کا صیغہ ہو اور اس تقدیر پر ضرور ہے کہ عنہ کی ضمیر صلیح اصغر کی طرف راجع ہوگی۔ اور وجد کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی نہ یا یا اس قوم نے بلکہ زرد سے مذہب اس کام کا کہ وہ اس مذہب سے ہو کہ کیا گیا ہے۔ یا وہ مذہب کر گیا ہے۔

حاصل کلام عاقل ذکی پر مخفی نہیں کہ لفظ ما کو نافیہ کہنا درست نہیں ہوتا۔ اور یہ جو اس کی علت بیان کی گئی ہے۔ فائدہ بخش تو اس علت کو سمجھ لے ان احتمالات کے کسی احتمال کے ساتھ ربط نہیں ہوتا ہے۔ ایسا ہی مفر کی ضمیر قوم کی طرف راجع کرنا اگرچہ باعتبار مفر و ہونے لفظ قوم کے علما نے جائز رکھا ہے لیکن یہ مستعمل نہیں۔ اگر لفظ ما کو موصول کہیں تو اس میں بھی یہی قباحتیں لازم آتی ہیں۔ اس واسطے کہ اس تقدیر پر وجد میں کافی احتمالات ہوتے ہیں کہ مجہول کا صیغہ ہے یا معروف کا صیغہ ہے۔ اور عنہ کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے یا صلیح کی طرف راجع ہے اور لفظ فعل کا ماضی معروف ہے یا ماضی مجہول ہے۔ اور مذہب کا لفظ اس کی طرف مضاف ہے یا اس کا موصوف ہے۔

غرضیکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تقدیر قابل التفات نہیں۔ اور یہی قباحت ہے کہ اگر لفظ ما کا موصول ہو۔ اور وجد مجہول کا صیغہ ہو اور عنہ کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہو تو حرف من جو کہ بیانہ ہے۔ مذہب کے لفظ کے قبل ضرور چاہیئے۔ اور یہ بھی قباحت ہے کہ اس تقدیر پر کہ لفظ فعل کا مصدر ہو۔ خواہ مضاف الیہ ہو خواہ صفت ہو اس کا موصولہ کی اس عبارت میں خبر کچھ نہیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ مذہب خبر ہے تو لفظ ما وجد عنہ تمام رہ جائے گا اور ما استفہامیہ کو بھی اسی طور پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اور ہر تقدیر پر یہ جو علت ہے۔ فائدہ بخش الامعاء اس کو ربط نہیں ہوتا ہے۔ اور ان امور کی بناء پر انسب اور ارجح یہی ہے کہ کہا جائے کہ کلمہ ما کا ظرفیہ شرطیہ ہے۔

سوال : خمر کی تعریف کیا ہے ؟

جواب : امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک خمر کی طرف یہ ہے۔

هو الذي من ماء العنب اذا اشتد وضلا وقتد بالزبد ترجمہ : یعنی خمر وہ ہے کہ انگور کا پانی ہو اور وہ گاڑھا ہو جائے اور جوش مائے اور اس میں کف آجائے

جب اسکو خفیف جوش دیتے ہیں۔ تو اس کو عربی میں باذنق اور فارسی میں بادہ کہتے ہیں اور وہ بھی بالاجماع حرام ہے اس واسطے کہ خفیف جوش جینے سے اس کی حقیقت منقلب نہیں ہو جاتی اور اس کی خاصیت کہ سبب رقت قوام اور رقت نفوذ اس میں ہے۔ وہ متغیر نہیں ہوتی۔ اور جب اس کو اس قدر جوش دیں کہ اس کا ایک ثلث کم ہو جائے تو اس کو مثلث کہتے ہیں اور وہ اصول حنفیہ کے موافق حلال ہے۔ اس واسطے کہ اس کا قوام متغیر ہو جاتا ہے۔ پہلے تپلا قوام رہتا ہے اور اب اس کا قوام گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے وہ خمر کی حد سے نکل جاتا ہے اور باقی اشربہ مسکرہ کے مانند ہو جاتا ہے لہذا اس قدر پینا حرام ہے کہ اس سے نشہ ہو جانے کا احتمال ہو۔ اور حد اسکا رسے کم مباح ہے۔ دیگر علماء اہل سنت کے نزدیک وہ بھی حرام ہے۔

لان ما اسکو کشیہ فقلیلہ حرام۔ ترجمہ : یعنی جو چیز ایسی ہو کہ وہ زیادہ کھانے سے پائینے سے نشہ لے آتی ہو تو وہ کم بھی کھانا پینا حرام ہے

اور اگر اس کو اس قدر پکائیں کہ وہ آدھا نہ جائے تو اس کو منصف کہتے ہیں اور جمہوری بھی کہتے ہیں۔ اس واسطے کہ اس کو جمہور حلال جانتے ہیں۔ اگر اسکو اس قدر پکائیں کہ اس کا صرف ایک تہائی باقی رہ جائے۔ تو اس کو طلاق کہتے ہیں۔ یہی طلاق ہے کہ اس کو خلیفہ ثانی نے بمشورہ صحابہ کے اہل شام کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ کہ وہ لوگ شراب پینے کے خوگر تھے۔ اسلام کے بعد اس کو ترک کیا۔

وہ لوگ جب مرض میں مبتلا ہوئے۔ اور خلیفہ ثانی کے حضور میں اس کی شکایت کی۔ تو خلیفہ ثانی نے بمشورہ اہل صحابہ کے ان کے لئے تجویز فرمایا۔ جو تعریف طلاق کی ہے وہی تعریف مثلث کی شرح دقایہ میں لکھی ہے اور اس کو بھی مثلث فیدہ لکھا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پکانے سے جب اس کا دو تہائی کم ہو جائے اور صرف ایک تہائی باقی رہ جائے تو اس میں پانی ملا دیں اور اس کو رکھ چھوڑیں۔ تاکہ اس میں اشتداد اور غلیان آجائے۔ جمہور کے نزدیک یہ حرام ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں اسکا ہوتا ہے یعنی وہ نشہ لے آتا ہے اور ایسی چیز کے حرام ہونے میں قلیل و کثیر برابر ہے۔ یعنی ایسی چیز قلیل ہو تب بھی حرام ہے۔ اور کثیر ہو تب بھی حرام ہے۔

ام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خمر سے وہ نکل جاتا ہے۔ فقہاء حنفیہ حقیقی خمر کے سوا اور دوسرے اشربہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اس قدر پینا حرام ہے کہ اس میں نشہ کا احتمال ہو۔ تو یہ حدیث مشہورہ کے خلاف ہے کہ محمد بن احمد حدیث کے بعض حدیث سے ثابت ہے کہ۔

ما اسکو کشیہ فقلیلہ حرام

یعنی جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لے آتی ہو وہ چیز کم بھی حرام ہے اور بعض حدیث سے ثابت ہے کہ اسکو الحرقہ

بفرض، حرام یعنی جو چیز ایک گھر اپنے سے نشہ لے آتی ہے وہ ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔ بعض حدیث شریف سے ثابت ہے کہ:-

ما سکر منه الفرق فملاؤ الکف منه حرام ترجمہ: یعنی جو چیز ایک فرق ہونے سے نشہ لے آتی ہے تو وہ بمقدار تحبیلی میں آجانے کے بھی حرام ہے۔

تو اس بارے میں ان فقہاء کو دقت ہے اور ان کو ترجیحات ضعیفہ کی ضرورت ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ تحریر فی الواقع تحریم حقیقت نہیں بلکہ سد ذریعہ کے لئے ہے۔ تاکہ قلیل سے کثیر کی عادت نہ ہو جائے۔ چنانچہ بوسہ لینا جو ان روزہ دار کے لئے منع ہے اور اجنبیہ عورت کے منہ کی طرف نظر کرنا منع ہے۔ اس واسطے کہ اس میں فساد کا خوف ہے۔ ورنہ فی الواقع حرمت کی علت اس کا ہے بلکہ نجاست کا ہے تو اس امر میں وہ قلیل ہو یا کثیر دونوں برابر ہیں۔ یعنی دونوں صورت میں وہ نجس ہے۔

یہ بیان امام ابو حنیفہ رحمہ کے مذہب کا ہے اور ہمارے نزدیک حتیٰ اس مسئلہ میں یہ ہے جو چھوڑ کے نزدیک ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: بالفرض اگر ثابت ہے

کل دخان حرام ترجمہ: یعنی ہر طرح کا دھواں حرام ہے

تو حقہ کے بارے میں کیا حکم ہے حلال ہے یا حرام ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں۔ ایک حدیث

یہ ہے۔

من اکل البنج لقمة فکانما ذی باہم سبعین مئة ومن ذی باہم مئة فکانما ہدم الکعبہ سبعین مئة ترجمہ: جس نے بنج یعنی اجوائن خراسانی ایک لقمہ بھی کھا یا تو اس نے گویا اپنی ماں کے ساتھ ستر مرتبہ زنا کیا۔ اور جس نے اپنی ماں کے ساتھ ایک مرتبہ زنا کیا تو گویا اس نے ستر مرتبہ کعبہ کو مہدم کیا۔

اور دوسری حدیث یہ ہے:-

من اکل البنج ومات علیٰ ہذا حشرہ اللہ عزوجل فی القیامۃ مکتوباً بین عینیہ ہذا من رحمۃ اللہ عزوجل ترجمہ: جس نے بنج یعنی اجوائن خراسانی کھا اور اسی عمل پر وہ مر گیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رحم تھا۔

یعنی یہ دونوں حدیث صحیح ہیں یا نہیں، اور علاؤ الدین محمد ابراہیم تبریزی نے جو کہ امامیہ سے ہے تنبیہ الغافلین

میں اس کی تحقیق کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

جواب: کل دخان حرام حدیث نہیں ہے۔ حقہ کی علت و حرمت میں اختلاف ہے زیادہ صحیح

یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے کہ حقہ پینے والے کے منہ سے بدبو آتی ہے جیسا کہ پانچام اور ہس نام کے کھانے کے بارے میں احکام ہیں۔ اور حقہ پینے میں دوزخیوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اس واسطے کہ ان کے شکم سے بھی دھواں نکلے گا۔ اور

من اکل البنج ومات لم یکن کتب حدیث میں نہیں ہے بلکہ ان دونوں کلام کے الفاظ رنگیکہ سے بھی صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں۔

علاؤ الدین تبریزی کی تحریر قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ اس بارے میں معتبر محدثین کے قول پر اعتبار کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ حدیث کی تحقیق بیان کرتے ہیں۔ لیکن واطمین کی عادت ہے کہ غیر معتبر احادیث کو بھی ترغیب و ترہیب کے لئے ذکر کرتے ہیں اور ان احادیث کے حال سے ناواقف رہتے ہیں۔ حقہ کے مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ نفس تمباکو پینے میں حرمت کی کوئی وجہ محقق نہیں۔ اس واسطے کہ حرمت کی علت نباتات میں صرف دو چیزوں میں منحصر ہے۔ سمیت اور سکریت اور تمباکو کی پتی ان دونوں چیزوں سے خالی ہے لیکن اس کے استعمال کا جو طریقہ ہے کہ اس کا دھواں پیتے ہیں۔ تو اس میں تین وجوہ کراہت کی جمع ہو جاتی ہیں کہ:-

۱۔ پہلی وجہ وہ بدبو جو حقہ پینے والے کے منہ سے نکلتی ہے۔

۲۔ دوسری وجہ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت کا ہونا۔ چنانچہ تھیکاہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا منع ہے اور ایسا ہی لوہے کی انگوٹھی پہننا بھی منع ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اسمیں آگ کے ساتھ ملاہست لازم آتی ہے۔ یہ مکروہ ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ آگ کے ذریعے سے عذاب کریگا۔ اسی وجہ سے بدن کو دغا منع ہے اگرچہ منجملہ ان وجوہ کے ہر وجہ سے صرف کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہ تینوں وجوہ جمع ہو جانے کی وجہ سے کراہت تحریمی ثابت ہوئی۔ بعض اہل معقول نے کہا ہے کہ لفظ کل دخان حرام اگرچہ حدیث نہ ہو لیکن یہ کلام صحیح ہے۔ اس واسطے کہ دخان اہل عقل کے نزدیک دو چیز سے مرکب ہے۔ ارضیت اور نارایت اور یہ دونوں حرام ہیں تو جو ان دونوں سے مرکب ہے وہ بھی حرام ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت ارض ذلالت کی علت سمیت ہے اور جب علت باقی نہ رہی تو حلال ہو گیا۔ جیسا پان میں چونا کھانا جائز ہے اور دواؤں میں گل ارمنی اور طین منخوم کھانا جائز ہے۔

تو استعمال اس دخان کا اصلاح بدن کی غرض سے ہوتا ہے مثلاً تحلیل ریاح اور رفع قبض منظور ہوتا ہے۔ تو اس میں حرمت کی علت نہیں بعض کتب میں اس کی حرمت کو اس آیت سے ثابت کیا ہے:-

یوم تانی استکاد وید حان مشین یغشی الناس ہذا عبد اب الیہ ترجمہ: جس دن کے

آئے گا آسمان ظاہر دھواں کر چھپائے گا لوگوں کو، یہ دردناک عذاب ہے۔

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ دخان یعنی دھواں عذاب کا آلہ ہے اور عذاب کا آلہ استعمال کرنا درست نہیں

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں صحیح نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ دفنان اگر عذاب کا آلہ ہے تو تنقیم کا بھی لک ہے جیسا کہ عود کے استعمال کے بارے میں وارد ہے کہ حدیث صحیح میں ہے۔ بجا ہو کہ اللہ - یعنی عود و طرب بشتیوں کے لئے بہشت میں بجا ہے یعنی انگلیٹھیوں میں لے آئیں گے اور ہر آلہ عذاب کا استعمال کرنا منع نہیں ہے۔ اس واسطے کہ حضرت نوح علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب ہوا تھا۔ اور باوجود اس کے پانی کا استعمال کرنا منع نہیں۔ (الرسولات عشرہ شاہ بخارا)

سوال : منطق اور انگریزی پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے یا ناجائز ہے اور ایسا ہی علم فارسی جو حدیث و قرآن کے سوا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اور فتاویٰ سراج المنیر کے تصنیف تابع محمد مفتی کی ہے اس کچھ عبارت خاکسار نے دیکھی ہے وہ گذارش ہے عبارت یہ ہے :-

تَعْلَمُ الْعِلْمَ يَكُونُ فَرْضٌ عَيْنٍ وَهُوَ قَدَسٌ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ وَفَرْضٌ كِفَايَةٌ وَهُوَ عَزَاوَا
عَلَيْهِ لِيَنْفَعُ غَيْرَهُ وَهُوَ التَّبَحُّرُ فِي الْفَقْهِ وَحِرَافَتُهُ وَهُوَ عِلْمُ الْفَلَسَفَةِ وَالشُّعْبَةِ
وَالْتَّجَمِيمِ وَالزَّمَلِ وَعِلْمُ الْقَائِمِينَ وَالشَّحْوِ وَخَلْفُ الْفَلَسَفَةِ وَعِلْمُ الْمُنْطِقِ
انتهی کلاماً، یعنی علم کی بنا بقدر احتیاج فرض ہے اور اس سے زیادہ خیر کی نفع رسانی کی غرض سے
فرض کفایہ ہے اور فقہ میں تجرّ حاصل کرنا مندوب ہے اور یہ علوم حرام ہیں۔ یعنی علم فلسفہ، شعبہ، نجوم،
رمل، علم قیافہ، سحر، فلسفہ میں منطق بھی داخل ہے یہ فتاویٰ سراج المنیر کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

اور ایسا ہی نصاریٰ کی نوکری کے بارے میں کیا حکم ہے :- (الرسولات عشرہ شاہ بخارا)

جواب : منطق پڑھنے میں کچھ قباحت نہیں۔ اس واسطے کہ منطق کوئی علم مقصود بالذات نہیں بلکہ
معلوم آلہ سے ہے۔ جیسا صرف و نحو ہے۔ آلہ کی ملکیت و حرمت ذی آلہ کی حلت اور حرمت کے موافق ہوتی ہے۔
مثلاً توپ خانہ اور گھوڑا اور سلاح خانہ کہ آگ جنگ ہے۔ تو اگر وہ جنگ عبادت ہو مثلاً لکھا کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور پتھر
اور ڈاکوؤں کو دفع کرنا ہے تو اس غرض سے آلات جنگ کا استعمال کرنا اور اس کا سامان مہیا کرنا بھی قبیل عبادت سے
ہے اور اگر وہ جنگ حرام اور گناہ ہو مثلاً بनावات کرنا ہے اور ڈاکہ مارنا ہے تو اس غرض سے آلات جنگ کا استعمال ناجائز
حرام اور گناہ ہے۔ ایسا ہی ہر حال میں جو حکم ذی آلہ کے بارہ میں ہوگا۔ وہی آلہ کے بارے میں بھی ہوگا۔ غایت نتیجہ یہ ہے کہ اگر
اگر کوئی شخص منطق حاصل کرے اور اس کے ذریعہ سے مذاہب باطلہ کی تائید کرے اور صحیح عقائد میں شک ڈالے۔ تو البتہ اس
فعل کی وجہ سے وہ شخص گنہگار ہوگا۔ صرف تحصیل علم کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں۔

اب یہ بیان کرتا ہوں کہ قدماء کے کلام میں منطق کی جگہ اور اس کا پڑھنا منع ہونا جو اکثر مقامات میں وارد ہے اس کا
جواب یہ ہے کہ قدماء کے اس کلام میں دو احتمال ہیں۔ یا یہ احتمال ہے کہ قدماء کی مراد یہ ہے کہ یہ امر منع ہے کہ کوئی شخص اس علم
میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ اسی کو مقصود بالذات کے۔ اور تمام عمر اسی میں مصروف و مشغول رہے اور مسائل شرعیہ سے جو کہ
مقصود بالذات ہیں۔ بے بہرہ رہ جائے تو اس طور پر تو علوم آئیر سے کوئی علم ہو، ہمیں مصروف رہنا منع اور حرام ہے۔

مثلاً صرف و نحو و معانی و بیان بھی ایسا ہی ہے اور قدماء کے کلام میں دوسرا یہ احتمال ہے کہ ان کے زمانہ میں رواج
ہو گیا تھا کہ اس علم سے زیادہ تر یہ غرض ہوتی تھی کہ مذاہب معتزلہ و فلسفہ کی تائید اس علم کے ذریعہ سے کی جاتی تھی۔

مثلاً مسئلہ حدود و رسوم و قضاء و قیاس و اشکال کے مسائل، قدماء عالم و اثبات ہیولی و صورت و غیرہ میں استعمال
کئے جاتے تھے اور اکثر ایسا ہو کہ جو شخص اس علم میں مشغول ہوتا تھا۔ اس کے عقائد میں ان اولیاء باطلہ کی آمیزش ہوتی تھی اور
رفتہ رفتہ اس کے مذاہب میں رشوخ پیدا ہوتا تھا۔ تو اس وجہ سے قدماء کے نزدیک یہ علم پڑھنا حرام اور گناہ قرار پایا۔
اب یہ امور منطق سے بالکل بظرف ہوتے۔ اور اس علم کو اہل حق نے اجزاء علم و کلام سے ایک جگہ قرار دیا تو اب اس
کی حرمت اور معصیت ہونے کا حکم باقی نہ رہا۔ اس واسطے کہ ملکیت کے رفع ہونے سے حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔
فتاویٰ سراج المنیر میں مذکور ہے :-

و دخل فی الفلسفة المنطق۔ ترجمہ : یعنی فلسفہ میں منطق داخل ہے :-

تو اس سے مراد وہی منطق ہے کہ فلسفہ کا ججز ہو اور اسکی مثالیں فلسفہ میں مذکور ہوں۔ یہ مراد نہیں کہ علم کلام کا ججز
ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

انگریزی پڑھنا یعنی انگریزی کا حرف پہچانا اور لکھنا اور اس کی لغت اور اصطلاح جانتا۔ اس میں کچھ بھی قباحت نہیں
بشرطیکہ صرف مباح ہونے کے خیال سے انگریزی حاصل کی جائے۔ اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کے خط و کتابت کا طریقہ اور ان کی زبان کی کچھ بھی اس
غرض سے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس زبان میں کوئی خط لائے تو اس کا جواب لکھ سکیں۔ اگر صرف
ان کی خوشامدی غرض سے اور ان کے ساتھ اختلاط رکھنے کے لئے یہ علم پڑھے اور اس ذریعہ سے چاہے کہ ان کے یہاں تقرب
حاصل ہو تو البتہ اس میں حرمت اور کراہت ہے

اور اوپر ابھی بیان ہوا ہے کہ جو حکم ذی آلہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ وہی حکم آلہ کے بارے میں بھی ہوتا ہے نصاریٰ
کی نوکری بلکہ سب کفار کی نوکری کی چند قسمیں ہیں۔ بعض مباح اور بعض مستحب ہیں۔ بعض حرام ہیں اور بعض کبیر و قریب کفر
کے ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر کی نوکری میں یہ کام کرنا ہو کہ رسوم صالحہ کو مقرر کرنا ہو۔ اور کوئی ایسا کام کرنا ہو
کہ اس کا سر انجام بہتر ہو۔ مثلاً چور اور ڈاکوؤں کو دفع کرنا ہو۔ یا عدالت میں شرع کے مطابق فتویٰ دینا یا لوگوں کے آرام
کے لئے بل بنانا۔ یا ایسی عمارت بنانا یا اس کی مرمت کرنا جو کہ اس سے لوگوں کو آرام ہو۔ یا ایسی ہی کوئی اور کام عام لوگوں کے
فائدہ کے لئے کرنا ہو۔ تو ایسی نوکری بلاشبہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ اس کا ثبوت اس طور پر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علی
نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہ مصر سے درخواست کی کہ مصر کے خزانہ کا داروغہ آپ کو مقرر کیا جائے اور منظور یہ تھا
کہ خزانہ کے لوگوں کے دینے میں انصاف ہو۔ حالانکہ اس وقت وہ بادشاہ مصر کا فر تھا۔

اور حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے فرعون کی نوکری کی تھی۔ اس کام کے لئے کہ حضرت موسیٰ
کو دودھ پلائیں۔ اور اگر کوئی شخص کافر کی نوکری کسی دوسرے کام کے لئے کرے اور کفار کے ساتھ اختلاط لازم آئے اور اس

میں صوم اور امور خلاف شرع کے دیکھنے کا اتفاق ہوا کرے۔ اور اعانت ظلم میں جو مثلاً محرمی اور خدمت گاری سپاہی کا کام ہے یا اس لوگری میں حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرنا پڑے اور ان کے سامنے بیٹھنے اور کھڑے ہونے سے اپنے کو ذلیل کرنا پڑے تو ایسی لوگری حرام ہے۔ اگر ان کی لوگری یہ کام ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ہو یا کسی ریاست پر حملہ کرنا ہو یا کھڑکے کو رواج دینا ہو۔ اور یہ تلاش کرنا ہو کہ اسلام میں کون کون امر قابل لعن ہے تو ایسی لوگری نہایت برا گناہ ہے اور کفر کے قریب ہے۔

سوال : اگر لڑکی لوگری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (از سوالات قاضی)

جواب : اگر لوگری میں ایسے کام کرنے کا خدشہ ہو جو کبیر و گناہ ہے مثلاً فوج کی لوگری ہو اور خدشہ ہو کہ اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یا خدمت گاری کی لوگری ہو اور خدشہ ہو کہ شراب اور مردار اور خنزیر کا گوشت لانا ہو گا تو اس لوگری اور روزگار کرنا منع ہے اور جس لوگری اور روزگار میں اس طرح کی منہیات نہ ہوں۔ مثلاً اس لوگری میں یہ کام ہو عدالت کے امور لکھے جائیں۔ یا مثلاً غشی گیری کا کام ہو، یا قافلہ پہنچانے کا کام ہو۔ یا اس طرح کا اور کوئی دوسرا کام ہو تو اس طرح کی لوگری اور روزگار منع نہیں ہے۔

سوال : حضرت سلامت سلمہ علیہ السلام رضی اللہ عنہما با اختیار الفقر علی الغنا :

بعد تسلیمات کثیرہ کے عرض پر داز ہے کہ اس وقت ایک شخص نے ظاہر کیا ہے کہ ہم فقیران کے مدرس میں کفار کی لوگری کا تذکرہ ہوتا ہے اور مفتی کا منصب قبول کرنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ خدا آگاہ ہے جس نے فقر کو شرف علم کا یا اور علم کو شرف بنی آدم کا کیا اس خبر سے فقیر کو نہایت ناگفتہ ہوا۔ فقیر کی فائز شینی بہتر ہے انبیاء کرام و شہداء کے مولوی عبدلہ صاحب قصد اس نامبارک امر کا نہ کریں۔ نان پارہ پر قناعت کریں۔ بشر فی اللہ درس طالب علموں کو نہ کریں اور ذکر و مراقبہ میں مشغول رہیں اور اس جگہ ہرگز ہرگز ملازمت کا تعلق اختیار نہ کرنا چاہیے۔ ہم لوگ ترک و تخرید اختیار کریں اور ہر سانس کو دم آخر میں شمار کریں اپنے بزرگان اور سلف مساحین کے طریقہ پر رہیں۔ خود کو خدا کی یاد میں وقف کریں۔ زیادہ امید و توقع نہ رکھیں۔ اور وہاں کی خبر نیک سننے سے دل خوشی ہوتا ہے اور جو کچھ لائق شان درویشی نہیں ہے۔ وہ سننے سے تشویش ہوتی ہے۔ استغنا ب معذور رکھیں گے۔ زیادہ کیا کروں۔ (نقل خط شاہ غلام علی صاحب)

جواب : شاہ صاحب عرفان مراتب سلمہ اللہ تعالیٰ :

بعد سلام منوں کے واضح خ طر مبارک ہو کہ رقبہ کریمہ نے شرف و رُود فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ تردّد ظاہر نہیں ہے۔ تو اس میں سے بعض خبر صحیح ہے۔ اور بعض خبر صحیح نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی رعایت علیخان مختار دہلوی بہت مستعد ہیں۔ چند مرتبہ مجھ کو لکھا کہ کوئی عالم علماء متدین سے میرے پاس بھیج دیجئے، جو مرتبی نہ ہوں اور مسائل فقہیہ اذیت رکھتے ہوں۔ تاکہ بندہ ہر واقعہ اور حادثہ میں بموجب روایات فقہ کے حکم کرتا ہے تو اس طرف سے ان کو لکھا گیا کہ اس صاحب لوگری فرنگیوں کے ہیں اور آپ لوگری سے مجبور ہیں۔ مبادا وہ لوگ حکم نامشروع کی تعمیل کے لئے حکم دیں۔ اور

جس عالم کو ہم صحیحیں ان کو فرنگیوں کے ساتھ اختلاط فرنگیوں کے ساتھ نہ ہوگا۔ نہ ان کو حکم نامشروع کی تعمیل کے لئے تکلیف پہنچائیگی۔ بلکہ وہ عالم کسی علیحدہ مکان میں شہر میں مستقل طور پر خود قیام پذیر رہیں گے اور موافق شرع محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے بے تاہل و بے وسواس حکم دیتے رہیں گے۔ جب ان کے خطوط اس مضمون کے وارد ہوں تو خود کیا لیا کر ایسے معاملات کفار کے ساتھ کرنا کہ یہ مرد کرنا ہے۔ رواج حیات میں احکام شرعیہ کے شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے تو حق تعالیٰ کی توفیق سے یہ آیت دل میں گزری :-

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُوفِي بِهٖ اَسْتَخْلِصُهٗ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ اَلْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اَمِينٌ ط قَالَ اَجْعَلْنِي عَلٰی خِزَانَةِ الْاَمْْرِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلَیْہِہٖ رَجْمٌ : یعنی اور کہا بادشاہ نے کہ۔ لے آؤ میرے پاس ان کو یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو کہ میں ان کو اپنا مقرب بناؤں۔ پس جب بات کی ان سے تو کہا تحقیق کہ آپ آج ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ اماندار ہیں۔ کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے کہ تو مقرر کر مجھ کو زمین کے خزانوں پر تحقیق کہ میں نگہبانی کر نیوالا خوب جاننے والا ہوں :

قَالَ الْبِیضَادِیْ فِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی جَوَازِ طَلَبِ التَّوَلِیَّةِ وَاظْہَارُ اَنَّہٗ مُسْتَعِدٌّ لَهَا وَاَلَّا تُوَلِّیْ مَنْ یَّدِی الْکَافِرَ اِذَا عَلِمَ اَنَّہٗ لَا سَبِیْلَ اِلٰی اِقَامَةِ الْحَقِّ وَالسِّیَاسَةِ اِلَّا بِالْاِسْتِظْہَارِ مَعِ رَجْمٌ : یعنی کہا بیضاوی نے کہ یہ دلیل ہے اس امر کے لئے کہ جائز ہے طلب تولیت اور اپنی آماجگی تولیت کے لئے ظاہر کرنا اور حاکم مقرر ہونا کا فرقی طرف سے جب معلوم ہو کہ اقامت حق اور سیاست کے لئے سوا اس کے اور کوئی سبیل نہیں کہ کافر سے مدد مل جائے : یہ مضمون بیضاوی کے قول مذکور کا ہے ۔

یہ حکم شریعت سے متعلق ہے۔ طریقت کے مطابق یہ ہے کہ ترک و تخرید و اختیار فقر و ترک کسب طریقت میں سب کے نزدیک اس شخص کو اختیار کرنا چاہیے جس نے بطور خود التزام اس ترک کا کر لیا ہو۔ اور اس امر کا عہد کسی شخص کے ہاتھ پر کیا ہو اور جس شخص نے کہ التزام اس فقر کا بطور خود نہ کیا ہو۔ اور اس امر کا عہد کسی شخص کے ہاتھ پر نہ کیا ہو۔ تو باوجود تعلق کے اس شخص کو بھی یہ امر حاصل ہو سکتا ہے کہ شغل باطنی اور ذکر و فکر راقبہ اور شاہچہ میں مصروف ہے۔

حاصل کلام طریقت میں بھی کسب و تعلق کی اجازت ہے۔ شریعت میں بھی کسب و تعلق حرام نہیں ورنہ قضاۃ اور دیگر اہل کسب کو تعلقین و طریقت جائز نہ ہوتی۔ حالانکہ اکثر لوگ قضاۃ و اہل کسب سے اولیاء کبار ہوتے ہیں اور مرتبہ کمال و تکمیل کو پہنچتے ہیں تو مبتدی کا کیا ذکر ہے کہ اس کے لئے کسب و تعلق حرام ہو۔ البتہ ترک اور تخرید طریقت میں عزیمت ہے۔ یعنی بہتر ہے۔ مگر اس کے لئے چند شرط ہیں۔ یعنی اہل دعیان نہ ہوں۔ والدین

زندہ نہ ہوں کہ ان کا حق خدمت فرماں ہو۔ اور ایسے دیگر قارب بھی نہ ہوں کہ ان کی کفالت واجب ہو۔ تو اب خیال کرنا چاہیے کہ اس تعلق میں جس کا بالفعل ذکر ہے کو اگر ممنوع نہیں بشلاً مثبت کفالت اور مستی ہونا حدود اسلام میں یا موقوفہ کفار کی رسوم کفر میں یا خوشامد کفار کی اور مبالغہ کذب میں، اور دیگر مقاصد کہ اسمیں اُمرائے کے مصاحب مبتلا ہوتے ہیں۔ اس تعلق میں ہرگز ان امور سے کچھ نہیں۔ تو اس کے مباح ہونے میں شریعت اور طریقت میں کچھ شبہ نہ رہے چنانچہ خلفاء اور اصحاب کے بارے میں مناسبت ہے اور اولیاء کرام کو دیکھا ہے اور سنا ہے کہ معلمی اور تعلیم اطفال یہودی کی کرتے تھے۔ ان حضرات کو اچھی بشارت ہوتی تھی۔ پھر اس شخص کا کیا ذکر ہے جس نے ہنوز اس وادی میں قدم نہیں رکھا۔ اور نہ عنان اپنے اختیار کا ترک و تجرید کے ہاتھ میں دیا ہے تو ان امور مذکورہ کی بناء پر تجویز کی گئی کہ مولوی عبدالحی صاحب رحمہ اس جگہ سے جائیں اگر وہاں کسی طرح کے فساد کا وہم و گمان نہ ہو تو بہتر ورنہ چلے آئیں گے۔

جب یہ سب معلوم ہو ا تو چاہیے کہ خاطر مبارک کو تردد نہ ہو اور بطور اجمال یہ بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ میں نے بھی کچھ عمر ان امور مذکورہ میں صرف کی ہے اور آباؤ اجداد کا بھی یہی طریقہ دیکھا ہے اور سنا ہے۔ بیکام بلا حجت شرعی اور بلا لحاظ امور طریقت کے کوئی حرکت نامناسب کہ وہ شریعت و طریقت میں قبیح ہو انشاء اللہ تعالیٰ نہ اپنے لئے اور نہ غیر کے لئے فقیر تجویز کرے گا۔ زیادہ کیا لکھے۔ والسلام : (منجانب جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب)

سوال : غنی کے لئے نان و قوت کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : جائز ہے۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع میں اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی تہذیب میں تاریخ معینہ سے دو تین دن قبل یا اسی دن اپنے مکان میں مجلس مزامیر اور منہیات مثلاً نوبت اور سرود کی مجلس منع کرے۔ اقلیتی فرض پچھلے اور ظرف فقرہ مہیا کرے اور ایک عام دعوت اپنے دوستوں کی علیحدہ مکان میں کرے۔ یا کسی دوسرے شخص کے مکان میں جو کہ اس مجلس میں شامل نہ ہو۔ اس کو کھانا بھیج دے۔ تو وہ کھانا کہ عام ہوتا ہے۔ شرعاً کھانا جائز ہے یا نہیں اور ایسا ہو وہ کھانا شادی کا اگر ان کے پاس بھیج دے کہ شب و روز وہاں رہتے ہیں تو وہ کھانا ان لوگوں کے لئے جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر اس شخص کے ذمے کسی قسم کا کفارہ ہو اور اس کھانے میں سے ہمسایہ کے دس آدمی کو کھلائے تو کفارہ کفار ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ (از سوالات قاضی)

جواب : اگر بدعوئے کئے جانے کے قبل معلوم ہو کہ وہاں لہو و لعب اور محرکات شرعیہ ہیں۔ تو چاہیے کہ دعوت قبول نہ کرے اور اگر وہاں جانے کے بعد دیکھے اور یہ شخص عوام الناس سے ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے اور کھانا کھائے اگر اس کو منع کرنے کا اختیار ہو تو چاہیے کہ منع کرے ورنہ صبر کرے۔

اگر بدعو خاص سے ہو اور اس کو منع کرنے کا اختیار نہ ہو تو چاہیے کہ باہر چلا آئے اور وہاں نہ بیٹھے اور اگر لہو و لعب و ستر خوان پر ہو تو عوام پر بھی مناسب نہیں کہ وہاں بیٹھیں اور کھائیں اور جو کھانا لوگوں کے بھیج دے تو اگر وہ کھانا مال حلال سے ہو تو وہ کھانا جائز ہے اور یہی حکم کفار کے بارے میں بھی ہے۔ اگر وہ کھانا وجہ

حلال سے ہو گا۔ تو کفارہ ادا ہو جائیگا۔ بشرطیکہ ہمسایہ کے وہ لوگ جن کو کھانا دیا جائے مسکین ہوں نہ رہائی پہ لاشہ ادا نہ ہو گا۔

ومن دعی الی ولیمۃ او طعام فوجد شتہ بغیۃ او غناء فلا یاس بان یقعہ ویاکل قال ابو حنیفۃ رحمہ ابتلیت بہذا امرۃ فصبرت وهذا لان اجابة الدعوة سنة قال علیہ السلام من لم یجب الدعوة فقد عصى ابا القاسم فلا یتروکھا لکنا اختبرت بہ من البدعة من غیرہ کصلوۃ جنازۃ ولحیۃ وان لم حضر تھانا مات فان قدر علی المنع منعہ وان لم یقدر صبر و هذا اذا لم یکن مقتدی بہ فان کان مقتدی ولم یقدر علی منعہ یتخرج ولا یقعہ لان فی ذلک شین الدین وفتح باب المعصیۃ علی المسلمین والمحمکی عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ فی الکتاب کان قبل ان یصیر مقتدی ولو کان ذلک علی المآثۃ لایلیق ان یقعہ وان یکن مقتدی لقلوبہ تعالیٰ : فلا تقعد بعد الذکوی مع القوم الظالمین ۵ و هذا کلمۃ بعدہ الحضور و لو علم قبل الحضور لایحضر لانه لم یلزمہ حق الدعوات بخلاف ما اذا جمہ علیہ لانه قد لزمہ و دلت المسئلۃ علی ان الملاحی کلھا حرام حتی التغنی بضرب القصب و کذا قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ : ابتلیت لان الابتلاء بالاحرم یكون واللہ اعلم۔ (ہدایہ)

ترجمہ : یعنی جو شخص طعام ولیمہ یا کسی دوسرے کھانے کی مجلس میں بلایا جائے اور وہاں غنا یا اور کوئی چیز منہیات سے دیکھے تو مضائقہ نہیں کہ وہاں بیٹھ جائے۔ اور کھانا کھائے۔ اس واسطے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں ایک مرتبہ اس امر میں مبتلا ہو گیا۔ تو میں نے صبر کیا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے دعوت قبول نہ کی۔ تو اس نے ابو القاسم کی نافرمانی کی تو چاہیے کہ دعوت اس وجہ سے ترک نہ کی جائے کہ اس کے ساتھ بدعت شامل ہے۔ جیسے جنازے کا نماز واجبہ اگرچہ وہاں عورتیں نہ ہوں اور اگر وہاں عورتیں نہ ہوں اور اگر منع کرے جو اس بدعت میں شامل ہوں اور اگر منع کرے لے کا اختیار نہ ہو تو چاہیے کہ صبر کرے اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مدعو مقتدی نہ ہو۔ اگر مقتدی ہو اور منع کرنے کا اس کو اختیار نہ ہو تو چاہیے کہ وہاں سے باہر چلا آئے اور وہاں نہ بیٹھے۔ اس واسطے کہ اس سے دین کی بُرائی لازم آئے گی۔ اور مسلمانوں کے لئے معصیت کا دروازہ کھلے گا۔ امام حنیفہ رحمہ اللہ سے جو حکایت منقول ہے تو وہ واقعہ آپ کے مقتدی ہونے کے قبل کا ہے اور اگر منہیات و ستر خوان پر ہوں۔ تو جو شخص مقتدی نہ ہو اس کے لئے بھی مناسب نہیں کہ وہاں بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ جب آپ کو یاد آجائے کہ یہ کفار و منافقین شرع امر میں غرض و فکر کر رہے ہیں تو چاہیے کہ آپ اس ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ یہ سب حکم اس صورت میں ہے کہ معلوم نہ ہو کہ دعوت کے مقام میں پہنچ جائے۔ اگر وہاں پہنچ جانے کے قبل معلوم ہو جائے کہ وہاں منہیات ہیں تو چاہیے کہ وہاں نہ جائے۔ اس واسطے کہ ہنوز اس پر دعوت کا حق لازم نہیں ہو لیسے بخلاف اس صورت کے کہ وہاں اس امر میں مبتلا ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس پر دعوت کا حق لازم ہو جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملا ہی یعنی لہو و لعب کی جس قدر چیزیں وہ سب حرام ہیں حتیٰ کہ اگر غنا کے ساتھ بانسلی بھی بجاتی جائے تو یہ بھی حرام ہے۔

یہی حکم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ابتلیت کا لفظ فرمایا ہے اس واسطے کہ مبتلا ہونا اسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ جب کوئی محرمات میں مبتلا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ (ریضون ہدایہ کی عبارت کا ہے)

سوال : اس زمانہ میں حلال روزی کس طرح میسر ہو سکتی ہے ؟

جواب : سابق زمانہ میں چار صورتوں سے حلال روزی حاصل ہوتی تھی۔ اور اس زمانہ میں بھی انہیں چار صورتوں سے حلال روزی حاصل ہو سکتی ہے اور وہ چار صورتیں یہ ہیں :-

- ۱۔ پہلی صورت تو کبریٰ ہے بشرطیکہ گھراؤ ظلم میں اعانت کرنا اس میں نہ ہو اور کوئی دوسرا کام بھی خلاف شرع اس میں نہ ہو۔
- ۲۔ دوسری صورت زراعت ہے بشرطیکہ مزدور وغیرہ کے حقوق شرعی طور پر ادا کئے جائیں۔
- ۳۔ تیسری صورت تجارت ہے کہ وہ تجارت امور مباح کی ہو۔ بشرطیکہ اس کے متعلق جو حقوق ہیں وہ ادا کئے جائیں اور ناپ اور وزن میں کم نہ دیا جائے۔ اور فریب وغیرہ امر ناجائز نہ کیا جائے۔
- ۴۔ چوتھی صورت صناعت اور حرفت ہے۔ جب اس میں بھی شروط مذکورہ کی رعایت کی جائے۔ (ماخوذ از رسالہ فیض عام)

سوال : حیلہ شرعی کا کیا حکم ہے۔

جواب : یہ ثابت نہیں کہ حیلہ مطلقاً ہر حال میں مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ اکثر مسائل میں احادیث مشہورہ میں حیلہ پر عمل کرنا آیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں روایت ہے :-

بِيعِ الْجَمْعِ بِالذَّكَرِ هَمْدًا وَابْتِغَاءً لِلدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا۔ ترجمہ : فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فروخت کرو خراب خرما کو درہم کے عوض میں پھر اس درہم سے عمدہ خرما خرید لو۔

تو اس صورت سے صاف ظاہر ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں حکم ہے کہ جس قدر دیا جائے اس سے زیادہ یا کم لینے سے سود لازم آتا ہے۔ تو اگر درمیان میں کسی دوسری چیز کا واسطہ ہو جائے۔ تو زیادہ یا کم لینے سے سود

لازم نہیں آتا۔ البتہ شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلی مذہب کے نزدیک حیلہ کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔ یعنی کسی ضیق سے رہائی پانے کے لئے اور دفع ضرر کی غرض سے حیلہ شرعی عمل میں لانا جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک زیادہ فائدہ ہونے کی غرض سے بلا شد ضرورت کے بھی جائز ہے۔ مگر حنفیہ بھی شرط ہے کہ حیلہ شرعی عمل میں لے آنا اس وقت جائز ہے جب اللہ تعالیٰ کا کوئی واجب حق ادا ہونے میں نقصان لازم نہ آئے اور نہ حقوق عباد سے کسی غیر کے حق میں نقصان لازم آتا ہو اور متاخرین نے اس بات میں زیادہ وسعت دی ہے کہ اس غرض سے بھی کوئی حیلہ شرعی عمل میں لے آنا جائز ہے۔ تاکہ کوئی حق جو اپنے پر واجب ہو نہ ہو لیسے اس حیلہ شرعی کی وجہ سے وہ حق اپنے پر لازم نہ آئے۔ اور حیلہ شرعی حرام اس صورت میں ہے کہ جب کوئی حق واجب ادا نہ کیا جائے۔ اور متاخرین کی یہ رائے حق سے بعید معلوم ہوتی ہے۔ یعنی تاکہ امکان حیلہ شرعی بھی نہ کرنا چاہیے

سوال : کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی دعوت کرتا ہے اور دعوت کنندہ کا کوئی دوسرا دنیاوی کام بھی پیش ہے۔ اس کی غرض اس دعوت سے یہی ہے کہ اسی حیلہ سے مدعو کو اپنے گھر لے جائیں۔ اور اس کو کھانا کھلائے۔ تعلق اور چاہلوسی کے ساتھ پیش آئے اور اسی سے سفارش کرائے۔ تاکہ اس کا کام جو درپیش ہے اس کے حسب فشاء انجام ہو جائے اور مدعو کو معلوم ہو لیسے کہ اسی غرض مذکور سے دعوت کرتا ہے تو اب وہ مدعو دعوت قبول نہیں کرتا۔ تو دعوت کنندہ اس سے کہتا ہے کہ کس کتاب میں اور کس مذہب میں جائز ہے کہ سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمان رد کرے اور اس سنت کی پیروی نہ کرے۔ لہذا عرض پر داز ہوں۔ کہ ایسے شخص کی دعوت قبول کرنے میں شرعاً کیا حکم ہے۔ ایسا ہی جب کوئی شخص بطور حیلہ سازی کے دعوت کرے۔ اور اس چلتا بازی سے اس کا مقصد مزید ہونے کا ہو۔ یا تنوید اور علیات سے سکھنے کا اس کا ارادہ ہو۔ تو ایسے شخص کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔ (از مولانا مفتی محمد الحق صاحب)

جواب : اگر وہ دنیاوی کام شخص مدعو پر واجب ہو تو خداوند تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہو۔ مثلاً مسائل فقہ کی تحقیق ہے اور ظالم کے ہاتھ سے مظلوم کو روکا کرنا ہے۔ بشرطیکہ روکا کرنا اپنے اختیار میں ہو۔ اور اس کے ماتر اور جو دوسرے افعال ہیں۔ یعنی ایسے کاموں میں سے کوئی کام شخص مدعو پر واجب ہو۔ تو چاہیے کہ وہ دعوت قبول کرے

یا وہ شخص مدعو بادشاہ یا کسی اور حاکم کا ملازم ہے۔ اس کام کے لئے کہ وہ لوگوں کی عرضی پڑھے یا شقہ اور پروانہ لکھے تو ان صورتوں میں یہی چاہیے کہ وہ دعوت قبول نہ کرے۔ اس واسطے کہ یہ صرف ظاہر دعوت ہے اور فی الواقع رشوت ہے اور رشوت حرام ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا يَأْتِي الْعَقَالَ عَقْلُونَ۔ ترجمہ : فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ نے کہ عمال کو بدیہینا ہے ایسا ہے کہ خیانت کرنا ہے۔

اور وہ کام خواہ دنیاوی ہو یا دینی ہو۔ اس شخص مدعو پر واجب نہ ہو۔ یعنی نہ ایسا ہو کہ خدا کے واجب کرنے سے واجب ہو اور نہ ایسا ہو کہ بندہ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہو۔ تو اس صورت میں دعوت قبول کرنے میں مضائقہ

نہیں، مثلاً مدعو سے ان کاموں سے کوئی کام کرنا منظور ہو۔ یعنی مریکہ کرنا اور اشتغال وادکار کی تلقین کرنا۔ اور بعض کو دم کرنا اور تعمید لکھنا اور اس امیر کے دربار میں لوکر رکھوانا کہ اس امیر سے اور اس مدعو سے دوستی ہو۔ اور اس کام پر یہ مدعو اس امیر کی طرف سے مقرر نہ ہو۔ جیسا کہ بخشی اور جعدار اور سالدار ہوتے ہیں۔ بلکہ صرف دوستی اور محبت ہو۔ اور حاجت مندوں کی حاجت پہنچانا، صدقہ خیرات دلوانا، ایسی ہی جو کام ہیں۔ تو ایسی صورتوں میں دعوت قبول کرنے میں کوئی قیاحت نہیں۔ ایسی دعوت کھانا جائز ہے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر کے اس کے عوض میں کچھ لینے کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:-

ان احق ما اخذتم عليه اجوراً كتاب الله، ترجمہ: یعنی جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو، ان میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

یہ حکم شرعی مطابق اصول فقہ کے ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم

سوال: سیوطی رحمہ کی اصل کتاب درمنثور ہی ہے یا اور بھی ہے اور اس کا طرز ذکر کیا ہے؟

جواب: اس امر کا سیوطی رحمہ نے اپنی تصانیف میں اکثر طرب ویاہن ذکر کیا ہے۔ اس قدر التماس ہے کہ سیوطی رحمہ نے اپنی تصانیف میں اکثر طرب ویاہن ذکر کیا ہے۔ لیکن شروع میں نقل میں کہا ہے کہ:-

اخرج خلان من طريق خلان كذا - یعنی بیان کیا ہے مثلاً شخص نے فلاں شخص کے طریق سے اس طرح:-

تو ہمیں اول امر یہ ہے کہ جس نے وہ روایت بیان کی ہے۔ محدثین کو ایسی کتابوں کی حقیقت معلوم ہے۔ مثلاً تفسیر ابن مردودہ اور کامل بن ہدی اور تاریخ خطیب فردوس دہلی اور تاریخ ابن عساکر اور کتاب العظمت الی ہشیم اور دوسری بات یہ ہے کہ سیوطی رحمہ نے طریق بھی بیان کر دیا ہے کہ دار و مدار حدیث کی سند کا کس پر ہے اور اس کا حال ماہر حدیث کو معلوم ہے۔ درحقیقت سیوطی رحمہ نے سند ترک نہیں کی ہے۔ اور تفسیر درمنثور میں اکثر یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ درحقیقت سیوطی رحمہ کی اصل تصنیفات سے بھی ایک کتاب یعنی درمنثور ہے اور باقی جتنے رسالے جو سیوطی رحمہ کے ہیں۔ مثلاً اتفاق اور بدو سافرہ اور شرح الصدور وغیرہ یہ سب اسی کتاب سے مستخرج ہیں اور جمع الجوامع میں بھی اسی امر کا محتاج ہے فقط

سوال: سیوطی رحمہ نے شرح الصدور میں ایک حدیث میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کسی مرد کے ساتھ کلام فرما رہے ہیں۔ تو حضرت ابن عباس رحمہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ مرد کون شخص تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کو دیکھا کہا کہ ہاں تو آنحضرت نے فرمایا کہ وہ فرشتہ تھا تو تم نابینا ہو جاؤ گے

اس جگہ دل میں خدشہ گذتا ہے کہ اکثر صحابہ کرام نے جبرائیل کو دیکھا ہے۔ چنانچہ یہ امر سلام، ایمان اور احسان کے بارے سوال کرنے کی حدیث میں موجود ہے اور وہ صحابہ باوجود اس کے نابینا نہ ہوئے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قصہ جو کہ شرح الصدور سے نقل فرمایا ہے صحیح ہے پورا قصہ جو کتابوں میں مفصل طور پر مذکور ہے وہ یہ ہے کہ:-

انہ را ی سجد لایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یعرفہ فسأل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم عند قتال لہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آیتہ فقال نعم قال ذلک جبریل وانک ستفق بصرک فعلمی بعد ذلک فی اخر عمری وكان یقول فی ذلک ان یاخذ اللہ من عینی نور ما فنی لسانی

و قلی منہما نور و قلی ذکی و عقی صیر ذی دخل و فی فسی صام کاللیف ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک مرد حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے جس کو انہوں نے نہ پہچانا۔ حضرت ابن عباس رحمہ نے اس شخص کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ اور قریب ہے کہ تم تم کرو گے اپنی آنکھ، یعنی تم نابینا ہو جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے بعد اپنی آخر عمر میں نابینا ہو گئے اور اس وقت حضرت ابن عباس رحمہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری دونوں آنکھوں کی روشنی لے لی تو میری زبان اور میرے دل میں دونوں آنکھوں سے زیادہ روشنی ہے۔ میرا قلب ہوشیار ہے اور میری عقل ذی دخل نہیں یعنی ناقص نہیں کہ اس میں باطل و سوسہ کا دخل ہو سکے۔ میرے منہ میں تیز تلواریا زبان ہے کہ تلواریا طرح ہے

ایسا ہی استیجاب میں ہے۔ علماء کرام میں اس تحلیل کی توجیہ میں باہم اختلاف ہے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی آنے کے وقت دیکھنا اس امر کا موجب ہے کہ بصارت زائل ہو جائے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی برکت سے فوراً اس کا اثر نہ ہوا۔ بلکہ آخر عمر میں اس کا اتفاق ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بصارت زائل ہوئی۔

دوسرے صحابہ کرام نے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا ہے تو وحی لانے کے وقت نہیں دیکھا ہے بلکہ کبھی سائل اعرابی کی صورت میں دیکھا ہے اور کبھی وحی کی صورت میں دیکھا ہے کہ اس وقت غزوہ بنی قریظہ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

اور دوسرے بعض علما نے کہا ہے کہ یہ تاثر عام نہ تھی کہ عام طور پر جو شخص حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی لانے کے وقت دیکھے۔ تو وہ نابینا ہو جائے۔ بلکہ یہ تاثر خاص حضرت ابن عباس رضی اللہ علیہ کے حق میں ہوئی۔ اس

واسطے کہ وہ اس وقت صیغہ سن تھے۔ امور غیبیہ کے دیکھنے کے متحمل نہ ہو سکے، نہ چار سخت صدر ان کو پہنچا، اور جب تک سن کی قوت اس صدمے کے لئے معارض تھی، بینائی باقی رہی اور جب کبر سن آئی، یعنی عمر اخیر ہوئی اور قوت میں انحطاط آیا تو اس صدمے کا اثر ظاہر ہوا۔

دوسرے بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور اس سبب سے نابینا ہوئے۔ تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں جو کمالات سے اپنی آنکھ بند کریں اور صور خیال اور ایمان مثالیہ علیہ کے دیکھنے میں مشغول ہوں، تاکہ برزخ میں اس کی رویت زیادہ غالب ہو (اسی طرح کے اور بھی اقوال سلف سے منقول ہیں)

سوال : یہ اعتقاد رکھنا کہ بعض چیزیں منحوس ہوتی ہیں۔ درست ہے یا نہیں۔ مثلاً کوئی شخص اعتقاد رکھتا ہو کہ گھوڑے کا کچھرا جو ساروں کے مہینہ میں پیدا ہوتا ہے وہ منحوس ہوتا ہے اور ایسا ہی جنس کا بچہ جو ماگھ کے مہینہ میں پیدا ہوتا ہے وہ بھی منحوس ہوتا ہے۔ تو ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں۔ (از سوالات قاضی)

جواب : حدیث شریف میں وارد ہے کہ شوم یعنی نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ ۱۔ عورت ۲۔ مکان ۳۔ چار پایہ اور بعض روایات میں صرف چار پایہ کا ذکر ہے اور بعض روایات میں خاص گھوڑے کا ذکر ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شکال کو گھوڑے میں مکروہ جانتے ہیں۔ شکال سے مراد یہ ہے کہ دایاں ٹوٹے اور یا یاں پاؤں یا اس کا عکس یعنی یا یاں یا ٹوٹے اور دایاں پاؤں ایک رنگ پر ہو۔ اور وہ رنگ باقی تمام بدن کے رنگ کے خلاف ہو۔ مثلاً کل بدن کا رنگ کیمیت ہو اور ان دونوں عضو کا رنگ سفید ہو۔

ایسا ہی بعض روایات میں ارجل کا مکروہ ہونا بھی وارد ہے۔ ارجل اس گھوڑے کو کہتے ہیں کہ اس کے تین پاؤں اور باقی سب بدن کا ایک رنگ ہو اور ایک پاؤں کا رنگ دوسرا ہو

اس روایت سے اصل نحوست ان چیزوں میں ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس کی تفصیل حدیث میں وارد نہیں کہ کوئی چیز کس طرح کی منحوس ہے اور کون نحوست عام طور پر سب مالکوں کے حق میں ہے اور نحوست بعض کے حق میں نہیں۔ بلکہ یہ تجربہ سے متعلق ہے کہ کسی شخص کے پاس ان چیزوں میں سے کسی خاص طرح کی کوئی چیز چند مرتبہ ہی ہو اور ہر مرتبہ اس کی نحوست ظاہر ہوتی ہو۔ یا اس طرح کی چیز اکثر آدمیوں میں رہی ہو۔ اور ہر ایک کے حق میں اس کی نحوست کا اثر ہوا ہو۔ تو اس سے پرہیز کرنے اور احتیاط رکھنے میں کچھ قیاحت نہیں۔ فقط

سوال : اگر گڑبٹھا ہوا اور آٹا دباہرے آئے تو آٹا پہلے سلام کرے یا نہ کرے۔؟

جواب : سلام کے بارے میں از ثمر نے حفظ مراتب کے سنت یہ ہے کہ چاہیے کہ جو شخص کھڑا ہو، وہ اس شخص کو سلام کرے جو بیٹھا ہو اور جو شخص بیٹھا ہو۔ وہ اس شخص کو سلام کرے جو کھڑا ہو۔ اور چاہیے کہ جو شخص صغیر ہو وہ کبیر کو سلام کرے۔ اور جس جماعت کے لوگ کم ہوں وہ اس جماعت کے لوگوں کو سلام کریں جو لوگ زیادہ ہوں۔ اور چاہیے کہ جو شخص سوار ہو وہ پیادہ کو سلام کرے۔

لیکن جو شخص ایسا ہے کہ اس پر لازم نہیں کہ پہلے سلام کرے۔ اگر وہ شخص بطریق تواضع کے یا عزیمت پر عمل کرنے کے خیال سے سلام کرنے میں خود پیش دستی کرے اور پہلے سلام کرے تو یہ اعلیٰ اور افضل ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس مبارک میں بیٹھے رہتے تھے۔ یا راہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوتی تھی۔ تو خودابتدائے مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام فرماتے تھے۔ فقط

سوال : نذر میں شرط کی تکمیل نہ ہونے کا کیا نذر پوری ہو جائے گی۔

جواب : فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے اور یہ عبارت اس میں فتاویٰ قاضی خان سے نقل کی گئی ہے۔ عبارت یہ ہے :-

رحل قال مالی صدقة علی فترام مکة ان فعلت کذا الخ نذر و تصدق علی فتواء ببلغ او ببلدة اخرى جاز و یخرج عن النذر انتہی ترجمہ : یعنی کسی شخص نے کہا کہ میرا مال صدقہ ہے مکہ معظمہ کے فقرائے لئے اگر میں ایسا کروں۔ پھر وہ شخص حانث ہوا۔ یعنی وہ کام کیا۔ اور اس نے اپنا مال بطور صدقہ کے بیخ کے فقرائے کو، یا کسی دوسرے شہر کے فقرائے کو دیا تو جائز ہو جائے گا۔ یعنی اس کے ذمہ سے وہ نذر ساقط ہو جائے گی۔؟

یہ عالمگیری کی عبارت مذکورہ کا ترجمہ ہے۔ اور یہ جواب نذر کے بارے میں ہے۔ اور جب نذر نہ ہو تو اس صورت میں بھی اس مسئلہ کے قیاس پر بطریق اولیٰ یہ امر جائز ہے۔

سوال : مشرکین اور نصاریٰ کے ساتھ ان کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے کا حکم کیا ہے۔ آیا ان کے برتن میں کھا ا جائے یا نہیں؟

جواب : مشرکین اور نصاریٰ کے ساتھ ان کے دسترخوان پر اور ان کے برتن میں کھانے کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ان کوئی منہیات سے ہو، مثلاً شراب ہو یا خنزیر کا گوشت یا سونے چاندی کا برتن ہو۔ یا اس کھانے میں نجاست پڑی ہو مثلاً گوبر وغیرہ اس طرح کی کوئی چیز اس میں پڑی ہو۔ یا وہ ان مجھوس زمرہ یعنی ترئم کرتے ہوں۔ تو وہ کھانا حرام ہے۔ اگرچہ جس برتن میں مسلمان کھاتا ہو وہ نجاست خالی ہو۔ اس واسطے کہ اس سے ان کی خصلتوں میں شرکت لازم آتی ہے اور اگر وہ ان میں طرح کے امور نہ ہوں تو یہ امر مباح ہے۔ بشرطیکہ کھانا اور برتن ظاہر ہو۔ امام رازی کی تفسیر کبیر میں لکھا ہے :-

قال کثیر من الفقہاء انما یحل منکاح الکتابیۃ الّتی دانت بالتّوہّۃ والا لّٰن جیل قبل نزول القرآن قالوا والدلیل علیہ قولہ من قبلکم فن دان بالکتاب بعد نزول القرآن خرج عن حکم اصل الکتاب۔ انتہی

ترجمہ : یعنی اکثر فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جو عورت اہل کتاب سے ہو، اس کے ساتھ نکاح کرنا اس صورت میں جائز ہے کہ اس کا مذہب تورات و انجیل کے موافق قبل نازل ہونے قرآن شریف کے رہا ہو۔ اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول قبلکم ہے۔ تو جو شخص اپنا مذہب اللہ تعالیٰ کی سابق کتاب

کے توفیق اختیار کرے، بعد نازل ہونے قرآن شریف کے تو وہ اصل کتاب کے حکم سے خارج ہے۔ (ترجمہ تفسیر کبیر کی عبارت کا)

مشرکین کے برتن میں بلا دھوئے ہوئے کھانا پینا مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ گمان غالب ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا برتن نجس ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ لوگ شراب کو حلال جانتے ہیں، شراب پیتے ہیں، خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ خنزیر کا گوشت اپنی دیگ میں پکاتے ہوں گے اور اپنے برتن میں رکھتے ہوں گے۔ تو اس وجہ سے ان کے برتن میں بلا دھوئے کھانا مکروہ ہے۔ جیسے مرغی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ اس میں بھی نجاست کا گمان غالب ہے۔ اصل اشیا میں طہارت ہے۔ اور ان چیزوں میں نجاست کا شک ہے۔ اور شک کی وجہ سے نجاست ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اس وجہ سے قطعی طور پر ان چیزوں کے بارے میں نجاست کا حکم نہ ہوا۔ بلکہ شک کی وجہ سے کرامت کا حکم ہوا۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ان برتنوں کا نجس ہونا یقیناً معلوم نہ ہو۔ اس واسطے کہ جب یقیناً معلوم ہو کہ برتن نجس ہے۔ تو بلا دھوئے ہوئے اسمیں کھانا پینا ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر اس صورت میں بلا دھوئے ہوئے ان برتنوں میں کسی نے کچھ کھایا پیا تو اس کے بارے میں شرعی حکم ہے کہ اس نے حرام کھایا پیا۔ یہ خلاصہ اُس کا ہے جو اس بارے میں ذخیرہ میں لکھا ہے۔

یہ بندہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں کہ گھی اور دودھ اور پنیر وغیرہ ترجمیں منہود سے خریدیں اور استعمال کریں۔ ان کا برتن نجس ہو۔ اس واسطے کہ وہ لوگ گوبر سے پرہیز نہیں کرتے خصوصاً ان کی عورتیں اس سے مطلقاً احتیاط نہیں کرتی ہیں۔ اور ایسا ہی وہ لوگ اس جانور کا گوشت کھاتے ہیں جس کو وہ لوگ جان سے مارتے ہیں اور وہ مردار ہوتا ہے تو پرہیز گار پر لازم ہے کہ جب سوا اس کے چارہ نہ ہو کہ منہود سے یہ چیزیں خریدی جائیں تو ان سے عہد لے لے کر وہ احتیاط کریں کہ ان چیزوں میں گوبر اور مردار کا گوشت وغیرہ نہ پڑے اور اگر یہ امر منہود پر شاق گزرتے تو اصل اسلام کو چاہیے کہ اپنے سامنے ان کا برتن اور ان کا ہاتھ دھو لوائے۔ اور اس کے بعد وہ لوگ دودھ دوہیں اور گھی وغیرہ تیار کریں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس بارے میں حکم ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ یہ سب چیزیں مباح ہیں۔

اور فتویٰ یہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ایسا ہی نصاب الاعتساب میں جو لکھا ہے۔ اس بارے میں تفصیل سے لکھا ہے جس کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ اس مسئلہ کا یہ ہے کہ محسوس وغیرہ مشرکین کے ساتھ کھانا مباح ہے یا نہیں تو عالم بن عبدالرحمن کاتب کا یہ قول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان ایک مرتبہ یا دو مرتبہ اس امر میں مبتلا ہو جائے۔ تو مضائقہ نہیں کہ مشرکین کے ساتھ کھائے۔ اس واسطے کہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرمایا ہے۔ کہ اس حال میں ایک کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ اے محمد کیا میں تمہارے ساتھ کھاؤں تو جواباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کے ساتھ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کھانا تناول فرمایا ہے اس عرض سے کہ اس کافر کا دل اسلام کی طرف مائل ہو چکا کثر ان کے ساتھ کھانا مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ ان کے ساتھ

اختلاط اور محبت رکھنا اور ان کی جماعت زیادہ کرنا منع ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من الجقاء ان تاحکل مع غیو اهل دینک۔ ترجمہ: یہ شرع کی حد سے تجاوز کرنا ہے کہ تو اس شخص کے ساتھ کھالے جو تیرے دین میں نہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانا دوسری ملت کے لوگوں کے ساتھ نہ کھانا چاہیے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ کھانا تناول فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا قائل نہ تھا۔ تو ضروری ہے کہ ان دونوں امر میں تطبیق دی جائے۔ تطبیق اسی طرح ہوتی ہے۔ جیسا کہ سابق میں ذکر کیا گیا ہے کہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ تابعیہ قلب کے لئے کافر کے ساتھ کھانا کھایا ہے اس خیال سے کہ اس کا دل اسلام کی طرف مائل ہو۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کھانا اکثر ان کے ساتھ نہیں کھانا چاہیے اور قاضی امام بن دین سعدی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ جو شخص جب زمرہ یعنی ترقم نہ کرے تو اس کے ساتھ کھانے میں مضائقہ نہیں۔ اور اگر وہ ترقم کرتا ہو تو اس کے ساتھ کھانا نہیں چاہیے۔ چونکہ وہ کافر اور مشرک ظاہر کرتا ہے تو اس حالت میں کہ وہ اپنا کفر ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ نہیں کھانا چاہیے۔ ایسا ہی سیر ذخیرہ کی دسویں فصل کے آخر میں لکھا ہے۔ یہ مطالب المؤمنین سے لکھا گیا ہے۔ فقط

سوال : یہ جو مشہور ہے کہ جو چیز غلہ کی جنس سے ہے۔ اس کی برکت جنات لے جاتے ہیں تو فی الواقع اس کی کچھ حقیقت ہے یا نہیں۔ (از سوالات قاضی)

جواب : حق تعالیٰ نے طیور اور بہائم اور حشرات وغیرہ سب حیوانات کا رزق زمین پر پیدا فرمایا ہے اور ایسا ہی جنات کا حصہ زراعت میں مقرر فرمایا ہے اور جن جیسا خود نظر نہیں آتے۔ اسی طرح ان کا اپنا حصہ لے جانا بھی نظر نہیں آتا اور جو کچھ انسان کا حصہ ہوتا ہے وہ باقی رہ جاتا ہے۔ فقط

سوال : مولوی عبدالحامد کارسرقہ میں ہاتھ کاٹنے کے لئے نصاب کی شرط قرار دیتے ہیں۔ اور جب سارق نے کسی کو جان سے مار ڈالا ہو۔ اور مال نہ لیا ہو تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ بلکہ قتل کیا جائے گا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں سارق نے مال محفوظ بقدر نصاب نصاب نہیں لیا۔ اس وجہ سے ہاتھ کاٹنے کی حد ساقط ہوئی۔ لیکن قتل اور سولی دینے کی حد ساقط نہ ہوگی۔ عالمگیری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل اور سولی دینے کی حد بھی ساقط ہو جائے گی۔ تو عمل کس پر کیا جائے گا۔ عالمگیری کی روایت یہ ہے :-

وان اخذوا قبل الثوبة وقد قتلوا او جرحوا عمداً ولكن ما اخذوا من الاموال شي مقليل لا يصيب كل واحد منهم نصاب فما لامر في القصاص من النفس وغیرہا الى الاولیاء ان شاءوا استوفوا وان شاءوا عفووا هكذا في النهاية۔

ترجمہ : اور اگر سارق کو توبہ کرنے کے قبل گرفتار ہو۔ اور ان لوگوں نے قصداً کسی شخص کو قتل کیا ہو یا زخمی کیا ہو لیکن مال جو کچھ لیا ہے وہ قلیل ہے اور اتنی قلیل کہ ہر سارق کے اعتبار سے بقدر نصاب نہیں۔ تو اس صورت

میں قصاص کے بارے میں عواہ سارق قتل کے قابل قرار پائیں یا کسی دوسری سزا کے مستوجب ہوں مقتول کے ولی کو اختیار ہے چاہے بدلے چاہے معاف کرے۔ ایسا ہی نہایہ میں لکھا ہے فقط

جواب : یہ روایت ہے جو کہ عالمگیری میں ہے اور سابق کی روایت میں تناقض نہیں اس واسطے کہ سابق کی روایت کا حکم اس صورت میں ہے کہ سارق نے کچھ بھی مال نہ لیا ہو۔ اور اس روایت کا حکم اس صورت میں ہے کہ مال لیا ہو۔ مگر وہ قلیل چیز ہو جو بقدر نصاب نہ ہو، دونوں صورتوں میں فرق بے خوفی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت داخل ہے ان احوال میں کہ جن میں صراحتاً نصاب واجب ہے۔ اور دوسری صورت ان احوال میں نہیں اس واسطے کہ جب ان لوگوں نے مال لیا تو پہلی صورت یعنی صرف قتل کرنے کی صورت ان پر صادق نہیں آتی بلکہ دوسری صورت ان پر صادق آتی ہے۔ یعنی ان لوگوں نے مال لیا اور قتل کیا۔ مگر وہ مال کہ ان لوگوں نے لیا بقدر نصاب نہیں۔ تو اس وجہ سے سرقہ کے بارے میں جو نصاب ہے اس کا حکم ان پر عام نہیں ہوتا ہے۔ تو صرف قصاص کا حکم باقی رہا اور فرق کرنا مشکل ہے اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔

سوال : کیا سارق کے ہاتھ کاٹنے کے عوض قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔ (ایک خط)

جواب : (یعنی خط کا جواب)

مطالب اور دفع بلا کے لئے دعا کی جاتی ہے جمعیت خاطر سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کو جانے کہ جس سے دعا کی جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ عالم الغیب ہے۔ ظاہر اور باطن اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ اجمال و تفصیل اور ایجاز و تطویل یہ سب اس کے علم کے نزدیک برابر ہیں بلکہ سکوت اور کلام یہ دونوں اس کے علم کے نزدیک یکساں ہیں لیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے :-

فی النفس حاجات و فیکم فطانتہ سکوتی بیان عندک خطاب

یعنی اور دل میں حاجتیں ہیں اور تم میں دانائی ہے میرا سکوت اور خطاب، یہ دونوں تمہارے نزدیک بیان ہے۔

اور یہ جو لکھا تھا کسی نے بیان کیا ہے کہ اس فقیر نے کہا ہے کہ شریعت محمدیہ میں سات برس کی قید کی سزا ہاتھ کاٹنے کے عوض سارق کے حق میں ہو سکتی ہے تو یہ خبر محض غلط ہے۔ لوگ جو کسی قول کی نسبت اس فقیر کی طرف کریں۔ تو صرف ان کے کہنے پر اعتقاد نہ کرنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ فقیر اس بلا میں سخت گرفتار ہے۔ اس شہر کے لوگ اور اس شہر کے اطراف کے اشخاص کم فہمی سے باتیں خلاف واقع نقل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے حق میں عرب کی مشہور مثل کہنشی کی جویں کسی نے کہا ہے صادق ہے اور وہ مثل یہ ہے :-

فلان یسمع غیر ما یقال لہ ویحفظ غیر ما یسمع دیکتب غیر ما یحفظ دیتقراء

غیر ما دیکتب

یعنی فلاں شخص ایسا ہے کہ جو بات اس سے کہی جاتی ہے وہ نہیں سنتا ہے۔ بلکہ دوسری بات سنتا ہے

جو بات سنتا ہے وہ بات یاد نہیں لکھتا۔ بلکہ اس کے سوا دوسری بات یاد رکھتا ہے اور جو بات یاد رکھتا ہے وہ نہیں لکھتا ہے۔ بلکہ اس کے سوا دوسری بات لکھتا ہے۔ وہ نہیں پڑھتا۔ بلکہ اس کے سوا دوسری بات پڑھتا ہے :-

اسی طرح میرا حال ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت اگرچہ امراض کے لاحق ہونے کی وجہ سے ترک ہو چکی ہے جس کو میں نفیست جانتا ہوں۔ اور جو کچھ بدیع ہمدانی نے اپنے وطن کے بارے میں کہا ہے۔ وہ میں اپنے وطن کے بارے میں پاتا ہوں اور بدیع ہمدانی کا وہ کلام یہ ہے :-

ہمدانی لی بلد ولدت بار منہ لکنہ من اقبح البلاد

صیانتہ فی القبح مثل شیوخہ وشیوخہ فی العقل كالصبيان

ترجمہ : ہمدان میرا شہر ہے اس کی زمین پر میں پیدا ہوا لیکن وہ بدترین شہروں سے ہے۔ وہاں کے لڑکے قبح میں وہاں کے شیوخ کے مانند ہیں اور وہاں کے شیوخ عقل میں لڑکوں کی مانند ہیں۔ بہر حال غیبت کا دروازہ کھلا جس سے میں بھاگتا تھا۔ اسی گرداب میں پڑا اللہ تعالیٰ سے استعانت کے لئے التجا ہے۔

اصل امر یہ ہے کہ فقیر نے بعض اشخاص سے سنا کہ ان لوگوں نے سات برس قید کی سزا سارق کے لئے مقرر کی ہے۔ تو یہ سن کر فقیر نے کہا تھا کہ اس کی اصلیت حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

قالوا من قعد فی محلہ فہو جذاذۃ کذا لا نک نجزۃ النطا المین ہ

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی معنی لکھے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس شریعت میں سات برس تک ساق کو اس شخص کا غلام قرار دیتے تھے جس کا مال چُرا تھا۔ اور مال کا مالک اس امر کا مستحق ہوتا تھا کہ اس سارق کی خدمت سے مفتوح ہو۔ یہی بات لوگوں نے سنی ہوگی۔ اور اس کو خلاف طور پر وہاں نقل کیا ہوگا :-

سوال : رئیس جنوبی کے کوچ کے متعلق تحریر فرمائیں ؟

جواب : رئیس جنوبی کے احوال سے یہ ہے کہ ایک رئیس روستا جنوب سے کربلا کی نسل تھا۔ اس غرض سے چلا کہ اہل جنوب کا انتقام اہل شرق سے لے۔ تو اس نے اہل شرق سے کوڑے کے لطافت میں جنگ کی اور شکست کی۔ پھر ان کو رام پور کے اطراف میں شکست دی۔ اور پھر اگرہ کے اطراف میں شکست دی حتیٰ کہ اہل شرق نے اگرہ کے قلعہ میں پناہ لی۔ اور جنوب کے لوگ اگرہ اور دھلی کے اطراف میں پھیل گئے۔ اور دعائیں بائیں بلوہ کرنے لگے۔ اور قرداد اہل

سے لڑتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شاہ صاحب کو دعاء کے لئے لکھا ہوگا جس کے جواب میں شاہ صاحب نے مذکورہ خط لکھا ہے ساتھ ہی خط کے استفسار کا جواب بھی دے دیا ہے جس میں سات برس قید کی سزا کاٹنے کے عوض میں دی جانے کی خبر شاہ صاحب کی نسبت پھیلائی گئی تھی۔

شرق سے سوار اور پیادہ جس کو پایا قتل کیا اور جنما کے کنا سے سے متحضر کے نزدیک قیام کیا۔ متحضر اہنود کے نزدیک پرستش کرنے کے لئے ایک خاص بہتر جگہ ہے کہ وہاں وہ غسل کرتے ہیں اور سر منڈالتے ہیں۔ پھر جنوب کے رئیس نے اپنی فوج کو دو گروہ کیا۔ ایک گروہ کے ساتھ ضروریات اور تجارت کی چیزیں تھیں اور دوسرے گروہ کا نام فوج رکھا۔ اور ان کے ساتھ صرف گھوڑے تھے۔ اور نیزہ اور تلوار وغیرہ لڑائی کا سامان تھا۔ اور وہ لوگ ہوا اور دریا کے پانی کی طرح تیزی کے ساتھ جاتے تھے۔ ان کے پاس کوئی چیز سایہ کرنے کے لئے نہ تھی۔ اور نہ خیمہ تھا۔ بیا بان میں جاٹے کے موسم میں رات گزارتے تھے نہ ان لوگوں میں کسی چیز کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور نہ ان کے ساتھ ایسے لوگ تھے کہ ضروریات کی چیزیں فروخت کے لئے رکھتے ہوں۔ اور نہ ان کے پاس آرام کا اسباب تھا۔ جنگلی پھل ان کی خوراک تھی۔ اسی کو پکا کر یا خام کھا یا کرتے تھے اور اس کا عرق نکال کر پیتے تھے۔ اور ان کا چار پایہ جنگل کی چیزیں کھا یا کرتے تھے۔ اور وہ لوگ رختوں کی شاخ وافر طور پر ملاتے تھے۔ پھر ان میں سے پہلا گروہ شاہ جہاں آباد کی طرف چلا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا۔ اور شہر کے لوگوں پر بندوبست چلا اور چند مرتبہ شہر ناہ پر حملہ کیا اور سات رات اور آٹھ دن برابر محاصرہ کئے۔ پھر وہاں سے ناکام ہو کر پھر سے اور ان پر زل آیا اور ان کا اقبال دیار کے ساتھ بدل گیا۔

اہل شرق کا رئیس کہ اس کے نام کے معنی ہندی میں "چھوٹی جوتیں" ہے وہ اپنے لوگوں کے ساتھ اگر پہنچا۔ اور اگر سے متحضر گیا اور متحضر اسے شاہ جہاں آباد تک گیا۔ تو وہ محاصرہ اس کے جوتے اور پاؤں زمین پر مارنے سے بھاگ گئے یعنی اس کے آتے ہی اس کے خوف سے بھاگے اور اہل جنوب کے دوسرے گروہ کہ اس کا نام فوج مجر تھا۔ اس نے اہل شرق کا محاصرہ اگر سے شاہ جہاں آباد تک کیا اور اس کے گرد پھرتے رہے اور جب کوئی شاذ و نادر ان کے لشکر سے نکل آتا تھا تو اس کو اہل جنوب نقصان پہنچاتے تھے۔ حتیٰ کہ اہل شرق شاہ جہاں آباد کے قریب پہنچے۔ اور فوج مجر نے ان کے گرد محاصرہ کیا اور فساد کی آگ مشتعل ہوئی۔ اور محاصرہ میوات کی طرف چلے اور ان کے رئیس نے حکم دیا کہ وہاں کی زراعت کاٹ لیں اور مواضع کو لوٹیں۔

وہ رئیس اپنی فوج مجر کے ساتھ وہاں چند دن رہا۔ پھر شمال کی جانب چلا۔ حتیٰ کہ پانی پت کے قریب پہنچا۔ اور اپنی فوج مجر کے ساتھ جتنا سے عبور کیا۔ اور وہ سب بیس ہزار سے کم نہ تھے۔ اور تیس ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ یعنی اس کے درمیان میں تھے۔ اور دونوں نہر کے درمیان میں ٹھہرے۔ یہ سن کر شمال کے کفار برہم ہوئے جو کہ سہارن پور کے اطراف رہتے تھے۔ اور فساد کی آگ مشتعل کی۔ تو جب یہ بات اہل شرق کے رئیس کو معلوم ہوئی تو اس نے شاہ جہاں آباد سے نہایت تیزی کے ساتھ کوچ کیا اور اپنے بعض لوگوں کو پیچھے چھوڑا۔ حتیٰ کہ رئیس جنوبی قریب رئیس شمالی کے پہنچا۔ پھر رئیس جنوبی نے کھا تو لی کی طرف کوچ کیا۔ پھر وہاں سے میرٹھ اور ہاڑ اور خوجہ اور کول کی طرف چلا اور رئیس شرقی نے اس کا تعاقب کیا کہ یوٹا فوٹا اس کے پیچھے تعاقب کرتا ہوا۔ یہ بھی چلا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ رئیس جنوبی کی اتنی طاقت نہ رہی کہ کسی ایک شہر یا قصبہ میں دو دن قیام کر سکے۔ اس واسطے کہ فوراً رئیس شرقی اس کے پیچھے پہنچ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ واقعہ اب تک وقوع میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم لوگوں کو ہر طرح کے فساد اور شر سے بچائے۔

حاصل کلام یہ کہ رئیس جنوبی کی جرأت نہیں پڑتی ہے کہ اہل شرق سے جنگ کرے اور ان کی صف میں داخل ہو۔ اس واسطے کہ ان کی صف بندی وغیرہ آلات حرب سے مستحکم ہے۔ اور وہ لوگ جنگ آزمودہ ہیں۔ اور اہل شرق بھی اس پر قادر نہیں کہ رئیس جنوبی کو گرفتار کریں اور اس بلاد کے سکان مصیبت میں رہیں۔ اس واسطے کہ اس بلاد میں فصل خریف نہ ہوتی اور فصل بریج کی بھی امید نہیں۔ غلہ کا نرخ گراں ہے۔ علاوہ اس کے دونوں گروہ نے لوٹ اور غارت کا ہتھ پھیلا یا ہے۔ حتیٰ کہ اہل شرق اپنی عادت کے خلاف اس قبیح عمل میں مشغول ہوئے اور اپنی خصلت امن و امان کی ترک کی۔ واللہ المستعان وعلیہ السلام (از سوالات قاضی)

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ بعض امور ہندوستان میں اس دیار کے شرف اہل اسلام میں ابتداء سے آج تک برابر مروج ہیں۔ اور ظاہراً شرع کے خلاف ہیں۔ مگر رسم و رواج کے موافق کہ ہر شہر کے لوگوں میں وہ امور بطور رسم و رواج قرار پا گئے ہیں۔ لوگ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور رسم و رواج کو شرع پر مقدم جانتے ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان امور کے :-

۱۔ ایک امر یہ ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح ثانی کرنا قبیح جانتے ہیں اور اس کا نکاح ثانی کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر بیوہ عورت نکاح ثانی پر راضی ہو تو اس کے ولی شرافت کی غیرت سے ہرگز اس امر کو جائز نہیں رکھیں گے۔
۲۔ دوسرا امر یہ ہے کہ ایسے لفظ کے حکم سے احتیاط کرتے ہیں کہ باعتبار محاورہ اس میں طلاق کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ اور اگر بالعرض کوئی شخص جہالت اور بے عزتی سے اس طرح کی بات کہے۔ تو ہر شخص کے نزدیک قابل ملامت تصور ہوگا۔ بلکہ باہمی قربت سے سمجھا جائے گا۔

۳۔ تیسرا امر یہ ہے کہ اپنا حصہ جو بطور وراثت کسی عورت کے واسطے سے اس کے باپ کے مال متروکہ میں ہوتا ہے۔ وہ عورت کے معنی اور علانی بھائی سے طلب نہیں کرتے ہیں۔ ایسا ہی اپنا حصہ جو چچا زاد بہن کے عصبات کے واسطے سے چچا زاد بھائی جو نے کی حیثیت سے مورث کے ترکہ میں ہوتا ہے۔ طلب نہیں کرتے ہیں۔ اور وہ چیز متروکہ زمین ملک مورث کی رہتی ہے۔ یہ بھی نہیں کہ وہ اراضی معاشیہ ہو کہ بس کی تقسیم والی ملک کے حکم کی رائے کے موافق ہوتی ہو۔

۴۔ چوتھا امر یہ ہے کہ میت کا لڑکا موجود رہتا ہے۔ اور باوجود اس کے اس میت کے پوتے کو جس کا باپ اس میت کے میں حیات میں مر گیا ہوتا ہے۔ محبوب اور محروم نہیں جانتے ہیں۔

تو ایسے امور ہندوستان کے اکثر مقامات کے شرفاء میں مروج ہیں، جن میں علماء کرام بھی شامل ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نص کے مقابلہ میں عرف کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ ظہیر یہ میں لکھا ہے کہ محمد بن فضل کا قول ہے کہ نافت اس مقام تک کہ زیر نافت کا بال جمتا ہے۔ ستر عورت نہیں اس واسطے کہ باعتبار معمول عمال اس کو شرفا ستر عورت قرار دینے میں حرج ہے یہ قول ضعیف ہے اس واسطے کہ نص کے مقابلہ میں کس امر کے معمول ہو جانے کا اعتبار نہیں۔ یہ مضمون ظہیر یہ کی عبارت کا ہے۔

تو امور مذکورہ کا اجراء اس دیار کے مشرف اور علماء کرام میں وجہ شرعی کے بغیر جو موجب قباحت و رواج ہے کہ جن پر علماء کا بھی عمل ہے۔ اجمیعاً حکم اللہ تعالیٰ فقط

جواب ۱: (یہ جواب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں فرمایا۔ بلکہ کسی دوسرے کا ہے اور مولانا صاحب نے یہ جواب رد فرمایا ہے اور اصلی جواب جس سے اس کا رد ہوتا ہے۔ اس کے بعد میں مذکور ہے)

الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ عادت حکم ہے۔ یعنی اس کے اعتبار پر شرعاً حکم کیا جائے یعنی عادت کا اعتبار کرنا احکام شرعیہ میں شرعاً ثابت ہے اور یہ قاعدہ اس اصل سے ثابت ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

ما دأى المسلمون حسناً فهو عند الله حسن. ترجمہ: یعنی جس امر کو اہل اسلام بہتر جانیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ امر بہتر ہوگا۔

پھر اشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ جاننا چاہیے کہ عادت اور عرف کا اعتبار فقر کے اکثر مسائل میں کیا جائے حتیٰ کہ علماء کرام نے اس کو ایک اصل قرار دیا ہے۔ چنانچہ علماء کرام نے اصول میں اس امر کے بیان میں کہ حقیقت بطلان استعمال اور عادت ترک کی جاتی ہے۔ لکھا ہے کہ اس امر میں علماء کرام میں باہم اختلاف ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ عادت کا عطف استعمال ہوا ہے تو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔

اور ہدی نے شرح منہی میں لکھا ہے کہ عادت سے مراد وہ امر ہے کہ اس کا استقرار نفوس میں ہو جائے اور وہ ان امور سے ہو کہ ان کا اعتبار چند مرتبہ تسلیم طابع کے نزدیک کیا گیا ہو۔

پھر الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ مجملہ ان مسائل کے کہ اس قاعدے کی بناء پر استخراج کئے گئے ہیں۔ ایک یہ مسئلہ ہے کہ جاری پانی کی حد کیا ہے۔ یعنی پانی کس قدر جاری ہو کہ شرعاً اس کو جاری پانی کہیں گے۔ تو اصح یہ ہے کہ جس کو لوگ جاری پانی سمجھتے ہوں۔ وہی شرعاً جاری پانی قرار دیا جائے گا۔ من جملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ قدر میٹگی بکری وغیرہ کی کوئی چیز پر چڑھا تو شرعاً زیادہ بھی جائیگی تو اس بارے میں اصح یہ ہے کہ جب بکری وغیرہ کی میٹگی اس قدر زیادہ ہو کہ دیکھنے والا اس کو زیادہ سمجھ کر شرعاً اس کی بکری قرار دیں گے۔ مجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کس قدر زیادہ پانی ہو تو شرعاً اس کو کثیر پانی کہیں گے۔ اور وہ جاری پانی کے حکم میں ہوگا۔ تو اس بارے میں بھی اصح یہ ہے کہ جس شخص کو اس کے استعمال کرنے کی ضرورت ہو اسی کی رائے معتبر ہوگی اگر وہ اس کو کثیر پانی سمجھے گا تو اس کے حق میں وہ پانی شرعاً کثیر قرار پائے گا۔ اور اگر اس کو کثیر نہ سمجھے گا تو شرعاً اس کے حق میں وہ پانی کثیر قرار نہ پائے گا۔ اور وہ در وہ وغیرہ ہونے کا اعتبار نہ کیا جائیگا۔

مجملہ ان مسائل کے حیض اور نفاس کا مسئلہ ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر حیض اور نفاس کی اکثر مدت کے بعد بھی خون آئے تو اس کی اکثر مدت اسی صورت حیض و نفاس والی کی عادت کے موافق قرار دی جائے گی۔

مجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں نماز کے عمل کے سوا کس قدر زیادہ دوسرا عمل کرنے سے نماز فاسد

ہو جاتی ہے تو اس امر میں بھی عرف کے اعتبار پر حکم ہوگا کہ جب نماز کے اندر اس قدر کوئی دوسرا کام کرے کہ اگر اس حالت میں کوئی شخص اس کو دیکھے تو گمان کرے کہ وہ شخص نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی مجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہوا پھیل کس قدر کھانے سے اس پھیل کے مالک کی مرضی کے خلاف سمجھا جائیگا تو اس بارے میں بھی باعتبار عرف حکم ہوگا۔

مجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ سود کے بارے میں جس مال کی تصریح نہیں۔ اس کے بارے میں عرف کے اعتبار پر حکم ہوگا۔ یعنی اگر عرف میں وہ مال ایسا سمجھا جاتا ہو کہ ناپ کر اس کو لیتے ہوں اور دیتے ہوں تو شرعاً بھی وہ مال اسی قبیل سے قرار دیا جائے گا۔ اور اگر عرف میں وہ مال ایسا سمجھا جاتا ہو کہ وزن کر کے اس کو لیتے ہوں اور دیتے ہوں۔ تو شرعاً بھی وہ مال اسی قبیل سے قرار دیا جائے گا۔ اور یکین وہ مال کہ اس کے کیل یا وزن کے بارے میں نص میں تصریح ہے۔ تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام محمد رحمہ کے نزدیک عرف کا اعتبار نہیں۔ بخلاف امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے کہ ان کے نزدیک اس میں عرف کا اعتبار ہے۔

پھر الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ محبت ثانی یہ ہے کہ کسی چیز کی عادت ہونے کا عرف اس صورت میں اعتبار کیا جائے گا۔ کہ غالب اور اکثر اوقات میں لوگوں میں اس کا معمول ہو۔ اور اسی وجہ سے علماء نے بیع کے معاملہ میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کے ہاتھ کوئی مال فروخت کیا اور اس کی قیمت کے بارے میں مطلقاً درہم و دینار کے تعیین ہوئی اور وہ دونوں شخص ایسے شہر میں ہیں کہ وہاں مختلف مالیت کا چند طرح کا درہم اور دینار مائع ہے اور بعض کا رواج زیادہ ہے۔ اور بعض کا کم ہے تو جس طرح کے درہم اور دینار کا رواج زیادہ ہوگا۔ وہی شرعاً اس معاملہ میں قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ ہدیہ میں لکھا ہے کہ وہی متعارف ہے تو درہم یا دینار مطلقاً ذکر کرنے سے وہی درہم یا دینار قرار دیا جائے گا۔ جو کہ متعارف ہے۔

پھر الاشباہ والنظائر میں؛

عرف اور شرع میں باہم تعارض ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ جب عرف اور شرع میں باہم تعارض ہو تو استعمال کے بارے میں جو عرف ہوگا وہی مقدم سمجھا جائے گا۔ خصوصاً قسم کے مسائل میں۔ مثلاً جب کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ قریش بیٹھوں گا یا یہ کہ لباد پر بیٹھوں گا یا یہ کہ ہمارے سرچ کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھائیں گا تو وہ شخص اس صورت میں حائث ہوگا۔ آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھائے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں زمین کو فرش اور بساط فرمایا ہے اور سرچ کا لفظ شمس کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ گوشت نہ کھاؤں گا۔ تو پھلی کا گوشت کھانے سے حائث نہ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ہم کا لفظ پھلی کے گوشت کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے، اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ دایہ پر سوار نہ ہوں گا۔ تو وہ اس صورت میں حائث نہ ہوگا۔ مثلاً پالکی پر سوار ہوا اور وہ پالکی ٹٹے جائیں۔ اگرچہ اللہ نے کفار کو دایہ پر سوار فرمایا ہے۔

اگر قسم کھا کر کہا کہ اس وقت کے نیچے نہ بیٹھوں گا اور اس کے بعد آسمان کے نیچے بیٹھا تو حائث نہ ہوگا۔ اگرچہ اللہ

نے آسمان کو سقفت ارشاد فرمایا ہے۔

پھر الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ عادت مستمرہ کیا بمنزلہ شرط کے قرار پائے گی۔

ظہیر یہ میں لکھا ہے کہ محدوف باعتبار عرف ماتمذ مشروط ہے باعتبار شرط "یضمون ظہیر یہ کی عبارت کا ہے اور علمائے اجارہ کے بیان میں کہا ہے اگر کسی شخص نے کچھ ارذری کو سینے کے لئے دیا، یا رنگیز کو رنگنے کے لئے دیا، اور اس کی اجرت مقرر نہ کی، پھر ان دونوں میں اختلاف واقع ہوا۔ کہ اس کام کی اجرت واجب ہوئی یا نہیں، اور وطن عادت ہے۔ یعنی معمول ہے کہ یہ کام اجرت پر کیا جاتا ہے۔ تو یہ عادت بمنزلہ اجرت کی شرط کے قرار دی جائے گی یا نہیں تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اگر رنگیز صاحب پیشہ ہو یا صاحب پیشہ نہ ہو۔ مگر یہ کام اجرت پر کرتا ہو تو واجب ہوگا کہ اس کو اجرت دی جائے اور اگر وہ صاحب پیشہ نہ ہو اور نہ یہ کام اجرت پر کرتا ہو تو اس کے لئے اجرت ثابت نہ ہوگی۔

اور امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ بات مشہور ہو کہ وہ رنگیز رنگنے کا کام اجرت پر کرتا ہے یا اس کے حال سے معلوم ہو جائے کہ وہ یہ کام کرتا ہے۔ تو اسی کے قول کے موافق شرعاً حکم دیا جائے گا کہ صرف ظاہر عادت کا اعتبار نہیں۔ زلیعی نے کہا ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ اس بارے میں رنگیز کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ عام طور پر جو کار کیا ہو کہ اجرت پر کوئی کام کرتا ہو اس کے بارے میں بھی یہی حکم ہوگا۔ اس واسطے کہ ایسے مقام میں سکوت بمنزلہ شرط کے قرار دیا جاتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور اسی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ جب اس مقدمہ کی تمہید بیان کی گئی اور عرف اور عادت کے معنی ظاہر ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اکثر مسائل اس بناء پر استخراج کئے گئے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عرف شرع پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ عرف نفس کی تصریح کے خلاف نہ ہو۔ تو اب جاننا چاہیے کہ پہلی صورت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ بیوہ عورتیں کہ ایمان کی قوت سے اس قدر صابر اور لپٹے نفس پر جا رہی ہیں۔ کہ غیرت کی وجہ سے نکاح ثانی سے پرہیز کریں اور اپنے لئے نکاح ثانی کو روانہ نہ رکھیں۔ اس واسطے کہ کفار اس بارے میں طعن کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا جائے اور اس امر کو ذلیل اور خیس قوم کی خصوصیت سے جانتے ہیں اور شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں ان بیوہ عورتوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ درجہ اور بلند مرتبہ ہوگا۔ اور فی الجملہ ایسی بیوہ عورتوں کو مشابہت حضرت سرور کائنات کی ازواج مطہرات کے حال کے ساتھ ہوگی اور ان کی پیروی حاصل ہو سکتی ہے۔ البتہ اقتناع کی علت میں فرق ہے۔ بالفرض اگر وہ نکاح ثانی پر راضی بھی ہوں اور ان کے ولی کی جانب سے ممانعت ظہور میں آئے تو اس میں بھی شرع کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے۔ اس واسطے کہ بعض مقام اور بعض امور اس لحاظ سے کہ ہمیں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں غیرت ہوتی ہو۔ اور شرافت میں غلغلہ آتا ہو۔ اور ایسی صفت کی نسبت اپنی طرف ہونے کا خوف ہو کہ باعتبار عرف نہایت مذہب ہو۔ تو ایسی صورت میں شرع سے تجاوز کرنے کو علماء کرام نے مستحسن جانا ہے۔ چنانچہ یہ امر اس صحیح حدیث سے کہ مسلم میں ہے صنیطہ اور مستفاد ہوتا ہے اور حدیث یہ ہے۔

عن ابی ہریرۃ رحمہ اللہ قال سئل عن عبادۃ ولہ ووجدت مع اہلی رجل اثمۃ متہ حتی اقی بادیعة شہداء۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کلا ولا تہی مع شاک بالحق ان کنت اما الجہد بالتشیف قبل ذلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا لی ما یقول سیدکم انہ لعیسوی وانا اغیرمنہ واللہ اغیرمنی۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا سعد بن عبادہ نے کہ اگر میں اپنے اہل کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا اس مرد کے ساتھ تعرض نہ کروں گا۔ اس حال میں چار گواہ لائے انہوں نے کہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سعد بن عبادہ نے کہا کہ ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی کہ اس نے آپ کو برحق بیعت فرمایا۔ میں اس سے پہلے اس کا تلوار سے علاج کروں گا۔ یعنی اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو جو بات کہ تمہارے سردار کہتے ہیں۔ یہ نہایت صاحب غیرت ہیں اور میں ان سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہے۔

صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث کچھ کم تفاوت کے ساتھ وارد ہے تو اس مقام میں سعد بن عبادہ کی غیرت کی وجہ سے قتل کرنے کو اختیار کرنا زیادتی ہے اور اس مقام میں قتل کرنے کو اختیار کرنا شرع کی حد سے تجاوز کرتا ہے۔ مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ سعد ایک نہایت صاحب غیرت فرد ہیں اور میں سعد سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہیں اور دوسری حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:-

ومن غیرتہ حرّم الفواحش ما ظہر منہا وما باطن۔ ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت میں سے یہ ہے کہ اس نے ظاہر اور باطن ہر طرح کے فحش امور کو حرام فرمایا ہے۔

تو جس صورت میں کہ بیوہ عورت کا نکاح صرف مباح ہو، مگر نہ کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہوں یہ نہ ہو کہ اس کی خواہش کے لحاظ سے زمانہ کی حالت کے اعتبار سے نکاح کرنا ضروری ہو۔ تو ایسی صورت میں اگر ولی کی طرف سے ممانعت وقوع میں آئے تو حد شرعی سے تجاوز کرنے میں یہ صورت اس قتل کرنے سے زیادہ نہ ہوگی۔ جو سعد بن عبادہ نے اختیار کیا تھا۔ دوسری صورت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ جس لفظ کے معنی میں طلاق کے مفہوم کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اس کے استعمال کرنے سے لوگ اسی وجہ سے احتیاط کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا اس دیار میں فیما بین شرع کے نہایت مستحکم سمجھا جاتا ہے اور قطعاً متروک ہے تو ایسی حالت میں عورتوں کو طلاق دینا گویا فی الواقع ان کو ہلاک کرنا ہے اور طلاق اگرچہ مباح ہے لیکن الغرض مباحات ہے۔ تو طلاق سے احتیاط کرنا حسن اخلاق میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

الغرض الحلال الی اللہ الطلاق یعنی حلال چیزوں میں بہت زیادہ ناپسند اللہ تعالیٰ کے نزدیک

طلاق ہے۔

یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :-

يَا مَعَاذَ مَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْءًا رَعَىٰ وَجْهَ الْأَرْحَمِ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَىٰ وَجْهِ الْأَرْحَمِ الْبَغْضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ . ترجمہ : یعنی اسے معاذ، نہیں پیدا کی اللہ نے کوئی چیز ایسی زمین پر کہ زیادہ پسند ہو اللہ تعالیٰ کو غلام کے آزاد کرنے سے اور نہ پیدا کی اللہ نے کوئی چیز زمین پر کہ زیادہ ناپسند ہو اللہ تعالیٰ کو طلاق سے۔ (روایت کیا اس حدیث کو دارقطنی نے)

قیسری صورت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ لڑکی جو کہ اپنا حصہ باپ کے ترکہ میں جو کہ اراضی مملوکہ کی صورت میں ہو، لڑکے کے موجود ہونے کی صورت میں نہیں پاتی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ کفار ہند کی بیروی کے لحاظ سے لڑکی کو حصہ نہیں دیتے ہیں۔ یا اس خیال سے کہ اہل اسلام نے میراث کی آیت کے خلاف معاذ اللہ کفار ہند کا مذہب اختیار کیا ہے۔ ایسا خیال کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ اگر یہ امر ہوتا تو عصبات کے موجود ہوتے ہوئے لڑکی کو کیوں حصہ دیتے۔ کیونکہ کفار ہند کسی صورت میں لڑکی کو حصہ نہیں دیتے ہیں۔ اگر لڑکا نہ ہو تو دوسرے عصبات کو دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اہل اسلام کی اخوات نے رسم و رواج ہندو کا دیکھا اور سنا، تو فرمایا محبت سے کہ جو ہمیشہ کو بھائی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اپنے حصہ سے دست بردار ہوئیں۔ اور اپنی رضامندی سے اپنا حصہ نہ لیا۔ اور اپنے اس دعویٰ سے دست بردار ہونے کے کلمات سے آج تک اعلان عام کرتی رہیں اور بالاتفاق کہتی ہیں کہ اس ہمیشہ کی زبان کٹی ہوئی بہتر ہے کہ وہ اپنے حصہ کا دعویٰ زبان پر لائے۔ یہ بات ہندی زبان میں اس دیار کے مشرقی ہندو کی بہنوں میں مشہور و معروف ہے۔ یہ بات تو اتنی حد کو پہنچی ہے تو یہ امر کہ متعارف ہو گیا ہے۔ اور اس کی عادت ستمورہ قرار پائی ہے۔ نص کے خلاف ہے۔ چنانچہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے :-

ذكر الامام المعروف بخواهر شراره حق الموصى له وحق الوارث قبل الفسحة غير متاكيد يحتمل الشك بالاسقاط . ترجمہ : جس شخص کے حق میں وصیت کی گئی ہو کہ اس کا حق اور وارث کا حق ترکہ تقسیم ہونے سے قبل متاخر نہیں، بلکہ صاحب حق کے ساقط کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔

یہ احسان کہ بہنوں کی طرف سے بھائیوں کے حق میں وقوع میں آتا ہے اس کے صلہ میں بھائیوں کی طرف سے بہنوں کے حق میں خصوصاً ان کے لڑکوں کی پیدائش اور شادی خرچ اور سلوک کرنے کا اکثر رسم اور رواج قرار پایا ہے ایسے حقوق بحسب مقدمہ وادار کرنے میں بھائیوں کو کوئی غدار اور انکار کی کوئی جگہ باقی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسے مقامات میں بہنوں کا جس قدر تقاضا ایسے حقوق مروجہ کے طلب کرنے میں ہوتا ہے۔ وہ بھائیوں کے حق میں سرور و انبساط کا زیادہ باعث ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص غور کرے اور بہنوں کی رضامندی اپنے موروثی حصہ نہ لینے میں ہوتی ہے۔ اس کو ان حقوق مروجہ کے عوم سمجھے تو ممکن ہے کہ فقہ کی کتابوں سے ایسی دوسری صورت بھی استخراج کر سکے۔

بہنوں میں سے کسی نے کبھی اپنے حصہ کا دعویٰ کیا بھی ہے تو اس کے بھائیوں نے اس کے ساتھ مصالحت کر کے اس کو راضی کر لیا ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر کبھی وقوع میں آیا ہے اور ناد کی بنا پر حکم نہیں کیا جاسکتا ہے اس واسطے کہ عادت کا اعتبار صرف اسی صورت میں کیا جاتا ہے کہ وہ ماد غالب ہو اور عام طور پر شائع ہو، جیسا کہ اوپر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

مواہب الرحمن کی کتاب السرقہ میں لکھا ہے کہ جواب میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے اس قول کے لکھا ہے کہ اس شخص پر حد جاری کی جائے گی۔ جو کہ اسلحہ کے ساتھ قطع طریق کے لئے شہر میں یا قریہ میں یا درمیان دو قریہ کے باہر نکلے بعض مشاہیر نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اپنے اہل زمانہ کی عادت کے موافق عمل ہو جیسا کہ لوگ شہر میں اور قریہ میں دیہہ اپنے ساتھ اسلحہ لے کر نکلتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں قاطع طریق کا بھی یہ فعل ہی پر عمل کیا جائے اور اگر اس کے خلاف کبھی نادر طور پر متحقق ہو تو اس کی بنا پر حکم نہ دیا جائیگا۔ اور ایسا ہی عصبات نے بھی جو کہ اکثر چچا زاد بھائی ہوتے ہیں۔ اپنی چچا زاد بہنوں سے چچا زاد بھائی نہ ہونے کی صورت میں اپنا حصہ چچا زاد اخوات سے نہیں لیا ہے۔ اپنے حق سے دست بردار ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کو قبیح جانا ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ ہم نے اپنے باپ کا حصہ لیا ہے تو اب اپنے چچا کے حصہ سے اپنے چچا کی لڑکی سے حصہ نہ لیں گے۔ اس طرح کا تغافل بھی اس دیار میں رسم و رواج ہو گیا ہے۔ یہی رواج ہر شہر میں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شرع کے خلاف نہیں۔ ورنہ وہ اگر دعویٰ کریں۔ تو کسی کو منع کرنے کا حق نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ خود دعویٰ نہیں کتے ہیں۔

باقی اب ایک دوسری صورت رہی اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر ہمیشہ نے عادت کے موافق سکوت اختیار کیا اور دعویٰ کرنے یا دست بردار ہونے کا کلمہ کسی نے اس کی زبان سے نہ سنا۔ اور ان کے باپ کا ترکہ ان کے بھائی کے قبضے اور تصرف میں رہا۔ اور پھر ہمیشہ اور بھائی دونوں فوت ہوئے۔ اور ہمیشہ علاقہ کی اولاد سے جو لوگ ہیں۔ وہ بھائی کی اولاد سے اپنی ماں کے حصہ کا یا اپنی جدہ کے حصہ کا دعویٰ کرنے ہیں۔ تو بھائی کی اولاد سے جو لوگ ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ اخوات نے اس دیار کے رسم و رواج کے موافق اپنا حصہ نہیں لیا۔ اور اپنے حق سے دست بردار ہوئیں۔ اسی خیال سے ہمیشہ کی اولاد کو حصہ دینا منظور نہیں کرتے ہیں۔ تو عرف مذکور کا اس صورت میں اعتبار ہے تو کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کا جواب چوتھی صورت کے جواب کے ضمن میں ہو جاتا ہے اور اسی کے جواب سے اس کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ تو اس صورت میں غور کرنا چاہیئے۔ اور چوتھی صورت کا جواب یہی ہے کہ رسم اور رواج اس دیار کے مشرقیہ میں ہے کہ اولاد بحسب المیراث کو مورث محبوب نہیں کرتے ہیں۔

مثلاً کسی شخص کے دولہے کے ہیں اور ان دونوں لڑکوں کے من بملہ ایک لڑکا زوجہ اور اولاد کو چھوڑ کر اپنے باپ کے سامنے فوت ہوا۔ تو ایسی صورت میں رسم اور رواج یہ ہے کہ اپنے حیات میں اپنا مال اور اپنی ملکیت تقسیم کرتے ہیں۔ اور بمقتضا غیبت اور بجا شرافت پس منوی کی زوجہ اور اولاد کو محروم اور محبوب نہیں کرتے ہیں اور چونکہ باپ اپنی ملکیت کا مالک رہتا ہے۔ اس واسطے اپنی تجویز سے تقسیم کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ رسم اور رواج شریعت کے خلاف نہیں۔ اور یہ رسم اس دیار کے مشرقیہ میں کیوں جاری نہ ہو

اس واسطے کہ بیوہ عورتیں حیرت اور شرافت کی وجہ سے نکاح ثانی سے پرہیز رکھتی ہیں اور اس واسطے ہیں صبر کرنا شرافت کے لوازمات سے جانتی ہوں۔ تو اگر مورث ان کو اور ان کی اولاد کو محروم کر دے۔ تو ان کی کفالت کون شخص کرے گا۔ اور ان کی عفت اور عصمت کس طرح محفوظ رہے گی۔ اور بیوہ عورتوں اور یتیموں کی کفالت اور غواہی کرنی احل اسلام کے بہترین خصائل سے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:-

الساعي على الارملة والمساكين كالسائل في سبيل الله. ترجمہ: خبر گیری کرنے والا بیوہ عورتوں اور مسکینوں کا اس شخص کے مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

بلکہ یہ رسم کہ اس دیار کے مشرفان نے اس کو رواج دیا ہے۔ نوع انسان کے بہترین خصائل سے ہے شیخ اور قصبہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا تھا صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ اس صفت کے ساتھ توصیف کی کہ کہا:-

وابيض يستسقى الغمام بوجهه شمال اليتامى عصمة للاولاد

یعنی: آپ کا رنگ ایسا خوشنما ہے کہ آپ کے چہرہ مبارک کے دیدار سے یتیم بچے ہوتا ہے۔ آپ کو شش فرماتے ہیں یتیموں کی پرورش میں اور بیوہ عورتوں کی عصمت محفوظ رکھنے میں۔ اگر اچانک کسی مورت نے اپنے سامنے اپنی ملکیت تقسیم نہ کی اور اپنے پیسہ متوفی کی زوجہ اور اولاد کو زبانی یا تحریر کے ذریعہ سے محروم بھی نہ کیا۔ تو اس مورت میں بھی جب وہ فوت ہوتا ہے تو اس کے پیسہ متوفی کی اولاد سے جو لوگ رہتے ہیں۔ باوجودیکہ شرعاً محبوب ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بھی حصہ لیتے ہیں۔ اور اگر دوسرا لڑکا یا دوسرے لڑکے کی اولاد سے جو لوگ رہتے ہیں۔ انکار کرتے ہیں۔ اور منافعت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ تو اس شہر کے رؤساء اتفاق کر کے اسی عرف کے موافق کر متعارف ہے۔ پیسہ متوفی کی اولاد کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ اور اس دیار کے سب مشرفان میں کہ اکثر علماء ویندار گزے ہیں۔ سب کے یہاں ہمیشہ سے یہی رسم اور رواج جاری ہے۔ اور مورث کے سکوت کو رسم اور رواج کے موافق منجانب مورث تقسیم کرنے اور فیئ کی حیثیت جانتے ہیں۔ اس واسطے کہ بعض مقام میں ایسا دیکھا گیا ہے۔ کہ بعض مورث جو کہ بال تقسیم کئے اپنے مال کو فوت ہو جائے۔ خود اپنے مورث محبوب المیراث کے حصہ پر متصرف رہا ہے۔ تو ایسی مورت میں اس کا سکوت کا بمنزلہ شرط کرنے کے مال کے دینے اور تقسیم کرنے کے لئے بمنزلہ شرط کے قرار دیا جائیگا۔ چنانچہ اشباء والنظائر میں ایسے مسائل میں جو کچھ لکھا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ معروف مانند مشروط کی ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ نے اپنی لڑکی کو چیز دیا اور اس چیز کا مال اس لڑکی کے حوالہ کر دیا۔ پھر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ مال بطور عاریت کے دیا گیا تھا۔ لیکن اس امر کے لئے گواہ نہیں ہیں تو اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ عرف میں عام طور پر اگر مفہوم ہوتا ہو کہ باپ چیز کا مال لڑکی کو بطور ملکیت کے حوالہ کرتا ہے نہ کہ بطور عاریت۔ تو باپ کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ اور اگر عرف مشترک ہو تو باپ کا قول قبول کیا جائیگا۔

ایسا ہی ابن دیمان کی شرح منظومہ میں لکھا ہے:-

قاضی خان نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ باپ اگر مشرفا سے ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اوسط درجہ کے لوگوں سے ہو تو اس کے قول کے موافق حکم دیا جائے گا

قاضی نے کبریٰ میں لکھا ہے کہ لڑکی کی موت کے بعد اس کے شوہر کے قول کے موافق حکم دیا جائے گا۔ اور اگر لڑکی کا باپ وہ قول تسلیم نہ کرے تو اس پر لازم ہوگا کہ گواہ دے۔ اس واسطے کہ ظاہر ماں زوج کے لئے شاہد ہے۔ جیسے کسی شخص نے کپڑا دھو بی کو دھونے کے لئے دیا۔ اور اجرت کا ذکر نہ کیا۔ تو یہ عمل اجارہ پر عمل کیا جائے گا۔ اس واسطے کہ ظاہر مال کی شہادت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس شہر کے رؤساء کے اسی معاملہ کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں مورث کا سکوت بمنزلہ تقسیم کرنے اور مال فیئ کی حیثیت کے قرار دینا چاہئے۔ واللہ اعلم

اگر کوئی کہے کہ لڑکیوں کے سکوت کو باعتبار عرف اپنے حق سے دست بردار ہو جانے کی رضامندی پر عمل کیا جائے اور رض کے خلاف اس کا باعتبار کیا جائے تو اس کے لئے ایک حد تک وجہ ثابت ہے مگر محبوب المیراث کی اولاد کے دعویٰ کرنے کی صورت میں سکوت کا حمل اس معنی پر کرنا مشکل ہے۔ اس واسطے کہ ان کا دعویٰ اگر وراثت کی بنا پر ہے تو ہمہ کی شروط مفقود ہیں۔ اس عرف کا اجرا محبوب کی اولاد کے حق میں اس صورت میں کہ مورث نے سکوت کیا ہے۔ بشرطیت کے موافق قرار دینا دشوار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل حال اس عرف کے اجرا میں یہ ہے۔ کہ محبوب المیراث کی اولاد کے لوگ جواب دیتے ہیں۔ کہ جب ہمارے مورث اور اس شہر کے سب رؤساء ہمیشہ کے رسم و رواج کے مطابق محبوب المیراث کے حصہ پر متصرف رہتے ہیں۔ تو اس کے سکوت کو اس کی اس رضامندی پر اگر عمل نہ کریں کہ ہمارا حصہ اس کی ملکیت سے ہم کو دیا جائے۔ تو قطع نظر اس کے کہ یہ امر مورث پر طعن ہونے کے لئے باعث ہوتا ہے کہ اس نے ہمیشہ کے معمول اور برادری کے رسم اور رواج کے خلاف کیا ہے۔ اشخاص موجودہ پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو لوگ محبوب المیراث کے حصہ پر متصرف ہوں اور وہ دست بردار ہو جائیں اور سب لوگ اس رسم و رواج کو قطعاً موقوف کر دیں۔ اس شہر کے رؤساء اس امر کو جائز نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ اس سے حرج عظیم لازم آئے گا۔ اور ان امور کے انتظام میں کہ ابتداء سے آج تک سب میں جاری ہیں بغل واقع ہوگا۔ اور وہ امور متعارف ہیں کہ مورث اپنے سامنے خواہ تحریر کے ذریعے سے یا زبانی لوگوں کے مقابلے میں اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس طرح یہ لڑکا میرے بعد میرے مال متروکہ کا مالک ہوگا۔ اسی طرح میرے پیسہ متوفی کی اولاد سے جو ہوں گے۔ وہ بھی اس مال میں اپنے حصہ کے مالک ہوں گے۔ چاہئے کہ میرے بعد اپنا اپنا حصہ اپنے تصرف میں لے آئیں اور محبوب ہونے کی حجت اپنے سامنے تحریر یا تقریر کے ذریعے سے برطرف کر دیتا ہے۔ اور ایسا ان لوگوں میں سے کسی کا سکوت کرنا نہایت کم اور نادر ہے۔ تو سکوت کی حالت میں بھی عرف کے موافق عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ جب مورث فوت ہوتا ہے۔ تو اس کے ورثہ اس کے مال متروکہ کے مالک ہو جاتے ہیں۔ تو مورث کی وفات کے بعد اس کی تقریر یا تحریر متروکہ سے نہ ہمہ ثابت ہوگا اور نہ حجت رفع ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مورث کی تحریر یا تقریر متروکہ اس کے پیسہ متوفی کی اولاد کے حق میں ہمہ ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ امر فقہاء کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے:-

إِذَا دَهَبَ الْاَلْبُ لِلطِّفْلِ مَتَعًا بِالْعَقْدِ تَرْجِمَ: جب جبکہ بچہ اپنے لطف کے حق

میں تو وہ ہمہ صرف عقد کے ذریعہ سے کامل ہوتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ مورت کی صرف تحریر و تقریر سے ہمہ مذکور کامل ہو جائے گا۔ خصوصاً اراضی مملوکہ وغیرہ میں جس پر قبضہ دلا احکام کے اختیار میں ہے تو مورت کی تحریر اس کے ہمہ کے بائے میں اس کی اولاد کے حق میں کافی ہوگی۔ اور ان وجوہ سے ہندوستان میں جو عرف اور رسم اور عواج ہے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ شرع کے موافق ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب ۲: (رد جواب از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ۶۷)

جیب کا جو یہ قول ہے کہ لا اشاء والنظر میں لکھا ہے کہ عادت حکم ہے اس قول کے آخر تک۔ اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ عادت اور عرف کا ہونا فقہاء و کرام کے نزدیک ایک امر مسلم ہے لیکن کلام اس میں ہے کہ وہ کس محل میں حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ شرع کے خلاف جو عادت یا عرف ہو۔ اس کا اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ مثلاً جس شخص کو شراب کی عادت ہو۔ اس کے لئے شراب ہرگز حلال نہیں۔ ایسا ہی اگر اہل شہر کی عادت شرع کے خلاف ہو۔ مثلاً ان کی عادت ہو کہ نماز ترک کرتے ہوں۔ مسٹر عورت نہ چھپاتے ہوں تو ایسا نہیں کہ ان سے تعویض نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کو حکم کیا جائے گا کہ یہ عادت چھوڑ دیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اب تک ان لوگوں کو برابر منع کرتے رہے جن کو ایسے امور کی عادت رہی ہو تو معلوم ہوا کہ عادت اور عرف کے مطابق اس وقت حکم دیا جائے گا۔ کہ جب کسی امر میں اشتباہ واقع ہو کہ شرعاً اس میں کیا حکم ہونا چاہیے خصوصاً اس وقت عادت اور عرف پر زیادہ لحاظ کرنا چاہیے کہ جب الفاظ استعمال کئے جائیں اور اس امر میں اشتباہ واقع ہو کہ اس سے مراد اس کے شرعی معنی ہیں یا عرفی معنی ہیں کہ وہ الفاظ اس معنی میں عرف اور عادت کے موافق استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے قسم اور جارہ اور بیع کے معاملات ہیں۔ اس واسطے کہ اس طرح کے امور میں ایسی صریح نص نہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہو کہ ان الفاظ کے صرف شرعی معنی مراد ہیں جو اس طرح کے امور میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ بخلاف ان امور کے جو طلاق اور عتاق اور

اور نکاح کے مانند ہیں اس واسطے کہ نص سے ثابت ہے کہ ایسے امور میں جو صریح الفاظ ہیں۔ ان کا محل ان کے صرف شرعی معنی پر کیا جائے گا۔ جی کہ اگر ان الفاظ سے کسی شخص کا مقصود کوئی دوسرے معنی ہوں۔ تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ نہ دیا نہ اور نہ قضاء بلکہ ان الفاظ کے شرعی معنی کے مطابق اس شخص کے بائے میں شرعی حکم قرار پائے گا۔ اور جب اس تمہید سے فراغت ہوئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ صاحب اشتباہ نے جو جاری پانی کی حد کے بائے میں لکھا ہے کہ اصح یہ ہے کہ جاری پانی شرعاً ہی قرار دیا جائے گا۔ جس کو لوگ سمجھتے ہوں۔ کہ یہ پانی جاری ہے تو یہ محل نزاع نہیں۔ اس واسطے کہ جاری کی تصریح کسی نص میں مذکور نہیں۔ تو ضرور ہوا کہ اس کا محل اس کے عرفی معنی پر کیا جائے۔

جیب کا جو یہ قول ہے کہ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کس قدر میٹگی بکری وغیرہ کی کنوئیں میں پڑ جائے تو شرعاً زیادہ سمجھی جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت امور اضافیہ ہے چنانچہ اکثر چیزیں ہیں کہ کبھی وہ کم بھی ہوتی ہیں تو زیادہ سمجھی جاتی ہیں بنسبت۔ اس کے کہ اس سے بھی کم ہوں اور کبھی زیادہ بھی ہوتی ہیں تو کم سمجھی جاتی ہیں بنسبت اس کے کہ اس سے بھی زیادہ ہوں۔ شرع میں نفس میں کثرت کی حد اس مسئلہ میں وارد نہیں تو ضرور ہوا کہ اس کا محل اس کے عرفی معنی پر کیا جائے۔

جیب کا جو یہ قول ہے کہ اصح یہ ہے کہ جس شخص کو اس کے استعمال کی ضرورت ہو، اسی کی رہ یہ امر حوالہ کیا جائے گا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ عادت کے موافق حکم دیا جائے گا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی رہ یہ امر حوالہ کیا جائے گا اور یہ مراد نہیں کہ اس کی عادت کے موافق حکم دیا جائے گا۔

جیب کا جو یہ قول ہے کہ حیض اور نفاس کی کثرت عورت کی عادت کے موافق قرار دی جائے گی تو یہ بھی محل نزاع سے نہیں۔ اس واسطے کہ خود شارع نے ایسے امور میں عادت پر دار و مدار کا حکم لکھا ہے۔

ایسا بھی جیب کا یہ قول بھی ہے کہ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے اند نماز کے عمل کے سوا کس قدر زیادہ دوسرا عمل کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس امر میں عرف کے اعتبار پر حکم ہوگا۔ کہ جب نماز کے اند اس قدر کوئی دوسرا کام کرے کہ اگر اس حالت میں کوئی شخص اس کو دیکھے تو گمان کرے کہ وہ شخص نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یعنی یہ بھی محل نزاع نہیں اس واسطے کہ عمل کثیر کی حد شارع نے بیان نہ کی اور یہ امور اضافیہ سے ہے۔ تو ضروری ہوا کہ اس بائے میں عرف کے موافق حکم دیا جائے اور اس میں یہ بھی تامل ہے کہ اس صحت میں نماز کے فاسد ہونے کا حکم عرف کی بناء پر نہیں۔ بلکہ دیکھنے والے کے گمان کے اعتبار پر ہے کہ وہ گمان کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھتا ہے۔ ان دونوں امر میں یوں بعد ہے تو چاہیے کہ اس امر میں غور کیا جائے۔

اور جیب کا جو یہ قول ہے کہ منجملہ ان مسائل کے ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر ابوا پھل کس قدر کھانے سے اس پھل کے مالک کی مرضی کے خلاف سمجھا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اذن اجمالی کے قبیل سے ہے کہ جس پر اس حکم کی بناء پر خیر کے مال میں تصرف جائز ہو اور اس بائے میں صحیحین میں نص وارد ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک میں بھی ارشاد ہوا ہے:-

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بَيْتِكُمْ أَوْ مِنْ بَيْتِ صَدِيقِكُمْ.....

أَوْ صَدِيقِكُمْ۔ ترجمہ: یعنی گناہ نہیں تمہارے حق میں یہ کہ کھاؤ اپنے گھر کی چیزیں سے یا اپنے آپ

کے گھر کی چیزیں سے۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ اور اس میں بھی گناہ نہیں کہ کھاؤ اپنے دوست کے گھر کی چیزیں سے:-

تو گویا شارع نے اس امر میں اجمالی اذن قرار دیا ہے کہ لوگوں کی عادت یہ ہو کہ

تقرض نہ کرتے ہوں۔

جیب کا جو یہ قول ہے کہ نود کے بائے میں جس مال کی تصریح نص میں نہیں۔ اس کے بائے میں عرف کے اعتبار پر حکم ہوگا۔ تو خود اس قول سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے کیل یا وزن ہونے کے بائے میں نص وارد نہیں۔ اس کے بائے میں عرف کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور جس میں نص وارد ہے اس میں عرف کا اعتبار نہیں۔

مجیب کا جو یہ قول ہے کہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ مجتہد ثانی یہ ہے۔ اس قول کے آخر تک

اس کا جواب یہ ہے کہ بیع اور اجارہ وغیرہ جو ایسے امور ہیں۔ ان میں عادت کا اعتبار اس وقت کیا جائے کہ عام طور پر اکثر وہ عادت جاری ہو۔ اس واسطے کہ شرع میں درہم اور دینار کی تصریح اور تعین وارد نہیں اور مجیب کا جواب قول ہے کہ اشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ جب عرف اور شرع میں باہم تعارض واقع ہو تو استعمال کے بارے میں جو عرف ہو گا وہی مقدم سمجھا جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ایمان، وصیت تعلقات اور اس طرح کے امور جو امور ہیں۔ اس واسطے کہ ایسے امور میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں تو اس سے اس کے شرعی معنی متبادر طور پر مفہوم نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ متبادر طور پر استعمال کرنے کی صورت میں ہے۔ اس کے عرفی معنی سمجھے جائیں اور حاصل کلام یہ کہ یہ حکم ان الفاظ کے ہے کہ جن میں چند معنی کا احتمال ہو۔ ایسا نہیں کہ یہ حکم حلال اور حرام کے بارے میں ہے۔ علاوہ اس کے یہ جو قول ہے کہ مثلاً کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ فرانس پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ لہذا پٹر بیٹوں گا بلکہ یہ کہا کہ سراج کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا۔ تو یہ مثال اس چیز کے مطابق نہیں کہ جس کی یہ مثال دی گئی ہے اس واسطے کہ کلام اس امر میں ہے کہ جب حقائق شرعیہ اور عرفیہ میں تعارض واقع ہو تو کن طرح دی جائے گی اور ان الفاظ کے بارے میں کلام نہیں کہ شرع میں یا اعتبار معنی مجازی کے استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے کلام میں مجازاً یا استعارۃً مستعمل ہیں۔

تجربہ کا جو یہ قول ہے کہ اگر قسم کھانی گوشت نہ کھاؤں گا۔ اس قول کے آخر تک تو اس میں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ یہ امر اس قسم میں داخل نہ ہوگا بلکہ خارج سمجھا جائے گا۔ عادت اور عرف کی بنا پر مفہوم نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت کی ماہیت مچھلی کے گوشت میں متحقق نہیں ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ گوشت صرف خون سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کوئی جانور یعنی جس میں خون ہوتا ہے۔ پانی میں نہیں رہتا ہے۔ تو یہ صورت اس قبیل سے ہے کہ عین کامل حقیقت پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ جو چیز مچھلی میں خون کی طرح معلوم ہوتی ہے، وہ حقیقت خون نہیں۔ اس واسطے کہ وہ چیز خشک ہوتے پر سفید ہو جاتی ہے اور خون خشک ہونے پر سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسا ہی یہ وجہ بھی اس کے خون نہ ہونے کی ہے کہ وہ چیز زمین کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور خون سرایت نہیں کرتا ہے اور:-

محبیب کا جو یہ قول ہے کہ کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ دایہ پر پورا نہ ہوں گا۔ تو یہ قول اس قبیل سے نہیں کہ عرف اور شرع میں تعارض واقع ہو۔ بلکہ اس قبیل سے ہے کہ حقیقت اور منقول عرفی میں تعارض واقع ہو۔ چنانچہ اس کی تصریح منطق کی کتابوں میں ہے۔

اور مجیب کا جواب یہ ہے کہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ عادت مستقرہ کیا۔ بمنزلہ شرط کے قرار پائے گی۔ اس قول کے آخر تک۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ بدل متعین ہو۔ لیکن صاحب عقد نے اس کی تعیین نہ کی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے امور میں سکوت بمنزلہ صریح قول کے متصور ہوتا ہے اور جب

یہ مقدمہ معلوم ہوا۔ اور حقیقت مسائل کثیرہ کی تفریع کی دریافت ہوئی اور معلوم ہوا کہ کس صورت میں عرف شرع پر مقدم تصور ہوگا۔ یعنی معلوم ہوا کہ ان امور سے مراد کیا ہے۔ اور کن مقام میں ان امور کا اعتبار ہے۔

اب مجیب کے جواب میں مفصل طور پر نظر کرنی چاہیے کہ اس امر میں شبہ نہیں کہ بیوہ عورتیں بشرطیکہ اُن کے پاس چھوٹے بچے ہوں اور ان کی خدمت اور تیمارداری کے لحاظ سے سابق شوہر کی نکاح کی پابندی میں رہیں، تو البتہ اعلیٰ مرتبہ بہشت میں پائیں گی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ان لوگوں کی تعداد میں وارد ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ بہشت میں لے جائیں گے کہ جن جملہ ان لوگوں کے ایک وہ عورت ہے کہ اپنے شوہر کے فوت ہو جانے سے بیوہ ہو گئی اور اس نے اپنی جان قید میں رکھی اپنی لڑکیوں کی خدمت کے لئے لیکن سائل نے ایسی بیوہ عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھا ہے۔ بلکہ سائل کی مُراد یہ ہے کہ ان بیوہ عورتوں کے ولی کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے کہ وہ عورتیں نکاح پر راضی ہوں اور اُن کے ولی جبراً منع کریں اور یہ امر صراحتاً نفس کے خلاف ہے جو اُن عورتوں کے حق میں وارد پہلے کہ جن کو طلاق دی گئی ہو اور وہ نفس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَعْنَنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْصِلُوهُنَّ أَنْ يَتَّخِذْنَ أَرْوَاحَهُنَّ إِذَا تَرَائِعُوا
بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُؤْمِنًا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
ذَلِكَ أَرْكَاؤُكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَتْلُمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ترجمہ: اور جب طلاق دوئم عورتوں کو
پس گزر جائے عدت اُن کی تو ان کے ولی کو حکم ہوا کہ نہ منع کرو، ان عورتوں کو اس سے کہ نکاح کریں اپنے شوہر
سے جب وہ باہم راضی ہو جائیں بہتر طور پر اس سے نصیحت ہوتی ہے اس کو کہ ایمان لایا ہے تم سے
اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ یہ بہتر ہے اور خوب ہے تمہارے حق میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں
جانتے یہ اور ولی کا یہ منع کرنا اس صریح نص کے بھی خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَأَنكِحُوا الْأَيَّامَ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِهَابَكُمْ. ترجمہ: اور نکاح کرو بیوہ ۵ عورتوں کا کہ تم میں ہوں۔ اور نکاح کرو نیک لوگوں کا کہ تمہارے غلام اور تمہاری لونڈیوں میں سے ہوں۔ اور یہ مخالفت اس بناء پر ثابت ہوتی ہے کہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ:-

الامر بدینی نہی عن ضلۃ یعنی جب کسی چیز کے کرنے کا حکم ہو تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

تو یہ حکم کرنا کہ نکاح کر دینا چاہیے گویا اس امر سے منہ پھیرنا ہے۔ یعنی منع کرنا ہے کہ ان عورتوں کے نکاح کرنے میں دیر کی جائے یا ان کو نکاح سے باز رکھا جائے۔ خواہ یہ منہ پھیری جو یا متنہ بھی ہو۔

محبیب کا جو یہ قول ہے کہ فی الجملہ ایسی بیوہ عورتوں کو مشابہت حضرت سرور کائنات کی ازواج مطہرات کے سال کے ساتھ ہوگی۔ اور ان کی پیروی حاصل ہو سکتی ہے۔ البتہ امتناع کی علت میں فرق ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ اور پیروی خصوصاً میں نہیں کی جاتی ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو یہ بات جائز ہوتی کہ مشابہت اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی اس امر میں بھی امت کے لوگ کریں کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں جمع کریں۔ یا اس طرح کے اور امور میں ایسا عمل کریں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ تو علیٰ ہذا القیاس یہ بھی جائز نہیں کہ بیوہ عورتیں نکاح ثانی سے باز رکھی جائیں۔ اور بالفرض اگر یہ بات تسلیم بھی کی جائے۔ تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ اگر بیوہ عورتیں اپنی خوشی اور رضامندی سے نکاح ثانی نہ کریں۔ اس خیال سے کہ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حال کی مشابہت اور پیروی حاصل ہو تو وہ بیوہ عورتیں اجبر کی مستحق ہونگی۔ لیکن بیوہ عورتوں کے ولی کے حق میں ہرگز جائز نہیں کہ ان پر جبر کرے کہ ان میں وہ ازواج مطہرات کے حال کے ساتھ مشابہت حاصل کریں اور ازواج مطہرات کی پیروی کریں اور کلام اسی ثبوت میں ہے۔

بہر حال اگر مشابہت ثابت بھی نہ تو اس سے یہ امر لازم نہیں آتا ہے کہ نکاح ثانی کرنے میں عار ہے۔ جو عورتیں نکاح ثانی کریں وہ قابلِ لعن نہیں۔ اس واسطے کہ اکثر ازواج مطہرات نے مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ اور زینب بنت جحشؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ثانی کیا ہے اور ان حضرات کی شان میں ہرگز گمان نہیں ہو سکتا ہے کہ ایسا فعل کیا ہو کہ اس کے کرنے میں فی الواقع عار ہو، اور ایسا ہی حضرات حسنینؓ اور بعض دوسرے صحابہ کی بنات نے بھی نکاح ثانی کیا ہے اور اس وجہ سے معاذ اللہ ان حضرات کے حق میں عار لازم نہیں آتی ہے اور جہل کا مشایبو کہ اس کی وجہ سے معاذ اللہ ان حضرات کے حق میں عار کا گمان ہوتا ہو۔ تو وہ امر ہرگز مباح نہیں ہو سکتا ہے اور استحباب استحسان کا ذکر کیا ہے۔

محبوب کا جو یہ قول ہے کہ بالفرض اگر وہ نکاح ثانی پر راضی ہی ہوں۔ آخر قول تک۔ تو شرع کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے تو یہ قول بھی صراحتاً محذور نہیں ہے۔ اس واسطے کہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ جب جاتین راضی ہوں۔ تو نکاح کر دینا چاہیئے۔ اور محبوب کا جو یہ قول ہے کہ بعض مقام اور بعض امور میں اس لحاظ سے کہ اس میں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے سے غیرت ہوتی ہو۔ اور شرافت میں خلل آتا ہو۔ اور ایسی صفت کی نسبت اپنی طرف ہونے کا خیال ہو کہ باعتبار عرف کے نہایت مذہم ہو تو ایسی صورت میں شرع سے تجاوز کرنے کو علماء نے مستحسن جانا ہے۔ چنانچہ یہ امر اس حدیث سے جو کہ مسلم میں ہے مستنبط اور مستفاد ہوتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔ ۱/۱۱

تو اس کلام میں دو وجہ سے خلل ہے اول وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں یہ اندیشہ نہیں کہ ایسی صفت کی نسبت اپنی طرف ثابت ہوتی ہو۔ باعتبار عرف کے نہایت مذہم ہے بلکہ اس کے خلاف یہ اندیشہ ہے کہ مبادا نکاح ثانی نہ کرے سے زنا صادر ہو جائے کہ جو شرک اور قتل کے بعد تمام کبیرہ گناہ میں زیادہ قبیح ہے۔ اور ایسے گناہ کبیرہ کے لئے باعث ہونے سے مذمت اپنے اوپر عائد ہو۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ شرعی حد سے تجاوز کرنا بھی لازم نہ آیا۔ چنانچہ یہ امر انشاء اللہ عنقریب بیان کیا جائے گا۔

محبوب کا یہ قول کہ اس مقام میں قتل کو اختیار کرنا شرع کی حد سے تجاوز کرنا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے جس حالت میں قتل کرنے کو اختیار کیا اس حالت میں قتل کرنے سے حد شرعی سے تجاوز کرنا لازم نہیں آتا ہے۔ اس واسطے کہ اگر کوئی شخص اس طرح کا معاملہ اپنی دختر یا ہمیشہ یا ماں کے ساتھ۔

بلکہ اپنی کنیز کے ساتھ دیکھے اور اس کو گمان غالب ہو کہ بلا قتل کے یہ شخص دفع نہ ہوگا۔ تو جائز ہے کہ اس کو قتل کر دے اور عند اللہ قاتل ہرگز مامخوذ نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس پر اس قتل کے بارے میں دعویٰ قصاص کیا جائے گا۔ اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں گے تو قصاص کے ذریعے سے وہ جان سے مارا جائے گا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا بچا یعنی اگر تو چار گواہ نہ دے کہ تو قصاص میں جان سے مارا جائے گا۔ تو اپنی جان بچانے کے لئے چاہیئے کہ اس حال میں تم تعرض نہ کرنا جب تک گواہ حاضر نہ کر لینا کہ اس وقت قصاص سے محفوظ رہو گے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

من قتل دون عرسہ فہو شہید۔ جو شخص اپنی زوجہ کی عصمت بچانے میں قتل کیا جائے گا تو وہ شہید ہوگا۔

تو اس حالت میں جب مقتول شہید ہوگا تو ضرور ہے کہ قاتل مامخوذ ہوگا اس واسطے کہ ظاہر ہے کہ ان دونوں امر میں تلازم ہے اور یہی حاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کا ہے کہ سعد کے حق میں فرمایا کہ ائہ لغیر یعنی سعد نہایت صاحب غیرت ہیں۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ غیرت کے خیال سے ان کو کچھ پرواہ نہیں کہ قصاص میں جان سے مار دیئے جائیں۔ اور یہ کمال غیرت ہے

محبوب کا جو یہ قول ہے کہ ایسی صورت میں اگر ولی کی طرف سے ممانعت وقوع میں آئے تو حد شرعی سے تجاوز کرنے میں یہ اس قتل سے زیادہ نہ ہوگا کہ سعد بن عبادہ نے اختیار کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سراسر قیاس مع الفارق ہے اور اس کی چند وجہیں ہیں۔

۱۔ اول وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں ممانعت کبیرہ سے تھی۔ یعنی زنا سے باز رکھنا منظور تھا۔ اور اس مقام میں امر مبارک سے باز رکھنا منظور ہے۔ یعنی نکاح ثانی سے باز رکھنا مقصود ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے جس بارے میں کہا تھا۔ اس میں حد شرعی سے تجاوز کرنا لازم نہیں آتا تھا۔ اور اس مقام میں اس کے خلاف حد شرعی سے تجاوز لازم آتا ہے۔ اس واسطے کہ اپنا ناموس بچانا قتل کرنے کے ذریعے سے شرعاً بلاشبہ جائز ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے وہ خود جان سے مارا جائے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ من قتل دون عرسہ فہو شہید اور قاتل اور مقتول ہونا یعنی قتل کرنا اور قتل ہو جانا فرض حیات اور زیادتی تعصب کی بناء پر حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں جس امر کے بارے میں حکم شرعی دریافت کیا گیا تھا۔ اور وہ غیرت کے لئے عاٹھا تھا۔ وہ متحقق ہونے کے خدشے کی حالت میں قتل کرنے کا ارادہ ہوا تھا۔ اور وہ امر از کتاب زنا کا تھا خصوصاً اپنے اہل سے۔ اور اس مقام میں ایسا متحقق ہونے کا خدشہ نہیں۔ بلکہ اس مقام میں ایسا کرنے میں یعنی نکاح ثانی سے روکنے میں خدشہ ہے کہ قبیح فعل یعنی زنا صادر ہو جائے۔ ایسے مقام میں غیرت کرنا شرعاً مباح نہیں اور روکنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔

ان من الغیرۃ ما یحبہا اللہ وان من الغیرۃ ما یبغضہا اللہ فالغیرۃ التي یحبہا اللہ ما

يكون في ثمرته والغيره التي يبغضها الله ما يكون في غير من سبته ترجمہ تحقیق کہ بعض غیرت وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے اور بعض غیرت وہ ہے کہ اس کو بُرا جانتا ہے تو وہ غیرت کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے وہ غیرت ہے کہ اپنے محل اور موقع میں ہو اور وہ غیرت کہ اللہ تعالیٰ اس کو بُرا جانتا ہے اور وہ غیرت ہے کہ بے موقع اور بے محل ہو۔

خلاصہ یہ کہ کلام اس میں ہے کہ یہ غیرت غیرت محمودہ ہے یا غیرت مذمومہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے مباح فرمائی ہے۔ اور عفت اور عصمت کا وسیلہ ہے۔ اس کے بارے میں غیرت کرنا کیا مناسب ہے مجیب کا جواب یہ قول ہے کہ دوسری صورت کے پہلے میں جواب یہ ہے کہ جس لفظ کے معنی میں طلاق کے مفہوم کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اس کے استعمال کرنے سے لوگ اس وجہ سے احتیاط کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا اس میں یا فیما بین شرفاء کے نہایت مستکرہ سمجھا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قبیل سے بناؤ فاسدیر فاسد کے ہے چاہے کہ پہلے عرش یعنی تخت ثابت کیا جائے۔ تو اس کے بعد فرش ثابت کیا جائے۔ نکاح ثانی معیوب کیوں قرار دیا جائے تاکہ طلاق میں دقت لازم آئے۔ تو یہ قول اس قول کی طرح ہوا کہ کہیں کہ اس دیار میں بلا شوہر کے کوئی شخص قرض نہیں دیتا ہے تو منع کرنا سود لینے اور دینے سے گویا جان و مال تلف کرنا ہے تو چاہیے کہ سود جائز ہو جائے۔

اور مجیب کا جواب یہ قول ہے کہ طلاق اگرچہ مباح ہے لیکن بغض مباحات ہے۔ تو طلاق سے احتیاط کرنا حسن اخلاق میں داخل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سلم ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ اگر کسی شخص سے یہ فعل صادر ہو جائے تو اس کو باہمی قربابت سے علیحدہ کیوں کر دینا چاہیے۔ اس واسطے کہ مسلمان سے نفرت کرنا اور قطع رحم کرنا بلا وجہ شرعی کے اس سے لازم آتا ہے۔ بغض مباحات کے ارتکاب سے مسلمان کو اس قدر امانت کے قابل کیوں قرار دینا چاہیے اس واسطے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے:-

احب البلاد الى الله مساجد هاء و بطن البلاد الى الله اسواقها۔ ترجمہ: زیادہ پسند من جملہ شہروں کے مقامات کے اللہ تعالیٰ کو شہروں کی مسجدیں ہیں اور زیادہ ناپسند من جملہ شہروں کے مقامات کے اللہ تعالیٰ کو شہروں کی بازاریں ہیں:- (یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے)

اس سے بازار کی مذمت ثابت ہوئی ہے۔ حالانکہ بازار جانا اور وہاں ٹھہرنا تجارت وغیرہ ضروریات کے لئے ہرگز امانت کے لئے باعث نہیں:-

مجیب کا جواب یہ قول ہے کہ تیسری صورت کے بارے میں جواب یہ ہے۔ اخیر تو یہ جواب جو کچھ لکھا ہے درست اور صحیح ہے۔ اس واسطے کہ حصہ نہ لینا بنات کی طرف سے یا مطالبہ نہ کرنا عصبانیت کا اپنے حصہ کے بارے میں جیازاً ہمیشیوں سے ان کے حق میں تبرع اور احسان ہے ان لوگوں کی طرف سے جو اپنا حصہ نہیں لیتے ہیں۔ اور بھائیوں کا دینا ہمیشیوں کو موافق رسم اور رواج کے ان کے حق میں تبرع اور احسان ہے بھائیوں کی طرف سے اور مکانات تبرعات میں اوصاف حمیدہ سے ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان لوگوں سے اپنے حصہ کا دعویٰ کرے تو اس

لا حق پہنچتا ہے کہ اپنا حصہ لیوے اور اس پر طعن کرنا اور اس کو عداوت کرنا ناجائز ہے۔ اس واسطے کہ تبرعات میں جبر نہیں اور یہ جو اس جواب میں لکھا گیا ہے کہ حسب اہل اسلام کی اخوات نے رسم اور رواج منہود کا دیکھا اور سنا۔ اخیر تو یہ کلام نقص سے خالی۔ اس واسطے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی اخوات جو اپنا حصہ نہیں لیتی ہیں تو ان کے اس بہترین اخلاق کے باعث منہود کی عورتوں کی پیروی کرنا ہے تو ایسا کلام موقوف لکھنا چاہیے۔

ختم شد

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دہلوی مدظلہ العالی
فیما بین کار و جموعہ

احسن الفتاویٰ

(کامل، منبوت، ۸ جلدیں پر مشتمل)

دور حاضر کا مقبول ترین مجموعہ فتاویٰ

اس سائنسی دور کے نئے تقاضے اور جدید مسائل قرآن اور سنت کی روشنی میں یہ مجموعہ فتاویٰ تحقیق اور تعمق نظر کی وجہ سے اس حد تک شہرت حاصل کر چکا ہے کہ بڑے بڑے اکابر علماء اور مفتیان کرام بھی اس سے استفادہ بلکہ استناد کرتے ہیں۔ شاید ہی ملک کا کوئی ایسا دینی ادارہ ہو جس کا دارالمطالعہ اس نادر کتاب کی زینت سے خالی ہو۔

زمانہ جدید کی ایجادات، نئے فتنوں اور خود ساختہ باطل مذاہب کے احکام صراحتاً قدیم کتب فتاویٰ میں بیان نہیں کئے گئے ہیں جن کی اس دور میں سخت ضرورت تھی۔ یہ مجموعہ فتاویٰ اس کمی کو پورا کرتا ہے اور یہی اس کتاب کی خصوصیت اور وجہ مقبولیت ہے۔

پہلے یہ تمام فتاویٰ ایک ہی جلد میں تھے لیکن اب اس میں مفتی صاحب موصوف کے مزید فتاویٰ اور گرانقدر علمی تحقیقات کو شامل کر کے اسکو مع تقریرات و تنقید میں نہایت عمدہ کاغذ اور بہترین مکی طباعت کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے ہر جلد دیدہ زیب ہے۔

فی جلد — صفحات ۵۶۸ — سائز ۲۶×۳۲

مثلاً ایچ ایم سعید کمپنی پکینی پانچان چوک منزل کرچی